
سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
موت کے سوداگر
3
تیسرا حصہ

اقلیم علیم

ہتھیار
یک لخت مارتے ہیں
مگر ان کا نشانہ خطا بھی
ہو جاتا ہے، ہیروئن سِسکا سِسکا
کر مارتی ہے اور اس کا نشانہ کبھی
خطا نہیں ہوتا۔ موت کی سوداگری
کرنے والے اُن بین الاقوامی فتنوں کی ہولناک
داستان جو ننگر نگر طاقت و اقتدار کی بساط
اُلٹ کر من پسند مُہرے سجاتے ہیں۔ ان سفاک
اور درندہ صفت مسیحاؤں کا آلۂ کار بننے والے
ایک پُرعزم نوجوان کی ولولہ انگیز سرگزشت
جس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر تھور
جبروت کے ناخداؤں کو للکارا اور دہشت و
انتقام کی ہر نادیدہ زنجیر کو توڑ کر اُن
کے قدم اُکھاڑ دیے۔

"پھر تو میں بھی اسے زندہ دیکھنا چاہوں گا۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ "اسے دیکھ دیکھ کر جہانگیر کو میرے مقابلے میں اپنی بدترین شکست کا احساس ہوتا رہے گا۔ عورت سے بڑی شکست تو شاہوں نے بھی کبھی نہ کھائی ہوگی۔"

"اس وقت تم اس سے ملنے تو یہاں نہ آئے ہوگے؟" میں نے پستول کی نال کو جنبش دیتے ہوئے سوال کیا۔

"شہر میں اب یہی تو ایک دیکھا بھالا گھر رہ گیا ہے۔ یہاں فرسٹ ایڈ کے ساتھ جہانگیر سے ملاقات کی بھی اُمید تھی جو پوری نہ ہو سکی لیکن یہ تو بتاؤ تم اپنے دوست کی تنہا بیوی کی خواب گاہ میں کس رشتے سے گھسے تھے؟"

"جو اس سوال کا مجاز ہے اسی کو جواب دے سکوں گا۔ اب شرافت سے سلمیٰ کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو، ورنہ میں نتیجے کی پروا کیے بغیر گولی چلا دوں گا۔"

"نہ نہ۔ گولی نہ چلانا، ایک کم ہو جائے گی۔" وہ مضحکانہ لہجے میں بولا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک ہی سلمیٰ کو چھوڑ دیا۔ پل بھر کے لیے میری توجہ ہٹی اور اس لڑکے نے سائڈ ٹیبل سے ماربل کا گلدان اٹھا کر فانوس پر دے مارا۔

ایک دھماکے کے ساتھ خواب گاہ میں اندھیرا چھا گیا اور میں اُچھل کر روشن راہداری میں نکل گیا۔ اس لڑکے ہاتھ میں زہریلی سرنج تھی لہٰذا میں دور رہ کر ہی اسے زیر کرنے کی فکر میں تھا۔

میں پستول تانے، سانس روکے راہداری میں اُس کا منتظر تھا کہ اچانک خواب گاہ سے کسی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا سنائی دیا۔ جتنی دیر میں میں کمرے میں پہنچتا، وہ کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے باہر کود چکا تھا۔ میں نے بوکھلاہٹ کے عالم میں سوئچ ٹٹول کر ٹیبل لیمپ روشن کیا تو سلمیٰ کے چہرے پر خون کی کئی بوندیں نمایاں تھیں۔ فانوس سے ٹوٹنے والے شیشے کے کچھ ٹکڑوں نے اسے بھی اپنی زد میں لے لیا تھا۔

واقعات اس قدر تیزی کے ساتھ اور پے در پے رونما ہو رہے تھے کہ اگلا دن طلوع ہونا مشکل نظر آ رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر چوکیدار سمیت تینوں ملازمین کو طلب کیا تو سلمیٰ کی خواب گاہ میں گھستے ہی وہ بوکھلا گئے۔ ان کے لیے گھر میں کسی اجنبی کی موجودگی ناقابلِ یقین تھی۔ کیونکہ وہاں تو دن بھر کوئی آیا ہی نہیں تھا اور نہ انھوں نے چند منٹ پیشتر کسی کو جاتے دیکھا تھا۔ ان تینوں کو میں نے کسی بدنیت ڈاکو کے داخلے، اپنی مداخلت اور پھر اس کے فرار کی کہانی سنا کر ہوشیار رہنے کی تاکید کی اور بے ہوش سلمیٰ کو اپنی کار میں منتقل کرا کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ واقعات کی تیزی کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنے یا سلمیٰ کے

زخموں کی دیکھ بھال بھی نہیں کی تھی کہ کہیں اسے ٹوٹے ہوئے بھاگتے ایک مرتبہ پھر نہ ادھر پلیٹ پڑے اور مجھے لینے کے دینے پڑ جائیں۔

سلمٰی کے لیے میرا دل بہت ملول تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ راستے ہی میں ہوش میں آجائے تاکہ میں اسے اپنے طرزِ عمل کی وجہ سے آگاہ کر سکوں۔ گھر پہنچنے کے بعد میرے لیے ایسی وضاحتیں ذرا دشوار ہو جائیں۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر غیر ارادی طور پر نگاہ ڈالی تو پونے نو بج رہے تھے، مجھے یاد آیا کہ مجھے آٹھ اور نو بجے کے درمیان فون پر سلطان شاہ سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ میں نے سلمٰی کے ہوش میں آنے تک شہر نوردی کا ارادہ ترک کر کے گاڑی گھر جانے والے راستے پر ڈال کر رفتار بڑھا دی۔

گھر پر شدت کے ساتھ میرا انتظار ہو رہا تھا۔ میرے زخمی ہاتھوں کو دیکھ کر غزالہ بہت پریشان ہوئی پھر بے ہوش سلمٰی کو میرے ساتھ موجود دیکھ کر پورے گھر میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی لیکن میں کسی کے بھی سوالات کی پروا کیے بغیر ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ پہلی ہی کوشش میں لاہور کا نمبر مل گیا۔

فون ریسیو کرنے والا سلطان شاہ خود ہی تھا اور غیر متوقع طور پر سنجیدہ محسوس ہو رہا تھا۔ چند رسمی فقروں کے بعد وہ فوراً ہی مطلب کی بات پر آگیا۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک بُری خبر ہے۔" اس کی ٹھہری ٹھہری آواز سنائی دی۔

"بڑی ماں کے بارے میں؟" میں نے اپنے اندر سے آواز آتی محسوس کی۔

"ہاں ۔۔۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" میری سوتیلی ماں کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔

"اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون ۔۔۔ اور کیا خبریں ہیں؟" میں نے جذبات سے عاری سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

دوسری طرف لائن پر سناٹا چھا گیا جیسے اسے میرے ردِ عمل پر حیرت ہوئی ہو اور وہ بات جاری رکھنے کا حوصلہ نہ کر پا رہا ہو۔

"کیا سو رہے ہو تم؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"نن ..... نہیں، سوچ رہا تھا۔ مجھے لائیڈز کالج میں سامان فراہم کرنے والے ٹھیکیدار کی وین پر نوکری ملنے کی اُمید ہو گئی ہے۔ وین وہاں روز گوشت، سبزیاں اور دالیں وغیرہ پہنچاتی ہے۔ میں بآسانی دو تین گھنٹے اندر گزار لیا کروں گا۔"

"نوکری کر لو لیکن اس ولد الحرام سے بچے رہنا، پوری بھیڑ میں وہی ایک آدمی تم کو پہچانتا ہے۔"

"میں محتاط رہوں گا، کراچی کے کیا حالات ہیں؟"

"حالات خطرناک ہیں، اس سے چار بار ٹکراؤ ہو چکا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میرے ہاتھوں زخمی بھی ہوا ہے، اب شاید اسے کئی دن آرام کرنا پڑے گا۔"

"آج شوگر کوئین بھی نظر آہی گئی۔" وہ بتا رہا تھا۔ "اسے علاقے میں کوئی نہیں جانتا۔ وہ اپنے ایک سفید فام دوست کے ساتھ رہ رہی ہے اور اس کا اصل نام ڈریالائیڈ ہی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اولڈ ڈارلنگ کے معاملے میں وہ پریشان ہے اور کسی بھی وقت لاہور سے کوچ کر سکتی ہے۔"

"یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"آج شام وہ مختلف فضائی کمپنیوں کے دفاتر کے چکر لگا رہی تھی۔ اگر وہ یہاں سے چل ہی پڑی تو میں کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔"

"پھر اس سے پہلے ہی کچھ کر گزرو۔ تمہارے دوست اُسے مہمان رکھنے میں خوشی محسوس کریں گے۔"

"میں انہیں صرف صورت دکھا دوں گا، باقی کام وہ شوق سے خود ہی کر لیں گے، پھر ....." اچانک ریسیور پہ سلطان شاہ کی کراہ سنائی دی اور فوراً ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور شدید بے چینی کے عالم میں وہاں سے اٹھ گیا۔ نجانے اس پر کیا ناگہانی افتاد نازل ہوئی تھی۔

میں نے دوبارہ وہی نمبر ملایا لیکن دوسری طرف سے مسلسل انگیج ٹون سنائی دیتی رہی۔ جب پانچویں کوشش بھی بار آور نہ ہوئی تو میں مایوس ہو گیا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس اُفتاد کے نتیجے میں ریسیور کریڈل پر رکھنے کی نوبت ہی نہ آسکی تھی۔

میں اداس دل اور بوجھل قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ اس وقت مجھ پر خود فراموشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اپنی ہتھیلیوں کے کھولتے ہوئے زخموں سے لے کر سلمٰی اور غزالہ، سب ہی کو بھلا بیٹھا تھا۔ بس یہ یاد رہ گیا تھا کہ بڑی ماں قتل کر دی گئی تھیں۔ رشتے کا ایک محترم اور مقدس نام جو میری تسلی کے لیے باقی تھا، اسے بھی مٹا دیا گیا تھا۔

میری آنکھوں کے گوشے تیزی سے نمناک ہونے لگے اور جب میں بستر پر گرا تو نگاہیں دھندلا چکی تھیں اور دل حلق میں اُبلا آرہا تھا۔

والد مرحوم نے رشوت کی آمدنی کے بل پر ایک چھت کے نیچے بیک وقت جن دو کہانیوں کا آغاز کیا تھا، آج وہ دونوں ہی ختم ہو چکی تھیں۔ ماں، بڑی ماں اور ابا جان میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ میں اپنی تقدیر کا لکھا پورا کرنے کے لیے انسانوں کے سمندر میں تنہا دھکیل دیا گیا تھا۔ جہاں کوئی کسی کا سچا ہمدرد نہیں تھا۔

ایسی مایوسی اور بے بسی میں نے اپنی زندگی میں کبھی محسوس نہ کی تھی۔

زندگی انسان کے لیے کس قدر اہم ہے۔ لمحوں سے برسوں تک ایک طویل مسافت نظر آتی ہے جسے طے کرنے کے لیے لمحہ بہ لمحہ منصوبے اور سازشیں تیار کرنا پڑتی ہیں، دوستوں کی دلجوئی، دشمنوں کی بیخ کنی، چاہے جانے والوں کی خوشامد، زر پرستی، زن مُریدی، زمین سازی کی فکر کم و بیش ہر انسان کے ذہن پر ہر لمحہ سوار رہتی ہے، جب تک وہ زندہ رہتا ہے، یہی محسوس کرتا ہے کہ پورے معاشرے میں اسی کی جدوجہد اور جانبازی سب سے اہم اور جاں گسل ہے جس کے نتائج پر بہت سوں کے مستقبل کا دارومدار ہے لیکن تقدیرِ کائنات کی لامتناہی پہنائیوں میں چھپی انسان کی ان خوش فہمیوں پر چپکے چپکے، دھیمے دھیمے مسکراتی رہتی ہے کہ دوسروں کے مستقبل کے غم میں گھلا جانے والا اپنے مستقبل سے کس قدر بے خبر ہے۔ انسان اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اپنی مُہم جُوئی میں مصروف رہتا ہے اور پھر اچانک ہی وہ فیصلہ کُن لمحہ سر پر آجاتا ہے جب اجل کے ہاتھوں شہ رگ کی دھڑکن یکلخت موقوف ہو جاتی ہے اور انسان زندگی کے سارے جھمیلوں سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

بڑی ماں بھی مر چکی تھیں یا مار دی گئی تھیں لیکن یہ سب قانونی موشگافیاں تھیں، دونوں صورتوں میں طبعی نتیجہ ایک ہی برآمد ہونا تھا۔ میرے بارے میں ان کے جذبات جو بھی رہے ہوں، میرے دل میں ان کے لیے بے پناہ تڑپ زندہ تھی۔ اگر تصویر سچا تھا تو بڑی ماں بھی مجھ سے ملنے کے لیے بے تاب تھیں۔ کس قدر عجیب بات تھی کہ بڑی ماں تین جوان لڑکوں کی ماں تھیں۔ دو سگے اور ایک سوتیلا لیکن ان میں سے کسی کو بھی گھر بار کی عیال دار اور آسودہ زندگی میسر نہ آسکی تھی۔

تصویر جس انداز میں لائیڈز کالج میں رہ رہا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مرنے تک وہ شادی بیاہ کی پابندیوں سے آزاد رہتا تھا۔ توقیر اگر کنڈا ہی میں تھا تو اس کا وہاں ہونا یا نہ ہونا بڑی ماں کے لیے یکساں تھا۔ تصویر مشرق کے پابند معاشرے میں رہتے ہوئے شادی پر مائل نہ ہو سکا تھا تو بھلا توقیر مغرب کی آزادیوں میں اس موضوع پر کیوں سوچتا۔ میرا جو حال تھا، سو سامنے تھا۔ میں اپنی شریکِ حیات کے طور پر غزالہ کا انتخاب کر چکا تھا لیکن اپنی زندگی کو کسی لگی بندھی راہ پر ڈالے بغیر میں اس بندھن کو مضبوط کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

روایتی بڑی بوڑھیوں کی طرح بڑی ماں کو بھی حسرت [illegible] وہ اپنی گود میں اپنے پوتوں کو ہنستے کھیلتے اور ہمکتے دیکھیں لیکن ان کی وہ حسرت ان ہی کے ساتھ دم توڑ گئی... فی الوقت اس گھر [illegible] نام چلانے [illegible] کوئی [illegible] تھا۔

شاید اس میں [illegible] قدرت کی کوئی مصلحت تھی کہ ہم تینوں ابھی تک تنہا تھے۔ تصویر اکیلا اپنی بقا کی جنگ لڑتے لڑتے اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جس کے اشاروں پر وہ نجانے کیا کچھ کرتا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہم تینوں میں سے کسی نے بھی اپنی اتنی عمر گزار کر کوئی نیکنامی نہیں کمائی تھی بلکہ اپنے ہر قول و فعل سے اپنے پُرکھوں کے نام کو بٹّا ہی لگاتے آئے تھے۔

میری سمجھ میں نہ آسکا کہ لوگ اولادِ نرینہ کے لیے کیوں ترستے ہیں جبکہ کس قدر عبرت کا مقام تھا کہ ہم تین بھائی تھے اور تینوں ہی جرم و گناہ کی اندھیری راہوں کے مسافر تھے۔ ہماری جگہ لڑکیاں ہوتیں تو اب تک اپنے اپنے گھر بار کی ہو گئی ہوتیں۔ خاندان کا نام نہ چلاتیں تو کم از کم اس کو بٹّا بھی نہ لگاتیں۔ مگر اپنے گرد و پیش میں آئے دن ایسے المناک واقعات دیکھ کر بھی لوگ اپنی آرزوؤں میں تبدیلی لانے سے قاصر تھے۔ بہتیرے لوگ لڑکی کی ولادت پر والدین کے ساتھ یوں اظہارِ ہمدردی کرتے تھے جیسے بیٹی کی پیدائش کی صورت میں ان پر کوئی عتاب نازل ہوا ہو اور تو اور، اس جہالت کا بدترین مظہر وہ رویہ تھا کہ ماں بننے والیاں عورت ہوتے ہوئے بھی اپنی گود میں اپنی جنس کو دیکھ کر مقدر کا گلہ کرتی نظر آتی تھیں۔

میرے آنسو تھم چکے تھے۔ دل کی گہرائیوں سے ابھرنے والا غم و اندوہ کا غبار آنسوؤں میں ڈھل چکا تھا لیکن ذہنی رو اس کمرے کی تنہائی میں بھٹکے جا رہی تھی۔ ذہن پر فلسفہ طاری ہونے لگا تھا، اس وقت پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ فلسفہ ناکامیوں اور محرومیوں کی کوکھ سے ہی جنم لیتا ہے۔ کامیاب اور بامُراد لوگوں کو تو مسرتیں سمیٹنے سے ہی فرصت نہیں ملتی جو وہ فلسفے کا رخ کر سکیں۔

"ارے! آپ یہاں پڑے کیا کر رہے ہیں؟" اچانک ابھرنے والی غزالہ کی تحیر آمیز آواز نے مجھے چونکا دیا اور میں [illegible] کر بستر سے اٹھ گیا۔

"کک... کچھ نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "دل اداس تھا اس لیے ادھر آگیا تھا... وہاں کیا ہو رہا ہے... سلمٰی ہوش

میں آئی یا نہیں؟" میں نے خفت مٹانے کے لیے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

وہ رکے بغیر میرے قریب آگئی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "بڑا اداس کیوں ہیں آپ؟ کیا سلطان شاہ نے کوئی بری خبر سنائی ہے؟"

"خبر صرف خبر ہوتی ہے غزالہ۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اسے اچھا یا برا سمجھنا خود سننے والے کے اپنے رویّے پر منحصر ہوتا ہے... سلطان شاہ نے آج بڑی ماں کی موت کی تصدیق کر دی ہے۔"

"دکھ ہونا تو لازمی ہے لیکن جب سگی ماں نہ رہی تو سوتیلی کب تک زندہ رہتی۔ یہ تو قدرت کا قانون ہے کہ جانے والے آنے والوں کے لیے جگہ خالی کرتے جاتے ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی اس اٹل قانون سے مستثنیٰ نہیں۔"

"نہ ہوں گے۔" میں سر جھٹک کر ہنس پڑا۔ "تم نے یہ نہیں بتایا کہ سلمیٰ کس حال میں ہے؟"

"ہوش میں آگئی ہے، پہلے اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اب آپ کے خلاف زہر اگل رہی ہے... میں اسی تماشے میں الجھی ہوئی تھی۔ ورنہ بہت پہلے یہاں آگئی ہوتی۔"

"تمھیں تو پہچان لیا ہوگا اس نے؟"

"ابھی اس کے حواس یکجا نہیں ہو سکے ہیں۔ جہانگیر کے علاوہ کسی کو نہیں پہچان سکی۔" یہ کہتے ہوئے وہ تشویش زدہ انداز میں میری زخمی ہتھیلیوں پر جھک گئی۔ "یہ کیا ہوا؟ بہت بری طرح زخمی ہوئی ہیں ہتھیلیاں آپ کی۔"

"آج اے لٹو سے بدترین تصادم ہوا ہے۔" میں نے ہلتے ہوئے کہا۔ "مقدر ہی یاوری کر رہا تھا کہ ہر بار اسے زخم چاٹتے چھوڑ کر زندہ و سلامت نکل آنے میں کامیاب ہو گیا۔"

وہ وہیں میری مرہم پٹی کرنے پر مُصر تھی لیکن میں نے وہ کمرہ چھوڑ دیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ سلمیٰ میرے خلاف کیا زہر اگل رہی تھی اور جہانگیر پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے تھے۔ سب سے پہلے مجھ پر اسی کی نگاہ پڑی تھی اور وہ زہریلے لہجے میں جہانگیر سے مخاطب ہو گئی تھی۔ "لو، آگیا تمھارا چہیتا دوست۔ اب اسی سے پوچھ لو کہ مجھے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔" آخری الفاظ پر اس کی آواز رُندھ سی گئی۔

"سلمیٰ کیا کہہ رہی ہے؟" جہانگیر نے ملامت آمیز اونچی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔ "تمھیں اس پر ایسے گھٹیا الزام لگاتے ہوئے ذرا بھی شرم نہ آئی؟"

"ضرور آتی۔ اگر سلمیٰ کی خواب گاہ میں اے لٹو مسہری پر دراز نہ ہوتا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور جہانگیر کی نظریں جھک گئیں۔

"یہ جھوٹ ہے۔" سلمیٰ ہذیانی انداز میں چیخ پڑی۔ "اس نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی، میں مجبور تھی،..... میں ..... نے اسے اپنی خوشی سے نہیں بلایا تھا... وہ تو کسی چور کی طرح اطلاع دیے بغیر اچانک ہی وہاں گھس آیا تھا۔"

"مجھے یہ سب معلوم ہے..." میں نے اس کی بات کاٹ کر کہنا چاہا لیکن جہانگیر نے تیز لہجے میں میری بات اڑا دی۔

"کیا معلوم ہے؟" وہ اشتعال آمیز لہجے میں دہاڑا تھا۔ "کیا دیکھ لیا تھا تم نے میری خوابگاہ میں کہ تم نے سلمیٰ پر الزام تراشی شروع کر دی؟"

"سنو!" اس کے خاموش ہوتے ہی کمرے کی فضا میں کرنل نوّار زیدی کی پاٹ دار آواز گونجی۔ "اگر نیچی آواز میں بات نہیں کر سکتے تو فوراً یہاں سے نکل جاؤ، یہ گھر ہے، کوئی بھٹیار خانہ نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ جیب سے پستول نکال چکا تھا۔

"آپ پستول رکھ لیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارے درمیان کچھ غلط فہمیاں جنم لے چکی ہیں جنھیں دور کرنا بہت ضروری ہے۔ میں ان دونوں کو ابھی قائل کر دوں گا۔"

"کرو، میں سن رہا ہوں۔" کرنل نے نادر شاہی فرمان جاری کیا اور میں بے چارگی کے ساتھ سر ہلا کر ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ اے لٹو وہاں چوری سے گھسا تھا پھر شاید اس نے سلمیٰ کو... سلمیٰ بھابی کو۔" میں نے غزالہ سے نگاہیں چار ہوتے ہی جلدی سے اپنی تصحیح کر ڈالی۔ "دھمکا کر اپنی مرہم پٹی کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اسی اثنا میں میں وہاں پہنچ گیا۔ پہلے تو میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اے لٹو کو تمھارے بستر پر دراز دیکھ کر غصّے سے کھوپڑی کھولنے لگی تھی۔ اسی رو میں میری جانب سے تلخ کلامی کا آغاز ہوا پھر صورتِ حال کا ادراک ہونے کے بعد میں نے اداکاری کا فیصلہ کر لیا۔ اگر اے لٹو، سلمیٰ۔ سلمیٰ بھابی کے ساتھ میری ہمدردی کا اندازہ لگا لیتا تو اسے آڑ بنا کر مجھے زیر کر سکتا تھا لہٰذا میں نے سلمیٰ بھابی کے بارے میں بے رحمانہ رویّہ اختیار کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے زیر کرنے کے بجائے وہ خود بھاگ نکلا۔"

"لل... لیکن تم نے الزامات لگائے تھے مجھ پر۔ ایسے گندے الزامات جن کا تصوّر بھی محال ہے، کیا کچھ نہیں کہا تھا تم نے مجھے؟ گالیاں نہ دے کر بھی بدترین گالیاں دے ڈالی تھیں اور اسے اکسا رہے تھے کہ مجھے مار ہی ڈالے۔" سلمیٰ چیخوں اور سسکیوں کے درمیان روہانسی آواز میں بولی۔

"یہ سب درست ہے لیکن میں نے جو کچھ کیا وہ تمھاری جان بچانے کے لیے کیا۔" میں نے براہِ راست سلمیٰ سے مخاطب ہو کر پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اس وقت اے لٹو کے ذہن پر تخریب سوار تھی۔ میں تمھاری زندگی کے لیے التجا کرتا تو وہ تمھیں ہلاک کر دیتا یہی بھانپتے ہوئے میں نے تم کو موت کا سزاوار قرار دیا تھا اور اس نے تمھیں زندہ چھوڑ دیا۔ تاکہ جہانگیر خود تمھارا کام تمام کرے۔ اسے پورا یقین ہو گیا تھا کہ میں تمھاری طرف سے پوری طرح بدظن ہو چکا ہوں اور جہانگیر کو تمھاری اور اس کی بزم آرائی کی داستان پوری تفصیل کے ساتھ سناؤں گا۔"

"کیا بک رہے ہو تم؟" جہانگیر آخر کو مرد ہی تھا اسے طارہ آگیا۔ "وہاں کیسی بزم آرائی ہو رہی تھی؟ کیا ہو رہا تھا جب تم خوابگاہ میں داخل ہوئے تھے۔"

"بظاہر بہت کچھ لیکن درحقیقت کچھ بھی نہیں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "وہ زخمی پنڈلی اور شانہ برہنہ کیے تمھاری مسہری پر دراز تھا اور سلمیٰ اس کے زخم صاف کر رہی تھی..."

"لیکن وہ وہاں گیا ہی کیوں تھا؟" جہانگیر سلمیٰ کے چہرے پر نظریں گاڑ کر غرّایا۔

جہانگیر کے خون پر گرمی چڑھنے لگی تھی، سلمیٰ نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن زبان ہلاتے ہی بے ساختہ رو پڑی اور مجھے ایک بار پھر دخل اندازی کرنا پڑ گئی۔

"وہ تمھاری بیوی سے ملنے نہیں گیا تھا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم اس کی قید سے فرار ہوئے تھے، اسی کے بعد اس کے لیے دشواریاں کھڑی ہو گئیں، وہ تم سے فیصلہ کن انداز میں دو دو ہاتھ کر کے تمھارا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ یہ تمھاری خوش نصیبی تھی کہ تم وہاں موجود نہیں تھے اور سلمیٰ کی بدنصیبی تھی کہ میری ہدایت کے باوجود یہ گھر نہ چھوڑ سکی کیونکہ اس کے رشتے دار اچانک ہی حیدرآباد چلے گئے تھے اور اے لٹو نے اس سے نرس کا کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔"

"وہ بہت کمینہ ہے، اگر تم بروقت مداخلت نہ کر بیٹھتے تو وہ حد سے متجاوز بھی ہو سکتا تھا۔"

"بالکل ہو سکتا تھا۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی ذہنیت گندی ہے، وہ عورت کی شکست کو بدترین گردانتا ہے۔ خود اسی نے کہا تھا کہ عورت سے بڑی شکست تو کبھی شاہوں نے بھی نہ کھائی ہوگی۔"

"تمھیں یقین ہے کہ تم بروقت وہاں پہنچ گئے تھے؟" جہانگیر کی آواز پر یک بیک نقاہت طاری ہو گئی۔

"ایمان کی حد تک۔" میں نے اس کی ذہنی کیفیت بھانپتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا اور غزالہ کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ سلمیٰ کو وہاں سے اپنے ساتھ لے جائے۔

غزالہ اسے پچکارتی ہوئی اپنے ساتھ لے گئی۔ اس اثنا میں کرنل پستول ہاتھ میں تھامے مسلسل دروازے پر جما ہوا تھا۔

"کیا اب بھی کسی سے کوئی خطرہ لاحق ہے آپ کو؟" میں نے خشک لہجے میں کرنل سے سوال کیا۔

"نن... نہیں۔" کرنل نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "کہو تو میں بھی چلا جاؤں یہاں سے؟"

"جانا چاہیں تو آپ کی مرضی ہے لیکن کم از کم پستول جیب میں رکھ لیں، چل پڑا تو ہوا میں نمی کا تناسب بڑھ جائے گا۔" میں نے اپنے لہجے میں سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا اور کرنل نے سیفٹی کیچ چڑھا کر پستول فوراً ہی جیب میں ڈال لیا۔

"میں ذرا شمع کو دیکھ کر آتا ہوں، بھیڑ بھاڑ اور شور و غل سے اسے اختلاج ہونے لگتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ تیزی کے ساتھ اس کمرے سے نکلا چلا گیا۔

تنہائی میسر آجانے پر جہانگیر کئی ثانیوں تک الجھن آمیز انداز میں میری آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر شکست خوردہ دھیمی آواز میں بولا۔ "تم میرا دل رکھنے کے لیے جھوٹ تو نہیں بول رہے؟"

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" میں نے بگڑ کر کہا۔ "مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی؟ جو دیکھا تھا بتا دیا۔ بس یہ یاد رکھنا کہ اب کافی عرصے تک تم دونوں کو بھی روپوش رہنا ہوگا۔ ورنہ وہ کسی پاگل کتّے کی طرح تم پر کوئی بھی وار کر گزرے گا جس کا توڑ کرنا شاید کسی کے لیے بھی آسان نہ ہوگا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہو۔" وہ جلدی سے اضطراری لہجے میں بولا۔ "سلمیٰ حالات سے بے خبر ہے۔ لہٰذا وہ تمھاری ہدایت کی اہمیت کو نہ سمجھ سکی۔ اسے ذرا بھی عقل ہوتی تو رشتے داروں کی غیر حاضری کا علم ہونے کے بعد وہ شہر کے کسی ستھرے ہوٹل میں منتقل ہو سکتی تھی.... اب مجھے اس سے بہت سی وضاحتیں کرنا پڑیں گی۔ وہ سوالات کر کے میرا دماغ چاٹ جائے گی۔ اس بارے میں تم نے اسے کیا بتایا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے اس کی خلش اور پریشانی کا سبب بھانپتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "وہاں وہ اے لٹو کی موجودگی میں ہی بے ہوش ہو گئی تھی، اسی حالت میں میں اسے یہاں اٹھا لایا۔ اس سے تو مجھے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ بھلا میں اسے کیا بتاتا؟ اب تو بتانا اور چھپانا سب تم ہی پر منحصر ہے۔"

"وہ شروع دن سے میری سرگرمیوں سے شاکی رہی ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "اور اب تو اسے بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان معاملات میں میرا اور تمہارا مفاد مشترک ہے، میں اسے جو کچھ بھی بتاؤں گا، وہ علیحدگی میں تم سے اس کی تصدیق ضرور کرنا چاہے گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ تصدیق کا مرحلہ شروع بھی ہو چکا ہو۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کس سے؟ کیسے؟" میری رائے زنی پر وہ بوکھلا گیا۔

"ہوش و حواس معمول پر آتے ہی وہ غزالہ کو پہچان چکی ہو گی جسے اپنی دانست میں سلمٰی نے تمہاری قید سے فرار کرایا تھا۔ اب تم جو کچھ بھی کہو گے، وہ غزالہ کے بیان کے مطابق ہونا چاہیے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "مجھے یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ بیوی کے سامنے اپنی مصروفیات کی وضاحتیں کرتا پھروں۔" وہ تقریباً کراہتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔

اسی اثنا میں غزالہ سلمٰی کے ساتھ وہاں آ پہنچی۔ سلمٰی ترش لہجے میں اس سے الجھ رہی تھی اور وہ مسکرا کر اسے ٹالے جا رہی تھی۔ کمرے میں پہنچتے ہی غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی تھی۔

"اب دونوں تمہارے سامنے موجود ہیں۔ جو چاہو، ان سے پوچھتی چلی جاؤ، میں تو تمہاری ہی طرح ناگہانی اس تصادم میں الجھ گئی تھی۔"

"یہ کون ہے؟" سلمٰی نے تیکھے تیوروں کے ساتھ جہانگیر سے غزالہ کے بارے میں سوال کیا۔

"سلیس اردو میں ایک لڑکی اور ثقیل اردو میں میری منگیتر۔" جہانگیر سے پہلے ہی میں بول پڑا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ فضا میں کشیدگی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔

"تمہاری منگیتر!" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر معنی خیز ہنکارا بھرتی ہوئی میری طرف گھوم گئی۔ "جہانگیر نے اسے کیوں اغوا کیا تھا بلکہ اغوا کر کے اپنے گھر پر قید رکھا تھا۔ اگر میں اس کی مدد نہ کرتی تو نجانے اس کا کیا انجام ہوتا، اس کے جواب میں میرے ساتھ تمہارا رویہ حیرتناک ہے۔ موقع ملنے کے باوجود تم نے اس زیادتی کا کوئی بدلہ نہیں لیا۔"

"یہ غلط فہمی ہے تمہاری۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "ہم دونوں اسی سیاہ پوش کے خلاف برسرپیکار ہیں جو میرے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد تمہاری خوابگاہ میں جا گھسا تھا۔ پہلے اس نے غزالہ کو اغوا کیا تھا اور جہانگیر اس کے آڑے آ گیا۔ اس وقت تک جہانگیر کو میرے اور غزالہ کے تعلق کا علم ہی نہ ہو سکا تھا، وہ اسے ایک مظلوم لڑکی سمجھ کر اس کی مدد کر رہا تھا...."

"اپنے گھر میں قید کر کے؟" سلمٰی نے میری بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم احمق ہو۔" جہانگیر جھنجلا کر بول ہی پڑا۔ "وہ بہت بارسوخ اور کینہ پرور آدمی ہے، مجھے ڈر تھا کہ لڑکی رہا ہوتے ہی کہیں دوبارہ اس کے آدمیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ میں اس کے لیے کسی بہتر کمین گاہ کی تلاش میں تھا۔"

"جب میں نے اسے بھگایا تو وہ فوراً ہی دھر لی گئی۔" سلمٰی نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ اس وقت وہ ہر اعتبار سے صرف اور صرف بیوی نظر آ رہی تھی جسے کاتبِ تقدیر نے شوہر کے سخت محاسبے کے لیے سر پر مسلط کیا ہو۔

"یہ اتفاق ہے کہ وہ ڈینی کی تربیت یافتہ غزالہ تھی اور صاف نکل گئی، کوئی اور ہوتی تو تمہیں خود اپنی احمقانہ ہمدردی پر افسوس ہوتا۔ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں تھا۔"

"پہلے ڈینی کی منگیتر اور آج تمہاری بیوی کی باری آ گئی تھی۔" سلمٰی کے جارحانہ تیور بدستور برقرار تھے۔ "آخر وہ کون ہے؟ تم نے اس کی کس ماں بہن کی بے آبروئی کی ہے کہ وہ تمہاری عورتوں کا دشمن ہو رہا ہے۔"

"تم سے کہاں دشمنی ہے اسے؟" جہانگیر نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم سے تو مرہم پٹی کرانے آیا تھا، ڈینی دخل اندازی نہ کر بیٹھا ہوتا تو شاید دوستی کے دوطرفہ معاہدے کی توثیق بھی ہو چکی ہوتی۔"

وہ آپے سے باہر ہو کر چیختی ہوئی جہانگیر کی طرف جھپٹی مگر میں پھرتی کے ساتھ درمیان میں آ گیا۔ اس نے روہانسی آواز میں مجھے برا بھلا کہتے ہوئے میرے سینے پر مکّے برسانے شروع کر دیے۔

میں نے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ معنی خیز زیرِلب مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ پر بالکل غیر جانبدارانہ انداز میں کھڑی تھی، میں نے ناچار سلمٰی کی دونوں کلائیاں تھام لیں۔ وہ ہاتھ چھڑانے کے لیے چند ثانیوں تک زور آزمائی کرتی رہی۔ اس دوران میں غزالہ کے لبوں سے مسکراہٹ کافور ہو چکی تھی اور اس کی آنکھوں میں رقابت کی ہلکی سی سرخی بھڑکنے لگی تھی۔ اس سے پیشتر کہ غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا، میں نے موقع ملتے ہی سلمٰی کو ایک جھٹکے سے پیچھے دھکیل کر اس کی کلائیاں چھوڑ دیں۔

"میاں بیوی کے معاملات میں آپ شاید ضرورت سے زیادہ دخیل ہو رہے ہیں۔" فضا میں غزالہ کی پُرسکون آواز گونجی۔ "ان دونوں کو یہاں ایک دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تو مصالحت آسانی کے ساتھ ہو سکے گی۔"

میرے لیے اس کا فرمان نعمت سے کم نہیں تھا۔ میں



فوراً ہی نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا اور غزالہ میرے پیچھے ہو لی۔

"تم سلمٰی کی آمد سے کچھ ناخوش نظر آتی ہو؟" میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی سبقت لے جاتے ہوئے سوال کر ڈالا۔

"اگر آپ خوش ہیں تو میں کیسے ناخوش ہو سکتی ہوں؟"

اس کے سنجیدہ جواب نے پل بھر کے لیے مجھے لاجواب کر دیا مگر میں نے فوراً ہی راستہ نکال لیا۔

"میری خوشی کا اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟"

"بڑے شوق سے اس سے پٹ رہے تھے آپ، میرا تو خون کھول رہا تھا۔ اسے یہ جسارت کیسے ہوئی کہ اس نے آپ پر ہاتھ اٹھایا؟ آپ کی جگہ جہانگیر پٹ رہا ہوتا تو اس کے دونوں ہاتھ شانوں سے اکھاڑ پھینکتا۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"اس وقت وہ ذہنی طور پر نارمل نہیں ہے۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "میری جگہ جہانگیر ہوتا تو واقعی وہی کچھ کرتا جو تم کہہ رہی ہو۔ کیونکہ خلوت سے ہٹ کر میاں بیوی انا کے معاملے میں بہت زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ جب کہ میرے لیے انا کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ کم از کم تمہیں اس قدر تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"اپنے اس مشورے کا جواب آپ خود ہی دے چکے ہیں۔" وہ سپاٹ اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔ "آپ دوسری عورتوں کے بارے میں لاکھ منکسر المزاج ہوں لیکن میں انا کی تھوڑی سی قائل ہوں، کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی عورت آپ پر ہاتھ اٹھائے اور آپ بس ہنس ہنس کر اسے روکتے رہیں۔"

میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا۔ غزالہ نے چھوٹے چھوٹے الفاظ میں بہت بڑی بات کہہ ڈالی تھی جس کا اسے حق حاصل تھا۔ اس نے جو کچھ کہا درست ہی کہا تھا لیکن میرے لیے اس کے جواب میں خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔

"اس وقت میرے لیے وہ نہ مرد تھی، نہ عورت۔ میں تو اسے بس ایک مغلوب الغضب اور فاترالعقل سمجھ رہا تھا جس کی نہ کوئی جنس ہوتی ہے نہ نسل۔ اچھا ہوا کہ آج تم نے مجھے ٹوک دیا، اب میں آئندہ محتاط رہوں گا اور کوشش کروں گا کہ یہ دونوں میاں بیوی جلد سے جلد یہاں سے چلے جائیں۔"

"چلے ہی جائیں تو بہتر ہے۔" اس نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "میں آپ کو قصوروار نہیں ٹھہراتی لیکن کاش آپ ایک عورت کی نگاہوں سے سلمٰی کا مشاہدہ کرتے تو مجھ سے پورا پورا اتفاق کرتے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنے مشاہدے کی بنا پر بصد ادب یہ عرض کروں گی کہ وہ عورت آپ میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مطلع کر دیا۔ میں اس سے ہوشیار رہوں گا۔" میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے فراخدلانہ لہجے میں کہا لیکن اپنی آواز کا کھوکھلا پن خود مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

غزالہ ہنستے ہوئے میری ہتھیلیوں کے زخموں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اسے لٹو کے پھینکے ہوئے بم کے دھماکے سے بچنے کے لیے بھاگتے بھاگتے ہتھیلیوں کے بل زمین پر گر کر میں نے جو چال چلی تھی، وہ زندگی بچانے کے لیے تو کارگر ثابت ہوئی تھی لیکن میری ہتھیلیاں بری طرح لہولہان ہو گئی تھیں۔ لمبی لمبی خراشوں میں پیوست سنگریزے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگے تھے۔

وہ مرہم پٹی کا سامان لے کر وہیں میرے قریب آ بیٹھی پھر ڈیٹول ملے ہوئے جراثیم کش پانی سے ہولے ہولے میری ہتھیلیوں کی خراشوں کو صاف کرتے ہوئے اس نے سلطان شاہ کی بات چھیڑ دی۔

"وہ لاہور میں کیا کر رہا ہے؟" بظاہر اس کا لہجہ سرسری تھا لیکن اس میں چھپا ہوا تجسّس مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

"وہ میری توقع سے کہیں بڑھ کر ذہین ثابت ہوا ہے۔ شوگر کوئین آج شام مختلف فضائی کمپنیوں کے دفاتر میں دیکھی گئی ہے۔ سلطان شاہ کا خیال ہے کہ وہ کسی بھی وقت لاہور سے روانہ ہو سکتی ہے۔ میں نے اسے سگنل دے دیا ہے۔ پہلا موقع میسّر آتے ہی وہ شوگر کوئین کو اغوا کرنے کی کوشش کرے گا۔ دوسری طرف اس نے روزمرّہ ضروریات کا سامان لائیڈز کاٹیج میں پہنچانے والے ٹھیکیدار کے کسی آدمی سے سازباز کر لی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جلد ہی مال لے جانے والی وین پر جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرح وہ روزانہ ایک دو گھنٹے اس ناقابلِ گزر عمارت میں گزار سکے گا۔"

"دونوں ہی اہم خبریں ہیں۔" اس نے زخم سے کنکر نکالنے کے لیے زور سے رگڑتے ہوئے کہا اور بے اختیار میرے ہونٹوں سے سسکاری آزاد ہو گئی۔

"شوگر کوئین ہاتھ آ گئی تو ہمارا کام بہت آسان ہو جائے گا۔" میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔ "اگر وہ ویرا لائیڈ ہی ہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تنظیم میں اس کی ذات بے پناہ اہمیت کی حامل ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ آ جانے کے بعد لٹو اور اس کے پروردہ مُہرے ہمارے لیے بالکل ہی بیکار ہو جائیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے کہ ہر موڑ پر آپ سے لڑکیاں ہی لڑکیاں ٹکرا رہی ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "رخشی اور سلمٰی کا قصّہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ اب شوگر کوئین دست بستہ چلی آ رہی ہے۔"

"اعتراض ہو تو اسے نظرانداز کیسے دیتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "مجھے محسوس ہونے لگا ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں کے معاملے میں تم پر تنگ نظری حاوی ہوتی جا رہی ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "میں تو بس حالات کی ستم ظریفی بتا رہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مل کر میرا صبر آزمانے پر تل گئی ہیں۔"

اس نے تین نام لیے تھے اور ان تینوں سے میرا کوئی نہ کوئی تعلق رہ چکا تھا۔ رخشی تنظیم کے پہلے مقامی سربراہ کی معتمدِ خاص تھی اور جب میں نے سکندر کے مکان پر رات کی تاریکی میں دھاوا بولا تو اندھیرے میں وہاں رخشی ہی مالِ غنیمت کے طور پر ہاتھ آسکی اور میں سکندر کی آبرو کے تصور میں وحشیانہ انداز میں اسے روند کر اس مکان سے چلا آیا۔ میں رخشی کو پہچان چکا تھا مگر میری ذات اس کے لیے اجنبی تھی پھر تنظیم کے بڑوں کی جانب سے اسے میری راہ پر لگا دیا گیا۔

وہ مجھے انجان سمجھ رہی تھی اور میں جان بوجھ کر اسے مواقع فراہم کر رہا تھا اور آخرکار اس نے مجھ پر اپنے حسن کا جال ڈالنے کی کوشش کی۔ بظاہر میں جال میں پھنسا لیکن اسے ہوش آیا تو میں جال کے پھندے سے کاٹ کر فرار ہو چکا تھا۔ اس اعتبار سے اس سے میرا کوئی شریفانہ تعلق نہیں تھا پھر بعد میں بھی کئی بار اس ناروا تعلق کی تجدید ہوتی رہی اور اب اس کا نام غزالہ کو گراں گزر رہا تھا۔

دوسرا نام سلمیٰ کا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ میرے جگری دوست جہانگیر کی بیوی نہ ہوتی تو میں اس کے اشاروں کنایوں کا شکار ہو کر کب کا بہک چکا ہوتا۔ غنیمت یہ تھا کہ میں اس وقت تک سیدھے راستے پر تھا یہ اور بات تھی کہ زبانی حد تک میں اس سے اس قدر بے تکلف تھا کہ شاید جہانگیر بھی نہ رہا ہو اور وہ نام بھی غزالہ کو پسند نہیں تھا۔

تیسری شخصیت شوگر کوئین کی تھی جس سے میری ملاقات عجیب و غریب حالات میں ہوئی تھی۔ میں تنظیم کی جانب سے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کی نمائندگی کرتے ہوئے چند واضح نشانیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا اور دورانِ پرواز ہی ایشلے ہاؤز کے کسی نمائندے کو مجھے پہچان کر مجھ سے رجوع کرنا تھا۔ ہلکی پھلکی نوک جھونک کے بعد جب یہ انکشاف ہوا کہ ویرا لائیڈ ہی ایشلے ہاؤز کی نمائندگی کر رہی تھی تو مجھے خاصی خوشگوار حیرت ہوئی۔ ہیروئن کی ایک بڑی کھیپ کا سودا ہونے سے پہلے ہی میرے اور اس کے درمیان دوستانہ مراسم استوار ہو گئے اور بعد میں ہم نے مشرقِ بعید میں کئی دن ایک ساتھ گزارے جو ہر اعتبار سے یادگار تھے اور اب میرا اندازہ تھا کہ وہی ویرا لائیڈ، شوگر کوئین کے نام سے تنظیم کے مقامی معاملات میں شریک تھی۔

وہ تینوں نام میرے لیے خاص معنویت رکھتے تھے اور غزالہ کی زبان پر بھی وہی نام آئے تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس معاملے میں غزالہ کی چھٹی حس اس کی رہنمائی کر رہی ہو۔

بہرحال میں نے دل ہی دل میں اسی وقت تہیہ کر لیا کہ آئندہ غزالہ کے سامنے ایسے معاملات میں محتاط رہوں گا تاکہ ماضی کا کوئی ناخوشگوار حوالہ ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا نہ کر سکے۔

**

میں گھر سے نکلنے کا ارادہ کر کے غزالہ کے ہمراہ برآمدے میں پہنچا ہی تھا کہ کرنل زوار زیدی میری بو پا کر نجانے کہاں سے اچانک وہیں آنکلا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہاں میرا انتظار کر رہے ہو گے۔" مجھے دیکھتے ہی اس کی باچھیں کھل پڑی تھیں۔

"جی۔" میں نے ناچار مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "سوچ رہا تھا کہ آپ سے مل کر ہی گھر سے نکلوں، ہو سکتا ہے کہ واپسی میں دیر ہو جائے۔"

"اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" اس نے بھڑک کر سوال کیا۔ "اور تمہارے تو شاید دونوں ہاتھ بھی زخمی ہیں۔"

اس کے یاد دلانے پر میں نے محسوس کیا کہ گرم گرم جوٹ میں حالات کے دباؤ کے تحت میں نے کار ڈرائیو کر لی تھی لیکن اب ہتھیلیوں کے زخموں میں اٹھنے والی ٹیسوں کے باعث میرے لیے ڈرائیونگ تقریباً ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے فوری طور پر اپنا موڈ تبدیل کرتے ہوئے کرنل سے ڈرائیور کا کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

"مجھے آپ کی کار کی فکر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسے لاوارث دیکھ کر کوئی واقعی اٹھا کر لے جائے۔"

"میں خود پریشان ہوں۔" اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "اس خیال سے خاموش رہا کہ کہیں تم برا نہ مان جاؤ، لاابالی لڑکوں کے ہاتھ لگ گئی تو انجر پنجر تک ڈھیلے کر دیں گے۔"

"آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں ڈیڈی!" غزالہ نے منہ بنا کر کہا۔ "اس پرانی کار کو چرا کر کون مصیبت مول لے گا۔ آج نہیں تو زیادہ سے زیادہ کل آجائے گی۔"

کرنل کے چہرے کے عضلات تن گئے۔ "میں نے تمہاری رائے ابھی نہیں پوچھی ہے لڑکی! چلو، اندر جاؤ، یہ معاملہ میرے اور تنویر کے درمیان ہے۔ تمہیں اس میں ٹانگ اڑانے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"میں کرنل صاحب کی تشویش میں برابر کا شریک ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمہیں اس میں دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔"



غزالہ مجھے غصیلی نگاہوں سے گھورتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"یہ تم لوگوں کو کہاں کہاں سے پکڑ کر لا رہے ہو؟" تخلیہ ہوتے ہی کرنل نے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔ "پہلے جہانگیر اور اب اس کی بیوی کو لیے چلے آئے۔ آخر تم خدائی فوجدار کیوں بن گئے ہو؟"

"ہمارا مقصد اور دشمن مشترک ہے۔" میں نے برآمدے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے کہا۔ "کافی عرصے کی خاموشی کے بعد اب ہاتھ پیر چلانے کا موقع ملا ہے تو میں اسے یوں ہی ضائع نہیں کر سکتا۔"

"لیکن تم جا کہاں رہے ہو؟" اس نے احتجاج آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تھانے۔" میں نے پرخلوص لہجے میں کہا۔ "ذرا دیکھنا چاہتا ہوں کہ پولیس نے اب تک کیا تیر مارا ہے؟"

"تمہارے ہاتھ زخمی ہیں، ڈرائیونگ کیسے کر سکو گے؟" اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزنے لگے۔

"آپ جو چل رہے ہیں میرے ساتھ.." خوشی سے کرنل کا چہرہ دمک اٹھا کیونکہ میں پہلی بار اسے اپنے ساتھ باہر لے جانے پر آمادہ ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ سلطان شاہ سے جلنے لگا تھا جو ہر وقت سائے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا تھا۔

"میں ابھی آیا۔" یہ کہتے ہوئے وہ تقریباً دوڑتا ہوا اندر چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے شانے پر چرمی بیلٹ میں لگی ہوئی گولیوں کے ساتھ ہولسٹر میں ریوالور بھی موجود تھا۔

"یہ کیوں لے آئے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"احتیاطاً۔" اس نے بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔ "تم پر مار دھاڑ کا بھوت سوار ہو رہا ہے، کہیں اس کی ضرورت پیش ہی نہ آجائے۔"

"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔" میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "اب لے ہی آئے ہیں تو اس کی کھلی نمائش نہ کریں۔ ریوالور ہولسٹر سمیت سیٹ کے نیچے ڈال دیں۔"

"تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے پاس اس کا باقاعدہ لائسنس موجود ہے، ہم پر اس کی وجہ سے کوئی آنچ نہ آسکے گی۔"

"میں گھبرا نہیں رہا۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "یہ عرض کر رہا تھا کہ کوئی دشمن ٹکرا ہی گیا تو پہلے اس نمائشی ہتھیار پر ہاتھ ڈالے گا۔ اس کا چھپا رہنا ہمارے حق میں سودمند ہو سکتا ہے۔"

"یہی تو سوچ کر لایا ہوں۔" وہ کندھے سے ہولسٹر اتارتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولا پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے سنبھالتے نیچے اتر پڑا۔

"کہو تو تمہارے لیے بھی لے آؤں؟ مگر وہ بغیر لائسنس کا ہے۔"

"میرے ہاتھ زخمی ہیں، گولی چلانا تو درکنار میں کوئی ہتھیار تھام بھی نہ سکوں گا۔" میں نے جل کر کہا۔

"اوہ، مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے نشست سنبھال لی۔

تھانے پہنچنے تک وہ غیر متوقع طور پر خاموش رہا اور میں نے بھی اسے چھیڑنے سے گریز ہی کیا۔ تھانے کے باہر کار مقفل کر کے وہ مجھے اپنے ہمراہ جس کمرے میں لے گیا، وہاں ایک اے ایس آئی ماتحت عملے اور شاید دو ایک مجرموں کے ساتھ محفل سجائے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

کرنل نے دروازہ عبور کرتے ہی بلند آہنگ، پرتپاک لہجے میں یوں سلام کیا جیسے اندر والے سب اس کے شناسا رہے ہوں۔

سلام کا جواب کسی نے نہ دیا۔ اے ایس آئی کے لبوں نے ضرور کچھ بے آواز جنبش کی تھی اور اس کی نگاہوں میں کچھ ناپسندیدگی سی عود کر آئی تھی، اس کے حواری بھی حیرت سے ہماری طرف نگراں تھے۔

کرنل نے وہاں پائی جانے والی اجنبیت پر پہلی بار قدرے بے آرامی محسوس کی اور پولیس افسر کے قریب پہنچ کر بولا۔ "میرا نام کرنل زوار زیدی ہے، صبح میں نے اپنی کار کی چوری کی رپورٹ درج کرائی تھی۔"

"ضرور کرائی ہو گی۔" اس نے خلیقانہ لہجے میں کہا پھر تقریباً ڈپٹ کر اپنے قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سوال کیا۔ "کس نے لکھی تھی رپورٹ تم میں سے؟"

"صبح اکبر ڈیوٹی پر تھا۔" ایک شخص نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی پرچا کاٹ دیتا ہے، اسی نے لکھی ہو گی۔"

"رپورٹ لکھ لی گئی تو اب کیوں آئے ہو؟" اے ایس آئی نے خشک لہجے میں کرنل سے سوال کیا۔

"معلوم کرنا تھا کہ کار ملی یا نہیں؟"

پولیس افسر طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "ابھی دو مہینے پہلے چوری ہونے والی کار برآمد نہیں ہوئی ہے اور تم صبح رپورٹ کرا کے شام کو کار لینے آگئے ہو، معلوم ہوتا ہے پہلی چوری ہوئی ہے تمہاری؟"

"زیادہ وقت گزرنے پر کار شہر سے باہر بھی لے جائی جا سکتی ہے۔" کرنل نے اس کے آخری سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"علاقہ غیر میں نہ پہنچی بھی جا سکتی ہے۔" اس نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "رپورٹ لکھوا کر گھر بیٹھ گئے ہو یا خود بھی تلاش کر رہے ہو؟"

"ابھی تک تو تلاش شروع نہیں کی۔"

"او بھلے مانس، جا کر تلاش کرو، ہمارے پاس دوسرے کام بھی ہوتے ہیں۔ کار مل جائے تو ہمیں خبر کر دینا ہم برآمد کرا دیں گے۔"

کرنل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "کار مل ہی گئی تو میں یہاں کیوں آؤں گا؟"

اے ایس آئی نے شاید کرنل کی جہالت پر دانت پیسے پھر بولا "ایسی کوشش بھی نہ کرنا۔ ورنہ چوری کے جرم میں اندر ہو جاؤ گے۔"

"چوری؟ اپنی ہی کار کی چوری؟"

"ہاں ہاں، یہ قانون کی باریکیاں ہیں۔ پرچا کٹنے کے بعد اب وہ تمھاری نہیں، چوری کی کار ہے۔ جب تک برآمدگی کے بعد عدالت سے تمھارے حوالے نہ کی جائے، مالِ مسروقہ ہی رہے گی۔"

"عجیب بات ہے۔۔۔" کرنل بے بسی کے ساتھ کوئی تبصرہ کرنا چاہ رہا تھا کہ اے ایس آئی نے ترشروئی سے اس کی بات کاٹ دی "بے فضول بحث کرکے ہمارا وقت خراب نہ کرو۔۔۔ ہم لوگ رحم دلی پر آئیں تو بڑے سے بڑے مجرم کو چھوڑ سکتے ہیں اور قانون ہاتھ میں لے لیں تو بے گناہ لوگ بھی ہمارے شکنجے سے نہیں بچ سکتے۔"

کرنل نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن میں اسے خاموش کرکے خود مخاطب ہو گیا "اگر ہم کار تلاش کریں تو ہمیں کتنے دن میں مل جائے گی؟"

"مجسٹریٹ کی مرضی ہے، چاہے تو اگلے ہی دن کی تاریخ دے سکتا ہے۔ ورنہ ہفتہ بھی لگ سکتا ہے۔" اے ایس آئی ٹانگیں پسار کر انگڑائی لیتے ہوئے بولا "ہم اسی لیے چھوٹی موٹی چوری چکاری کا پرچا نہیں کاٹتے کہ مال برآمد ہونے کے بعد شناخت اور پھر اسے حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے لیکن لوگ ضد کرتے ہیں، ہمیں الزام دینے لگتے ہیں تو مجبوراً رپورٹ لکھنا پڑتی ہے۔ اب۔۔۔ ٹھنڈے ٹھنڈے گھر سو جاؤ، صبح شہر گھوم لینا، کہیں نہ کہیں پہچان ہی لو گے۔ آج کل جلسے جلوس اور سیر و تفریح کے لیے لڑکے گاڑیاں اٹھا لیتے ہیں۔ پٹرول ختم ہو جاتا ہے تو وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔ جاؤ اب ہمارا گشت کا وقت ہونے والا ہے۔"

ہم دونوں واپسی کے لیے مڑے ہی تھے کہ ایک کانسٹبل اے ایس آئی سے خوشامدانہ لہجے میں مخاطب ہو گیا "صاحب! مجھے بہت دن ہو گئے، آج تو میں بھی گشت پر جاؤں گا۔"

اس چونکا دینے والی درخواست کے بعد چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا پھر جب ہم کمرے سے باہر نکل رہے تھے تو اے ایس آئی کی حاکمانہ آواز سنائی دی "جاؤ، آج تم گشت پر جاؤ، محمد حسین ڈیوٹی کرے گا لیکن صبح بستر سے اٹھ کر سیدھے نہ چلے آنا۔ تمھارا گشت اسی لیے بند کیا ہے کہ صبح منہ ہاتھ دھوئے بغیر بستر سے سیدھے تھانے چلے آتے ہو۔"

میرے اور کرنل کے لیے وہ گفتگو حیرت انگیز تھی لیکن اندر والوں کے لیے اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ڈیوٹی اور گشت کے وہ معنی شاید مدت سے ان میں رائج چلے آ رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جرائم کا گراف دن بدن ترقی پر تھا۔ شاید مجرموں کو بھی معلوم تھا کہ قانون کے بیشتر محافظ گشت پر نکلتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں اپنے نرم و گداز بستروں کا تصور موجود ہوتا ہے اور جب قانون کے محافظ یوں گہری نیند سو جائیں تو گلی کوچے درکنار، شاہراہوں تک پر جرائم خوب پھلنے پھولنے لگتے ہیں۔

"سنا تم نے؟" کرنل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے جھنجھلاتی ہوئی آواز میں کہا "جب کسی قوم کے ذمے دار اہلکاروں کے دل سے اپنے فرائض کا احساس اور باز پرس کا خوف جاتا رہے تو تاریخ میں اس کا انجام عموماً اچھا نہیں ہوتا۔"

"ایسے لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب یہی ہے کہ وہ تاریخ پڑھنے کے عادی نہیں ہوتے بس بعد والوں کی عبرت کے لیے نئی تاریخ لکھتے رہتے ہیں۔"

"اب گھر ہی چلنا ہے نا؟" اس نے قدرے توقف کے بعد عقب نما آئینے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

"اس اسپتال کی طرف چلنا ہے جہاں کامران زیرِ علاج ہے۔۔۔ آپ کچھ مضطرب سے نظر آ رہے ہیں؟" میں نے اپنے پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے چونک کر سوال کیا۔

"شاید ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔" اس کی نگاہیں بار بار عقب نما آئینے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"کون ہے؟" میں نے پیچھے گھومے بغیر سوال کیا۔

"ہم تھانے سے روانہ ہوئے تو ایک اسکوٹر مخالف سمت سے آ رہا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ یو ٹرن لے کر ہمارے پیچھے ہو لیا۔ شاید اس نے تمھیں یا گاڑی کو پہچانا ہے۔ اب وہ تھوڑے فاصلے سے پیچھے چلا آ رہا ہے۔"

"سامنے سے آ رہا تھا تو آپ نے ضرور اسے دیکھا ہوگا۔" تاریکی سے فائدہ اٹھا کر میں نے پیچھے آنے والی اکلوتی ہیڈلائٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کرنل سے استفسار کیا۔

"میرا دھیان سڑک پر تھا، بس ایک جھلک ہی دیکھ سکا تھا اس کی۔ کوئی اسمارٹ سا لڑکا ہے۔"



اسکوٹر سوار اسمارٹ سا لڑکا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کون ہو سکتا تھا؟ کرنل لاکھ عجلت پسند اور ایڈونچر کا شائق سہی لیکن تعاقب کے بارے میں اس کا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔

"ارے۔۔۔ ادھر کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے کرنل کو ایک ویران راستے پر مڑتے دیکھ کر چونکتے ہوئے سوال کیا۔

"بس دیکھتے جاؤ۔" کرنل پرجوش لہجے میں بولا "ادھر سناٹا ہوگا، میں کار کی رفتار سست کروں گا اور جیسے ہی وہ قریب آئے گا اس کے اسکوٹر کے ٹائر پر فائر کر دوں گا، دیکھتا ہوں کہ وہ کیسے بچ کر نکلے گا، ذرا سیٹ کے نیچے سے ریوالور تو نکالنا میرا۔"

"اس کے ساتھ ہم بھی پھنس جائیں گے۔" میں نے نرمی سے کہا "فائر کا دھماکا بہت سے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرا لے گا، اسے چالاکی سے گھیرنا ہوگا۔۔۔ آپ ایسا کریں کہ اس ویران سڑک کے کسی غیر آباد حصّے پر گاڑی اچانک ہی روک لیں۔"

"اور جو اس نے ہم پر گولی چلا دی؟"

"نہیں چلائے گا۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔ کرنل کی بوڑھی رگوں میں اس وقت دورانِ خون کچھ زیادہ ہی بڑھ چکا تھا جو اس پر مار دھاڑ اور خونریزی کا خبط سوار ہو گیا تھا۔

"تم جانو۔" اس نے خشک لہجے میں کہا "میں نے اپنی عمر خاصی گزار لی ہے اور اب بونس پر جی رہا ہوں، مجھے تو تمھاری سلامتی کی فکر ہے، تمھیں خراش بھی آ گئی تو غزالہ پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی کہ میں پہلی بار تمھیں ساتھ لے کر باہر نکلا اور تمھاری حفاظت نہ کر سکا۔"

"غزالہ بھی جانتی ہے کہ میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا "میں اپنی حفاظت خود کرنا جانتا ہوں۔ اگر موت کا وقت آ ہی جائے تو نہ میں کچھ کر سکوں گا نہ آپ۔"

"احمقانہ بات ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا "ٹرین کی پٹری پر گاڑی کے سامنے لیٹ کر زندگی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ تقدیر اپنی جگہ ہے لیکن تدبیر بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"ضرور ہوتی ہے اور اب ہم اسی کا سہارا لینے جا رہے ہیں۔ وہ آگے غیر آباد حصّہ ہے، بس وہیں سڑک کے کنارے اچانک کار روک لیں۔ فائر وغیرہ کا ڈر ہو تو نیچے جھک جائیں۔"

"مذاق اڑا رہے ہو میرا؟" کرنل غرایا "میں نے ساری زندگی گولا بارود کے سائے میں گزاری ہے، تین جنگیں لڑا ہوں اور تم مجھے فائر سے ڈرنے والا کہہ رہے ہو۔۔۔"

"یہ مطلب نہیں تھا میرا۔" میں نے جلدی سے کہا "میں تدبیر کے حوالے سے بات کر رہا تھا۔"

کرنل نے اپنا سارا غصّہ بریک پیڈل پر اتار دیا۔ اتنی قوت سے بریک لگائے کہ کار کے ٹائر سڑک پر پھسلتے ہوئے چیخ پڑے کار سڑک پر لہرائی اور کرنل نے اسے پھرتی کے ساتھ سڑک سے نیچے کچے میں اتار لیا۔

"ارے۔۔۔ وہ تو رکنے کے بجائے بڑھتا ہی آ رہا ہے۔" کرنل کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی اور وہ اپنی نشست کے نیچے اپنا ریوالور ٹٹولنے لگا جو میں ہولسٹر سمیت پہلے ہی عقبی نشست کے پائیدان پر کھینچ چکا تھا۔

میں پھرتی کے ساتھ اپنی سمت کا دروازہ کھول کر کار سے نیچے اترا تھا کہ اسکوٹر کار کے پہلو میں آ رکا اور میرے منہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ اسکوٹر پر ہمارا تعاقب کرنے والا جامعہ کا وہی ہیروئن فروش طالبعلم تھا جس کے ذریعے میں نے سیر و سفر کے شوقین چند لڑکوں کو پھانس کر ان کے ذریعے ہیروئن کی معقول مقدار باہر برآمد کی تھی۔

"ہولسٹر کہاں غائب ہو گیا؟" کار میں سے کرنل کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔

"وہ محفوظ ہے، اس کی ضرورت نہیں رہی، باہر آ جائیں۔" میں نے اونچی آواز میں کہا اور حامد کی طرف بڑھ گیا۔

"تو میں نے تمھیں ٹھیک ہی پہچانا تھا۔" فضا میں حامد کی زہریلی آواز گونجی "میں نے پچھلے چار روز میں تمھاری تلاش میں شہر کا چپّا چپّا چھان مارا ہے۔۔۔ تم پر میرا ایک بہت بڑا حساب واجب ہو گیا ہے۔"

"مرچیں نہ چباؤ، سیدھی سیدھی بات کرو۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خوش دلی کے ساتھ کہا "کیا موتی دادا نے تمھیں مال فراہم کرنے سے انکار کر دیا ہے؟"

"مجھے خوشی ہے کہ قحط کے بہانے ہی اس گھناؤنے کام سے میری گلوخلاصی کے آثار پیدا ہو گئے ہیں لیکن تم نے دو گھرانوں کا سکون اور مستقبل تباہ کر دیا ہے، میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب ان کا کیا ہوگا؟"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے پُرسکون اور ٹھنڈے لہجے میں دریافت کیا۔ اس اثنا میں کرنل بھی گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا اور حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی حامد کو دیکھے جا رہا تھا۔

"جن لڑکوں کے ہاتھ تم نے ہیروئن بھیجی تھی، ان میں سے دو پکڑے گئے ہیں۔ تم نے انھیں یورپ کی سیاحت کا سبز باغ دکھا کر اپنے جال میں پھانسا تھا لیکن وہ شاید وہاں باز پرس کے سلسلے میں بدترین تشدد کا نشانا بن رہے ہوں گے اور یہاں ان کے گھر والے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ہیں۔ اگر اخبارات

میں خبر نہ آتی تو یہاں علم بھی نہ ہوتا اور وہ وہیں کی کسی جیل میں سڑ سڑ کر ختم ہو جاتے۔ وہ خبریں پڑھ کر میری نیندیں اڑ گئی ہیں۔ میں خود کو ان کی تباہی کا مجرم سمجھ رہا ہوں کیونکہ انھیں تم سے میں نے ہی ملوایا تھا۔ اب میں ان کے گھر والوں سے بھی چھپا چھپا پھر رہا ہوں۔"

وہ واقعی بہت بری خبر تھی۔ مجھے خود علم تھا کہ میں نے ان لڑکوں کو اس کام میں ملوّث کر کے بہت گھناؤنی حرکت کی تھی لیکن اس وقت حالات کچھ اور تھے۔ دل میں باغیانہ خیالات رکھنے کے باوجود میں نے تنظیم سے کھل کر بغاوت نہیں کی تھی اور میں اے لوٹ کے احکام بجا لانے پر مجبور تھا۔ اس وقت اگر میں حامد کو بتاتا کہ میں اپنی پرانی روش کو خیرباد کہہ چکا ہوں تو وہ ہرگز میری بات کا یقین نہ کرتا اور یہی سمجھتا کہ میں اس سے گلو خلاصی کے لیے بہانا تراش رہا ہوں۔

"مجھے یہ سن کر دلی صدمہ ہوا ہے میرے دوست.....!"

میں نے کہنا شروع کیا لیکن اس نے بھڑک کر میری بات کاٹ دی۔

"میں تمھارا دوست نہیں ہو سکتا... مجھے یہ گالی نہ دو۔"

"تم نچلے درجے کے محکوم و مجبور تھے اور میں اوپری درجے کا۔" میں نے اس کے غصّے کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے کہنا شروع کیا۔ "جس طرح تم نہ چاہتے ہوئے بھی انھیں مجھ سے ملانے پر مجبور تھے، اسی طرح میں بھی انھیں آلۂ کار بنانے پر مجبور تھا لیکن اب میں ان لوگوں سے قطع تعلق کر چکا ہوں البتہ تمھیں یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ وہ لوگ بہت بارسوخ ہیں، جن سے کام لیتے ہیں، ان کی پوری طرح خبر گیری بھی کرتے ہیں۔ تمھارے دونوں ساتھی زیادہ دن اندر نہ رہ سکیں گے... ہاں، یہاں ان کے گھر والوں کو جس بدنامی کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس کا شاید کوئی ازالہ نہ ہو سکے۔ ہر شوق کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے جو ان دونوں نے اپنے گھرانوں کی عزت کی صورت میں ادا کی ہے..."

"مجھے یہ فلسفہ نہ سمجھاؤ۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "یہ میں بھی جانتا ہوں کہ باحیثیت لوگوں کے داماد اور اولادیں بھی اس دھندے میں پکڑی گئی ہیں لیکن ان کی عزت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ ایسی ہر واردات کا رخ کسی سازش کی طرف موڑنے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ انھیں ریاست، سیاست اور سفارت سے بہتیرے سہارے مل جاتے ہیں۔ مجھے تو یہ بتاؤ کہ تم ان کے لیے کیا کر رہے ہو؟ تمھارا ٹھکانا کہاں ہے؟ یہ یاد رکھنا کہ اگر وہ جلد ہی واپس نہ لوٹے تو میں تمھاری زندگی عذاب بنا دوں گا۔ تم باغی ہو چکے ہو، یا ان کے حامی ہو، میں صرف اور صرف تمھیں جانتا ہوں۔"

جوانی کے چڑھتے ہوئے خون کی روانی اور ناتجربہ کاری سر چڑھ کر بول رہی تھی لیکن مجھے اس پر ذرا بھی طیش نہ آیا، میں نے اپنا مصالحانہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "جن لوگوں سے میں نے ٹکر لی ہے، وہ بہت سنگدل اور سفاک ہیں۔ اس لیے فی الحال میرا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ یقین نہ ہو تو موتی دادا سے پوچھ لینا۔ بس یہ یاد رہے کہ پہلے میں فرضی نام سے تم سے ملا تھا، میرا اصل نام ڈینی ہے....."

"ڈینی!" میرا نام سنتے ہی اس کے منہ سے تحیّر زدہ سی آواز نکلی۔

"ہاں! تم کیوں چونکے یہ نام سن کر؟"

"موتی دادا کے اڈّے پر میں یہ نام سن چکا ہوں، وہ سب تمھارے لہو کے پیاسے ہو رہے ہیں۔" میرے اصل نام سے واقف ہوتے ہی اس کے رویّے میں نمایاں تبدیلی آگئی۔ "وہ شہر میں ہیروئن کے قحط کی ذمّے داری بھی تم پر ڈال رہے ہیں۔ اگر تم واقعی ڈینی ہو تو مجھے اپنی تلخ کلامی پر افسوس ہے۔ سنا ہے کہ ان کے بڑوں نے تمھارے خاتمے کے لیے کوئی بڑا انعام بھی مقرر کیا ہوا ہے۔"

اس کی گفتگو میرے لیے یک بیک خیال انگیز ہو گئی۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ اب میرا نام موتی دادا جیسے نچلے درجے کے کارندوں تک بھی پہنچ گیا تھا اور وہ میرے خلاف کھلے بندوں باتیں کرنے لگے تھے۔ اس کا مطلب تھا، اے لوٹ اب میری ذات سے بہت زیادہ خائف تھا اور ہر طرف سے، ہر سطح پر اور ہر قیمت پر مجھے گھیرنا چاہتا تھا۔

"غنیمت ہے کہ اس بارے میں تم خود خاصے باخبر ہو۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "رہا میرے ڈینی ہونے کا سوال تو زبانی وضاحت کے علاوہ میں کوئی ثبوت نہ دے سکوں گا کیونکہ میں اپنی تمام کشتیاں جلا کر ان درندوں کے خلاف میدان میں اترا ہوں۔"

"مگر ان دونوں کا کیا ہوگا؟" وہ تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

"وہ لوگ یورپ کی پولیس کی تحویل میں ہیں جو خاصی مہذّب اور شائستہ ہے۔ کسی مشرقی ملک کی پولیس کا معاملہ ہوتا تو واقعی تشویش کی بات تھی۔" میں نے اسے لفظی دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"مشکل یہی ہے کہ یورپ کی پولیس مہذّب اور شائستہ ہے۔" اس نے بالکل وہی کہا جو میرے دل میں تھا۔ "وہ لوگ اپنے معاشرے اور لوگوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ شاید وہ قاتلوں کے حق میں اتنے سخت گیر اور تشدّد پرست ثابت نہ ہوتے ہوں جتنے منشیات کے اسمگلروں کے خلاف۔ وہ جانتے ہیں کہ منشیات کا زہر معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور ہیروئن تو ان کے لیے ایک دہشت بنی ہوئی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ وہ ان سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کی ہڈیوں کا سُرما بنا کر رکھ دیں۔"

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ واقعی

"تم ان کے کوائف مجھے بتا دو، میرے بھی کچھ وسائل ہیں، میں دیکھوں گا کہ ان کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

"رؤف اوسلو میں پکڑا گیا ہے اور فضل فرینکفرٹ میں، اخباری اطلاعات کے مطابق دونوں ہی انٹرپول کے مقامی دفاتر کی تحویل میں ہیں... ان دونوں کو سزا ہو گئی تو میں عمر بھر خود کو معاف نہ کر سکوں گا۔"

"کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی واپس نہیں آتا۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "اس کا ازالہ دوسری طرح بھی ہو سکتا ہے۔ میں باغی ہو گیا ہوں لیکن وہ اپنا کام چلانے کے لیے کسی اور کو لے آئیں گے جو ان کے مفادات کی خاطر کیریئر بچا لے گا ہے۔ تم اپنے ساتھیوں میں اس بات کی تشہیر کرو کہ رؤف اور فضل کیوں پکڑے گئے، انھیں بتاؤ کہ ہر قیمت پر اپنا شوق پورا کرنے کا جنون تباہی کے ایسے ہی راستوں پر لے جاتا ہے۔ تم دو چار کو بھی تباہی کے اس غار میں گرنے سے بچا سکے تو سمجھو کہ تم نے اپنی پہلی بھول کا کفارہ ادا کر دیا۔ رہا ان کا معاملہ تو وہ دیکھ لیا جائے گا۔"

"شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" وہ بولا۔ "مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اب تم بھی تائب ہو گئے ہو۔ میں موتی دادا کے اڈّے کے چکر ضرور لگا رہا ہوں لیکن وہاں مال ہی نہیں ہے۔ میری یہ مجبوری ہے کہ ابھی میرا آخری امتحان باقی ہے، اس کے بغیر میں یونیورسٹی نہیں چھوڑ سکتا۔ دوسری طرف یونیورسٹی میں نشے کے عادی مجھ سے ہیروئن طلب کرتے ہیں۔ ہیروئن کے بغیر میں وہاں پھٹک بھی نہیں سکتا۔ ورنہ وہ سب مجھے کچا چبا جائیں گے۔ اس قحط کے نتیجے میں مجھے یونیورسٹی سے چھٹیاں کرتے کئی دن ہو گئے ہیں۔"

"اللہ تم پر رحم کرے۔ مجبوریاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔" کرنل نے پہلی بار زبان کھولی۔

"یہ بتاؤ کہ موتی دادا کے اڈّے پر تم میرے بارے میں کیا سنتے رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"آج کل وہاں خطرناک قسم کے نئے نئے چہرے دیکھنے میں آ رہے ہیں، وہاں ساری گفتگو رازدارانہ ماحول میں ہوتی ہے لیکن موتی دادا نجانے کیوں مجھ پر اعتماد کرنے لگا ہے۔ میں نے اُڑتے اُڑتے جو کچھ سنا ہے، وہ تمھیں بتا ہی چکا ہوں۔" وہ لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر یوں چونک کر بولا جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ "کل شام میں نے سنا تھا کہ ایک آدھ روز میں ان کا کوئی بڑا شہر میں آنے والا ہے جو پہلی بار ان کے کسی اجتماع میں شرکت کرے گا۔"

بہت بڑی خبر تھی۔ اے لوٹ لاہور سے شہر میں وارد ہو چکا تھا۔ میں تنظیم سے نکل چکا تھا، جہانگیر اے لوٹ کے عتاب میں آیا ہوا تھا۔ رخشی بھی بلیک لسٹ کی جا چکی تھی اور وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود تینوں میں سے کسی کو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکا تھا۔ اس طرح نہ صرف تنظیم کا مقامی شیرازہ بکھر چکا تھا بلکہ اے لوٹ کو شہر میں ممکنہ انتقامی کارروائیوں کا خطرہ بھی درپیش تھا اور اس کے لیے وقتی طور پر کراچی جیسی زرخیز منڈی میں کام جاری رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں وہ باہر سے کسی کو تنظیمی معاملات پر مسلّط کرتا تو نچلی سطح پر بھی بددلی اور مایوسی پھیل سکتی تھی۔ ان حالات میں شاید اس نے موتی دادا اور اس جیسے دوسرے حوصلہ مند کارندوں کو بذاتِ خود ایک مرکز پر لانے کا فیصلہ کیا تھا۔ شاید یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ ان سب سے بذاتِ خود مل کر مختلف ذمّے داریوں کے لیے آدمی منتخب کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

لیکن وہ اجتماع کب اور کہاں ہونے والا تھا؟ یہ میرے لیے اہم ترین سوالات تھے۔ اگر مجھے ان دو سوالات کے صحیح جواب مل جاتے تو میں اے لوٹ کو ناقابلِ تصوّر زک پہنچا سکتا تھا۔

"یہ مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔" حامد نے مایوسانہ لہجے میں اقرار کیا۔ "مجھے ان سب باتوں سے دلچسپی ہی نہیں تھی اس لیے میں نے ان معاملات میں تجسّس سے کام نہیں لیا۔ ویسے ایک آدھ بار ان کی زبان سے میں نے کسی کھنڈر کا ذکر ضرور سنا تھا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ تذکرہ کس بارے میں تھا۔"

وہ قاتلوں، بدمعاشوں اور رسوائے زمانہ لوگوں کا اجتماع تھا جس کے لیے شہر کا کوئی بھی معروف ٹھکانا ناموزوں تھا۔ ان کو مل بیٹھنے کے لیے کسی محفوظ اور خفیہ ٹھکانے کی ضرورت تھی جہاں وہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر اپنے شیطانی منصوبوں پر آزادی کے ساتھ تبادلۂ خیال کر سکیں۔

مجھے یقین ہو گیا کہ کھنڈر کا لفظ اسی حوالے سے استعمال کیا گیا ہوگا جہاں ان کی آمد و رفت پر نگاہ رکھنے والا کوئی نہ ہوگا اور میں تنظیم کے حوالے سے شہر میں دو کھنڈرات سے واقف تھا۔

پہلا کھنڈر تو مل ایریا میں واقع عزیز کا وہی ویران گودام تھا جہاں سے تھوڑی دیر قبل ہولناک بارودی دھماکوں اور آگ کے شعلوں کے سائے میں خونریزی کر کے میں بمشکل زندہ واپس لوٹ سکا تھا اور دوسرا کھنڈر جیوا ہاؤز کا تھا جہاں سے ہر سراغ مٹانے کے لیے دانستہ آگ لگائی گئی تھی۔

جیوا ہاؤز کے سوختہ کھنڈرات کا تصوّر کرتے ہی میں جھرجھری لے کر رہ گیا کیونکہ وہاں غزالہ بے بسی کے عالم میں آگ کے شعلوں کی بھینٹ چڑھنے سے بال بال بچی تھی۔

ویران گودام میں فائرنگ، بموں کے دھماکوں اور آتش زنی کا واقعہ اس قدر تازہ تھا کہ وہاں ہفتوں کے لیے پولیس کے ڈیرے پڑ جانے لازمی تھے کیونکہ وہاں سے لاشیں بھی برآمد ہونے کا امکان تھا۔ ایسی صورت میں لے لُٹو یا اس کے کسی حواری کے لیے ادھر کا رخ کرنا ناممکن تھا۔ اگر وہاں پہلے اجتماع کا پروگرام رہا بھی ہو تو مجھے یقین تھا کہ تازہ ترین تصادم کے بعد اسے تبدیل کر دیا جائے گا۔

پھر تصادم سے پہلے وہ کوئی کھنڈر نہیں تھا۔ ویران احاطہ یا گودام تھا۔ اس کے بارے میں کھنڈر کا لفظ میرے جی کو نہ لگ سکا۔ اس طرح لے دے کر ایک جیوا ہاؤز کا ہی نام باقی رہ جاتا تھا جہاں وہ شیطانی اجتماع منعقد ہو سکتا تھا۔

جیوا ہاؤز کی وسیع و عریض اور پُرپیچ عمارت کی تعمیر اس قدر مضبوط انداز میں کی گئی تھی کہ آگ شاید اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی ہو۔ فرنیچر، قالین، دروازے اور کھڑکیوں کے جل جانے کے بعد اس پُرشکوہ عمارت کو ضرور کھنڈر کہا جا سکتا تھا اور وہ لوگ اس کے کسی اندرونی حصّے میں بے خوف و خطر جمع ہو سکتے تھے۔

”تمھیں یہ معلوم کرنا ہو گا۔“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اس سے کہا۔ ”یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر مجھے ان کے اجتماع کا وقت اور مقام معلوم ہو جائے تو میں ان سب کا صفایا کر دوں گا۔“

”تو کیا تم انھیں ہلاک کر دو گے؟“ اس نے بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

”ارے نہیں۔“ مجھ سے پہلے کرنل بول پڑا۔ ”گھیر گھار کر پولیس سے پکڑوا دیں گے لیکن مخبری کے لیے کوئی بنیاد تو ہونا ہی چاہیے۔ ورنہ وہ کس کی سنتے ہیں۔“

”اوہ۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا جیسے اس کے سینے سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ ”اگر ہم بھی ان کی طرح خونریزی پر اتر آئیں تو ہمارے اور قاتلوں کے درمیان کیا فرق رہا، بہتر یہی ہے کہ قانون کو اس کا کام کرنے کا موقع دیا جائے۔“

اس کا جواب سن کر میں دل ہی دل میں کرنل کی مداخلت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ شاید وہ حامد کے تیور بھانپ گیا تھا ورنہ میں تو اسے کھل کر اپنے عزائم سے آگاہ کرنے والا تھا۔

وہ بے چارہ تعلیم یافتہ اور ذہین نوجوان ہیروئن بیچ کر گھر پالنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے دوہری ذمّے داریوں میں گھرے ہونے کے باوجود ابھی عملی زندگی کے حقائق سے بہت دور تھا۔ وہ قانون کی حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا اور ہم تھوڑی ہی دیر پہلے قانون کے ان محافظوں کی زیارت کر کے آ رہے تھے جو مہربان ہوں تو بدترین مجرموں کو کھلی چھٹی دے دیتے ہیں اور برہم ہو جائیں تو بے گناہوں کو شکنجوں میں جکڑوا کر ان کی ہڈیوں کا عرق کشید کرا لیں۔

”لیکن قانون اسی وقت حرکت میں آئے گا جب اس کی مدد کی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”میں وعدہ نہیں کرتا لیکن کوشش ضرور کروں گا۔“ اس نے متذبذب انداز میں کہا۔

”پھر مجھے کیسے اطلاع ملے گی؟“

”اپنا فون نمبر یا پتا دے دو، جیسے ہی کچھ معلوم ہوا، رابطہ قائم کر لوں گا۔ ویسے صبح میں موتی دادا سے ملوں گا۔“

”یہی تو مشکل ہے کہ آج کل میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔“ میں نے پہلے کہی ہوئی بات نباہتے ہوئے کہا۔ ”ایسا کرو کہ موتی دادا سے ملنے کے بعد تم لیاقت نیشنل اسپتال آ جانا، میں وہیں پارکنگ لاٹ میں گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان تمھارا انتظار کروں گا۔“

پروگرام طے ہو جانے کے بعد وہ ہم سے رخصت ہو گیا اور ہم دونوں گاڑی میں آگے روانہ ہو گئے۔

”جب بھی تمھارا کوئی شناسا ملتا ہے، ماضی کے حوالے سے کوئی نہ کوئی چونکا دینے والی بات سامنے آتی ہے۔“ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کرنل نے کہا۔ ”اور ہر بار تمھاری ذات کے گرد چھایا ہوا پُراسرار سا طلسم کچھ اور گہرا محسوس ہونے لگتا ہے۔“

”شاید آپ کے لیے یہ سب نیا ہو لیکن غزالہ ہر بات جانتی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں ہیروئن کا دھندا کرنے والے ایک بہت بڑے گروہ کا اہم کارندہ تھا مگر اب ان سے باغی ہو گیا ہوں۔ میں انھیں تہس نہس کر دینا چاہتا ہوں اور وہ میرے خون کی بُو پر لگے ہوئے ہیں۔ آئے دن کے تصادم اسی جدّوجہد کا شاخسانہ ہیں۔“

”پھر تو میں کہوں گا کہ تم اپنی بساط سے زیادہ بیڑا اٹھائے ہوئے ہو۔ گروہ بند لوگوں کے ہزاروں ہاتھ ہوتے ہیں۔ وقتی کامیابیوں کی بات الگ ہے لیکن تم کب تک ان سے لڑ سکو گے؟ ایک دن تھک جاؤ گے اور وہ نہایت اطمینان سے تمھیں گھیر لیں گے۔“

”مقابلے کے بغیر تو میں پاکستان میں ایک لمحے کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتا، دوسری صورت یہ ہے کہ بزدلوں کی طرح چوری چھپے کسی دور افتادہ مقام پر چلا جاؤں اور نئے نام اور نئی شناخت کے ساتھ ایک نئی زندگی کی ابتدا کروں جو میرے لیے مشکل ہے۔ زمین کی محبت، دوستی اور دوسرے رشتوں کا پیار مجھے کہیں نہ مل سکے گا، ایسی پیاسی زندگی میرے لیے سوہانِ روح بن جائے گی۔“

”میری طرف سے اجازت ہے، شمع کو بھی اعتراض نہ ہو گا، غزالہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔“ اس نے پیشکش کی۔

”آپ کی اجازت کا شکریہ۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”میرے ساتھ غزالہ نے بھی انھیں بڑی زک پہنچائی ہے۔ گروہ کے آدمی تصویریں لیے اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں اسی لیے میں نے اسے گھر تک محدود کیا ہوا ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ یہ ایک بین الاقوامی گروہ ہے۔ اس کا کوئی بھی کارندہ کہیں بھی ہمیں پہچان سکتا ہے پھر ایسے فرار سے کیا حاصل، جس سے تحفظ اور سکون نہ مل سکے۔ یہاں تو میں خود کو ہر وقت برسرپیکار سمجھتا ہوں اور چوکنّا رہتا ہوں۔ اجنبی دیس اور ماحول میں شاید اتنا مستعد نہ رہ سکوں۔“

”آخر اس وقت اچانک کامران سے ملنے کی کیا سوجھی ہے تم کو؟“ اس نے گاڑی مصروف راستے پر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

”کامران نہیں، اس وقت لے لُٹو کی تلاش ہے مجھے۔“ میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ”وہ بری طرح زخمی ہے اور خود اپنے زخم صاف نہیں کر سکتا۔ جہانگیر کے گھر ابتدائی طبّی امداد کے حصول میں ناکامی کے بعد میری دانست میں اسے فوراً کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا ہو گا۔“

”وہ اسی اسپتال میں کیوں جائے گا؟ شہر میں اور بھی بہت سے اسپتال ہیں۔“

”اسے گولی کے زخم آئے ہوئے ہیں کرنل صاحب! یہ میڈیکولیگل کیس ہے، اس میں پولیس کا نام آنا ضروری ہے۔ جب کہ اس اسپتال والوں سے تنظیم کے قریبی مراسم ہیں۔“

”لیکن میرا ریوالور کہاں غائب ہو گیا؟“ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اسے اچانک بھولا ہوا اسلحہ یاد آ گیا۔

”پچھلی سیٹ کے پائیدان پر ہے۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے ہولسٹر اٹھایا اور اپنی نشست کے نیچے ڈال دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بنا پر ہمیں اسپتال میں شبے کی نظروں سے دیکھا جائے۔

اسپتال کے احاطے میں میری ہدایت پر کرنل نے کار ایسی پوزیشن میں پارک کی کہ ہنگامی صورتحال پیش آنے پر بلاتوقف روانگی عمل میں آ سکے پھر اسے وہیں ڈرائیونگ سیٹ پر مستعد چھوڑ کر میں عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

اندر گھستے ہی استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی پختہ نقوش والی ایک خاتون سے سامنا ہوا جس نے میک اپ کی گہری تہوں کے سہارے نوخیزی اختیار کرنے کی کوشش کی تھی مگر گردن پر نگاہ پڑتے ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کسی طرح تیس بتیس برس سے کم نہ رہی ہو گی۔ شاید میں اسے نظر انداز کرتے ہوئے کسی نرس کی تلاش میں راہداری کی طرف بڑھ جاتا لیکن اس سے میری نگاہیں براہِ راست مل چکی تھیں، تنہا ہونے کی بنا پر وہ فوراً ہی استقبالیہ مسکراہٹ کے ساتھ سنبھل کر بیٹھ گئی تھی۔

”آپ مجھے کچھ ضروری معلومات فراہم کر سکیں گی؟“ میں نے اس کے سامنے پہنچ کر شگفتہ لہجے میں سوال کیا۔

”ضرور! میں یہاں بیٹھی ہی اس لیے ہوں۔“ وہ پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”آپ کا نام کیا ہے؟“ میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ ”میں نے کسی ذاتی سوال کا جواب دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا... ویسے مجھے نوید کہتے ہیں۔“

”مختصر سا اور خوبصورت نام ہے آپ ہی کی طرح۔“ میں نے کہنیاں کاؤنٹر پر ٹکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا اور اس کے چہرے پر موجود رنگ و روغن کی تہ کے نیچے بھی مجھے سرخی کی ایک لہر سی دوڑتی نظر آ گئی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ عورت کی تعریف کر کے اسے بہت آسانی کے ساتھ بیوقوف بنایا جا سکتا ہے اور تعریف ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے کوئی شکار بچنے کی کوشش نہیں کرتا خواہ اس میں کتنا ہی مبالغہ کیوں نہ ہو۔

”آپ کس کمرے میں آئے ہیں؟“ وار کام کر گیا تھا اور وہ فوراً ہی میری ذات میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

”اوہ!“ میں نے یوں چونکنے کی اداکاری کی جیسے اسے دیکھنے میں محو ہو کر میں اپنی آمد کا مقصد ہی فراموش کر بیٹھا ہوں۔ ”مجھے ایک زخمی کی تلاش ہے۔ اس کی ٹانگ اور شانہ اُدھڑا ہوا ہے، ذہنی طور پر کچھ معذور ہے، تھوڑے دن یہاں بھی زیرِ علاج رہا ہے۔“

”تو کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ ادھر آیا ہو گا؟“

”شبہ تھا، رات ہو چلی ہے، ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی تیز رفتار گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جائے، دیکھنے میں بالکل صحیح الدماغ معلوم ہوتا ہے بس کسی بات پر بھڑک جائے تو قیامت برپا ہو جاتی ہے۔“ میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”آیا تو تھا۔“ وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ”ڈاکٹر اکبر سے ملنے پر مُصر تھا۔ قمیص کے نیچے داہنا شانہ خاصا ابھرا ہوا تھا۔ شاید اس نے خود ہی ڈریسنگ کی ہوئی تھی، چال میں بھی ہلکی سی لنگڑاہٹ تھی لیکن بالکل صحیح الدماغ تھا، حلیہ کیا ہے آپ کے مریض کا؟“

میں نے لے لُٹو کے بارے میں بتانا شروع ہی کیا تھا کہ وہ پُرجوش انداز میں تائید کرنے لگی۔ ”بالکل وہی تھا... ڈاکٹر اکبر کے آنے تک یہیں ٹہلتا رہا تھا لیکن حیرت ہے کہ اس کی آنکھوں سے بھی کسی ذہنی ابتری کا پتا نہیں چل رہا تھا۔“

”کس وقت آیا تھا؟“

”شاید ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے۔“ اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ واپس کب لوٹا۔“

”ڈاکٹر اکبر اس وقت کہاں ملیں گے؟“ میں نے اپنی پیشانی پر تردّد کے آثار پیدا کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک منٹ۔" اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی معلوم کر کے بتاتی ہوں۔" لمحہ بھر بعد اس نے ریسیور رکھ کر راہداری میں داہنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنے کمرے میں موجود ہیں، آپ چلے جائیں۔"

میں ممنون نگاہوں کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کر کے راہداری میں بڑھتا چلا گیا۔ اس اسپتال میں معالج کے کمرے پر کسی چپراسی وغیرہ کا رواج نہیں تھا لہٰذا میں نے ڈاکٹر اکبر کے نام کی تختی دیکھ کر بند دروازے پر دستک دی اور لمحہ بھر توقف کے بعد ہینڈل گھما کر اندر داخل ہو گیا۔

ڈاکٹر اپنی آراستہ میز کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر براجمان کاغذات کے مطالعے میں مصروف تھا، مجھے دیکھتے ہی ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے عارف کہتے ہیں ڈاکٹر۔" میں نے بے تکلفانہ انداز میں اس کے مقابل کرسی سنبھالتے ہوئے کہا اور محسوس کیا کہ اس کی نگاہیں میری زخمی ہتھیلیوں پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"میں زخمی ضرور ہوں۔" میں نے اس کے سامنے میز پر اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اپنے علاج کے بجائے فرض سے مجبور ہو کر یہاں آیا ہوں۔ مجھے ایک زخمی مجرم کی تلاش ہے۔ ڈیڑھ گھنٹا پہلے میرا عملہ اس کا تعاقب کرتا ہوا تمہارے اسپتال تک پہنچا تھا۔ وہ لوگ ابھی تک باہر موجود ہیں لیکن زخمی مجرم اندر سے برآمد ہوتا نظر نہیں آیا۔ مجھے اس کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔ امید ہے کہ قانون کے نام پر میرے ساتھ تعاون کرو گے۔"

اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں پھر وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔ "یہ بنیادی طور پر ذہنی مریضوں کا اسپتال ہے لیکن بہت سے زخمی اور دوسرے مریض بھی ہمارے پاس آتے رہتے ہیں جنھیں عموماً ہم مایوس نہیں کرتے، نجانے تم کس مریض کی تلاش میں آئے ہو؟"

"پچھلے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں یہاں مریضوں کی قطار نہیں رہی ہو گی ڈاکٹر!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "اس کی ٹانگ اور شانے پر گولیوں کے زخم تھے... ہو سکتا ہے کہ اس نے تمھیں کچھ اور بتایا ہو لیکن گولیوں کے زخم تمھاری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکے ہوں گے۔"

"تمھارا تعلق کس محکمے سے ہے؟" اس نے گہرا سانس لے کر سوال کیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہو چلی تھیں۔

"سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی سے... باہر محکمے کی تین گاڑیاں موجود ہیں۔" اس سے قبل کہ وہ مجھ سے میری شناخت طلب کرنے کا ارادہ کرتا، میں نے اس کی ذہنی مزاحمت کو تباہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

"مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ وہ مجرم ہے، اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک ہنگامے میں پتھراؤ سے زخمی ہوا ہے۔" ڈاکٹر اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہنے لگا۔ "ڈریسنگ کے بعد وہ گھر جا سکتا تھا لیکن اس نے یہیں کمرا حاصل کرنے کی خواہش کی۔ اتفاق سے آج کئی کمرے خالی تھے پھر یہ محض خدمت ہی نہیں، میری روزی بھی ہے۔ میں نے اسے کمرا دے دیا۔ وہ گراؤنڈ فلور پر چھ نمبر میں ہے۔"

"میں تمھیں الزام نہیں دے رہا۔" میں نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمھاری مجبوریاں سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی شامت ہی اسے یہاں لائی ہو اور اسپتال کا کمرہ اس کے لیے چوہے دان ثابت ہو۔"

"میرے کمرے سے داہنی طرف آخری کمرے میں چلے جاؤ۔" اس نے اپنی کرسی کی پشتگاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

میں نے فوراً ہی اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ وہ میرے ساتھ جانے سے ہچکچا رہا تھا اور شاید میرے جاتے ہی کسی طرح اے لٹو کو خطرے سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن میں اسے ایسا کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تمھیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر اس کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہوا تو وہ ایک اجنبی آواز سن کر چوکنا ہو جائے گا، دروازہ تم ہی کو کھلوانا ہو گا۔"

اس کی آنکھوں میں بے بسی تیرنے لگی۔ "تم غیر ضروری احتیاط سے کام لے رہے ہو..."

"یہ نہ بھولو کہ اسے تمھارے مریض کے بجائے تمھارا پروردہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی گرفتاری تمھارے مفاد میں ہے۔ ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ تم اس کے پُشت پناہ ہو اور مخدوش حالات میں اسے یہاں پناہ دی ہوئی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر واضح اور دو ٹوک لہجے میں کہا۔

اس نے بادلِ نخواستہ کرسی چھوڑ دی اور میز کے گرد گھوم کر میرے مقابل آ گیا اور ملتجیانہ لہجے میں بولا۔ "میرے یا تمھارے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس نے ہدایت کی تھی کہ صبح تک اسے بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے... وہ خاصا مغلوب الغضب معلوم ہوتا ہے۔ دستک سنتے ہی بدتمیزی پر اتر آئے گا۔"

"ایک بار دروازہ کھل گیا تو میں اسے ساری تمیز سکھا دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا پھر سوال کیا۔ "وہ تمھارے لیے اجنبی تو نہیں رہا ہو گا؟"

"میں نے پہلی بار اسے دیکھا ہے۔" اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "البتہ ایک شناسا کے نام کا حوالہ ضرور دیا تھا اس نے۔"

"قاسم؟" میں نے سوال کیا اور ڈاکٹر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"ت... تت... تم اسے کیا جانو؟" اس نے لکنت آمیز لہجے میں بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"چلتے رہو ڈاکٹر!" میں نے سختی کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ لوگ مدت سے میرے محکمے کی نظروں میں ہیں۔ اس بار ہم بڑے شکار کے چکر میں ہیں، فکر نہ کرو، تم سے بعد میں بھی ہمیں کوئی تعرض نہ ہو گا۔"

اس کی آنکھیں خوف زدہ انداز میں پھیل گئیں۔ چہرہ پسینے میں نہا گیا اور وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں کو زبان سے تر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

کمرہ نمبر چھ کے دروازے پر دستک دیتے ہی اندر سے اے لٹو کی غضبناک غراہٹ ابھری تھی۔ "بھاگ جاؤ، کیا اندھے ہو کہ دروازے پر لگا ہوا ٹیگ نظر نہیں آ رہا؟"

دروازے کے ہینڈل کے ساتھ واقعی ڈو ناٹ ڈسٹرب کا بڑا سا سُرخ کارڈ جھول رہا تھا۔

"دروازہ کھولو، میں ہوں ڈاکٹر اکبر!" میرے ٹھوکا دینے پر ڈاکٹر مشینی انداز میں بول پڑا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آئے نہیں، لائے گئے ہو۔" اندر سے زہریلی آواز ابھری پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے تیزی سے سامان کو الٹ پلٹ کیا جا رہا ہو۔ میں نے اضطراری طور پر دروازے پر پُرشور دستک دی۔ جواب میں اندر سے ایک غلیظ سی گالی سنائی دی اور میری بے چینی بڑھنے لگی۔

اے لٹو اندر نجانے کیا کر رہا تھا؟

"ماسٹر کی یا دوسری چابی منگواؤ۔" میں نے ڈاکٹر کو جھنجھوڑ کر تیزی سے کہا اور وہ خود ہی راہداری میں دوڑتا چلا گیا۔

اس کے واپس آنے سے پہلے اندر سے آنے والی آوازیں موقوف ہو چکی تھیں۔ اس سے چابی لے کر میں نے دروازے کا قفل کھولا اور لات مار کر دروازہ کھول دیا۔ میں دیوار کی اوٹ میں تھا اور ڈاکٹر کھلے ہوئے دروازے کے عین سامنے۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں پھر بالکل سامنے خلا میں یوں جم کر رہ گئیں جیسے پتھرا گئی ہوں۔

میں جھپٹ کر دیوار کی اوٹ سے نکلا اور پھر میری بھی کم و بیش وہی حالت ہوئی۔ کمرا خالی پڑا ہوا تھا اور اس کی کھلی ہوئی عقبی کھڑکی ہمارا منہ چڑا رہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا خالی کمرے میں داخل ہوا اور دھڑ کھڑکی سے باہر نکال کر عقب میں پھیلے ہوئے سرسبز لان کا جائزہ لے ڈالا لیکن تیز روشنیوں میں وہاں دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ اے لٹو خطرے کی بُو سونگھتے ہی

کسی سائے کی طرح پھر بھاگ نکلا تھا۔

"یہ... یہ کیا؟" میرے کانوں میں ڈاکٹر کی لرزتی ہوئی آواز آئی۔ "شاید وہ جلدی میں یہ تصویر لے جانا بھول گیا۔"

میں بلٹ تو ڈاکٹر میز پر پڑے ہوئے ایک فریم کو گھورے جا رہا تھا۔

تصویر پر نگاہ پڑتے ہی میں بے اختیار آگے لپکا تھا۔ کیونکہ وہ غزالہ کی بڑی سی تصویر تھی لیکن پلاسٹک کے موٹے سے خوبصورت فریم نے مجھے رک جانے پر مجبور کر دیا۔

میرا مقابلہ اے لڑ سے تھا جو ان گنت شعبدوں کا ماہر تھا۔ فریم کی ساخت انتہائی غیر معمولی تھی اور اسے جس انداز میں وہاں چھوڑا گیا تھا، وہ بھی غیر معمولی ہی تھا۔ آخر اسے غزالہ کی فریم کی ہوئی تصویر ساتھ لیے پھرنے کی کیا ضرورت تھی۔ شاید بھاگتے بھاگتے اسے شبہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر کے ہمراہ میں خود یا میرا کوئی ساتھی راہداری میں موجود تھا۔ ایسی صورت میں غزالہ کی تصویر پر نگاہ پڑتے ہی اسے اٹھانا میرا قطعی فطری ردِ عمل ہوتا جس سے اے لڑ نے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ میرے سابقہ تجربات کی روشنی میں اس موٹے فریم میں بارود سے ٹرانسمیٹر تک کچھ بھی پوشیدہ ہو سکتا تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت سُرعت کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ ابھی تک میں نے ڈاکٹر اکبر پر کوئی الزام نہیں لگایا تھا لیکن مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ اپنی علاج گاہ کی آڑ میں ہیروئن کی کافی مقدار کھپاتا آ رہا تھا اور اسی بنا پر اس کے قاسم وغیرہ کے ساتھ قریبی مراسم تھے۔

اگر تصویر میں کوئی خطرہ ہی پوشیدہ تھا تو کیوں نہ اکبر کو قربانی کا بکرا بنایا جائے؟ میں نے سوچا۔

"ڈر کیوں رہے ہو اسے اٹھاتے ہوئے؟" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں اسے تاڑا۔

اس نے فریم کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ ایک دھماکے سے تصویر سمیت فریم کے ٹکڑے اڑ گئے، اکبر چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا اور کمرے میں تیزی کے ساتھ کثیف دھواں بھرنے لگا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں چند ثانیوں کے لیے بھی اس زہریلے دھویں میں رُکا رہا تو کھانستے کھانستے گلے میں زخم پڑ جائیں گے پھر دوسری طرف اسپتال کا عملہ بھی کسی بھی لمحے وہاں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے بھی پھرتی کے ساتھ عقبی لان کی طرف کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔

دیوار کے سہارے چلتا ہوا میں احاطے کے سامنے والے حصے میں پہنچا تو نہ صرف اندر سے شور و غل کی آوازیں آ رہی تھیں بلکہ باہر بھی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ دھماکے کے خوف سے اندر سے بہت سے مریض اور عملے کے افراد بھی باہر نکل آئے تھے۔ میں غیر محسوس طریقے پر اس ہراساں ہجوم میں شامل ہو کر پارکنگ لاٹ کی طرف نکلتا چلا گیا۔

اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود کرنل بدستور گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے چپٹا ہوا تھا۔ "کیا ہوا؟ یہ دھماکا کیسا تھا؟" میرے پہنچتے ہی اس نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ نے اتر کر معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے سُلگ کر سوال کیا۔

"ڈسپلن کے خلاف ہوتا۔" اس نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "جب تم مجھے تیار رہنے کے لیے کہہ گئے تھے تو میرے لیے بس وہی ایک کام رہ گیا تھا، تو پیں بھی چلنے لگتیں تو یہاں سے نہ ہٹتا۔ ایک ثانیے کے لیے تو یہ خیال بھی آیا تھا کہ کہیں مجھے اپنی جگہ سے ہٹانے کے لیے ہی وہ دھماکا نہ کرایا گیا ہو۔"

"واقعی آپ بہت دور کی بات سوچ لیتے ہیں۔ ورنہ میلے میں کمبل کس کا گم نہیں ہوتا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"یہ میلہ اور کمبل کہاں سے آ گیا درمیان میں؟" اس نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"لمبی کہانی ہے... ایسے موقعوں پر ضرب المثل کے طور پر کہا جاتا ہے۔" میں نے سڑک پر نگاہیں جما کر بےپروائی سے جواب دیا۔

"خیر خیر۔ میری اُردو اتنی بامحاورہ نہیں ہے۔" اس نے بزرگانہ شان سے کہا۔ پھر بولا۔ "تم نے بتایا نہیں کہ اندر کیا ہوا؟"

میں اسے پوری کہانی سنانے لگا اور وہ درمیان میں پُرجوش انداز میں تبصرے بھی کرتا رہا پھر جب غزالہ کے تصویری فریم کے پھٹنے کا ذکر آیا تو وہ حیرت سے اچھل ہی پڑا۔

"یعنی چھوتے ہی پھٹ گئی؟" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "میں مان ہی نہیں سکتا۔ میرا بھی تعلق آرٹلری سے رہا ہے۔ میں نے تو کبھی ایسے کسی بم کا ذکر تک نہیں سُنا۔"

"یہ الیکٹرونکس کا دور ہے کرنل صاحب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہر صبح بہت سی ناقابلِ یقین خبریں ہماری منتظر ہوتی ہیں۔ میں نہ آرٹلری میں رہا نہ سائنسداں ہوں لیکن میرے لیے تصویر کا یوں پھٹنا ناقابلِ یقین نہیں ہے۔"

"وہ کیسے؟" اس نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تھرمو اسٹیٹ یا تھرمل سوئچ ہم گھروں میں ایئر کنڈیشنر سے فریج تک میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک خاص درجۂ حرارت پر آن ہوتے ہیں اور دوسرے خاص درجۂ حرارت پر آف ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس تصویر کے نیچے فریم میں کوئی اس قدر حساس تھرمو اسٹیٹ نصب رہا ہو جو انسانی جسم کی حرارت پاتے ہی آن ہو جاتا ہو۔ اس کے بعد عام سے بارودی بم کا اصول کارفرما رہا ہو گا۔"

"حیرتناک بات ہے۔" وہ قائل ہوتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہارا اے لڑ خاصا ذہین معلوم ہوتا ہے۔ غزالہ کی تصویر سے تمہیں شکار کرنے کی چال چلی تھی لیکن تم بھی کم نہیں ہو۔ تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے، سارا کمال بس تھرمو اسٹیٹ کا رہا ہو گا۔"

"شاید وہ احاطے کی دیوار پھاند کر فرار ہوا ہو گا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اس کی قوتِ ارادی بے حد مضبوط ہے ورنہ اتنے شدید زخموں کے بعد ایسی اُچھل کُود کا تصور بھی محال ہو جاتا ہے۔"

"ہاں۔ پھاٹک کی طرف تو ادھر سے کوئی نہیں آیا تھا۔" کرنل نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے شبہ بھی ہو جاتا تو اس پر گاڑی ہی چڑھا دیتا۔" پھر چونک کر بولا۔ "ڈاکٹر مر تو نہ گیا ہو گا؟"

"اتنا حیادار نہیں ہے، اس بم میں بارود سے زیادہ زہریلی گیس خطرناک تھی۔ تھوڑا بہت زخمی تو ضرور ہوا ہو گا۔ اگر فوری طور پر اسے کمرے سے نہ نکالا گیا تو شاید دم گھٹنے کے باعث ہلاک بھی ہو جائے۔" میں نے کہا۔

"اور اب ہم کہاں چل رہے ہیں؟" کرنل نے سوال کیا۔

"گھر۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا اور نشست کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

اس وقت مجھ پر تکان کا احساس اچانک ہی حملہ آور ہوا تھا۔ لاہور سے روانگی کے بعد سے مجھے ایک لمحے کے لیے بھی آرام نہیں مل سکا تھا۔ میں مسلسل ذہنی اور جسمانی تصادم میں الجھا رہا تھا۔ اس جدوجہد کے نتائج اے لڑ کے لیے جتنے بھی حوصلہ شکن رہے ہوں، میرے لیے زیادہ اُمید افزا نہیں تھے۔ کیونکہ میں نے اپنا مقصد خاصا کٹھن بنا لیا تھا۔ میرے نزدیک اے لڑ کی موت سے کم کوئی کامیابی مجھے خوشی سے ہمکنار نہیں کر سکتی تھی اور وہ مرحلہ بار بار سامنے آ کر یکایک دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

خاصی جدوجہد کے بعد میں اکبر کی علاج گاہ میں اے لڑ کے ٹھکانے تک پہنچا تھا مگر اے لڑ ایک بار پھر میری آنکھوں میں دھول جھونک کر شہر میں بکھرے ہوئے لاکھوں انسانوں کے بیکراں ہجوم میں گم ہو گیا تھا۔

☆☆

گھر کی فضا غیر متوقع طور پر بہت خوشگوار تھی۔ غزالہ، جہانگیر اور سلمٰی کو لیے ڈرائنگ روم میں براجمان تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان تینوں میں برسوں کی گہری شناسائی ہو۔

پتا چلا کہ جہانگیر اور سلمٰی کے تنازعے کے بارے میں غزالہ کا مصالحتی فارمولا تیر بہدف ثابت ہوا تھا۔ ان دونوں کو جب ایک دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تو کچھ دیر تک تصادم شدّت اختیار کرتا رہا پھر اچانک سلمٰی نے اپنا روایتی ہتھیار سنبھال لیا۔ اس کے رونے کی آواز بلند ہوتے ہی جہانگیر کا غصّہ بوکھلاہٹ میں دفن ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا، وہ غزالہ کو بھی معلوم نہیں تھا لیکن بخوبی قیاس کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ جب وہ باہر آئے تو یوں آسودہ اور خوش تھے جیسے ان کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

میری روداد سن کر جہانگیر منہ بنا کر بولا تھا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اے لڑ سے ملے ہوئے ہو، جو کچھ بھی شہر میں ہو رہا ہے، وہ تم دونوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔"

"ارے... رے... یہ کیا کہہ رہے ہو؟" کرنل نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"ایک طرف تو اے لڑ اس قدر پُراسرار اور ناقابلِ رسائی ہے کہ شہر کیا ملک بھر میں اس کا سراغ نہیں ملتا اور اب یکایک ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے وہ ڈینی کو بتلائے بغیر کہیں بھی نہیں جاتا... پہلے وہ کہیں پہنچتا ہے اور پیچھے پیچھے ڈینی وہاں جا پہنچتا ہے، خون کی گرمی برقرار رکھنے کے لیے کچھ مار دھاڑ ہوتی ہے۔ پھر اگلا پروگرام طے کر کے دونوں اپنے اپنے راستے پر ہو لیتے ہیں۔"

"اچھا بول لیتے ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مشق جاری رکھی تو اسمبلی میں بھی پہنچ سکو گے... ارے بندۂ خدا! عقل استعمال کرو تو تم بھی اس کا پیچھا کر سکتے ہو، وہ کوئی چھلاوا تو نہیں ہے، لاہور کی بات اور تھی۔ کراچی ہمارا شہر ہے۔ ہم یہاں تنظیم چلاتے رہے ہیں اور بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کب کدھر کا رخ کرتا ہے... لاہور میں مَیں اتنے دن جھک مارتا رہا لیکن ایک بار بھی اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ہاں، اس نے جہاں چاہا، نمودار ہو کر جھلک دکھائی اور غائب ہو گیا۔"

"خیر! اگر ملی بھگت نہیں ہے تو تمہارے پاس ایسا ریڈار ضرور ہے جو تمہیں لمحہ بہ لمحہ اس کی نقل و حرکت سے باخبر رکھتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب اگلا پروگرام کہاں طے ہوا ہے؟" بیوی سے صلح ہو جانے کے بعد اس میں کچھ زیادہ ہی پُھرتی آ گئی تھی۔

"کیونکہ ہمارے پاس نہ تمہارے جیسی عقل ہے نہ ریڈار۔"

"اگلے پروگرام کا علم صبح گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔ "اور اس بار شاید تم بھی ہمارے ساتھ ہو گے۔"

"ہمارے ساتھ؟" اس نے حیرت سے دُہرایا۔ "اور کون کون ملا ہوا ہے تم سے؟"

"کرنل، میں اور تم۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "آج میں کرنل

کے ڈسپلن سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ انھیں کوئی مورچہ سونپ کر اسے بالکل فراموش کیا جا سکتا ہے۔"

اپنے باپ کی تعریف سن کر غزالہ کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

پھر گھر میں کھانے کا اہتمام شروع ہو گیا۔ ہمارے انتظار میں وہ سب بھوکے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمیٰ ہر کام میں یوں پیش پیش تھی جیسے وہ بھی اسی گھر کی رکن ہو۔

اس دوران میں غزالہ نے مجھ سے تخلیے میں بات کرنے کا موقع نکال ہی لیا اور سلمیٰ کے بارے میں اپنے سابقہ فیصلے پر ندامت کا اظہار کرنے لگی۔

"یہ اچانک کیا جادو کر دیا اس نے کہ اسی کے گن گانے لگی ہو؟ شام میں تو اسے گھر سے نکالنے پر تلی ہوئی تھیں۔" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

اور غزالہ نے جو کچھ کہا، وہ ناقابلِ یقین حد تک درست تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لاہور میں اپنے میکے کو خیرباد کہنے کے بعد سلمیٰ کراچی میں شدت سے تنہائی کی شکار ہو گئی تھی۔ اس تنہائی کا علاج جہانگیر کے پاس موجود تھا، وہ سلمیٰ کو زیادہ وقت دے کر رفتہ رفتہ اس ماحول سے مانوس کر سکتا تھا لیکن وہ سلمیٰ کو اتنی توجہ بھی نہ دے سکا جو شوہر کو عام حالات میں دینا چاہیے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سرکشی پر تل گئی۔ اگر وہ میری ذات میں دلچسپی کا اظہار کرتی تھی تو مقصد جہانگیر کو یہ احساس دلانا ہوتا تھا کہ اس نے اپنی روش نہ بدلی تو وہ غلط راستے پر بھی پڑ سکتی تھی۔

غزالہ نے اپنی ماں کو ان لوگوں سے دور رکھا تھا اور انھیں یہی بتایا تھا کہ وہ سانس کے موذی عارضے میں مبتلا ہے اور عموماً گوشہ نشین رہتی ہے۔ کوکین کی دو خوراکوں کے درمیانی وقفے میں غزالہ تھوڑی دیر کے لیے سلمیٰ کو اپنی ماں سے ملانے اس کے کمرے میں لے گئی تھی۔ واپسی پر سلمیٰ بس اس کے بارے میں اظہارِ ہمدردی ہی کرتی رہ گئی تھی۔ اسے شبہ تک نہ ہو سکا تھا کہ شمع ایک موذی نشے کے ہاتھوں ایک کربناک عذاب میں مبتلا سسک سسک کر اپنی زندگی کے آخری ایام پورے کر رہی تھی۔

کھانے کی میز پر خاصی رونق رہی۔ کرنل اس قسم کی مجلسوں کو ترسا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ گفتگو کے ہر مرحلے پر پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتا رہا۔ پھر رات گئے یہ طے ہوا کہ سلمیٰ غزالہ کے ساتھ اس کے کمرے میں رہے اور جہانگیر میرے ساتھ کامران کے کمرے میں موجود سلطان شاہ کا بستر سنبھال لے۔

جہانگیر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے مجھے رہ رہ کر اسکاچ کی وہ اکلوتی بوتل یاد آتی رہی جو اسی کمرے میں ایک دراز میں پڑی ہوئی تھی لیکن میں نے پرائے گھر میں ایک اجنبی کے ساتھ وہ شوق کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"جیوا ہاؤز کی اب کیا حالت ہے؟" اس سے باتیں کرتے ہوئے میں نے روا روی میں سوال کیا۔

"بڑی خوفناک آگ لگی تھی وہاں۔" وہ جھرجھری لے کر بولا۔ "سب کچھ جل کر خاک ہو گیا لیکن عمارت کا جھلسا ہوا ڈھانچہ جوں کا توں کھڑا ہوا ہے۔ فائر انجنوں وغیرہ کی رسائی کے لیے احاطے کی دیواریں گرا دی گئی تھیں۔ اس کھنڈر کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ چند ہفتے پہلے وہ عمارت اس قدر پُرشکوہ رہی ہوگی۔"

"جیوا ہاؤز کا کوئی حصہ اب بھی تنظیم کے تصرف میں ہے؟"

"آگ سے آہنی جالیاں تک پگھل گئی تھیں کھڑکی دروازوں کے بغیر اب تو وہ کھنڈر کھلا میدان ہے۔ احاطے کی گری ہوئی دیواروں کو روند کر کوئی بھی اندر گھس سکتا ہے۔ ایسے غیر محفوظ مقام کا تنظیم کے لیے کیا استعمال ہو سکتا ہے لیکن تمھیں اچانک جیوا ہاؤز کی یاد کیوں ستانے لگی ہے؟"

"جیوا ہاؤز تنظیم پر ہمارے بھولے بسرے اقتدار کی یادگار ہے۔" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "پھر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ایک آدھ روز میں لے ٹو شہر کے کسی کھنڈر میں تنظیم کے کارندوں کے کسی اجتماع میں شرکت کرے گا۔ میرا اندازہ تھا کہ شاید وہ جیوا ہاؤز ہی کا رخ کرے گا اور ہم اسے وہاں گھیر سکیں گے۔"

"وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ وہاں کسی اجتماع کا تصور ہی ناممکن ہے کیونکہ عمارت کے سامنے والے سوختہ لان پر دن رات دو سپاہی بھی پہرہ دیتے رہتے ہیں۔" جہانگیر نے میری رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ لے ٹو کو ناممکن کو ممکن کر دکھانے میں یدِطولیٰ حاصل ہے، وہ بہت سے ایسے کام کر گزرتا ہے جن کے بارے میں عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا پھر جیوا ہاؤز کا کچھ فائدہ بھی ہے۔ بقول تمھارے وہ ہر طرف سے غیر محفوظ ہے اب دوسرے زاویے سے سوچو کہ اجتماع کے دوران کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ لوگ خود کو چوہے دان میں نہیں پائیں گے جو جدھر سے چاہے گا فرار ہونے کے لیے آزاد ہوگا۔ بس انھیں اپنے دو چار مستعد آدمی چوکیداری کے لیے باہر چھوڑنا ہوں گے۔"

"اگر یہ تمھارا اندازہ ہے تو درست ہی ہوگا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "کیونکہ لے ٹو کے بارے میں ابھی تک تمھارے بیشتر قیاسات درست ہی ثابت ہوتے رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ صبح اس بارے میں مستند خبر مل جائے۔"



میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"اوہ! جب ہی تم صبح گیارہ سے بارہ بجے تک کا ذکر کر رہے تھے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا اور میرے سر کی اثباتی جنبش سے جواب پاکر دوسرا سوال کر بیٹھا۔ "اب تنظیم کی صفوں میں تمھارا کون مخبر باقی رہ گیا ہے؟"

"بہت معمولی کارندہ ہے جو گھوم پھر کر پُڑیاں بیچتا ہے۔ شاید تمھیں حامد کا نام یاد ہو؟"

"حامد!" اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے دُہرایا پھر جلدی سے بولا۔ "ہاں یاد آگیا یہ وہی لڑکا تو نہیں ہے جو پہلے طارق مرحوم کے پاس ملازم تھا پھر اسی کے ذریعے یونیورسٹی کی حدود میں ہیروئن متعارف کرائی گئی تھی؟"

"بالکل وہی۔" میں نے کہا۔ "وہ اب تک کام کر رہا ہے۔ آخری امتحان دے کر تائب ہو جائے گا۔ وہ ابھی تک موتی دادا کے اڈے سے وابستہ ہے اور اس کا منہ چڑھا ہونے کی وجہ سے بہت سی خفیہ باتیں بھی سن لیتا ہے، آج اس نے مجھے گھیر لیا تھا۔"

اس کے استفسار پر میں نے اس کو حامد سے ملاقات کی تفصیل سنائی تو وہ اداس ہو گیا۔

"کس قدر گندی روزی کماتے رہے ہیں ہم؟" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اپنے اور تنظیم کے مفاد پر ہر چیز قربان کرتے رہے۔ وہ دونوں لڑکے ہی نہیں، ان کے تو پورے گھرانے زندہ درگور ہو گئے۔ نچلا طبقہ جرم کے احساس سے عاری ہوتا ہے۔ اونچے طبقے میں جرائم فیشن اور مہم جوئی کے زمرے میں گنے جاتے ہیں لیکن درمیانی طبقہ قانون کے معاملے میں بہت حساس ہوتا ہے یہ لوگ مجرم کو کبھی اپنے معاشرے میں قبول نہیں کرتے اور اس سوچ کی پاداش میں زندگی بھر پستے رہتے ہیں۔"

"مجھے خود ان کے انجام کا دکھ ہے، میں نے حامد کو تو خاصی تسلیاں دی تھیں لیکن مجھے ذرا بھی امید نہیں کہ وہ قانون کی بے رحمانہ گرفت سے آزاد ہو سکیں۔"

"دوسروں کے ساتھ برائی کر کے ہم خود بھی تو سکھی نہ رہ سکے۔" اس کی آواز ندامت کے بوجھ سے لرز رہی تھی۔ "جس کے اشاروں پر دوسروں کو تگنی کا ناچ نچاتے رہے آج خود جان کے خوف سے اس سے چھپتے پھر رہے ہیں۔ ابھی تک تو میں نے کسی کا بھی انجام بخیر نہیں دیکھا۔ راجہ سکندر علی، مٹھا خان، قاسم، طارق... ان میں سے کس کو عزت کی موت نصیب ہوئی؟ طارق بے چارہ تو ہمارا جگری دوست تھا پھر بھی ہم اسے کندھا تک نہ دے سکے۔"

"کافی عرصے سے نادر کی کوئی خیر خبر نہیں ملی، وہ کہاں ہے آجکل؟" ماضی کی کہانیاں چھڑیں تو مجھے اپنا وہ ساتھی یاد آگیا جس نے ہمارے ساتھ ہی تنظیم میں کام کی ابتدا کی تھی۔

"وہ اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن ہے۔ شیرشاہ، لیاری اور لیمارکیٹ کے علاقوں میں مال کی تقسیم اسی کے ذمے ہے اور وہ دونوں ہاتھوں سے مال کمانے میں مگن ہے۔" جہانگیر نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"اس کے ہوتے ہوئے لے ٹو موتی دادا کو کیوں سر چڑھا رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"دو باتیں ہیں۔" جہانگیر نے کہا۔ "موتی دادا پیشہ ور بدمعاش ہے۔ شہر کے زیرِ زمین حلقوں میں خاصی حمایت اور ساکھ رکھتا ہے چھوٹے موٹے تو اس کا نام سن کر ہی راستہ کاٹ جاتے ہیں جبکہ نادر ان حلقوں کے لیے نیا ہوگا۔ وہ شروع سے بندھے ٹکے لوگوں پر انحصار کرتا آرہا ہے۔ اس حلقے سے باہر اسے کوئی نہیں جانتا۔ دوسرا سبب پالیسی کی تبدیلی بھی ہو سکتا ہے۔ پرانے لوگوں سے اسے مسلسل مایوسی ہو رہی ہے۔ تم متنفر ہوئے، میں باغی ہو گیا ہو سکتا ہے کہ اب وہ اس سرگرم حلقے کو ختم کرنے کے لیے باہر سے نیا آدمی لانے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔"

"کاش کل صبح حامد مجھے صحیح اطلاع فراہم کر سکے تو اس بار ہماری ضرب کراچی میں تنظیم کی کمر توڑ کر رکھ دے گی، ہو سکتا ہے کہ خود لے ٹو بھی اس معرکے میں جہنم واصل ہو جائے۔"

"سو جاؤ۔" جہانگیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ایک بج چکا ہے، اب تو رات بھر خواب بھی اسی کے آتے رہیں گے۔" میں نے ہاتھ بڑھا کر روشنی گل کر دی۔

**

ایک بھیانک چیخ سن کر میری آنکھ کھل گئی۔

میرا بدن پسینے میں ڈوب گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بدن کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے ہوں، دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت مفقود ہو چکی تھی۔

میں آنکھیں کھولے اسی طرح بستر پر چت پڑا رہا۔ رفتہ رفتہ میرے حواس بحال ہوئے میں نے ریڈیم ڈائل رسٹ واچ سرہانے سے اٹھا کر دیکھی تو صبح کے سوا تین بج رہے تھے پھر دوسرے بستر کا جائزہ لیا تو جہانگیر دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ چیخ اس کے خوابیدہ اعصاب پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔

وہ کس کی چیخ تھی؟ کوئی آتنی رات ڈھلے کیوں چیخا تھا؟ آواز باہر سے آئی تھی یا اسی چھت کے نیچے کوئی کھیل شروع

ہوگیا تھا؟ ذہن پر بیک وقت لاتعداد سوالات نے یلغار کر دی۔

پھر اچانک ہی مجھے ان تمام سوالات کا جواب مل گیا۔ گھنٹی دوبارہ بجی تھی۔

پہلی بار بھی وہ گھنٹی ہی کی آواز تھی جسے نیند کے باعث میں چیخ سمجھ بیٹھا تھا لیکن اتنی رات گئے وہاں کون آسکتا تھا؟

گھر میں کوئی ملازم نہیں تھا لہٰذا آنے والے کی پیشوائی کے لیے گھر کے کسی فرد ہی کو بستر چھوڑنا پڑتا۔ میں دبے قدموں بستر سے اتر کر ننگے پاؤں باہر آگیا۔ جہانگیر کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے میں نے کمرے میں بھی روشنی نہیں کی تھی۔

اس وقت پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور شاید سب ہی گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے کیونکہ گھنٹی کی دو آوازوں کے باوجود ہر طرف مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔

کہیں بھی روشنی جلائے بغیر میں اندازے سے نکاسی کے راستے کی طرف ہولیا۔ میں برآمدے سے اتر ہی رہا تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔ اس مرتبہ شاید نووارد نے بٹن کو چھوتے ہی انگلی اٹھالی تھی کیونکہ گھنٹی کی گونج ادھوری اور نامکمل سی تھی۔

میں حتی الامکان دبے قدموں کے ساتھ پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن آنے والا بہت مکار نکلا۔ اس نے دروازے کی کسی جھری سے جھانکتے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں میرا ہیولا دیکھ لیا اور دھیمی آواز میں ہانک لگائی۔ "ڈرو نہیں، میں سلطان شاہ ہوں۔"

اس کی آواز پہچانتے ہی میرا سارا اعصابی تناؤ ختم ہو گیا اور پھیپھڑوں میں تھمی ہوئی تمام ہوا دہانے سے خارج ہوگئی۔

ذیلی کھڑکی کی کنڈی گراتے ہی وہ اندر آگیا۔

"یہ کون سا وقت ہے آنے کا؟" میں نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ اس قدر ڈرامائی تناؤ کے بعد اس کی شکل دیکھ کر مجھے غصہ ہی آگیا تھا لیکن وہ بس مختصراً مسکرا کر رہ گیا۔

میں نے بھی غصے میں اس سے دوبارہ مخاطب ہونے کی زحمت نہیں کی اور برآمدے کی طرف چل دیا۔ کنڈی لگا کر وہ بھی خاموشی کے ساتھ میرے پیچھے ہولیا۔

برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرنے تک میرا غصہ کافور ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ اتنا احمق نہیں تھا کہ کسی اہم سبب کے بغیر اُجالے کا انتظار کیے بغیر سوا تین بجے وہاں آپہنچتا۔ میں کمرے کے بجائے تاریکی میں ڈرائنگ روم کی طرف ہولیا۔

"ہینڈز اَپ!" ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی کرنل کی دبی دبی غراہٹ کے ساتھ ریوالور کی آہنی نال میرے پہلو سے آلگی۔

"اسے جیب میں ڈال لیں۔" میں نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "سلطان شاہ واپس آیا ہے۔"

"اتنی رات گئے؟" ریوالور کی نال ہٹنے کے ساتھ ہی کرنل کی تحیر زدہ آواز سنائی دی اور پھر ڈرائنگ روم روشن ہوگیا۔ اسی کے ساتھ کرنل براہِ راست سلطان شاہ سے مخاطب ہوگیا۔ "خیریت تو ہے نا؟"

"خیریت ہوتی تو اس وقت تم لوگوں کی نیند ہرگز خراب نہ کرتا۔" وہ مجرمانہ احساس کے ساتھ بولا پھر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمھاری فیکٹری کو آگ لگا دی گئی ہے۔ وہاں ہر طرف آسمان کو چھو لینے والے شعلے اور کالے دھوئیں کے بادل پھیلے ہوئے ہیں، شاید ہی وہاں کچھ بچ سکے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی وحشی سانڈ نے پوری قوت کے ساتھ میرے سینے پر ٹکر رسید کر دی ہو۔ میری زندگی بھر کی کمائی اور اثاثوں کو برباد کر دیا گیا تھا اور مجھے اپنی غفلت کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑ گئی تھی۔

گھر بار سے کاروبار تک میں ہر معاملے میں اصولوں کا قائل تھا۔ میرا گھر پھونک دیا گیا لیکن جذباتی صدمے سے قطع نظر مجھے کوئی مالی نقصان نہیں ہوا کیونکہ گھر کی ایک ایک کیل بیمہ شدہ تھی مگر فیکٹری کے معاملے میں مجھ سے ناقابلِ تلافی بھول ہوئی تھی۔ قدرتی آفات سے لے کر روزمرہ کی ٹوٹ پھوٹ تک، فیکٹری ہر اعتبار سے بیمہ شدہ تھی لیکن اپنی طبیعت کی ضد کی وجہ سے میں نے شروع دن سے آگ کے خلاف بیمہ نہیں کرایا تھا کیونکہ فیکٹری میں استعمال ہونے والے خام مال کی آتشگیر نوعیت کے باعث انشورنس کمپنی اضافی شرح سے پریمیم کی طلب گار تھی جس کے لیے میں کبھی بھی راضی نہ ہو سکا۔ انشورنس کمپنی کے سیلز آفیسر کی طرف سے بارہا یہ مسئلہ اٹھایا گیا اور ہر بار شرمندۂ تکمیل رہا، اس طرح آگ کے خلاف کبھی بھی فیکٹری کا بیمہ نہ ہو سکا۔

جب تنظیم کی طرف سے فیکٹری میں بارودی بریف کیس چھوڑ کر وہاں تباہی لانے کی کوشش کی گئی تو میں نے فوری طور پر آتشزدگی کے خلاف بیمے کا تحفظ لینے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر حالات اتنی تیزی کے ساتھ رُخ بدلتے چلے گئے کہ میں ایک مرتبہ پھر اس اہم کام کو فراموش کر بیٹھا اور آخرکار آج وہ خبرِ بد بھی آہی گئی جو میری عبرتناک معاشی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتی تھی، میرے دل و دماغ پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

"خدا خیر کرے!" کرنل کہہ رہا تھا۔ "چلو میں گاڑی نکالتا ہوں..."

"نہیں کرنل۔" میں نے جذبات سے عاری کھوکھلی آواز میں کہا۔ "فیکٹری جل گئی، جل جائے لیکن مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ میں اپنے اثاثوں کے خاکستر ہونے کا تماشا دیکھ سکوں، وہاں جا کر میں تماشا دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی تو نہ کر سکوں گا۔ اب صبر کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

"مکان کے جلنے پر تمھاری یہ کیفیت نہیں ہوئی تھی، آج تم حوصلہ کیوں ہار بیٹھے ہو؟" سلطان شاہ نے میرے قریب آکر تشفی آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"آگ کے خلاف فیکٹری کا بیمہ نہیں تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور کرنل نے بے اختیار ایک پُرشور کراہ کے ساتھ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ آگ سے زیادہ بیمہ نہ ہونے کی خبر اس کے لیے صدمے کا باعث ثابت ہوئی تھی۔

"لیکن یہ بات بس ہم تینوں تک محدود رہے گی۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کسی چوتھے کو بھنک بھی نہ ملنا چاہیے کہ اس بار مجھے کیسی زک اٹھانا پڑی ہے۔"

"وہ لوگ بوکھلا کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔" کرنل غصیلی آواز میں بولا۔

"جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے کرنل۔ جان، مال اور عزت تینوں پر وار کیا جا سکتا ہے، کسی سے تصادم مول لے کر یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ ہم پر غلیل سے غنچے برساتا رہے گا۔ بہرحال، اس شکست نے مجھے اندر سے اور مستحکم کر دیا ہے۔ شاید اب ان کے خلاف میری مہم اور شدت اختیار کر جائے گی۔"

"جو دل چاہے کر لو، لیکن تم اپنے نقصان کا ازالہ ہرگز نہ کر سکو گے۔" کرنل نے کہا۔

"ازالہ۔" میرے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ "شاید ازالہ بھی ہو سکے۔ اگر ایک بار اے ٹو میری قید میں آگیا تو میں اس سے منہ مانگی رقم وصول کیے بغیر اسے ذبح نہیں کروں گا۔"

"شاید وہاں خونریزی بھی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "آگ لگانے سے پہلے حملہ آوروں نے وہاں مزاحمت کرنے والے دو چوکیداروں کو بے بس کر کے ہلاک کیا تھا پھر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے تھے۔"

"جو کچھ ہوا ہے اخبارات میں دیکھ لوں گا۔" میں نے تڑپ کر مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "کیا تم لاہور سے یہی خبرِ بد سنانے کے لیے کراچی تک دوڑے چلے آئے تھے؟"

"میں شوگر کوئین کے پیچھے آٹھ بجے کراچی آگیا تھا۔" اُس نے سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"لیکن اسے تو تمھارے آدمی اغوا کرنے والے تھے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

سلطان شاہ میرا مخلص ساتھی تھا لہٰذا میرے لہجے کی اس زیادتی کو خاموشی سے سہہ گیا اور بُرا مانے بغیر بولا۔ "اس کے بارے میں ہمارے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے۔ وہ فولادی عورت ہے۔ عاصم خان نے اپنے دو کرائے کے دوستوں کے ساتھ ایک ویرانے میں اسے نرغے میں لے لیا تھا۔ ان میں سے ایک مسلح تھا۔ پہلے تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ خوفزدہ ہوگئی ہے اور آسانی کے ساتھ خود کو ان کے حوالے کر دے گی پھر جو وہ بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ حرکت میں آئی ہے تو انھیں نہتا کر کے ان پر حاوی ہوتی چلی گئی۔ ایک کے دل میں گولی اتار دی، دوسرے کی داہنی پسلیاں توڑ دیں، تیسرے کے دو دانت نکل گئے۔ وہ بمشکل اس سے جان بچا کر فرار ہوا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نے ٹوٹی ہوئی پسلیوں والے کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے اور رپورٹ درج کرائی ہے کہ تین افراد نے اسے بے بس کر لیا تھا پھر اس پر تصرف کے سوال پر وہ آپس میں لڑ مرے۔ ایک مارا گیا، دوسرا زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور تیسرا زخمی ہو کر بھاگنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ پولیس پوری سرگرمی کے ساتھ لاہور میں عاصم خان کو تلاش کر رہی ہے اور وہ بوکھلا کر شاید ہی کو علاقہ غیر کی طرف روانہ ہوگیا ہے۔"

"تین آدمی ایک عورت پر قابو نہ پا سکے؟" کرنل نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کاش تمھارا اس سے سامنا ہو سکے۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ چھلاوا ہے چھلاوا۔ عاصم خان خود حیران تھا کہ وہ یوں ہوا میں اُڑ اُڑ کر وار کر رہی تھی جیسے اس کو پَر لگ گئے ہوں، جوڈو کی زبردست ماہر معلوم ہوتی ہے۔"

"پھر وہ کراچی کب چلی آئی؟" میں نے سوال کیا

"عاصم خان سے اس ذلت کی خبر پاتے ہی میں مسلح ہو کر اس کے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ وہ ایک مختصر سا ہینڈ بیگ اور بریف کیس لے کر تھوڑی ہی دیر بعد گھر سے نکلی... اور سیدھی ایئرپورٹ جا پہنچی پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ ملک ہی چھوڑ رہی ہے لیکن ایئرپورٹ پر وہ اندرونِ ملک پروازوں والے حصے میں نظر آئی۔ میں بڑی دشواری سے اُس پرواز پر ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ورنہ اس وقت لاہور ہی میں پڑا گہری نیند سو رہا ہوتا۔"

"کراچی میں وہ کہاں مقیم ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ایئرپورٹ ہی کے ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ سامان وہاں ڈالنے کے بعد سے وہ مسلسل شہر میں ایک سے دوسرے مقام تک جاتی رہی ہے۔ میں نے وہ سب ٹھکانے دیکھ لیے ہیں۔ شاید تمھیں یہ سن کر حیرت ہو کہ اب سے چند گھنٹے پہلے وہ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں بھی داخل ہوئی تھی اور وہاں خاصا وقت گزار کر باہر نکلی تھی۔"

"جیوا ہاؤز؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "وہاں وہ کیا کرنے

گئی تھی؟"

"یہی تو میں بھی نہیں سمجھ سکا۔" اس نے بیچارگی کے ساتھ اعتراف کیا۔ "وہاں تو عمارت کے جلے ہوئے ڈھانچے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"لیکن وہاں تو دو سپاہی پہرے پر مامور ہیں؟"

"وہ اگلے حصّے میں ہیں، شوگر کوئین محتاط انداز میں پیچھے سے داخل ہوئی تھی جہاں احاطے کی دیوار گرنے سے جابجا راستے بن گئے ہیں۔ سپاہیوں کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ وہ دونوں اگلے حصّے میں شراب کے نشے میں دُھت پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنظیم کا کوئی کارندہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سرِ شام ہی انھیں شراب پہنچا دیتا ہے..."

"اس کا گویہ مطلب ہوا کہ وہ کھنڈرات باقاعدگی کے ساتھ تنظیم کے استعمال میں ہیں۔" کرنل نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "لیکن باہر سے وہاں ویرانی کا راج ہی نظر آتا ہے۔ شوگر کوئین ڈیڑھ بجے کھنڈرات سے ایک وزنی پیکٹ سمیت برآمد ہوئی تھی پھر اسی کا تعاقب کرتا ہوا میں تمھاری فیکٹری کی طرف سے گزرا تو وہاں آگ ہی آگ تھی۔ شاید اُسے کسی نے آتشزنی کے بارے میں اطلاع دی تھی اور وہ اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ چند منٹ وہاں رُکنے کے بعد وہ واپس پلٹنے ہوٹل روانہ ہوگئی۔ جیوا ہاؤز سے ایئرپورٹ براہِ راست اور نزدیک ہے جبکہ تمھاری فیکٹری کی آگ دیکھنے کے لیے وہ واپس آئی تھی۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد میں اس وقت تک وہیں رکا رہا جب تک اس کے کمرے کی کھڑکیوں سے روشنی غائب نہ ہوگئی۔ اس کے سونے کا پروگرام دیکھتے ہوئے میں نے ادھر دوڑ لگا دی۔ بس یہ وجہ ہے میرے دیر سے پہنچنے کی۔"

"جب وہ اس قدر چالاک اور مکّار عورت ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اسے اپنے تعاقب کا علم ہوگیا ہو اور وہ تمھیں بلاوجہ شہر میں تھکاتی پھری ہو۔" کرنل پہلی بار سلطان شاہ سے مسلسل شریفانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔

"اس کے نہ آثار تھے اور نہ کوئی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ اگر اسے تعاقب کا شبہ ہو جاتا تو بآسانی مجھے جُل دے کر نکل سکتی تھی یا براہِ راست ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ اسے جیوا ہاؤز سمیت دوسرے ٹھکانے دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟" سلطان شاہ کے دلائل خاصے وزنی تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اسے میری فیکٹری میں لگنے والی آگ سے اتنی دلچسپی کیوں تھی کہ وہ اپنے راستے سے ہٹ کر محض اس لیے بیس بائیس میل چلی تاکہ شعلوں کی تباہ کاری اپنی آنکھ سے دیکھ سکے۔

"کراچی پہنچنے کے بعد وہ کہاں کہاں گئی تھی؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"سب سے پہلے ڈیفنس کے علاقے میں ایک سفارت خانے کے ٹریڈ اتاشی کے گھر گئی تھی۔ پھر وہاں سے مشہور سیاسی رہنما خان مردان خان کے گھر گئی اس کے بعد صدر کے علاقے میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک ادھیڑ عمر سفید فام سے ملی۔ ان دونوں نے ہوٹل کے ڈائننگ روم میں ساتھ ہی کھانا کھایا تھا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد شوگر کوئین نے چند فون کیے پھر کافی پی کر جیوا ہاؤز کے لیے روانہ ہوگئی۔ اس سے آگے میں بتا ہی چکا ہوں۔"

ان لوگوں نے فیکٹری کو آگ لگا کر مجھے بھاری نقصان پہنچایا تھا اور میرے وجود میں فطری طور پر انتقام کا لاوا اُبلنے لگا تھا۔ طبیعت پر ایک عجیب سی بے چینی طاری ہوگئی تھی کہ ان پہ فوری طور پر کوئی بھرپور جوابی وار کیا جائے۔

اس سلسلے میں فی الوقت دو ہی نام میرے سامنے تھے۔ شوگر کوئین یا موتی دادا۔

شوگر کوئین کے بارے میں سلطان شاہ نے جو کچھ بتایا تھا اس کی روشنی میں باقاعدہ منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر اس پر ہاتھ ڈالنا اُسے ہوشیار کرنے کے مترادف ہوتا اور موتی دادا مستقبل قریب میں ہونے والے کسی اجتماع کا ایک اہم شریک تھا اسے چھیڑے جانے کی صورت میں نہ صرف حامد کے ذریعے معلومات حاصل ہونے کا سلسلہ منقطع ہو جاتا بلکہ اس اجتماع کا انعقاد بھی خطرے میں پڑ سکتا تھا جہاں میں ان پر بھرپور وار کرنے کی امید لیے بیٹھا تھا۔

یہی کچھ جیوا ہاؤز کے بارے میں بھی درست تھا۔ حامد کی زبان سے پہلی بار میں نے کسی کھنڈر کا تذکرہ سنا تھا اور کافی دماغ سوزی کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ جیوا ہاؤز کے لیے اب وہ نیا نام استعمال کیا جا رہا تھا۔ سلطان شاہ کے بیان نے اس خیال کی بھرپور تائید کر دی تھی کہ جیوا ہاؤز کی عمارت جل جانے کے باوجود ان لوگوں کے تصرّف میں تھی لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ وہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی موجود رہتا ہے یا اسے صرف خاص خاص مواقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر وہاں نچلے درجے کا کوئی شخص ہاتھ لگ بھی جاتا تو میرے نزدیک وہ کامیابی سے زیادہ ناکامی ہوتی کیونکہ تنظیم کے بڑے ہوشیار ہو کر جیوا ہاؤز کا استعمال ترک کر دیتے اور میں شہر میں ان کے آخری ٹھکانے کا سراغ بھی کھو بیٹھتا۔

کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس مرحلے پر میرے لیے جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت تھی ورنہ میں محنت اور قربانیوں کے بعد تیار کی ہوئی پوری بساط



ہی بگاڑ بیٹھتا۔

یوں تو مجھے اس وقت سلطان شاہ کی ضرورت تھی لیکن اسی کے ساتھ شوگر کوئین کی نگرانی بھی ضروری تھی۔ مجھ پر اس کی اہمیت رفتہ رفتہ واضح ہو رہی تھی اور میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کسی نہ کسی مرحلے پر اس کے ساتھ بھرپور تصادم ناگزیر ہو جائے گا۔

"اب مجھے کچھ اسلحے اور ایک دو ماہر نشانہ بازوں کی ضرورت ہے۔" حامد سے ملنے والی اطلاعات دُہرانے کے بعد میں نے سلطان شاہ سے کہا۔ "اس مرحلے پر میں اپنا زیادہ وقت گھر میں روپوش رہ کر گزارنا چاہتا ہوں، باہر کسی سے تصادم ہوگیا تو صورتِ حال بگڑ سکتی ہے۔"

"میں اُجالا پھیلتے ہی بندوبست کر دوں گا۔" اُس نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"اُجالا پھیلنے کے بعد تم شوگر کوئین کو ایک پل کے لیے بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "جو کچھ کرنا ہے ابھی کر دو گے کیونکہ اس وقت وہ اپنے کمرے میں پڑی سو رہی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بولا۔ "میں ابھی دو آدمیوں کا بندوبست کر دوں گا جو صبح دس گیارہ بجے تک مطلوبہ ہتھیاروں سمیت یہاں آ جائیں گے تم جب تک چاہو انھیں روک سکو گے لیکن بس یہ خیال رہے کہ وہ دونوں بہت زیادہ بد دماغ ہیں، ان سے کام کے علاوہ کوئی بات نہ کی جائے۔"

پروگرام بن جانے کے بعد میں اس کے ساتھ تفصیلات طے کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس بار کرنل بھی مشورے دینے میں پیش پیش تھا، مجھے خوشی تھی کہ اس کے اور سلطان شاہ کے درمیان معاندانہ رویّے کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ایک اچھی ٹیم تشکیل پاتی جا رہی تھی۔

**

حامد نے حسبِ وعدہ اپنا کام پورا کر دکھایا تھا۔ اس کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق تنظیم کے کارندوں کا مجوّزہ اجتماع اسی رات کھنڈرات میں ہونے والا تھا۔ وہ کھنڈرات کے محلِ وقوع پر کوئی روشنی نہ ڈال سکا تھا لیکن وہ پہیلی ہم پہلے ہی حل کر چکے تھے۔

بارہ بجے سلطان شاہ کے بھیجے ہوئے دونوں آدمی وزنی تھیلوں سمیت آ موجود ہوئے۔ اُن کے ہیبت ناک چہروں سے ہی قاتلانہ وحشت ٹپکی پڑ رہی تھی۔

غزالہ کو ان تیاریوں کی سُن گُن تھی لہٰذا وہ اپنے جوش اور ہیجان کے باوجود پُرسکون نظر آ رہی تھی لیکن سلمیٰ بہت پریشان تھی۔ میں نے غزالہ کو تاکید کر دی تھی کہ اسے پیش آنے والے واقعات کی ہوا بھی نہ لگنے دے۔

ان انتظامات سے مطمئن ہو کر میں جہانگیر اور کرنل کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا۔ میرے اور جہانگیر کے لیے جیوا ہاؤز کی عمارت اچھی طرح دیکھی بھالی تھی اس لیے پروگرام طے کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ نقشوں وغیرہ کی مدد سے کرنل کو بھی اس کی ذمّے داریوں کے بارے میں سمجھا دیا گیا لیکن وہ مُصر تھا کہ رات میں کارروائی کے آغاز سے پیشتر وہ دن کی روشنی میں ایک بار دُور سے اس کھنڈر کا معائنہ کرنا چاہتا ہے تاکہ عین وقت پر کسی غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہے۔

مجبوراً میں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔

تین بجے سلطان شاہ کا فون آیا اور پتا چلا کہ شوگر کوئین صبح سے اپنے کمرے ہی میں موجود تھی۔ ناشتا اور دوپہر کا کھانا بھی اس نے کمرے ہی میں طلب کیا تھا۔

"میں بھی آج رات کی کارروائی میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔" فون پر اس کی خوشامدانہ آواز اُبھری۔ "کام کا وقت آیا تو تم نے مجھے نگرانی پر لگا دیا ہے۔ مجھے آثار نظر آ رہے ہیں کہ وہ آج کہیں نہیں جائے گی۔ کہو تو اُسے چھوڑ کر آ جاؤں؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "اس کا نگاہوں میں رہنا اس مُہم سے زیادہ ضروری ہے۔"

اس نے خاصا اصرار کیا اور میرے مسلسل انکار پر مایوسانہ انداز میں فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اندھیرا پھیلنے تک گھر بھر میں ہر ایک کے اعصاب پر تناؤ سوار تھا۔ حالات کے دھارے میں بہتے ہوئے ہم نے ایک بہت بڑی کارروائی کا منصوبہ تو بنا لیا تھا لیکن اس کے انجام کے بارے میں مجھ سمیت کوئی بھی پُریقین نہیں تھا۔ بس سب ہی ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

سات بجے غزالہ نے حسبِ پروگرام اپنے کمرے میں سلمیٰ کو شطرنج میں الجھا لیا۔ جہانگیر نے پھُرتی کے ساتھ میری طرح عامیانہ سا لباس پہنا اور ہم دونوں اپنے لباس میں بے آواز پستول چھپا کر جیوا ہاؤز کے لیے روانہ ہوگئے۔ ہم دونوں کو شروع سے آخری لمحے تک جیوا ہاؤز پہنچنے والے ایک ایک فرد پر نگاہ رکھنا تھی۔ جہانگیر کو عقبی سمت میں مورچہ سنبھالنا تھا اور میں نے اپنے لیے سامنے والا حصّہ منتخب کیا تھا جدھر سپاہی مامور تھے۔

اندازہ یہ تھا کہ وہ لوگ آمد و رفت کے لیے ویران عقبی راستے کو ہی ترجیح دیں گے اور سامنے کا راستہ استعمال کرنے سے گریز کریں گے مگر مجھے مقررہ وقت پر سپاہیوں پر قابو پا کر کھنڈرات میں داخل ہونا تھا تاکہ موقع محل کا جائزہ لے کر کارروائی کے آغاز کا اشارہ دے سکوں۔ اندر گھسنے کے لیے عقبی راستہ اختیار کرنا مخدوش

ہوسکتا تھا کیونکہ ادھر ان کے مسلح محافظ ہوتے لازمی تھے جو دو پولیس والوں کی موجودگی کے باعث سامنے آنے سے گریز ہی کرتے۔

جیوا ہاؤز سے کافی فاصلے پر ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ ٹیکسی کے چلے جانے کے بعد ہم دونوں نے مختلف راستے اختیار کیے تھے اور جیوا ہاؤز پہنچنے تک اپنا حلیہ مجذوبوں جیسا بنالیا تھا تاکہ چھپے رہنے کے باوجود اگر ناگہانی طور پر کسی کی نظر پڑ ہی جائے تو ہمیں نظر انداز کرنے پر مجبور ہو جائے۔

میں جیوا ہاؤز کے سیاہ آسیبی کھنڈرات کے سامنے پہنچا تو شام کے گہرے ہوتے ہوئے دھندلکے میں عمارت پر گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ گری ہوئی دیوار سے ذرا دور لان پر دو نوں سادہ پوش سپاہی قریبی اسٹریٹ لیمپ کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی شغل میں وقت گزار رہے تھے۔

میں اپنے بال بکھیرے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے ماچس کی تیلی سے فٹ پاتھ کو کُریدتا رہا لیکن وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید ہم نے اس قدر قبل از وقت وہاں آنے کا فیصلہ کرکے کوئی عقل مندی نہیں کی تھی۔

میرے ذہن میں وہ خیال نمودار ہونے کے چند ہی منٹ بعد ایک سیاہ کار جیوا ہاؤز سے خاصی دُور رکی اور اس میں سے ایک آدمی اُتر کر تیز تیز قدموں سے جیوا ہاؤز کی طرف بڑھنے لگا۔ اس سمت میں لگی ہوئی اسٹریٹ لائٹس کی ناکافی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ آنے والے کے ہاتھ میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی۔

نووارد جیوا ہاؤز کے سامنے پہنچ کر بلا جھجک لان میں داخل ہوا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے دونوں سپاہی استقبالیہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھے تھے جیسے اب تک اسی کے منتظر رہے ہوں۔ نووارد نے ہاتھ میں دبی ہوئی چیز ان کے حوالے کی اور چند ثانیوں کے بعد واپس سیاہ کار کی طرف ہولیا۔ کار ایسی جگہ روکی گئی تھی کہ سپاہیوں کے لیے اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ شاید آنے والے نے انھیں یہی تاثر دیا تھا کہ وہ کہیں قرب و جوار سے ٹہلتا ہوا آیا ہے۔

غالباً وہ شخص سپاہیوں کے لیے شراب لایا تھا جس کے بارے میں مجھے سلطان شاہ سے علم ہو چکا تھا۔

دونوں سپاہی شراب کے بارے میں خاصے ندیدے تھے کیونکہ انھوں نے فوراً ہی قدرے اندر سرک کر مے نوشی شروع کر دی تھی پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں لہراتے ہوئے جہاں بیٹھے تھے وہیں ڈھیر ہو گئے۔

غالباً اجتماع کے اہتمام میں ان کی بوتل میں بے ہوشی کی کوئی دوا انجکٹ کر دی گئی تھی جس نے معدے میں پہنچتے ہی سُرعت کے ساتھ اپنا اثر دکھا دیا تھا۔

ان دونوں کے گرنے کے بعد عقبی حصّے سے ایک انسانی ہیولا نمودار ہوا جو ان دونوں کے قریب پہنچ کر رک گیا اور انھیں ہلا جلا کر دیکھنے کے بعد واپس ہولیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے ڈی کے حواری ہم سے پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے تاکہ مقررہ وقت تک رفتہ رفتہ صورت حال پر اپنی گرفت مضبوط کرلیں۔

تقریباً دس بجے مجھے اپنی سمت والی تاریک فٹ پاتھ پر کچھ دُور ایک متحرک سایہ نظر آیا تو میں چونک پڑا۔ نجانے وہ کون تھا اور ادھر کیوں آرہا تھا؟

میں نے اپنی پوزیشن میں اس طرح تبدیلی کرلی کہ خطرے کی صورت میں آنے والے کو پھرتی کے ساتھ اپنے پستول کی زد پر لے لوں۔ جب وہ ہیولا دبکتا چھپتا قریب پہنچا تو اس کی چال کی بنا پر میں پہچان کر حیران رہ گیا۔ وہ سلطان شاہ تھا۔

ہم دونوں نے تقریباً بیک وقت ہی ایک دوسرے کو پہچانا تھا۔ "تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟" میں نے تحیر آمیز سرگوشیانہ آواز میں اس سے سوال کیا۔

"وہ ابھی عقبی راستے سے اندر داخل ہوئی ہے۔" وہ ہیجان آمیز لہجے میں بولا۔ "آخر کار میری دعا قبول ہو ہی گئی... اب میں بھی تمھارا ساتھ دے سکوں گا۔ باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"میں ادھر ہوں، جہانگیر پچھلے حصّے کی نگرانی کر رہا ہے اس نے تمھیں ضرور دیکھا ہوگا۔"

"نہیں۔ میں کچھ دُور ہی رک گیا تھا، کرنل اور وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"کرنل بس تھوڑی دیر میں ان دونوں کو اسلحہ سمیت لاتا ہی ہوگا۔ ان میں سے ایک کو یہاں آملے گا، دوسرے کو جہانگیر کے پاس اور خود دوسری گلی میں گاڑی سمیت ہماری واپسی کا انتظار کرے گا۔"

"میرے لیے کوئی ہتھیار بھی ہے تمھارے پاس؟" اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال صرف ایک بے آواز پستول ہے، چاہو تو یہ رکھ لو۔" میں نے پیشکش کی۔ "لیکن یہ خیال رکھنا کہ پہلا فائر میرا ہوگا۔"

اس نے میرا پستول لینے سے انکار کر دیا اور ہم دونوں ہوا لیا کے سے انداز میں وہیں بیٹھ کر دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگے۔ اس کا خیال تھا کہ تنظیم میں کراچی کے بگڑے ہوئے معاملات کا سنجیدگی سے نوٹس لیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس اجلاس میں لے ڈی سے شوگر کوئین تک سب ہی بڑے شرکت کر رہے تھے۔



ٹھیک پونے گیارہ بجے بیری کرائے کی کار لمحہ بھر کے لیے فٹ پاتھ کے کنارے لگی اور اگلے ہی لمحے ایک شخص کو اُتار کر ہوا ہو گئی۔ اُترنے والا میری خفیف سی سیٹی کی آواز سُن کر کسی تربیت یافتہ گوریلے کی طرح وزنی تھیلے سمیت اسی طرف چلا آیا۔

لمحہ بہ لمحہ وقت سرکتا رہا۔ سلطان شاہ اپنے آدمی کے ساتھ باتوں میں لگ گیا تھا اور میری نگاہیں جیوا ہاؤز کے احاطے پر جمی ہوئی تھیں جہاں سکوت اور ویرانی راج کر رہی تھی۔

"میں سڑک عبور کر رہا ہوں۔" گیارہ بجتے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور تھیلے میں سے اپنے حصّے کا اسلحہ نکالنے لگا۔ "تم دونوں ذرا آگے پیچھے ہو کر سڑک عبور کرو گے۔" ہم تینوں گری ہوئی اینٹوں کے ڈھیر کے قریب یکجا ہو کر پیٹ کے بل رینگتے ہوئے اندر داخل ہوں گے۔"

اسٹین گن کو اپنی بغل میں پسلیوں کے ساتھ دبا کر میں نے تیزی کے ساتھ سڑک عبور کی تھی اور مقررہ مقام پر دیوار کے سائے میں رک گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ دونوں بھی وہیں آملے۔ اس وقت تک اندر سے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔

ہم تینوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور ہم سینوں کے بل پختہ فٹ پاتھ پر گر گئے اور ایک دوسرے سے قدرے مختلف زاویوں میں گری ہوئی دیوار سے گزر کر جیوا ہاؤز کے لان میں داخل ہو گئے۔ میری نگاہیں عقابی انداز میں ہر طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ معاً سالم دیوار کے سائے میں زمین سے کم و بیش چھ فٹ کی بلندی پر خفیف سی سرخ روشنی کا ہالہ نمودار ہوا جس میں انسانی خدوخال جھلک رہے تھے پھر فوراً ہی وہ مدّھم ہالہ معدوم ہوگیا۔

یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ان لوگوں کا چھوڑا ہوا کوئی محافظ بیکاری سے اکتا کر سایۂ دیوار میں ہتھیلی کی اوٹ میں چھپا کر سگریٹ نوشی کر رہا تھا۔ میری اور سلطان شاہ کی نگاہوں کا تبادلہ ہوا اور ہم نے اس محافظ کو نظر انداز کرکے آگے بڑھ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میرے پاس اس کے لیے بے آواز پستول ضرور موجود تھا لیکن مرتے ہوئے محافظ کی چیخ کو روکنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

خراشوں اور رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر ہم تینوں محتاط اور چوکنّا انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ اس دوران میں مجھے تاریک احاطے میں تاروں کی چھاؤں میں کم از کم پانچ انسانی ہیولے نظر آئے جنھیں بہ آسانی بھونا جاسکتا تھا لیکن ہم نے انھیں بالکل نظر انداز کر دیا اور آخر کار ہم چلتے اور آدھڑے ہوئے برآمدے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہاں ایک طرف دو سلٹے بے سُدھ پڑے ہوئے تھے۔ سلطان شاہ ان سے قریب تر تھا۔ اس نے اپنی ناک چٹکی سے دبا کر مجھے آگاہ کیا کہ ان کے مُنہ سے شراب کی بُو آرہی تھی۔

ان دونوں نے چبوترے سے نیچے پوزیشنیں سنبھال لیں اور میں پیٹ کے بل چبوترے کی دیوار سے چپکا ہوا اوپر چڑھ گیا۔ اگلے چند ثانیوں میں، میں برآمدے سے گزر کر راہداری میں داخل ہو چکا تھا۔ جیوا ہاؤز کے سامنے خاصا وقت گزار کر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کھلی فضا کے مقابلے میں جلی ہوئی عمارت میں اس قدر گہرا اندھیرا تھا کہ وہاں پوری پلاٹون بھی آزادانہ نقل و حرکت کرتی رہے تو باہر سے اس کا دیکھ لیا جانا ناممکن تھا۔ میں اطمینان سے پنجوں کے بل کھڑا ہوگیا۔

ابھی میں پیش قدمی کے لیے سمت کا تعین کر ہی رہا تھا کہ اچانک ایک مانوس سا کھٹکا ہوا، ایک بہت ہلکی کراہ سنائی دی اور دھمک سی سنائی دی جیسے کوئی اچانک گرا ہو۔

جس کسی نے بھی وہ بے آواز فائر کیا اس کا نشانہ بے خطا تھا۔ مُبہم سی کراہ سے ظاہر ہوگیا تھا کہ گولی براہِ راست دل میں پیوست ہوئی تھی اور مرنے والے کو چیخنے کی مہلت تک نہ مل سکی تھی۔

مگر وہ فائر کس نے کیا تھا؟

میرے علاوہ صرف جہانگیر کے پاس بے آواز پستول تھا لیکن پروگرام کے مطابق اسے جیوا ہاؤز سے دور اپنے مورچے پر ہونا چاہیے تھا جبکہ وہ آواز قریب ہی سے آئی تھی۔ غصّے سے میری کنپٹیاں چٹخنے لگیں۔ اگر اس کی عجلت اور بے صبری کا یہی عالم تھا تو وہ ہم سب کو کسی بھی لمحے موت کے مُنہ میں جھونک سکتا تھا۔

لیکن اب میں موت کے دہانے پر کھڑا ہوا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں جہانگیر کو تلاش کرکے سرزنش کرتا۔ میں اسٹین گن سیدھی کرکے جیوا ہاؤز کے کانفرنس ہال کی طرف بے آواز قدموں سے بڑھنے لگا۔

"اور تنظیم میں ہمیشہ سرکشی کا یہی انجام ہوگا۔" چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں وہ آواز آئی اور میں سُن ہو کر رہ گیا۔

مغربی لب و لہجے میں انگریزی بولنے والی وہ عورت ویرا لائیٹ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

"اور تنظیم میں ہمیشہ سرکشی کا یہی انجام ہوگا۔" اس بار ایک مقامی آواز میں ویرا لائیٹ کے الفاظ کا ترجمہ دُہرایا گیا تھا۔ شاید ان لوگوں کے لیے جو اس اجتماع میں شریک تھے لیکن انگریزی سمجھنے سے قاصر تھے۔

"ہالٹ!" اندھیرے میں میرے قریب ہی سے اُبھرنے والی وہ تحکمانہ آواز میرے اعصاب پر بجلی بن کر گری۔ پوری منصوبہ بندی میں، میں یہ نکتہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ تاریک کھنڈر کے اندر

بھی کچھ محافظ موجود ہو سکتے ہیں۔

لیکن وہ سوچنے سمجھنے کا مرحلہ نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے ذہنی تعطل کے بعد میں نے ایک جھٹکے سے اسٹین گن سیدھی کی اور بارودی روشنی میں للکارنے والے کا بدن چھلنی ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اندر شور و غل برپا ہو گیا تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ بائیں ہاتھ سے اپنی جیب سے گرینیڈ نکالا اور دانتوں سے اس کی پن کھینچ کر اسے کانفرنس روم کی طرف جانے والی راہداری میں اچھال دیا۔ ہولناک دھماکے سے فرش اور دیواریں لرز اٹھیں۔ عمارت کے کچھ جھلسے ہوئے حصے نیچے آ رہے اور پھر باہر بھی اسٹین گن کا نغماتی طلسم گونجنے لگا جس میں انسانی چیخیں بھی شامل تھیں۔ شاید کھڑکیوں سے کود کر بھاگنے والوں کو جہانگیر اور اس کے ساتھی نے باڑھ پر رکھ لیا تھا۔ میں چوکنے... انداز میں الٹے قدموں پیچھے لوٹنے لگا تاکہ باہر نکل کر بھاگنے والوں کو چن چن کر ختم کر سکوں۔

"رک جاؤ ڈئیر۔" اس بار میرے بائیں جانب سے ویرا لائیڈ کی سرد اور تحکمانہ آواز گونجی تھی۔ "اسٹین گن پھینک دو ورنہ میرا نشانہ بہت سچا ہے، گولی سیدھی دل میں اترے گی۔"

باہر چار اسٹین گنیں چل رہی تھیں، دستی بموں کے دھماکے گونج رہے تھے۔ مرنے اور زخمی ہونے والے دشمنوں کو شاید کہیں امان نہیں مل رہی تھی لیکن میں شوگر کوئین یا ویرا لائیڈ کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں اپنا حکم دہرانے کی عادی نہیں ہوں۔" اس کی للکارتی ہوئی سرد آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتی چلی گئی اور میں نے اسٹین گن فرش پر پھینک دی۔

**باہر** سے آنے والی فائرنگ کی آوازوں میں سرعت کے ساتھ بھیانک تسلسل پیدا ہو گیا تھا۔ پہلے ہلے میں بوکھلا جانے کے بعد لے ٹو اور شوگر کوئین کے ساتھی تیزی کے ساتھ قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ گنوں کے ہولناک شور میں نسبتاً ہلکے قسم کے آتشیں اسلحے کے بارودی دھماکے بھی شامل ہو گئے تھے اور کیوں نہ ہوتے؟ جیوا ہاؤز کے سوختہ کھنڈرات میں وہ کوئی عبادت گزار بندوں کا اجتماع نہیں تھا۔ وہاں بلائے جانے والے سب ہی شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش، شورہ پشت اور منشیات فروش تھے۔ بوکھلاہٹ میں چند ساتھیوں کے ہلاک یا زخمی ہوتے ہی ان سب گھاگ مجرموں کو احساس ہو گیا تھا کہ افراتفری میں بھاگ نکلنے کی کوششوں میں وہ سب یکے بعد دیگرے نامعلوم حملہ آوروں کا نشانہ بنتے چلے جائیں گے لہٰذا غیر متوقع شدہ حکمت عملی کے باوجود اس بھیڑ کا ردعمل یکساں ہی رہا اور وہ سب بظاہر مقابلے پر جم گئے تھے لیکن مجھے اندازہ تھا کہ حملہ آوروں کے عزائم اور تعداد سے لاعلمی کی بنا پر وہ زیادہ دیر تک مقابلے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ فائرنگ کی آڑ میں جلد از جلد نکل بھاگنے کی کوشش کریں گے کیونکہ انھیں نہ حملہ آوروں کی تعداد کا علم تھا اور نہ عزائم کا لیکن ان پر یہ بات ضرور واضح ہو گئی ہو گی کہ عام پولیس فورس اسٹین گن وغیرہ سے لیس نہیں ہوتی لہٰذا ان کا مقابلہ قانون نافذ کرنے والے کسی ادارے سے ہرگز نہیں تھا۔

باہر ہولناک تصادم جاری تھا۔ فائرنگ کے شور میں اب کبھی کبھار کسی مرنے یا زخمی ہونے والے کی چیخ بھی سنائی دے جاتی تھی۔ میرے ہاتھوں چھلنی ہونے والا جیوا ہاؤز کے اس تاریک کمرے میں شاید گرتے ہی دم توڑ چکا تھا اور میں شوگر کوئین کے للکارنے پر اپنی اسٹین گن فرش پر پھینک چکا تھا۔ اندھیرے میں اس کا تاریک تر ہیولا مجھ سے ذرا دور ایک جلتی ہوئی کھڑکی کے قریب موجود تھا، اس کی آنکھیں رات کی سیاہی میں بلور کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ پھر ذرا سا غور کرتے ہی مجھ پر واضح ہو گیا کہ اس نے اپنے چہرے پر سیاہ نقاب منڈھا ہوا تھا۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تم ویرا لائیڈ ہی ہونا؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے اپنی آواز میں شگفتگی برقرار رکھتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"غلطی نہ تم کر رہے ہو نہ میں کروں گی۔" اس کی سرد اور تحکمانہ آواز گونجی۔ "اپنے ہاتھ سر سے اونچے اٹھا لو۔ یہ یاد رکھنا کہ میرے ہاتھ میں بھرا ہوا بے آواز پستول ہے جس کی صرف ایک گولی استعمال ہوئی ہے۔"

"کس خوش نصیب کے حصے میں آئی؟" میں نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے خوش دلانہ لہجے میں سوال کیا۔ "فائر کا کھٹکا اور کسی کے گرنے کی دھمک تو میں نے بھی سنی تھی۔ شاید کسی کو سرکشی کی سزا دی گئی تھی؟"

میں یہ محسوس کر چکا تھا کہ اس وقت وہ مشرق بعید کی پرواز پر ملنے والی شوخ، نرم خو اور مہربان ویرا لائیڈ نہیں رہی تھی۔ نہ ہی اس کے لہجے میں لوچ اور مٹھاس رہی تھی۔ اپنے رومانوی مزاج کو یکسر فراموش کر کے اس وقت وہ نیلی آنکھوں والی سفاک قاتلہ بنی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ اپنے حکم کی خلاف ورزی پر بے دریغ گولی چلا بیٹھتی۔

"بیسیوں نام تھے اس کے لیکن اب وہ بے نام ہو چکا ہے۔" اس کا لہجہ بدستور سرد اور پرسکون تھا۔ "میں غلطیوں کو ایک حد تک نظرانداز کر سکتی ہوں۔ جب کوئی ناقابل برداشت ہو جائے تو اس کا علاج کرنا پڑ جاتا ہے۔"

میں لمحے بھر کے لیے سکتے میں رہ گیا۔ "کیا لے ٹو کو مار دیا تم نے؟" میرے منہ سے بے یقینی کے عالم میں نکلا۔

"اس کا سب سے زیادہ معروف نام یہی تھا۔" پہلی بار اس کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ "اس کی ذاتی پسند اور ناپسند اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو کر تنظیم کے کاموں میں حارج ہونے لگی تھی۔"

"تو کیا تنظیم میں تم اس سے بھی اوپر کی حیثیت کی مالک ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"تنظیم میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں، سب کسی نہ کسی کے حکم کے تابع ہیں اور اس وقت میں اس کی نمائندگی کر رہی ہوں جسے لے ٹو اپنی کارکردگی کے لیے جواب دہ تھا۔"

"لیکن تم تو مجھے ایشلے ہاؤس کے نمائندے کے طور پر ملی تھیں۔ تم تنظیم کے مال کی خریدار رہی ہو۔ اب تمہارا یک بیک تنظیم سے تعلق کیسے پیدا ہو گیا؟ میرے لیے تو ہمیشہ سے لے ٹو ہی تنظیم کا اعلیٰ ترین دماغ تھا جو سب کا حاکم تھا لیکن خود کسی کا محکوم نہیں۔"

"بڑے کھیلوں میں ایسے سراب قدم قدم پر سامنے آتے ہیں۔" پہلی بار اس کی تلخ سی ہنسی کی آواز ابھری۔ وہ واقعی بہت نڈر اور بے باک عورت تھی کہ باہر بارودی آگ کی برسات سے بے پروا مسکرانے یا ہنسنے پر قادر تھی۔ اپنے نرم اور حسین ہاتھوں سے ایک قتل کا ارتکاب کرنے کے باوجود یوں مطمئن اور پرسکون تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تمہارے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ مقامی نہیں بلکہ کوئی بین الاقوامی تنظیم ہے اور شاید تمہیں باہر سے لے ٹو کی گوشمالی کے مشن پر ہی بھیجا گیا ہے۔"

"یہ بھی ایک سراب ہے۔" میں حیرت سے اچھل پڑا کیونکہ اس بار وہ بالکل صاف اور شستہ لہجے میں اردو میں گویا ہوئی تھی۔ "صرف گوری چمڑی کی بنا پر تم کسی کی قومیت کا تعین نہیں کر سکتے۔ میں تمہاری زبان مقامی لب و لہجے میں بولنے پر قادر ہوں۔"

"پھر اندر ہونے والے اجلاس میں مترجم کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"میں ان لوگوں کی دبی خواہشات اور بے لاگ آرا جاننا چاہتی تھی۔" وہ اردو میں کہہ رہی تھی۔ "آج کا اجلاس بہت اہم اور خاصا طویل ہوتا جس میں شرکا کو ایک مرحلے پر آزادانہ تبادلۂ خیال کا موقع دیا جاتا اور وہ مجھے اردو سے نابلد سمجھتے ہوئے مقامی زبان میں آزادانہ طور پر اپنی بات شروع کر دیتے یوں مجھے ان کے شکوک و شبہات سے واقفیت حاصل ہو جاتی۔"

"پھر ایشلے ہاؤز والے معاملے میں میرے ساتھ اردو سے لاعلمی ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے ہرگز ایسی کوشش نہیں کی۔ تم شروع سے آخر تک مجھ سے انگریزی ہی میں بات کرتے رہے۔ اردو میں بولتے تو میں تمہیں مایوس نہ کرتی میرے لیے تو وہ سب ایک دلچسپ کھیل تھا۔"

"مطلب یہ ہوا کہ یہاں کی تنظیم ایشلے ہاؤز کی ہی ایک ذیلی شاخ ہے؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ان بکھیڑوں میں نہ الجھو۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "تم روئے زمین پر کہیں بھی ایشلے ہاؤز کا وجود دریافت نہ کر سکو گے۔ وہ کوئی سودا نہیں تھا بلکہ تمہاری صلاحیتوں کا ایک امتحان تھا جس میں تم پورے اترے تھے۔ ورنہ آج اس قابل نہ ہو پاتے کہ گھر کے بھیدی بننے کے بعد ہمارے ساتھ محاذ آرائی پر تل جاتے۔ تم نے تنظیم کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔"

میں چونک پڑا۔

بظاہر وہ مجھ پر بھرا ہوا پستول تانے کھڑی تھی۔ باہر پورے زور شور سے گولیوں کا خونریز تبادلہ ہو رہا تھا اور کسی بھی لمحے کوئی بھٹکی ہوئی باڑھ کسی کھلے ہوئے حصے سے ادھر بھی آ سکتی تھی۔ ایسی صورت میں اسے اپنی سلامتی کی فکر ہونا چاہیے تھی۔ وہ میری بے خبری میں وہاں پہنچی تھی۔ وہ لوگ مجھ سے جس حد تک نالاں تھے اس کا اظہار پچھلے دنوں بار بار ہوتا رہا تھا۔ لے ٹو اور اس کے حواری میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے لیکن میرے ستارے ساتھ دے رہے تھے کہ میرے خلاف سارے قاتلانہ حملے بری طرح ناکام ہوئے تھے۔ ان حالات میں ویرا لائیڈ کا فطری ردعمل یہ ہونا چاہیے تھا کہ اس نے جیسے ہی مجھے پہچان لیا تھا، للکار کر مجھے ہوشیار کیے بغیر ختم کر دیتی لیکن اس نے نہ صرف مجھے گھور کر کے للکارا بلکہ اب خاصی کھل کر باتیں بھی کر رہی تھی۔ میں اس کے رویے کے بارے میں الجھن میں مبتلا تھا کہ مجھے ختم کر کے خود بھاگ نکلنے کے بجائے وہ مجھ پر وقت کیوں برباد کر رہی تھی۔ پھر آخر میں اس نے مجھے یہ بھی جتا دیا کہ میں نے تنظیم کو خاصا نقصان پہنچایا ہے لیکن پھر بھی پستول کے ٹرائیگر پر اس کی انگلی ساکت ہی رہی تھی۔

شاید اس کے دل میں میرے لیے کوئی نرم گوشہ موجود تھا۔ میں نے سوچا اور پھر قلابازی کھانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے یہ سارا تجزیہ چند ثانیوں میں کر ڈالا اور کسی غیر معمولی توقف کے بغیر بولا۔ "مجھے زبردستی تصادم کی راہ پر دھکیلا گیا ہے۔ میرے سامنے کوئی انتخاب نہیں رہ گیا تھا۔ زندہ رہنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لاتا تو مقامی قیادت یا دوسرے الفاظ میں لے ٹو کسی بے رحم قصاب

کی طرح مجھے ذبح کر ڈالتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے میری ذات سے اچانک کیا عناد ہوگیا تھا؟

"وہ کیفرِ کردار کو پہنچ چکا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "اس کا قصور یہی تھا کہ اس نے تمہاری ذات کو اپنی انا کا معاملہ بنا لیا تھا۔ تنظیم کے اہم ترین معاملات کو نظر انداز کر کے کسی اجرتی قاتل کی طرح ملک بھر میں تمہاری بُو سونگھتا پھر رہا تھا۔ اُسے دو بار وارننگ دی گئی لیکن اُس کے سر سے تمہاری دشمنی کا بھوت نہیں اترا۔ اور مجھے مجبوراً معاملات میں دخل انداز ہونا پڑا۔"

وفورِ جوش سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ میرا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا تھا۔ میری قلابازی کارآمد ثابت ہوئی تھی، مجھے اس کے لب و لہجے سے مصالحت کی خواہش جھلکتی محسوس ہو رہی تھی۔

"میں آج تک یہی نہیں سمجھ سکا کہ وہ اچانک میرے خون کا پیاسا کیوں ہوگیا تھا؟" میں نے مزید ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "اگر وہ مجھے میرا قصور بتا کر جواب طلب کرتا تو شاید میں اسے مطمئن کر دیتا لیکن وہ یکطرفہ طور پر میرے خلاف محاذ آرا ہوگیا اور مجھے مدافعت میں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے پر مجبور ہونا پڑ گیا۔"

"اب اتنے بھی معصوم نہ بنو۔" اسکی طنزیہ آواز ابھری۔ "اپنا قصور تم اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ کون تھی جس نے لاہور میں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے دفتر میں ملازمت حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی تھی؟"

"میری منگیتر۔" میں نے بلا توقف جواب دیا۔ "وہ ایک معزز گھرانے کی تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی ہے۔ میری ذات کے سحر میں گرفتار ہونے کے باوجود اُسے اپنے خاندان کی نیک نامی عزیز ہے۔ وہ میری وقت بے وقت کی پُراسرار نقل و حرکت اور سرگرمیوں کی طرف سے شبہات کا شکار تھی۔ میں پلاسٹک فیکٹری کے مالک و مختار کی حیثیت سے ان سرگرمیوں کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں نے اسے بتایا کہ میں ایشین سنڈیکیٹ کا سیلز آفیسر ہوں اور دفتری کاموں کے لیے اکثر بے وقت بھی مصروف رہنا پڑتا ہے مگر وہ مطمئن نہیں ہو سکی۔ کوئی معقول ملازمت ایسی نہیں ہو سکتی کہ آدمی محبوبہ یا منگیتر سے ملاقات مختصر کر کے رات کے بارہ بجے کہیں چل دے۔ اُس نے ایشین سنڈیکیٹ کے بارے میں جاننے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے بھرپور تعاون کی پیشکش کر دی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ایشین سنڈیکیٹ کا ظاہری کاروبار معقول اور قانونی ہوگا لہٰذا جب اس نے اپنی ہم جُو طبیعت کے پیشِ نظر کچھ دنوں کے لیے سنڈیکیٹ میں نوکری کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تو میں اسے اپنے ساتھ لاہور لے جانے پر آمادہ ہوگیا لیکن سنڈیکیٹ کے دفتر میں انٹرویو سے واپسی پر کچھ نامعلوم لوگوں نے اسے اٹھا لے جانے کی ناکام کوشش کی۔ میں نے اُسے اغوا ہونے سے تو بچا لیا لیکن اب وہ بھڑک گئی ہے، اب میرے ساتھ شادی کی بات کرنا تو درکنار، میری صورت تک دیکھنے کی روادار نہیں ہے۔"

میں نے وہ فی البدیہہ کہانی کہیں رکے یا جھجکے بغیر اس قدر روانی کے ساتھ بیان کی کہ غالباً وہ بیلا میرے جھانسے میں آگئی۔

"کون ہے وہ لڑکی؟" اس کی آواز پُرخیال تھی۔

"ایک لڑکی!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہوں گا کہ میرے ساتھ وہ بھی تمہارے سامنے ہاتھ اٹھائے پستول کی زد پر کھڑی ہو۔"

"تم سے گفتگو کے بعد میرا اندازہ ہے کہ ہم مصالحت کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمہیں میرے بارے میں اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔"

"مصالحت!" اس بار میری ہنسی استہزائیہ تھی۔ "بڑا سنگین مذاق کرتی ہو تم بھی! باہر ہمارے آدمی ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ شاید اب تک دو چار مر بھی چکے ہوں۔ تمہارے ایک محافظ کا چھلنی بدن تو اسی چھت کے نیچے پڑا ہوا ہے اور تم مجھے مصالحت کا بہلاوا دے رہی ہو۔ آخر تمہارا منصوبہ کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "انھیں یوں ہی کتوں کی طرح لڑتا چھوڑ کر ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ یہ تو سب شطرنج کے پیادے ہیں، پیدا ہی پٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک ان میں سے کسی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"لل... لیکن تم نے تو کہا تھا کہ آج کا اجلاس بہت اہم تھا۔" اُس کے سرد اور بے رحمانہ رویے پر میں لمحے بھر کے لیے ہکلا کر رہ گیا۔ "ظاہر ہے کہ آنے والے بھی اہم لوگ رہے ہوں گے۔"

"جو اہم ترین تھا وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔" وہ مضحکہ اڑانے کے انداز میں بولی۔ "لڑنے والوں میں جو اہم کہلانے کے مستحق ہوں گے وہ ہر صورت میں لڑتے بھڑتے زندہ نکل جائیں گے۔ جو بے وقعت مہرے ہیں وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچ... کھائیں گے۔ تم لڑکی کا سراغ نہیں دیتے تو نہ دو لیکن تم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہاری راہ پر لگی ہوئی کوئی سرکاری جاسوسہ نہیں ہے؟"

"اس کا گھرانا مشہور اور بہت معزز ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ جھوٹ بولا۔ "وہ تو لڑکی ہی کچھ سنکی ہے ورنہ اس کے لیے تو شہر میں بہتیرے امیدوار پیدا ہو سکتے ہیں۔ بجانے اُسے مجھ میں کیا نظر آگیا ہے؟"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ وہ تم پر مرمٹی ہے لیکن تمہیں اس سے کوئی خاص رغبت نہیں ہے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"رغبت نہ ہوتی تو میں تمہارے پہلے ہی سوال پر اس کا پورا شجرہ اور... ٹھکانا بتا بیٹھا ہوتا۔ وہ رُوٹھ ضرور گئی ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ میں اسے منا لوں گا۔ ویسے رغبت تو مجھے تم سے بھی ہے۔ ٹوکیو میں جو شب و روز میں نے تمہارے ساتھ گزارے، وہ میرے دل میں ایک پھانس بن کر رہ گئے ہیں کئی بار دل چاہا کہ ٹوکیو دوڑ لگا دوں، شاید کہیں تم سے ملاقات ہو ہی جائے!"

"شٹ اپ۔" وہ سرد لہجے میں غرائی۔ "جو کچھ ہُوا اس میں تمہاری کشش یا کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا میرے لیے مرد کی ذات ایک کھلونے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ کھلونے سے کھیلتے رہو، دل بھر جائے تو اسے بھول جاؤ۔ موڈ ہو تو اسے توڑ مروڑ بھی سکتے ہو۔ اسے ٹوکو دل میں گولی اُترنے کے باعث چیخنے کی مہلت بھی نہ مل سکی ورنہ وہ مجھ سے ضرور شکوہ کرتا۔ وہ بس میری آواز پہچانتا تھا اور کئی بار اندھیری خلوتوں میں میری صورت دیکھے بغیر اپنی شوگر کوئین کے تلوے چاٹتا رہا تھا۔ لہٰذا جو کچھ ہُوا اسے بھول جاؤ۔ ماضی کے کسی حوالے سے تم کچھ حاصل نہ کر سکو گے۔ اس معاملے میں میں اپنی مرضی اور پسند پر چلنے کی عادی ہوں۔"

باہر فائرنگ کا تسلسل دھیما پڑتا جا رہا تھا۔ شوگر کوئین کے کچھ جاں نثار یا تو مر چکے تھے یا فائرنگ کی آڑ میں فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے کیونکہ میرے کان مسلسل ... کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ باہر وقفے وقفے سے چار اسٹین گنیں برابر چل رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ میرے ساتھی اس وقت تک بخیر و عافیت تھے اور اگر اُن میں سے کوئی زخمی ہوا بھی تھا تو زخم اس قدر معمولی تھے کہ فائرنگ میں حارج نہیں ہو رہے تھے جب کہ ریوالوروں، پستولوں اور رائفلوں کا شور بہت کم رہ گیا تھا۔

شاید ویرالائیڈ درست ہی کہہ رہی تھی کہ جو اہم تھے وہ لڑتے بھڑتے زندہ سلامت نکل گئے تھے اور جو پیادے تھے، وہ موت کے انتظار میں اپنے مورچوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔

لیکن اس کی دوسری بات اتنی درست نہیں تھی۔ اُس نے بڑی آسانی کے ساتھ کھلونوں کا فلسفہ بیان کر دیا تھا لیکن وہ بس بے جان کھلونوں تک ہی درست تھا۔ جب کھیل اور کھلاڑی دونوں جیتے جاگتے باشعور وجود کے مالک ہوں تو ان میں سے کسی ایک کی برتری، دوسرے کے منصب میں قابلِ ذکر تبدیلی نہیں لا سکتی۔ کھلاڑی حاکم ہو یا محکوم، کھلاڑی ہی رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے خربوزہ، خربوزہ ہوتا ہے اور چھری، چھری۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان میں سے کون کس پر گرتا ہے۔ دھار تیز ہو تو نتیجہ ہمیشہ ایک ہی نکلتا ہے لیکن اس مرحلے پر میں نے ویرالائیڈ کی خوش فہمی رفع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ مسلح تھی اور میری اسٹین گن ایک شکار کو نگلنے کے بعد میرے قدموں میں فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

"کچھ حاصل کر بھی لیا تو بے سود ہوگا۔" میں نے اُس کی غراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "خلش کچھ اور بڑھ جائے گی کیونکہ ایسے سب رشتے وقتی ہوتے ہیں۔ پسند، مرضی اور موڈ کے تابع ہوتے ہیں۔ کسی کا کسی پر کوئی حق نہیں بنتا۔ بس اسی لیے میں اس لڑکی کی طرف جھکتا چلا گیا کیونکہ وہاں پسند کے ساتھ ایک امکان حق پیدا ہونے کا بھی تھا۔"

"حق کبھی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ مضحکہ اڑانے والے لہجے میں بولی۔ "حق تو جو ہے سو ہے اور اپنی جگہ اٹل ہے۔ ہاں نور الحق، عین الحق اور عبدالحق ضرور پیدا کیے اور مارے جا سکتے ہیں......"

"ارے... رے!" میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔ "تم تو بہت ثقیل اردو بول لیتی ہو......!"

"اُردو ہی نہیں میں تیرہ زبانیں مقامی لب و لہجے میں بامحاورہ بول سکتی ہوں اور......"

بولتے بولتے وہ اچانک خاموش ہوگئی جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو اور میں نے بھی فضا پر کان جما دیے۔ چند ہی ثانیوں بعد میں وہ آواز سننے میں کامیاب ہوگیا۔ ہوا کے دوش پر کسی سائرن کی آواز ڈوبتی ابھرتی لحظہ لحظہ قریب تر آتی جا رہی تھی۔ اور میرے قیاس کے مطابق وہ کسی پولیس کار کے سائرن کی آواز تھی۔

گو وہاں گھرا اندھیرا تھا لیکن میں نے گردن ہلائے بغیر کن انکھیوں سے ویرالائیڈ کی طرف دیکھا تو وہ دم سادھے فضا میں ڈوبنے اور ابھرنے والی آواز کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے بے آواز پستول کی نال غیر ارادی طور پر فرش کی طرف جھک گئی تھی۔

میرے لیے صورتِ حال کو تبدیل کرنے کا وہ نادر موقع تھا۔ میں نے پنجوں پر اپنا وزن تول کر ویرالائیڈ پر چھلانگ لگا دی لیکن اس نے کسی چھلاوے کی طرح اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مجھے یُوں محسوس ہُوا جیسے اس کے وجود پر ہر طرف آنکھیں ہی آنکھیں ہوں۔ وہ اپنے سُبک جسم کی لچک سے فائدہ اٹھا کر بہت صفائی کے ساتھ میری زد سے نکل گئی اور میں نشانہ خطا ہونے کی بنا پر اپنے زور میں لڑکھڑاتا ہُوا دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ میں سنبھل کر پلٹا تو وہ بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ گھومی تھی اور کسی ملکے سے پرندے کی طرح فضا میں اُڑتی ہوئی مجھ پر

حملہ آور ہوئی تھی۔ مجھے مہلت ہی نہ مل سکی کہ میں اس کی زد سے بچنے کی کوشش کرتا۔ اور اس کی دونوں لاتیں پوری قوت کے ساتھ سینے پر آ پڑیں۔ میرے لیے قدموں پر کھڑے رہنا دشوار ہو گیا۔ میں سنبھل کر اُٹھ ہی رہا تھا کہ میری گردن پر کراٹے کا ایک زوردار ہاتھ پڑا اور میں بس جھلا کر رہ گیا۔

اُسے دیکھ کر اور اس کی آواز پہچان کر میرے ذہن میں اس کا وہی نرم و نازک اور سراپا راحت تصور پیدا ہو گیا تھا جس سے ٹوکیو میں میرا واسطہ پڑا تھا اور اس کی جنگ جوئی کے بارے میں سلطان شاہ کی فراہم کی ہوئی اطلاعات عارضی طور پر ذہن کے کسی گوشے میں جا سوئی تھیں جس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑ رہا تھا۔

"یہی کاری ہاتھ تمہاری کنپٹی پر بھی پڑ سکتا تھا" اس کی … تحکمانہ آواز گونجی۔ "پولیس کسی بھی لمحے پہنچنے والی ہے … تمہیں بے ہوش نہیں کرنا چاہتی۔ بس یہ یاد رکھنا کہ تم میرے … ہو۔ جو کہوں بے چون و چرا کرتے جاؤ۔ جہاں تم عدولی کی … گولی مار کر آگے بڑھ جاؤں گی۔ میں اپنے طور پر تمہیں … فراہم کر رہی ہوں۔ اصولاً تم واجب القتل باغیوں میں … ہو۔"

وہ مسلح اور پھرتیلی تھی، کراٹے میں مہارت رکھتی تھی۔ اس … پر حاوی بھی ہو چکی تھی۔ اس کے اعتماد اور مہارت کا … تھا کہ اچھل کود ہونے کے باوجود بے آواز پستول بدستور … ہاتھ میں تھا لیکن میں بھی مٹی کا بنا ہوا کوئی بودا پتلا نہیں … مقابلے پر تل جاتا تو اسے دانتوں پسینہ آ سکتا تھا۔ لیکن … وہ بڑا مصلحت آمیز لمحہ تھا۔ اگر میں انا کے جوش میں … مقابلے پر تل جاتا تو نتیجہ جو کچھ بھی ہوتا میرے اصل مقصد کو … سے کوئی سہارا نہیں مل سکتا تھا لیکن مکارانہ پسپائی اختیار کر کے میں کسی حد تک اس کا اعتماد جیت سکتا تھا۔

پولیس سائرن کی آواز اب بہت تیز ہو چکی تھی۔ شاید جیوا ہاؤس کے سوختہ اور ویران کھنڈرات کے قرب و جوار میں رہنے والوں میں سے کسی نے اندھا دھند وحشیانہ فائرنگ سے خوفزدہ ہو کر پولیس کو باخبر کر دیا تھا۔ سائرن کا شور واضح ہوتے ہی اسٹین گنوں سمیت فائرنگ کا تواتر یکلخت دم توڑ گیا تھا۔ بس اکا دکا فائر سنائی دے رہے تھے۔ شاید دونوں حریفوں نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے حساب کتاب اگلے کسی موقع کے لیے ملتوی کر کے نکل بھاگنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"تمہارا یہ روپ میرے لیے حیرت ناک ہے ویرا!" میں نے جھکے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "ظاہر ہے کہ اس وقت … زخمی حالت میں پولیس کے ہاتھ لگنا ہرگز پسند نہ کروں گا۔ بظاہر تم جیت چکی ہو۔"

"گڈ!" اس کی آواز جذبات سے یکسر عاری تھی۔ "مجھے یقین تھا کہ تم عقل مند ہو۔ اب باہر نکلنے کی فکر کرو۔ میں تمہارے پیچھے ہوں۔ ہمیں اس عمارت کے عقبی حصے سے نکل کر تیسری گلی میں کھڑی ہوئی سیاہ مرسڈیز تک پہنچنا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے الجھا کر اپنے آدمیوں کی طرف لے جانے کی کسی بھی کوشش کی قیمت تم اپنی جان کی صورت میں ادا کرو گے۔"

"تمہاری بالادستی تسلیم کر لینے کے بعد یہ دھمکیاں کمینگی کے مترادف ہیں۔" میں نے جھلاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "اگر میں تمہاری توقعات پر پورا اترا ہوں تو تمہیں بھی میری توقع کے مطابق اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔"

"چلو۔" اس نے بڑھ کر مجھے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "یہ جنگ ہے۔ شاید اسلحہ کے استعمال پر ہماری مفاہمت ہو چکی ہے۔ لیکن اعصاب کی جنگ ابھی جاری ہے۔ اس میں سب کچھ چلتا ہے۔ اگر محاذ پر لڑنے والوں کا ظرف اچانک کام کرنا شروع کر دے تو کوئی سپاہی اپنے جیسے کسی انسان پر گولی چلانا گوارا نہیں کرے گا۔ پھر تمہارے مذہب کے فلسفے میں شہید کوئی نہ ہوتا۔ سب غازی یا جنگی قیدی نظر آتے۔"

میں نکاسی کے قریب ترین راستے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اردو تو قابلِ رشک روانی اور بہترین تلفظ کے ساتھ بول ہی رہی تھی لیکن غازی اور شہید کے مسئلے پر اس کے موازنے نے میری کھوپڑی کو چکرا کر رکھ دیا۔

بظاہر مغرب نژاد نظر آنے والی ویرا لائیڈ نہ صرف مقامی زبان پر عبور رکھتی تھی بلکہ اسے مذہبی معلومات پر بھی خاصا عبور حاصل تھا جو اس خطے کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثر انداز تھیں۔ انفرادی وراثت سے اجتماعی سیاست تک ہر فرد اور گروہ مذہب کے استحصال پر تلا ہوا تھا۔ بیٹیوں کو وراثت میں جائز حق نہیں دیا جا رہا تھا اور عوام کو سیاست میں جمہوریت کے طاغوت سے بچانے کی کوششیں جاری تھیں۔ ویرا کو بخوبی معلوم تھا کہ بے خوف اور نڈر فطرت کی مالک یہ قوم مذہب کا نام آ جانے پر گربہ مسکین بن جاتی ہے۔ اس نے وہی داؤ استعمال کر کے حقیقی معنوں میں مجھے لاجواب کر دیا تھا۔

ہم یکے بعد دیگرے تاریک کھنڈرات سے باہر نکلے تو فائرنگ بالکل موقوف ہو چکی تھی۔ فضا پر ایسا لامتناہی سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے برسوں سے وہاں کسی ذی روح کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ سائرن کی آواز جیوا ہاؤس کے بالکل نواح میں کسی آسیبی چیخ کی طرح گونجتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔ فضا میں جیسے



ہوشربا بارود کا اس قدر کثیف دھواں ٹھہرا ہوا تھا کہ باہر آتے ہی میری دونوں آنکھیں جلنے لگی تھیں اور میں بار بار اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے پانی کو صاف کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ پروگرام کے مطابق میری واپسی نہ ہونے پر کرنل زیدی، جہانگیر اور سلطان شاہ کی کیا حالت ہو گی؟

باہر میدان صاف تھا۔ میں دوڑتا ہوا جیوا ہاؤس کے احاطے کی ٹوٹی ہوئی عقبی دیوار عبور کر کے باہر گلی میں نکلا تو ویرا بدستور سائے کی طرح میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ راستے میں ایک جگہ وہ کسی لاش میں الجھ کر بُری طرح گرتے گرتے بچی تھی لیکن اس کی غیر ارادی آواز سن کر میرے پلٹنے سے پہلے ہی اس نے دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر میری امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔

تیسری گلی میں گھستے ہی سیاہ مرسڈیز دُور سے نظر آ گئی۔

"دروازے مقفل نہیں ہیں۔" ویرا کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔ "تم پسنجر سیٹ پر بیٹھو گے۔"

میں نے بلا مزاحمت اس کی ہدایت پر عمل کیا اور جب اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو دور لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی کے انعکاس میں میں نے دیکھا کہ وہ راستے ہی میں کہیں اپنے چہرے پر سے سیاہ نقاب اتار چکی تھی۔ اور اس کا مسحور کن چہرہ اسی انداز میں دمک رہا تھا جو میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اپنا بے آواز پستول وہ اپنے لباس میں کہیں چھپا چکی تھی۔

ساحلِ سمندر سے ذرا دُور واقع شہر کی ایک معروف اور خوشحال آبادی میں اس سفر کا اختتام ہوا۔ وہ وسیع و عریض مکان دوسرے مکانات سے الگ تھلگ خاصے سنسان علاقے میں واقع تھا۔ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تعمیراتی ساز و سامان اور زیرِ تکمیل ڈھانچوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں پائی جانے والی ویرانی کچھ ہی عرصے میں رنگ و نور کے سیلاب میں گم ہو کر رہ جائے گی۔

پھاٹک پر مرسڈیز کے ہیڈ لیمپس کی روشنی پڑتے ہی آہنی پھاٹک کھلا تھا اور ایک دراز قامت سیاہ فام گن مین نے ویرا کو کار اندر لے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ گن مین کے شانے سے رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی جھول رہی تھی۔ اپنے خدوخال کی بنا پر وہ بھی غیر ملکی ہی نظر آ رہا تھا لیکن میں ویرا لائیڈ کی زبان سے نستعلیق اردو سن لینے کے بعد اندازے قائم کرنے میں ذرا محتاط ہی رہنا چاہ رہا تھا۔

طویل پختہ روش عبور کر کے ویرا نے کار پورٹیکو پر روک دی اور نیچے اتر کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگی۔ گن مین اندر سے پھاٹک بند کرنے کے بعد فوجی انداز میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

"یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟" گن مین نے قریب آتے ہی اکھڑی اکھڑی کاکنی انگریزی میں روانی کے ساتھ سوال کیا تھا۔ اس کی تیز عقابی نظریں میرے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں اور اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بظاہر گن مین کے معمولی منصب پر فائز ہونے کے باوجود اسے کہیں نہ کہیں ویرا پر کوئی برتری ضرور حاصل تھی۔

"کیا یہی پوچھنے کے لیے یہاں تک دوڑا آیا ہے؟" ویرا نے جھلا کھلانے والے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"میں مجبور ہوں بے بی!" اس نے شانے اچکا کر بے بسی کے ساتھ کہا۔ "مجھے اس عمارت میں داخل ہونے والے کتے کے پتوں کا بھی شجرہ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ تو پھر سالم آدمی ہے۔ جس وقت میں نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا، باس مجھے گولی سے اڑا دے گا۔"

"باس کہاں ہے؟" ویرا نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ معلوم کرنا میرے فرائض میں شامل نہیں ہے بے بی!" وہ قدرے خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ پھر معنی خیز انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "ویسے وہ کچھ دیر پہلے چھت پر کبوتروں کے ساتھ مشغول تھے۔" رؤسا کی اس آبادی میں کسی کبوتر باز کی موجودگی کا ذکر میرے لیے تحیر خیز تھا۔

"جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ میں خود تلاش کر لوں گی۔" وہ ہاتھ فضا میں لہرا کر جھلاتے ہوئے لہجے میں بولی پھر مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ جیسے ہی برآمدے کی طرف جانے کے لیے پلٹی، سیاہ فام اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

"میرا سوال بے بی؟" وہ خوشامدانہ انداز میں گھگیایا تھا۔

"تمہارے لیے بس اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ میرا دوست ہے اور میرے ساتھ آیا ہے۔ باقی جواب دہی میں خود کر لوں گی۔" وہ آنکھیں نکال کر غراتے ہوئے بولی۔

اس نے بے دلی سے ہاتھ گرا دیے اور سر جھٹک کر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "تم نہیں جانتیں، وہ تم سے ایک لفظ بھی نہیں پوچھیں گے۔ ساری بازپرس مجھ سے ہو گی اور میری لاعلمی پر کھال گرا دی جائے گی۔" ویرا اس کی بات سنے بغیر آگے بڑھ گئی تھی لیکن میں اس سنسنی خیز تماشے کے اختتامی ڈائیلاگ سننے کے لیے وہیں رک گیا تھا۔ میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی گن مین نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تھا پھر تحقیر … ڈپٹ کر بولا۔ "جاؤ۔ جاتے کیوں نہیں؟ یہاں کھڑے میرا منہ …

دیکھ رہے ہو؟"

اس کی آواز سن کر دیرا بھی رک کر پلٹی تھی پھر اس کی آواز سنائی دی "کیوں اُلجھ رہے ہو اس پاگل سے؟ ساری جھنجلاہٹ تم پر ہی اتار ڈالے گا۔" میں اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی برآمدے کی طرف بڑھ چکا تھا۔

"یہ باس کون ہے اور تم مجھے کہاں لے آئی ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بس دیکھتے جاؤ، زیادہ تجسس سے کام لیا تو تھوڑی ہی دیر میں کھوپڑی پھٹنے لگے گی۔" اس نے پہلی بار ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ تم ہنسنا نہیں بھولی ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

وہ کچھ نہ بولی اور اس عمارت کی قالین سے آراستہ پر پیچ راہداریوں سے ہوتی ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔

اس کمرے میں موجود آسائشوں کا جائزہ لے کر میں الجھن میں پڑ گیا "تمہارا رویہ میری فہم سے بالاتر ثابت ہو رہا ہے تم نے مجھے کس لیے اپنا قیدی بنانے کا فیصلہ کیا ہے؟ زیادہ آسان تو یہی تھا کہ مجھے گولی مار کر وہیں چھوڑ آتیں۔"

"مصلحت کے تحت مصالحت!" وہ میرے چہرے پر نظریں جما کے گہری سنجیدگی کے ساتھ بولی "واضح رہے کہ یہ بڑوں کا نہیں میرا اپنا فیصلہ ہے۔ اس کی تمام تر جوابدہی میرے شانوں پر آئے گی۔۔۔ مصالحت کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ تم تنظیم کے ساتھ اپنی وفاداری کا یقین دلا سکو کیونکہ اس بارے میں ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہوا ہے۔"

"اگر تم میری طرف سے شبہات کا شکار ہو تو بھلا میں کیا کر سکوں گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"ایک سگریٹ مجھے بھی دو۔" اس نے کہا اور میں نے جلتی ہوئی سگریٹ اس کی طرف اچھال دی۔

"سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تمہاری چپقلش الے ٹو کے ساتھ تھی لیکن تم نے تنظیم کی جڑوں پر وار کرنا شروع کر دیے۔" اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش اپنے پھیپھڑوں میں اتارتے ہوئے کہنا شروع کیا "تم نے اہم ترین کارندوں کو ہلاک کیا ہے۔ اپنے اس رویے کی وضاحت کے لیے تم کیا کہہ سکو گے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس کی توقع کے خلاف میں نے بدستور بے پروایانہ انداز برقرار رکھتے ہوئے کہا "تمہارا یہ سوال ہی بے معنی اور احمقانہ ہے۔ تم تو آج سامنے آئی ہو۔ آج سے پہلے میرے لیے تنظیم الے ٹو سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی تھی میرے نزدیک وہ ایک مطلق العنان گروہ بند تھا جو اپنی ذات کو سامنے لائے بغیر کام چلا رہا تھا اور خود کسی کو جوابدہ نہیں تھا میری دانست میں تنظیم کو پہنچنے والا ہر نقصان الے ٹو کی ذات کو پہنچتا تھا، اس کے آگے تنظیم کا تصور ہی مفقود تھا۔"

"اور اب میرے سامنے آ جانے کے بعد کیا صورت حال بنتی ہے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"الے ٹو اتنا خود مختار نہیں تھا جتنا نظر آنے کی کوشش کرتا تھا۔" میں نے بلا تردد جواب دیتے ہوئے کہا "اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی میری ہی طرح، لیکن مجھ سے کچھ زیادہ اہم ایک مہرہ تھا جسے حالات بگڑنے پر تمہارے ہاتھوں پٹوا دیا گیا۔"

"تمہارے دلائل وزنی ہیں۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ "فی الحال انھیں تسلیم کرنا ہو گا ورنہ تمھیں مار ڈالنا نہ تب کوئی مشکل کام ہے نہ بعد میں بدنیتی سامنے آنے پر کوئی مشکل کام ہو گا۔"

"یعنی ہم مصالحت کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"پیش قدمی تو ہو ہی چکی ہے۔" اس نے گویا میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "یہ عمارت جہاں تم اس وقت موجود ہو ہمارے لیے اہم ترین درجہ رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں جاننے والے اجنبیوں کے لیے زندہ رہنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ تم اب تک زندہ ہو جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم مفاہمت کے راستے پر چل پڑے ہیں۔"

"مفاہمت سے پہلے میں اپنے کچھ سوالات کے جواب چاہوں گا۔" میں نے اسے اپنی گفتگو جاری رکھنے کا موقع دیے بغیر کہا "میں نے پیشانی پر بل لائے بغیر تمہارے سوال کا جواب دیا ہے۔ لہٰذا تمھیں بھی اس کے لیے تیار ہونا چاہیے۔"

"میری اور تمہاری حیثیت میں فرق ہے۔" اس نے ترش لہجے میں کہا "اسے ملحوظ رکھو گے تو ہرزہ سرائی کا شوق پیدا نہیں ہو سکے گا۔"

"میرے لیے تمہاری یہ تقریر بے سود ہے۔" میں نے بے رخی سے کہا "مجھے تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ تنظیم میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں سب کسی نہ کسی کو جوابدہ ہوتے ہیں ہو سکتا ہے کل وہ مجھے اپنی نمائندگی کا اختیار دے دے جس کو تم جوابدہ ہو۔۔۔ ایسے غیر یقینی حالات میں تمھیں اپنی عارضی حیثیت پر اتنا گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔"

"موقع سے برمحل فائدہ اٹھانے کی اسی برجستہ صلاحیت کی وجہ سے میں نے تمہارے بارے میں غور کیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی "چلو پوچھ لو جو پوچھنا چاہتے ہو تنظیم کی تاریخ میں یہ شاید پہلی بار ہو گا کہ کسی مغلوب کو غالب سے باز پرس کی اجازت دی جائے۔"

"اس غلط فہمی میں نہ رہنا۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "غالب وہی کہلائے گا جو اس وقت مسلح ہو گا۔"

اس نے بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنے ہینڈ بیگ کو ٹٹولا تھا اور پھر اس کے چہرے پر پہلی بار زردی سی پھیلتی چلی گئی جیوا ہاؤز کے کھنڈرات سے فرار ہوتے ہوئے اس نے اپنا بے آواز پستول لباس میں کہیں چھپا لیا تھا لیکن سیاہ مرسیڈیز میں سفر کا آغاز کرتے ہوتے اس نے پستول پائیدان میں پڑے ہوئے ہینڈ بیگ میں ڈال کر اسے اگلی دونوں نشستوں کے درمیان رکھ لیا تھا۔ راستے میں اس کے ڈرائیونگ میں انہماک سے فائدہ اٹھا کر میں نے ہینڈ بیگ سے پستول اڑا لیا تھا جو اس وقت بھی میری تحویل میں تھا۔

میں نے پستول نکال کر اس کے سامنے تپائی پر ڈال دیا اور طنزیہ لہجے میں بولا "غالب و مغلوب کا خمار ذہن سے اتر جانے کے بعد اب تم زیادہ یکسوئی کے ساتھ میرے سوالات کے جواب دے سکو گی۔"

"تم نے اسے اَن لوڈ کر دیا ہے۔" وہ پستول اٹھاتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولی۔

"یہ بڑا ضروری تھا۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا "جنون کے تیر ضائع ہوتے دیکھ کر تم اس ہتھیار سے بھی رجوع کر سکتی تھیں۔ میں احمق تو نہیں تھا کہ بھرا ہوا پستول تمھیں لوٹا دیتا۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "بڑے انا پرست ہو۔ پسپائی میں بھی شان دکھا رہے ہو۔ چاہتے تو وہی بھرا ہوا پستول نکال کر مجھے بھی زیر کر سکتے تھے لیکن بات وہی ہے کہ تمہارے ذہن پر تنظیم کا غلبہ ہے۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم تنظیم سے سمجھوتا کرنا چاہتے تھے جو الے ٹو نے اپنی حماقتوں کی بنا پر تمھیں اپنے ہاتھوں سے کھو دیا تھا۔"

"ہاتھوں کے غلط استعمال کی ایک خاص مردانہ محاورہ ہے جو فی الحال میں تمھیں نہیں سنانا چاہتا لیکن یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ میرے سوالات کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"جو پوچھنا چاہو پوچھ لو لیکن میں ہر سوال کا جواب دینے کی پابند نہ ہوں گی۔"

"تمہاری قومیت کیا ہے؟" میں نے ۔۔۔ ہوئے سوال کیا۔

"فی الحال پاکستانی ہوں۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولی "تمھیں بتا چکی ہوں کہ میں سترہ زبانوں پر قادر الکلام ہوں جن میں سے بعض زبانیں کئی ممالک میں مشترک ہیں میرے پاس کم از کم بیس بائیس ملکوں کے پاسپورٹ ہیں۔ اس وقت میں میرپور میں پیدا ہونے والی دہری قومیت کی حامل ایک کشمیری کی بیوہ ہوں اور امیگریشن میں میری یہاں آمد کا باقاعدہ اندراج ہے۔"

"اسی نام سے؟"

"نام میں کیا رکھا ہے۔۔۔ نام تو ہر لمحے بدل سکتے ہیں بعد تم اگلا سوال کرو۔"

"اس عمارت میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"

"بے بی کہلاتی ہوں۔" وہ شوخ اور اشتعال دلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ باہر زبردست ہونے کے باوجود میں اس چار دیواری میں کس قدر بے بس اور محکوم ہوں۔"

"اور یہاں باس کہلانے والے سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"وہی جو ہر حاکم اور محکوم کا ہوتا ہے۔"

"نام کیا ہے اس کا؟"

"بے کار سوال ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی "نام کچھ بھی ہو سکتا ہے یاد رکھنے کے قابل بس ایک ہی بات ہے کہ وہ باس ہے اور باس ہر حال میں صرف باس ہوتا ہے، اس کے دبدبے کا اندازہ تم نے اسی بات سے لگا لیا ہو گا کہ ساڑھے چھ فٹا گن مین بھی اس کے نام سے کانپتا ہے، بہت مغلوب الغضب اور سخت طبیعت کا مالک ہے۔"

"اور کبوتر بازی سے دلچسپی رکھتا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "اسے تو ٹرافلگر اسکوائر پر ایک کیبن لگا لینا چاہیے۔"

"اوہ!" وہ معنی خیز انداز میں ہنستی ہی چلی گئی "اوپر کبوتر خانے میں ایک پوشیدہ دوربین نصب ہے وہ کبوتروں کی آڑ میں دوربین سے کھلے سمندر کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔"

"باس ہونے کے باوجود اس نے بڑا گھٹیا کام اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔"

اس نے دل کھول کر قہقہہ لگایا "تم باس کے لقب سے دھوکا کھا رہے ہو۔ وہ صرف کالے گن مین کا باس ہے۔ میں تو اسے چٹکیوں میں اڑاتی ہوں ابھی سامنا ہو گا تو تم خود ہی دیکھ لو گے۔"

"پھر شاید وہی تمہارا مربی اور سرپرست بھی ہو گا۔ کیونکہ گن مین کے رویے میں تادیب کے ساتھ ہی احترام کا عنصر بھی بہت نمایاں تھا۔ وہ تم سے ڈرتا بھی ہے شاید۔"

"تم جاننا ہی چاہتے ہو تو سنو کہ وہ پچاس برس کا ادھیڑ عمر آدمی ہے اور میرے عشق کا پُرزور دعوے دار بھی!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو لیکن وہ میرے ردعمل پر دھیان دیے بغیر بولتی رہی۔ "دوسروں کے سامنے مجھے بے بی کہہ کر مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے اور تنہائی میسر آتے ہی ندیدوں کی طرح اس بڈھے کھوسٹ کی رال بہنے لگتی ہے۔ کالا گن مین اس پس منظر سے لاعلم ہے اور بوڑھے کی کسی لے پالک بیٹی کی طرح میرا احترام کرتا ہے۔"

"اور تم مسلسل اسے الو بناتی جا رہی ہو۔" میں نے منہ بنا کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ بن رہا ہے تو مجھے کیا رکاوٹ پیش آ سکتی ہے۔" وہ

بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولی۔ "وہ اس یونٹ کا سربراہ ہے اور مجھے اکثر اس سے کام پڑتا رہتا ہے اس لیے اُس سے بنائے رکھنے پر مجبور ہوں۔"

میرے ذہن میں ایک دم ہی روشنی کا جھماکا سا ہوا۔

ویرا نے جو کچھ بتایا اس کی روشنی میں میں نے رائے قائم کر لی تھی کہ اس یونٹ کا سربراہ یقیناً کوئی غیر ملکی بلکہ ترجیحاً سفید فام ہوگا۔ پھر وہاں کا محافظ بھی سیاہ فام غیر ملکی تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے لیے اس یونٹ کی اہمیت غیر معمولی تھی اور وہاں کے معاملات میں کسی مقامی پر اعتماد کرنے کی غلطی نہیں کی گئی تھی۔ دوسری طرف کالے گن مین کے بیان کے مطابق باس کبوتر بازی کے خبط میں مبتلا تھا۔ میں نے گوروں کو پرندوں، اور پالتو جانوروں کے معاملے میں عموماً ضرورت سے زیادہ حساس اور ہمدرد پایا تھا لیکن کسی گورے کا باقاعدہ کبوتر باز ہونا میرے لیے ایک حیرتناک انکشاف تھا۔

پھر ویرا نے خود ہی اس کی کبوتر بازی کی ایک تاویل پیش کر دی تھی کہ اوپر کبوتر خانے میں ایک خفیہ دُور بین نصب تھی۔ جس کی مدد سے کھلے سمندر کا جائزہ لیا جاتا تھا۔

مجھے یقین ہونے لگا کہ ساحلِ سمندر کے قریب ویران علاقے میں واقع وہ عمارت تنظیم کے لیے اہم مواصلاتی یونٹ کا درجہ رکھتی تھی۔ شاید وہی سمندری علاقہ تنظیم کے غیر قانونی درآمدی اور برآمدی کاروبار کے لیے استعمال ہوتا تھا اور اس یونٹ کا نگران حسّاس دُور بین کے ذریعے قرب و جوار کے پانیوں کی نگرانی کرتے ہوئے طاقتور لاسلکی رابطوں پر اپنے اُن آدمیوں کو ہدایات فراہم کرتا ہوگا جو ساحل سے دُور کھلے سمندر میں مال لینے یا اتارنے کے منتظر رہتے ہوں گے۔

اس سیاق و سباق میں کبوتر بازی کا شوق بھی بہت معنی خیز تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ علاقے میں اس کی کبوتر بازی کی ضرورت سے زیادہ تشہیر کی گئی ہوگی تاکہ مکان کی چھت پر اونچی اونچی چھتریوں اور اڈوں کی آڑ میں لگے ہوئے ٹرانسمیٹر اور ریسور انٹینا مکینوں کی توجہ کا مرکز نہ بن سکیں۔ کبوتر بازی کی تشہیر کے بعد ہر شخص ہی ایسی اشیاء کو ایک مالدار اور خبطی کبوتر باز کا شوق سمجھ کر نظر انداز کر دیتا اور یونٹ کی سرگرمیاں پورے زور شور سے جاری رہتیں۔

"میں اس سے قطعی لاعلم ہوں لیکن تمہیں [illegible] ہوگا کہ اگر یہ تمہارا کوئی قابلِ ذکر ساحلی مواصلاتی یونٹ [illegible] کی بربادی چند ہی روز کی بات ہے۔ حکام کو سراغ مل چکا ہے کہ کھلے سمندر میں برآمد کے لیے منشیات لادنے والے اسٹیمروں کو ساحل سے براہِ راست ہدایات ملتی ہیں اور وہ گرفت میں آئے بغیر اپنا کام کر گزرتے

ہیں۔" اپنے ذہنی تجزیے کے بعد میں نے شوشا چھوڑا۔

"تم کیا بک رہے ہو؟" وہ تیز غصیلے لہجے میں غرائی۔ "آج تک کسی کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہو سکا کہ یہاں ایسا کوئی ریڈیائی اسٹیشن قائم ہے کسی کو ہماری کارروائیوں کی بھنک تک نہیں مل سکتی۔"

"ہو سکتا ہے کہ پھر وہ کسی دوسرے اڈے کی بات ہو...!" میں نے پُرسکون مصالحانہ لہجے میں بحث سے گریز کرتے ہوئے کہنا چاہا لیکن ویرا لائیڈ نے تیزی سے میری بات کاٹ دی۔

"دوسرا اڈا... ہونہہ!" وہ تحقیر آمیز انداز میں بولی تھی۔ "ہم یہاں رائج ہر فریکوئنسی کی مانیٹرنگ کرتے ہیں۔ مانیٹرنگ کے اس حساس نظام نے آج تک علاقے میں کسی اور آپریشن کی خبر نہیں دی... پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے...!"

اس بار میں نے ویرا کی بات کاٹ دی۔ "تمھیں اتنا اعتماد ہے تو بس ختم کرو، ہو سکتا ہے کہ وہ میری غلط فہمی رہی ہو رات تیزی سے گزرتی جا رہی ہے ہمیں اپنے معاملات ختم کر لینے چاہئیں۔"

"کس محکمے کو سراغ ملا ہے اس یونٹ کا؟" اُس نے جو سے سوال کیا تو اس کی آواز میں اعتماد کی کمی نمایاں تھی۔

"اب دفن کرو اس قصّے کو۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "یونٹ رہے یا تباہ ہو جائے، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میرے سامنے اِس لہجے میں بات نہ کرو ڈینی...." وہ یک بیک پھاڑ کھانے والے لہجے میں غرائی۔ "تنظیم کے مفاد سے اتنی لاتعلقی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔"

میں پھر پٹری پر آ کر گویا ہوش میں آ گیا۔ گفتگو کی روانی میں میں یہ فراموش ہی کر بیٹھا تھا کہ میں اس وقت اس کا قیدی تھا اور وہ تنظیم میں ایک منصب پر فائز تھی۔ "مجھے افسوس ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "طویل بے آرامی میرے مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے۔"

"تم نے جواب نہیں دیا میری بات کا۔" اس نے گمبھیر لہجے میں یاد دہانی کرائی۔

"آرمی ایوی ایشن کے کسی پائلٹ نے ایک پیغام سنا تھا اسی کے بعد چھان بین شروع ہوئی تھی آخری نتائج سے میں لاعلم ہوں۔" میں نے اپنی بات بنانے کے لیے سنجیدگی کے ساتھ ایک بے سروپا لیکن مربوط کہانی چھیڑ دی۔ "ہو سکتا ہے کہ پکڑا جانے والا پہلا پیغام ہی آخری ثابت ہوا ہو اور وہ محتاط ہو کر بیٹھ گئے ہوں۔"



وہ چند ثانیوں تک خاموش بیٹھی مسلسل مجھے گھورتی رہی پھر خیال انگیز لہجے میں بولی۔ "پھر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟"

"نہ میں خود سے باہر نکلا تھا، نہ اب باہر رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے فوری طور پر جواب دیا۔ "شاید تم خود بھی اس کا اندازہ لگا چکی ہوگی۔ تمھارے ہاتھوں لے ٹو کی موت سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"تمھارا اندازہ درست ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "تنظیم اس وقت افرادی قوت کے بحران سے دوچار ہے۔ آج کے اجتماع کا مقصد بھی یہی تھا۔ لے ٹو نے میرے ایما پر انھیں جمع کیا تھا۔ ان سب کے سامنے لے ٹو کو سزا دے کر میں اُن کے ذہنوں میں تنظیم کی دہشت بٹھانا چاہتی تھی جس میں مجھے بھرپور کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد میں اُن ہی میں سے کام کے آدمی منتخب کر کے اوپری سطح پر نامزد کر دیتی لیکن عین وقت پر تم نے مداخلت کر کے سارا کام بگاڑ دیا۔ اب نہ جانے اُن میں سے کون کون زندہ رہا ہوگا۔"

"اس گفتگو سے پہلے بس ایک خلش اور دور کر دو میری۔" میں نے اجازت طلب لہجے میں کہا اور وہ تفہیمی انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"لاہور کے لائیڈز کالج سے ہمارا کیا تعلق ہے؟" میں نے محسوس کیا کہ میرا سوال سنتے ہی اس کے چہرے پر ایک پھیکا سا رنگ آ کر گزر گیا۔

"اچھا ہوا کہ یہ ناخوشگوار موضوع تم نے خود ہی چھیڑ دیا۔" پہلی بار وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی تھی۔ "وہاں جو کچھ ہوا وہ ہر اعتبار سے بدترین اور تباہ کن تھا۔ دیکھا جائے تو وہی واقعات لے ٹو کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئے ہیں۔ ایک مقابلے میں شاید ایک دو آپریٹس بھی تمھارے ہاتھ لگے تھے؟"

"لگے تھے۔ پھر میں نے انھیں تباہ کر دیا.... میں نے جب بھی اس بارے میں غور کیا مجھے محسوس ہوا کہ لائیڈ تینوں جگہ مشترک ہے۔ ویرا لائیڈ، جمی لائیڈ اور لائیڈز کالج۔ پھر جمی لائیڈ کی شخصیت بھی بہت پُراسرار سی ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ تمھارا خاندانی سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ تنظیم کا بھی گاڈ فادر ہو؟"

"تنظیم میں بآوازِ بلند اس حد تک سوچنے کی اجازت نہیں ہے۔" وہ تادیبی لہجے میں بولی۔ "یہی غنیمت ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اسے بھول کر تمھیں ایک بار پھر اپنی جگہ بنانے کا موقع دیا جا رہا ہے.... تم نے تنظیم کو بہت سے کارآمد آدمیوں سے محروم کیا ہے جن میں لائیڈز کالج کے سیکورٹی آفیسر طفیل اور اولڈ ڈارلنگ کے نام سرفہرست ہیں۔ لے ٹو نے تمھارے خلاف اپنی ذاتی لڑائی میں تنظیم کے وسائل کو بڑی بے رحمی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ ورنہ عملاً لائیڈز کالج تنظیم سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ وہاں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا البتہ جاہ و حشمت کے سارے مظاہر وہاں بہت فراخ دلی کے ساتھ مہیا کیے گئے ہیں۔"

"یعنی وہ نام میرے لیے شجرِ ممنوعہ ہی رہے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"شاید اس عرصے میں تم تنظیم کے بنیادی اصول تک فراموش کر بیٹھے ہو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جن چیزوں سے تعلق نہ ہو، اُن کے بارے میں سوچنا بھی ممنوع ہے۔ تمھارے تجسّس کا یہی حال رہا تو ایسا نہ ہو کہ مجھے اپنا فیصلہ واپس لینا پڑے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ لائیڈز کالج کا نام بھی اپنے ذہن سے کھرچ ڈالوں۔"

"تم چاہو تو اِن لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے سکتے ہو جو اب تک تمھارے لیے کام کرتے رہے ہیں۔" قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔ اپنی لڑائی میں خود لڑ رہا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو کیا جیوا ہاؤس کے باہر خود کار گنیں نصب کر کے آئے تھے؟" اس کا لہجہ تُرش ہو گیا۔

"سب پیشگی معاوضے پر کام کرنے والے کرائے کے قاتل تھے، میں رازداری کے کاموں میں زیادہ بھیڑ بھاڑ ساتھ لے کر چلنے کا قائل نہیں ہوں ضرورت پیش آنے پر جب پیسہ پھینک کر بہترین آدمی مل جاتے ہوں تو مجھے ٹولیاں پالنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اور وہ مہ جو لڑکی؟" اُس نے پُرتجسّس لہجے میں سوال کیا۔

"وہ ایک معزز خاندان دار لڑکی ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ آج کل وہ مجھ سے بھی ناراض ہے۔"

"اس کا پتا بتا دو، تمھاری خاطر میں اسے منالوں گی۔" اس نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا لیکن اُس کی آنکھوں اور الفاظ سے جھلکتا ہوا تجسّس مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ مجھ سے بہت گہری چال چل رہی تھی۔ شاید مجھ پر وار کرنے سے پہلے میرے سارے کارڈز کھلوانا چاہتی تھی۔ معافی اور تنظیم میں دوبارہ شمولیت کی دعوت بھی شاید اسی حکمتِ عملی کا ایک حصّہ تھی۔

اُس کے عزائم پر شبہ ہوتے ہی میں چوکنّا ہو گیا۔ لیکن اپنا سکون برقرار رکھتے ہوئے میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "وہ بڑی منہ پھٹ لڑکی ہے۔ اس کا پہلا سوال یہی ہوگا کہ تمھارا مجھ سے کیا رشتہ ہے اور وہ تمھیں ذلیل کر کے گھر سے نکال دے گی۔"

"بھلا کیوں؟ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اس وقت کا انتظار کرو جب میں اسے اپنی بیوی کے طور پر تم سے متعارف کرا سکوں گا۔"

وہ کچھ بولے بغیر غور سے میری طرف دیکھتی رہی پھر چند ثانیوں بعد دہانے سے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "آج کے اجتماع میں کراچی کے چند معروف چہرے موجود نہیں تھے۔ زخشی اور جہانگیر وغیرہ؟"

"میں تو سب ہی سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ ہوسکتا ہے، ان دنوں سے بھی اسے ٹو کی کچھ چل گئی ہو۔" میں نے محتاط الفاظ میں کہا پھر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "اب ڈھائی بج رہے ہیں اب مجھے چلنا چاہیے۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے جگہ چھوڑ دی۔ میرے ساتھ ہی وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ اس کے خوبصورت ہونٹوں پر سرد سی مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔ "فی الحال تمھیں یہیں قیام کرنا ہوگا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرا جانا ضروری ہے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "مجھے ان لوگوں سے ہتھیار واپس لینے ہیں جو جیوا ہاؤس پر مامور تھے۔ رات گزر گئی تو وہ مجھے مردہ تصور کرکے ہتھیار بھی بیچ کھائیں گے۔"

"تمھارا جانا ناممکنات میں سے ہے۔" اس نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "مجھے پتا بتا دو۔ میرا کوئی آدمی جاکر ان سے نہ صرف تمھارے بلکہ ان کے بھی ہتھیار لے آئے گا۔"

"تو کیا میں ابھی بھی تمھارا قیدی ہوں؟" میں نے بھڑک کر سوال کیا۔

"ظاہر ہے! خود ہی غور کرو، جیوا ہاؤس سے یہاں تک میرے پستول کا میگزین غائب ہونے کے علاوہ اور کیا تبدیلی آئی ہے کہ تم خوش فہمی میں مبتلا ہونے لگو۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اور یہ تمام گفتگو، تنظیم میں واپسی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تمھارا حافظہ بھی کمزور ہو گیا ہے۔" اس کے تیور رفتہ رفتہ بگڑتے جا رہے تھے۔ "میں نے پہلے ہی تمھیں آگاہ کر دیا تھا کہ تنظیم میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کون کس کو جواب دہ ہے۔ تم سے میں نے بات کی ہے لیکن میرے اوپر بھی کوئی موجود ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اب تک تم جو کچھ کہتے رہے ہو، اس میں سچ کتنا ہے اور جھوٹ کتنا ہے۔"

میرے اعصاب تن گئے۔ وہ آہستہ آہستہ کھلتی جا رہی تھی اور مجھے اس سے ایک بار پھر تصادم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"تمھاری سچائی کے امتحان کا آغاز تمھاری رہائش گاہ سے ہوگا۔" وہ نپے تلے الفاظ میں کہہ رہی تھی۔ "تم یہاں رہو گے اور میرے آدمی تمھاری قیام گاہ کا جائزہ لیں گے کہ اگر تم تنظیم کے قابلوں سے ملیں گے اس کے بعد اندازہ ہو سکے گا کہ تم تنظیم کے ساتھ کتنے مخلص ہو؟"

"یہ سراسر توہین ہے۔ ایسی ذلت آمیز شرائط پر میں ہرگز تعاون نہیں کروں گا۔" میں نے بھڑک اٹھنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"تمھیں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "تعاون نہیں کرو گے تو موت کو گلے لگانا ہوگا۔ یہاں کا قوی ہیکل گن مین۔۔۔ اپنے شکار کو بازوؤں میں دبوچ کر پسلیاں توڑ دینے میں خاص مہارت رکھتا ہے۔ اس کے بازوؤں میں کسی سانپ سے زیادہ طاقت پوشیدہ ہے۔"

"تجربہ بول رہا ہے۔" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

میرا وار کارگر رہا اور اس نے جھلا کر ہاتھ میں تھاما ہوا پستول مجھ پر پھینک مارا۔ میں نے اپنا چہرہ بچاتے ہوئے پھرتی کے ساتھ پستول لپک لیا اور اس سے قبل کہ وہ میری مکاری کا اندازہ لگا کر میری طرف جھپٹتی، میں پستول میں میگزین فٹ کر چکا تھا، جو شروع سے میری ہی تحویل میں موجود تھا۔ پستول لوڈ کرتے ہی میں نے ویرا کو نشانے پر لے لیا۔

"جہاں ہو وہیں کھڑی رہو اور دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لو۔" اس بار میرے لہجے میں تحکم سمٹ آیا تھا۔

اس نے نہ ہاتھ بلند کیے نہ اس کے بشرے پر تردد کے آثار نمودار ہوئے [illegible] مجھے نظر [illegible] البرٹ کہہ کر کسی کو پکارا تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنا رخ قدرے تبدیل کر لیا تاکہ ویرا کے ساتھ ہی کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر بھی نگاہ رکھ سکوں۔

ویرا نے دوبارہ البرٹ کو پکارا اور کھلے ہوئے دروازے میں سے ایک ادھیڑ عمر سفید فام چیختا ہوا منہ کے بل فرش پر آ گرا۔ اسی کے ساتھ راہداری میں سے سلطان شاہ کی زہریلی آواز ابھری۔ "کتیا بلا رہی ہے تو اندر جاتا نہیں ہے مردود کہیں کا۔"

پھر سلطان شاہ دروازے میں کھڑا نظر آیا۔ شاید وہ کافی دیر سے اندر موجود تھا اور باہر دیوار کی اوٹ میں چھپے ہوئے سفید فام کی نگرانی کر رہا تھا۔ پھر ضرورت پیش آنے پر اس کی کمر پر لات رسید کرکے اسے کمرے میں پھینک دیا۔

ویرا کے ہاتھوں غیر مسلح ہونے کے بعد سے میں سلطان شاہ کو مسلسل بھولا ہوا تھا حالانکہ وہ اس کھیل میں بہت اہم کردار ادا کرتا رہا تھا۔ وہ ابتدا ہی سے ویرا کی نگرانی پر مامور تھا اور اسی کے کامیاب تعاقب کی بنا پر مجھے علم ہو سکا کہ اس رات جیوا ہاؤس میں ہونے والے اجتماع میں وہ خود بھی شرکت کر رہی تھی۔ ویرا کی سیاہ مرسڈیز شروع سے سلطان شاہ کی نظروں میں رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ پولیس کی آمد کے آثار پیدا ہوتے ہی اس نے اپنا مورچہ چھوڑ کر دوبارہ مرسڈیز کی نگرانی شروع کر دی ہوگی۔ اس طرح وہ پورے حالات سے باخبر رہتے ہوئے اس عمارت میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ اس کی مہارت تھی کہ ویرا کو کسی بھی مرحلے پر نگرانی کا شبہ تک نہ ہو سکا تھا۔

سلطان شاہ اس وقت نہتا نہیں تھا لیکن میں اس کی مداخلت سے پوری طرح محفوظ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ سلطان شاہ کے پیچھے سیاہ رنگ کا ایک کوندا سا لپکا اور وہ بھی غراتا ہوا منہ کے بل اندر اس ادھیڑ عمر پر آ گرا جو مغلظات بکتا ہوا فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش میں سلطان شاہ اپنے اسلحہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

کسی اسٹیج پر ہونے والے میجک شو کی طرح کھلے ہوئے دروازے میں اب سیاہ فام گن مین کھڑا مجھے کینہ توز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

ادھر سلطان شاہ نے ڈھیر ہوتے ہوئے بھی کام دکھا ڈالا تھا اور ادھیڑ عمر سفید فام کی گردن دبوچ کر اپنے گرتے ہوئے وجود کی پوری جھونک کے ساتھ اس کا سر فرش پر دے مارا تھا۔ سفید فام کسی ذبح کیے ہوئے سانڈ کی طرح ڈکرا رہا تھا۔ ویرا نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ تو گن مین کو دیکھ رہی تھی، جو اپنے باس کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر کسی دیوہیکل عقاب کی طرح سلطان شاہ پر جھپٹا تھا۔

گن مین نہ صرف مسلح تھا بلکہ پوری بھیڑ کو تنہا سنبھال لینے کی قوت رکھتا تھا۔ لہٰذا میں نے اسے للکار کر روکنے کی کوشش میں وقت برباد کیے بغیر ہاتھ سیدھا کرکے اس کے بائیں پہلو پر گولی چلا دی۔

"ایڈی! بچ جلدی سے۔" ویرا نے بے تابانہ انداز میں چیخ کر اسے ہوشیار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن گولی اس کی زبان سے کہیں زیادہ برق رفتار تھی۔ ایڈی کے بائیں پہلو سے خون کی دھار بہہ نکلی۔

اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا تو اس کا چہرہ اذیت اور غصے سے بگڑ کر انتہا ڈراؤنا ہو چکا تھا۔

"اسے مسل دوں بے بی؟" اس نے مجھ پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر ویرا سے اجازت طلب کی اور میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں کیونکہ اس کی مضبوط آواز سے پتا چل رہا تھا کہ زخم زیادہ مہلک نہیں تھا۔ وہ وحشی دیو زخمی ضرور ہو گیا تھا لیکن میری چلائی ہوئی گولی اس کے دل میں پیوست نہیں ہو سکی تھی اور وہ محض دو لمبے لمبے ڈگ بھر کر مجھے بے بس کر سکتا تھا۔

اپنی بے بی کی ہذیانی حوصلہ افزائی سننے کے لیے وہ بس لحظہ بھر کے لیے جھجکا تھا کہ میں نے اس پر دوسرا فائر کر دیا۔ گولی پیشانی میں اترتی چلی گئی۔ بگڑا ہوا خوفناک چہرہ لمحے بھر بعد بہہ نکلنے والے گاڑھے خون میں نہا کر دہشتناک ہو گیا اور وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"بے۔۔۔ بی!" گرتے ہوئے اس کے منہ سے درد میں ڈوبی ہوئی طویل کراہ برآمد ہوئی تھی اور اس آواز میں رچی ہوئی موت کی بے رونقی محسوس کرتے ہی ویرا کسی چھوٹے سے بچے کی طرح بلکتی ہوئی اس کے خون میں نہاتے ہوئے سینے سے لپٹ گئی۔

اسے دیکھ کر میں بس پُرتفکر انداز میں سر ہلا تا رہ گیا۔ ویرا کے اضطراری رویے نے جہاں کئی گتھیاں سلجھا دی تھیں، وہاں اس سوال کا جواب بھی فراہم کر دیا تھا کہ میرے تبصرے پر اسے یک بیک اشتعال کیوں آ گیا تھا۔

سلطان شاہ اپنے قدموں پر کھڑا حیرت کے ساتھ وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظریں چار ہوتے ہی میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ سر جھٹک کر یوں چونکا تھا جیسے اس وقت تک سوتا ہی رہا ہو۔ پھر اس نے نہایت سرعت کے ساتھ اپنے پستول اور ایڈی کی رائفل پر قبضہ کیا تھا اور دوبارہ دروازے پر جم گیا تھا۔ اس کی چال میں نمودار ہونے والی ہلکی سی لنگڑاہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ایڈی کی لات شاید وہ زندگی بھر فراموش نہ کر سکے گا۔

بوڑھا پیٹ اور چہرے کے بل بدستور فرش پر پڑا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ ویرا کی زبانی مرتے ہوئے گن مین کا نام معلوم ہونے کے بعد یہ طے ہو گیا تھا کہ سالخوردہ سفید فام کا نام البرٹ تھا۔

"بوڑھا بہت بے غیرت معلوم ہوتا ہے۔" میں نے ٹھنڈے خون میں گرمی پیدا کرنے کی نیت سے بظاہر ویرا سے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہا لیکن وہ تو گرد و پیش سے بے نیاز ایڈی کے سکرات کے عالم میں لرزتے ہوئے بدن سے لپٹی ہوئی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں آخری سانسوں پر ایڈی کے ہاتھوں کی گرفت واقعی ویرا کی پسلیاں نہ توڑ ڈالے۔

"تم اس کے کالے ملازم سے لپٹی ہوئی رو رہی ہو اور بوڑھا فرش پر لیٹا آرام کر رہا ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ کالے کی جگہ اسے مار دیا جاتا۔"

"شٹ اپ یو ایڈیٹ۔۔۔!" بوڑھا اسی طرح پڑے پڑے

حلق کے بل چیختا اور سانس لیے بغیر نادر الوجود گالیاں ایجاد کرتا چلا گیا۔ جب اس کی زبان دانی جواب دے گئی تو اسے دوسرا تکلیف دہ موضوع یاد آ گیا۔ ”میں ہلنے میں بھی تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔ شاید میری کولہے کی ہڈی ہل گئی ہے۔“

”عجیب اُلّو ہو۔“ میں نے اس کا مضحکہ اڑایا اور تاؤ دلانے والے لہجے میں کہا۔ ”یہاں پنجابی فلموں میں تو اس ہڈی کو جان بوجھ کر بہت زیادہ ہلایا جاتا ہے کسی پروڈیوسر سے رجوع کرو گے تو اس عمر میں بھی ہیرو کا چانس دے دے گا۔ تم شکایت کر رہے ہو۔“

”مجھے سیدھا کرو سؤر کے بچو!“ وہ اپنا سر فرش کے ساتھ ٹکراتے ہوئے بے بسی کے ساتھ چیخا۔ ”میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”اسے سیدھا کردو سلطان شاہ!“ میں نے کہا۔ ”تاکہ یہ اپنی بے بی کی بے چارگی کا منظر اپنی نگاہوں سے دیکھ سکے۔“

”تم درندے ہو۔“ سسکیوں کے درمیان ویرا کی آواز گونجی۔ اس بار وہ اردو ہی میں بولی تھی۔ ”ایک نہتے سؤر کو مار کر بغلیں بجا رہے ہو۔“

”البرٹ کے کولہے کی ہڈی ہل رہی ہے، ہم بغلیں بجا رہے ہیں، تم تعاون کرو تو یہ مشغلہ ترک کیا جا سکتا ہے۔“

سلطان شاہ شوگر کوئین کی زبان سے اردو سن کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس کا ردِعمل کچھ ایسا ہی تھا جیسے اس نے کسی بھینس کو بولتے سن لیا ہو لیکن میرے اشارے پر وہ وقت ضائع کیے بغیر اوندھے پڑے ہوئے البرٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ البرٹ کے عشق کے بارے میں ویرا مجھے خود آگاہ کر چکی تھی لہٰذا میری کوشش تھی کہ البرٹ، ویرا کو ایڈی کی لاش سے لپٹ کر روتے ہوئے بچشم خود دیکھ لے تاکہ اس کے وجود میں بھڑک اٹھنے والے رقیبانہ جذبات کو میں اپنے رخ پر ڈھال سکوں۔

لیکن وہ تدبیر الٹی ہو گئی۔ سلطان شاہ جیسے ہی البرٹ پر جھکا، ویرا نے دروازہ خالی پا کر ایڈی کی لاش پر سے جست لگائی اور میرے نشانہ لینے سے پہلے چشم زدن میں کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئی۔

ہم دونوں ہی دیوانہ وار اس کے پیچھے لپکے تھے لیکن راہداری دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ابھی ہم نکاسی کی راہ کی تلاش میں اندر ہی چکرا رہے تھے کہ باہر کسی کار کا انجن بیدار ہوا اور ٹائروں کے خفیف سے شور کے ساتھ اس کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔

”نکل گئی۔“ میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ”سارا قصور میرا ہے۔ میں اندازہ کر ہی نہ سکا کہ وہ موقع کے انتظار میں مکاری کر رہی تھی۔ اس غلطی پر شاید میں کبھی خود کو معاف نہ کر سکوں۔“

”وہ تو نکل ہی گئی۔ اب بوڑھے کی خبر لو۔ کہیں وہ بھی مکاری نہ کر رہا ہو۔ مجھے تو یہ سب ہی شعبدے بازوں کی نسل سے معلوم ہوتے ہیں۔“ سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

”تم یہیں احاطے میں ٹھہرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھر پلٹ پڑے، میں اندر سنبھالتا ہوں۔“

میں اندر مزید کسی متنفس کی موجودگی کے امکانات کا جائزہ لیتا ہوا اس کمرے میں پہنچا تو کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ ہلنے جلنے تک سے معذوری ظاہر کرنے والا ادھیڑ عمر البرٹ کمرے سے غائب تھا اور اب وہاں بس ایڈی کی بگڑی ہوئی خون آلود لاش پڑی رہ گئی تھی۔ مجھ پر یک بیک جھلاہٹ طاری ہونے لگی۔

ویرا دیکھتے ہی دیکھتے کسی چکنی مچھلی کی طرح ہاتھوں سے گویا پھسل کر نکل گئی تھی، چند منٹ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر معذور البرٹ کی ساری قوتیں بحال ہو گئی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اب بس ایڈی کی لاش کا ہی فرار ہونا باقی رہ گیا تھا۔ اچانک طاری ہونے والی جھلاہٹ کا دورہ اس قدر شدید تھا کہ میں واقعی ایڈی کی نبضیں ٹٹولنے بیٹھ گیا۔

ابھی میں پوری طرح اپنا اطمینان بھی نہ کر پایا تھا کہ کمرے کا دروازہ پُرشور آواز کے ساتھ بند ہو گیا اور اسی کے ساتھ راہداری میں بوڑھے البرٹ کا شیطانی قہقہہ گونجنے لگا۔ ”اب دیکھوں گا کہ ابھی کون کون سی ہڈیاں ہلا کر فلموں میں کام حاصل کرتے ہو۔“ اس کی قلقاریاں مارتی ہوئی زہریلی آواز نے مجھے آپے سے باہر کر دیا۔ اور میں بڑھ کر دروازے پر زور آزمائی کرنے لگا۔

”بے بی احمق نہیں تھی جو تمہیں پوری عمارت سے گزار کر اس کمرے میں لائی تھی۔“ باہر دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ کے ساتھ البرٹ کی مضحکہ اڑاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”اس کمرے کا دروازہ باہر ہی سے کھولا جا سکتا ہے، اندر سے نہیں.... اب ایڈی کے ساتھ تمہاری رات خاصی حسین گزرے گی۔“

”دروازہ کھولو۔“ میں دروازے پر مکے برساتے ہوئے چیخا۔

”رات نہیں، اب دن طلوع ہونے والا ہے۔ سیدھی طرح راہِ راست پر نہ آیا تو میرا باہر والا ساتھی تیرا حلیہ بگاڑ دے گا۔“

”فکر نہ کرو۔ تھوڑی دیر میں اسے بھی یہیں پہنچا دوں گا۔“ اس کی آواز نسبتاً دور سے آئی تھی پھر سناٹا چھا گیا۔ راہداریوں میں پڑے ہوئے قالینوں پر قدموں کی ہلکی سی دھمک بھی باقی نہیں رہی تھی۔

زک پہ زک ہوتی چلی جا رہی تھی اور یہ قید تو سونے پر سہاگے کے مترادف تھی۔ ایک بوڑھے اور از کار رفتہ حریف نے نہایت مکاری کے ساتھ مجھے اپنے جال میں پھانس لیا تھا اور میرے لیے قسمت پر شاکر ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔



مقدر اور سلطان شاہ کی کالی زبان کو دل ہی دل میں کوستے ہوئے میں سگریٹ سلگانے لگا لیکن میری کوشش کے باوجود ہوا کے جھونکے سے دیا سلائی بجھ گئی۔ غیر ارادی طور پر میری نظریں ہوا کے رخ پر اٹھ گئیں اور میں نے سگریٹ سلگانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ صورت حال ضرور بگڑ گئی تھی لیکن اتنی بھی نہیں بگڑی تھی کہ میں بالکل مایوس ہو جاتا۔ تازہ ہوا کا جھونکا میرے لیے امید کا پیام کے ساتھ آیا تھا۔

کمرے کی عقبی دیوار میں کھلی ہوئی کھڑکی پر کوئی گرل وغیرہ نہیں تھی جس کا مطلب تھا کہ پورا پٹ کھسکا کر بآسانی دوسری طرف نکلنے کی راہ پیدا کی جا سکتی تھی۔ میں نے قریب پہنچ کر جائزہ لیا، تو پتا چلا کہ کمرے کی وہ کھڑکی ایک اندرونی راہداری میں کھل رہی تھی اور راہداری کی بیرونی سمت میں مضبوط آہنی جالیوں کے ساتھ فرش سے سات فٹ کی بلندی تک شفاف شیشوں والی فرنچ ونڈوز نصب تھیں۔ میں کھڑکی کا پٹ سرکا کر کمرے سے راہداری میں نکل گیا۔

چند منٹ تک بھٹکنے کے بعد میں نکاسی کا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس بار ویرا سے حاصل کیا ہوا بے آواز پستول میرے ہاتھ میں موجود تھا اور میں کوئی نئی زک اٹھانے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔

پنجوں کے بل راستہ طے کرتا میں برآمدے میں کھلنے والے آخری دروازے پر پہنچا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کیونکہ البرٹ برآمدے میں موجود تھا اور اپنے دونوں ہاتھ پشت سے باندھے فرش پر پڑے ہوئے کسی انسانی جسم کو ٹھوکر سے ہلا جلا کر دیکھ رہا تھا۔ وہاں روشنی اتنی ضرور تھی کہ مجھے بے ہوش سلطان شاہ کو پہچاننے میں مطلق دشواری پیش نہیں آئی۔

سلطان شاہ البرٹ کے مقابلے میں واضح جسمانی برتری کا مالک تھا جبکہ وہ مسلح تھا اور البرٹ کی پشت پر بندھے ہوئے خالی ہاتھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ابھی تک غیر مسلح تھا۔ میری عقل کام نہ کر سکی کہ اس نحیف و نزار بڈھے نے سلطان شاہ کو کیسے بے ہوش کیا ہو گا۔

آخری دروازے کی اوٹ میں رکا، میں ابھی اس غیر معمولی صورتِ حال کو ہضم کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ البرٹ اپنی پشت سے ہاتھ کھول کر جھکا اور پھر حیرت ناک پھرتی کے ساتھ اس نے قوی الجثہ سلطان شاہ کے وزنی جسم کو اپنے کندھے پر لاد لیا۔ اس کو دروازے کی طرف پلٹتے دیکھ کر میں پھرتی سے اندر داخل ہو کر دیوار سے چپک گیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ سفید خبیث اب لازماً اسی دروازے سے گزرے گا۔

سبز مرمر کے سنگریزوں سے بنے ہوئے برآمدے میں البرٹ کے وزنی قدموں کی پُرشور آواز سناٹے میں گونجتی رہی اور آخر کار وہ اندر داخل ہو ہی گیا۔ اس کی چال میں لنگڑاہٹ نمایاں تھی۔ شاید سلطان شاہ کی لات نے واقعی اس کی پشت پر شدید ضرب لگائی تھی۔ وہ سلطان شاہ کو لادے سکون اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور میں چند قدم کے فاصلے سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس بار البرٹ نے اس کمرے کا رخ نہیں کیا تھا جہاں اس کی دانست میں میں قید تھا بلکہ وہ راستے ہی میں ایک بند دروازے کے سامنے رکا اور ہینڈل گھماتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اس بار میں نے اس کی تقلید کرنے میں پھرتی دکھائی تھی کہ کہیں وہ اندر سے دروازہ مقفل ہی نہ کر لے۔

اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ وزن سمیت تیزی سے پلٹا تھا پھر مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر خوف کے بجائے غصے کے آثار امڈ آئے۔ ”یہ کیا حرکت ہے؟ میں ابھی تک تم دونوں کی بدمعاشیوں کا سبب نہیں جان سکا۔“ وہ نتھنے پھلا کر غصیلی آواز میں بولا۔

”ہم دونوں بے بی کے عاشق ہیں لیکن اس نے شرط عائد کر دی تھی کہ جب تک تمہیں اور ایڈی کو نہ مارا جائے وہ ہماری امیدواری پر غور نہیں کر سکتی۔ ایڈی مر گیا اور اب تمہاری باری ہے۔“ میں نے کہا۔

اس نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطان شاہ کو بے رحمی کے ساتھ اپنے کندھے سے پھینک دیا۔ میں سلطان شاہ کو تو نہ سنبھال سکا لیکن میں نے بڑھ کر پوری قوت سے اس کے بائیں گال پر تھپڑ جما دیا۔ کمرا چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھا۔ البرٹ بے اختیار لڑکھڑا گیا۔

”مسخرے پن کا اظہار جاری رکھا تو اسی طرح پورا چہرہ ادھیڑ ڈالوں گا۔“ میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ”ویرا نے ہمارے ساتھ بدترین کمینگی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن میں تنظیم کے مفاد کی خاطر پھر بھی تحمل سے کام لے رہا ہوں۔“

”تم اُلّو کے پٹھے ہو۔“ وہ اپنا گال سہلاتے ہوئے غصیلی آواز میں بولا۔ ”تمہارے بارے میں مجھے اس سے زیادہ ایک لفظ بھی معلوم نہیں جو لات پڑنے سے قبل میں نے راہداری میں چھپ کر سنا تھا۔“

اس بار میں گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اداکاری نہیں کر رہا تھا بلکہ واقعی مغلوب الغضب طبیعت کا مالک تھا اور صورتِ حال کا ادراک کیے بغیر گرمی کھا جانے کا عادی تھا۔

”ویرا اب کہاں مل سکے گی؟“ میں نے سوال کیا۔

”مجھے نہیں معلوم۔ شہر میں اس کے بہتیرے ٹھکانے ہیں۔“

وہ اُکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب وہ تم پر اعتماد کرنے پر آمادہ نہیں ہے تو تم کیوں وفاداری جتانے پر تلے ہوئے ہو؟"

"شاید تمھیں علم نہیں کہ تنظیم سے کٹنے کی کوشش خودکشی کے مترادف ہوتی ہے اور ہم ابھی زندہ رہنا چاہتے ہیں خواہ اس کے لیے ہمیں تنظیم میں چھوٹی موٹی مخاصمتیں ہی کیوں نہ مول لینا پڑیں۔"

"چھوٹی موٹی مخاصمتیں!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "تم ویرا کی تحقیر کر رہے ہو۔ کبھی کبھی تو وہ اپنے وجود سے بھی بڑی نظر آنے لگتی ہے۔ اس کی ناراضگی مول لے کر تنظیم میں کبھی پنپ نہیں سکو گے۔"

"اس کے باوجود تم اس کے عاشق ہو۔ بڑا دل گردہ ہے تمھارا۔"

وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا جیسے سرِعام چوری کرتے پکڑا گیا ہو۔ "بڑی بے شرم ہے خود ہی تشہیر کرتی پھر رہی ہے۔ میں تو بس اسے چڑانے کے لیے مذاق کرتا رہتا ہوں۔ اصل دم تو وہ ایڈی کا بھرتی تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ کالا مردود مارا گیا۔ میری موجودگی میں اسے یہ بھی کہہ کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتا تھا۔"

"اگر وہ خود ہی فیصلوں پر قادر ہے تو میں ایک بار اُسے بھی اپنی نیک نیتی کا یقین دلا کر رہوں گا۔ اس نے پھر بھی رائے تبدیل نہ کی تو پھر ہمیں جنوبی امریکا یا آسٹریلیا کے کسی علاقے میں گمنامی کی زندگی اختیار کرنا ہوگی۔"

"یقین کیسے دلا سکو گے؟ وہ تو تمھاری بات ہی سننے پر آمادہ نہیں ہے۔"

"ہم تمھیں باندھ کر یہاں ڈال جائیں گے لیکن اس اہم یونٹ کا بال بھی بیکا نہ ہو سکے گا۔ وہ خود بتا گئی ہے کہ سمندری مواصلات میں اس یونٹ کی کیا اہمیت ہے۔ ہمارے جانے کے بعد بھی تم بے خوف و خطر اسے استعمال کر سکو گے۔"

"اور اگر اس نے کئی روز تک اِدھر کا رُخ نہ کیا تو میرا کیا ہوگا؟"

"یہ سوچنا تمھارا کام ہے۔ یونٹ کے سربراہ ہو تو کارآمد بھیجا بھی رکھتے ہوگے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میرا ساتھی اتنی آسانی کے ساتھ تمھارے ہاتھوں کیسے زیر ہو گیا؟"

"اس کی بدقسمتی یا میری خوش قسمتی تھی کہ وہ اندر سے بے پروا دروازے کی طرف پشت کیے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی تمام توجہ احاطے پر مرکوز تھی۔ ایسے میں کنپٹی پر صحیح ضرب لگ جائے تو ہاتھی بھی ڈھیر ہو سکتا ہے۔"

"یعنی بے ہوشی طویل نہیں ہے!" میں نے پُرتشویش نظروں سے سلطان شاہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ البرٹ فطرتاً جرائم پیشہ آدمی نہیں تھا بس بحری مواصلات میں اپنی مہارت کی بنا پر ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور خطیر معاوضے کے لالچ میں اُن کے لیے کام کیے جا رہا تھا۔ رہی تھوڑی بہت مار دھاڑ اور مردانگی تو وہ کھلے سمندروں میں زندگی گزارنے والوں کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کے بیشتر سبق سمندر سے لیتے ہیں جہاں چڑھتی ہوئی موج کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہر سکتی لیکن کمزور لہریں ابھرنے سے پہلے ہی اونچی لہروں میں پامال ہو جاتی ہیں۔

نائیلون کی مضبوط ڈوری سے اس کے ہاتھ پیر باندھتے ہوئے میرا دھیان اس کی پیشانی کی خون آلود سوجن کی طرف گیا اور مجھے افسوس ہونے لگا کہ سلطان شاہ نے اسے کیوں اس غیر ضروری تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔

اُسے بے دست و پا کر دینے کے بعد میں سلطان شاہ کو ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگا۔ اس دوران میں البرٹ کی زبان قینچی کی طرح مسلسل چلتی رہی پھر پانی کے چھینٹوں نے سلطان شاہ کے حواس بحال کیے تو وہ البرٹ کی آواز سنتے ہی اس کی طرف غضبناک ہو کر پلٹا تھا لیکن میں نے فوراً ہی اسے رام کر لیا۔

"شاید یہ انگریزی نہیں سمجھتا۔" البرٹ نے قالین پر پڑے پڑے ہانک لگائی۔ "اسے بتا دو کہ میں نے لات کا حساب بے باق کر دیا ہے۔ اب ہمارے دلوں میں کینہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ بوڑھا گِدھ کیا بک رہا ہے؟" سلطان شاہ نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے بکنے دو۔ ہمیں ویرا کے لوٹنے سے پہلے یہاں کئی کام نمٹانے ہیں۔" میں نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا اور پھر ہم دونوں نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے دروازہ مقفل کر دیا۔

اوپر جانے والے زینوں کے آغاز ہی میں ایک مقفل دروازے کا سامنا کرنا پڑا جسے پستول کی موجودگی میں توڑنا دشوار ثابت نہ ہوا اور ہم کشادہ زینے طے کرتے ہوئے اوپر کھلی چھت پر پہنچ گئے۔

اس عمارت سے باہر رہتے ہوئے یہ اندازہ کرنا بھی دشوار تھا کہ چھت پر ایسا عظیم الشان کبوتر خانہ موجود ہوگا۔ چھت کے تقریباً وسط میں لوہے اور کنکریٹ کے ستونوں پر ڈھلی ہوئی چھت کے نیچے بہت قرینے سے متعدد منزلہ چوبی کابک بنے ہوئے تھے۔ جن میں بند بعض کبوتروں نے آہٹ پا کر بولنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے کابکوں کی چھت سے نکل کر اوپر نگاہ ڈالی تو تین بہت نفیس اور بلند و بالا چھتریاں نظر آئیں جیسی عموماً کبوتر باز کبوتروں کے آرام کے لیے بناتے ہیں۔ ان تینوں چھتریوں کی ساخت اور بندش ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ چھتریوں کو فضا میں قائم رکھنے کے لیے شاید نائیلون چڑھے ہوئے فولادی تار استعمال کیے گئے تھے۔

اگر ایک عام آدمی کی نگاہ سے ان چیزوں کا جائزہ لیا جاتا تو یہی محسوس ہوتا کہ اہلِ خانہ کے دل میں کبوتروں کے لیے محبت کا ایک بے پایاں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور اس نے اپنے پالتو پرندوں کی آسائش کے لیے اپنی چھت پر بہترین اور بیش قیمت آسائش فراہم کی ہوئی تھی لیکن ویرا اور ایڈی کی گفتگو سے اس کبوتر خانے کا وجود ہی فراڈ نظر آنے لگا تھا۔ لہٰذا میں نے جب غور سے جائزہ لیا تو پتا چلا کہ چھتریوں کو روکے رکھنے والے فولادی تار ہر طرح سے اصلاتی کاموں کے لیے موزوں تھے۔ ہو سکتا ہے کہ نائیلون کے خول میں فولاد کی جگہ تانبے کا تار ہی رہا ہو جو تناؤ کے باعث فولادی نظر آ رہا تھا۔ قابلِ غور بات یہ تھی کہ ہر تار بندش کے بعد کنکریٹ میں دفن ہو گیا تھا۔ شاید اس طرح مناسب تاروں کو پوشیدہ طور پر ریڈیو روم کی طرز کے کسی کمرے میں یکجا کیا گیا تھا جہاں سے خفیہ پیغامات کی وصولیابی اور ترسیل کا نظام کنٹرول ہوتا تھا۔

چھت پر واقع کبوتر خانے پر سایہ فگن کنکریٹ کی چھت میں جابجا روشنیاں نصب تھیں۔ شاید وہیں کہیں سوئچ بورڈ بھی رہا ہوگا لیکن میں نے اپنی تلاشی کی اس مہم میں روشنی سے کام لینا مناسب نہ سمجھا جو دور ہی سے دیکھی جا سکتی تھی۔ میرے کام کے لیے تاروں بھرے شفاف آسمان سے پھوٹنے والا مدھم سا نورانی انعکاس ہی بہت زیادہ معاون ثابت ہو رہا تھا۔

پھر میں کابکوں کے درمیان سے گزر کر دوسری طرف نکلا۔ تو دیوار کے پار تا حدِ نظر پھیلی ہوئی سمندر کی سیاہ سطح ہلکورے لیتی نظر آ رہی تھی۔ اس پس منظر میں وہ کمرا میری خصوصی توجہ کا مرکز بن گیا جو کابکوں سے الگ تھلگ دیوار کے ساتھ بنا ہوا تھا۔ اس چھت سے سطحِ سمندر کے نظارے کے لیے وہ کمرا اہمیت رکھتا تھا۔ کمرے کے دو دروازوں میں سے میں نے پہلے سامنے پڑنے والے مقفل دروازے پر طبع آزمائی کا فیصلہ کیا لیکن ایک تار کی مدد سے تالا کھولتے ہی مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ دروازے کے سامنے ہی کاٹھ کباڑ کا انبار جمع تھا۔ میں نے دو تین دیاسلائیاں جلا کر اندر کا جائزہ لیا تو دروازے سے کئی فٹ پیچھے تک دیکھنا ناممکن تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کبوتر خانے کی تعمیر سے بچ رہنے والا سارا فاضل اور ناکارہ سامان اسی ایک کمرے میں ڈال دیا گیا تھا جو بادی النظر میں اسی مقصد کے لیے بنایا ہوا اسٹور معلوم ہوتا تھا۔

میں نے مایوسانہ انداز میں دروازہ بند کر دیا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے وہاں سے ہٹ آیا۔ میں ایک جگہ کھڑا پُرخیال انداز میں سمندر کا جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک دوسرے دروازے والی دیوار کا خیال آیا جو کم از کم سولہ سترہ فٹ لمبی تھی جب کہ دیاسلائی جلا کر میں محض پانچ چھ فٹ تک کاٹھ کباڑ دیکھ سکا تھا جس کا مطلب تھا کہ کمرے کی مزید دس گیارہ فٹ گہرائی میری نگاہوں سے اوجھل رہی تھی۔ دیوار میں دوسرے دروازے کی پوزیشن ایسی تھی کہ اسے کھول کر باقی ماندہ حصے کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

دوسرا دروازہ کھولتے ہی میرے اندیشوں کی تائید ہو گئی۔ اس طرف سے کمرا صاف اور قابلِ رسائی تھا۔ میں نے دیاسلائی کی روشنی میں دروازے کے قریب سوئچ بورڈ تلاش کر کے کمرا روشن کر دیا۔

وہاں کسی بحری جہاز کے ریڈیو روم میں استعمال ہونے والے آلات سے کہیں زیادہ حساس ریڈیائی ساز و سامان موجود تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک مضبوط آہنی اسٹینڈ پر طاقتور دوربین بھی نصب تھی جس کا دہانہ سمندر والی دیوار میں لگے ہوئے ایک بڑے سے مستطیل شیشے کی طرف تھا۔ وہ دھندلایا ہوا شیشہ غالباً ایسی ساخت کا تھا کہ اس کے ذریعے باہر سے اندر دیکھنا ناممکن تھا جب کہ اندر سے باہر بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

کاٹھ کباڑ والے حصے میں ناکارہ آہنی فریموں اور زنگ خوردہ چادروں کو اس مہارت سے جمایا گیا تھا کہ اُن کے ذریعے وہ کمرا عملاً دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر کباڑ خانے والا دروازہ کھولا جاتا تو وہ ناکارہ سامان کا اسٹور محسوس ہوتا جب کہ دوسرے دروازے سے صاف ستھرے ریڈیو روم میں رسائی ممکن تھی اور ایک حصے سے دوسرے حصے میں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ کسی اجنبی کے لیے پہلی نگاہ میں اس اندرونی تقسیم کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

دوربین سے کام لینے کے لیے اس کے پیچھے تقریباً تین فٹ اونچی دو چوبی سیڑھیوں پر مشتمل ایک چوکی رکھی ہوئی تھی۔ میں اس پر چڑھ کر دوربین کی قوت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا، کہ سلطان شاہ مجھے تلاش کرتا ہوا وہاں آ پہنچا۔

"دیکھو... یہاں تو کھیل ہی..... کچھ اور ہو رہا ہے۔"

اس کی ہیجان آمیز آواز سنائی دی۔ میں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے ہاتھوں میں ایک کبوتر دبا ہوا تھا۔

"اسے کیوں پکڑ لائے ہو؟" میں نے ناگوار لہجے میں کہا۔ "ان کے آرام میں خلل انداز ہونے کو کس نے کہا تھا؟"

"میں نے کابک سے نہیں پکڑا۔" وہ مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "ایک چھتری پر بیٹھا ہوا نظر آیا تھا۔ میں نے ہلکی سی سیٹی بجائی تو چھتری سے اُڑ کر میرے شانے پر آ بیٹھا۔ اگر مجھے اس کے پیر میں کچھ بندھا ہوا نظر نہ آتا تو میں ہرگز اسے نہ پکڑتا۔"

"بندھا ہوا!" میں حیرت اور بے یقینی سے دُہراتا ہوا چوکی پر سے نیچے اُتر آیا۔

پھر میں نے دیکھا کہ سلطان شاہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ اس

کبوتر کے داہنے پنجے میں ایک مضبوط لیکن پتلا سا چرمی تسمہ بندھا ہوا تھا۔ خاص ساخت کے اس چرمی تسمے کو کبوتر کے پنجے سے الگ کرکے میں نے اس کی تہہ کھولی تو کاغذ کا ایک پرزہ ہاتھ میں آگیا۔ اس پر جو بھی پیغام تھا انگریزی حروفِ تہجی پر مشتمل کوڈ ورڈز میں ٹائپ کیا گیا تھا جو میرے پلے نہ پڑ سکا البتہ اس متن میں ایک جگہ شہداد پور کا نام استعمال کیا گیا تھا جس کے لیے شاید ان کے یہاں کوئی مخفف یا کوڈ ورڈ نہیں تھا۔

"کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی؟" سلطان شاہ نے متجسس انداز میں میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"عقل کام نہیں کرتی۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ایک طرف یہ لوگ جدید ترین لاسلکی نظام سے کام لے رہے ہیں اور دوسری طرف قاصد کبوتروں کا صدیوں پرانا فرسودہ طریقہ بھی رائج ہے...!"

"تم بھول رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر دھیمے لہجے میں بولا۔ "ان کا ملک گیر مواصلاتی نظام ایم ٹی تھری ہنڈرڈ ٹرانسمیٹروں پر مشتمل تھا۔ پہلے اندرونِ سندھ واقع مٹھا خان کا اسٹیشن تباہ ہوا پھر حیدرآباد میں نصب یونٹ بھی ان لوگوں کو اپنے ہاتھوں برباد کرنا پڑا۔ اس طرح سندھ میں ان کا جدید مواصلاتی نظام بکھر کر رہ گیا۔ اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو شہداد پور کا شمار بھی اندرونِ سندھ کے شہروں میں ہوتا ہے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔" میں نے پُرتفکر انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ شہداد پور میں بھی ایسا کوئی مرکز ضرور ہوگا جسے پیغام بر کبوتر پہچانتے ہوں گے۔"

"ضرور ہوگا لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس بے چارے کا کیا کروں؟"

"چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔ "ہمارے جانے کے بعد البرٹ ہی اس کا بندوبست کرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ منزلِ مقصود پر بحفاظت واپسی کی صورت میں بطورِ انعام اس کبوتر کو کوئی نشہ آور چیز دی جاتی ہو جو ہمیشہ اسے مخصوص ٹھکانے پر لوٹنے پر مجبور کرتی ہو۔"

"بہت سفاک اور خودغرض لوگ ہیں۔" اس نے کبوتر چھوڑ کر تلخ لہجے میں کہا۔ "انسان تو انسان، حیوان تک ان کی پھیلائی ہوئی منشیات کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔"

"مجھے نظر آرہا ہے کہ اب مسئلہ صرف منشیات کا نہیں رہا ہے۔" میں نے اس کے ہمراہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی بہت ہی لمبا کھیل ہے۔ ایک تیر سے کئی شکار کیے جارہے ہیں۔ اپنی خوش قسمتی سمجھو کہ اب تک ان سے بچے رہے ہیں ورنہ یہ ہمیں کہیں بھی فریج کرا سکتے تھے۔"

"کیا وہ خفیہ پیغام اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟" سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ "اس طرح انھیں اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی حکمتِ عملی کامیاب نہ ہوسکے گی۔"

"دیکھتے جاؤ۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ پیغام میں البرٹ کے حوالے کروں گا۔ یقیناً یہ کوئی اہم پیغام ہے اس کا ردِعمل دیکھنے کے قابل ہوگا۔"

ہم نیچے آئے تو البرٹ بدستور اسی طرح بے دست و پا پڑا ہوا تھا۔ بندشیں سخت تکلیف دہ ہیں جانے سے پہلے انھیں نرم کرتے جانا۔ خدا جانے کب تک کوئی اِدھر کا رُخ کرے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ کسمسا کر کراہا تھا۔

"ابھی ابھی اوپر ایک پیغام آیا ہے۔" میں نے اس کی التجا نظرانداز کرتے ہوئے چبھتے ہوئے الفاظ میں کہا اور اس کی آنکھیں مجسم سوال بن کر میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ "کوئی خفیہ پیغام کبوتر لایا ہے۔" میں نے رقعہ فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔

"اب تمھیں مجھے کھولنا ہی پڑے گا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "تم نے اس پیغام پر ہاتھ ڈال کر اچھا نہیں کیا.... ذرا دکھاؤ تو کیا لکھا ہے؟"

میں نے وہ رقعہ اس کی نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ اسے پڑھتے ہی البرٹ کا چہرہ دھواں ہوگیا اور جسم پر کپکپی سی چڑھ گئی۔ وہ خوفزدہ آواز میں بولا تھا۔ "اگر تم مجھے مردہ ہی دیکھنا چاہتے ہو تو اور بات ہے ورنہ مجھے آزاد کردو۔ یہ بہت منحوس پیغام ہے، اس پر مجھے فوری کارروائی کرنا ہوگی ورنہ وہ مجھے فنا کردیں گے۔"

"گلوخلاصی کی ایک ہی صورت ہے کہ تم ہمیں بھی اس پیغام کے متن سے آگاہ کرو۔" میں نے اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا۔

"تم کہہ چکے ہو کہ تم تنظیم کے وفادار ہو۔" اس نے جھجکتے ہوئے "یاد کرو کہ تم نے مجھے اس مؤقف سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ضرور کی تھی... لیکن اب صورتِ حال مختلف ہو چکی ہے۔ اس پیغام کے بعد تنظیم کے بعض فوری مفادات مجھ سے وابستہ ہوکر رہ گئے ہیں۔ اگر تم نے ارادہ تبدیل کرلیا تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔"

"پیغام کا متن جانے بغیر میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"شہداد پور میں غنی رام پکڑا گیا۔ آپریشن زیرو فور تا اطلاعِ ثانی رو بہ عمل رہے گا۔" اس نے ہچکچاہٹ کے بعد مشینی انداز میں کہا۔

"یہ غنی رام کون ہے؟" سلطان شاہ نے باقاعدہ میری شعبہ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ڈپٹ کر سوال کیا۔

"میں اطلاعات وصول کرکے آگے بڑھانے کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔" وہ اُردو سے نابلد تھا لیکن سلطان کی زبان سے غنی رام کے الفاظ سن کر شاید اس کا مدعا سمجھ گیا تھا۔

"بکواس مت کرو البرٹ!" میں نے سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "پیغام پر تمھارا خائفانہ ردِعمل بہت غیرمعمولی تھا... تم اس پیغام کی نوعیت سے لاعلمی ظاہر نہیں کرسکتے!"

"مجھے آج تک نہیں معلوم ہوسکا کہ غنی رام کوئی نام ہے یا کوڈ۔" وہ پہلو بدل کر گہرے گہرے سانسوں کے درمیان بڑبڑایا۔ "بس اتنا جانتا ہوں کہ جب بھی کسی مواصلاتی رابطے پر یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں صورتِ حال میں غیرمعمولی سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ پشاور میں غنی رام خیریت سے ہو تو خوشی کی علامت ہوتی ہے۔ شہداد پور میں پکڑا جائے تو ہنگامی طور پر سرگرمیاں موقوف کرکے حفاظتی اقدامات شروع کردیے جاتے ہیں۔ یہ نام یا الفاظ پاکستان کے کسی بھی شہر کے حوالے سے سنے جاسکتے ہیں۔"

"اسے کھول دو سلطان شاہ!" میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اُردو میں کہا اور جب سلطان شاہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی بندشیں کھولنے لگا تو میں انگریزی میں البرٹ سے مخاطب ہوگیا۔ "بُرے وقت ہی میں دوست اور دشمن کی پہچان ہوتی ہے۔ ہم تمھارے ہاتھ پیر کھول کر تمھیں اسی کمرے میں بند کردیں گے، امید ہے کہ ہمارے جانے کے بعد تم کوئی راہ نکال لوگے اور شوگر کوئین ہمارے بارے میں اپنی رائے مثبت طور پر بدلنے کی کوشش کرے گی۔"

"تنخواہ دار یا محکوم دوست کبھی نہیں ہوسکتا۔" اس نے کہا۔ "وہ فرماں بردار ہوتا ہے یا باغی اور غیرمتعلقہ باتوں کو جاننے کی کوشش بھی بغاوت کے مترادف ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہوگے۔"

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا درست ہی کہہ رہا تھا لیکن میرے پاس بھی کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ ویرالائیڈ کے دل میں میری طرف سے قدرے مصالحانہ جذبات پیدا ہوئے تھے اور میں ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس پوری کارروائی سے میرا مدعا فقط اتنا تھا کہ ویرا سے دوبارہ کبھی سامنا ہو تو وہ مجھے بے دریغ قتل کرنے پر نہ تل سکے۔ اسے ایک بار تو سوچنا ہی پڑتا کہ جو شخص اہم معلومات حاصل کرنے کے باوجود نہ تنظیم کو نقصان پہنچا رہا ہے نہ کسی کو بلیک میل کر رہا ہے، وہ باغی کیسے ہوسکتا ہے؟

پہلے کے خونریز اور تباہ کن واقعات کے بارے میں وہ خود یہ نتیجہ اخذ کرچکی تھی کہ اسے ٹو میری دشمنی میں اندھا ہوکر تنظیم کے طے شدہ راستوں سے منحرف ہوگیا تھا اور اسی جرم کی پاداش میں شوگر کوئین نے خود اسے گن کا نشانہ بنا دیا تھا۔ موجودہ حالات میں مکاری اور فریب سے کام لیے بغیر بہترین دار کرنا ناممکن نظر آرہا تھا۔

"گاڑی کون سی ہے تمھارے پاس؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"گاڑی؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "میں تو شروع ہی سے تم دونوں کے پیچھے مرسیڈیز کے پچھلے پائیدان میں چھپا ہوا تھا۔ شاید اس مردود کا لیسے نے مجھے گاڑی سے نکلتے دیکھ لیا تھا ورنہ اس وقت بساط ہی کچھ اور ہوتی۔"

"ہمیں واپسی کے لیے سواری درکار ہے۔" میں نے البرٹ سے کہا۔ وہ جواب دیے بغیر پُرتشویش نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ "سُنا نہیں تم نے؟" میں نے توقف کے بعد اُسے ٹوکا۔

"سن لیا مگر یہ سوچ رہا ہوں کہ تم میں کیا خوبی ہے جو شوگر کوئین تمھیں ڈھیل دے رہی ہے۔ وہ تو جذبات سے عاری انداز میں موت کا کھیل کھیلنے کے لیے مشہور ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ مکارانہ انداز میں اچانک بھاگ نہ نکلتی تو اس وقت تمھارے ہی ساتھ بے دست و پا پڑی ہوتی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ اس نے تو مجھے چوہے دان میں پھانس ہی لیا تھا، اپنی دانست میں۔"

وہ یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ "وہ چاہتی تو باہر نکلتے ہی صرف ایک بٹن دبا کر اس عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کرسکتی تھی۔ اس عمارت میں سیکڑوں پونڈ بارود پوشیدہ ہے جو ایک ریموٹ کنٹرول سوئچ کے اشارے پر تباہی مچا سکتا ہے۔ اب تک دھماکوں کا نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے تمھاری موت سے زیادہ اس عمارت کی سلامتی عزیز ہے۔ اسے تباہ کرنا تو اشارے کی بات ہے لیکن بنانے کے لیے برسوں کی محنت درکار ہوگی۔ یہ اس علاقے میں ہمارا طاقتور ترین مرکز ہے۔"

اس کے انکشاف سے مجھے ذہنی جھٹکا ضرور لگا لیکن میں نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ "یہ سب بتا کر تم ہمیں کس مقصد کے لیے مرعوب کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"شوگر کوئین کی پہلودار شخصیت سے واقف ہونے کے بعد مرعوب تو تم خود بخود ہو جاؤگے۔" وہ بولا۔ "لیکن کولہے کی ہڈی اور پیشانی کی چوٹ کے باوجود میرے ساتھ مجموعی طور پر تمھارا رویہ معقول رہا ہے، اس لیے مجھے تم پر ترس آرہا ہے... میرا مشورہ ہے کہ مجھے یہاں بند کرکے پیدل ہی کسی طرف چل پڑو۔ تھوڑی سی مشقت کے بعد کوئی نہ کوئی سواری مل ہی جائے گی۔"

"شاید تم اس خیال میں ہو کہ تم تعاون نہیں کروگے تو ہم یہاں سے کوئی گاڑی نہ لے جاسکیں گے؟" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہاں دو گاڑیاں ہیں، چاہو تو دونوں ایک ایک سے جاؤ۔ چابیاں میں خود تمھارے حوالے کروں گا۔ بس یہ یاد رکھنا کہ ان دونوں گاڑیوں میں بھی ریموٹ کنٹرول بم نصب ہیں۔ انجن بیدار ہوتے ہی شوگر کوئین

کو اپنے ریموٹ کنٹرول یونٹ پر اشارہ مل جائے گا اور وہ فوراً صورتِ حال کا اندازہ لگالے گی کیونکہ مجھے تو بغیر اجازت اس عمارت سے نکلنے کی ہی ممانعت ہے خواہ گردو نواح میں توپیں ہی کیوں نہ چلنے لگیں۔ پھر وہ بس اتنا انتظار کرے گی کہ تم اس یونٹ سے محفوظ فاصلے پر چلے جاؤ۔ اس کے بعد وہ انگلی کے اشارے سے کار سمیت تمھارے چیتھڑے اڑا دے گی۔"

شاید وہ درست ہی کہہ رہا تھا کیونکہ اس کے پاس اب جھوٹ بولنے کے لیے کوئی سبب نہیں رہا تھا۔ پھر وہ لوگ اتنے گئے گزرے بھی نہ تھے کہ محض ایک گاڑی کی عارضی چوری پر اسے سولی چڑھا دیتے۔ لیکن یہ بات میرے حلق سے نہ اُتر سکی کہ جب البرٹ کا پیشگی اجازت کے بغیر باہر نکلنا سختی سے منع تھا تو وہاں ریموٹ کنٹرولڈ بموں سے لیس دو گارڈیوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی تھی۔

"اس کا سبب تو بڑے ہی جانیں۔" میرا سوال سُن کر اس نے کہا۔ "ویسے کچھ عرصہ قبل ایک گاڑی شہر میں تباہ کی گئی تھی۔ اس کی ڈکی میں اس یونٹ کے کچھ آلات مرمت کے لیے لائے جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں اور اسلحہ کی تلاش میں سرگرداں پولیس پارٹی نے اسے روک لیا اور پیچھے آنے والے محافظ نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر ڈرائیور اور آلات سمیت کار تباہ کر دی۔ کچھ پولیس والے بھی زخمی ہوئے تھے۔"

"کیا ویرا اکثر یہاں آتی رہتی ہے؟"

"آتی ہے تو ہفتوں جمی رہتی ہے پھر مہینوں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ اس خیال میں بھی نہ رہنا کہ اب کبھی تم دوبارہ اسے یہاں گھیر سکو گے۔ جب آؤ گے کسی خونخوار محافظ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایڈی کا نعم البدل کسی بھی وقت جگہ سنبھال سکتا ہے۔"

"غنی رام کے بارے میں اب تم کس کس کو مطلع کرو گے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم غیر ضروری سوالات کر کے اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں بولا۔ "میں تمھاری ہمدردی کا ضرورت سے زیادہ معاوضہ ادا کر چکا ہوں۔ شوگر کوئین شکست کے نام سے نا آشنا ہے۔ اس سے پیشتر کہ وہ تمھاری تلاش میں لوٹے، تمھیں یہاں سے دُور نکل جانا چاہیے۔"

مجھے اس کے یاد دلانے پر ایک دم ہوش آ گیا۔ ہم واقعی بہت زیادہ وقت گزار چکے تھے اور یہ تاخیر ہمیں مہنگی بھی پڑ سکتی تھی۔

البرٹ کو کمرے میں بند کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو پیدل واپسی کی خبر سُنائی تو اُس نے یوں بُرا سا منہ بنایا جیسے اس کے حلق میں کوئی کڑوی گولی پھنس گئی ہو۔ "اوّل تو یہ ساحلی علاقہ بالکل ویران اور غیر آباد ہے پھر آگے ان لوگوں کی آبادی ہے جن کے گھروں میں صرف ایک کار کی موجودگی مفلوک الحالی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ گزری سے پہلے ہمیں شاید ہی کوئی سواری مل سکے۔"



"کسی سے لفٹ ہی لے لیں گے۔" میں نے اسے نکاسی کے راستے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"اتنی رات گئے تو تنہائی کے متلاشی جوڑے بھی تنہائیاں نچوڑ کر اپنے اپنے گھر جا سوئے ہوں گے۔ کوئی گاڑی نظر بھی آئی تو ویرا لائیٹڈ کی مرسڈیز کے علاوہ کوئی اور نہ ہو گی۔"

شاید اس کے دماغ پر نیند کی بھونک سوار ہو چکی تھی لہٰذا میں نے اس کے منہ لگنا مناسب نہ سمجھا لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہم نے وہاں اتنا وقت ضائع کیا تھا کہ شاید شوگر کوئین کو اپنے آدمی وہاں بھیجنے کی مہلت مل گئی ہو۔ ویسے تو اس زیرِ تعمیر تاریک علاقے میں جابجا ایسے اُدھورے اور نیم تعمیر شدہ ڈھانچے موجود تھے کہ ان میں سیکڑوں کی نفری چھپ سکتی تھی لیکن میرا اندازہ تھا کہ شوگر کوئین ہمیں گھیرنے کے لیے تعداد کے بجائے کسی باصلاحیت آدمی کو بھیجا ہو گا جو اپنی ذہنی توانائیاں استعمال کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہو گا کہ ہم فرار کے لیے چوروں کی طرح پچھلا راستہ استعمال کریں گے لہٰذا میں نے سامنے کے پھاٹک سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

"تمھارے ساتھ دو چار قدم چلنے کی بجائے ...... خیال ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی سُولی پر لیے پھرتے ہو۔" وہ مجھے پھاٹک کی طرف بڑھتے دیکھ کر جھنجلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم سے تو موت بھاگتی ہے، مجھے بے موت مروا دو گے۔"

میں اس بار بھی خاموش ہی رہا۔ پھر ہم دونوں بخیر و عافیت اس خوفناک عمارت سے باہر نکل گئے جس کی بنیادوں میں بارود کی بھاری مقدار پوشیدہ تھی۔

باہر ایک طرف ساحلی دیوار سے دُور ریت پر دم توڑتی ہوئی موجوں کا آسیبی شور گونج رہا تھا اور دوسری طرف سڑک پر دُور تک تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ جب تک ہم اس عمارت کے احاطے کی دیوار سے آگے نہ نکل گئے، میں بہت چوکنا رہا۔ پھر ہم دونوں نے قدرے دشوار گزار لیکن محفوظ راستے پر دوڑ لگا دی۔

شوگر کوئین سے پہلے تصادم کی وہ رات شاید میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔ محفوظ راستے کی تلاش میں ہم کافی دور تک غلط سمت میں ہی بھاگتے چلے گئے۔ جب حسبِ توقع آبادی کے بجائے اچانک ہی اتھلی سمندری دلدل نما ریت میں جوتے دھنسنے لگے تو میں بوکھلا کر رک گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں ہمارے تین اطراف میں ہولناک ویرانہ اور چوتھی سمت میں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور کچھ اندازہ نہ تھا کہ کس طرف رُخ کر کے ہم آبادی میں دوبارہ داخل ہو سکیں گے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کراچی میں ساحل آبادی سے کہیں بھی اتنا دور نہیں ہے کہ وہاں سے شہر کی روشنیاں نظر نہ آ سکیں لہٰذا امکان یہی تھا کہ ہم کسی بڑے نشیب میں جا گھسے تھے۔ یہ خیال آتے ہی میں اس سمت میں ہو لیا جدھر اُوپر جاتی ہوئی ڈھلان محسوس ہو رہی تھی۔ سلطان زیرِ لب بڑبڑاتا ہوا میرے پیچھے ہو لیا۔ وہ اس قدر بیزار نظر آ رہا تھا کہ اس نے مجھ سے میری کسی کارروائی کے بارے میں سوال کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

آخر کار اس مواصلاتی یونٹ سے فرار کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہمیں شہر کی مندا سی روشنیاں نظر آنے لگیں جو کورنگی روڈ کی عکاسی کر رہی تھیں۔ اس وقت تک آسمان پر بھی قدرے سفیدی نمودار ہو چلی تھی۔ اور کہیں کہیں فضا میں سحر خیز پرندوں کی اِکا دُکا چہکار بھی سُنائی دینے لگی تھی۔

"راستہ نظر آ ہی گیا ہے، کیوں نہ تھوڑی دیر یہاں آرام کر لیں؟" سلطان شاہ نے تکان آلود لہجے میں کہا۔

"شاید نسیمِ سحری کے جھونکے تھپک رہے ہیں تم کو۔"

"نسیمِ سحری! اُوہ۔" وہ جلے بھنے لہجے میں بڑبڑایا۔ "ایسے حالات سے شاعروں کا واسطہ پڑ جاتا تو شاعری میں دور دُور تک نسیمِ سحری کا ذکر نہ ملتا۔ اور تمھیں شاعری سوجھ رہی ہے...... کیا تم واقعی تکان محسوس نہیں کر رہے؟" اس کی پلکیں آنکھوں پر جھکی پڑ رہی تھیں۔

"میں بھی انسان ہی ہوں، لیکن ہم جہاں بھی ستانے کے لیے رُکے، رکے ہی رہ جائیں گے پھر سورج کی تیز کرنیں ہی ہمیں نیند سے بیدار کر سکیں گی۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔" وہ چڑ کر بولا۔ "لیکن دن اگر نکل بھی آیا تو کون سی قیامت آ جائے گی؟"

"شاید تم نے اپنی اور میری ہیئت کذائی پر غور نہیں کیا۔ ورنہ یہ سوال نہ کرتے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اُجالا پھیلنے سے پہلے گھر پہنچ جائیں۔ دن نکل آیا تو لوگ ہمیں مریخ سے آئے ہوئے صحرا نورد سمجھ کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں گے۔"

"یہ سب بے سُود ہی نظر آ رہا ہے۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ شوگر کوئین تم پر غالب آنے لگی ہے اگر اسی سے مل بیٹھنا ہے تو اتنا ہلکان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ دو چار دِن اس کی مرضی کے مطابق وہیں پڑے رہتے اور وہ اپنا اطمینان کرنے کے بعد تمھیں دوبارہ کوئی اہم منصب سونپ دیتی۔"

"تم انگریزی نہیں سمجھتے ورنہ البرٹ کے الفاظ تمھارے کان کھول دیتے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "اے ٹو کی حماقتیں اپنی جگہ اٹل تھیں اور اُسے شوگر کوئین نے ٹھکانے لگا دیا لیکن وہ میری بھی ہمدرد نہیں ہے۔ وہ مجھے گھیر رہی ہے اور میں اسے جھکمہ دے رہا ہوں۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ لوگ ہر قیمت پر غزالہ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے بے چین ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ غزالہ کے بھی علم میں ہے۔ مجھے ڈھیل دیکر وہ چارہ بنانا چاہ رہے ہیں ورنہ شوگر کوئین مجھے آج رات ہی ٹھکانے لگا سکتی تھی۔"

سڑک تک پہنچنے تک میں اسے اِن واقعات سے آگاہ کرتا رہا جو اس کے علم میں نہیں تھے اور وہ غنودہ ذہن کے ساتھ ہوں ہاں کرتے ہوئے نیند بھگانے کی کوشش کرتا رہا۔

ان لوگوں کے لیے اے ٹو کی موت کی خبر ناقابلِ یقین خوشخبری ثابت ہوئی۔ کرنل اس خیال سے بغلیں بجانے لگا کہ اے ٹو ہمارے حملے میں مارا گیا ہو گا لیکن جب میں نے اس کی تصحیح کی تو سب تحیر زدہ رہ گئے۔ اے ٹو ان کی نگاہوں میں تنظیم کا مقتدرِ اعلیٰ تھا، اور اس کی موت کا مطلب تنظیم کی بربادی ہو سکتا تھا۔ شوگر کوئین کے کردار کی تفصیل سامنے آتے ہی بے شمار سوالات اٹھ کھڑے ہوئے لیکن میں نے اس معاملے کو طول دیے بغیر وہیں ختم کر دیا۔

اس میٹنگ میں جہانگیر کی بیوی سلمٰی کے علاوہ سب ہی لوگ موجود تھے۔ سلمٰی کو غزالہ نے رات گئے دُودھ میں خواب آور دوا ملا کر دے دی تھی اس لیے وہ بے خبر سوئی ہوئی تھی ورنہ جہانگیر کو زخمی دیکھ کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔ جہانگیر کی پنڈلی پر گولی کا زخم آیا تھا پھر قدرے بلندی سے گرنے کے نتیجے میں بدن پر بھی خراشیں آئی تھیں، اس کے علاوہ ہر ایک محفوظ تھا۔

میں نے شوگر کوئین پر بحث کو آگے نہیں بڑھایا تھا، لیکن ہر چہرے پر چھائی ہوئی فکر انگیز سنجیدگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سب اسی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ابھی تک اے ٹو کی ذات ہماری مہم کا مرکز رہی تھی لیکن کامیابی کا مرحلہ قریب آیا تو وہ ایک بے وقعت مہرے کی طرح پیٹ دیا گیا اور اب سارے معاملات پر شوگر کوئین حاوی نظر آ رہی تھی۔

"آج رات وہاں بڑے پیمانے پر خونریزی ہوئی ہے...!" جہانگیر نے گمبھیر لہجے میں کہا اور میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ظاہر ہے کہ ہم وہاں مٹھائی بانٹنے کی نیت سے تو نہیں گئے تھے۔"

"پوری بات سُنے بغیر نہ بولا کرو۔" اُس نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "میرا مطلب تھا کہ وہ لوگ اس سنگین واقعے کو سرسری طور پر نظرانداز نہ کر سکیں گے، وہاں سب ہی لوگ موجود تھے۔ میری عدم موجودگی سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا جائے گا کہ میں بھی دوسرے کیمپ سے جا ملا ہوں۔ ایسی صورت میں میری پوزیشن کیا ہو گی؟"

"تم بے خوف ہو کر اپنی جگہ سنبھال سکتے ہو۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "شوگر کوئین درمیانی اقدامات کے بجائے آخری نتائج پر نگاہ رکھتی ہے، اسے تمھارے اور رخشی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے تصادم کی خبر عام ہوتے ہی شاید رخشی بھی تم سے رابطہ قائم کرے گی،

"اُسے بھی بتا دینا کہ پرانی بازی الٹ چکی ہے۔ نئے کھیل میں وہ کیپر ابھی جگہ لے سکتی ہے۔"

"لیکن ہمیں ہدایات کس سے ملیں گی؟"

"انتظار کرنا ہوگا۔ کسی نہ کسی کو تو مرنے والے کی جگہ لینے کے لیے بھیجا ہی جائے گا۔"

"یعنی یہ چپقلش ختم ہوتے ہوتے پھر چل پڑے گی؟" کرنل نے پوچھا۔

"ختم کہاں، یہ تو چل ہی رہی ہے۔ مجھے پہلے سے اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔"

"ملک میں ہیروئن کا کاروبار ہو رہا ہے... یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔" کرنل بولا۔ "ہمارے انسدادی قوانین خاصے ناقص ہیں۔ یہ پُراسرار داری کیلئے بڑے ... جانے ... میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"یہ اجارہ داری کا جھگڑا معلوم ہوتا ہے۔" جہانگیر بول پڑا۔

"وہ جانتے ہیں کہ ... ذرا کمزوری دکھائی، منڈی میں حشرات الارض کی طرح سیکڑوں حریف پیدا ہو جائیں گے۔"

"ابھی کچھ دنوں تک ہمیں ہیروئن کے معاملے سے الگ تھلگ رہنا ہوگا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس کاروبار میں کہیں کوئی رخنہ اندازی نہیں کی جائے گی تاکہ میں معاملات کی تہ تک پہنچ سکوں۔"

"یعنی یہ لوگ ہیروئن کے علاوہ کسی اور دھندے میں بھی ملوث ہیں؟" کرنل نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "لیکن فی الحال شبہات موجود ہیں۔"

جہانگیر کے زخم کی ڈریسنگ ہو چکی تھی لہٰذا وہ کمرے میں چلا گیا۔ سلطان شاہ نے آتے ہی بستر کی راہ لی تھی۔ جب ہم تینوں بیٹھے رہ گئے تو کرنل بے آرام سا نظر آنے لگا۔ شاید وہ خود کو کباب میں ہڈی محسوس کر رہا تھا لیکن آدمی وضعدار تھا۔ کسی معقول عذر کے بغیر مجھے اور غزالہ کو تنہا چھوڑنا کسرِ شان سمجھ رہا تھا۔

اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے اچانک ہی کہا تھا۔ "یہ آواز کیسی تھی؟"

"آواز؟" کرنل کے کان کھڑے ہو گئے۔ "میں نے تو نہیں سنی۔" غزالہ بمشکل اپنی مسکراہٹ کو لبوں پر پھیلنے سے روک سکی تھی۔

"کوئی مبہم سی نسوانی آواز تھی۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"اوہ! شمع سوتے میں بڑبڑانے لگتی ہے۔" کرنل گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں اسے دیکھتا ہوں۔ اب صبح ہی ملاقات ہوگی۔"

"کیا واقعی کوئی آواز آئی تھی؟" کرنل کے جاتے ہی غزالہ نے اپنی بڑی بڑی شوخ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"کان بند رہے تھے لیکن تمھارے ڈیڈی نے جواز بھی فراہم کر دیا۔"

"میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ ان سب کی موجودگی میں کھل کر بات نہیں کر رہے تھے۔ شاید آج حالات نے کوئی غیر متوقع کروٹ لی ہے جس کا اندازہ دوسرے نہیں لگا سکے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"کیا تم یقین کرو گی کہ اسے لوگ بُری طرح شوگر کوئین بھی تم سے ملنے کے لیے مضطرب ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور وہ میری زبان سے یہ انکشاف سن کر حیران رہ گئی۔

"آخر کیوں؟ یہ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟" اس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"اس سوال کی کلید تمھارے پاس ہے۔ جہاں تک عام باتوں کا تعلق ہے، تم سے زیادہ میں جانتا ہوں اور اگر وہ میرے ساتھیوں کو چُن چُن کر مارنے کی فکر میں ہوتے تو ان کی فہرست میں سلطان شاہ کا نام تم سے پہلے آنا چاہیے تھا۔ وہ عرصے سے اُن کی نگاہوں میں ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ایشین منڈ کیبٹ لمیٹڈ میں انٹرویو کے دوران کوئی ایسی بات تمھارے سامنے آ گئی ہے جسے وہ ہر قیمت پر پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ تم اس بات کو فراموش کر بیٹھی ہو۔"

"وہاں جو کچھ ہوا، وہ میں من و عن دُہرا چکی ہوں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "معمولی انٹرویو سے ہٹ کر کوئی ایسی بات یا چیز نہیں تھی جس پر میری توجہ مبذول ہوتی۔ ہاں! آپ یہ بھی تو کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ ہیروئن کے علاوہ کسی اور دھندے میں بھی ملوث ہیں، اس کی کیا وجہ تھی؟"

"ان جیسے ذہین لوگ بہت کم دشواریاں مول لیے بغیر اپنا ہیروئن کا کام جاری رکھ سکتے ہیں لیکن ان کے گورکھ دھندے بہت پیچیدہ ہیں۔ بحری مواصلات اور جدید ترین لاسلکی رابطوں سے کوئی اور ہی کام لے رہے ہیں۔"

"یعنی ہیروئن کا بکھیڑا محض توجہ دوسری طرف مبذول کرائے رکھنے کے لیے ہے؟"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ منشیات کی عام تجارت کے ذریعے کسی اور مقصد کے لیے سرمایہ حاصل کیا جا رہا ہو۔ موجودہ دور میں یہ پیسہ کمانے کا سہل ترین ذریعہ ہے۔"

"اور اس کی پشت پر شوگر کوئین کا دماغ کام کر رہا ہے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"شوگر کوئین کی حیثیت میں ڈیرا لائیڈ بہت اہم مقام رکھتی ہے لیکن میرے ذہن میں جمی لائیڈ کا نام کھٹک رہا ہے۔ اسے ویڈ نے میرے لیے شجرِ ممنوعہ قرار دیا ہے جب کہ وہ لائیڈز کالج کے



تنظیم کا تعلق محدود پیمانے پر تسلیم کرتی ہے لیکن اس کا اصرار ہے کہ وہاں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا۔ مجھے تو یوں معلوم ہو رہا ہے کہ میرا ہاتھ آتے آتے ڈور پھر اُلجھ گئی ہے۔"

"لائیڈز کالج کے قرب و جوار میں آپ کے اور سلطان شاہ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اتفاق تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

میں نے دانستہ یہ سوال نہیں چھیڑا کیونکہ اس سے اُلجھن نہیں چاہ رہا تھا۔ "بات پھر وہیں آ جاتی ہے کہ تم ان کے لیے کیوں اتنی اہمیت اختیار کر گئی ہو۔"

"شاید آنے والے حالات ہی اس پہلو پر کچھ روشنی ڈال سکیں گے۔" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

میرا تکان سے جوڑ جوڑ ہل گیا تھا اور میں اب کچھ دیر آرام کر کے خود کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کے لیے تیار کرنا چاہتا تھا۔

پچھلی رات کے واقعات پر شہر میں زبردست سنسنی پھیل گئی تھی۔

تصادم اتنی رات گئے ہوا تھا کہ صبح کے اخبارات میں اس کے بارے میں ایک سطر بھی شامل نہ ہو سکی تھی لیکن گیارہ بجے سے پہلے چنگھاڑتی ہوئی سُرخیوں والے تین اخباری ضمیموں نے شہر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ جیوا ہاؤز میں ہونے والی خوفناک آتش زدگی کے پس منظر میں کھنڈرات میں ہونے والا بدترین تصادم شاید شہر میں رُونما ہونے والے جرائم میں ایک نیا موڑ ثابت ہوا تھا۔ پولیس نے جائے واردات سے سات لاشیں برآمد کی تھیں جن میں سے چھ اسٹین گنوں کے فائر سے چھلنی پائی گئی تھیں۔ ساتویں لاش کھنڈرات کے ایک اندرونی حصے سے ملی تھی۔ مرنے والا سیاہ نقاب پہنے ہوئے تھا اور اسے دل پر پستول سے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔

پولیس کے محکمے نے اپنے اہلکاروں کی غفلت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن اخباری نمائندوں نے کھوج نکال ہی لیا تھا کہ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات پر مامور دونوں سپاہی تصادم سے پہلے ہی شراب کے نشے میں دُھت ہو کر اپنی سُدھ بُدھ سے محروم ہو چکے تھے۔ تصادم کے بعد آنے والی پولیس پارٹی نے ان دونوں کو اسٹریچروں پر اسپتال منتقل کیا تھا۔

شہری حلقوں کے لیے حیرتناک بات یہ تھی کہ کھنڈرات میں کسی خوفناک جنگی محاذ کا سماں پیدا کرنے والے حریفوں نے فرار ہوتے ہوئے وہاں ایک بھی زندہ نہیں چھوڑا تھا جو اس وقوعے پر روشنی ڈال سکتا۔ اس بارے میں نہایت مضحکہ خیز حاشیہ آرائیاں بھی کی گئی تھیں۔ ایک منطق یہ ایجاد کی گئی کہ اگر وہ دو مخالف گروہوں کا تصادم ہوتا تو شہر کے کسی بھی علاقے میں رُونما ہو سکتا تھا۔ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں محاذ آرائی سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں کوئی خزانہ یا بہت ہی اہم چیز پوشیدہ تھی جسے دونوں حریف اپنے اپنے طور پر تلاش کر رہے تھے۔ اور وقوعے والی شب اتفاق سے دونوں ہی وہاں یکجا ہو گئے اور ٹکراؤ کی بھاری جانی قیمت ادا کر کے ناکام فرار ہو گئے۔

بظاہر اس دلیل میں خاصا وزن تھا اور پولیس کی ایک تفتیشی جماعت کے اراکین ان کھنڈرات کے چپے چپے پر بہت احتیاط سے کام کر رہے تھے۔ ایک لاش نے معاملے کو ڈرامائی رنگ دے دیا تھا اور قیاس کیا جا رہا تھا کہ وہ ایک گروہ کا سرغنہ تھا اور کامیابی کے قریب تھا کہ اسے مار دیا گیا۔ اس اعتبار سے وہ سوختہ ہال اہمیت اختیار کر گیا تھا جہاں اس نقاب پوش کی لاش پائی گئی تھی۔ خیال کیا جا رہا تھا کہ کھنڈرات میں جو کچھ تھا، اسی ہال میں تھا۔

مرنے والوں میں ایک ڈو کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔ دو شہر کے بدنام غنڈے تھے جن کے بارے میں باور کیا جاتا تھا کہ وہ اُجرتی قاتل ہیں اور معقول معاوضے پر انسانی لہو کی ہولی کھیلنے کے ماہر ہیں۔ وہ دونوں مجموعی طور پر قتل کے تیرہ مقدموں میں ماخوذ تھے جن میں سے گیارہ میں وہ عدم ثبوت کی بنا پر بری ہو چکے تھے۔ دونوں کے خلاف ایک ایک مقدمہ مقامی عدالتوں میں زیرِ سماعت تھا۔ اخباری تبصروں کے مطابق جو قاتل عمر بھر دنیاوی قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے، آخرکار... مکافاتِ عمل سے نہ بچ سکے۔ بقیہ چار شہر کے معروف منشیات فروش تھے جن میں موتی دادا کا نام سرِفہرست تھا۔ ان چاروں کے بارے میں ایک مشترکہ نکتہ یہ تھا کہ منشیات فروشی میں ملوث ہونے کے باوجود پولیس کے ریکارڈ پر اُن میں سے کسی کا نام نہیں تھا۔ اسی بنا پر انھیں شاطر اور چالاک قرار دیا گیا تھا لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اپنے ناموں کو ریکارڈ سے دور رکھنے کے لیے وہ خطیر رقوم ادا کرتے تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ اس اجتماع میں کم از کم پندرہ شرکاء ضرور موجود رہے ہوں گے۔ اس اعتبار سے سات کا مار لیا جانا بڑی کامیابی کے مترادف تھا۔ مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ مرنے والوں میں موتی دادا کا نام بھی شامل تھا جس نے یونیورسٹی کے طالب علم حامد کو اپنے غیر مرئی شکنجے میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا اور وہ اپنی عارضی مالی ضروریات پوری کرنے کے بعد بھی ہیروئن فروشی جاری رکھنے پر مجبور تھا۔

حامد نے میرے لیے اس بار ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا تھا۔ اگر وہ مجھے جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں ہونے والے اجتماع کی اطلاع

نہ فراہم کرتا تو میرے لیے پچھلی رات اہم ترین کارروائی کرنا ناممکن ہوتی۔ شوگر کوئین اس اجتماع میں اسے ٹو کو ٹھکانے لگا کر اپنی مرضی کے کسی آدمی کو سربراہ مقرر کرتی اور میرے فرشتوں کو بھی تنظیم میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا علم نہ ہو پاتا۔ اجتماع کے بعد شاید ٹو کی لاش ٹھکانے لگا دی جاتی اور میں ٹو کی تلاش میں سرگرداں کسی بھی مرحلے پر نئے سربراہ کے حواریوں کے چنگل میں آجاتا۔

درحقیقت اس رات ہونے والی بڑی کارروائی کا پسِ پردہ ہیرو حامد ہی تھا اور وہ اس انعام کا مستحق تھا کہ اسے ہیروئن بیچنے کے ناپسندیدہ کام سے چھٹکارا دلایا جائے۔ یہ اس کے مستقبل کا کیس تو وہ اپنے ساتھیوں کو اخباری اطلاعات کی روشنی میں اپنی مجبوری سمجھا سکتا تھا۔ مجھے موتی دادا کا نام مقتولین کی فہرست میں دیکھ کر شاید پہلی بار کسی کے مرنے پر خوشی ہوئی تھی۔

اور وہ عبرتناک موت ایک منشیات فروش کی موت تھی۔

"ایک پیالی چائے پر ہم ضرورت سے زیادہ وقت گزار چکے ہیں۔" سلطان شاہ کی سرگوشیانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے ہاتھ میں تھاما ہوا اخبار ایک طرف ڈال دیا، اور اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "یہ فائیو نہ سہی تو کم از کم فور اسٹار ہوٹل ضرور ہے اور یہاں ایک پیالی چائے کے کم از کم اتنے پیسے وصول کیے جاتے ہیں کہ ہم سارا دن بھی بیٹھ سکتے ہیں پھر چائے پر ایکسائز ڈیوٹی بھی ادا کرنا پڑتی ہے۔ غنیمت ہے کہ وقت گزاری پر کوئی محصول عائد نہیں ہے۔"

سلطان شاہ کی اکتاہٹ کسی حد تک بجا تھی کیونکہ چند گھنٹوں کی نیند کے بعد میں بیدار ہوا تو پہلی خوش خبری یہ سننے میں آئی کہ شہر میں پارک کی ہوئی کرنل کی کار کا پولیس نے سراغ لگا لیا تھا اور پانچ سو روپے پر سودا ہونے کے بعد تھانے ہی سے کار فی الفور کرنل کے حوالے کر دی گئی تھی اور وہ رشوت دے کر طویل عدالتی بکھیڑوں سے بچ جانے پر بے حد مسرور تھا۔

وہ خوشخبری سننے کے بعد میرے پاس مصروف رہنے کے لیے کچھ بھی نہ رہا تھا۔ گھر پھونک دیا گیا تھا، فیکٹری جلا دی گئی تھی، اسے لوٹ چکا تھا، ویرلائیڈ لاپتا تھی۔ جہانگیر سلمیٰ سمیت اپنے گھر لوٹ چکا تھا اور کرنل کی کار مل جانے کے بعد تھانے والوں کے ساتھ کسی قسم کی نشستِ سخن جاری رکھنے کا امکان نہیں رہا تھا لہٰذا کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ویرلائیڈ غیر معینہ مدت تک شہر میں مقیم نہ رہ سکے گی اور وہ چاہے گی کہ شہر چھوڑنے سے پہلے میرے مسئلے کا بھی کوئی حل نکال لے۔ اس نے مجھے البرٹ کی قیام گاہ پر قید کرنا چاہا لیکن میں وہاں سے نکل بھاگا تھا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ میں شہر میں کہاں مقیم تھا۔ لہٰذا قوی امکان اس بات کا تھا کہ اس کے آدمی شہر میں میری تلاش میں بھٹک رہے ہوں۔

اس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بہترین صورت یہی تھی کہ میں اپنا وقت گھر پر محدود رہنے کے بجائے شہر کے بارونق مقامات پر گزارتا اور ویرا کے آدمیوں سے ٹکراؤ کے لیے تیار رہتا۔ اسی حکمتِ عملی کے تحت دوپہر کے کھانے کے بعد میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر گھر سے نکل پڑا تھا اور آوارہ گردی کے تیسرے وقفے میں تیسری بار اس تیسرے ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔

میرے پروگرام سے واقف ہوتے ہی سلطان شاہ نے ویرلائیڈ تک رسائی کا ایک سہل ذریعہ تجویز کیا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ مجھے اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے براہِ راست البرٹ کی قیام گاہ پر دستک دینا چاہیے، وہ بڑی خوشی کے ساتھ مجھے پکڑ کر شوگر کوئین کے حضور پیش کر دے گا لیکن میرے لیے وہ طریقۂ کار اپنے ہاتھ پیر کٹوا لینے کے مترادف ہوتا۔ البرٹ یا اس کے کسی آدمی سے سامنا ہونے کے بعد میرے لیے کچھ کرنا ناممکن ہو جاتا جب کہ باہر ویرا کے کسی آدمی سے سامنا ہونے کے بعد میں اندازے قائم کر کے کوئی محفوظ حکمتِ عملی مرتب کر سکتا تھا اور اس نکتۂ نظر سے سلطان شاہ نے بھی اتفاق کر لیا تھا۔

"آج کل اخباروں میں اس ایکسائز ڈیوٹی کا بڑا چرچا ہے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔ "ہوٹلوں کے مالک بلاوجہ شور مچاتے رہتے ہیں۔ اس درجے کے ہوٹلوں میں آنے والوں کو تو احساس بھی نہ ہوتا ہو گا کہ وہ کس مد میں کتنا ادا کر رہے ہیں۔"

"شاید شور مچانے والے سفید پوش ہوٹل ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جن کا کوئی اسٹار نہیں لیکن ڈیوٹی نافذ ہے..... ایک ہوٹل پر جب بھی ایکسائز انسپکٹر جاتا ہے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود آٹھ دس بلیر مسلم پارسل کرا کے جاتا ہے۔"

"کراچی آنے سے پہلے میں نے بھی بڑی کوشش کی تھی کہ آبکاری میں سپاہی ہی بھرتی ہو جاؤں۔ روا کے نیارے ہو جاتے لیکن سفارش تلاش نہ کر سکا۔ جو ہمارے سفارش کرنے والے تھے آجکل وہ خود عتاب میں ہیں۔" اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"آبکاری صوبائی محکمہ ہے برخوردار!" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "ہوٹل والوں پر سنٹرل ایکسائز کے شاہوں کی مار پڑ رہی ہے۔ جو پیشہ ورانہ طور پر ہر ایک کو چور گردانتے ہیں بجز یہ کہ وہ اس کے برعکس ثابت کر دے۔"

"اس حمام میں تو سبھی ننگے ہیں۔" وہ بیزاری کے عالم میں بولا۔ "سب کو دفع کرو اور یہ بتاؤ کہ وہ غنی رام کا معاملہ حل ہوا یا نہیں؟"



"بچھ پتے ہی نہ پڑ سکا اخبار میں جو خبر شائع ہوئی تھی۔"

"زیادہ پڑھے لکھے ہونا! اس لیے اخبار دیکھتے ہی سرخیاں سونگھ لیتے ہو شاید کم پڑھتے ہو۔ پورا اخبار چاٹ جاتا ہوں۔ ساتویں صفحے پر ایک چھوٹی سی خبر تھی کل شام روہڑی ریلوے اسٹیشن پر میل ٹرین کی ایک بوگی سے ایک ایسا بے نام و نشان صندوق برآمد کیا ہے جس کا کوئی دعویدار نہ مل سکا۔ صندوق ریلوے مجسٹریٹ کی موجودگی میں سربمہر کر کے پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔"

"یقیناً یہی وہ خبر ہے۔" میں نے پُرمسرت لہجے میں بولا۔ "اب سمجھ میں آیا کہ غنی رام سے کیا غلطی ہوئی ہے۔"

"ہرج نہ ہو تو میری معلومات میں بھی اضافہ کرتے چلو۔"

"اس صندوق میں ہیروئن کی بڑی کھیپ آتی ہے۔ ایک بار میرا بھی اس سے واسطہ پڑا تھا۔ خطرناک بات یہ ہے کہ رازداری کی وجہ سے ان لوگوں کی فہرست بھی مال کے ساتھ ہی مہیا کی جاتی ہے جنھیں وہ دیا جانا ہوتا ہے۔ ان ہی کاغذات میں منزلِ مقصود کی نشاندہی اور ڈلیوری کو ڈھنگ ہوتا ہے۔"

"یہ تو بہت ہی غیر محفوظ اور احمقانہ طریقۂ کار ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"پہلے مال مقامی طور پر فراہم کیا جاتا تھا لیکن شکایات ملیں کہ ملاوٹ ہوتی ہے اب خریدار تھیلیوں پر لیبارٹری کی مہر دیکھ کر مال لیتے ہیں جس پر خاصا پریمیم ملتا ہے۔ یہ مال براہِ راست آتا ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "دوسری معلومات ایک طے شدہ انداز میں اس قدر بے ربط اور مہمل ہوتی ہیں کہ ایک اجنبی لاکھ سر کھپاتا رہے لیکن کچھ نہ سمجھ سکے گا۔"

"پھر تو اس قدر خوف و ہراس مضحکہ خیز نظر آتا ہے۔"

"یہ لوگ ہر مرحلے پر پیسہ پانی کی طرح بہاتے ہیں اس کے باوجود کبھی کبھار مال پکڑا جائے تو پہلا شبہ یہی ہوتا ہے کہ کسی نے مخبری نہ کی ہو اور جو مخبری کر سکتا ہے وہ طریقۂ کار بھی سمجھا سکتا ہے۔"

"تو یہ گورکھ دھندا بھی مقامی سربراہ ہی چلاتا ہے؟"

"مقامی سربراہ صرف مال وصول کر کے متعلقہ آدمی تک پہنچاتا ہے میری آخری اطلاع کے مطابق یہ شعبہ قاسم کے ذمے تھا۔ میں نے تو بس ایک بار حامد کے چند دوستوں کو کیریئر بنایا تھا جن میں سے دو کا حشر تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ یہ لوگ نجانے کن کن راستوں اور طریقوں سے اس دھندے کو بڑھاتے ہیں۔"

چند منٹ بعد ہم دونوں بل ادا کر کے وہاں سے اٹھ گئے۔

"کراچی انسانوں کا ایک سمندر ہے۔" باہر آ کر سلطان شاہ نے کہا۔ "یہاں کسی کو نام و نشان کے بغیر بازاروں میں ڈھونڈ نکالنا ناممکنات میں سے ہے، ہو سکتا ہے کہ تمہارا مفروضہ بے" سے بنیاد ہو اور ہم بلاوجہ اپنا وقت اور پیسا برباد کرتے پھر رہے ہوں۔"

اس کی زبان سے پیسے کا ذکر سن کر میرے دل میں ایک ڈنک سا اتر گیا۔ "پیسے کا خیال کیوں آ گیا تمھیں؟"

"اور ہو..... بس ایسے ہی۔" اس نے بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے بات ٹالنا چاہی۔

"جواب دو ورنہ ہمارے راستے جدا ہو سکتے ہیں سلطان شاہ!" میں یک بیک جذباتی ہو گیا۔

اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے حیرت سے میری آنکھوں میں دیکھا پھر ندامت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔ "مجھے نہیں تو پھر کسے خیال ہو گا ان باتوں کا۔ یہ ساری جنگ تم اپنے وسائل سے لڑ رہے ہو، گھر جل گیا، فیکٹری بھی تباہ ہو گئی۔ آمدنی کے بغیر اگر بے تحاشا اخراجات ہوتے رہیں تو ایک دن قارون کا خزانہ بھی خالی ہو جائے گا۔"

اس کے جواب سے میرے دل پر سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ میرے اور میرے وسائل کے بارے میں اس کی سوچ ہمدردانہ تھی جس میں طنز یا تضحیک کا شائبہ تک نہ تھا۔

"ابھی اتنی مفلسی نہیں آئی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بہت کچھ جل گیا لیکن پھر بھی میرا بینک بیلنس ہے، مکان کے انشورنس کے پیسے ملنے والے ہیں پھر میرے پاس تھا ہی کیا؟ میں نے سب کچھ اسی کھیل میں کمایا اور بنایا ہے اگر اس لڑائی میں میرا سب کچھ بھی خرچ ہو جائے تو ذرا بھی قلق نہ ہو گا۔"

وہ کچھ نہ بولا البتہ اپنا سر جھکائے وہ نادم سا نظر آ رہا تھا۔

ابھی ہم پارکنگ لاٹ میں اپنی کار سے ذرا دور ہی تھے کہ اچانک پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ سر گھما کر دیکھا تو ہوٹل کا ایک باوردی سروس بوائے ہماری طرف لپکا چلا آ رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں وہیں تھم گیا۔

"یہ لفافہ!" قریب آ کر اس نے ہانپتے ہوئے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا ایک سفید لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔ "آپ کے لیے ہے۔"

"کس نے دیا ہے؟" میں نے لفافہ لیتے ہوئے اسے گھور کر پوچھا۔

"وہ!" اس نے پلٹ کر کسی کی نشاندہی کرنا چاہی پھر میدان صاف پا کر سٹپٹا گیا۔ "بادامی رنگ کی داڑھی والے ایک صاحب نے برآمدے کے نکڑ پر مجھے دیا تھا۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اور آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ لفافہ آپ کو دے دوں۔"

"اب اگر اس میں سے کوئی خطرناک چیز برآمد ہوئی تو؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں

بولا۔ ”یہ مجھے واپس کر دیں میں اسے تلف کر دوں گا۔ دس روپے کی ٹپ نے مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ دیا۔ کچھ ہو گیا تو مجھ غریب کی نوکری جاتی رہے گی۔“

”بھاگ جاؤ۔“ میں نے لفافہ سمیٹتے ہوئے غرا کر کہا اور کار کی طرف بڑھ گیا۔

”لفافہ بھیجنے والا کون ہو سکتا ہے؟“ سلطان شاہ تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

”شاید ہماری بھاگ دوڑ رائیگاں نہیں گئی ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یقیناً ان ہی میں سے کوئی رہا ہوگا۔ تم نے دیکھ لیا کہ یہ بکھری ہوئی اور پُرہجوم نظر آنے والی زندگی کتنی محدود ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ ہماری نگرانی ہوتی رہی ہے اور ہمیں شبہ تک نہ ہو سکا۔“ اس کے لہجے میں تشویش کے سائے گہرے ہو گئے۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر لفافہ پھاڑ دیا۔ باہر پیغام نہ پڑھنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اگر لفافہ بھیجنے والا کہیں آڑ میں چھپ کر جائزہ لے رہا ہو تو یہی سمجھے کہ میں نے اس حرکت کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

ہوٹل ہی کے پیڈ پر لکھا ہوا ایک مختصر سا پیغام لفافے سے برآمد ہوا تھا۔

”تمھاری نگرانی ہو رہی ہے۔ مجھ سے دس منٹ کے
اندر اندر فون نمبر ۰۱۲۱۳۴ پر رابطہ قائم کرو۔
وی۔ ایل کمرہ نمبر ۱۲۲“

میں نے ایک گہرا سانس لے کر وہ رقعہ سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔ جو قلم سے عجلت میں انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ شاید بادامی داڑھی والے نے ہمیں دیکھتے ہی ویرا لائیڈ کو مطلع کیا تھا اور پھر اسی کی ہدایت کے مطابق وہ پیغام مجھ تک پہنچوا دیا تھا۔

”کیا لکھا ہے؟“ سلطان شاہ کے سوال نے مجھے یاد دلایا کہ وہ انگریزی سے تقریباً نابلد ہی ہے۔

”دس منٹ میں ویرا کو فون کرنا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”وہ اس وقت شاید کسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔“

”تو چلو۔ یہیں سے کیے لیتے ہیں۔“

”میں داڑھی والے کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اندر لوٹے تو اُسے چھپنے کا موقع مل جائے گا۔ اس وقت بھی وہ قریب ہی کہیں منڈلا رہا ہوگا۔“ میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا اور کار پارکنگ لاٹ سے باہر نکال لی۔

”تم اسی علاقے کے کیوں نہ ایکسچینج سے پتا معلوم کر کے ویرا کے کمرے پر دھاوا ہی بول دیں۔“ اس نے تجویز پیش کی۔

”اس پر ہاتھ ڈالنا اس قدر آسان ہوتا تو وہ یوں اعتماد کے ساتھ اپنا فون نمبر نہ دیتی۔ اس کے گرد خاصا مضبوط حفاظتی حصار ہوگا۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ مجھ سے بات ہوتے ہی وہ اپنا ٹھکانا تبدیل کرے گی۔“

سڑک پر نکلتے ہی مجھے عقب نما آئینے میں فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی ہوئی گاڑیوں کی اوٹ سے ایک موٹر سائیکل نکلتی ہوئی نظر آئی جس پر بادامی رنگ کی فرنچ کٹ داڑھی والا ایک تنومند شخص دھوپ کا چشمہ لگائے سوار تھا۔

”وہ سیاہ موٹر سائیکل پر پیچھے آ رہا ہے۔“ میں نے گاڑی ایک موڑ پر لاتے ہوئے کہا۔ ”میں کوشش کروں گا کہ کسی سگنل پر سُرخ بتی کا سامنا ہو جائے۔ تمھیں پھرتی سے اتر کر نہایت بے رحمی کے ساتھ اس کی ٹھکائی کرنا ہے لیکن بھیڑ لگنے سے پہلے ہی وہاں سے کھسک لینا۔ سگنل سبز ہو بھی گیا تو میں چوراہا عبور کر کے تمھارا انتظار کروں گا۔“

سلطان شاہ کا چہرہ کِھل اٹھا جیسے اُسے کسی من پسند کھیل کی اجازت مل گئی ہو۔

پہلا سگنل سبز ملا۔ دوسرا بھی دُور ہی سے سبز نظر آ رہا تھا۔ میں نے کار قدرے بائیں طرف لے کر رفتار سست کر دی تاکہ پچھلی گاڑیاں آگے نکل سکیں اور جب میں دوسرے سگنل کے قریب پہنچا تو سبز بتی بجھ چکی تھی۔ عقب نما آئینے میں داڑھی والا تین گاڑیوں کے بعد نظر آ رہا تھا۔

سلطان شاہ کسی چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ نیچے اُتر گیا۔ درمیان میں کئی گاڑیاں حائل ہونے کی وجہ سے تعاقب کرنے والے کو اس خطرناک کارروائی کا احساس تک نہ ہو سکا۔

میں دلچسپی کے ساتھ عقب نما آئینے میں دیکھتا رہا۔ سلطان شاہ اچانک ہی آئینے پر نمودار ہوا پھر اس کا بھرپور گھونسا داڑھی والے کے جبڑے پر پڑا تھا اور وہ اچھل کر موٹر سائیکل سے گرتا نظر آیا۔ اس کے بعد میرا محبوب منظر آئینے سے غائب ہو گیا لیکن سلطان شاہ کے پہلے گھونسے میں پنہاں وحشیانہ قوت کے اثرات دیکھ کر مجھے پورا یقین تھا کہ سلطان شاہ اپنے تنومند حریف کو حواس یکجا کرنے کا موقع دیے بغیر بآسانی اس کا چہرہ لہولہان کر دے گا۔

فٹ پاتھوں پر ہلچل سی پیدا ہو چکی تھی۔ چلنے والے رُک رُک کر اسی طرف دیکھ رہے تھے جدھر جھگڑا ہو رہا تھا۔ زیادہ تجسس طبیعت رکھنے والے اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اسی اثنا میں سگنل سبز ہو گیا اور میں نے انتہائی بائیں طرف دباتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

”شاباش!“ میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ”تمھارا پہلا مُکا عقب نما آئینے میں نظر آیا تھا۔ اس پر تو چودہ طبق روشن ہو گئے ہوں گے۔“

”شاید جبڑے کی ہڈی نے بھی جگہ چھوڑ دی ہو گی حرامزادے کی۔“ وہ جوشیلے لہجے میں بولا۔ ”برابر والی کار میں سوار لڑکیوں کو دیکھ کر جیسے مُرلی میں سیٹی بجا رہا تھا کہ میں اس پر ٹوٹ پڑا۔ وہ تو بس مدافعت ہی کرتا رہ گیا اور اب وہاں خون میں نہایا ہوا شاید بے ہوش پڑا ہوگا۔ اس کی حماقت سے ایک ضرب کنپٹی پر بھی پڑ گئی تھی۔“

”یہ اور بھی اچھا ہوا۔ اب ویرا سے بات کرنے میں مزہ آئے گا۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔ ”اسے اندازہ ہونا چاہیے کہ میں بھی بالکل بودا نہیں ہوں۔ کسی حد تک دھمکیوں کا جواب بھی دے سکتا ہوں۔“

سلطان شاہ اپنے ہاتھ صاف کرنے میں مصروف تھا کہ میں نے کار کانٹی نینٹل کے احاطے میں جا روکی۔

”کیا وہ یہاں ٹھہری ہوئی ہے؟“ سلطان شاہ نے چونک کر سوال کیا۔

”یہاں سے ذرا آزادانہ طور پر ویرا سے گفتگو ہو سکے گی۔ دوسری جگہ لوگ متوجہ ہو سکتے ہیں۔ ۔ ۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں کال کر کے واپس آتا ہوں۔“ میں چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ کر اُتر گیا۔

نمبر ملتے ہی ریسیور پر ویرا کی آواز سُن کر میں حیران رہ گیا۔

”تم کس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہو جہاں ہر کمرے میں براہِ راست فون کی سہولت موجود ہے؟“

”میں ہوٹل میں نہیں ہوں۔“ ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔

”پھر وہ کمرہ نمبر ۱۲۲ کیا تھا؟“

”بس ذہنی اُپج کہہ لو میری۔ یہ بھی تمھارا ایک امتحان تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید ہوٹل سمجھ کر فون کرنے کے بجائے خود ہی دوڑ لگا بیٹھو تو آسانی سے ہاتھ آ سکو گے۔ یہاں میں تمھاری منتظر تھی۔“

”آخر یہ امتحان کب تک ہوتے رہیں گے؟“ میں نے احتجاج آمیز لہجے میں سوال کیا۔ ”میں کسی رعایت کا طلبگار نہیں ہوں۔ اگر میں تم لوگوں کے لیے ناقابلِ قبول ہوں تو مجھے دوٹوک جواب دے دو۔“

”اسی لیے تمھاری تلاش جاری تھی۔ آج اس کا بھی فیصلہ ہو جائے گا۔ تم البرٹ کے پوائنٹ پر کس وقت پہنچ سکتے ہو؟“

”مذاکرات نہیں، میں اب فیصلہ سُننا چاہتا ہوں۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”تم دیکھ چکی ہو کہ میں نے پوائنٹ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ تم پورے اعتماد کے ساتھ اسے استعمال کر سکتی ہو۔ غنی رام والا پیغام بھی میں نے ڈی کوڈ کرا لیا تھا لیکن کسی کام میں رخنہ اندازی نہیں کی۔ اب میں اپنا سر اتار کر تو وفاداری کا ثبوت دینے سے رہا۔“

”تم نے عقل مندی سے کام لیا کہ کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی ورنہ جس نے تمھیں پیغام پہنچایا ہے وہی ایک فائر بھی کر سکتا تھا۔“ اس کا لہجہ یک بیک سخت ہو گیا۔

”آخر ایسی کیا مجبوری تھی کہ پھر بھی تم نے دوسرا راستہ اختیار نہ کیا؟“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”ہو سکتا ہے کہ کبھی میرے اور تمھارے درمیان بے تکلفی رہی ہو لیکن مجھ سے برابری کے انداز میں بات کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ نہ بھولو کہ میں تم سے جواب طلبی کا اختیار بھی رکھتی ہوں۔“ اس کی غراہٹ ابھری۔

شاید میرے لب و لہجے نے اُسے ضرورت سے زیادہ مشتعل کر دیا تھا جب کہ میں اس سے مصالحت کے تمام دروازے بند نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا نرمی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ ”میں تمھاری اتھارٹی کو چیلنج نہیں کر رہا لیکن اپنے موجودہ حالات سے بیزار ہو گیا ہوں شاید یہ سب اسی کا ردِعمل ہے۔“

”جن باتوں کو تم اپنی وفاداریوں کے لیے استعمال کر رہے ہو۔ وہ سب تمھارے خلاف جاتی ہیں۔“ اس کی آواز سرد اور سپاٹ تھی۔ ”ضابطوں کے مطابق اپنے دائرہ کار سے تجاوز بغاوت کی تعریف میں آتا ہے اور تمھارے ہر عمل سے اس کی بو آتی ہے۔ تم اپنی طاقت و صلاحیت کا اظہار کر کے خود کو منوانا چاہ رہے ہو جو صرف اور صرف بلیک میلنگ ہے۔ ۔ ۔ اتنے ہی باصلاحیت ہو تو اپنے طور پر زندہ رہنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟“

”کر ہی رہا تھا۔ ۔ ۔ تمھارے سامنے آنے سے حالات میں تبدیلی کا احساس ہوا تو مصالحت کی خواہش پیدا ہو گئی۔ جس لمحے مایوس ہوا دوبارہ اپنی راہ پر ہو لوں گا۔“

”میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا؟“

”کون سا سوال؟“ میرے ذہن پر رفتہ رفتہ جھلاہٹ طاری ہونے لگی تھی۔

”تم پوائنٹ پر کس وقت پہنچ سکتے ہو؟“ ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا گیا۔

”تمھارے غیر یقینی رویے کو دیکھتے ہوئے میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔“

”پھر سوچ لو۔ یہ خیال رہے کہ تم پوائنٹ سے فرار نہیں ہوئے تھے بلکہ فرار کرائے گئے تھے۔ اسی وقت سے ایک ایک لمحہ تمھاری نگرانی ہوتی رہی ہے۔“ اس کی آواز میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اترتی چلی گئی۔

لفظوں سے کھیل کر وہ مجھے جو کچھ جتانا چاہ رہی تھی، وہ فوراً ہی میرے ذہن میں آ گیا تھا۔ اگر وہ سچ بول رہی تھی تو غزالہ کا گھر بھی اس کی نگاہ میں آ چکا تھا۔ میرے انکار کی صورت میں وہ براہِ راست غزالہ پر ہاتھ ڈال سکتی تھی۔

”شام سات بجے۔“ میں اپنی آواز کی کمزوری خود محسوس کر رہا تھا۔

”گڈ۔ تم تنہا اور غیر مسلح آؤ گے۔ میرے آدمی سائے کی طرح تمھارا پیچھا کریں گے۔ تم نے کوئی بھی غلط قدم اٹھانے کی کوشش کی تو نتائج کی ساری ذمے داری تم پر ہو گی۔“

ہ بادامی داڑھی والا ایک سایہ سعد کے بتلاتے ہیں زخمی حالت میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔" اس کی ہرزہ سرائی کے جواب میں میں نے پُرسکون لہجے میں کہہ ہی ڈالا۔

"کیا؟" اس کی آواز سے بے اختیاری اور اشتعال کی کیفیت ہویدا ہونے لگی۔ "تم نے ہاتھ اٹھایا میرے قاصد پر؟"

"تمہارا قاصد ہوٹل کا ایک باوردی سرونٹ بوائے تھا۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی گئی۔"

"سرونٹ بوائے کو استعمال کیا گیا ہوگا۔" دوسری جانب آواز پُرتشویش تھی۔

"یہ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے تو اسے یہ دیکھا کہ وہ میرا پیچھا کر رہا ہے اور اسے گھیر لیا۔ اگر وہ واقعی تمہارا آدمی ہے تو اس کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ پولیس کیس درج کرے۔"

"اور اب تم نے میرے کسی آدمی پر ہاتھ اٹھایا تو میں برداشت نہیں کروں گی۔"

"میں احتیاط کروں گا لیکن یہ بھی سن لو کہ اسے تعاقب کا سلیقہ نہیں ہے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چھپنے کے بجائے نگاہوں میں آ کر مجھے ہراساں کرنا چاہ رہا ہو۔ ایسی صورت میں میرے لیے اس کی ٹھکائی کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔"

"جو کچھ ہوا، میں اب بھی اسے بھلانے پر آمادہ ہوں۔" اس کی آواز نرم پڑ گئی۔ "آج سات بجے ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے میرا جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے وجود میں غبار سا ابھرنے لگا۔ سلسلہ منقطع کر کے غزالہ کا نمبر ملایا تو میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے تاریک گنجان سائے ناچ رہے تھے۔

ریسیور پر غزالہ کی پُرسکون آواز سن کر میری جان میں جان آئی۔ اس سے عمومی انداز میں خیریت دریافت کر کے میں نے فون بند کر دیا اور تیزی سے باہر کی طرف چل دیا۔

سلطان شاہ نے پوری تفصیل بہت صبر اور سکون کے ساتھ سنی تھی اور میرے خاموش ہونے پر بولا۔ "وہ بہت مکار عورت معلوم ہوتی ہے۔ تمہیں دھمکا کر دوبارہ گھیرنے کے چکر میں ہے۔"

"یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"میں پوری طرح چوکنا تھا۔ البرٹ کی قیام گاہ سے ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا جب ہم گزری روڈ پر سواری کے انتظار میں تھے تو آوارہ کتوں کے سوا دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا، نہ ٹیکسی کے پیچھے کوئی اور ٹیکسی یا رکشا موجود تھا۔ آخر اس ویران سڑک پر تعاقب کیسے جاری رکھا گیا ہوگا۔ اس نے سڑک پر دوڑ تو ہرگز نہ لگائی ہوگی۔ اگر اس کے پاس موٹر سائیکل بھی رہی ہو تو یہ ناممکن ہے کہ وہ ہمارے بھٹکنے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے تک اسے ریت، ٹیلوں اور سمندری دلدل میں گھسیٹتا پھرا ہو، اور اس وقت بھی پیچھے کوئی ایسی گاڑی نہیں تھی جس سے ہمارا تعاقب کا شبہ ہو سکے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "تمہارے دلائل سے مجھے خاصا سہارا ملا ہے ورنہ مجھے تو غزالہ کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔"

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ تمہیں مارنے کے بجائے زندہ پکڑوانے کے چکر میں ہے۔" سلطان شاہ چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ اب اس کا اصل نشانہ تمہاری ہی ذات ہو۔"

میں نے کوئی تبصرہ کیے بغیر کار ویران راستوں کی طرف موڑ دی۔

کونے نیز روڈ سے کیماڑی تک میں محتاط ہو کر ڈرائیو کرتا رہا لیکن وہ سائے کہیں نظر نہ آ سکے۔ ان کا مدعا یہی رہا تھا کہ مجھے خوف زدہ کر کے ایسے پوائنٹ پر پہنچنے پر مجبور کر دے جہاں میرے استقبال کے لیے پہلے سے جال تیار ہوتا۔ اور ایک بار مجھے بے دست و پا کر دینے کے بعد وہ اپنے اصل روپ میں سامنے آ جاتی۔

کار غزالہ کے گھر جانے والے راستے پر ڈالتے ہوئے میں دل ہی دل میں تہیہ کر چکا تھا کہ اگر میں ویرا سے وہاں پہنچنے کا وعدہ کر ہی چکا تھا تو مجھے سات بجے لازماً وہاں پہنچنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ایک مرد کا وعدہ تھا۔ پھر یہ میرے اختیار میں ہوتا کہ ویرا سے ملاقات کی اس شام کو بھی اس کے لیے یادگار بنا دوں۔ تنظیم سے ایک مرتبہ بر کٹ جانے کے بعد اب دوبارہ ان کی صفوں میں گھسنے کی امید نہ رہی تھی تو کیوں نہ پرانی روش برقرار رکھتے ہوئے انھیں تباہی سے دوچار کیا جاتا۔

"بہت خاموش ہو۔ کیا سوچ رہے ہو؟" سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔

"ویرا خانم سے ملاقات کا پروگرام طے کر رہا ہوں۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو کیا تم جاؤ گے وہاں؟" اس نے پہلو بدل کر مجھے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "بس دیکھتے جاؤ کہ آج کیا ہوتا ہے۔ یہ دوسری رات بھی آسانی سے نہ بھلائی جا سکے گی۔"

"یہ ارادہ ہے تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن ہو کر بولا اور کار میں خاموشی چھا گئی۔

فضا میں بس انجن کا مسلسل اور یکساں شور باقی رہ گیا تھا اور گاڑی تیزی کے ساتھ غزالہ کے گھر سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔



"آپ ہرگز ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔" غزالہ سخت اور فیصلہ کن لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"میں اپنے معاملات سے تمہیں بالکل ہی لاتعلق تو نہیں رکھ سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس حد تک دخل انداز ہونے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے نرم، ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"آپ اپنی مرضی سے وہاں نہیں جا رہے۔" وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "شوگر کوئین یا ویرا لائیڈ نے آپ کو وہاں بلایا ہے، آپ جس انداز میں اسے زک دے کر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے، اس کے بعد یہ توقع نہ رکھیں کہ وہ پھولوں کے ہار لے کر آپ کا استقبال کرے گی۔"

"سمجھدار ہو کر کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہو؟" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "میں خود بھی اپنے فیصلے کے مضرات سے اچھی طرح آگاہ ہوں لیکن یہ موقع گنوا دیا تو پھر شاید میں اسے ڈھونڈتا ہی رہ جاؤں گا۔ اس کھیل میں ہر موڑ پر نت نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔ پہلے سکندر سب سے بڑا نظر آتا تھا۔ پھر اس کا منصب مجھے سونپا گیا تو البرٹ کسی مطلق العنان حاکم کی حیثیت سے سامنے آیا اور اب وہ بھی بے وقعت ہی نکلا۔ اسے کسی کتے کے پلّے کی طرح بے پروائی سے مار ڈالا گیا، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ شوگر کوئین خود کیا بلا ہے اور اس کا اصل کھیل کیا ہے؟"

"اور آپ کا اکیلے جانے کا ارادہ ہے؟" اس نے قدرے کمزور لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارا مشورہ ہو تو ایک بینڈ پارٹی بھی ساتھ لے جا سکتا ہوں۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"پکڑے گئے۔" سلطان شاہ بے ساختہ دخل انداز ہو بیٹھا۔ وہ عموماً میری اور غزالہ کی گفتگو سے لاتعلق رہنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اس وقت وہ جس اضطراری انداز میں بولا تھا، اس پر میں حیران رہ گیا تھا۔ اپنی اور غزالہ کی بحث بھول کر میں نے غصیلے انداز میں اسے گھورا لیکن وہ سرے سے میری طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔ اس وقت اس کی ساری توجہ غزالہ پر مرکوز تھی جو اس کی آواز سنتے ہی یوں ہمہ تن گوش ہو گئی تھی جیسے وہ کوئی تحیر خیز انکشاف کرنے والا ہو۔

"آخر دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔" وہ اپنی دھن میں غزالہ سے مخاطب ہو کر بکے جا رہا تھا۔ "بینڈ باجا لے کر یہاں آنے کے بجائے وہاں جاؤ گے، اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟ وہ تو غنڈی ہے غنڈی۔ آزاد علاقے میں ہوتی تو ہم لوگ اسے اتنی احتیاط سے مارتے کہ بدن پر کہیں زخم نہ آتا، پھر ممی بنا کر دوسروں کی عبرت کے لیے کہیں سجا دیتے۔"

"اپنے بچوں کی ممی کو یوں سرِعام سجاتے ہوئے شرم بھی نہ آتی تم کو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

میرے جوابی وار پر وہ بوکھلا گیا۔ سارا جوش پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ گیا۔ چہرے کے تاثرات سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے گہری نیند میں اس پر ٹھنڈے پانی کی بھری ہوئی بالٹی انڈیل دی ہو۔

"وہ... وہ شاید کچھ گڑبڑ ہو گیا۔" وہ بے بسی کے ساتھ ہکلاتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "ممی نہیں... میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا، میرے گھر والے تو سفید نسل کی بہو کو دیکھتے ہی مجھے گولی مار دیں گے، میرا مطلب تو وہ تھا... وہی... یعنی وہ جو مُردوں کی بنائی جاتی ہے۔"

"قبر اور سادھی کے علاوہ کوئی اور لفظ میرے علم میں نہیں ہے، تم نے ایجاد کر لیا ہو تو اور بات ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے لیے مضحکانہ لہجے میں کہا۔

"صحیح تو کہہ رہا ہے۔" غزالہ زیرِلب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "آپ بلاوجہ کیوں بوکھلا رہے ہیں اسے؟"

"تم کہو تو ابھی بینڈ باجا لے آؤں، سواری میں گدھے سے ہاتھی تک، جو جانور پسند ہو اسی پر سج کر آؤں گا۔" میں نے شوخ اور جارحانہ لہجے میں کہا اور وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ اس وقت میں خود بھی اس کی مداخلت سے جان چھڑانا چاہ رہا تھا کیونکہ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ وہ ہر قیمت پر مجھے شوگر کوئین کی طرف جانے سے روکنا چاہتی تھی جب کہ میں اس قتالۂ عالم سے مڈبھیڑ کا کوئی موقع ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک مرتبہ اس کا سراغ کھو کر دوبارہ اسے تلاش کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آ سکتا تھا کیونکہ بھاری کشت و خون کے بعد تنظیم میں بڑے پیمانے پر تبدیلیوں کا امکان تھا۔ ایسی صورت میں لے دے کر بس ایک لائیڈز کا نج ہی کا نام رہ جاتا تھا۔ جدھر کا رخ کرنے کے بعد زندہ سلامت واپسی مقدر ہی کے طفیل ہو سکتی تھی بلکہ وہ لوگ اپنے رازوں کی حفاظت کے لیے کسی بھی مداخلت کار کو نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کر دینے پر قادر تھے۔ پچھلے تجربات سے یہی ثابت ہوا تھا کہ ان معاملات میں لائیڈز کا نج کا محلِ وقوع بہت اہم تھا۔ عمارت سے تعلق نہ رکھنے والا شخص ایک بار تو بھولے بھٹکے ادھر سے گزر سکتا تھا لیکن اگر

رُخِ زیبا کو دوسری بار ان اطراف میں بھٹکتے دیکھ کر عمارت کے بے رحم اور سفاک محافظ کسی نہ کسی طرح بازپرس کا آغاز کر دیتے تھے جس کا معقول جواب نہ ملنے پر رُخِ زیبا کو پیوندِ خاک کر ڈالنے کے جملہ امکانات موجود رہتے تھے۔

غزالہ کے چلے جانے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر اسی اُدھیڑبُن میں مبتلا تھا کہ سلمٰی مجھے تلاش کرتی ہوئی وہاں آنکلی۔ شاید سلطان شاہ کو نگاہیں پہچاننے میں ملکہ حاصل ہو چلا تھا کیونکہ سلمٰی کی نگاہوں میں اپنائیت سے لبریز شکوہ رچا ہوا تھا جسے محسوس کرتے ہی وہ کمرے سے اتنی پھرتی کے ساتھ نکلا تھا کہ مجھے اس کو روکنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" سلمٰی تخلیہ میسر آتے ہی... سوال کرتے ہوئے میرے برابر والے صوفے پر آبیٹھی۔ لہجہ ایسا تھا جیسے مجھے اپنا محکوم یا فرمانبردار گردانتی ہو۔

"کیا ہو رہا ہے؟" میں نے فضا میں دھوئیں کے مرغولے چھوڑتے ہوئے انجان بن کر جوابی سوال کر ڈالا۔

"جہانگیر بری طرح زخمی ہے... یہ بات تم سے پوشیدہ تو نہ ہوگی؟" اس نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"زخمی ضرور ہے لیکن بری طرح نہیں۔" میں نے اسی شانِ بے نیازی کے ساتھ کہا۔ "جو کچھ ہو رہا ہے، تم اس سے کسی حد تک باخبر ہو ہی چکی ہو، جو زخمی نقاب پوش رات کی تاریکی میں اپنے زخموں کی ڈریسنگ کرانے تمہاری خوابگاہ میں آیا تھا، اس کے آدمیوں نے اپنے سربراہ کا انتقام لے لیا ہے۔"

"گھر سے تو تم لوگ ایک ساتھ ہی نکلے تھے۔" اس کا استفسار طلب لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"شاید تم یہ پوچھنا چاہتی ہو کہ جب ہم ساتھ نکلے تھے تو صرف وہی کیوں زخمی ہوا؟ میں کیسے صحیح سلامت لوٹ آیا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

میرے انداز پر وہ جھلاّ گئی۔ "صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم ساتھ تھے تو تمہیں بھی معلوم ہوگا کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا؟"

فوراً ہی میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اپنے زخمی ہونے کے بارے میں جہانگیر نے یقیناً کوئی نہ کوئی کہانی تراشی ہوگی لیکن وہ سلمٰی کو مطمئن نہ کر سکا، اسی وجہ سے وہ اب مجھ سے آبھڑی تھی تاکہ ہم دونوں کی کہانیوں میں تضاد تلاش کر کے اُس کے سر پر سوار ہو سکے۔

"ہم یہاں سے ساتھ ضرور گئے تھے لیکن پھر ہمارے راستے جدا ہو گئے تھے، اتنا معلوم ہے کہ وہ ان ہی لوگوں میں گھر گیا تھا لیکن تفصیل ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی۔"

"میں اب سنجیدگی کے ساتھ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔" وہ چند ثانیوں تک مجھے غصیلی نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد تلخ لہجے میں بولی۔

"بلند آواز میں سوچو گی تو میں بھی کوئی مناسب مشورہ دے سکوں گا۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔

"پہلے میں تم دونوں کو الگ سمجھتی رہی تھی لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ تم دونوں ایک ہی ہو۔" وہ پیر پٹخ کر کھڑی ہو گئی۔

"ایک ہو ہی نہیں سکتے، وہ تمہارا شوہر ہے اور میں محض اس کا ایک دوست۔" یہ کہتے کہتے میں نے اچانک رازدارانہ لہجہ اختیار کر لیا۔ "اس کے سامنے نہ کہہ بیٹھنا، بری طرح بھڑک جائے گا۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرے مصالحانہ رویے کے باوجود وہ ہر بات مجھ سے کیوں چھپاتا ہے؟" وہ ایک گہرا سانس لے کر دوبارہ صوفے پر گرتے ہوئے بولی۔

"یہ خوش فہمی ہے تمہاری، تمہارا رویہ مصالحانہ ہوتا تو اس کی کہانی پر بلاکم وکاست یقین کر لیتیں، اس کے بیان کی تصدیق کے لیے میرے پاس نہ دوڑی آتیں، دو چار بار اسے ڈھیل دو گی تو خود ہی نادم ہو کر راہِ راست پر آجائے گا۔"

"اس کی چمڑی بہت موٹی ہے، وہ اتنی آسانی سے راہِ راست پر نہ آئے گا۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی جیسے اب جہانگیر کا ذکر ہی ختم کر دینا چاہتی ہو پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔ "ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ بھی کہہ ڈالو لیکن ذرا فاصلہ برقرار رکھو، غزالہ نے دیکھ لیا تو مجھ سے بدظن ہو جائے گی۔"

اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے میرے ہاتھ پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ "کل رات میں بے تابی کے ساتھ تم لوگوں کی واپسی کی منتظر تھی لیکن دودھ پیتے ہی نجانے کیا ہوا کہ بے اختیار نیند آنے لگی اور آخرکار میں گہری نیند سو ہی گئی..."

وہ شاید کچھ اور بھی کہتی لیکن میں نے دیدہ دلیری کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔ "اب شاید تم یہ کہو گی کہ تمہیں دودھ میں کوئی زہر ملا کر دیا گیا تھا لیکن تمہارے ستارے اچھے تھے کہ تم زندہ بچ گئیں۔"

"یہ... یہ مطلب نہیں تھا میرا۔" میرے جارحانہ لہجے پر وہ چوکڑی بھول گئی۔ "لل... لیکن کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی، میں صبح دیر تک مسلسل اور گہری نیند سوتی رہی ہوں۔ جب میری نیند ہمیشہ کچی ہوتی ہے، ذرا سی آہٹ پر بھی آنکھ کھل جاتی ہے پھر میں صبح بیدار ہوئی تو خلافِ معمول میرا سر بھاری تھا اور اب تک وہی حالت ہے۔"

"دودھ کس نے دیا تھا تمہیں؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"غزالہ نے۔" وہ مشینی انداز میں بول پڑی۔ "لل... لیکن میں اس پر کوئی الزام نہیں لگا رہی، ہو سکتا ہے کہ یہ اتفاق ہی رہا ہو... میں نے تو تمہیں اپنے دل کی بات بتا دی ہے۔"

"گھر میں کوئی مرد ملازم ہوتا تو میں سوچ سکتا تھا کہ وہ تمہیں بے ہوش کر کے کسی من مانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ غزالہ کو کیا پڑی تھی کہ کوئی ایسی حرکت کرتی... سر بھاری ہونے کا تعلق پیر سے بھی ہو سکتا ہے، پاؤں بھاری ہوتا ہے تو نجانے کیسی کیسی نت نئی تبدیلیاں جنم لینے لگتی ہیں۔"

"کیا اول فول بک رہے ہو؟" وہ چڑ کر بولی۔ "اتنا میں بھی سمجھتی ہوں۔ جب تک میرے اور جہانگیر کے درمیان مکمل ذہنی ہم آہنگی نہ پیدا ہو جائے، میں بچوں کا روگ نہیں پالوں گی۔"

"اوہ۔" میں نے تحیر آمیز انداز میں ہونٹ سکوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "تو تم اس حد تک سوچ رہی ہو، میں نے تو یہ بات محض ازراہِ مذاق کہی تھی۔"

"میں بہت سنجیدہ ہوں۔" وہ اچانک ہی مایوس ہو گئی "میں نے ہر طرح خود کو ایک عام بلکہ مثالی بیوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جہانگیر مجھ سے ذرا بھی تعاون نہیں کرتا۔ کبھی کبھار تو اس کا منہ نوچ لینے کو دل چاہتا ہے اور تم..." اس نے بے اختیار اپنے سر کو جھٹک کر ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ "بھرے شہر میں میں بالکل تنہا ہوں، تم بھی سہارا نہیں دیتے۔"

"میں نے ہمیشہ جہانگیر کو سمجھانے کی کوشش کی ہے..." میں نے انجان بن کر کہنا چاہا لیکن اس نے بُرا سا منہ بنا کر میری بات کاٹ دی۔

"اس کا نام درمیان میں نہ لاؤ۔" وہ لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوئی پھر للکارتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں بولی۔ "ذرا سر اٹھا کر میری طرف دیکھو، کیا میں اتنی ہی بری ہوں۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی بوکھلا گیا، اس کی آنکھوں سے اس کھلی چاہت کا اظہار ہو رہا تھا جس کا عورت خلوت میں بھی بمشکل اقرار کرتی ہے۔

"بری تم نہیں ہو، میں ہی کچھ بدذات ہوں۔" میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری محرومی کا پورا پورا احساس ہے لیکن یہ موضوع کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو، غزالہ کو بھنک بھی مل گئی تو یہی سمجھے گی کہ میں تم سے عشق لڑا رہا ہوں، اس معاملے میں وہ بہت متعصب اور تنگ نظر واقع ہوئی ہے۔"

"اچھا۔" اس کے دل کی گہرائیوں سے ایک ٹھنڈا سانس برآمد ہوا اور وہ صوفے سے اٹھ گئی۔ "کم از کم یہ تو بتا دو کہ ہم کب تک یہاں تمہارے ٹکڑوں پر پلتے رہیں گے؟"

"آج رات یا کل صبح تم اپنے گھر لوٹ جاؤ گی ــــ جہانگیر کو جو خطرہ درپیش تھا، وہ دور ہو چکا ہے۔ اس کا نقاب پوش دشمن کل رات جہنم واصل ہو گیا ہے۔"

"وہ تمہارے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا ہوگا؟" اس نے پُراشتیاق اور تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں؟ کیا جہانگیر اسے نہیں مار سکتا تھا؟"

"وہ کیا مارے گا۔" سلمٰی کا لہجہ تحقیر آمیز ہو گیا۔ "جو مرد اپنی عورت کی حفاظت کے لیے کسی دوست کا سہارا لیتا ہو، اس سے بڑا بزدل روئے زمین پر کہاں ملے گا؟"

"اس کی اتنی تذلیل نہ کرو۔ اب تک تو وہ تمہاری حفاظت کرتا ہی رہا ہے۔"

"تمہارا ہی دل نہ پسیج سکا ورنہ... خیر چھوڑو۔" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی پھر چند ثانیوں کے بعد بولی۔ "یہی دیکھ لو کہ اب ہم تمہارے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ پہلے کتوں کے حصار میں رہتا رہا، اب تمہیں بیساکھی بنا لیا ہے۔"

اسے ٹالنے کے لیے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ڈرائنگ روم سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "ایک میں ہی نہیں، اس کے نجانے کتنے دوست ہوں گے لیکن اس نے یہیں ٹکنا مناسب سمجھا۔ یہ سراسر اعتماد کی بات ہوتی ہے، آخر آدمی ہی آدمی کے کام آتا ہے۔"

اسے ناچار میری تقلید میں ڈرائنگ روم سے باہر آنا پڑ گیا۔

"آتا ہوگا۔" اس نے میرے برابر میں آ کر شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "میرا تجربہ تو مختلف ہی ہے۔"

"اپنی ذات کو تجربہ گاہ بنانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے سختی سے اس کا بازو تھام کر کہا۔ "کوئی غلط تجربہ کسی دن تمہیں بربادی کے راستے پر لے جائے گا جو کچھ ہے، اسی سے سمجھوتا کرنے کی کوشش کرو۔"

اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر میں اپنے کمرے کی طرف

ہولیا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں نے بے ہوشی اور سر درد کے بارے میں اس کے ذہن سے سارے شبہات زائل کردیے تھے۔

کمرے میں سلطان شاہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بستر پر دراز تھا۔ مجھے دیکھتے ہی سیدھا ہو بیٹھا۔

"وہاں سے کیوں بھاگ آئے؟" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بس چھٹی حس کہہ لو۔" وہ سٹپٹا کر بولا۔" مجھے محسوس ہوا تھا کہ وہاں میری موجودگی ضروری نہیں تھی۔ مسز جہانگیر سے تمہارے مراسم خاصے دیرینہ معلوم ہوتے ہیں۔ شاید وہ کوئی سنگین شکایت لے کر آئی تھی۔"

"نہ صرف سنگین بلکہ رنگین بھی۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر اس سے مخاطب ہوگیا۔" آج البرٹ والے مواصلاتی یونٹ پر دھاوا بولنے کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟"

"جیوا ہاؤز پر جو کچھ ہوا وہ بہت مناسب اور فائدہ مند تھا لیکن مواصلاتی یونٹ پر مار دھاڑ سے کچھ حاصل نہ ہوسکے گا، تمہارے ذہن میں کوئی خاص مقصد ہو تو اور بات ہے۔"

"ادھر جانے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو جیسے اس نے بلایا ہے، بے چون وچرا چلا جاؤں، دوسری صورت محاذ آرائی کی ہے جو سراسر نقصان دہ ہوگی۔ میری طرف سے بھڑک جانے کے بعد وہ ٹھکانا بند بھی کیا جاسکتا ہے۔ جو شاید اتنا آسان نہ ہو لیکن ناممکن نہیں ہوگا۔"

"اتنا مشکل بھی نظر نہیں آتا، سازوسامان وہاں سے اکھاڑ کر کہیں اور لے جانے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔"

"تم البرٹ کی کبوتر بازی کو فراموش کر رہے ہو۔" میں نے اسے یاد دلایا۔" اس علاقے میں انھوں نے محنت کی ہے، اس کے بعد ہی البرٹ کی کبوتر بازی کی آڑ میں اونچے انٹینا نصب کرسکے ہیں۔ یہ حیلہ بار بار کامیاب نہیں ہوسکتا۔"

"ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر میرے استفسار پر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔" اس نے تمھیں سات بجے وہاں بلایا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس وقت وہ خود بھی وہاں موجود ہوگی، کیوں نہ اس کی مخبری کردی جائے۔ حساس لاسلکی مواصلاتی سازوسامان کی موجودگی میں رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تو چودہ سال سے کم سزا نہ ہوگی۔"

"اوّل تو وہ اتنی احمق نہیں کہ میری طرف سے اپنا پورا اطمینان کیے بغیر وہاں آموجود ہوگی اور اگر وہ پکڑ بھی لی گئی تو کیا ہوگا؟ ابھی تک جو حالات سامنے آئے ہیں، ان میں اس کی برتری سامنے کی بات ہے لیکن وہ تنظیم کی سربرا ثابت نہیں ہوسکی ہے۔"

"آخر تم کرنا کیا چاہ رہے ہو؟" وہ زچ آکر بولا۔

"فی الحال تو بحث کر کے معاملے کے مفید اور مُو نکات کا تجزیہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن اب اسی نتیجے پر پہنچا کہ مجھے شوگر کوئین کی توقعات پر پورا اترنا چاہیے۔"

"یعنی تم وہاں تنہا جاؤ گے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"تنہا اور غیر مسلح۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔" مجھے یقین ہوگیا ہے کہ کسی وجہ سے وہ مجھے زندہ رکھنا چاہ رہی ہے۔ زندگی کا یقین ہو تو قید اور آزادی کے امکانات ہر وقت پیدا کیے جاسکتے ہیں لیکن حسبِ معمول تم دور رہ کر صورتحال پر نگاہ رکھو گے اور تمھیں اپنے فیصلوں کا پورا اختیار ہوگا۔"

ایک فیصلہ کر لینے کے بعد میرے ذہن پر سے بوجھ ہٹ گیا اور میں جہانگیر کی طرف چل دیا۔ ان کے کمرے سے دونوں میاں بیوی کے تیز تیز بولنے کی آوازیں سن کر میرے قدم راہداری میں ہی رک گئے اور میں الٹے قدموں واپس لوٹ آیا۔

ٹھیک سات بجے میں نے یونٹ کے پھاٹک پر ہارن بجایا تو فوراً ہی سلاخوں دار پھاٹک کے پیچھے ایک رائفل بردار، کریہہ الصورت اور دیوہیکل مقامی نمودار ہوگیا۔ ایک ثانیے کے لیے اس نے ٹھٹک کر گاڑی کا جائزہ لیا پھر پھاٹک کھولنے کے بجائے ذیلی کھڑکی کا بولٹ گرا کر باہر آگیا۔ اس کی سرد اور ادھ کھلی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اچھا آدمی نہیں تھا اور ضرورت پیش آنے پر نہایت بے رحمی کے ساتھ انسانی خون کی ہولی بھی کھیل سکتا تھا۔

کھڑکی سے نکل کر میرے قریب پہنچنے تک اس نے اشتباہ آمیز نظروں سے میرا گہرا جائزہ لے ڈالا تھا۔

"کس سے ملنا ہے؟" اس نے سرد لہجے میں سوال کرتے ہوئے مؤدب رہنے کی کوشش کی تھی لیکن پیدائشی کرختگی کو وہ کسی بھی طرح نہ دبا سکا تھا۔

"البرٹ سے، میرا نام ڈینی ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

اس نے پلٹ کر پھرتی کے ساتھ پھاٹک کھول دیا۔ روش پر کار آگے بڑھاتے ہی بے اختیار داہنی طرف نگاہ اٹھ گئی، جہاں سے زندگی سے بھرپور ایک شوخ قہقہے کی



چہکار سنائی دی تھی۔ ادھر سرسبز لان پر شوگر کوئین کرسیاں ڈالے بوڑھے البرٹ کے ساتھ براجمان تھی اور قریب ہی رکھی ہوئی میز پر مے نوشی کے لوازم نظر آرہے تھے۔

میں کار کا انجن بند کر کے نیچے اترا تو رائفل بردار مقامی میرے سر پر مسلط ہوچکا تھا۔

"غیر مسلح ہو یا کوئی ہتھیار ساتھ لائے ہو؟" میری تلخ اور چبھتی ہوئی نگاہوں کے جواب میں اس نے پوچھا۔

"تلاشی لے لو۔" میں نے دماغ کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے کہا۔" پتا نہیں تم کس کس چیز کو ہتھیار سمجھتے ہو۔" میں نے اس کے تیوروں سے بھانپ لیا تھا کہ میرا جواب خواہ کچھ ہی ہوتا، وہ تلاشی لیے بغیر ٹلنے والا نہیں تھا۔

وہ پھرتی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ ماہرانہ انداز میں میرے شانوں اور بغلوں سے ہوتے ہوئے پورے جسم پر پھیلنے لگے اور آخر وہ سر جھکا کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔" لان پر چلے جاؤ، باس ادھر ہی بیٹھا ہوا ہے۔"

"وہاں تو کوئی عورت بھی ہے۔" میں نے دانستہ شوشا چھوڑا تاکہ اس نئے محافظ کی معلومات آزما سکوں۔

"چلے جاؤ ــــ بے بی اجنبیوں سے پروا نہیں کرتی۔" محافظ نے کہا۔

"خاصی بڑی بے بی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں آہستہ سے کہا۔

محافظ کا منہ بگڑ گیا۔" فضول بکواس مت کرو۔ یہاں باس کی مرضی کے خلاف ہرزہ سرائی کی سزا بہت سخت ہوتی ہے۔" وہ ترش لہجے میں کسی درندے کی طرح غرایا تھا۔

"جو کچھ تم بھونک رہے ہو کیا اس میں باس کی مرضی شامل ہے؟" میں نے فوری طور پر ایک نئی حکمتِ عملی اختیار کرتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

ردِعمل بالکل وہی ہوا جس کی مجھے توقع تھی۔ اس کا ہاتھ پھرتی کے ساتھ رائفل پر گیا تھا لیکن میں نے اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر بجلی کی سی سرعت سے اس کی کنپٹی پر بلوری قوت سے ہاتھ جڑ دیا۔ وہ کسی بدمست شرابی کی طرح لڑکھڑاتا ہوا ہلکے سے دھماکے کے ساتھ پختہ فرش پر گرا تھا۔ اس کے گرتے گرتے میں نے رائفل بھی چھین لی تھی۔ ورنہ فرش پر رائفل گرنے کی آواز دور تک سنی جاسکتی تھی جبکہ لان سے وہاں کا منظر دیکھنا ناممکن تھا۔

محافظ نیچے گر کر بے ہوش ہوچکا تھا۔ میں نے رائفل پام کے گملوں کی اوٹ میں ڈال دی اور پھر سکون کے ساتھ لان کی طرف چل دیا۔ مجھے دیکھ کر ویرا لائیڈ گرم جوشی کے ساتھ کرسی سے اٹھی تھی لیکن البرٹ میری طرف توجہ دیے بغیر اپنے ہاتھ میں وسکی کا گلاس نچاتا رہا۔

"مجھے امید نہیں تھی کہ تم آؤ گے۔" ویرا نے خوش دلی کے ساتھ اُردو میں کہا۔" میں بڈھے کو یہی سمجھا رہی تھی کہ مقامی لوگ بہت ہی ناقابلِ فہم ہوتے ہیں۔ جس بات کی امید رکھو اس پر پورے نہیں اترتے اور اکثر غیر متوقع اقدامات کر گزرتے ہیں۔"

"منہ سنبھالے بیٹھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آج بھنگن نے ہاتھ تھامنے کے بجائے تھپڑ سے تواضع کی ہے اس کی۔" میں نے بھی اُردو ہی میں کہا اور بے پروائی سے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس وقت لان میں تین ہی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ویرا سارے مسائل اسی خوشگوار ماحول میں کھلے آسمان تلے طے کرنا چاہتی ہے۔

"اجنبی زبان اور کتّے کے پلّے کی ٹیاؤں ٹیاؤں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔" البرٹ خاص طور پر ہم دونوں میں سے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر اپنے گلاس پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"کاش کہ تم کتّے کے پلّے ہی ہوتے، ساری اجنبی زبانیں تو سمجھ سکتے تھے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا تھا۔" وہ آنکھیں نکال کر مجھ پر برس پڑا۔

"میں بھی کرسی کے پائے سے کہہ رہا تھا۔ تم سے تو بات کرنا ہی فضول تھی۔ جو آدمی ہوتے ہوئے بھی آدمی نہ بن سکے، وہ بیچارا کتّے کا پلا کیا بنے گا۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"بے بی!" وہ داہنے ہاتھ کا گھونسا اپنی ران پر مارتے ہوئے کراہا۔" تم سن رہی ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ کیا تم اسے لگام نہیں دے سکتیں؟"

"مجھے درمیان میں نہ گھسیٹو ڈارلنگ۔" ویرا اسے پچکارتے ہوئے بولی۔" چھیڑ چھاڑ تم ہی نے شروع کی تھی۔ اب اس کا جواب سننے کی ہمت بھی پیدا کرو۔" یہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے پوچھے بغیر تیسرا گلاس بنانے لگی۔

"تمہارا یہی رویّہ ہے تو میں جا رہا ہوں۔" وہ غصیلے لہجے میں یہ کہتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ گیا۔" تم اس کی حوصلہ افزائی کر رہی ہو۔ میں تمھاری ہر زیادتی سہہ سکتا ہوں لیکن تمہارے پالے ہوئے تیسرے درجے کے لوگ

میرے منہ نہیں آسکتے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اب تمھاری کوھلے کی ہڈی نے ہلنا بند کر دیا ہے اور دماغ کی چولیں ہلنے لگی ہیں۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ مار کر اسے سلگانے کی نیت سے کہا۔ "مجھے تو حیرت ہے کہ تم اب تک زندہ ہو، غیرت مند ہوتے تو کل ہی خودکشی کر لیتے۔"

"تمھارے ستارے اچھے تھے جو اس وقت چھکنے کے لیے زندہ بچ نکلے، نجانے بے بی کو تم سے کیا توقعات ہیں کہ تمھیں مسلنے پر قادر ہونے کے باوجود چھوٹ دے رہی ہے۔" وہ باری باری مجھے اور ویرا کو دیکھتے ہوئے غضب ناک لہجے میں بولا۔ میں پُرسکون انداز میں مسکراتا رہا اور ویرا سر جھکائے انہماک سے میرے گلاس میں برف کے ڈلے ڈالتی رہی۔

"کل جو کچھ ہوا، اس کا مجھے افسوس ہے البرٹ!" میں نے یک بیک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ایک دوسرے سے کوئی عداوت نہیں ہوتی، بس حالات کبھی کبھار ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ آرام سے بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ اپنا گلاس خالی کرو، تیسرا شاید میرے لیے تیار ہو رہا ہے۔"

میرے نرم اور مصالحانہ رویّے پر اس نے مجھے یوں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں، پھر مشینی انداز میں دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھتا چلا گیا۔

میرے لب و لہجے کی وہ تبدیلی اس بنا پر نہیں تھی کہ اچانک میرے دل میں اس نام نہاد، بوڑھے باس کے لیے محبت کے چشمے ابل پڑے تھے بلکہ اس کا محرک یہ اندیشہ تھا کہ وہ روٹھ کر واقعی اندر چل پڑا تو پورچ میں بے ہوش پڑے ہوئے محافظ کو دیکھ کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دے گا جب کہ ابھی تک وہ دونوں اس مظلوم کو بھولے ہوئے تھے۔

ویرا نے اسکاچ کا گلاس میری طرف بڑھایا تو وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ میرے نزدیک اس کی مسکراہٹ کا کوئی سبب نہیں تھا بجز اس کے کہ وہ سرور میں تھی اور یوں میری حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ جواباً میں بھی مسکرانے لگا اور گلاس فضا میں لہرا کر ایک بڑا سا گھونٹ معدے میں اتار لیا۔

"چوکیدار کہاں ہے ڈینی؟" ویرا کے معنی خیز سوال نے اچانک ہی مجھے سرور کی جنت سے نکال کر زمین پر لا پھینکا۔ البرٹ کے ساتھ میرے رویّے میں تبدیلی رونما ہوتے ہی وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھی اور شاید اسی لیے مسکرا رہی تھی کہ میں نے البرٹ کو تو احمق بنا لیا تھا لیکن اسے دھوکا دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"اچانک اس کے گردے میں درد شروع ہو گیا تھا۔ وہیں برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھا ہو گا۔" میں نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔ "ضرورت ہو تو بلا لاؤں اس کو؟"

"کیوں نہ میں آواز دے کر بلا لوں اسے؟" ویرا نے اپنے لبوں کو آتش صفت سیال سے تر کرتے ہوئے اُردو میں کہا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس بارے میں ویرا نے گفتگو کی ابتدا ہی اُردو سے کی تھی ورنہ البرٹ ہتھے سے اکھڑ گیا ہوتا۔

"گُردے میں درد کی شدت ہو تو عارضی طور پر سماعت بھی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ میں دیکھ لیتا ہوں اسے۔" میں کرسی سے اٹھ ہی گیا کہ کہیں صورتِ حال اچانک قابو سے باہر نہ ہو جائے۔

"یہ خیال رکھنا کہ اب تمھارے کھاتے میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ اگر تم نے اس چوکیدار کو ختم کر دیا ہے تو پھر تمھیں معافی نہیں مل سکے گی۔" اس نے تادیبی لہجے میں کہا۔

میں جاتے جاتے رک گیا۔ "اس نے مجھ پر رائفل تاننے کی کوشش کی تھی اور مجھے اپنی مدافعت میں اس کی کنپٹی پر ہاتھ رسید کرنا پڑ گیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ صرف بے ہوش ہوا ہو گا۔"

"اور اسلحہ کہاں ہے اس کا؟" ویرا کے چہرے پر سختی آمیز تناؤ آ گیا۔

"وہیں پام کے گملوں کی اوٹ میں موجود ہے، ابھی لے آتا ہوں۔" میں نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا کہ اسے بے ہوش کر آئے ہو؟" اس نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"کسی نے پوچھا ہی نہیں تھا، میرا خیال تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ خود شرم کے مارے کسی سے اس واقعے کا ذکر نہیں کرے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں تیز تیز قدموں کے ساتھ اس طرف چل دیا جہاں چوکیدار کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑا تھا۔

"سن لیا تم نے۔" جاتے ہوئے میرے کانوں میں ویرا کی آواز آئی۔ اس بار وہ انگریزی میں البرٹ سے مخاطب ہوئی تھی اور اس کا لہجہ حد درجہ زہریلا تھا۔ "تمھارا چوکیدار ضرورت سے زیادہ بودا ثابت ہوا۔ اس نے ڈینی سے الجھنے کی کوشش کی تھی اور اب پورچ میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ یہ ہیں تمھارے حفاظتی انتظامات۔"

"ارے! تو پھر یہ کہاں چلا؟" البرٹ کی بوکھلائی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ "اگر چوکیدار کی رائفل اس کے ہاتھ لگ گئی تو یہ مردود یہاں قیامت برپا کر دے گا۔"

"تم بیٹھے رہو گے تو کوئی قیامت برپا نہ ہو گی۔" اس بار بھی ویرا کی آواز زہریلی تھی۔ "اس کی نیت خراب ہوتی تو وہ اسے بے ہوش کرتے ہی اس کی رائفل تانے ہماری طرف آتا۔"

اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا وہ میرے کانوں تک نہ پہنچ سکا لیکن اس اثنا میں پورچ تک پہنچ چکا تھا جہاں قدآور اور جسیم چوکیدار پختہ فرش پر کسی وزنی لاش کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ میں نے جوتے کی نوک سے اس کی ناک پر ہلکا سا دباؤ ڈالا لیکن اس کے بدن میں کوئی جنبش نہ ہوئی البتہ قریب سے دیکھنے پر اس کے سینے کے زیر و بم زندگی کا سراغ دے رہے تھے۔

اسے چھوڑ کر میں نے پام کے گملوں کی آڑ سے رائفل نکالی اور اسے اپنے کندھے سے لٹکا کر دوبارہ لان کی طرف ہو لیا۔ وہ دونوں اپنی جگہ خاموش بیٹھے پُرتجسس نگاہوں سے میری جانب نگراں تھے اور دھندلکا پھیلنے کے باوجود اس امر پہ میں نے ان کے بشروں پر سکون کی علامات نمودار ہوتے دیکھیں کہ رائفل میرے ہاتھوں کے بجائے کندھے سے جھول رہی تھی۔

میں نے قریب جا کر وہ رائفل اتار کر دونوں ہاتھوں میں سنبھالتے ہوئے ویرا کے قدموں میں رکھ دی۔ "خیال رہے کہ یہ لوڈ ہے، میں نے اسے بالکل نہیں چھیڑا ہے۔" میں نے اس بار دانستہ انگریزی کا سہارا لیا تھا۔

"چھیڑ کر دیکھتے پھر پتا چلتا کہ کیا ہوتا ہے۔" البرٹ زہریلے لہجے میں بولا۔

"ہوتا کچھ بھی نہیں، تمھاری بہت سی ہڈیاں ہلنا شروع ہو جاتیں۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ یہ پھبتی اس پر ایسی چُست بیٹھی کہ اس کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہو گیا اور اگر ویرا بر وقت دخل اندازی نہ کر بیٹھتی تو شاید وہ براہِ راست مہیب سنسنی گالیوں پر اتر آتا۔

"یہ بتاؤ کہ گارڈ کہاں ہے؟" ویرا نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

"گُردے کے درد سے بے ہوش ہو گیا ہے۔ البرٹ تعاون کرے تو اسے وہاں سے اٹھا کر کسی کمرے میں ڈال سکتے ہیں، کوئی نکل آیا تو بلاوجہ ایک تماشا نظر آنے لگے گا۔" میں نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔

"کمرے میں؟" ویرا نے حقارت سے کہا۔ "میرا بس چلے تو اسے کسی کوڑا گھر پر پھنکواؤں تاکہ ہوش میں آتے ہی اس کو اپنی سورمائی کا اندازہ ہو سکے۔ پڑا رہنے دو اسے وہیں، یہاں کوئی نہیں آتا۔"

میں نے اطمینان سے کرسی سنبھال لی اور گلاس میں پڑے ہوئے سرخی مائل سیال سے انصاف کرنے لگا۔

"اب تمھارے عزائم کیا ہیں؟" ویرا نے کئی منٹ کے طویل سکوت کے بعد سوال کیا۔

"میرے یہاں پہنچنے کے بعد سے اب تک جو کچھ ہوا ہے، شاید وہ میرے عزائم کا خاصا مناسب پیمانہ ہے۔ اگر تم اب بھی مجھ پر اعتماد نہ کرنا چاہو تو یہ تمھاری بھول ہو گی کیونکہ اب میں کسی بھی قیمت پر کسی نئی آزمائش سے دوچار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں نے عمر بھر تنظیم کو اپنے لہو سے سیراب کیا ہے، اس درجے پر قیدیوں جیسا سلوک میری برداشت سے باہر ہے۔"

"پچھلے دنوں جو کچھ ہوتا رہا اس کی روشنی میں بعض اقدامات ضروری تھے۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جما کر بولی۔ "اور ہو سکتا ہے کہ ابھی تمھیں ایک آدھ مرحلے سے اور بھی گزرنا پڑے۔"

"یہ زیادتی ہو گی۔" میں نے احتجاج کیا۔ "لے لوٹو کو ہلاک کر کے تم اپنا فیصلہ صادر کر چکی ہو کہ وہ غلطی پر تھا یعنی میری بے گناہی تسلیم کی جا چکی ہے پھر اب ایک یا دس مرحلوں کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔"

"اہم ترین ذمے داریاں سونپنے سے پہلے بہت کچھ ضروری ہوتا ہے۔"

"اہم ترین؟ تو کیا ابھی تک میں معمولی درجے پر کام کرتا رہا ہوں؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"کل تک میں تمھاری طرف سے مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔" وہ میرے سوال کو نظر انداز کر کے مکارانہ لہجے میں بولی۔ "لیکن وہ شاید ایڈی کی موت کا بہانہ تھا... وہ..."

"بس۔" البرٹ اچانک ہاتھ اُٹھا کر غرّایا۔ "میرے سامنے اس نمک حرام کا نام لینے کی ضرورت نہیں، میرے سامنے ایسے مربیانہ انداز میں تمھیں بے بی، بے بی کہتا تھا جیسے خلوصِ دل سے تمھیں اپنی نواسی تصور کرتا ہو، مجھے ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ وہ چوری چھپے تم پر ڈورے ڈال رہا ہے تو میں خود اُسے گولی مار دیتا۔"

"بوڑھے عاشقوں کی آڑ میں ہمیشہ نوجوان ملازم شکار کھیلتے آئے ہیں۔" میں نے ویرا کو خاموش پا کر کہہ ہی ڈالا۔ "تمھاری دردناک کہانی بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔"

"بب... بوڑھا عاشق۔" البرٹ غصّے کی زیادتی سے ہکلانے لگا۔ "اے مردود! تیری یہ جسارت کہ ویرا کے سامنے ایسی ہرزہ سرائی کر رہا ہے۔ تجھے اس کے منصب کا بھی خیال نہیں ہے۔"

ویرا اس نوک جھونک پر زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ میرے لیے اس کا وہ رویّہ شدید حیرت کا باعث تھا۔ دو مردوں کے حوالے سے اس کی ذات زیرِ بحث تھی اور اس کے چہرے پر ذرا بھی خفّت نہیں تھی جیسے اس میں کوئی معیوب بات نہ ہو اور اسی لمحے میں نے یہ رائے قائم کی کہ اس اعتبار سے وہ کسی ذہنی کج روی میں مبتلا تھی اور اس قسم کی بے لگام گفتگو سے شرمسار ہونے کے بجائے محظوظ ہو رہی تھی۔ شاید اس کے لیے یہ احساس فخر کا باعث تھا کہ وہ بیک وقت کئی ذہنوں پر حکمرانی کر سکتی ہے۔

"حسینوں کا منصب ایک ہی ہوتا ہے باس۔" میں نے اپنے بائیں پہلو پہ دل کے مقام پہ ہاتھ رکھ کر سر کو قدرے خم دیتے ہوئے کہا۔ "اگر ویرا کو میری بات ناگوار گزرتی تو وہ خود ٹوک سکتی تھی۔ تم کیا جانو کہ حُسن کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اس سے ہر وہ نگاہ سیراب ہوتی ہے، جس میں ذرا بھی ذوقِ جمال باقی ہو۔ اگر اس جرم میں تم ایڈی کو گولی مارتے تو شاید میں بھی اسی الزام میں تمھارا گلا دبا دیتا کیونکہ بے بی کے خطرناک مشاغل سے قطع نظر میں بھی اس کے حسن کا اسیر ہوں۔"

"اب اگر تم دونوں ایک دوسرے سے اُلجھے تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔" ویرا نے باری باری مجھے اور البرٹ کو گھورتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "میں اپنی مرضی کی مالک اور خود مختار ہوں، میں کیا کرتی ہوں اور کسے پسند کرتی ہوں، یہ اپنی ذمّے داریوں سے ہٹ کر میرا ذاتی فعل ہے جس میں، میں تم دونوں کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی۔ میری نگاہ میں ہر مرد کا ایک مخصوص مقام ہے اور اس بارے میں آخری فیصلہ میرا اپنا ہوتا ہے۔"

"بے بی!" البرٹ دردناک آواز میں کراہا۔ "ہم دونوں کو ایک لکڑی سے ہانک کر تم میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہو، یہ نہ بھولو کہ میں نے اس یونٹ کا سربراہ ہونے کے باوجود تمھیں یہاں من مانی کرنے کی کھلی اجازت دی ہوئی ہے۔"

"تمھاری مہربانی۔" یکلخت اس کا موڈ تبدیل ہو گیا اور لہجے میں خشکی عود کر آئی۔ "میں جو کچھ کر رہی ہوں، اپنی ذمّے داری پر کر رہی ہوں، چاہو تو کسی بڑے سے اس کی توثیق کرا سکتی ہوں بلکہ غور کرو تو تمھیں اندازہ ہوگا کہ مجھے ایسی غیر معمولی مراعات دے کر تم نے تنظیم کے مسلّمہ ضابطوں سے انحراف کیا ہے۔ میری جگہ کوئی بھی خوبرو اور جواں سال عورت تمھاری اس کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر یونٹ کو تہس نہس کر سکتی ہے۔ لٰہذا ایسے غیر [...] حوالے نہ دو، اس وقت ہم یہاں اپنے ذاتی مسائل میں سر کھپا[...] کے لیے نہیں جمع ہوئے ہیں، ہمیں کچھ اہم کام کرنے ہیں۔"

ویرا کی زبان کے ساتھ ہی حیرت سے البرٹ کا منہ [...] اور پھر کھلتا ہی چلا گیا، ساتھ ہی اس کے چہرے پر خوف [...] علامات بھی ظاہر ہونے لگیں۔ وہ خاموش ہوئی تو البرٹ [...] ہونٹوں سے نحیف سی آواز برآمد ہوئی تھی۔ "شاید تم درست کہہ رہی ہو، میری عقل پر پردہ ہی پڑ گیا تھا۔ میں معذرت [خواہ] ہوں بے بی! مجھے محتاط رہنا چاہیے تھا۔ موجودہ حالات [میں] تمھاری جگہ وہ نامعلوم لڑکی بھی اس عمارت میں داخل ہو [...]"

"کون لڑکی؟" میں اضطراری طور پر سوال کر بیٹھا۔

"تمھیں بھی اس سے ہوشیار رہنا ہوگا۔" البرٹ نے [...] جیب سے ایک تصویر نکال کر میری گود میں ڈال دی اور میرا [دل] دھک سے رہ گیا کیونکہ وہ غزالہ کی وہی تصویر تھی جو اس [سے] پہلے بھی میں تنظیم کے اہلکاروں کی تحویل میں دیکھ چکا تھا۔ دونوں بلا کے عیّار اور مکّار تھے۔ میں شروع ہی سے اپنی دانست میں ان دونوں کے باہمی مراسم کا مضحکہ اُڑا رہا تھا لیکن وہ [...] سوچے سمجھے انداز میں گفتگو کے رُخ کو اپنے مطلوبہ موضوع [کی طرف] دھکیلتے رہے تھے اور حسبِ ضرورت ایک دوسرے کی تحر[یک کر] رہے تھے تا آنکہ گفتگو خود بخود ایک ایسے موڑ پر آ گئی جہاں البرٹ غزالہ کی تصویر نکال بیٹھا تھا۔

ویرا لائیڈ مجھ سے براہِ راست میری منگیتر کا ذکر کر[کے] اندازہ لگا چکی تھی کہ میں اس معاملے میں بآسانی اس کے دام [میں] نہ آ سکوں گا لٰہذا اس نے بالکل ہی مختلف انداز میں غزالہ [کی] تصویر تنظیم کے ایک بدترین دشمن کی صورت میں میرے [سامنے] ڈلوا دی تھی۔

ان دونوں کی ملی بھگت کا تجزیہ کرتے ہوئے میں [نے] بلا توقف، تجسّس آمیز انداز میں اپنی گود میں پڑی ہوئی غزالہ [کی] تصویر اُٹھائی اور اُسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "شاید یہ وہی [ہے] جو آجکل تنظیم کی دشمن بنی ہوئی ہے؟"

"دشمن کیا بنے گی۔" ویرا تضحیک آمیز انداز میں ہنستے [ہوئے] بولی۔ "بس ستارے اچھے ہیں جو اب تک بچی ہوئی ہے، اس [کی] آنکھوں کی بناوٹ پر غور کرو گے تو اندازہ لگا لو گے کہ یہ کتنا [...] فریب کھا سکتی ہے۔ جس دن کسی کو نظر آ گئی، اسی دن گھیر لی [جائے] گی اور پھر ان جنم جنم کے پیاسوں کے سپرد کر دی جائے گی [جو] سے کسی عورت کی ہم نشینی کو ترس رہے ہیں۔"

وہ نہ جانے کیا کچھ بکتی رہی اور میرے ذہن میں ا[...] سا کھولنے لگا۔ بدترین اور گھٹیا زبان استعمال کر کے شاید وہ میرے دلی تاثرات کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھی لیکن میں خود پر جبر کیے اس کی بکواس پر توجہ دیے بغیر غزالہ کی تصویر دیکھتا رہا۔

"تم نے سب کچھ کہہ ڈالا لیکن یہ نہ بتایا کہ یہ لڑکی کون ہے؟" ویرا کے خاموش ہونے پر میں نے سوال کیا۔

"یہی معلوم ہوتا تو اسے گھر سے نہ اٹھوا لیتی۔"

"تم غلط سمجھی ہو۔ میرا مطلب تھا کہ اس کا قصور کیا ہے؟" میں نے اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"جب اتنی شدّت سے مطلوب ہے تو قصور وار بھی ضرور ہوگی۔" ویرا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ جو کہا جائے اسے من و عن تسلیم نہیں کرتے۔ شاید اسی عادت کی بنا پر تم نے اے ٹو کی عداوت مول لی ہوگی۔ تنظیم میں اوپر والوں کے فیصلوں پر جرح بغاوت گنی جاتی ہے۔"

"اسے تم جرح نہیں کہہ سکتیں۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "دشمن کے بارے میں جس قدر زیادہ معلومات حاصل ہوں اسی قدر آسانی رہتی ہے۔ بے خبری میں دھوکا کھانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔"

"تو کیا تم واقعی اس سے لاعلم ہو؟" اس نے گہرا سانس لے کر سوال کیا۔ "یہ قصّہ تو کافی دن سے چل رہا ہے۔"

"میں بڑی مدّت سے معتوب چلا آ رہا ہوں۔" میں نے اس سے زیادہ گہرا اور ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "پھر جن دنوں میں مقامی یونٹ کا سربراہ تھا، مدافعتی ذمّے داریاں قاسم کے سپرد تھیں اور وہ اپنے معاملات میں خود مختار تھا، ہو سکتا ہے کہ اسے علم رہا ہو لیکن اس نے کبھی مجھے اس معاملے کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔"

"تمھارے لیے صرف یہ جاننا کافی ہے کہ یہ لڑکی ایک بار لاہور میں اور پھر کراچی میں دیکھی گئی ہے۔ کراچی میں ہمارے ایک آدمی نے اسے گھیرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ پُراسرار انداز میں ملیامیٹ ہو گیا۔ اب یہ لڑکی ہر قیمت پر مطلوب ہے۔" وہ بولی۔

"زندہ یا مردہ کی تو شرط نہیں؟" میں نے دل پر جبر کر کے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"کم از کم تم سے ایسے احمقانہ سوال کی امید نہیں تھی۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "جو آدمی اسے گھیرنے کی کوشش میں مارا گیا، وہ اسے بہت آسانی کے ساتھ ہلاک کر سکتا تھا، اسے محض لڑکی کو زندہ پکڑنے کی کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔"

"یعنی اس وقت میرے ذمّے یہی ایک کام ہے؟" میں نے اپنے دل پر سے بوجھ سا ہٹتا محسوس کیا۔

"کم از کم اگلی ہدایات تک یہی سمجھ سکتے ہو۔"

"طریقۂ کار کیا رہے گا، میں کس کو جوابدہ ہوں گا۔ پرانا نظام تو تباہ ہو چکا ہے؟"

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے چند ثانیوں تک پُرخیال انداز میں خاموش رہی پھر بولی۔ "مستقل انتظامات ہونے تک تم براہِ راست مجھے جوابدہ ہو گے لیکن پیغام رسانی کے لیے البرٹ کو استعمال کیا جائے گا، تم کسی بھی وقت فون پر اس سے رابطہ قائم کر سکو گے۔"

"صرف فون پر؟" میں نے سوال کیا۔ "میری یہاں آمد و رفت پہ پابندی ہوگی؟"

"ضرورت ہی کیا ہے تمھیں اِدھر آنے کی؟"

"شاید تمھیں یاد نہیں کہ اے ٹو نے مخاصمت کی بنا پر میرے گھر کو آگ لگوا دی تھی، فیکٹری بھی تباہ کر دی گئی اور میں آج کل خانہ بدوشوں کی سی زندگی گزار رہا ہوں، ان حالات میں اگر لڑکی ہاتھ آ گئی تو مجھے مجبوراً اِدھر کا رُخ کرنا ہوگا۔"

"مجبوری کی بات اور ہے لیکن تمھیں اس یونٹ کی اہمیّت کا احساس رہنا چاہیے۔ میرے اور البرٹ کے علاوہ تم تیسرے آدمی ہو جسے اس کا علم ہے۔" اُس نے کہا۔

"اس کے ساتھی کو تم بھول رہی ہو۔" البرٹ نے کہا۔ "کل اس نے بھی یونٹ کا چپّا چپّا دیکھا ہوگا۔"

"ہاں، وہ کون ہے؟ سننے میں آیا ہے کہ ہمزاد کی طرح تمھارے

ساتھ لگا رہتا ہے۔" ویرا نے اس انداز میں کہا جیسے وہ ابھی بھی سلطان شاہ کو پوری اہمیت دینے کو تیار نہ ہو۔

"میرا ایک دوست ہے، اپنی روایات سے مجبور ہو کر مشکل وقت میں میرا ساتھ دے رہا ہے۔"

"تنظیم میں تمہاری دوبارہ شمولیت کے بعد وہ تنظیم کے لیے کام کرے گا؟"

"مشکل ہے۔" میں نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت مغلوب الغضب آدمی ہے آج تک کبھی کسی کی ملازمت نہیں کی، خاندانی رئیس زادہ ہے۔ دوستی نبھانے کی خاطر وہ گردن بھی کٹوا سکتا ہے لیکن کسی کا زیردست بننا ہرگز پسند نہ کرے گا پھر اپنے قبائلی پس منظر کی بنا پر وہ کسی عورت کی بالادستی مرتے دم بھی قبول نہیں کرے گا۔"

"اور اگر اس کی وجہ سے دشواریاں پیدا ہوئیں...؟"

"یہ میری ذمے داری ہوگی۔" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔ "اب وہ میرے معاملات سے دور رہے گا۔"

"اور اگر میں چند روز اس کی نگرانی کرانا چاہوں؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ نہ بھولو کہ میں تنظیم کے لیے اجنبی نہیں ہوں، پورے طریقہ کار سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اصولی طور پر یہ برداشت نہیں کیا جا سکتا کہ باہر کا کوئی آدمی ہمارے رازوں میں شریک ہو کر زندہ رہ سکے لیکن اس خصوصی معاملے میں تمہیں چشم پوشی سے کام لینا ہوگا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم مجھ سے اس کا سراغ حاصل کرنے کے بعد اسے زندہ نہیں چھوڑو گی۔ اس کی موت کے بعد تمہاری بڑی سے بڑی معذرت بھی اس کی زندگی واپس نہ لوٹا سکے گی اور میں ہمیشہ کے لیے احسان فراموشی کے کربناک احساس کا شکار ہو جاؤں گا بہتر یہی ہے کہ تم اسے بھول جاؤ۔ وہ بھی سب کچھ فراموش کر دے گا۔"

"میرا وقت ہو گیا۔" البرٹ نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا اور گلاس خالی کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔

"پھر تابوت فوراً ہی منگوا لوں؟" سنجیدہ ماحول میں بھی میں وہ چبھتا ہوا تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکا لیکن البرٹ نے خلافِ توقع کوئی جواب نہ دیا اور مجھے گھورتا ہوا عمارت کی طرف چل دیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی اور پہلا کش لے کر اسے اپنی مخروطی انگلیوں میں یوں نچانے لگی جیسے کسی اندرونی الجھن میں مبتلا ہو۔ میں بظاہر لاتعلقانہ انداز میں بیٹھا اپنے گلاس سے شغل کرتا رہا۔

"تم لائیڈز کاٹیج کے بارے میں کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" طویل اور بوجھل سکوت کے بعد ویرا کی زبان سے وہ سوال سن کر میں ٹھٹھک رہ گیا۔

"جب سے تم نے اس عمارت کو میرے لیے شجرِ ممنوعہ قرار دیا ہے میں نے اس بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے اب تم کیوں اس موضوع کو چھیڑ رہی ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہدایت پر انسان اپنی زبان بند کر سکتا ہے لیکن سوچ کا پابند نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں تم یقیناً سوچتے رہے ہوگے میں اپنی تمام تر آزادیوں کے باوجود ہمیشہ محروم رہی ہوں جبکہ تم نے حریف بن کر اس عمارت کو دیکھا ہے اس کے مکینوں کے بارے میں تم نے کیا رائے قائم کی ہے؟"

"شاید یہ کوئی نیا امتحان ہے میرا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"امتحان نہیں بلکہ میرے فطری تجسس کی تسلی کہہ لو۔" اس وقت وہ اپنی بالادستی فراموش کر کے بالکل برابری کے انداز میں بات کر رہی تھی۔ "میں اس بارے میں بہت کچھ جاننے کی خواہش کے باوجود اس کے بارے میں کچھ بھی نہ جان سکی۔ شاید تمہیں حیرت ہو کہ اندر جانا تو درکنار، میں نے اس عمارت کو باہر سے بھی نہیں دیکھا ہے۔"

"حالانکہ نام کے اعتبار سے لائیڈز کاٹیج سے تمہارا خاندانی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔"

وہ ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ "شبہ تو مجھے بھی ہوتا ہے لیکن کاش اس کی تصدیق یا تردید ممکن ہوتی۔ میری زندگی میں یہ خواہش ایک خلش بن کر رہ گئی ہے۔"

"لیکن کیوں؟ اس کا کوئی نہ کوئی سبب تو ضرور ہوگا؟"

"آؤ۔" وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی کرسی سے اٹھ گئی۔ میں نے بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس نے چلتے ہوئے میز پر سے اسکاچ کی بوتل اٹھالی تھی لیکن رائفل لان پر ہی پڑی رہنے دی تھی اور اس کا رخ عمارت کی جانب تھا۔

پورچ میں یونٹ کا دیوہیکل چوکیدار کسی مجرم کی طرح ایک طرف دیوار سے لگا کھڑا ہوا تھا۔ شاید ہوش میں آنے کے بعد اس نے مجھے لان پر اپنے آقاؤں کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر وہیں ٹھہرنے میں عافیت سمجھی تھی۔ ویرا کو دیکھتے ہی اس نے لپک کر اس کے ہاتھ سے اسکاچ کی بوتل لینا چاہی لیکن ویرا نے حقارت سے اسے دھتکار دیا۔

"تمہیں تو شرم سے مر ہی جانا چاہیے تھا۔" وہ اسے گھورتے ہوئے تحقیر آمیز لہجے میں بولی۔ "مسلح اور جسامت میں تین گنا ہونے



کے باوجود کسی طاعون زدہ چوہے کی طرح آواز نکالے بغیر بے ہوش ہو گئے۔ اگر تمہارا یہی حال ہے تو تمہیں خود اپنی حفاظت کے لیے دو چار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ تم اس عمارت کی حفاظت کیا کر سکو گے۔"

"میں شرمندہ ہوں مسٹی۔" وہ نظریں جھکائے منمنایا۔

"ہاتھی جیسے وجود پر شرمندگی گالی لگتی ہے۔" وہ حقارت سے اس کے سراپا پر نگاہ ڈالتے ہوئے غرائی۔ "جاؤ، تمہاری بانسری لان پر پڑی ہے اسے اٹھاؤ اور کسی کونے میں دبک کر بجاتے رہو، یہاں کوئی تمہارا پرسانِ حال نہ ہوگا۔"

پھر وہ مجھے ساتھ لے کر عمارت میں چل دی۔ میں انسانی نفسیات پر کسی مہارت کا کبھی دعوے دار نہ رہا تھا لیکن اس وقت مجھے ویرا کی ذات میں شدید ترین اندرونی کش مکش کے آثار نظر آ رہے تھے جس کا بظاہر کوئی جواز نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر وہ کس کش مکش سے دوچار تھی؟ کیا سوچ رہی تھی؟ مجھے لان سے اٹھا کر عمارت میں کیوں لائی تھی؟ کیا کہنا چاہتی تھی؟

یہ تمام سوالات ایسے تھے جن کا کوئی فوری جواب دستیاب نہیں تھا اور مجھے کسی عجلت کا اظہار کیے بغیر اس موقع کا انتظار کرنا تھا جب اندرونی غبار سے گھبرا کر وہ خود کوئی پیش قدمی کرتی۔

وہ عمارت خاصی پرپیچ اور وسیع تھی۔ کئی راہداریوں اور چھوٹے زینوں سے گزرتی آخر کار وہ ایک دور افتادہ کمرے میں داخل ہو گئی۔ دروازہ کھلتے ہی اندر سے معطر ہوا کا ایک خنک اور خوشگوار جھونکا آیا اور اندر قدم رکھتے ہی میرے وجود میں فرحت و تازگی کی ایک لہر سرایت کر گئی۔

وہ معطر اور آراستہ خواب گاہ اپنی آرائش کے لحاظ سے پرستان کی کوئی نشاط گاہ معلوم ہو رہی تھی۔ کمرے میں ایک طرف کھڑکیاں تھیں جن پر دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے اور یوں باہر سے روشنی کی کوئی کرن اس خلوت کدے میں در انداز نہیں ہو سکتی تھی۔ خوابگاہ میں طاقتور ائرکنڈیشنر کی مشینی گونج رچی ہوئی تھی جس کی بنا پر کمرے کا درجۂ حرارت بہت گرا ہوا تھا۔ کمرے کے دو گوشوں میں دھندلائی ہوئی سی روشنیاں جل رہی تھیں جنھوں نے ماحول کو رومان پرور اور خوابناک بنایا ہوا تھا۔ دو سپاٹ دیواروں پر مغربی فنکاروں کے وسیع و عریض شہ پارے آویزاں تھے جن کا موضوع مرد اور عورت کے ازلی رشتے سے متعلق اور بے پناہ کشش انگیز تھا لیکن حجاب کی سرحدوں سے ماورا ان تصاویر کا تصور بھی شاید ہمارے معاشرے میں جرم کی ذیل میں آسکتا تھا۔

اندر پہنچ کر ویرا پُرتکلف مسہری پر جا گری۔ اسکاچ کی بوتل اس نے مسہری کے گدے پر ڈال دی اور میں ایک گوشے میں پڑے ہوئے سیاہ اور منقش آبنوسی صوفے پر ٹک گیا۔

"فی الحال یہ میرا ٹھکانہ ہے۔" کمرے کی رومان پرور فضا میں اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری۔ "یہاں آتی ہوں تو یہ اپنی مہیب تنہائی سمیت میرا ساتھ دیتا ہے پھر مہینوں ویران اور مقفل پڑا رہتا ہے، شاید تم پہلے آدمی ہو جو یہاں تک پہنچے ہو۔"

"آدمی یا مرد؟" میں نے اس کی کیفیت بھانپتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"مرد بھی کہہ سکتے ہو۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "البرٹ کو تو اس کمرے میں جھانکنے کی حسرت ہی ہے، وہ بھی آج تک اندر نہیں پھٹک سکا ہے لیکن تمہیں نجانے کیوں یہاں لے آئی ہوں۔"

میں نے ایک جلا کٹا، طنزیہ سا تبصرہ سوچا لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ لوہا گرم تھا، وہ خود بخود راہ پر آ رہی تھی، اپنی تمام تر بالادستی اور اختیار کے باوجود اسے کسی سہارے کی تلاش تھی، ایسے میں اسے بھڑکانا یا اشتعال دلانا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

"تو کیا تم پر یہاں تنہا رہنے کی کوئی پابندی عائد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رازداری۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "کون ہے جو اس پُرتکلف خلوت کدے کی کہانیاں باہر جا کر نہ دہرائے گا۔ تمہیں اس خیال سے لے آئی ہوں کہ تم سرکشی کی تھوڑی سی سزا سہہ چکے ہو لہٰذا باہمی مفاد میں اپنی زبان بند رکھو گے۔"

"اور البرٹ؟" میں نے سوال کیا۔ "اسے تو شاید مجھ سے کوئی پیدائشی بغض ہے، وہ تو اشتہار چھپوا دے گا اس ملاقات کے۔"

"اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکے گا کہ ہم کہاں ہیں۔" وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولی اور میں بوکھلا کر ایک قالین کو گھورنے لگا۔ "آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک اسے ہر حالت میں ریڈیو روم میں موجود رہنا ہوتا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اہم پیغامات کی وصولیابی اور ترسیل کے لیے یہی وقت مقرر ہے۔ اس دوران میں وہ وہاں سے ہل بھی نہ سکے گا۔"

"اور اس دوران میں یہاں میرا مصرف کیا ہوگا؟"

"سوچتی ہوں کہ تم سے دوستی کر لوں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن بات وہی ہے کہ تم لوگ ناقابلِ فہم ہوتے ہو، کچھ پتا نہیں کہ کب تمہاری رگ پھڑک اٹھے اور تم میری سرکوبی پر تل جاؤ۔"

"ضروری تو نہیں تھا کہ تم مجھے اس خلوت گاہ میں لاتیں، ہم کسی ہوٹل میں بھی بہ آسانی پوری رات بسر کر سکتے تھے، فرق صرف اتنا ہوتا کہ اس طرح ہمیں سرکار کو ساڑھے سات فیصد ایکسائز ڈیوٹی ادا کرنا پڑتی۔" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تم سب ایک جیسے ہوتے ہو۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔"کسی عورت کی زبان سے دوستی کی پیش کش سُنتے ہی بس ایک مفہوم اخذ کرتے ہو، یہ نہیں سوچتے کہ اس پیشکش کے پیچھے کون سا کرب کارفرما ہے۔"

"پیچھے نہیں، میں تو صرف آگے کا سوچنے کا عادی ہوں۔" میں نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھ کر جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا "جو ہو گیا اس پر دماغ کھپانا بے سود ہے، ہمیں مستقبل پر نگاہ رکھنا چاہیے۔"

"مستقبل!" وہ زیرِ لب مسکرائی۔"تمھاری بس یہی ایک ادا مجھے بھائی ہے کہ ہر قسم کے حالات میں حاضر دماغی سے کام لیتے ہو، ایسے لوگ ہزاروں میں ایک آدھ ہی ہوتے ہیں۔"

"تعریف کا شکریہ۔" میں نے بستر پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔"اب یہاں آمد کا مدّعا بھی بیان کر چلو، ورنہ میں دوستی کے معروف مفہوم پر عمل پیرا ہو گیا تو میرا ذہن کُند ہو کر رہ جائے گا۔"

"میرے بارے میں تم کیا سمجھتے ہو؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

"خوب صورت اور فیاض لڑکی ہو۔" میں نے اس کے لہجے کو دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے بے پروایانہ انداز میں کہا۔"شاید میری بھی کوئی ادا بھا گئی ہے جو مجھ پر بھی مائل بہ کرم ہو ورنہ کھال کھنچوا کر اس میں بُھس بھی بھروا سکتی تھیں۔"

"خرافات نہیں۔" وہ غرّائی۔"تم کیا سمجھتے ہو کہ میں اس لائن میں کیوں آئی ہوں۔"

"بے راہ روی اور شاید مغربی معاشرے کی حد سے بڑھی ہوئی آزادیاں۔"

"آزادیاں نہیں، مجبوریاں کہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔"ایک بار تم نے کہا تھا کہ وبرا لائیڈ، جمی لائیڈ اور لائیڈز کالج میں تمھیں کوئی گہرا تعلق نظر آتا ہے، اس کا سبب کیا تھا؟"

"سامنے کی بات ہے، لائیڈ تینوں جگہ مشترک ہے۔ اسی بنا پر کسی چھوٹی موٹی خاندانی مافیا کا تصور ذہن میں سر ابھارتا ہے۔"

"تم پہلے آدمی ہو جو اس نتیجے پر پہنچے ہو ورنہ کوئی بھی ان تینوں ناموں کو آج تک یکجا نہیں دیکھ سکا کیونکہ لائیڈز کالج کے نواح میں بھی میرا داخلہ ممنوع ہے اور میں جن لوگوں سے ملتی جُلتی ہوں وہ لائیڈز کالج کے وجود اور اسرار سے لاعلم ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" میں نے اس کی تمہید سے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر میں تم سے کہوں کہ میں ایک خطاب یافتہ گھرانے کی بیٹی ہوں تو تم یقین کر لو گے؟"

"بسر وچشم، یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ عموماً اچھے گھرانے کے چشم و چراغ ہی اعلا درجے کے جرائم میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ پھر اب تو یہ لہر ہمارے یہاں بھی چل پڑی ہے۔"

"یوں نہیں سمجھو گے۔" وہ بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے بولی۔"میری ماں ایک لارڈ کی اکلوتی بیٹی تھی جسے اپنی خدمات پر دو خطابات بھی ملے ہوئے تھے۔ ایک پارٹی میں میری ماں کی ملاقات جمی لائیڈ سے ہوئی جو اپنے رکھ رکھاؤ سے بہت عالی نسب معلوم ہوتا تھا۔ وہ دونوں رات گئے تک ساتھ ناچتے رہے پھر تقریب کے اختتام پر جمی لائیڈ اسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ ان دونوں میں بعد میں کئی ملاقاتیں ہوئیں اور جمی لائیڈ نے میری ماں کو اپنی ذات کے سحر میں گرفتار کر لیا۔ پھر جب یہ انکشاف ہوا کہ میری ماں، ماں بننے والی ہے تو جمی لائیڈ یکلخت روپوش ہو گیا۔ میری ماں اس سے ملنے جہاں جاتی رہی تھی، وہاں رجوع کیا تو ملازمین یکسر منحرف ہو گئے۔ انھوں نے اس نام اور حلیے کے کسی بھی شخص کے وجود سے انکار کر دیا اور احساسِ جرم سے مغلوب ہو کر میری ماں نے ایک رات اپنا گھر چھوڑ دیا۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے سوال کیا۔"تمھارے معاشرے میں تو سنگل پیرنٹ فیملی کا واضح اور قانونی تصور موجود ہے پھر اُسے گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تحفظات نچلے درجے کے لوگوں کے لیے ہیں۔" وہ بولی۔"اعلا حلقوں میں حسب نسب آج بھی اسی قدر اہم ہے جتنا سترھویں صدی میں ہوتا تھا۔ جمی لائیڈ جس طرح غائب ہوا اس کی بنا پر میری ماں کو پورا یقین تھا کہ وہ کوئی بڑا آدمی تھا لہٰذا میری پیدائش پر اس نے میرا نام بھی اسی کے نام پر رکھا۔ وہ اس جہان کے مصائب جھیل کر بلکہ گھناؤنی زندگی گزار کر بھی مجھے پروان چڑھاتی رہی اور تیرہ برس کی عمر میں مجھے تنہا چھوڑ کر مر گئی۔ اس نے اپنے ماضی کی ہر بات سے مجھے آگاہ کر دیا تھا لہٰذا میں اسی دن سے اپنے باپ کی تلاش میں ہوں۔ ایک بار اٹلی میں چند بڑے منشیات فروشوں کے تصادم کے سلسلے میں جمی لائیڈ کا پُراسرار نام اخبارات کی سرخیوں کی زینت بنا تو میری ساری توجہ اسی طرف مرکوز ہو گئی۔ میں جمی لائیڈ تک تو رسائی حاصل نہ کر سکی لیکن اس کے گروہ میں ضرور شامل ہو گئی۔ اس دوران میں، میں مسلسل اپنا نام استعمال کرتی رہی تاکہ میرا نام کبھی اس تک پہنچے تو اُسے اپنا بھولا ہوا ماضی یاد آ سکے۔ پھر شاید اُسے میرے وجود کا علم ہو گیا لیکن مجھ پر اس کا اظہار نہیں کیا گیا۔ ہاں، تنظیم کے تمام تر اصولوں کے باوجود مختلف ذرائع سے مجھ پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ میں تنظیم چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لوں تو ساری عمر میری ضروریات پوری کی جاتی رہیں گی۔ تنظیم میں کارکنوں کے لیے دو ہی معیار ہیں۔ کارآمد رہیں تو کام کرتے رہتے ہیں۔ ناکارہ ہو جائیں یا قانون کی نظروں میں آ جائیں تو مار دیے جاتے ہیں اس اعتبار سے میرے لیے وہ پیش کش بہت عجیب تھی اور میں نے اسے ٹھکرا دیا۔ مجھے امید تھی کہ گروہ میں رہ کر شاید کبھی میں اپنے باپ تک رسائی حاصل کر سکوں لیکن میرا یہ خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، البتہ میرے منصب میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہونے لگا اور آج میرا شمار تنظیم کے چند بڑوں میں ہوتا ہے جو اپنے معاملات اپنی صوابدید کے مطابق طے کر سکتے ہیں۔"

"بڑی عجیب اور ناقابلِ یقین سی کہانی ہے تمھاری۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔"لیکن یہ سب مجھے بتا کر تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہو؟"

"مجھے تنظیم کے اندر ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔" وہ پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔"کوئی ایسا ساتھی جو میری مدد کر سکے۔"

"تمھیں کس سلسلے میں مدد درکار ہے؟"

"پوری کہانی سن کر بھی یہ سوال کر رہے ہو۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔"اپنے باپ تک رسائی کے علاوہ میرا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

"جب وہ تمھیں اپنانے کے لیے تیار نہیں ہے تو تم کیوں اس سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔"امید جب تک باقی رہے بہت سے دل خوش کُن تصورات برقرار رہتے ہیں لیکن جب امید حقیقت کی کسی ننگی اور بے رحم دیوار سے ٹکرا کر بکھر جاتی ہے تو بسا اوقات زندگی عذاب بن جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ تمھاری کہانی ماننے سے انکار ہی کر دے۔"

"پھر یہ میرا انتخاب ہو گا کہ میں کیا کرتی ہوں۔" وہ پُرعزم لہجے میں بولی۔

"کیا تمھاری یہ سوچ بغاوت کے مترادف نہیں ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔"تمھیں جس کام سے روکا گیا ہے تم اسی راستے پر چلنے کے لیے پر تول رہی ہو۔"

"سوالات نہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں بولی۔"میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو یا نہیں؟"

"یعنی مجھ ہی کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتی ہو۔"

"میں ان کی نظروں میں ہوں، جمی لائیڈ کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ میں اس کی ہدایات سے انحراف کر کے خود لائیڈز کالج کے طواف کرتی پائی جاؤں لیکن تم پچھلے معاملات صاف ہو جانے کے بعد اپنے لیے کوئی راہ نکال سکو گے۔"

"پچھلے معاملات۔" میں نے دھیمے سے کہا۔"تم نے تو اپنے مفاد کے لیے میرے گناہوں کو بخش دیا ہے لیکن لائیڈز کالج والے میری لائی ہوئی بربادی کو کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ میری معافی ان کے ذہنوں میں ہمیشہ چبھتی رہے گی۔"

"یہ دیکھنا میرا کام ہو گا۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں یقین دلایا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں تمھارے ساتھ تعاون کیوں کروں گا؟"

"بس اخلاقاً۔" وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔"میں نے سنا ہے کہ مشرق میں اخلاق کے بہت اعلا معیار رائج ہیں۔"

"ضرور رائج ہیں لیکن میں نے جس روز منشیات فروشی میں ملوث ہونے کا فیصلہ کیا تھا، اخلاق کو اسی دن خیرباد کہہ دیا تھا۔ اب تو سارے فیصلے مفادات کے تابع ہوتے ہیں۔"

"دو چار لاکھ کا معاوضہ چاہتے ہو؟"

"مل جائیں تو انکار نہیں کروں گا لیکن محض پیسے کے لیے میں اتنا بڑا جوا نہیں کھیل سکتا۔ تم نے جب یہ بات مجھ سے چھیڑی تھی تو تمھارے ذہن میں وہ اسباب بھی رہے ہوں گے جس کی بنا پر تمھیں میرے تعاون کی امید تھی۔ بس میں اسی کے بارے میں تمھاری زبان سے تفصیلات سننا چاہتا ہوں۔"

"یہی کیا کم ہے کہ میں نے تمھیں اے ٹو کے چنگل سے نجات دلائی ہے۔۔۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی۔"وہ تمھارا سوچا سمجھا منصوبہ نہیں تھا۔ جب تم نے اے ٹو کو جہنم واصل کیا تو میرا اور تمھارا سامنا تک نہیں ہوا تھا۔ اپنے اس انتقامی فیصلے کو تم احسان کے طور پر میرے سر پر نہیں تھوپ سکتیں۔"

"یہ خیال دراصل کل کی پیداوار ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔"میں نے ایڈی کو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت راستے پر ڈالا تھا اور اسی سے یہ کام نکلوانے کا ارادہ تھا لیکن وہ کل مارا گیا، اب سوچتی ہوں تو کل کا واقعہ مقدر ساز نظر آتا ہے۔ ایڈی وحشی کی طرح طاقتور اور جنگجو ضرور تھا لیکن عقل سے اسی قدر عاری بھی تھا۔ اسی لمحے میں نے تم کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"یعنی جو مہربانیاں ایڈی پر تھیں، اب ان کا حقدار میں قرار پاؤں گا لیکن یہ بتا دوں کہ میں ایبرٹ کی رقابت نظر انداز نہ کر سکوں گا۔ اگر اس نے کبھی میری موجودگی میں ریشہ خطمی ہونے کی کوشش کی تو میں اس کا جبڑا بکھیر دوں گا۔"

"تم اُسے غلط سمجھ رہے ہو، وہ بے چارا تو بہت بے ضرر سا عاشق ہے۔ بس پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر بے تکلفانہ انداز میں باتیں کرتا ہے اور چار دن تک اسی تصور میں مست رہتا ہے۔"

"تمھاری قربت واقعی اسی قدر خمار آور ہے۔" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اس دام میں نہیں آسکوں گا۔ تعاون کی بس ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ مجھے بھی کچھ آزادیاں فراہم کی جائیں۔"

"ڈسپلن کو برقرار رکھتے ہوئے جو کچھ ممکن ہوگا وہ کر گزروں گی۔" وہ بوتل سنبھال کر دیوارگیر کیبنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "شاید ہم آج کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں، تم کل آؤ گے تو ہم زیادہ کھلے دل سے بات کرسکیں گے۔"

"کیا آج اور کل میں کوئی فرق پڑ جائے گا؟" میں نے مضحکہ اڑانے کی حد تک بے پروائی اختیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یقیناً۔" اس کی آواز پُراعتماد تھی پھر چٹ کی آواز کے ساتھ وہ بولی "میں نے کینڈل لائٹ جلادی ہے تم مین سوئچ بورڈ سے روشنیاں گُل کردو۔"

میری انگلیوں نے مشینی انداز میں جنبش کی اور کمرا تاریک ہوگیا۔ اب صرف دیوارگیر کیبنٹ میں ایک ایسی کینڈل لائٹ روشن تھی جو اس لماری میں سجی ہوئی بوتلوں اور گلاسوں کی بھرپور نشاندہی کررہی تھی لیکن اس سے آگے مجبور و بے بس تھی۔ ویرا لائیڈ اسی کیبنٹ کے سامنے کھڑی دو گلاسوں کی تیاری میں مصروف تھی اور اس کے تیور خاصے ہوش رُبا نظر آرہے تھے۔

☸ ☼

وہ اچانک ہی ہانپتا ہوا کار کے سامنے آگیا۔ اگر میں پوری قوت سے بریک پیڈل پر پاؤں نہ رکھ دیتا تو اس کا کار کے پہیوں تلے کچل کر آنجہانی ہوجانا یقینی تھا۔

وہ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کا ایسا صاف ستھرا علاقہ تھا کہ اس پر بلا مبالغہ کسی اہم فوجی چھاؤنی کا گمان ہوتا تھا، اب یہ اور بات تھی کہ بیشتر فوجی افسران اپنی آراضی شہری خریداروں کو سونپ کر کہیں اور جا بسے تھے، اس انقلابی تبدیلی میں علاقے نے کچھ عجیب ہی رنگ روپ نکالا تھا۔ مکانوں کے احاطوں میں شہری عادات و اطوار پوری شدت کے ساتھ کارفرما تھیں لیکن باہر ہر طرف کسی چھاؤنی کی سی مانوس ویرانی ڈیرا ڈالے ہوئے نظر آتی تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اگر ذرا بھی بے احتیاطی سرزد ہوتی تو اس وقت تم پہیوں کے نیچے آچکے ہوتے اور میں افسوس کے سوا کچھ نہ کرپاتا۔"

"ایک موڑ پر میں دیر سے پہنچا اور تمھاری گاڑی نکل گئی۔" وہ دروازہ کھول کر اندر گرتے ہوئے، چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا۔ "پھر میں مکانوں کے درمیان سے شارٹ کٹ اختیار کرکے یہاں تک آیا تھا، اگر اس بار بھی تاخیر ہوجاتی تو نہ جانے ٹیکسی کی تلاش میں کتنی دور تک پیدل ہی چلنا پڑتا۔"

میں نے انجن گیئر میں ڈال کر گاڑی آگے بڑھادی۔

"واپسی میں بہت دیر ہوگئی تمھیں۔" کچھ دیر تک سانسوں پر قابو پانے کے بعد وہ بولا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب شاید ہی تمھاری واپسی ہوسکے۔ صبح کا اجالا پھیلنے کے بعد کسی کا... کے امکانات پر غور کررہا تھا۔"

"اچھا ہی ہوا کہ صبح کے انتظار میں نہ رہے۔ دراصل شوگر... سے مذاکرات ذرا طول اختیار کرگئے۔"

"مذاکرات یا ملاقات؟" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"جو دل چاہے کہہ لو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن ... کے سامنے ذرا محتاط ہی رہنا۔ ان معاملات میں وہ بہت حساس..."

"بہت خوش نظر آرہے ہو، معلوم ہوتا ہے کہ آج پرانے تعلقات کی دل کھول کر تجدید ہوئی ہے۔"

"ہاں۔ آج پچھلا سارا حساب برابر ہوگیا اور فی الحال مجھے غزالہ کی تلاش کا کام سونپا گیا ہے۔"

"غزالہ کی تلاش؟" سلطان شاہ حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ براہِ راست ناکام ہونے کے بعد اس نے بالواسطہ وار کیا ہے لیکن میں نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ غزالہ اور اس کی مطلوبہ لڑکی ایک ہی شخصیت کے دو رخ ہیں۔"

"یعنی یہ معاملہ ابھی تک زندہ ہے۔"

"وہ تمھیں بھی گھیرنا چاہ رہی تھی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اختصار کے ساتھ اُسے پوری گفتگو سے آگاہ کردیا۔

"اس کا مطلب ہوا کہ اب مجھے بھی محتاط رہنا ہوگا۔"

"محتاط نہیں بلکہ تم کچھ دنوں کے لیے روپوشی اختیار کرلو۔ اس دوران داڑھی مونچھیں بڑھا کر تم اپنے حلیے میں نمایاں تبدیلی لاسکو گے، میرے لیے فی الحال راوی عیش ہی عیش لکھتا ہے۔ شوگر کوئین تنظیم کے مفادات کے خلاف مجھ سے ایک سمجھوتا کر... ہے۔ اس بارے میں طریقہ کار کل طے ہوجائے گا۔"

اس کے استفسار پر میں نے ویرا لائیڈ کی کہانی چھیڑ دی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے میرے انکشافات سنتا رہا اور جب خاموش ہوا تو وہ بے اختیار بول پڑا۔ "تم جہاں جاتے ہو کوئی نہ کوئی کمزوری نکال ہی لیتے ہو اگر وہ درست کہہ رہی ہے تو اس کے تعاون سے تمھیں ناقابلِ تصور آسانیاں مل سکیں گی۔"

وہ تبصرے کرتا رہا اور سفر جاری رہا۔

گھر پر سناٹا طاری تھا لیکن گاڑی رکتے ہی برآمدے میں غزالہ نظر آئی۔ بے اختیار میری نگاہیں رسٹ واچ پر چلی گئیں



صبح کے ساڑھے تین بجا رہی تھی۔

میں تو ویرا کی خواب گاہ میں مے نوشی کے درمیان ہی اپنی آتشِ شکم سرد کرچکا تھا لیکن سلطان شاہ بھوکا تھا اسے کھانا دے کر غزالہ میرے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوگئی اور میں نے اپنی اور ویرا کی ملاقات کی نوعیت کے علاوہ سارے واقعات بلاکم و کاست سُنادیے جس پر اس نے کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر مسکرا کر مجھے مبارکباد دی تھی کہ آخر کار مجھے بھی اس کی تلاش کی مہم میں شریک کرلیا گیا تھا۔

جمی لائیڈ کے بارے میں شوگر کوئین کی کہانی پر وہ اعتبار نہیں کرسکی تھی کیونکہ وہ عین موقع پر ویرا کے چہرے کے حقیقی تاثرات نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کی رائے تھی کہ ویرا کی وہ کہانی من گھڑت تھی اور اس طرح وہ اندازہ لگانا چاہ رہی تھی کہ میں تنظیم کے ساتھ کس حد تک مخلص رہنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس مباحثے سے نمٹ کر ساڑھے چار بجے ہم اپنے کمروں کی طرف ہولیے۔

سلطان شاہ نے اپنا وقت واقعی بے آرامی میں گزارا تھا اس لیے بُری طرح تھکا ہوا تھا۔ وہ تو بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند سوگیا لیکن میں دیر تک سگریٹیں پھونکتا گزرے ہوئے واقعات کا تجزیہ کرتا رہا اور آخر کار میری بھی آنکھ لگ گئی۔

صبح گھر میں ایک کہرام سا برپا ہوا تو میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔ کمرے سے نکلا تو ہر ایک ہراساں اور دم بخود تھا۔ کرنل کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی اور وہ برسوں کا بیمار نظر آرہا تھا۔

"کیا ہوا؟ یہ سب کے چہرے لٹکے ہوئے کیوں ہیں؟ غزالہ کہاں ہے؟" میں نے ان سب کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے وحشت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہم لُٹ گئے بیٹے!" کرنل روہانسی آواز میں کراہا۔ "غزالہ گھر سے غائب ہے پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بار دشمنوں کا وار ہم پر چل ہی گیا ہے۔"

میری نگاہوں کے سامنے ایک دم اندھیرا سا چھا گیا۔

"کمرے میں تشدد کی کوئی علامت نہیں ہے۔" جہانگیر کہہ رہا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اُسے بے ہوش کرکے لے جایا گیا ہے۔"

"اس گھر پر تو کوئی عتاب ہی آیا ہوا ہے۔" سلمیٰ کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔ "تشدد اور خونریزی کے بعد اب اغوا کی بھی نوبت آگئی ہے۔ شاید کوئی بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔ نہ جانے وہ اُسے کہاں لے گئے ہوں گے اور بے چاری کا کیا حشر کررہے ہوں گے۔"

میرے لیے وہ بدترین خبر تھی لیکن ان سب کی حالت دیکھتے ہوئے مجھے سنبھالا لینا پڑا ورنہ غزالہ کے ساتھ تو جو ہوا تھا سو ہوا تھا وہ سب بھی اعصاب زدہ ہوکر رہ جاتے۔

"اس کی گمشدگی کا علم کیسے ہوا؟" میں نے پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ ہمیشہ دروازہ بند کرکے سونے کی عادی ہے۔" کرنل پھنسی پھنسی آواز میں بدقت تمام بولا۔ "میں بیدار ہوا تو اس کی خواب گاہ کا دروازہ کھُلا ہوا تھا۔ پہلے میں سمجھا کہ وہ شاید خلافِ معمول جلدی بیدار ہوکر کچن وغیرہ میں جا گھسی ہے لیکن جب کہیں نظر نہ آئی تو میں نے خواب گاہ میں نگاہ دوڑائی اور وہاں اس کا بستر خالی تھا، چپلیں کمرے میں موجود تھیں جو ایک انہونی بات تھی۔ وہ تو کبھی ننگے پاؤں گھومنے کی عادی نہیں تھی۔ میری بچّی!" کرنل کے منہ سے ایک سسکی نکلی اور وہ رومال میں اپنا منہ ڈھانپ کر خاموش ہوگیا۔

"حالات کچھ خطرناک رُخ اختیار کرچلے ہیں۔" میں نے جہانگیر کو ایک طرف لے جاکر نرمی سے کہا۔ "ان حالات میں تمھارا یہاں ٹھہرنا مخدوش ہوسکتا ہے، بہتر یہی ہوگا کہ تم سلمیٰ کو ساتھ لے کر اپنے گھر لوٹ جاؤ۔"

"اس بُرے وقت میں، میں تمھیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔ "سلمیٰ کو میں یہاں سے اس کے رشتے داروں میں بھیجے دیتا ہوں، صرف اسی کی وجہ سے ہمیں کوئی دشواری پیش آسکتی ہے۔"

"نہیں تم بھی جاؤ گے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "پرانی بساط الٹ چکی ہے اور اب نئے سرے سے آدمیوں کو یکجا کیا جارہا ہے۔ تم ان کی نگاہوں میں معتوب بھی نہیں رہے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اب تک تم سے رابطے کی کوششیں شروع کی جاچکی ہوں، تمھیں اپنے ٹھکانے پر موجود رہنا چاہیے تاکہ ان سے رابطہ پیدا کرسکو۔ تمھارے ذریعے ان کے بہتیرے عزائم ہمارے علم میں آسکتے ہیں۔ تم یہاں سے نکل کر ہی زیادہ سود مند ثابت ہوسکو گے۔"

میری تقریر اس کے ذہن میں اتر گئی اور وہ فوری طور پر وہاں سے روانگی کے لیے آمادہ ہوگیا۔ اس بارے میں سلمیٰ نے خاصی مزاحمت کرنا چاہی تھی لیکن میری اور سلطان شاہ کی مداخلت پر اُسے بھی ہتھیار ڈالنے پڑے۔

ان دونوں کی روانگی کے بعد گھر میں سناٹا چھا گیا۔ کرنل ڈرائنگ روم میں بیٹھا مسلسل روئے جارہا تھا اور سلطان شاہ یوں اُداس تھا جیسے اس کی کوئی قیمتی متاع لٹ گئی ہو۔ شمع اس تمام ہنگامے سے لاتعلق کوکین کے نشے میں ڈوب کر گہری نیند

سوئی ہوئی تھی۔

"ہمیں بدترین زک اٹھانا پڑی ہے۔" سلطان شاہ مغموم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بھابی کی تلاش میں کن دیواروں سے اپنا سر ٹکرایا جائے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ صبح واپسی پر ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا تھا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے خیال انگیز لہجے میں سوال کیا۔

"اگر ہیڈ لیمپس گل کر کے کوئی پیچھے لگا رہا ہو تو اور بات ہے ورنہ بظاہر تو میدان صاف تھا۔"

"تعاقب کون کر سکتا ہے؟" میں خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "ویرا میرے ساتھ تھی، البرٹ سو رہا تھا اور محافظ اپنی ڈیوٹی پر تھا، وہاں سے کون تعاقب میں نکل سکتا تھا۔"

"ویرا سے تو تمہاری مصالحت ہو گئی تھی۔ اسی سے رجوع کیوں نہیں کر لیتے؟" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"میں خود بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔ اگر غزالہ ویرا ہی کے ہاتھ لگی ہے تو اب ہمیں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔ سب سے بڑھ کر میری غلط بیانی ثابت ہو جائے گی کیونکہ میں ابھی تک غزالہ کے وجود سے مسلسل انکار کرتا رہا ہوں۔ خود ویرا بھی آسانی سے اس کارروائی کا اعتراف نہیں کرے گی۔"

"لائیڈز کالج والے بھی اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی اور میں یک بیک مضطرب ہو گیا۔ وہ لوگ انسانوں کے روپ میں درندے تھے۔ غزالہ کے ان کے ہاتھ لگنے کے تصور ہی سے میں کانپ اٹھا۔

پھر میں نے اسی حالت میں مواصلاتی یونٹ کا نمبر ڈائل کر ڈالا۔

"ڈینی بول رہا ہوں، مجھے ویرا سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوتے ہی میں نے براہِ راست مطلب کی بات کہہ ڈالی۔

"پیغام نوٹ کرا دو، ضرورت محسوس ہوئی تو وہ خود تمہیں رنگ کر لے گی۔" ریسیور پر البرٹ کی خشک آواز ابھری۔

"میں پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں، میرا کوئی نمبر نہیں ہے۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "میرے پاس بہت اہم پیغام ہے، اگر تاخیر ہوئی تو صورتِ حال قابو سے باہر بھی ہو سکتی ہے۔"

"ہوا کرے۔" اس کی آواز بے پروایانہ تھی۔ "ابھی میری ہٹیاں جل رہی ہیں۔ کچھ تمہاری بھی جل جائیں گی۔"

"تم مجھے زچ کر رہے ہو البرٹ۔" میں غصے اور بے بسی کے عالم میں بولا۔ "اگر تم نے میری بات نہ مانی تو شاید مجھے خود ہی یونٹ کا رخ کرنا پڑے گا۔"

"کل شام کی بات اور تھی، آج تم اندر قدم بھی نہ رکھ سکو گے۔"

"اچھا یہی بتا دو ویرا کہاں ہے؟" میں نے زچ آ کر کہا۔

"میں ٹھہرا بوڑھا آدمی، بھلا مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ تم جوان ہو، اپنے تخیل کا زور لگاؤ تو الہام شروع ہو جائے گا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔" اس وقت وہ شاید میری مجبوری بھانپ کر مجھ سے بدلہ لینے پر تل گیا تھا۔

"اس وقت یہ کمینگی تم کو زیب نہیں دے رہی بڈھے گدھے!" میں نے طیش کے عالم میں کہا۔

جواب میں ریسیور پر اس کا گونجیلا قہقہہ سنائی دیا۔ "اب میری طبیعت خوش ہوئی نا ـــ کمینگی تو بس تم ہی کو زیب دیتی ہے کہ جس کا کھاتے ہو اسی کو آنکھیں دکھاتے ہو۔ ویسے تمہیں تکلیف کیا ہے۔ سنا ہے کہ رات ڈھائی تین بجے تک اسی کے ساتھ تھے اور اب صبح ہوتے ہی پھر اس کی تلاش شروع کر دی ہے!"

"ہمارا ایک اہم آدمی پولیس لاک اپ میں بدترین تشدد کا نشانہ بنا ہوا ہے۔" مجھے اس کی عقل ٹھکانے لانے کا ایک بہانہ اچانک ہی سوجھ گیا۔ "اگر اس کے بارے میں فوری طور پر قدم نہ اٹھایا گیا تو کسی بھی وقت وہ زبان کھول بیٹھے گا اور اس تمام تباہی کی ذمے داری تم پر ہو گی ـــ بس اب میں فون بند کر رہا ہوں۔"

"ارے، ناراض ہو گئے میری جان۔" بڈھا خلافِ توقع اس وقت خاصی خوش دلی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ "میں تو بس تمہاری ہڈیاں سلگا رہا تھا۔ ذرا چند منٹ انتظار کرو، میں اسے کو بلائے لاتا ہوں۔"

میں بس ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ غنیمت تھا کہ وہ راہِ راست پر آ گیا تھا ورنہ شام کو ویرا سے طے شدہ ملاقات سے پہلے وہ گتھی سلجھنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ میں ریسیور کان سے لگائے امید و بیم کی حالت میں کھڑا تھا کہ اچانک ہی ریسیور میں ویرا کی آواز گونجنے لگی۔ "معاملہ گڑبڑ ہے تو فوراً ہی ادھر آ جاؤ، میں انتظار کر رہی ہوں۔"

اس سے پیشتر کہ میں اس کے جواب میں زبان بھی ہلاتا، دوسری طرف سے کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ غالباً ریسیور کریڈل پر رکھ دیا گیا۔ میں ریسیور کان سے لگائے کئی سیکنڈ تک ہیلو ہیلو کرتا رہا لیکن دوسری طرف مسلسل سناٹا چھایا رہا اور ناچار مجھے بھی سلسلہ منقطع کرنا پڑ گیا۔

لحظہ بھر کے لیے مجھے دوبارہ نمبر ڈائل کرنے کا خیال آیا لیکن میں نے اسے فوراً ہی ترک کر دیا۔ میں نے ویرا کو فون پر بلانے کے لیے البرٹ سے جو بہانا کیا، وہ لاکھ سہی لیکن تفصیل طلب تھا جب کہ ویرا نے مجھے بولنے کا



موقع نہیں دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کسی وجہ سے مجھ سے فون پر بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

میں سن چکا تھا کہ وہ مواصلاتی یونٹ بہترین نشریاتی، مانیٹرنگ اور ریکارڈنگ کے آلات سے لیس تھا۔ شاید ویرا کو شبہ رہا ہو کہ کہیں البرٹ اس کی لاعلمی میں گفتگو ریکارڈ نہ کر لے اسی وجہ سے اس نے اپنا پیغام پورا کرتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا رہا؟" مجھے خیالات میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سلطان شاہ نے چند ثانیوں کے بعد سوال کیا۔

"میری بات سنے بغیر اس نے مجھے وہاں پہنچنے کی ہدایت دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔" میں نے کہا۔ "نجانے وہ میری کال سے کیا مطلب اخذ کر بیٹھی ہے۔"

"تمہیں جانا تو ہو گا۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ذرا سی دوڑ یہ بھی سہی۔"

"تم یہیں رک کر ذرا کرنل کا خیال رکھنا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں جلد از جلد واپس لوٹنے کی کوشش کروں گا۔"

میں فوراً ہی لباس تبدیل کر کے یونٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

پچھلی ملاقات محافظ کو اچھی طرح یاد تھی لہٰذا اس نے مجھے پہچانتے ہی پھاٹک کھول دیا۔ گاڑی پختہ روش پر اندر لے جاتے ہوئے مجھے ویرا باہر لان پر ہی ٹہلتی ہوئی نظر آئی اور میں نے کار پورچ میں بڑھا لے جانے کے بجائے وہیں روک دی۔

"اب کہو کہ کون پکڑا گیا ہے؟" میرے قریب پہنچنے پر اس نے دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"فون پر بات کرنے سے گریز کیوں کیا تھا؟" میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔ مجھے ... تھا کہ اپنی بے تابی ظاہر کر کے میں اس کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاؤں گا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم غیر محتاط گفتگو کرو گے جب کہ یہاں سے ہونے والی ہر کال ٹیپ ہوتی ہے ـــ تم اپنے ساتھ میرے لیے بھی دشواریاں پیدا کر سکتے تھے۔ البرٹ اپنے فرائض میں کسی کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں کرتا۔"

"لیکن وہ خود تو فون پر کافی بکواس کر رہا تھا۔"

"وہ کر سکتا ہے کیونکہ ٹیپ کی ہوئی کالز کو وہ خود ہی مانیٹر کرتا ہے اور اوپر والوں کو براہِ راست رپورٹ بھیجتا ہے، وہ جو کچھ چاہے رپورٹ سے حذف کر سکتا ہے۔ وہ خود بھی بتا رہا تھا کہ اس نے تم سے فون پر خاصا بدلہ لے لیا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کس بارے میں بات کرنے کے لیے بے چین تھے؟"

"کیا میں آزادی کے ساتھ بات کر سکتا ہوں؟" میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"پوری آزادی سے۔" اس نے فراخدلانہ لہجے میں کہا۔ "میں اسی لیے باہر نکل آئی ہوں۔"

"صبح یہاں سے واپسی پر میرا تعاقب کیا گیا تھا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"بالکل کیا گیا تھا۔" اس کے جواب نے میرے وجود میں سنسنی سی دوڑا دی۔

"کیا یہ طے شدہ معاملات سے تجاوز نہیں تھا؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"معاملات تو آج شام طے ہونے تھے۔" اس نے مکارانہ لہجے میں کہا۔ "پھر تجاوز کا سوال کیسے پیدا ہو گیا؟"

"لڑکی کہاں ہے؟" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟" اس نے بے پروائی سے پوچھا۔

"جسے آج صبح سویرے اغوا کیا گیا ہے۔"

"جس کے بارے میں تم جھوٹ بولتے رہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "وہ تنظیم کو مطلوب ہے لیکن تم آج تک سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔ میں نے نہ صرف تمہارا تعاقب کیا بلکہ اس کو بھی بھرے گھر میں سے نکال لائی۔"

"تت... تم نے خود اغوا کیا ہے اسے؟" اس انکشاف پر میں ششدر رہ گیا۔

"کسی اور سے مدد لی ہوتی تو وہ اب تک لائیڈز کالج کے کسی عقوبت کدے میں اپنی زندگی کے بدترین لمحات گزار رہی ہوتی۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"میری تحویل میں ہے۔" وہ پُرغرور لہجے میں بولی۔ "دراصل تم نے خود ہی مجھے اس کارروائی پر اکسایا تھا، مجھے پہلے سے شبہ تھا کہ وہ لڑکی تمہاری ساتھی ہے ـــ کل جب تم نے سوال کیا کہ جمی لائیڈ کے بارے میں تم میرے ساتھ تعاون کس لیے کرو گے تو پہلی بار مجھے اپنی نازک پوزیشن کا احساس ہوا، میں زبان کھول کر پھنس چکی تھی اور تم بالادست تھے لیکن اب صورتِ حال ہمیں برابری کی سطح پر لے آئی ہے۔"

"ذرا وضاحت سے بات کرو، میں تمہارا مدعا نہیں سمجھ سکا۔"

"تم جب تک میری ہدایات پر عمل کرتے رہو گے، لڑکی میری تحویل میں محفوظ رہے گی اور جس لمحے تم نے مجھے کراس کرنے کی کوشش کی، میں لڑکی کو ان درندوں کی تحویل میں دے دوں گی جو وحشی اور سفاک ہیں۔"

"یعنی تم مجھے بلیک میلنگ کی دھمکی دے رہی ہو؟"

"جو چاہو سمجھ لو۔" وہ گردن جھٹک کر بولی۔ "اس اقدام کے بغیر میں تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بن سکتی تھی۔ میں ڈالی میں لگا ہوا پکا پھل نہیں ہوں جو خود بخود ہر ایک کی جھولی میں آ گرتا ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر پچھلی رات تمہارے ساتھ گزاری تھی۔ تم یہاں سے عیش و عشرت اور فتح مندی کے جذبے سے سرشار ہو کر لوٹے تھے اور اسی غفلت کی بنا پر مجھے اپنی کارروائی کر گزرنے کا موقع مل گیا۔ اب تمہیں اپنی محبوبہ درکار ہے اور میں اپنے باپ کی متلاشی ہوں۔ میں جس دن جمی لائیڈ کے روبرو پہنچ گئی، تمہاری محبوبہ بحفاظت تمہیں لوٹا دی جائے گی۔"

"میں یہ شرط تسلیم نہیں کر سکتا۔" میں نے نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہا۔

"نہ کرو، میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتی۔" وہ فاتحانہ تبسم کے ساتھ بولی۔ "تنظیم کے اہلکار آج بھی اس لڑکی کے لہو کے پیاسے ہیں اور اگر وہ ان کی تحویل میں مرنے سے پہلے زبان کھول بیٹھی تو میری تمام ہمدردیوں کے باوجود تم بھی بدترین عتاب کا نشانہ بن جاؤ گے، بصورتِ دیگر میں یہ بھولے رہوں گی کہ تنظیم کو لڑکی کی تلاش ہے۔"

"وہ ہے کہاں؟" میں نے سرد نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"میری تحویل میں — تم ہزار بار بھی پوچھو گے تو اس سے زیادہ کچھ نہ بتاؤں گی۔"

"میں اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

"جو کچھ بجا سکتے ہو، شوق سے بجاؤ، یہاں اس کا سایہ بھی نہ مل سکے گا۔ البرٹ دل و جان سے تنظیم کا وفادار ہے، وہ لڑکی کو پہچانتے ہی اوپر خبر پہنچا دیتا اور تم سے سودے بازی کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہ رہتا۔ اسی لیے میں نے لڑکی کو یہاں لانے کے بجائے ایک محفوظ ٹھکانے پر پہنچایا ہے جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"میں کسی فیصلے پر پہنچنے سے قبل ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے شکستہ اور بے بسی کے احساس کے ساتھ کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ "اور یہ بھی بتا دوں کہ اب میں تمہیں زیادہ مہلت نہیں دوں گی، تمہیں اسی وقت فیصلہ کرنا ہے ورنہ اس لڑکی کی بدنصیبی پر رونے کے سوا کچھ نہ کر سکو گے۔"

وہ شاید میری زندگی کا بدترین سانحہ تھا جو چپکے سے در آیا تھا۔ غزالہ کو تنظیم کے گھناؤنے اہلکاروں سے بچائے رکھنے کے لیے میں نے کیا کچھ پاپڑ نہ بیلے تھے لیکن ویرا نے اپنی ذات کے فسوں میں الجھا کر مجھے اچانک ہی بے دست و پا کر دیا تھا اور اب میرے لیے مکمل طور پر ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ واقعی سچ ہی تھا جس نے بھی کہا تھا کہ عورت اگر اپنے حربوں کو آزمانے پر اتر آئے تو بڑے سے بڑے زیرک مرد کو آناً فاناً میں خاک چٹوا سکتی ہے اور یہی کچھ ویرا نے میرے ساتھ کیا تھا۔

"تم لڑکی کو آزاد کر دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کبھی دغا نہیں دوں گا۔"

"اب مجھے نہ تمہاری وفا کی حاجت ہے نہ دغا کا خوف۔ میرے لیے تو یہی ایک احساس ہمیشہ طمانیت کا باعث بنا رہے گا کہ اپنی دوست کی سلامتی اور آزادی کے لیے تم رضاکارانہ طور پر میرے محافظ بنے رہو گے۔ ویسے نام کیا ہے اس لڑکی کا؟"

"غزالہ۔" میرے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی۔ "شاید تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ وہ کوئی لاوارث لڑکی نہیں ہے، اس کے باپ کا حال ابتر ہے، بیمار ماں کو جوان بیٹی کے اغوا کی خبر ملی تو شاید وہ اس صدمے سے جانبر ہی نہ ہو سکے گی۔"

"انھیں سنبھالنا تمہارا کام ہے۔" وہ جذبات سے عاری سپاٹ لہجے میں بولی۔ "اچھے اور برے، دونوں نتائج تمہارے فیصلے سے وابستہ ہیں، یہ میرا وعدہ ہے کہ اپنے الفاظ سے ہرگز نہیں پھروں گی۔"

"میں فیصلہ سنا چکا۔" میں نے دوسری بار وہ بات کہتے ہوئے اپنے حلق میں شکست کی تلخی سی گھلتی محسوس کی۔ "میں تمہارے لیے کام کروں گا لیکن تم لڑکی کو رہا کر دو۔" یہ تلخی ہمارے درمیان ایک خلیج بنی رہے گی۔

"مجھے سمجھانے کے بجائے خود کو میری جگہ رکھ کر سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ میری مہم اسی ملک کی سرحد میں محدود نہیں رہے گی، لائیڈز کالج سے کچھ بنیادی معلومات سمیٹنے کے بعد ہمیں لامحالہ یورپ کا رخ کرنا ہو گا جہاں جمی لائیڈ کا نام اکثر و بیشتر سننے میں آتا ہے۔ تمہاری غیر موجودگی میں اس لڑکی کا کیا بنے گا؟ کم از کم میری تحویل میں وہ اپنے دشمنوں کی دسترس سے تو بچی رہے گی۔"

"جب تم خود بیرونِ ملک ہو گی تو اس کا نگہبان کون ہو گا؟"

"وہ میرے ناقابلِ شکست انتظامات ہیں۔" وہ بولی۔ "چاہو تو میں اسے بیرونِ ملک بھی بھجوا سکتی ہوں اور یہ بندوبست کسی بھی دن قلیل سے نوٹس پر کیا جا سکتا ہے۔"

"تمہارے وسائل اتنے ہی قابلِ اعتبار ہیں تو مجھے ساتھ ملانے کی کیا ضرورت ہے، تم اپنے طور پر بھی جمی لائیڈ کا سراغ لگا سکتی ہو، اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ مجھے تنظیم کے اندر ایک سے زائد کی ضرورت ہے، باہر سے تو جب چاہوں پوری فوج اکٹھی کر سکتی ہوں۔ آخر کو میں خود بھی جمی ہی کی بیٹی ہوں۔"

"اگر میرا کام کچھ محدود نوعیت کا ہے تو مجھے کام بتاؤ تاکہ میں اپنا حصہ پورا کر کے تمہارے چنگل سے اپنی گلوخلاصی کرا سکوں، یورپ کی تفریح تم خود ہی کر لینا۔"

"تمہارا کام یقیناً محدود سا ہو گا لیکن تمہاری ضرورت شروع سے آخر تک رہے گی۔ مشکل یہ ہے کہ آج تک کوئی ایسا شخص نہیں مل سکا جو جمی لائیڈ سے ملاقات کا دعوے دار ہو۔ اس لیے اس کی شناخت میرے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ تمہاری ضرورت اسی مسئلے کے حل کے لیے ہے۔"

"بھلا میں کیا کر سکوں گا؟ کیا تمہاری ماں نے اس بارے میں تمہاری کوئی رہنمائی نہیں کی تھی؟"

"وہ برسوں پرانی بات ہے پھر اس وقت میرے ذہن میں دور دور تک ایسا کوئی امکان نہیں تھا کہ میں اپنے باپ کی تلاش کا بیڑا اٹھاؤں گی۔ ماں کی کہی ہوئی باتوں کو یاد کرتی ہوں تو یورپ میں ہر سو میں سے دو چار مرد ماں کے بتائے ہوئے حلیے پر پورے اترتے ہیں۔ ورنہ مجھے مہم جوئی کا کوئی شوق نہیں تھا۔"

"بھلا میں کیا کر سکوں گا اس بارے میں؟" میں نے بیچارگی سے کہا۔ "میں نے تو نہ اسے دیکھا ہے اور نہ کسی سے اس کا حلیہ ہی سنا ہے۔"

"لائیڈز کالج میں کہیں اس کی ایک تصویر موجود ہے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ "وہاں تک تمہیں پہنچوانا میرا کام ہے، پھر وہ تصویر تلاش کر کے دیکھنا تمہاری ذمے داری ہے بس اسی کے بعد دوسرے مرحلے کا آغاز ہو گا۔"

"اور اگر میں وہاں سے تصویر ہی اڑا لاؤں؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی۔ "وہ تصویر اتنی بڑی اور فریم کی ہوئی ہے کہ کالج کے سارے نگہبان اندھے بھی ہو جائیں تو ٹٹول کر تمہیں تصویر سمیت پکڑ لیں گے۔"

"پھر تو وہ تصویر بہت سے لوگوں کی نگاہ سے گزری ہو گی۔"

"نہیں — وہ کسی خاص کمرے میں ہے۔"

اس کا مدعا معلوم ہو جانے کے بعد میں نے ایک مرتبہ پھر غزالہ کی رہائی کے بارے میں بات چھیڑی لیکن وہ ہٹ کی پکی تھی۔ ایک بار جو کچھ کہہ چکی تھی، اس میں ذرا بھی نرمی کے لیے آمادہ نہ ہوئی بس یہ یقین دلاتی رہی کہ غزالہ عزت اور احترام کے ساتھ اس کی تحویل میں رہے گی۔

اس روز پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ تول کر بولنے سے کیا مراد ہوتی ہے۔ میری زبان سے روا روی میں نکلے ہوئے ایک فقرے نے ویرا کو اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا کہ میں اس کے آگے بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

اس قصے کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ میری طرح ویرا کا ہدف بھی تنظیم کے سربراہ کی ذات تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اپنے باپ کی متلاشی تھی اور میں اسے فنا کر کے تنظیم کی جڑوں پر کاری وار لگانا چاہتا تھا اور مقدر نے ہم دونوں کو غزالہ کی آزادی کی قیمت پر ایک ہی جگہ لا جمع کیا تھا۔

پھر اچانک ہی مجھے ایک آخری حربہ سوجھ گیا اور میں دوبارہ ویرا سے الجھ پڑا۔ "میں غزالہ کے بارے میں تم پر کیسے بھروسا کر لوں؟ تم بھی اسی باپ کی اولاد ہو جو ایک عالم کو فریب پر فریب دیے جا رہا ہے۔ مجھے دھندے سے لگا کر تم تنظیم میں اور بہتر مقام حاصل کرنے کے لیے غزالہ کو ان کے حوالے کر سکتی ہو — مجھے اس کے بارے میں طفل تسلیاں دیتی رہو گی اور عین وقت پر معلوم ہو گا کہ میرے لیے تو کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ تمہیں میری زبان پر اعتماد کرنا ہو گا۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہارے بہتر رویے اور اچھی کارکردگی کی بنا پر کچھ عرصے بعد میں اس سے تمہاری ملاقات کرا دوں لیکن یہ کوئی وعدہ نہیں ہے بلکہ سراسر میرا استحقاق اور فیصلہ ہو گا۔"

"تم بھی کوئی مافوق الفطرت ہستی تو نہیں ہو۔" وار خالی







WWW.PAKSOCIETY.COM

دیکھ کر میں نے پینترا بدلا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمھاری کسی غفلت یا ان لوگوں کی مکاری کی وجہ سے غزالہ ان کے ہتھے چڑھ جائے۔"

"امکانات پر بحث کرو گے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میری تحویل میں قدرتی طور پر اس کی موت واقع ہو سکتی ہے، مجھے کوئی مہلک حادثہ پیش آ سکتا ہے، سب ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ میں تو صرف یہ بات تمھارے ذہن نشین کرانا چاہ رہی ہوں کہ میں پوری نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اس کی حفاظت کی کوشش کروں گی اور نیت کے بارے میں تمھیں میرے الفاظ پر بھروسا کرنا ہوگا۔ لگے ہاتھوں تمھیں یہ بھی بتاتی چلوں کہ تنظیم کے جن بڑوں میں میرا شمار ہوتا ہے، وہ سربراہ کے بعد سب سے زیادہ طاقتور اور بااختیار تصور کیے جاتے ہیں لہٰذا میرے لیے کسی بلند تر منصب کی آرزو کوئی وجود نہیں رکھتی لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ میرا باپ میرے سامنے آئے بغیر اس انداز میں میری تربیت کرتا رہا ہے کہ میں بڑی سے بڑی ذمے داریاں سنبھال سکوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے پس پشت میرے باپ کی یہ خواہش کارفرما رہی ہو کہ اس کے بعد تنظیم کا اقتدار موروثی طور پر میری طرف منتقل ہو سکے۔ اس لیے یہ اندیشہ بے بنیاد ہے کہ میں غزالہ کے بارے میں کسی سے کوئی سودے بازی کر بیٹھوں گی۔"

"پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میرے ترکش کے سارے تیر خالی ہو چکے تھے۔

"گھر جا کر آرام کرو۔" وہ ناصحانہ لہجے میں بولی۔ "اب تمھارے سارے کارڈ میرے سامنے کھل گئے ہیں، میں تمھارا گھر بھی دیکھ چکی ہوں۔ لہٰذا اب زیادہ اڑنا بے سود ہوگا۔ مجھے اپنے گھر کا فون نمبر دے دو، ضرورت پڑنے پر میں خود رابطہ قائم کر لوں گی۔"

میں نے بے جان آواز میں غزالہ کے گھر کا فون نمبر دُہرا دیا اور پھر بے نیل و مرام وہاں سے واپس چل دیا۔

✵ ✵

میرا دل بوجھل ہو رہا تھا۔ اپنی غلطی کا علم ہو جانے کے بعد کرنل اور اس کی بیوی کا سامنا کرنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی۔ میں بے مقصد سگریٹیں پھونکتا شہر کی سڑکوں پر کار ڈرائیو کرتا رہا۔

پچھلی رات میری غلطیوں کی رات تھی۔ سب سے پہلے میں نے اپنے تعاون کی وجہ دریافت کر کے ویرا کے ذہن میں اپنے خلاف ایک سازش کی بنیاد پیدا کی۔ پھر اس کی دعوت قبول کر کے دوسری سنگین غلطی کا ارتکاب کیا اور تیسری اور بدترین غلطی یہ تھی کہ وہاں سے واپسی پر میں کیف و سرور میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ تعاقب کے امکانات پر گہری نگاہ نہ رکھ سکا اور وہ غزالہ کو شاید بے ہوش کر کے گھر سے اٹھا لے گئی۔

میں سوچتا رہا اور خود کو ملامت کرتا رہا پھر ان ہی ملامتوں میں ایک نئے جذبے نے سر ابھارا۔ جو کچھ ہو چکا تھا اسے لوٹانا فی الحال میرے بس سے باہر تھا لیکن یہ کچھ کم نہیں تھا کہ تنظیم سے یکسر کٹ جانے کے بعد مجھے ایک مرتبہ پھر ان کی صفوں میں گھسنے کا موقع مل گیا تھا اور اس بار لائیڈز کا گڑھ میں داخلے کے امکانات بھی روشن تھے جس کی بے رحم فصیلوں میں بسنے والے درندوں نے شاید بڑی ماں کو از کار رفتہ لاوارث قرار دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ مقدر شاید دھیمے دھیمے میرا ساتھ دے رہا تھا اور مجھے جلد ہی بڑی ماں کے قاتلوں سے بدلہ لینے کا موقع ملنے والا تھا۔

میں نے کار واپس گھر کے راستے پر ڈال دی۔

کرنل گھر کا پھاٹک کھولے کسی دیوانے کی طرح انتظار میں پختہ روش پر ٹہل رہا تھا۔ نجانے کس کا انتظار تھا اسے؟ میرا یا غزالہ کا؟ وہ ایک جوان بیٹی کا باپ تھا۔ اپنی جگر خراش خانگی زندگی کے پس منظر میں، غزالہ کی گمشدگی پر وہ دنیا کا مظلوم ترین شخص نظر آ رہا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ وحشت زدہ انداز میں میری طرف لپکا تھا اور میرے اترنے تک کسی گوشے سے سلطان شاہ بھی نمودار ہو کر پاس آ گیا۔

"اس کا سراغ مل گیا ہے۔" میں نے اپنے چہرے اور آواز میں تازگی پیدا کرتے ہوئے اعلان کیا اور کرنل سمت کا لحاظ کیے بغیر دیوانہ وار پختہ روش پر سجدۂ شکر میں گر گیا۔

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انسان کی بھی کیا کیا مجبوریاں ہوتی ہیں۔ شاید غزالہ مر جاتی تو اس کے باپ کو اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس کے اغوا کیے جانے پر ہوا تھا۔ قلیل سی مدت میں غزالہ کے ساتھ وہ سانحہ دوسری بار رونما ہوا تھا اور اس بار کرنل کی حالت بہت زیادہ ابتر تھی۔

"کہاں ہے میری بچی؟ تم ساتھ کیوں نہیں لائے اسے؟" کرنل نے سر اٹھا کر خالی خالی نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ فی الحال نہیں آ سکتی لیکن وہ عزت اور احترام کے ساتھ رکھی گئی ہے...." میں نے کہنا چاہا لیکن کرنل نے بلک کر

کاٹ دی۔
ہوئے میری بات
"خدا کے لیے مجھے جھوٹے دلاسے نہ دو۔ سچ سچ بتا دو
کہ اسے کیا ہوا ہے؟ وہ کہاں ہے؟" یہ کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں
سے اپنا منہ پیٹتے ہوئے رونے لگا۔
اسے بمشکل دلاسا اور سہارا دے کر ہم دونوں اندر
لائے اور وہاں پہنچنے تک فرطِ گریہ سے اس پر غشی طاری
ہو گئی۔

"اچھا ہے، کچھ دیر اسے بے ہوش رہنے دو۔" میں نے اپنا پسینہ صاف کرتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔ "نہ صرف اسے بلکہ ہمیں بھی ذرا سا آرام مل سکے گا، شمع کا ردِعمل کیا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" سلطان شاہ نے بتایا۔ "اسے تو مطلع ہی نہیں کیا گیا، وہ بیدار ہوئی تو کرنل نے اسے اگلا ڈوز پیش کر کے دوبارہ انٹاغفیل ہونے پر مجبور کر دیا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ کیا خبر لائے ہو؟"

"رات ویرا نے خود ہمارا تعاقب کیا تھا اور وہی غزالہ کو اٹھا لے گئی ہے۔ اپنا مقصد حاصل ہونے تک وہ غزالہ کو یرغمال رکھے گی تاکہ میں بے چون و چرا اس کے اشاروں پر ناچتا رہوں۔"

"کیا غزالہ کو اسی عمارت میں رکھا گیا ہے؟"

"نہیں۔ وہ اسے تنظیم کے وفاداروں کی نگاہوں سے بچانا چاہتی ہے اس لیے کسی اور ٹھکانے کا انتخاب کیا ہے۔ بظاہر میں نے اس کی شرائط تسلیم کر لی ہیں لیکن تمھیں محتاط رہ کر اس کی نگرانی کرنا ہوگی تاکہ ہم غزالہ کا سراغ لگا سکیں۔"

وہ اس ملاقات کے بارے میں مجھ سے بہت سے سوالات کریدتا رہا اور آخرکار فوری طور پر اپنی ذمے داری پوری کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ براہِ راست نگرانی کے لیے وہ اپنے بجائے کسی اور کو مامور کرے گا تاکہ کسی اتفاق کے تحت ویرا اسے شناخت کر کے بھڑک نہ اٹھے۔ البتہ ساری ذمے داری اسی کی ہوتی۔

میرے لیے اس وقت ایک ایک لمحہ بڑا کٹھن ہے کیوں کہ غزالہ میری وجہ سے اس الجھن سے دوچار ہوئی ہے۔" میں نے کرب آلود لہجے میں کہا۔ "جب تک وہ رہا نہیں ہو جاتی، مجھے سکون نہ مل سکے گا۔"

"مقدرات میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔" اس نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "تمھاری ذات تو بس بہانا بن گئی ہے ویسے یہی کیا کم ہے کہ وہ اسے حفاظت اور عزت سے رکھے گی۔"

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور میں سلطان شاہ کو روک کر خود اس طرف بڑھ گیا کیوں کہ اس وقت مجھے شدت کے ساتھ ویرا لائیڈ کی جانب سے کال کا انتظار تھا۔

دوسری طرف سے بولنے والا جہانگیر تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے مضطربانہ لہجے میں غزالہ کے بارے میں سوال کیا تھا۔

"ابھی تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔" میں نے بوجھل لہجے میں کہا۔ "اس کی تلاش جاری ہے، ذرا تم بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھو، میں مسلسل گھر ہی موجود رہوں تاکہ اطلاعات بروقت موصول کر سکوں۔"

"میں نے رخشی کو بھی غزالہ کی گم شدگی کے بارے میں بتا دیا ہے۔" اس کی آواز اُبھری۔ "وہ خود بھی اسے تلاش کرائے گی۔"

"یہ تم نے بُرا کیا۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "میں اس واقعے کی زیادہ تشہیر پسند نہیں کروں گا۔"

"وہ ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ تم خود اسے فون پر سمجھا دو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے رخشی کا نمبر دُہرایا جو میں نے فوراً ہی پیڈ پر نوٹ کر لیا۔

"لیکن رخشی تم سے کہاں ٹکرا گئی؟"

"تمھارا اندازہ درست تھا۔ وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین تھی، میری غیر حاضری میں مسلسل اس کے فون آتے رہے تھے۔ وہ جیوا ہاؤز میں ہونے والی خونریزی کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھی۔"

"فی الحال زیادہ زبان کھولنے کی ضرورت نہیں، محتاط رہ کر ان لوگوں کی طرف سے رابطے کے منتظر رہو۔"

"بالکل یہی مشورہ میں نے رخشی کو بھی دیا ہے۔ وہ ذرا متذبذب نظر آتی تھی۔ تم سے بات کر کے اس کی تسلی ہو جائے گی۔"

سلسلہ منقطع کر کے میں نے رخشی کے ہوٹل کا نمبر ڈائل کیا تو میں یہ طے کر چکا تھا کہ اپنے اور ویرا کے درمیان ہونے والے معاہدے کو اپنی اور سلطان شاہ کی ذات تک ہی محدود رکھوں گا۔ اس بارے میں رخشی یا جہانگیر کو اعتماد میں لینے سے میرے لیے سنگین دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔

"بڑا افسوس ہوا اس تازہ حادثے کے بارے میں سن کر۔" وہ میری آواز پہچانتے ہی بولی تھی۔ "آخر تم جیسا ہوشیار آدمی اتنی بڑی چوٹ کیسے کھا گیا؟" اس کا لہجہ سراسر

ہمدردانہ تھا۔

"ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے، اس میں کسی کی ہوشیاری کام نہیں آتی۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم سناؤ کہ وقت کیسا گزر رہا ہے؟"

"بس گزر ہی رہا ہے، میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ وہ کارنامہ کس نے انجام دیا ہے، اب جہانگیر سے پتا چلا کہ اس کے پسِ پردہ تمھارا ہی ذہن کام کر رہا تھا۔ شاید درمیان میں آپریٹر کے خوف سے اس نے جیوا ہاؤز کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اب وہ بتا رہا تھا کہ ہمارے لیے حالات نارمل ہو چکے ہیں۔"

"قطعی نارمل۔" میں نے کہا۔ "پچھلی الجھنیں رفع ہو گئی ہیں اور اب کسی بھی وقت تمھیں نئی ہدایات مل سکتی ہیں۔"

"اگر تم یہ بتا سکو کہ اسے لے جانے والا کون تھا تو شاید میں بھی تمھارے کسی کام آسکوں، ان کے بہتیرے ٹھکانے میری نگاہوں میں ہیں۔ اگر وقت برباد نہ ہو تو وہ کہیں نہ کہیں مل سکتی ہے۔"

"یہی معلوم ہوتا تو میں براہِ راست ان سے نہ جا بھڑتا۔ بس اتنا معلوم ہے کہ اسی کیمپ کے لوگ تھے۔"

"خیر میں دیکھتی ہوں کہ اس بارے میں کیا کر سکتی ہوں۔ اپنا نمبر دے دو مجھے، کہیں باہر سے بات کروں گی۔"

میں نے اسے نمبر بتا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس وقت میں شدید ذہنی الجھن میں مبتلا تھا۔

"یہ تم نے اچھا کیا کہ ویرالائیڈ کے نام کو زیادہ نہیں اچھالا۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔ "حالات کے دباؤ میں آکر وہ اپنی ساکھ بچانے کے لیے غزالہ کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے کیوں کہ اس کا اصل مقصد اپنے باپ تک پہنچنا ہے۔"

"اب میری بہت سی امیدیں تمھاری ذات سے وابستہ ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "سچ پوچھو تو آج تک تم ہی مجھے چلاتے رہے ہو۔ تمھاری پریشانی کے نتیجے میں میری عقل بھی ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر تمھارے ذہن میں کوئی بات آرہی ہے تو مجھے بتاؤ، میں فوراً عمل کر گزروں گا۔"

"اگر یاد کرو تو اس شہر میں ویرالائیڈ تمھاری ہی لائی ہوئی سوغات ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے کہا۔ "وہ تمھارے ایک دوست کو ہلاک اور دوسرے دو کو زخمی کرنے کے بعد ہی یہاں آئی تھی۔"

ویرالائیڈ کے ہاتھوں اپنے دوستوں کی تذلیل یاد آتے ہی سلطان شاہ کا چہرہ بگڑ گیا۔ "جب بھی میرا داؤ لگ گیا وہ حساب بے باق ضرور کر دوں گا۔ وہ تینوں تو اسے مح... ایک خوبرو بدیسی لڑکی سمجھ کر اس کے پیچھے لگے تھے... اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر جنگجو اور مچھر تیتلی ہو گی لیکن ... بار شاید وہ میرے ہاتھوں سے نہ بچ سکے۔"

"لاہور سے کراچی پہنچنے کے بعد ائیرپورٹ... ایک ہوٹل میں اپنا سامان چھوڑ کر وہ شہر میں جا بجا لوگوں ... ملتی ہوئی آخر میں جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں پہنچی تھی ... اس دوران میں تم سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے ... تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان ہی لوگوں میں ویرا کے ... معتمد رہے ہوں گے جو تنظیم سے باہر اس کا سا... دیتے ہیں۔"

میری بات سُن کر وہ حیرت اور خوشی سے اچھل...

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ان ٹھکانوں کو تو میں بھولا ... ہوا تھا۔ پریشانی کے عالم میں بھی تمھارا دماغ مجھ سے ... کرتا رہتا ہے۔"

"لیکن اس مہم پر نکلنے سے پہلے تم کسی نہ کسی کو ... پر ضرور مامور کر دوگے تاکہ ویرا کی نقل و حرکت نگاہوں ...

"اس کی تم فکر نہ کرو، بس میں نکل رہا ہوں۔" یہ کہہ ... اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد میں گھر میں ... رہ گیا تھا۔ شمع مدہوش تھی اور کرنل بے ہوش۔ ایسا ... ہو رہا تھا جیسے وہ گھرانا شروع سے اب تک کسی بلا ... کا شکار چلا آرہا ہو۔ کامران فاترالعقل ہو کر زیرِ علاج ... غزالہ اغوا ہو گئی تھی، شمع اپنی کوکین خوری کی عادت ... عذاب میں مبتلا تھی اور کرنل ان سب داغوں کو اپنے ... پر سہلائے زندہ رہنے کے لیے مجبور تھا کیوں کہ زندگی ... حقائق کا سامنا کرنا اس کی پیشہ ورانہ تربیت کا بنیادی ... تھا اور میں اس بے چارے کے دُکھ بانٹنے کے بجائے ... میں اضافے کا باعث بن گیا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ ریسیور ... تو کانوں میں رخشی کی رسیلی آواز آئی جو اس وقت اپنی ... کشش کھو بیٹھی تھی۔

"مجھے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ تمھارے ... دل میں بھی گداز پایا جاتا ہے، اس لڑکی کے اغوا ... اس کا وجود میرے لیے حیرت کا باعث بنا تھا، اگر تم ... چاہتے ہو تو وہ واقعی ہر لحاظ سے قابلِ پرستش ہو گی ...



رہی تھی۔

"یہ بے وقت کی راگنی ہے رخشی۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "کام کی بات کرو، میں اس وقت بہت پراگندگی کا شکار ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ تم باہر کسی پبلک بوتھ سے بول رہی ہو؟"

"ہاں۔" وہ میرے تبصرے کا بُرا مانے بغیر بولی۔ "میں یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھی کہ ویرالائیڈ کون ہے، جہانگیر نے مجھے اس کے وجود سے تو آگاہ کر دیا لیکن اس کے حدودِ اربعہ پر روشنی نہ ڈال سکا۔"

میں نے دل ہی دل میں جہانگیر کو ایک ثقیل سی گالی دی پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میری معلومات بھی جہانگیر سے زیادہ نہیں ہیں۔ وہ جیوا ہاؤز کے تصادم میں اچانک ہی سامنے آئی ہے۔ اسے ٹو اسی کے ہاتھوں مارا گیا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تنظیم میں کسی بڑے مرتبے کی مالک ہے۔"

یہ جواب دیتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ویرالائیڈ سے ٹکراؤ کے بعد غزالہ کے گھر لوٹتے پر میں نے اس کی ذات پر زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں کی تھی بس مختصراً ہی اس کے شوگر کوئین والے روپ کا حوالہ دیا تھا، ساری گفتگو اسی ایک نکتے پر مرکوز رہی تھی کہ اسے ٹو اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اگر اس وقت میں نے اس موضوع کو طول دیا ہوتا تو شاید جہانگیر پوری گفتگو رخشی کے سامنے دُہرا چکا ہوتا کیوں کہ اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ نہیں تھا۔

"اسے ٹو کے ہاتھوں ہلاکت سے بچا کر تم نے مجھے عمر بھر کے لیے اپنا غلام بنا لیا ہے۔"

"غلام نہیں کنیز کہو۔" میں نے ایک فوری ذہنی رو کے تحت اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس دور میں ضرورت کے وقت غلاموں کا کام بھی کنیزوں سے لے لیا جاتا ہے لیکن تمھیں یہ سب دُہرانے کی ضرورت نہیں، میں تمھارے جذبات کا ہمیشہ سے قدردان رہا ہوں۔"

"میں غزالہ کی تلاش میں تمھارا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں لیکن اس کے لیے تمھیں ذرا کھُل کر بات کرنا ہو گی۔"

"ہاتھ بٹانے کے لیے میری کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، تم کوئی قابلِ ذکر کام دکھا سکیں تو ہمیشہ مجھے اپنا گرویدہ پاؤ گی لیکن یہ کھل کر بات کرنے والی شرط میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"تنظیم کو غزالہ کی تلاش ضرور تھی لیکن وہ لوگ اس تک پہنچ ہی نہیں سکے تھے پھر اب شوگر کوئین کے سامنے آتے ہی یہ سانحہ کیسے رونما ہو گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کارروائی میں شوگر کوئین کا ہاتھ ہو۔"

"تو کیا تم تنظیم اور شوگر کوئین کو الگ الگ اکائیاں تصور کر رہی ہو؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"میری جگہ تم ہوتے تو خود بھی یہی سمجھنے پر مجبور ہوتے۔"

"پہیلیاں نہ بجھاؤ۔" میں نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "آخر تمھارے اس قیاس کی بنیاد کیا ہے؟"

"جہانگیر کے بیان کے مطابق غزالہ آج صبح چار بجے کے بعد اغوا کی گئی تھی لیکن گیارہ بجے تک وہ تنظیم کی تحویل میں نہیں تھی۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سُن کر میں چونک پڑا۔ "لیکن جہانگیر نے تو ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔"

"میں نے دانستہ اس سے ذکر نہیں کیا تھا۔" ریسیور پر اس کی آواز سنائی دی۔ "اس کی کال سے پہلے آج گیارہ بجے مجھے تنظیم کے مخصوص کوڈ کے تحت کسی نے فون کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ اب لڑکی کی تلاش ہر کام پر مقدم ہے، اس کا مطلب ہے کہ غزالہ تنظیم کے ہاتھ نہیں لگی ہے۔"

"لیکن شوگر کوئین کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "اور پھر انھیں تمھارا سراغ کیسے ملا؟"

"یہ تو تم ہی کو سوچنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی معاملے پر تم سے کوئی سودے بازی کرنا چاہتی ہو۔" اس کی خیال انگیز آواز ابھری اور میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ رخشی کا تعلق انسانوں کی اس جنس سے تھا جسے معروف طور پر ناقص العقل کہا جاتا تھا لیکن اس بار اس کی عقل کی رسائی نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ "اپنے سراغ کے بارے میں میں خود حیران ہوں ایسا لگتا ہے جیسے میں شروع سے ان کی نگاہوں میں تھی۔"

"اگر اسی کا ہاتھ ہے تو جلد یا بدیر مجھے اس کا کوئی سراغ ملنا چاہیے۔" میں نے اپنے لہجے میں کمزوری سی محسوس کی۔

"پھر تم اس کے پیغام کا انتظار کرنا چاہو گے یا پیش قدمی کا ارادہ ہے؟" اس نے سوال کیا۔ "میرے لیے شوگر کوئین کا نام نیا نہیں ہے، قاسم کی زندگی میں بھی اس کا ذکر سنتی رہی ہوں لیکن میں ہمیشہ اسے کوئی اہم خریدار سمجھتی رہی۔"

"پیش قدمی کے لیے ٹارگٹ کا ہونا بہت ضروری

ہے۔ محض نام کے سہارے ہم خلا میں ہاتھ پیر تو نہیں مار سکتے۔"

"اس کا ایک ٹھکانہ میری نگاہوں میں ہے، وہیں سے ابتدا کروں گی۔"

"لیکن یہ دھیان رہے کہ ادھا ہاتھ پڑا تو وہ غزالہ کی زندگی کو جہنم بنا دے گی۔"

"گڈ۔" ریسیور میں اس کی تحسین آمیز آواز اُبھری۔ "تو اب تم بھی میرے ہی انداز میں سوچ رہے ہو، تم فکر نہ کرو میں ایسے معاملات کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھتی ہوں، مجھے قاسم کا منصب بلاوجہ ہی نہیں سونپا گیا تھا۔"

"میں تمہارے اگلے پیغام کا منتظر رہوں گا۔"

"اور میں تمہاری آواز کی شوخیوں کی واپسی کی منتظر رہوں گی۔ اس کے بعد تم بالکل ہی دیوداس ہو کر رہ گئے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

واقعات بہت تیزی کے ساتھ رُخ بدل رہے تھے۔ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں تنظیم کے ہرکارے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیے گئے اور تنظیم کو شاید اپنی تاریخ کے بدترین افرادی نقصان سے دوچار ہونا پڑا لیکن ویرا لائیڈ کے نزدیک وہ بے بساط پیادوں کا مقتل ثابت ہوا تھا جو ذرا بھی چالاک تھے، اس ہولناک تصادم میں صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ویرا کے ہاتھوں قید اور پھر مواصلاتی یونٹ سے فرار کے بعد میں نے اپنی دانست میں ایک اہم معرکہ جیت لیا تھا لیکن میری یہ فتح زیادہ دیرپا نہ رہ سکی۔ ویرا نے اپنی ذات کے سحر میں الجھا کر مجھے اس قدر مسحور کیا کہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا اور وہ نہایت دلیری کے ساتھ غزالہ کو گھر سے اٹھا لے گئی۔ اور میرا فتح کا خمار شکست کے احساس میں ڈھل گیا۔

لیکن اب پھر حالات ایک نئے تصادم کے لیے خود بخود سازگار ہوتے جا رہے تھے، سلطان شاہ ویرا لائیڈ کے ٹھکانوں کا کھوج لگانے کے لیے شہر میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ رخشی منونیت کے جذبات سے سرشار مدد پر تلی ہوئی تھی، جہانگیر کی ہمدردیاں میرے ساتھ تھیں اور ویرا لائیڈ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے بظاہر تنہا رہ گئی تھی۔

اس کے اور میرے مقاصد میں تضاد ہونے کے باوجود ہمارے راستے ایک تھے کیوں کہ ہم دونوں ہی جی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں تھے یہ اور بات تھی کہ ویرا میرے عزائم سے بے خبر تھی اور اپنی دانست میں اپنے مقاصد کے لیے مجھے بے رحمی کے ساتھ استعمال کر رہی تھی۔ مجھے بھی اس کا آلہ بننے میں کوئی اعتراض نہیں تھا بشرطیکہ غزالہ صحیح سلامت اس کے چنگل سے رہا ہو جاتی۔

اچانک فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔

"شاید اب تک تم صورتِ حال سے سمجھوتا کر چکے ہو" دوسری طرف سے ویرا لائیڈ کی آواز سنائی دی۔ میرے کہتے ہی وہ شاید میری آواز پہچان گئی تھی۔

"میرے جذبات کا اتنا ہی پاس ہوتا تو وہ کچھ نہ ہوتا جو میرے ساتھ کر گزری ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "زخموں کو کریدنے کے بجائے براہِ راست یہ بتاؤ کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"اس تلخی کو بھولے بغیر تم پوری یکسوئی سے کام نہ کر سکو گے۔" اس بار اس کا لہجہ ہمدردانہ تھا۔ "میں ایک بار پھر تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ عزت اور احترام کے ساتھ بہت آرام دہ ماحول میں رکھی گئی ہے۔"

"مجھے پورا یقین ہے۔" میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب کام کی بات کرو۔"

"کل شام چار بجے تمہیں لائیڈز کالج پہنچنا ہے۔" اس کی ہدایت سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسرار و فسوں کی دبیز کُہر میں لپٹی ہوئی وہ عمارت جو بڑی ماں کو نگاہ میں رکھنے کے باوجود میرے لیے ناقابلِ تسخیر [illegible] ہوئی تھی اب اچانک ہی میرے لیے کھل گئی تھی وہاں گھسنا میرے لیے ایک حسرت بن کر رہ گیا تھا جس کے پورے ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ ویرا نے وہ حکم اگلے روز کے لیے دیا تھا اور اس درمیانی وقت میں میں سلطان شاہ اور رخشی کی کوششوں کے نتائج دیکھ کر آئندہ کے لیے حکمتِ عملی طے کر سکتا تھا۔

"اتنے مختصر نوٹس پر لاہور جانا شاید میرے لیے ممکن نہ ہو سکے گا۔" میں نے اپنے جوش کو دباتے ہوئے بیزار لہجے میں کہا۔

"تنظیم میں احکام اٹل ہوتے ہیں۔" اس کا لہجہ سخت اور درشت ہو گیا۔ "غزالہ کی تلاش میں اپنا وقت اور توانائی برباد نہ کرو، تم کسی بھی قیمت پر اس تک نہ پہنچ سکو گے۔" میں تلخ انداز میں ہنس دیا۔ "وہ مجھ سے زیادہ تمہارے اعصاب پر سوار ہے، میں اسے کہاں تلاش کر دل گا۔ تو صبح سے بس فون کے سرہانے لگا بیٹھا ہوں کہ نجانے کب تمہارا دل پسیج جائے — اگر اس سے ملوانے پر آمادہ نہیں ہو تو کم از کم فون پر اس کی آواز ہی سنوا دو، اس کے باپ کو سمجھانا میرے لیے ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔"

"ہاں، یہ شاید ممکن ہو سکے، تمہاری لاہور روانگی سے پہلے تمہاری بات کرانے کی کوشش کروں گی تاکہ تم لائیڈز کالج میں یکسوئی کے ساتھ اپنا اصل کام سرانجام دے سکو۔"

"لیکن اس وسیع و عریض قلعے میں ایک تصویر میں کیسے تلاش کر سکوں گا؟" میں نے بے بسی سے کہا۔

"وہاں تم ڈی سونا کو رپورٹ کرو گے، تمہارا پورا ریکارڈ وہاں موجود ہے لیکن اپنی شناخت کے لیے تمہیں ہر رکاوٹ پر بلیو بیل کا کوڈ دہرانا ہوگا۔ وہاں تمہیں لائیڈز کالج کے اندر صفائی کرنے والے عملے کا نگراں مقرر کیا جائے گا اس طرح تمہیں عمارت کے ہر حصے میں رسائی حاصل ہو گی لیکن وہاں کے ضابطوں کا تمہیں پورا لحاظ کرنا ہوگا۔"

"اگر میں ایک جیبی کیمرہ ساتھ لے جاؤں؟"

"یہ حماقت نہ کرنا۔ وہاں جانچ پڑتال اور حفاظت کا ایسا جدید ترین نظام رائج ہے کہ تم ان سے چھپا کر ایک سوئی بھی اندر نہ لے جا سکو گے۔ اگر کوئی ذکر نکال ہی بیٹھے تو تم بلاتکلف میرا حوالہ دے سکتے ہو کہ میں نے حالات کی روشنی میں تمہارے ماضی کی تمام کوتاہیاں معاف کر دی ہیں۔"

"میرے ٹکٹ کا کیا ہوگا؟"

"اگر اتنے ہی مفلوک الحال ہو گئے ہو تو میں بندوبست کرا دوں گی۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔ "اخراجات تمہیں لائیڈز کالج ہی سے ملتے رہیں گے۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہیں ہلکی پھلکی سزا کے طور پر عارضی طور پر فیلڈ سے ہٹا کر وہاں بھیجا جا رہا ہے اور آئندہ کے لیے مراعات کا انحصار تمہارے طرزِ عمل پر ہوگا۔"

"غزالہ سے بات ہو گئی تو میرے طرزِ عمل سے کسی کو کوئی شکایت نہ ہو گی۔" میں نے کہا۔

"میں آج ہی کوشش کروں گی۔" یہ کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ غزالہ کی وجہ سے لاحق پریشانی کے باوجود لائیڈز ہاؤس میں قیام کا تصور میرے لیے بے حد سنسنی خیز تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب میرے ہاتھوں تنظیم کی بساط تیزی سے لپٹتی چلی جائے گی۔

میں سگریٹ سلگا کر اپنے ذہن میں آنے والے حالات کی منصوبہ بندی میں مصروف ہو گیا۔

ذہنی دباؤ ذرا کم ہوتے ہی غزالہ کے اغوا کے سلسلے میں میرے ذہن میں ایک مثبت پہلو نمودار ہو گیا۔ رخشی سے ملنے والی اطلاع کے مطابق غزالہ آج بھی تنظیم کو اسی شدت سے مطلوب تھی، اگر وہ گھر پر رہتی تو تمام تر حفاظتی اقدامات کے باوجود کسی وقت بھی بدترین حالات سے دوچار ہو سکتی تھی۔ جب کہ ویرا لائیڈ کی تحویل میں وہ بڑی حد تک محفوظ تھی بشرطیکہ اسے وہاں واقعی عزت و احترام کے ساتھ رکھا گیا ہو۔

لائیڈز کالج، غزالہ اور ویرا لائیڈ اس وقت ایک مثلث کے تین زاویے تھے جو پہلو بدل بدل کر میرے ذہن میں ناچ رہے تھے اور ان سے لمحہ بہ لمحہ ایک بہتر تصویر تشکیل پا رہی تھی۔

عام حالات میں شاید میں اس صورتِ حال کو نظرانداز کر کے آگے نکل ہی جاتا لیکن اس وقت میں خود غزالہ کی طرف سے تازہ تازہ زخم کھایا ہوا تھا لہٰذا اس لڑکی کی بے چارگی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

سڑک دور تک ویران پڑی ہوئی تھی اور وہ سبک اندام لڑکی سہمے سہمے انداز میں مُڑتی، جھجکتی بے بسی کے عالم میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتی جا رہی تھی اور وہ چاروں خبیث سیٹیاں بجاتے اور قہقہے لگاتے اس کے تعاقب میں تھے۔ وہ چاروں ہی جواں سال تھے اور اپنی وضع قطع کے اعتبار سے شہر کے آسودہ گھرانوں کے بے فکرے چشم و چراغ نظر آتے تھے ان میں سے ایک نئے ماڈل کی دمکتی ہوئی کار کے اسٹیئرنگ وہیل پر موجود تھا اور کار لڑکی ہی کی رفتار سے رینگتی اور رکتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی، بقیہ تینوں کار کے ساتھ پیدل ہی چل رہے تھے اور آوازیں نکالنے کے ساتھ ساتھ مضحکانہ انداز میں اداکاری بھی کرتے جا رہے تھے۔

نجانے ان چاروں نے کب سے اس بے چاری کو گھیر رکھا تھا، ان کے عزائم بہرحال تشویش ناک نظر آتے تھے۔

میرے دل میں اس لڑکی کے لیے ہمدردی کی ایک لہر سی اٹھی اور میرا داہنا پاؤں ایکسیلریٹر سے ہٹ کر بریک پیڈل پر جا پڑا، داہنی ہتھیلی وہیل سے ہٹ کر اسٹیئرنگ کے وسط میں لگے ہوئے ہارن کے پش بٹن پر جم کر رہ گئی۔

میری کار کے ٹائروں کی ہلکی سی آواز اور پھر ہارن کا شور سن کر وہ تینوں ہی بیک وقت پلٹے تھے۔ اگلی کار کی بریک لائٹس بھی جل اٹھیں۔ میں نے انجن بند کیے بغیر اپنی کار اُن کی گاڑی کے پیچھے روک لی۔

وہ تینوں ہی اپنے سینے پھلاتے، جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف آئے تھے، چوتھا بدستور کار میں بیٹھا رہا تھا۔
"کیا تکلیف ہے؟" ان تینوں میں سب سے قوی نظر آنے والا ڈرائیونگ سیٹ والی سمت میں رُک کر توہین آمیز لہجے میں غرّایا تھا۔
"یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا ہوں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "انسانوں جیسی شکل صورت ہونے کے باوجود آوارہ کتّوں کی طرح کیوں اس لڑکی کو تنگ کر رہے ہو؟"
غرّانے والے کے بشرے پر یک بیک اشتعال کے آثار نمودار ہوئے تھے لیکن اسی لمحے میں نے جیب سے پستول نکال کر انگلیوں میں نچایا۔ اس کی جھلک دیکھتے ہی ان تینوں کے چہروں پر سراسیمگی پھیل گئی۔
"تت... تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ لڑکی سے ہم نے کوئی تعرض نہیں کیا، تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔" ان میں سے دوسرا سہمی ہوئی نظروں سے پستول کی طرف دیکھتے ہوئے ہکلایا۔
"شرافت سے اپنی گاڑی میں بیٹھو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ ایک آدھ کو یہیں ٹھنڈا کردوں گا۔" میں نے باری باری ان تینوں کو گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا اور وہ تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف ہو لیے۔
ان تینوں کے سوار ہوتے ہی کار یوٹرن لے کر تیزی کے ساتھ واپس روانہ ہوگئی۔ میں نے سامنے نگاہ ڈالی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میدان صاف ہونے پر آگے بڑھ جانے کے بجائے لڑکی اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی پلٹ کر میری طرف نگراں تھی جیسے وہ سب اس کی توقعات کے برعکس رہا ہو۔ میں نے گیئر ڈال کر کار آگے بڑھائی تو وہ چونکی اور پھر میری طرف پشت کرکے آگے چل دی۔
اس کے پہلو میں پہنچ کر میں نے کار کی رفتار کم کردی۔
"بیٹھ جاؤ، ورنہ اس ویران سڑک پر کوئی اور گھیرے گا، جہاں جانا چاہو، میں پہنچا دوں گا۔" میں نے نرم لہجے میں پیشکش کی۔
وہ تھم گئی، میں نے بھی کار روک دی۔ اس نے جھک کر میرا جائزہ لیا اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ "تم کون ہو؟" یہ سوال کرتے ہوئے اس کی آواز پژمُردہ تھی۔
"تمھارا ایک ہمدرد۔ سوچ کیا رہی ہو، بیٹھ جاؤ، یہ جرح بعد میں بھی کرسکتی ہو۔" میں نے اندر سے اپنے برابر والی پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے مخلصانہ لہجے میں کہا۔
میری پیشکش پر وہ متذبذب نظر آنے لگی تھی۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد بولی۔ "تم چمڑے کے بیوپاری تو نہیں ہو؟"
میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "وہ چاروں ذرا بھی مزاحمت کرتے تو یہیں ان کا چمڑا کھینچ کر بیوپار شروع کردیتا۔ چلو جلدی بیٹھو، میرا وقت برباد نہ کرو۔"
میرے جواب پر اس کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی اور معاً مجھے احساس ہوا کہ وہ لڑکی اس قدر سیدھی سادی اور مظلوم نہیں تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔ اس کا سوال نہ صرف عجیب بلکہ بے محل بھی تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی شناختی کوڈ رہا ہو اور صحیح جواب نہ ملنے پر وہ پریشان ہوگئی ہو کہ اب کیا کرے۔
"کوڈ نچلے درجے کے لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔" صورتِ حال کا ادراک کرتے ہی میں نے درشت لہجہ اختیار کرلیا۔ "ہنگامی صورتِ حال کے باعث مجھے خود آنا پڑ گیا، گاڑی میں بیٹھ ورنہ پھر کوئی کھیل شروع ہو جائے گا۔"
پُرخلوص اور دھیمے لہجے پر وہ پریشان ہوگئی تھی لیکن درشت لب و لہجے پر اس کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا اور میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے اس نے نشست سنبھال کر دروازہ بند کرلیا۔
"تم... میں تمھیں نہیں جانتی، پھر تم نے جو کچھ کیا ہے وہ پلان کے بالکل برعکس تھا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اچانک ہی کون سی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی؟" گاڑی روانہ ہونے کے چند ثانیوں بعد وہ پُرخیال انداز میں بولی۔
"جس دن یہ سب سمجھنے لگیں، پارس کی ہو جاؤ گی۔" میں نے سگریٹ لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں، میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بار بار کن انکھیوں سے میرے پائیدان میں پڑے ہوئے پستول کو دیکھے جا رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ شاید میں انسانی ہمدردی کے اظہار میں کوئی نیا چکر ہی مول لے بیٹھا تھا۔
"سڑک کے آخری کنارے پر وہ میرے منتظر ہوں گے۔" وہ گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔ "اب تم ہی ان کو بھی جواب دہ کرو گے۔"
میرے کان کھڑے ہو گئے۔ نجانے وہ لڑکی کون تھی اور کن لوگوں کی آلۂ کار تھی؟ سڑک کے آخری کنارے پر اس کا انتظار کرنے والے کون تھے؟ اور ان کے عزائم کیا تھے؟
میں نے فوراً ہی رفتار کم کرکے اپنی کار بھی واپس گھمالی۔
"تت... تم کک... کیا کر رہے ہو... مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟" میرے اس اقدام پر وہ بوکھلا گئی۔
"سکون کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھی رہو۔" میں کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے غرّایا۔ "شور شرابا کیا تو گولی مار کر یہیں پھینک جاؤں گا۔ کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں اور اپنے رویّے سے تم نے مجھے



کہانی میں دلچسپی لینے پر مجبور کردیا ہے۔ شاباش، اب شروع سے اپنی کہانی سُناتی چلی جاؤ تاکہ میں اندازہ لگا سکوں کہ کسی غلط لڑکی سے تو نہیں ٹکرایا ہوں۔"
"تم یقیناً کوئی دھوکے باز ہو۔" وہ خوف زدہ اور روہانسی آواز میں بولی۔ "مجھے اسی وقت اندازہ کرلینا چاہیے تھا جب تم پروگرام کے خلاف اچانک درمیان میں آکودے تھے... تم اب بھی مجھے چھوڑ دو، میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمھارے بارے میں اپنی زبان بند رکھوں گی۔ تم تصوّر بھی نہیں کرسکتے کہ وہ کس قدر خطرناک لوگ ہیں۔ بنا بنایا کھیل بگاڑنے کے جرم میں تمھاری گردن تک اتار سکتے ہیں۔"
"میں ایسے لوگوں میں زندہ رہنا خوب جانتا ہوں۔ وقت برباد کرنے کے بجائے اپنے بارے میں بتاؤ ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میں نے کار کی رفتار سُست کرتے ہوئے اسے گھور کر سرد لہجے میں کہا اور مشینی انداز میں اس کی زبان چل پڑی۔
وہ ایک مقامی فرم میں ملازم تھی اور اپنی کسی کمزوری کی بنا پر بعض جرائم پیشہ لوگوں کی آلۂ کار بن گئی تھی۔ ان کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہونے تک اسے علم نہیں تھا کہ وہ مجرمانہ کارروائیوں میں ملوّث ہو جائے گی۔ ابتدا میں اسے ایک مخصوص ٹھکانے سے سربمہر پیکٹ حاصل کرکے شہر میں مختلف مقامات تک پہنچانے ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کو شہر کے ایک معزز آدمی کو بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے صاف انکار کردیا لیکن جب اسے یہ بتایا گیا کہ وہ پچھلے دنوں شہر میں پیکٹوں کی صورت میں ہیروئن کی ترسیل اور تقسیم کا کام کرتی رہی ہے تو وہ پریشان ہوگئی۔ پھر اسے ڈاک سے ایک وزنی لفافہ موصول ہوا جس میں اس کی متعدد تصاویر تھیں۔ ہر تصویر میں وہ پیکٹ وصول یا کسی کے حوالے کرتی نظر آرہی تھی۔ ساری تصاویر ایسی چابکدستی سے بنائی گئی تھیں کہ وہ ہر تصویر میں اپنے خدوخال سمیت پوری طرح نمایاں تھی جبکہ فریقِ ثانی کا چہرہ کسی تصویر میں قابلِ شناخت نہیں تھا۔ بیشتر تصاویر تو ایسے زاویے سے لی گئی تھیں کہ ان میں دوسرے چہرے کا وجود ہی نہیں تھا۔ تصاویر دیکھتے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ پولیس کی گرفت میں آکر بدنامی سے دوچار ہونے کے خوف سے اپنی ذات کو پوری طرح ان لوگوں کے تصرّف میں دینے پر مجبور ہوگئی۔
ان چاروں میں کار والا پچھلے کافی عرصے سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے کئی بار لڑکی کو اپنی کار میں لفٹ دینے کی پیشکش بھی کی جسے وہ ہمیشہ ٹھکراتی رہی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ اس کے ساتھ مزید تین آدمی نظر آئے شاید وہ انھیں مسلسل نظر انداز کرتی رہتی لیکن اسے ہدایت مل تھی کہ اب کبھی وہ چاروں اسے یکجا نظر آئیں تو وہ ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہوئی کسی ویران علاقے میں نکل جائے اور ان کی پیش قدمی پر قدرے مزاحمت کے بعد ان کے ساتھ کار میں سوار ہو جائے۔ اسے یقین دلایا گیا تھا کہ ہر لمحے اس کی نگرانی اور حفاظت کی جائے گی اور قرب و جوار ہی میں کہیں لڑکی کے ہمدرد سادہ پوش خفیہ پولیس کے روپ میں کار کو روک کر اسے رہا کرالیں گے۔
لڑکی کا قیاس تھا کہ حدود سے متعلقہ قوانین کی روشنی میں وہ لوگ اسے چارہ بنا کر ان چاروں کو بلیک میل کرنا چاہتے تھے اور اسے رہائی سے پہلے ایک مرتبہ پھر ان چاروں کے ساتھ کہیں کیمرے کا سامنا کرنا ہوتا۔
لڑکی جب بھی گروہ کے کسی اجنبی کارندے سے ملتی تھی، اس سے یہی سوال کرتی تھی کہ وہ چمڑے کا بیوپاری تو نہیں ہے۔ اگر وہ جواب میں سفید چمڑی کے الفاظ استعمال کرتا تو شناخت ہو جاتی تھی۔ ان چاروں کے بارے میں میری مداخلت کا کہیں ذکر نہیں تھا لہٰذا سہمی ہوئی خانہ دار لڑکی کی اداکاری کرتے ہوئے وہ میری جانب سے مخمصے میں پڑ گئی اور پھر مجھ سے سامنا ہوتے ہی وہ گھسا پٹا شناختی سوال دُہرا ڈالا جس کا جواب لڑکی کے لیے ناقابلِ قبول ہونا لازمی تھا۔
"جن لوگوں کے لیے کام کرتی ہو، ان کے نام کیا کیا ہیں؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے سوال کیا۔
"میں نہیں جانتی۔" وہ رُندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "ان لوگوں نے مجھے تباہ کردیا ہے اور جو کسر رہ گئی ہے، وہ اب تم پوری کرنا



چاہتے ہو۔ خدا کے لیے مجھے یہیں اتار دو، انھیں مجھ پر شبہ بھی ہو گیا تو میں برباد ہو جاؤں گی، سارا بھرم وہ خاک میں ملا دیں گے۔"

وہ بھی ہیروئن فروشوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور میرے نزدیک کارآمد نہیں تھی۔ اگر وہ نئی پھنسی ہوتی تو میں یقیناً اسے ان کے چنگل سے نکالنے کی کوشش کرتا لیکن وہ اپنے تمام ذاتی اثاثے لٹا کر اس راہ پر خاصی دور نکل چکی تھی لہٰذا میرے لیے اس پر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔

"تمھیں معاوضہ کیا ملتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"سو روپے فی پیکٹ، مہینے میں ہزار بارہ سو کی فاضل آمدنی ہو جاتی ہے۔ اس گناہ آلود زندگی سے اتنا بھی سہارا نہ ملتا تو شاید میں خودکشی ہی کر چکی ہوتی۔"

"معاوضہ کون ادا کرتا ہے؟"

"پیکٹ کے ساتھ ہی معاوضے کی رقم بھی مل جاتی ہے۔"

"پیکٹ دینے والا ہر بار نیا آدمی تو نہ ہوتا ہوگا؟" میں نے پُر خیال لہجے میں پوچھا۔

"مختلف ٹھکانوں سے لیتی رہی ہوں البتہ ایک جگہ بار بار جانا ہوتا ہے۔"

"اس کی نشاندہی کر کے تم جا سکتی ہو۔" میں نے کہا۔

خاصے تذبذب کے بعد آخرکار وہ مجبور ہو ہی گئی اور میں وہ نام سن کر چونک پڑا کیونکہ وہ شخص میرے لیے اجنبی نہیں تھا لیکن مجھے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ وہ شخص اپنے دھندے کو فروغ دینے کے لیے اس سطح تک بھی گر سکتا تھا۔

میں نے کار سڑک کے کنارے روک کر لڑکی کو اتار دیا اور پھر آگے روانہ ہو گیا۔

وجودِ زن سے تصویرِ کائنات میں رنگوں کے طلسم کا فلسفہ نجانے کیوں میرے ذہن میں ابھر آیا جو ہر اعتبار سے درست تھا اور ان ہی رنگوں کے فریب سے بیشتر جرائم اور خرابیاں جنم لیتی تھیں۔

کار سے اترنے والی محض ایک عام سی لڑکی تھی لیکن اس کی ذات میں پوشیدہ نسوانی کشش اور جمالیاتی سحر کو شکار پھانسنے کے لیے کامیابی سے استعمال کیا جا رہا تھا۔ وہ یا اس جیسی کوئی اور لڑکی درمیان میں نہ ہوتی تو بہتیرے نوجوان ان منشیات فروشوں کے چنگل سے بچے رہتے۔ خوبصورت اور توانا مردوں کا لالچ دے کر عورتوں کو پھنسانے کی مثالیں جرائم کی دنیا میں نہ ہونے کے برابر تھیں، ہاں اس کے برعکس ہر لمحے ہوتا رہتا تھا اور اس کے پس پشت طاقتور فطری عوامل کارفرما تھے جن سے کسی بھی لمحے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی۔

مشرق کے حیادار معاشروں کو تو خیر عورت کا نگہبان کہا ہی جاتا ہے لیکن مغرب، جہاں کا ہر چلن مادر پدر آزاد ہے، مرد اپنی وفاشکنی کے قصے دوستوں کی محفلوں میں فخریہ سناتے ہیں لیکن کوئی گھردار عورت اپنی نجی محفلوں میں اپنی کسی گمراہی کو سنا کر تعریف و توصیف سننے کی جرأت نہیں کر سکتی یعنی یوں لگتا ہے جیسے بے وفائی کو عمومی طور پر بس مردوں کا حق سمجھ لیا گیا ہو۔

لیکن یہ حق کی بات نہیں بلکہ ایک گالی سی ہے جسے اپنا لیا گیا ہے۔ قدرت نے دونوں کا مزاج ہی مختلف بنایا ہے۔ عورت میں بلا کا ٹھہراؤ اور تحمل پایا جاتا ہے، کسی اتھاہ سمندر کی طرح۔ جب تک کوئی زبردست خارجی عنصر اثر انداز نہ ہو یا بھونچال آتا ہے نہ سمندر پایاب ہو جاتا ہے اور دوسری طرف مرد مغلوب الغضب اور جذبات زدہ مخلوق ہے۔ ساحل کی مانند جس کی نرم اور طلائی ریت ہر لمحے کبھی نمدار ہوتی ہے تو کبھی خشک۔ عورت کے مقابلے میں مرد میں استقلال کا بڑا فقدان ہوتا ہے۔ اس کی سیمابی فطرت اس کی وفا کے محور پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، اس کے تقاضے زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ شاید یہی سبب ہے کہ مذہب نے مرد کو قدرے زیادہ آزادیاں دی ہوئی ہیں اور نسب کے تحفظ کے علاوہ عورت کے تحمل اور ٹھہراؤ کا سبب اسے ایک ہی کو اپنا مجازی خدا ماننے پر مجبور کیے رکھتا ہے۔ مشرق سے تا بہ مغرب ہر طرف دیکھ لیا جائے، زیرِ زمین رواج سے قطع نظر ہر مہذب اور معروف معاشرے میں یہی ایک کلیہ کارفرما ہے یعنی عورت کو وفا کی دیوی تصور کیا جاتا ہے۔ بے وفائی مرد کے لیے کوئی بڑی تہمت نہیں ہوتی اور ہمارا معاشرہ تو اس معاملے میں بہت ہی اٹل ہے۔ [illegible] میں آزادی کی نسبت ایک اور چار کی ہے جو اس تناسب کے بڑھنے کے بجائے صدیوں سے یہیں منجمد ہے اور تا [illegible] ہی رہے گی۔

غزالہ بھی ایک لڑکی ہی تھی۔ حسین اور میری نگاہ میں یکتائے روزگار اور وہ میری کمزوری بن گئی تھی۔ کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود چاہت کی ایک پارسا سی زنجیر نے مجھے اس کا اسیر کیا ہوا تھا اور ویرالا میڈ میری چاہت کو یرغمال بنا کر مجھے اپنے اشاروں پر نچانے کے لیے کوشاں تھی۔ شاید میرے دل میں رچا ہوا غزالہ کا کرب ہی تھا کہ ایک تنہا اور سہمی ہوئی لڑکی کو چار اوباشوں کے چنگل میں پھنسا دیکھ کر میں اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔ اب یہ اس کے مقدر کی خرابی تھی کہ وہ غلط راستے پر چل کر بڑی لغزش کی قیمت ادا کر رہی تھی۔ میں نے بہر حال اپنا فرض ادا کر ڈالا تھا۔



مجھے یقین تھا کہ جاتے ہوئے وہ میری ممنون ہونے کے بجائے مجھ سے نالاں تھی کیونکہ میں اس کے سوچے سمجھے کھیل میں مداخلت بے جا کا مرتکب ہوا تھا لیکن مجھے اس کی ذرا بھی فکر نہیں تھی۔ میرے ذہن پر بس غزالہ کی تصویر ہی پھیلتی جا رہی تھی۔

❋ ❋

ڈاکٹر اکبر کی علاج گاہ میں معمول کے مطابق خاموشی کا راج تھا۔ عملے کے اراکین بھی دبی دبی سرگوشیوں میں بات کرنے کے عادی ہو چکے تھے کہ کہیں ان کی گفتگو کا بلند آہنگ آرام کے طلبگار مریضوں کی سماعت پر بوجھ نہ بن جائے۔ صفائی ستھرائی سے اس ڈسپلن تک، سب کچھ اس لیے برقرار تھا کہ وہ نجی سرمائے سے کاروباری بنیادوں پر چلنے والا ایک نیک نام ادارہ تھا ورنہ سرکاری اسپتالوں میں تو یہ سب عناصر عنقا ہی نظر آتے ہیں۔

میں اوپر پہنچا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کامران کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لمحے بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ کہیں ویرا نے اپنے وسائل سے اس کا سراغ لگا کر اسے بھی اغوا نہ کرا لیا ہو لیکن دو قدم آگے بڑھتے ہی مجھے کامران نظر آ گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال سنورے ہوئے تھے اور آنکھوں میں خیال انگیز گہرائی ضرور تھی لیکن دیوانگی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس کے مقابل کرسی پر کوئی نرس بیٹھی تھی جس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

کامران راہداری پر توجہ دیے بغیر دھیمی آواز میں اس نرس سے بات کر رہا تھا لیکن میں کھلے ہوئے دروازے پر ٹھٹکا تو اسے میری طرف متوجہ ہونا پڑ گیا۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی اور بڑی بڑی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"اجازت ہو تو اندر آ جاؤں؟" میں نے مسکراتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں؟" اس کی بھنویں تن گئیں۔ وہ بارعب اور گونجیلا لب و لہجہ ہرگز کسی پاگل کا نہیں ہو سکتا تھا۔ "میں کسی اجنبی سے یوں بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتا۔" اس کے چہرے کے تاثرات الفاظ کا پورا پورا ساتھ دے رہے تھے۔

میرے جواب دینے سے پہلے، اس کے سامنے بیٹھی ہوئی نرس اپنی کرسی چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو چکی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ کامران کی وہی پسندیدہ نرس تھی جس سے میں پہلے ہی متعارف ہو چکا تھا۔

"ارے انھیں نہیں پہچانتے؟" وہ مجھے شناخت کرتے ہی تحیر آمیز لہجے میں کامران سے مخاطب ہوئی تھی۔ "یہ تو تمھارے قریبی عزیز ہیں، یہی تمھیں میرے پاس لائے تھے؟"

نرس کے الفاظ سنتے ہی اس کے وجیہ اور بارعب چہرے پر اندرونی کشمکش کے آثار جھلکنے لگے۔ اس نے کئی بار اپنی پلکیں جھپکائیں پھر بے بسی کے ساتھ نرس سے بولا۔ "یہ لوگ مجھے کیوں یاد نہیں آتے گڈّی؟ یہ سب کتنا عجیب لگتا ہے کہ اس روز تم مجھے اپنے والد صاحب کو شناخت کرنے کا مشورہ دے رہی تھیں اور اب..."

"بس بس، ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔" نرس نے بڑھ کر شفقت سے اس کا بازو تھام لیا۔ "حادثات کے بعد اکثر ایسا ہو جاتا ہے، یہ بالکل عارضی کیفیت ہے، رفتہ رفتہ تمھیں سب کچھ یاد آ جائے گا۔ میں تمھاری مدد کروں گی۔"

"اوہ، تم کتنی اچھی ہو گڈّی۔" اس نے احسان مندانہ لہجے میں یہ کہتے ہوئے اپنی آنکھیں موند کر اپنا سر نرس کے بازوؤں پر یوں ٹکا لیا جیسے وہ اس کے لیے آغوشِ مادر رہی ہو۔

نرس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر کامران سے مخاطب ہو گئی۔ "کیا تم تھک گئے ہو؟"

"نہیں۔" اس کی آواز بوجھل سی تھی۔ "پتا نہیں یہ پرانے چہرے بار بار کیوں سامنے چلے آتے ہیں۔ تمھارے بتانے پر جب بھی اپنی یادداشت کے تاریک خانوں کو کھنگالنا چاہتا ہوں تو سر پھٹنے لگتا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی، رشتے دار، کوئی بھی تو یاد نہیں آتا۔ بس یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اچانک ہی زمین سے اُگ آیا ہوں یا آسمان سے ٹپکا ہوں۔" اس نے ایک دبی دبی سی سسکاری لی پھر بولا۔ "تمھارے سوا کوئی بھی تو یاد نہیں رہا ہے مجھے۔"

اسے میں پہلے بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا لیکن اس وقت کی گفتگو سن کر دنگ رہ گیا۔ وہ اس وقت بالکل ہوش مندوں جیسی باتیں کر رہا تھا۔ بس یادداشت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میں اس وقت کافی عرصے بعد اس سے ملا تھا اور اس کی حالت میں حیرت ناک سرعت سے مثبت تبدیلیاں نمودار ہوئی تھیں۔ مجھے خیال آیا کہ کاش اس وقت غزالہ اپنے گھر ہوتی تو جوان بھائی کی شفایابی کی حوصلہ افزا خبر سے کس قدر خوش ہوئی ہوتی لیکن وہ قیدی تھی۔ کرنل اس کے اغوا کے صدمے سے بے حال اور شمع اپنی لگائی ہوئی آگ میں سلگ رہی تھی۔ پورے گھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو کامران کی جزوی صحت یابی کا جشن مناتا۔

اکبر کے ہاتھ میں قدرت نے واقعی شفا دی تھی۔ فاترالعقل دیوانوں کی طرح فہمہ زوری، مار دھاڑ اور ایذا پرستی کے جنون میں مبتلا کامران کی سلجھی ہوئی گفتگو سن کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اگر اکبر ان ہی خطوط پر علاج کرتا رہا تو قلیل سی مدت میں اس کی کھوئی

ہوئی یادداشت بھی واپس لے آئے گا۔

ماضی کے حوالے سے کامران کے ذہن میں بس ایک ہی نام زندہ تھا۔ گڈی۔

وہ غزالہ کو بچپن میں گڈی کہتا تھا اور اب نرس کو وہ نام دیے بیٹھا تھا۔ نظر تو یہ آرہا تھا کہ نام کے ساتھ ہی اس نے اپنی پسندیدہ نرس کو بہن کا سا احترام بھی دیا ہوا تھا ورنہ وہ کہاں تک اس کی چیرہ دستیاں سہتی ؟ اور بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ کامران کی وہ گڈی چند گھنٹے قبل اپنی آزادی سے محروم ہو کر ویرالائیڈ کی قید میں جاچکی تھی۔

نجانے وہ بے چاری کہاں اور کس حال میں تھی ؟

میں بدستور دروازے میں کھڑا ہوا تھا اور نرس کم و بیش کامران کی ہم سن ہونے کے باوجود کسی مشفق ماں کی طرح ہولے ہولے اس کا سر سہلا رہی تھی کہ اچانک پیچھے سے کوئی نمودار ہوا اور مجھے تقریباً دھکیلتا ہوا کمرے میں گھستا چلا گیا۔ اندر نرس کے قریب پہنچ کر وہ سفید پوش وارڈ بوائے میری طرف گھوما تھا اور لحظہ بھر ناقدانہ نگاہ ڈالنے کے بعد دوبارہ نرس کی طرف متوجہ ہو گیا جو کامران کی حالت کے پیشِ نظر اس کی یوں مداخلت پر برہم نظر آرہی تھی۔

وارڈ بوائے نے مدھم سرگوشیانہ لہجے میں نرس سے کچھ کہا جس پر ان دونوں میں کچھ سوال جواب ہوئے لیکن میرے پلے بھنبھناہٹ کے سوا کچھ بھی نہ پڑ سکا۔ اس دوران جس بات پر مجھے تشویش ہوئی وہ یہ تھی کہ اس دوران وارڈ بوائے نے کئی بار مشتبہ انداز میں میری طرف دیکھا جیسے اسے میری جانب سے مداخلت کا اندیشہ رہا ہو۔

میرے لیے اس کا وہ رویہ تشویش ناک تھا۔ یوں تو اس اسپتال میں میں کئی بار ہلکی پھلکی ہنگامہ آرائیاں کر چکا تھا لیکن کسی بھی موقع پر شناخت کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ البتہ آخری مرتبہ زخمی اسے ٹو کا پیچھا کرتا ہوا جب وہاں پہنچا تو اکبر سے براہِ راست سامنا ہوا تھا لیکن میں اس کے آدمیوں کی دخل اندازی سے پہلے ہی اسے ٹو کے تعاقب میں عقبی کھڑکی سے نکل بھاگا تھا۔

وارڈ بوائے کے مشکوک رویے سے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں مجھے پہچان کر اسپتال میں گھیرنے کا منصوبہ نہ بنایا جا رہا ہو۔

اپنی پیغام رسانی سے فارغ ہو کر وارڈ بوائے جیسے ہی میرے پہلو سے گزرا میں نے لپک کر راہداری میں اسے جالیا۔ اپنے بازو پر میری غیر دوستانہ گرفت محسوس کرتے ہی وہ بوکھلا گیا۔

”کک... کیا بب... بات ہے... ہا... ہاتھ چھوڑو میرا۔“

”کس کا پیغام لائے تھے برخوردار ؟“ میں نے اپنی انگلیوں کے سرے سختی کے ساتھ اس کے بازو میں پیوست کرتے ہوئے سرسراتے ہوئے درشت لہجے میں سوال کیا۔

”ڈ ڈ... ڈاکٹر نے ہی... ہدایت دی تھی مریض کے لیے“ وہ ہکلاتے ہوئے بولا لیکن اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن وہاں راہداری میں اس سے تفصیلی باز پرس کا موقع نہیں تھا۔ کسی بھی لمحے کہیں سے کوئی نمودار ہو کر صورتِ حال کو میرے حق میں مخدوش بنا سکتا تھا۔

”ذرا میں بھی تو سنوں کہ کیا ہدایت تھی ؟“ میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”مسٹر !“ اچانک میرے کانوں میں ایک نسوانی آواز گونجی۔ میں گھوما تو نرس کامران کے دروازے سے باہر کھڑی ہوئی تھی۔ ”چھوڑ دیں اسے اور ادھر لوٹ آئیں ورنہ میں مریض کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔“ وہ تحکمانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

لیکن وارڈ بوائے اس سے پہلے ہی میری توجہ نرس کی طرف مبذول ہونے کا فائدہ اٹھا کر میری گرفت سے نکل بھاگا تھا۔ میں سر جھکا کر کامران کے کمرے کی طرف ہو لیا۔

وہ بدستور آرام کرسی پر نیم دراز تھا لیکن ان چند ہی ثانیوں میں گہری نیند سو چکا تھا۔ آخری لمحات کی کربناک ذہنی کشمکش کے باعث اس کا پورا چہرہ پسینے میں ڈوب چکا تھا۔

”اسے کیوں روکا تھا آپ نے ؟“ نرس نے مجھے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ اس قدر رازدارانہ انداز میں کیا پیغام لایا ہے ؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ اس کے فرائض میں دخل انداز ہوئے ہیں۔“ وہ تلخ لہجے میں بولی۔ ”اگر آپ کو اس سے کوئی شکایت تھی تو نیچے کاؤنٹر پر رجوع کرنا چاہیے تھا۔ یہ اسپتال ہے کوئی جنگل نہیں جہاں ہر زبردست کو بالادستی کا حق حاصل ہو، مریضوں کی شب و روز خدمت کا یہ صلہ تو ہمارے تصور سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ لوگوں کو تو ایسی نوازشوں سے محفوظ ہی رکھنا چاہیے۔“

”میں معذرت خواہ ہوں۔“ میں نے سرسری لہجے میں کہا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ”وہ پیغام ؟“

”آپ کا رویہ بتا رہا ہے کہ پیغام آپ کے لیے غیر متوقع نہیں تھا۔“ اس بار اس کے لہجے میں تحقیر کا ہلکا سا عنصر بھی پیدا ہو گیا۔ ”یہ اسپتال ہے، خیرات گھر نہیں۔ مریض کو ایک پیشگی ادا کیے ساتھ داخل کرا دینے سے لواحقین بری الذمہ نہیں ہو جاتے۔ پیشگی رقم کتنے دن ساتھ دے سکتی ہے ؟ یہ ڈاکٹر کا احسان ہے کہ اس نے آپ کے مریض کو پاگل خانے نہیں بھجوایا۔ مریضوں کے واجبات کی بروقت ادائیگی سے ہی یہاں کا نظام چلتا ہے...“

وہ نجانے کیا کچھ کہتی چلی جاتی لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں ہر بات سے پوری طرح متفق ہوں، لیکن ابھی تک وہ پیغام نہیں معلوم ہو سکا ؟“

”سننا ہی چاہتے ہیں تو سنیے کہ ڈاکٹر نے اپنی آمد تک آپ کو روکے رکھنے کے لیے کہلوایا تھا تاکہ اب تک کا حساب صاف کر کے آئندہ کے بارے میں کچھ طے کیا جا سکے...“

”پھر میں چلا سسٹر !“ میں نے کام کی بات معلوم ہوتے ہی اس کی بات اڑا دی۔ ”یہ سب بکواس ہے، کامران کے حساب میں میں اتنی رقم پیشگی جمع کرا چکا ہوں کہ شاید چھ ماہ بھی کمی واقع نہ ہوگی...“

”ٹھہرو۔“ وہ مجھے فرار پر آمادہ پا کر اضطراری انداز میں بولی۔ ”تم اتنی آسانی سے نہ نکل سکو گے اور نکل بھی گئے تو کامران کو اسی وقت تیسرے درجے کا پاگل قرار دے کر گدو بندر بھجوا دیا جائے گا۔“

میرا دل دہل گیا، قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

عجیب دن تھا وہ بھی کہ ہر طرف سے بے بسی محصور کیے دے رہی تھی۔ غزالہ کو یرغمال بنا کر ویرالائیڈ نے مجھے اپنے قدموں میں جھکا لیا تھا اور اب اکبر کی پروردہ نرس کامران کو پاگل خانے بھجوانے کی دھمکی دے کر مجھے رک جانے پر مجبور کر رہی تھی لیکن اس کے اضطراری لہجے سے میں نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اصل کھیل سے یکسر لاعلم تھی اور کامران کے علاج کے سلسلے میں مجھے اکبر کا مقروض سمجھ رہی تھی۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ اکبر کو جانتی تھی۔ وہ مجھے پہچان چکا تھا اور اب پرانا حساب چکانے کے لیے بلوں کی ادائیگی کا بہانا کر کے نرس کو سازش میں شریک کر لیا تھا۔ اگر میں وہاں سے نکل بھاگتا تو اس بار وہ یقیناً اپنی شکست کا انتقام کامران سے لیتا اور اسے لاعلاج ذہنی مریض قرار دے کر اپنے رسوخ کے ذریعے تیسرے درجے کے پاگلوں کے ساتھ قید کرا دیتا اور جب برسوں بعد پرزنرز ایڈ سوسائٹی والے کھوج نکالتے کامران تک پہنچتے تو وہ لازمی طور پر لاعلاج پاگل ہو چکا ہوتا۔

”سنو ! یہ اسپتال ہی نہیں، بدمعاشوں کا گڑھ بھی ہے، یہاں زخمی مجرم پناہ لیتے ہیں، اکبر ان کا ساتھی ہے اور ایک بار میرے ہاتھوں زک اٹھا چکا ہے۔ آج اس نے مجھے پہچان لیا ہے اور اب گھیر کر مجھ سے اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ بلوں کی ادائیگی محض ایک بہانہ ہے۔“ میں نے اندر لوٹ کر اسے ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا ڈالا۔

”اگر ایسا ہوا تو تم مجھے اپنا ساتھی پاؤ گے۔“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا لیکن اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری

کہانی پر یقین نہیں آ سکا تھا۔
"یعنی تم مجھے جانے نہیں دوگی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"یہ میری ملازمت کا معاملہ ہے۔" وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔ "یہاں آئے دن ایسا ہوتا رہتا ہے۔ لوگ بڑے جذبے کے ساتھ اپنے لاعلاج مریضوں کو لاتے ہیں، کچھ عرصے بعد افاقہ نہ ہو تو رقم دبا کر مریض کی عیادت تک کے لیے آنا ترک کر دیتے ہیں۔ اس وقت گراؤنڈ فلور پر دو چار ملازم تمھارا راستہ روکنے کے لیے تیار ہوں گے۔ تمھارا مریض تو زندہ ہے۔ یہاں پورے واجبات ادا کیے بغیر لواحقین لاش بھی باہر نہیں لے جا سکتے۔ سب جانتے ہیں کہ ہماری تنخواہیں ان ہی واجبات سے وابستہ ہیں۔ یہاں ملازمین کو معقول تنخواہیں دی جاتی ہیں۔"
میں کامران کے سامنے پڑی ہوئی خالی آرام کرسی پر گر گیا اور اس کا رخ یوں گھما لیا کہ براہِ راست دروازے پر نگاہ رکھ سکوں۔ "کیا تم اکبر کو واقعی ڈاکٹر سمجھتی ہو؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔
"لیکن وہ عملی طور پر انسانی ذہن کو خوب سمجھتا ہے۔" اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "کامران ہی کو دیکھ لو، بہتیرے بگڑے ہوئے کیس اس نے سنبھالے ہیں۔"
"اور نجانے کتنے بگاڑے بھی ہوں گے لیکن ان کا حساب کون رکھے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"یہ سب مقدر کی باتیں ہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "زندگی ہو تو خاک سے بھی شفا ہو جاتی ہے اور وقت پورا ہو جائے تو مسیحا تک مر جاتے ہیں۔ مجھے تو حیرت اس بات کی ہے کہ یہ علاج گاہ کیسے قائم ہے۔ قانون شفا نہیں دیکھتا، قابلیت مانگتا ہے، وہ کہاں سے پیدا کی ہوگی ہمارے...."
وہ بات ادھوری چھوڑ کر یکلخت خاموش ہو گئی۔ راہداری سے ابھرنے والی قدموں کی آوازیں میرے کان بھی سُن رہے تھے لیکن میں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ اب میں تن بہ تقدیر ہو کر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔
پھر آنے والا جوں ہی کمرے میں داخل ہوا، مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی کے آثار ابھر آئے جیسے اسے میری وہاں موجودگی کی اُمید نہ رہی ہو لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔
"مریض کا کیا حال ہے سسٹر؟" سنبھالا لیتے ہی اکبر نے مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نرس سے سوال کیا اور میں بھی لاتعلقانہ انداز میں آرام کرسی پر دراز سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

"ماضی کا حوالہ ہمیشہ ذہنی صدمے کا باعث بنتا ہے، اس وقت بھی یہی ہوا ہے، انھیں پہچاننے کی کوشش کی تھی مریض نے۔" نرس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔
اکبر نے کامران کے پپوٹے اُٹھا کر اس کی دونوں پتلیوں کا جائزہ لیا، ماہرانہ انداز میں نبض کی رفتار دیکھی۔ ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر گہری نگاہ ڈالی پھر مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے نرس سے بولا۔ "تم ڈیوٹی روم میں جاؤ، مریض دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا، میں واپسی پر بتا دوں گا۔"
نرس دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ میں کرسی چھوڑ کر اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔ "واجبات کا مسئلہ سسٹر کی موجودگی میں ہی طے ہونا چاہیے جس کے لیے مجھے بھونڈے انداز میں یہاں روکا گیا ہے۔" میں نے اکبر سے مخاطب ہو کر تلخ لہجے میں کہا۔
اس کے لبوں پر مکارانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اوہ تو تمھیں بتا دیا گیا کہ تم روکے گئے ہو۔ خیر اتنا برا منانے کی ضرورت نہیں، میں اپنے حسابات خود نمٹانے کا عادی ہوں، غلطی ہوئی تو معذرت کر لوں گا، تمھیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ بے چاری سسٹر کو اس معاملے میں ملوث نہ کرو، اس کا راستہ چھوڑ دو۔"
پہلے میرا خیال تھا کہ اکبر نے مجھے پہچان کر ہی وہاں روکا تھا لیکن اس کے ابتدائی تاثرات نے میرے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ اب دیکھنا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا لہٰذا میں نے بات کو طول دیے بغیر راستہ چھوڑ دیا اور اکبر کامران کے خالی بستر پر ٹک گیا۔
میں دروازے کے قریب کھڑا اسے گھورتا رہا اور وہ عجیب انداز میں مسکراتا رہا، آخر کار اسی نے سکوت توڑا تھا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تمھارا نام ڈینی ہے؟"
اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میں چونک پڑا۔ "فرض کرو... لیکن یہ نام تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"
"اب سے پہلے میرے لیے تم ایک نام نہیں بلکہ صرف ایک چہرہ تھے اور مجھے تمھاری جستجو بھی تھی۔ لے ٹو میرے گہرے دوستوں میں سے تھا اور وہ اپنی ساری دلیری کے باوجود تم سے خائف رہتا تھا۔ آخر کار وہ تمھارے ہی ہاتھوں مارا بھی گیا۔"
"اور اب تم مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے جارحانہ تیوروں کے ساتھ سوال کیا۔
وہ ہنس پڑا۔ "احمقانہ بات ہے، مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرا کرتا۔ تم نے اپنے وقت کے زیرک ترین آدمی کو مات دی، میں تمھارا قدر دان ہوں...."
"یہ سب بعد کی باتیں ہیں! پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ



یہاں کیوں روکا گیا ہے؟" میں نے اس کی بات اُڑاتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔
"تسلی سے کام لو، ذرا سی دیر میں سب سامنے آ جائے گا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔
"میں اب یہاں ایک سیکنڈ بھی رُکنے کے لیے تیار نہیں۔" اس کا پُرسکون رویہ مجھے مسلسل تاؤ دلائے جا رہا تھا، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس مردود نے اپنی دانست میں مجھے نادیدہ زنجیروں سے جکڑ رکھا ہو۔
"دماغ ٹھنڈا رکھو۔" وہ ناصحانہ لہجے میں بولا۔ "میں ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ میرے معمولی ملازم تم جیسے عظیم آدمی پر ہاتھ اُٹھانے پر مجبور ہو جائیں، میں اپنے عملے کو تنخواہوں کے علاوہ بلوں پر کمیشن بھی دیتا ہوں۔ وہ کسی نادہند کو نکلنے نہیں دیں گے بس وہ کسی بھی لمحے آتی ہی ہوگی۔"
"آتی ہی ہوگی۔" میں نے چبا چبا کر کہا۔ "یعنی یہ سب تم کسی کُتیا کے اشارے پر کر رہے ہو؟"
"کاش وہ کُتیا ہی ہوتی۔" وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ "کم از کم اس کی پشت تو سہلا سکتا تھا...."
"کس کی پشت سہلانا چاہتے ہو اکبر؟" اچانک مجھے اپنی پشت سے ویرا لائیڈ کی چبھتی ہوئی آواز سنائی دی اور میں حیرت سے اچھل پڑا۔ وہ راہداری میں بالکل بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی وہاں تک پہنچی تھی اور شاید اکبر کا آخری فقرہ ہی سن سکی تھی لیکن اس کی آواز سنتے ہی اکبر کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ وہ مشینی انداز میں مسہری سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں، چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں وحشت اتر آئی تھی۔
"مم... مادام!" وہ لرزتے ہوئے اپنے سر کو گھٹنوں تک جھکا کر گڑگڑایا۔ "اس کمرے میں مامور نرس کی بات ہو رہی تھی۔ غیر ضروری بکواس پر معذرت خواہ ہوں۔"
"بکواس کبھی ضروری نہیں ہوتی اکبر۔" اس کی زبان گویا لفظوں کے کوڑے برسا رہی تھی۔ "اگر یہ حاجت مند اور مجبور عورتیں کُتیا بنائی جا سکتی ہیں تو یقین کرو کہ تمھیں بھی کسی کُتیا ہی نے جنا ہوگا۔ اس اجنبی سے اتنی بے تکلفی کیسے ہو گئی تمھاری؟"
"میں دست بستہ معافی چاہتا ہوں مادام!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر رلا دینے والی آواز میں کراہا۔ ویرا لائیڈ کے سامنے وہ کسی خارش زدہ چوہے سے بھی بدتر نظر آ رہا تھا۔ "یہ... یہ اجنبی نہیں ہے۔ اس کمرے میں اسی کا لایا ہوا مریض زیرِ علاج ہے۔ ویسے بھی یہ لے ٹو کے تعاقب میں یہاں آیا تھا اور یہی اس کا قاتل ہے۔ آپ کی زمانہ شناس نگاہوں نے اسے خوب پہچانا ہے ورنہ یہ آج بھی اپنے مریض سے مل کر صاف نکل گیا ہوتا۔"
"ہرزہ سرائی بند کرو۔" ویرا لائیڈ نے للکارتے ہوئے لہجے میں اسے پھٹکار دیا۔ "اور اپنے کمرے میں جاؤ، فی الحال اس فلور پر کوئی نہیں رہے گا، میری واپسی کے بعد جو چاہو بندوبست کر لینا، میں یہاں کچھ وقت گزاروں گی۔"
"بہتر مادام!" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دوبارہ فرشی سلام کیا اور ایسی عجلت میں وہاں سے بھاگا جیسے تاخیر ہو جانے کی صورت میں روح قبض ہونے کا خوف لاحق ہو۔
"ہاں تو تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟" چند ثانیوں تک مجھے گھورتے رہنے کے بعد اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔
"ایسا نہ ہو کہ کوئی باہر کھڑا سن گن لینے کی کوشش کر رہا ہو۔" میں نے زبان کھولنے سے پیشتر دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا اور اس نے کوئی تعرض نہ کیا۔
"اپنی تسلی کے لیے دیکھ لو، لیکن اب کوئی اس فلور پر رُکنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔" اس نے اسی لہجے میں کہا تھا۔ میں نے بڑھ کر راہداری میں نظریں دوڑائیں تو وہ دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔
"یہاں تمھاری کیا حیثیت ہے؟" میں نے واپس لوٹ کر تحیر آمیز انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔
"تم نے دیکھ ہی لیا۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "اکبر کا بس چلے تو میری اگلی ہدایت تک وہ پرندوں کو بھی اس فلور پر پَر نہ مارنے دے گا۔"
"تمھاری ولادت ذرا تاخیر سے ہوئی۔ جمی لائیڈ سلیمانی دور میں جوان ہو گیا ہوتا تو تم واقعی پرندوں پر بھی حکمرانی کر گزرتیں۔"
"مرچیں چبانے کے بجائے میرے سوال کا جواب دو۔" اس نے کرسی سنبھالتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ مریض کون ہے؟"
"یہ غزالہ کا بھائی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کسی وجہ سے ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا، کافی دنوں سے یہاں زیرِ علاج ہے۔ آج میں نے سوچا کہ لاہور روانہ ہونے سے پہلے اسے بھی دیکھتا چلوں، وہاں سے نجانے کب واپسی نصیب ہوتی ہے؟"
"اوہ، تو یہ بات تھی۔" وہ یک بیک مضمحل نظر آنے لگی۔ "میں بلاوجہ ہی تشویش کا شکار ہو گئی تھی.... دراصل یہ سارا قصور تمھارا ہے، ابھی تک تم خود کو پوری طرح قابلِ اعتماد ثابت نہیں کر سکے ہو۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نجانے کب کیا کر گزرو؟"

”پتا تو چلے کہ اس بار مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”قصور؟“ وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ ”آج تم نے یہاں آکر غزالہ کے حق میں اچھا نہیں کیا۔“

”غزالہ؟“ میں نے تیز لہجے میں دُہرایا۔ ”اس کا ذکر کہاں سے آگیا اس قصے میں۔“

”تھوڑی دیر پہلے تک وہ یہیں مقیم تھی۔“ اس کے الفاظ کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح میرے ذہن پر گرے۔ ”جنگ و جدل سے محفوظ یہ شہر کا بہترین ٹھکانا تھا لیکن غلط فہمی کی بنا پر فوری طور پر اسے یہاں سے ہٹا دیا گیا ہے۔“

”ہٹا دیا گیا ہے؟ آخر غلط فہمی کی بنیاد کیا تھی؟“ میں نے احتجاج آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”یوں نہیں — شروع سے پوری بات بتانا پڑے گی“ وہ کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولی۔ ”غزالہ کو یہاں منتقل کرتے ہوئے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا بھائی یہاں زیرِ علاج ہے اور یہاں تمھاری بھی آمد و رفت رہتی ہے۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں اس اسپتال کے ایک ایسے آرام دہ اور دور اُفتادہ کمرے میں رکھا گیا تھا کہ وہ اسپتال کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہاں باہر میرا ایک آدمی مسلسل اس کی حفاظت پر مامور تھا۔ اسے خاص طور پر تمھاری طرف سے چوکنا رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ آج جیسے ہی اس نے اسپتال کے احاطے میں تم کو کار سے اترتے دیکھا، فوراً مجھے وائرلیس پر معاملے کی سنگینی سے آگاہ کر دیا پھر اس نے اسپتال کے عملے سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ تم کس کمرے میں گئے ہو۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ شاید تمھیں غزالہ کی وہاں موجودگی کی بھنک مل گئی ہے اور تم کوئی ڈراما رچا کر اسے نکال لے جانے کی فکر میں ہو۔ میں نے فوراً ہی غزالہ کی وہاں سے منتقلی کا بندوبست کیا اور اکبر کو ہدایت کی کہ میری آمد تک تمھیں ہر قیمت پر الجھا کر رکھا جائے لیکن اب تم کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہو۔ مجھے ذرا بھی اطمینان ہوتا تو میں غزالہ کو ہرگز یہاں سے نہ ہٹاتی۔“

”اب بھی کیا بگڑا ہے — اسے دوبارہ یہاں بلوا سکتی ہو۔“

”میں اتنی احمق نہیں ہوں۔“ وہ منہ بگاڑ کر تلخ لہجے میں بولی۔ ”اس کا ٹھکانا تمھارے علم میں لے آنا میری حکمتِ عملی سے میل نہیں کھاتا۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ ادھر کا رُخ بھی نہ کروں گا۔“ میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ ”کم از کم میری غیر موجودگی میں وہ اپنے بھائی کی دیکھ بھال ہی کر لے گی۔“

”گھاس کھا گئے ہو کیا؟“ وہ برہمی کے ساتھ تیز لہجے میں بولی۔ ”اچھی طرح جانتے ہو کہ اس کا برسرِ عام آنا اس کے حق میں کس قدر مہلک ثابت ہوگا۔ تنظیم کو اس کی تلاش ہے۔ اگر ہاتھ نہ آسکی تو وہ اسے ہلاک کرنے سے بھی دریغ نہ کرے گی۔“

”تو کیا اکبر تنظیم کا کارندہ نہیں ہے؟“

”یہ خیال کیوں پیدا ہوا تمھارے ذہن میں؟“ اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”اس کے اس سے گہرے مراسم تھے، ابھی تمھارے سامنے وہ اس سے ہمدردی جتاتے ہوئے مجھے اس کا قائل کر رہا تھا۔ اس سے پہلے قاسم سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔“

اس کے بشرے پر اطمینان عود کر آیا۔ ”ان دونوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اکبر کو تو تنظیم کے وجود کی ہوا بھی نہیں لگ سکی ہے۔ وہ ان دونوں کو میرے جاں نثاروں کے طور پر جانتا تھا۔“

”اور شاید میں بھی اسی صف میں شمار کیا جاؤں گا۔“ میں نے اپنے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ کر سر کو قدرے خم دیتے ہوئے کہا۔

”میرے تصور سے لوگوں کو ہول آنے لگتے ہیں۔“ وہ چہک کر بولی۔ ”عشق جتانا تو دور کی بات ہے، میرے ماتحت آنکھ ملا کر بات تک نہیں کر سکتے۔ ان دونوں کا شمار بھی ایسے ہی ماتحتوں میں ہوتا تھا۔۔۔ اپنی رسائی پر زیادہ گھمنڈ نہ کیا کرو، کسی وقت طبیعت آگیا تو سارے مراسم ایک بھولا ہوا خواب بن کر رہ جائیں گے۔“

”جب تک تم سخاوت نہ دکھاؤ، گزرے ہوئے لمحات خواب ہی بنے رہیں گے۔“ میں نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ ”ایسے رشتے اسی لیے کچے ہوتے ہیں کہ کسی کا کسی پر حق نہیں ہوتا۔ سخی کا دل ہوتا ہے کہ چاہے تو دان کرے ورنہ سوالی کو لات مار کر اپنے دروازے سے دور پھینک دے۔ لیکن مجھے تم سے یہ اُمید نہیں ہے۔“

”اس بار تو جو ہوا سو ہوا۔ یہ میری غلط فہمی تھی لیکن میں تمھیں ایک بار پھر متنبہ کیے دیتی ہوں کہ تم نے غزالہ کا کھوج کرنے کی کوشش کی تو اس سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔۔۔“ اس نے میری بات کو نظر انداز کر کے کہنا چاہا لیکن میں دخل انداز ہو کر بیٹھا۔

”اس بات کو بار بار دُہرا کر تلخی میں اضافہ مت کرو۔ اپنے وسائل کے اظہار سے تم پہلے ہی مجھے مرعوب کر چکی ہو۔“

وہ واپسی کے لیے دروازے کی طرف مڑی تو میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ ”تم کہاں چلے؟“ اس نے تیوریاں چڑھا کر سوال کیا۔

”تمھارے ساتھ ہی نکل چلوں ورنہ اکبر شرارت کرے گا۔“

”وہ اب کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ وہ احکام سے ذرا بھی انحراف نہیں کرتا۔ جب بھی آؤ گے، اسے ملنسار اور اپنا دوست ہی پاؤ گے، تمھارا میرے ساتھ یہاں سے نکلنا مناسب نہ ہوگا۔“

”جاتے جاتے اس سے میرے مریض کی سفارش بھی کرتی جانا۔“ میں نے کہا۔ ”ایسا نہ ہو کہ وہ بل بڑھانے کے چکر میں علاج کو طول ہی دیتا چلا جائے۔“

وہ ہنس پڑی۔ ”میں کہہ دوں گی لیکن یہ اس کی کمزوری ہے۔ ہر مریض کو اس کی حیثیت کے مطابق پوری طرح نچوڑے بغیر یہاں سے ہلنے نہیں دیتا۔“

وہ چلی گئی اور میں دوبارہ کامران کے کمرے میں آبیٹھا۔ حالات کی یہ کیسی ستم ظریفی تھی کہ وہ دونوں بہن بھائی ایک ہی چھت کے نیچے رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے نہیں مل سکے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ کامران کے تفصیلی تجزیے کے بعد اکبر نے بتایا تھا کہ ماضی کے حوالے سے اس کے ذہن میں بس ایک ہی نام باقی تھا جو گُڈی تھا اور اگر اس شخصیت کو کامران کے سامنے لایا جاتا تو اس کی یادداشت تیزی کے ساتھ بحال ہو سکتی تھی پھر میں نے کرنل سے یہ معلوم بھی کر لیا تھا کہ بچپن میں کامران غزالہ ہی کو گُڈی کہا کرتا تھا لیکن اس روز کے بعد سے حالات اتنی تیزی کے ساتھ ناخوشگوار ہوتے چلے گئے کہ غزالہ کو کامران سے ملانے کی نوبت ہی نہ آسکی اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کی لاعلمی میں یکجا ہو کر ویرا الائیڈ کی ذرا سی غلط فہمی کی بنا پر آپس میں ملے بغیر پھر بچھڑ چکے تھے۔

میں ان ہی حالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ چند منٹ بعد سفید کوٹ میں ملبوس، اکبر خود وہاں آپہنچا۔

”معاف کرنا دوست، مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ہم ہی میں سے ہو۔“ وہ آتے ہی معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ ”تھا اپنی کوتاہیوں پر میں شرمندہ ہوں، تمھارے مریض کو آج ہی وی آئی پی روم میں منتقل کرا دیتا ہوں۔“

میں تلخ انداز میں ہنس دیا۔ ”ارے بھائی، پاگل صرف پاگل ہوتا ہے۔ اس کے لیے فٹ پاتھ اور وی آئی پی روم میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ تو ہوش مندوں کے نخرے ہیں جو زندگی اور بیماری تو درکنار مرنے کے بعد بھی وی آئی پی سوٹ اور چہلم کی فکر میں رہتے ہیں۔“

وہ کھوکھلے انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ ”کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو، میں نے خود ایک قریب المرگ افسر کو یہ تلقین کرتے سنا تھا کہ اگر وہ مر ہی جائے تو تدفین سے پہلے اس کے ایسے تمام شناساؤں کو ضرور خبر دی جائے جن کے پاس گاڑیاں ہیں تاکہ جنازے کا جلوس شاندار ہو سکے۔“

”اگر اجازت ہو تو اب میں چلا جاؤں؟“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ضرور ضرور — اب اتنا بھی شرمندہ نہ کرو مجھے۔“ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا اور میں سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکلا چلا گیا۔

☼ ☼

گھر پر ایک بند لفافے میں میرے لیے کراچی سے لاہور اور واپسی کا فضائی ٹکٹ موجود تھا جو کوئی نامعلوم آدمی کرنل کے حوالے کر گیا تھا۔ روانگی کے لیے اگلی دوپہر کی نشست محفوظ کرا لی گئی تھی جبکہ واپسی کا کوئی تعین نہیں کیا گیا تھا۔ لائیڈز کا کام میں میرے کام کی نوعیت کی بنا پر واپسی کا اندازہ لگانا مشکل ہی تھا۔

پھر سلطان شاہ سے ملاقات ہوئی جو اپنی مہم سے بے نیل و مرام ہی واپس لوٹا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو باری باری مواصلاتی یونٹ کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا اور خود سارا دن شہر میں ان ٹھکانوں کی خاک چھانتا پھرا جہاں لاہور سے واپسی پر ویرا الائیڈ کو جاتے دیکھا تھا لیکن کہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

ان ٹھکانوں پر رہنے والے سب ہی لوگ اپنے پڑوسیوں کی رائے میں غیر مشکوک شرفا تھے جو جائز وسائل سے اپنی روزی کمانے کے قائل تھے بلکہ دو ٹھکانوں پر تو عیالدار گھرانوں کا وجود سامنے آیا اور سلطان شاہ کی عقل چکرا کر رہ گئی کہ ان لوگوں میں ویرا الائیڈ کے گرگوں کو کیوں کر تلاش کر سکے گا۔ اگر اس نے خود ان ٹھکانوں تک ویرا کا پیچھا نہ کیا ہوتا تو شاید یقین بھی نہ کرتا کہ وہ عزت دار، متوسط گھرانے کسی غیر قانونی کھیل میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی مکان اتنا وسیع نہیں تھا کہ وہاں کسی کو قید کیا جاتا تو پڑوسی بے خبر رہتے۔ بس ایک ٹھکانا وسیع و عریض کوٹھی پر مشتمل تھا جو ویران اور غیر آباد پڑی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے احاطے کی چار دیواری پھاند کر اس کا چپہ چپہ چھان مارا تھا لیکن غزالہ تو کیا، وہاں کسی بھی ذی روح کا وجود دریافت نہیں کر سکا تھا۔

اس کی کہانی میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی لیکن جب

اسے میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا علم ہوا تو وہ حیران رہ گیا۔ "اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ شروع ہی سے سارا کھیل ہماری ناک کے نیچے ہو رہا ہے اور ہم اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے ہیں۔ آخر یہ اکبر ہے کیا بلا کہ سارے ہی منشیات فروشوں سے اس کے گہرے مراسم ہیں؟"

"اکبر نہیں بلکہ یہ ایک مؤثر پلیٹ فارم کا چکر معلوم ہوتا ہے" میں نے کہا۔ "شہر میں انسدادِ منشیات کے لیے ایک اڈکشن کیور سوسائٹی ہے جس کی سرپرستی تنظیم کا مقامی سربراہ کرتا رہا تھا اور اکبر اسی سوسائٹی کے بانی کا داماد ہے۔ یہ لوگ سرکاری پالیسیوں سے باخبر رہنے کے لیے اس سوسائٹی میں گھسے ہوئے ہیں اور اسی کے ساتھ اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے اسے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اکبر سے قربت کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی علاج گاہ کی آڑ میں منشیات کی بھاری مقدار کھپاتا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اب غزالہ کو سوسائٹی کے دفتر ہی میں منتقل کیا گیا ہو؟" اس نے چونکتے ہوئے کہا۔

"وہ جگہ میری دیکھی بھالی ہے۔" میں نے کہا۔ "وہاں ایک حصے میں سوسائٹی کا بانی چیئرمین اپنی فیملی کے ساتھ مقیم ہے۔ وہاں ایسے کھیلے ہوتے مشکل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے چند دنوں کے لیے غزالہ کو بھول ہی جانا چاہیے۔ ویرا اس کے ساتھ بدسلوکی نہیں کرے گی۔"

"پھر کراچی میں میرا کیا مصرف رہ جائے گا؟" اس نے احتجاج کیا۔

"تم اپنے طور پر اسے تلاش کرتے رہو، مل جائے تو اچھا ہے کیونکہ ویرا اس کھیل کو طول دیتی نظر آ رہی ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور مجھے سلطان شاہ کو نظر انداز کر کے اُدھر متوجہ ہو جانا پڑا۔ دوسری طرف سے رخشی بول رہی تھی۔

"ویرا لائیڈ ان دنوں ساحلی علاقے میں واقع ایک بنگلے میں مقیم ہے۔ سنا ہے کہ وہاں کوئی کبوتر باز سفید فام مقیم ہے۔ چھت پر کبوتروں کے لیے بھانت بھانت کی کئی بلند چھتریاں نصب ہیں، عمارت دور ہی سے پہچانی جا سکتی ہے۔" اس کی آواز ہیجان آمیز تھی جیسے اس نے کوئی اہم بات دریافت کی ہو۔

"تمھاری محنت قابلِ داد ہے لیکن میرے لیے یہ اطلاع نئی نہیں ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "وہ عمارت میری دیکھی بھالی ہے۔"

"لیکن تم نے تو مجھے نہیں بتایا تھا کہ ویرا کہاں مقیم ہے۔"



اس کی قدرے تیز آواز ابھری۔

"ضرورت نہیں سمجھی تھی کیونکہ ہمیں ویرا نہیں، غزالہ کی تلاش ہے اور مجھے معلوم تھا کہ غزالہ کو ساحلی علاقے کی اس عمارت میں نہیں رکھا گیا ہے۔ میں تمھیں غیر ضروری الجھن سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے غزالہ کا سراغ بھی لگا لیا ہے۔" اس کی آواز سن کر یک بیک میرا دورانِ خون تیز ہو گیا۔

"اب شاید پہیلیاں بجھواؤ گی؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"اکبر کا اسپتال ویرا کا بہت ہی خاص اڈا ہے۔" بتلانے لگی۔ "تم سے بات ہوتے ہی میں نے وہاں کی نگرانی شروع کرا دی تھی۔ پھر تیسرے پہر ویرا خود وہاں پہنچی اور کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلی گئی۔ واپسی پر اس کا تعاقب کیا تھا، یوں ساحلی علاقے کی عمارت میری نگاہ میں آ سکی۔ اس کا اکبر کے اسپتال جانا خطرے کی گھنٹی ہے، مجھے یقین ہے کہ غزالہ وہیں رکھی گئی ہے۔"

میں دل ہی دل میں اس بے چاری کے لیے ہمدردی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "مجھے افسوس ہے رخشی کہ تم پے در پے مار کھاتی چلی گئیں۔ غزالہ وہاں رکھی ضرور گئی تھی لیکن ویرا کی آمد سے پہلے اسے وہاں سے کہیں اور منتقل کرا دیا گیا کیونکہ میں اتفاقاً اُدھر جا نکلا تھا۔ ویرا دراصل مجھ ہی سے بازپرس کرنے آئی تھی کہ میں وہاں کیسے پہنچا۔"

"اوہ! تو اس وقت تم بھی وہیں موجود تھے؟" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"یہ بتاؤ کہ اس کے علاوہ اور کیا معلوم کیا ہے تم نے؟"

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ میں نے بڑا تیر مارا ہے لیکن میں شاید تمھارے نقشِ پا پر ہی بھٹکتی رہ گئی۔" اس کی آواز میں مایوسی امڈ آئی۔ "پھر اب کیا صورتِ حال ہے؟"

"وہی پہلے جیسا سناٹا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ شاید میں تھک بھی گیا ہوں، دو چار روز کسی پُرفضا مقام پر گزارنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" میں نے شہر سے اپنی غیرموجودگی کے جواز کی بنیاد رکھتے ہوئے سست لہجے میں کہا۔ "شاید واپس آ کر کوئی تیر مار سکوں۔"

"مل کر جاؤ گے نا؟" اس کا لہجہ پُرامید تھا۔

"غزالہ کو کھو کر دل بہت اداس ہے رخشی...!" ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں خلا میں معلق ہو کر رہ گیا ہوں۔ قسمت نے ساتھ دیا تو ضرور تم سے ملوں گا۔ ویسے ابھی تم کو

محتاط رہنا چاہیے۔"

"میں ہر وقت محتاط رہتی ہوں، تم میری فکر مت کرو۔ اور ہاں، یہ بتا دوں کہ میں غزالہ کے حق پر ڈاکا نہیں ڈالنا چاہتی۔ مجھے تمھاری اور اس کی چاہت کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے۔ بس یہ یاد دلانا چاہتی ہوں کہ تم پر کچھ میرا بھی حق ہے۔"

"حق اندھوں اور معذوروں کا ہوتا ہے رخشی۔" میں نے دل ہی دل میں اندھی عورت کی حکایت یاد کرتے ہوئے کہا۔ "تم جوان، حسین اور صحت مند دوشیزہ ہو، ترکش کے ہر تیر سے ایک نئے شکار کو گھائل کر سکتی ہو۔ میں تو غول سے بچھڑا ایک آوارہ پنچھی ہوں جو اڑتے اڑتے تھک کر کہیں گر جائے تو وہیں اپنا نشیمن بنا لیتا ہے یا اڑتے اڑتے بادلوں سے اوپر یخ فضاؤں میں ٹھٹھر کر جان دے دیتا ہے۔"

"تم کیا بک رہے ہو ڈینی؟" فون پر اس کی غصیلی آواز سنائی دی۔ "گھائل پنچھی، نشیمن، ٹھنڈے بادل، یہ ساری خرافات تمھیں زیب نہیں دیتی۔ یہ روگ ان ہی کو پالنے دو جو عملی زندگی سے فرار حاصل کر کے اپنے خیالوں کی دنیا میں دن رات شعر چننے میں مصروف رہتے ہیں۔ مجھ سے ملو یا نہ ملو لیکن ایسی پست باتیں تو نہ سوچو۔"

میں اپنی تمام تر اداسی کے باوجود ہنس پڑا۔ "شاعروں کے حق میں اتنی گستاخ نہ بنو...!"

اس نے فوراً ہی میری بات کاٹ دی۔ "مجھے غلط نہ سمجھو، شاعروں کی میں بہت عزت کرتی ہوں، فیض سے فراز تک بہتوں کی کتابیں میرے پاس رہتی تھیں۔ یہ ان کی بات ہے جو شاعری کو ہی بیچنا، کھانا، پہننا اور اوڑھنا چاہتے ہیں، ایک ایک غزل میں چار شادیاں کرتے ہیں اور ہر رباعی میں ایک اولاد کی تصویر دیکھتے ہیں۔"

"اس موضوع پر پھر کبھی بات ہو گی... اس وقت میں سونا چاہ رہا ہوں۔" میں نے بات ختم کرنے کی نیت سے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ یاد رکھنا کہ مل کر نہ گئے تو خوابوں میں ملتی رہوں گی۔" ایک جھنکار کے ساتھ اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا شاعری ہو رہی تھی اس کے ساتھ؟" سلطان شاہ نے فوراً ہی شوخ لہجے میں سوال جڑ دیا۔

"بے ہودہ اور زبان دراز عورت ہے۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔ "شعر چننے کی بات لے بیٹھی تھی۔"

"کیا پتے کی بات کہی ہے اس نے۔" وہ بے اختیار پھڑک اٹھا۔ "بعض شاعر تو شعر کہتے ہوئے ایسے بُرے بُرے، دردناک منہ بناتے ہیں جیسے جُڑواں شعروں کی ولادت ہو رہی ہو، میں لاکھ غور کرنے کے باوجود اس کیفیت کو آج تک کوئی نام نہیں دے سکا تھا۔"

"تم کیا جانو یہ شعر و شاعری۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مڈل پاس، میٹرک فیل ہوں۔" وہ سینہ پھلا کر بولا۔ "انگریزی میں مار کھا جاتا ہوں، مادری زبان کی بات ہو تو مادر پدر ایک کر کے رکھ دیتا ہوں، کبھی آزما کر دیکھ لینا۔"

"لیکن تمھاری مادری زبان تو شاید پشتو ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں اب تو یہ چکر بھی چل نکلا ہے۔" اس کے لبوں سے کمزور سی آواز نکلی۔ اس کا چہرہ بے رونق ہو گیا اور آنکھیں یوں بجھ گئیں جیسے تصور میں کوئی ناخوشگوار تصویر ابھر آئی ہو۔

پھر اچانک ہی کرنل ہولے ہولے کراہتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ "کچھ پتا چلا میری بچی کا؟" اس نے باری باری ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے دردناک لہجے میں سوال کیا۔ اس کے ہر سانس کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے ہلکی ہلکی آہیں بلند ہو رہی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں، کیوں کہ اس بے چارے کی زندگی کا ہر لمحہ زخموں سے چُور چُور تھا۔ بیوی کوکین کی غلام تھی۔ برابر کا جوان بیٹا بڑھاپے کا سہارا بننے کے بجائے دیوانگی کا عذاب سہہ رہا تھا اور غزالہ یوں اغوا کر لی گئی تھی جیسے وہ جیتی جاگتی لڑکی نہیں بلکہ موم کی مورت رہی ہو۔

"وہ جہاں ہے عزت اور آرام سے ہے۔" میں نے کرنل کا شانہ تھپتھپا کر بھاری آواز میں کہا۔ "شاید کل میرے جانے سے پہلے اس سے بات بھی ہو جائے.... آپ فکر نہ کریں، وہ جلد ہی گھر آ جائے گی۔"

"ہائے ۔ میں فکر نہ کروں۔" وہ سینے پر ہاتھ مار کر گلوگیر آواز میں چلا اٹھا۔ "میری بوڑھی ہڈیوں پر یہ داغ بھی آنا تھا۔ میں اس دن سے پہلے ہی کیوں نہ مر گیا۔"

کرنل کا صدمہ اپنی جگہ بالکل جائز تھا لیکن اس کی گفتگو اس وقت مجھے سخت ناگوار گزر رہی تھی پھر بھی میں اسے نظر انداز کرنے کی ہمت نہ کر سکا اور تھوڑا سا وقت برباد کر کے اسے کامران کے تابناک مستقبل میں الجھا دیا۔ وہ کبھی کبھار کامران سے ملتا رہتا تھا، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ بتدریج روبہ صحت ہے لیکن جو کچھ میں نے دیکھا تھا، وہ کرنل کے لیے بھی انکشاف سے کم نہیں تھا۔ بیٹے کی صحت یابی کے تذکرے نے اس کے دل کا بوجھ خاصا ہلکا کر دیا۔

میرے ایما پر سلطان شاہ کرنل کے ساتھ مسلسل باتوں میں لگا رہا۔میں جانتا تھا کہ تنہائی میسر آتے ہی کرنل کو پھر ہول اٹھنے لگیں گے اور گھر کی فضا پھر بوجھل ہو جائے گی۔

ان حالات میں ہم سب ہی کی بھوک اڑ گئی تھی لیکن میں بازار سے خور و نوش کا کچھ سامان لے ہی آیا اور تھوڑی بہت جھکا جھکی کے بعد سلطان شاہ شطرنج لے بیٹھا جو کرنل کی پسندیدہ ذہنی عیاشی تھی لیکن میں خود کو اس کھیل سے نابلد ظاہر کر کے ہمیشہ کرنل کی مشقِ ستم سے بچا رہتا تھا مگر اس وقت صورتِ حال مختلف تھی۔

"کہیں نظر پڑی تو میں آپ کو کمپیوٹر چیس لا دوں گا۔" میں نے کرنل کی دلجوئی کی خاطر کہا۔"خالی وقت میں آپ تنہا بھی اپنا دل بہلاتے رہا کریں گے۔"

"یہ کیا ہوتی ہے؟" کرنل نے حیرت سے پوچھا۔نئی ایجادات کے بارے میں وہ بے چارا ہمیشہ ہی لاعلم ثابت ہوتا تھا۔

"اسے ایک آدمی تنہا کھیلتا ہے۔جوابی چالیں کمپیوٹر چلتا ہے اور اسے ہرانا عموماً بہت مشکل ہوتا ہے۔"

"اوہو۔۔۔ ہوں۔" کرنل اشتیاق آمیز انداز میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔"بھلا یہ کیسے ممکن ہے، اگر میں بالکل ہی اناڑیوں کی طرح کھیلنا شروع کر دوں تو کمپیوٹر تو باؤلا ہو جائے گا۔"

"اس میں یہی ایک خوبی ہے۔کمپیوٹر میں کھیلنے کے نو درجے ہیں۔اناڑی سے ماہر تک اپنی پسند کا معیار طے کر کے کمپیوٹر سے مقابلہ کر سکتا ہے۔اب شطرنج کے لیے کسی ساتھی کی حاجت نہیں رہی ہے۔"

سلطان شاہ مہرے سجا کر چال چل چکا تھا لہٰذا کرنل بساط کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔"تنویر میاں! دھیان رکھنا۔وہ آجائے تو لطف آجائے گا، پہاڑ جیسے گھر میں دن بھر پڑے پڑے اکتا جاتا ہوں۔"

وہ دونوں اپنے شغل میں ڈوبے ہوئے تھے اور میں سگریٹیں پھونک پھونک کر اپنی آئندہ حکمتِ عملی طے کر رہا تھا کہ اچانک ہی فون کی گھنٹی نے کسی آسیبی چیخ کی طرح تینوں کو چونکا دیا۔

"ویرا لائیڈ اسپیکنگ۔" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں شوگر کوٹین کی گنگناتی ہوئی مترنم آواز گونجی۔

"اب کیا چاہتی ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"وعدہ پورا کرنا چاہتی تھی۔مداخلت ناگوار گزری ہو تو سلسلہ منقطع کیے دیتی ہوں۔" اس کی آواز استہزائیہ ہو گئی۔

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔"میں اپنے لہجے پر شرمندہ ہوں۔"

"صرف پانچ منٹ دے سکوں گی، اس کا باپ موجود ہو تو اس سے بھی بات کرا دینا۔پانچواں منٹ گزرتے ہی لائن کاٹ دوں گی۔"

"اس وقت تمھاری ہر شرط منظور ہے، غزالہ کو ریسیور دو۔"

کرنل بظاہر شطرنج میں منہمک تھا لیکن میری زبان سے غزالہ کا نام سنتے ہی بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔اس نے مجھ سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن میں اضطراری انداز میں ماؤتھ پیس میں مسلسل ہیلو ہیلو کیے جا رہا تھا۔

"جی۔کیسے ہیں آپ لوگ؟" ریسیور پر غزالہ کی مضمحل آواز سن کر میرا دل تڑپ اٹھا۔

"ہم ٹھیک ہیں۔بس تم اپنی کہانی دہرا ڈالو، ویرا نے صرف پانچ منٹ دیے ہیں۔" میں نے ہکلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"ویرا بہت نیک اور مہربان عورت ہے، مجھے ابھی تک گھر سے زیادہ آرام مل رہا ہے۔ایک خدمت گار عورت بھی ملی ہوئی ہے لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں۔رات کو سوئی ہوئی تھی کہ اپنے چہرے پر کسی چیز کا دباؤ محسوس کیا پھر مزاحمت کرنے سے پہلے بے ہوش ہو گئی۔ہوش آیا تو ایک شاندار ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں ملازمہ کے ساتھ موجود تھی مجھے بس اتنا بتایا گیا کہ میں ویرا لائیڈ کی تحویل میں ہوں اور وہ تم سے کوئی کام لینے تک بے یرغمال بنائے رکھنا چاہتی ہے۔دوپہر کے کھانے کے بعد نجانے کیا ہوا کہ اچانک دو آدمی سفید لبادوں میں چہروں پر سرجنوں جیسی سفید نقابیں اور ٹوپیاں چڑھائے آپہنچے اور انھوں نے میرے بازو میں کوئی دوا انجکٹ کر دی جس کے نتیجے میں میں پھر بے ہوش ہو گئی اور تھوڑی دیر پہلے یہاں آنکھ کھلی ہے وہی ملازمہ میرے ساتھ موجود ہے لیکن میری ہی طرح ہر بات سے لاعلم ہے یا بن رہی ہے۔یہ خواب گاہ بھی بہت آرام دہ ہے۔کسی دیوار میں کھڑکیاں ہیں نہ ایئر کنڈیشنر۔مگر پھر بھی بہت ترو تازہ ہے۔ملحقہ باتھ روم بھی ہے لیکن نکاسی کا دروازہ باہر سے مقفل رہتا ہے۔بظاہر مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن یہ عورت آپ سے کیا چاہتی ہے؟" وقت کی پابندی کا علم ہونے پر وہ بلا رکے بولتی ہی چلی گئی تھی۔

"سہل کام ہے۔وہی جو تمھیں بتایا تھا۔" میں نے۔۔۔ "میں اس کی انجام دہی پر آمادہ بھی تھا لیکن ویرا نے میری کسی امکانی سرکشی کا توڑ کرنے کے لیے تمھیں اٹھوا لیا۔"

اس۔۔۔ "تو میں ابھی بھی تنظیم کی قیدی نہیں ہوں؟" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"اس معاملے میں ویرا کی ذات تنظیم سے الگ ہے۔تنظیم کی قید میں ہوتیں تو اب تک زندگی عذاب ہو گئی ہوتی۔"

"لیکن ویرا نے تو آپ کو بھی میری تلاش پر مامور کیا تھا؟" اس نے سوال کیا۔

"وہ البرٹ کو فریب دینے کے لیے ایک ڈراما تھا۔اصل قصہ وہی تصویر والا ہے۔" میں نے کہا۔"اور میں کل دوپہر اپنے اس مشن پر لاہور روانہ ہو رہا ہوں۔"

پھر میں اسے کامران کے بارے میں بتانے لگا۔اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ میرے وہاں جانے کی وجہ سے اس کی منتقلی عمل میں آئی تھی۔کامران کی صحت یابی کی رفتار پر اس کی خوشی ایک ایک لفظ سے پھوٹی پڑ رہی تھی پھر جب میں اسے بتا رہا تھا کہ ویرا کی مداخلت کے بعد کامران کے بارے میں اکبر کے رویے میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی ہے تو درمیان میں ہی ویرا نے تین منٹ گزر جانے کا اعلان کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ اسی لائن پر لگے ہوئے کسی دوسرے انسٹرومنٹ پر ساری گفتگو سن رہی تھی۔

میں نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے ریسیور کرنل کی طرف بڑھا دیا جو فریادی نگاہیں میرے چہرے پر جمائے بے تابی کے ساتھ اپنی باری آنے کا منتظر تھا۔مجھے اندازہ تھا کہ کرنل کا ردِعمل معرکۃ الآرا ہو گا لہٰذا میں اسے ریسیور تھماتے ہی سلطان شاہ کو آنکھ سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

فون پر کرنل کی زہرہ گداز دھاڑیں باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔

☼ ☼

وہ لاہور کا کوئی عام سفر ہوتا تو مجھے پتا بھی نہ چلتا کہ کب سفر کا آغاز ہوا اور کب اختتام۔لیکن وہ لائیڈز کا ٹچ کا معاملہ تھا اس لیے پرواز کا ایک ایک لمحہ میرے لیے اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا۔مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ مجھے اس قدر آسانی کے ساتھ اس ممنوعہ قلعے میں داخلے کا حق مل جائے گا۔

ویرا کی کہانی لاکھ مربوط اور قرینِ قیاس سہی لیکن میرے لیے یہ مان لینا دشوار ہو رہا تھا کہ ویرا ان لوگوں سے اپنے عزائم پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو سکی ہو گی۔اپنی ساری ذہانت کے باوجود وہ محض ایک تنہا لڑکی تھی جب کہ دوسری طرف دنیا جہان کے چھٹے ہوئے سازشیوں، قاتلوں اور بدمعاشوں کی ناقابلِ شکست مافیا تھی جو کسی بھی لمحے اس پر اپنا جال پھینک سکتی تھی۔

ہر وہ شخص جو محوِ پرواز طیارے کی راہداری میں میرے قریب سے گزرتا تھا، مجھے موت کا ہرکارہ نظر آتا تھا جسے تنظیم کی طرف سے میری اور ویرا کی سرکوبی پر مامور کیا گیا ہو لیکن لمحہ بہ لمحہ گھٹتے بڑھتے اعصابی تناؤ میں آخر کار طیارہ لاہور ائرپورٹ پر لینڈ کر گیا اور میں طیارے پر کسی بھی ایسے آدمی کی نشاندہی میں کامیاب نہ ہو سکا جسے میں اپنا دشمن سمجھتا۔

میرے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا لہٰذا لاؤنج میں رکے بغیر میں عمارت سے باہر نکلتا چلا گیا، پھر پائپوں کی ریلنگ عبور کرتے ہی ٹیکسی ڈرائیوروں اور ان کے پیشہ ور ایجنٹوں نے مجھ پر یلغار کر دی۔میں لاہور پہلی بار نہیں آیا تھا۔ہر بار یہی تماشا ہوتا تھا لیکن اس بار یا تو اس ہجوم کے تیور زیادہ جارحانہ تھے یا میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو گیا تھا کہ ان کی کھینچا تانی کے جواب میں اچانک میرے دونوں ہاتھ گردش میں آگئے اور وہ بھیڑ کائی کی طرح دور تک چھٹتی چلی گئی۔

ان میں سے بیشتر نے صورتِ حال کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا اور میری کارروائی کا برا مانے بغیر دوسرے مسافروں کو گھیرنے میں مصروف ہو گئے لیکن مونچھوں والے ایک دراز قامت کے تیور بگڑے ہوئے نظر آرہے تھے۔ریلے میں پھنس کر وہ دور تو ہٹ گیا تھا لیکن سڑک کے کنارے کھڑا مجھے کینہ توز نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔

بیشتر نے مجھے نظر انداز کیا تھا لہٰذا اس اکلوتے خونخوار کو میں نے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا اور غیر ضروری بدمزگی سے بچنے کے لیے سڑک کے متوازی ایک طرف ہو لیا۔راستہ تبدیل کرتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ بدستور اپنی جگہ پر کھڑا میری ہی طرف نگراں تھا۔شاید دل ہی دل میں مجھے بزدل اور بھگوڑا تصور کر کے اپنی مردانگی پر ناز کرنے میں مصروف تھا۔

لیکن میں مسافروں کے استقبال کے لیے آنے والوں کی بھیڑ سے آگے نکلا ہی تھا کہ یکایک میری چھٹی حس جاگ اٹھی۔میں تیزی سے پلٹا تو احساس ہوا کہ مجھے تاخیر ہو چکی تھی۔وہ خونخوار حریف مجھے جھکمہ دے کر مکاری کے ساتھ میرے سر پر آپہنچا تھا اور اپنے ہاتھ جیبوں میں اڑسے سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اسے براہِ راست اپنی طرف متوجہ پا کر ترش لہجے میں سوال کیا۔

"تمھیں میرے ساتھ چلنا ہے بابو!" وہ سرد اور سپاٹ لہجے میں بولا۔انداز فیصلہ کن تھا۔

"میرا میزبان کسی بھی لمحے پہنچنے ہی والا ہوگا۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے پُرسکون انداز میں کہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے جارحانہ رویے نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"پھر تو جلدی کرو، وہ آ گیا تو اس سے بھی نمٹنا پڑ جائے گا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ خیال رکھنا کہ میری جیب میں بھرا ہوا پستول موجود ہے، دیر کی تو گولی چل جائے گی۔"

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"آدمی ہوں اور تمھیں لے جانا چاہتا ہوں۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اب تیسرا سوال کیا تو کھوپڑی میں ہوادان ہی بنا دوں گا، چلو جلدی کرو۔"

صورت کی طرح وہ سیرت کے حسن سے بھی عاری نظر آ رہا تھا۔ اس کے لب و لہجے میں خون کی بُو رچی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا کہ عجلت میں کوئی زک اٹھانے کے بجائے دیکھ ہی لیا جائے کہ وہ کیا چاہتا تھا۔

"چلو۔" میں نے گالی دینے کے انداز میں کہا اور وہ مجھ سے تقریباً پہلو ملا کر سڑک عبور کرتے ہوئے پارکنگ لاٹ میں داخل ہو گیا۔

پارکنگ لاٹ کے ایک نسبتاً ویران گوشے میں نیلی ڈاٹسن کے قریب پہنچ کر وہ رُک گیا جس میں ڈرائیونگ سیٹ پر پہلے سے گٹھیلے جسم والا ایک آدمی بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا۔

"بیٹھو۔" مجھے لانے والے نے میرے پہلو میں ٹھوکا دیتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ "اگر ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا تھا۔

میں اندر بیٹھا تو وہ مجھے دھکیلتا ہوا اسی نشست پر آ گیا اور گاڑی انجن بیدار ہوتے ہی آگے ہولی۔ کیبن میں چرس کا کثیف دھواں بھرا ہوا تھا۔

"سگریٹ پینے کی تو اجازت ہے نا؟" میں نے نتھنے سکوڑتے ہوئے سوال کیا۔ "تمھارا ساتھی تو شاید چرس پی رہا ہے۔"

"دم لگا نا ہے تو ابھی آدھی باقی ہے۔" اگلی نشست سے پُرسرور آواز بلند ہوئی۔ "خالص پشاوری ہے، پہلے ہی کش میں ساتویں آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔"

"مجھے زمین پر ہی رہنے دو بھائی!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "بلکہ تمھارا ساتھی تو مجھے زمین میں دفن ہی کر دینے پر تُلا ہوا ہے۔

پتا نہیں اسے مجھ سے کیا پرخاش ہے؟"

"ارے یار! وہ تو یوں ہی دھمکا رہا ہے۔" ڈرائیور کے ہوا… پر چرس کے اثرات خاصے مستحکم ہو چلے تھے۔ "تم تو پانچ ہزاری… میرے للا۔ ایسی سواریاں مقدر ہی سے ملتی ہیں۔ تمھیں مار کر تو… دھیلا بھی نہ مل سکے گا۔"

"راجا!" مجھے لانے والا غصیلی آواز میں دہاڑا۔ "زبان بند… اپنی ورنہ گدی سے کھینچ لوں گا۔"

"اب کیا غم ہے میرے چندا!" ڈرائیونگ کرنے والا خو… ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اب تو یہ پھنس ہی گیا ہے، ہمارے ہاتھ… بچ کر کہاں جائے گا۔ بس اسے وہاں پھینکنا ہے اور ہمارے… ہزار سیدھے ہیں۔"

ڈرائیو کرنے والے کی چرس نوشی میرے لیے مددگا… ثابت ہو رہی تھی اور معاملہ کسی حد تک میری سمجھ میں آنے لگا… ان دونوں کو شاید براہِ راست مجھ سے کوئی دشمنی نہیں تھی بلکہ وہ کر… کے ٹٹو تھے۔ شاید تنظیم کے کسی ذہین کارندے نے میرا… جال پھیلایا ہوا تھا اور ایئرپورٹ سے مسافروں کو لے جانے… کچھ معتمد ڈرائیوروں کو میری تصاویر فراہم کر دی گئی تھیں تاکہ… بھی لاہور ایئرپورٹ پر اتروں تو دھر لیا جاؤں۔ مجھے پہچان کر… اور پھر کسی مقررہ ٹھکانے تک پہنچانے کا معاوضہ شاید پانچ… روپے مقرر کیا گیا تھا جب ہی چرس نوش نے مجھے پانچ ہزار… خطاب دیا تھا۔

"تم چاہو تو اس وقت پانچ ہزار سے زیادہ بھی کما سکتے…" اس کے حریصانہ لہجے سے میں نے ان کی مالی ترجیحات کا… لگاتے ہوئے کہا۔ "انھیں بھنک بھی نہ مل سکے گی کہ میرا تم سے… ہوا تھا۔"

"کیا مطلب ہے تمھارا؟" مجھے لانے والے نے دخل… کرتے ہوئے سوال کیا۔ میری مالی پیشکش پر اس کے لہجے میں… دلچسپی عود کر آئی تھی۔

"پانچ کی جگہ تم چھ کما سکتے ہو۔" میں نے معنی خیز لہجے…

"مجھے یہیں اتار دو اور ایئرپورٹ کی طرف واپس چلے جاؤ۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس کے کسی آدمی نے تمھیں میرے… آتے دیکھ لیا ہو۔" مجھے لانے والے کا ارادہ بے یقینی… گیا تھا اور اب وہ محض مدافعتی پہلوؤں کا جائزہ لینے پر تلا…

"دیکھا کرے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "ضرور… کہ تم نے مجھے پہچان ہی لیا ہو، ایئرپورٹ پر تم اکیلے تو نہیں… بہتیروں کو میری تصویر فراہم کی گئی ہوگی۔"



وہ مذبذب میں پڑ گیا۔ "تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ وہاں میں اکیلا تو نہیں تھا، کم از کم چار اور ڈرائیور ایسے تھے جنھیں کاکے نے تمھاری تصویر دی ہوئی تھی لیکن تمھارے ہاتھ پیر چلتے ہی سب کی عقلوں پر پردے پڑ گئے، کوئی تمھیں شناخت نہ کر سکا۔ میں چاہوں تو اس نکتے سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔"

"تو تمھارے چاہنے میں کیا دشواری ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"سوچ رہا ہوں، پچھلے کے کاموں میں بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔" اس نے بے پروایانہ انداز میں کہا پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔ "رقم اسی وقت دو گے؟"

"کچھ دے سکوں گا، باقی کے لیے تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" میں نے اپنے ذہن میں ایک خاکہ تیار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ گھپلا ہے۔" راجا اپنے پھیپھڑوں سے چرس کا بدبودار دھواں اُگلتے ہوئے بولا۔ "سودا ہوگا تو نقد ہوگا ورنہ کاکا پہلوان زندہ باد۔ یہ چلنے چلانے کی باتیں چھوکریوں کے ساتھ چل سکتی ہیں، اپنے ساتھ نہیں۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اس کے ساتھی کی طرف دیکھا اور اس نے راجا کی تائید میں سر ہلا دیا۔

"ویسے یہ کاکا ہے کون؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"دادا ہے دادا۔" میرے برابر والے نے یوں سینہ پھلا کر کہا جیسے اپنی ہی تعریف کر رہا ہو۔ "ایرے غیروں کی تو بات ہی کیا، اپنے دو سگے بھائیوں کو مار چکا ہے۔ پہلے گھر والے اس سے ڈرتے تھے، اب سارا شہر کانپتا ہے۔"

"آخر اسے مجھ سے کیا دشمنی ہو گئی ہے؟" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "میں نے تو اس کا نام بھی آج ہی سنا ہے۔"

"تصویر دیکھ کر محبت ہو گئی ہوگی۔" ڈرائیونگ کرنے والے نے یہ کہتے ہوئے یوں بھونڈے انداز میں قہقہہ لگایا جیسے اس نے کوئی بہترین فقرہ چست کیا ہو۔ "آخر کو ہمیں بھی تو تصویر ہی دی گئی تھی تمھاری۔"

"نشے پانی کا دھندا تو نہیں کرتا؟" میں نے ڈرائیور کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کے ساتھی سے سوال کیا۔

"یہ پوچھ بھی نہ بیٹھنا اس سے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "ایک ہی گھونسے میں پورا جبڑا اکھاڑ دے گا۔ سب دھندے کرتا ہے، بس اسی ایک کام کو گالی سمجھتا ہے ورنہ آج لاکھوں کا آدمی ہوتا۔"

"یعنی کڑکا ہی ہے وہ بے چارہ بھی اپنی طرح۔" میں نے کاکا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی غرض سے اشتعال انگیز تبصرہ کیا۔

"سب پتا چل جائے گا سالے کو۔" راجا اپنی دُھن میں گنگنایا۔ "ایک دفعہ کاکا سے سامنا ہو گیا تو ساری چوکڑی بھول جائے گا۔"

"شاید تم برا مان گئے میری بات کا۔" میں نے مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہ اسے جانتا ہوں، نہ پہلے کبھی اس کا نام سُنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے کسی اور کے ایما پر میری تلاش کی مہم شروع کرائی ہوئی ہے اور جو شخص معاوضے پر دوسروں کے لیے کام کرنے پر مجبور ہو وہ کوئی سرمایہ دار تو ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اپنا مطلب اور مقصد اپنے ہی پاس رکھو۔" راجا کا ساتھی تلخ لہجے میں بولا۔ "اگر اب بکواس جاری رکھی تو تمھیں ہلا کر رکھ دوں گا۔ یہ لاف و گزاف سُننا میرے بس سے باہر ہے۔"

"آج… چھا… بھائی!" میں نے ایک سرد سانس لے کر کہا۔

"اس کی جیبیں تو جھڑوا لو۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد راجا کی زبان میں پھر خارش ہونے لگی۔ "جو کچھ یہ نقد دے رہا تھا اسے اب منافع سمجھ لیں گے، کراچی سے جہاز پر چڑھ کر آیا ہے، دو چار ہزار تو ضرور ہوں گے اس کے پاس۔" پھر وہ گردن گھمائے بغیر مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔ "کیوں بے! کتنا مال ہے تیرے کھیسے میں؟"

"اپنا اور میرا ملا کر برابر سے بانٹ لو، فائدہ میرا ہی ہوگا۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔ "چھ ہزار والی تو بس ایک چال تھی، چل جاتی تو کہیں بھی تمھیں رگڑا دے کر بھاگ نکلتا۔"

"ہوں۔" راجا کا ساتھی گھنی آواز میں غرایا۔ "تو چال چل رہا

تھا تو ہمارے ساتھ ؟" یہ کہتے ہوئے اس نے داہنی کہنی سے میری پسلیوں میں خاصی قوت سے ضرب لگانا چاہی جو میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے بازو پر سہہ لی۔

" تلاشی لو اس کی، یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" راجا نے تیزی کے ساتھ ایک موڑ کاٹتے ہوئے ہانک لگائی۔

" چھوڑ سالے کنگلے کو۔" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔" ہم کیوں اسے ہاتھ لگا کر گناہ گار بنیں ؛ ہو سکتا ہے کہ کاکا نے اس سے مال نکلنے کی امید میں ہی پانچ ہزار دینے کا وعدہ کیا ہو، ہم نے دھول دھپا کیا تو وہ اپنا نقصان ہمارے سر منڈھ دے گا۔"

" یہ تو میں اب بھی کر دوں گا۔" میں نے ان دونوں کو تصادم پر اکسانے کی نیت سے اچانک ہی پوری قوت سے قمیص کا گریبان پھاڑ ڈالا۔ انھوں نے آپس کے مشوروں سے خود ہی مجھے ایک راہ سجھائی تھی۔

" تو سب کچھ پھاڑ لے، میں تجھے ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔" میرے برابر والا تحقیر آمیز لہجے میں بولا۔" کاکے کی نظروں میں ہماری بھی کچھ ساکھ ہے، بلا وجہ ہی تیری تصویر نہیں تھما دی تھی ہمیں۔"

راجا تو چرس کے نشے کی جھونک میں تھا، اسے زیر کرنا یا چکمہ دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن اس کا ساتھی بلا کا عیار اور حاضر دماغ نظر آ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے مار دی جائے۔ آخر کار میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ کاکا پہلوان سے ملنے کے بعد صورتِ حال خود بخود واضح ہو جاتی۔

سفر جاری رہا اور آخر کار مزنگ کی مشہور جنازگاہ سے ذرا پہلے کھلے آسمان تلے بندھے ہوئے گھوڑوں اور بھینسوں کے عین وسط میں گاڑی جا رکی جہاں فضا میں ہلکا سا تعفن رچا ہوا تھا۔ گاڑی روک کر راجا کسلمندانہ انداز میں اپنی نشست پر جما رہا اور اس کے ساتھی نے دھکیوں کے سائے میں مجھے نیچے اتار لیا۔

اس کے حکم پر میں ایک قریبی دروازے میں داخل ہوا اور بدبو کے ایک تیز بھپکے نے میرا دماغ چکرا کر رکھ دیا۔ میں لحظہ بھر کے لیے ٹھٹکا تھا کہ مجھے لانے والے نے پیچھے سے ٹھوکا مارا اور میں پھر بڑھنے لگا۔ وہ غالباً کوئی دیسی فیکٹری تھی جہاں لوہے کے بڑے بڑے دو کڑھاؤ نصب تھے اور ان کے نیچے گیس کے چولھے جل رہے تھے اور اسی طرف سے عجیب ناقابلِ برداشت سا تعفن اٹھ رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد میں دوسرے کمرے میں داخل ہوا تو اس کارخانے کی نوعیت سمجھ میں آگئی۔ وہ کوئی صابن فیکٹری تھی جہاں باہر بڑی کڑھائیوں میں مینوں پرانی حلال و مُردہ جانوروں کی چربی پگھلا کر آلائشوں سے الگ کی جا رہی تھی اور اندر اسی چربی کو گھونٹ پھینٹ کر صابن تیار کیا جا رہا تھا۔ شگفتہ چہروں لیکن میلے کپڑوں میں کئی لڑکیاں کام کر رہی تھیں، ان ہی کے ساتھ چند لڑکے بھی تھے لیکن کام کی مشقت نے ان کے چہروں سے رعنائیوں کو یوں نچوڑ لیا تھا کہ عملاً وہ سب ہی زاہد نظر آ رہے تھے جنھیں نہ شگفتہ چہرے والیوں سے رغبت تھی نہ باہر سے آنے والوں سے۔

دو وسیع و عریض کمروں اور ایک دالان سے گزر کر ہم راہداری میں داخل ہوئے جس کے اختتام پر ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ مجھے لانے والے نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور چند ثانیوں کے بعد دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکیل دیا۔ اندر گھستے ہی خنکی کی ایک خوشگوار لہر نے میرا استقبال کیا اور کمرے کی فضا پورے گھر سے بالکل مختلف اور خاصی حد تک معطر تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس کمرے میں ائیر کنڈیشنر کے ساتھ ولایتی خوشبویات کا استعمال بھی فراخ دلی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ کمرے کے لوازمات کچھ ملے جلے سے تھے۔ مکلف اور آرام دہ دہرے بستر کی موجودگی میں وہ کمرا کسی شہزادے کی نشاط گاہ کا سماں پیش کر رہا تھا اور وسیع کمرے کے دوسرے گوشے میں صوفے اور آرام کرسیاں کسی ولایت پلٹ جاگیردار کی بیٹھک کا تصور اجاگر کر رہی تھیں۔ ان ہی صوفوں میں سے ایک پر ایک قوی ہیکل اور خوش پوش شخص براجمان تھا جس کے گرد اس کے تین حاشیہ بردار بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے گھستے ہی اندازہ لگا لیا کہ وہی خوش پوش شخص کاکا پہلوان ہو سکتا تھا۔

" میں بندہ پکڑ لایا ہوں پہلوان جی!" کمرے کی خوشبودار فضا میں مجھے لانے والے کی آواز ابھری۔" بڑی مشکل سے قابو آیا ہے، ہاتھا پائی پر اتر آیا تھا۔"

قوی ہیکل شخص کی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں پھر کمرے میں اس کی بارعب آواز گونجی۔" نام کیا ہے بے؟"

" بلیو بیل۔" میں نے وہ لائیڈ کا دیا ہوا کوڈ دہرا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر پہلوان ان لوگوں میں سے ہو تو مجھے پہچان لے لیکن اس کے تو تیور ہی بگڑ گئے۔

" سیدھی طرح نام بتاتا ہے یا ابھی لگواؤں پھینٹا؟" وہ مشتعل لہجے میں غرایا۔

اس کے لب و لہجے نے فوراً ہی ظاہر کر دیا کہ جسمانی لحاظ سے وہ لاکھ توانا سہی لیکن زبان کے معاملے میں سراسر بے بس تھا۔ انگریزی الفاظ کا مفہوم پا لینا اس کے بس سے باہر تھا۔

" میرا نام تنویر ہے پہلوان جی!" میں نے اپنے لانے والے کی تقلید میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ مجھے کیوں پکڑ لائے ہیں؟"

" اور پہلے کیا بتا رہا تھا؟" کاکا پہلوان غصیلے لہجے میں غرایا۔

" وہ اپنا ایک کوڈ تھا۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔" سوچا تھا کہ تم اپنوں میں سے ہوئے تو فوراً پہچان لو گے۔"

" اسے پانچ ہزار دے دے تاکی!" کاکا پہلوان نے اپنے ایک ساتھی سے مخاطب ہو کر کہا اور اس نے ایک طرف رکھی ہوئی الماری میں سے پچاس کے نئے نوٹوں کی ایک سربمہر گڈی نکال کر مجھے لانے والے کی طرف اچھال دی۔

گڈی لپک کر اس کے چہرے پر خوشی نمودار نہ ہو سکی بلکہ وہ متذبذب انداز میں کاکا کی طرف دیکھتا رہا۔

" گن لے، پورے پانچ ہزار ہیں، ایک بھی کم نہ ہوگا۔" تاکی نے واپس اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا۔

" پورے اور ادھورے کی فکر نہیں مجھے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ " برا نہ مانو تو پرانے نوٹ دے دو مجھے۔"

اس کے مطالبے پر کاکا بھڑک اٹھا۔ اس نے مجھے لانے والے کو کئی گندی گالیوں سے نوازتے ہوئے کہا۔" ابے ہمیں جعل ساز سمجھتا ہے حرام کے تخم! یہ سارے اصلی ہیں، تجھ جیسے مردار کو دیسی مال دے کر مرنا تھوڑی ہے ہمیں۔"

وہ شخص بوکھلاہٹ میں فوراً ہی وہاں سے نکلا چلا گیا لیکن میرے لیے ذہنی ورزش کا ایک بہانا ہاتھ آگیا تھا۔ ان دونوں کے مکالموں سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ کاکا پہلوان شہر میں جعلی کرنسی پھیلانے کے دھندے میں بھی ملوث تھا جب کہ منشیات کے کاروبار سے اس کی لاتعلقی ظاہر ہی ہو چکی تھی پھر آخر اس جعلساز کو مجھ سے کیا سروکار تھا؟

" کیا سوچ رہا ہے، بیٹھ جا اس طرف؟" کاکا نے ایک خالی صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔" ذرا گلاس ختم کر لوں پھر تیرا ابھی فیصلہ کرتا ہوں۔"

خالی صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے دیکھا کہ کاکا پہلوان اور اس کے تینوں ساتھیوں کے سامنے میز پر گلاس رکھے ہوئے تھے لیکن ان میں کوئی ایسی بے بو شراب تھی جس کی مہک بند کمرے کی فضا میں بھی شناخت کرنا مشکل تھی۔

" تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ مجھ سے تمھاری کیا دشمنی ہے؟" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

" تھوڑی دیر میں سب پتا چل جائے گا۔" کاکا کا ایک حواری بولا۔" تیرے اوپر کاکا نے پانچ ہزار بلا وجہ تو نہیں خرچ کیے ہیں۔"

" اپنی چونچ بند رکھو گے تو تمھیں ہیضہ نہیں ہو جائے گا۔"

میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کاکا سے بات کررہا ہوں اس میں تم تینوں میں سے کسی کو دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میرے لہجے پر وہ شخص اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا انداز بالکل فلمی سا تھا، بس بڑک کی کسر رہ گئی تھی۔ کھڑے ہوتے ہی اس نے پہلے مجھے غضبناک نگاہوں سے گھورا پھر استفسار طلب نظروں سے کاکا کی طرف دیکھا جیسے میری ہڈیوں کا سُرما بنانے کے لیے اس کی اجازت کا طلبگار ہو لیکن کاکا سمجھ دار آدمی تھا اُس نے اپنے آدمی کو روک دیا۔

"بیٹھ جا بدّو!" وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تو آزاد ہے اور یہ تیرا قیدی۔ اس کی منہ زوری سے تیرا کیا جاتا ہے، تھوڑی دیر کا مہمان ہے پھر اس کے سارے نخرے ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ ان لوگوں نے سالے کو حلوا کھلانے کے لیے تو نہیں پکڑوایا ہوگا۔"

"جیسی تمھاری مرضی پہلوان۔" بدّو شانے ڈھلکا کر مایوسانہ انداز میں بیٹھ گیا۔ "بعد میں تو جو ہوگی، سو ہوگی لیکن ابھی تو یہ یہاں بیٹھا ہمارے سینوں پر مونگ دل رہا ہے۔ کم از کم بے ہوش ہی کرا دو تو نشہ تو خراب نہیں کر سکے گا ہمارا۔"

"ہوں۔" پہلوان کے حلق سے ایک معنی خیز آواز بلند ہوئی اور وہ ان دونوں کو نیچی آواز میں کچھ سمجھانے لگا۔ چند منٹ تک وہ چاروں مدھم آوازوں میں کچھ بحث کرتے رہے لیکن میں پوری توجہ مرکوز کرنے کے باوجود بے معنی بھنبھناہٹ کے سوا کچھ سننے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

میری طرف دیکھ دیکھ کر چند منٹ تک رازدارانہ انداز میں تبادلۂ خیال کرنے کے بعد کاکا کے دو حواریوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ان میں بدّو پیش پیش تھا اور تاکی اپنا سینہ پُھلاتا اس کے عقب میں چلا آرہا تھا۔

اس وقت تک میں بظاہر پُرسکون انداز میں اپنی جگہ پر براجمان بے پروائی کے ساتھ سگریٹ کے کش لے رہا تھا لیکن ان دونوں کو جارحانہ انداز میں پیش قدمی کرتے دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"پٹھا جی دار معلوم ہوتا ہے۔" بدّو نے مُڑ کر تاکی سے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "مقابلہ کیے بغیر ہار نہیں مانے گا۔"

"میرے قریب آئے تو اچھا نہیں ہوگا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "مجھ سے ذرا دور ہی رہ کر بات کرو تو بہتر ہے۔"

"ابے بدّمی! ہوش کے ناخن لے۔" کاکا پہلوان اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دہاڑا۔ "زیادہ سیانا بننے کی کوشش کی تو ابھی گولی مار دوں گا، میرے پاس بغیر آواز والا پستول موجود ہے، کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چل سکے گا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"



"شوق سے گولی چلاؤ۔" میں نے اسے للکارنے والے انداز میں کہا۔ "جو لگ گئی اس پر پانچ ہزار انعام دوں گا۔"

"گولی خراب نہ کرو کاکا!" اسے اشتعال کے عالم میں دیکھ کر ... نے جلدی سے کہا۔ "یہ بڑا ڈھیٹ اور حرام خور معلوم ہوتا ہے ... ہم گھونسوں سے ہی زیر کریں گے۔"

اس نازک وقت میں میری ہر حسِ معمول سے کہیں زیادہ ... ہو چکی تھی اور مجھے پوری طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ خواہش کے باوجود مجھ پر آتشیں اسلحہ آزمانے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔ ... جس کسی نے بھی میری تلاش پر مامور کیا تھا، غالباً ان پر یہ شرط ... کر دی تھی کہ میرا صحیح سلامت زیر ہونا پہلی اور بنیادی شرط تھی ...

"کلائی میں موچ آجائے گی۔" میں نے تاکی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "کاکا رہنے دے تو اسے اسلحہ استعمال کرنے کا مشورہ ... ڈالو ایسا نہ ہو کہ وہ بے چارہ اپنی مردانگی کا ماتم ہی کرتا رہ جائے۔"

بدّو نے جارحانہ انداز میں میری طرف جست لگا دی۔ میں ... ایک طرف سرک کر خود کو اس کی زد سے بچانا چاہا لیکن میرا ردِ عمل اس کے لیے متوقع تھا وہ قدرے ترچھا ہو کر کسی آہنی چٹان کی طرح مجھ سے آٹکرایا لیکن اس کوشش میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور میں نے اس کی گردن پر داہنی کلائی کی بھرپور ضرب لگا کر اسے خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا لیکن وہ کارروائی میرے لیے کسی کامیابی کی بنیاد نہ بن سکی۔ اس کے ڈھیر ہوتے ہی تاکی کسی ... درندے کی طرح اچانک مجھ پر آپڑا۔

وہ تازہ دم اور ہوشیار تھا جب کہ میں اس کی طرف سے غافل تھا۔ وہ کسی جونک کی طرح میرے سینے سے لپٹ گیا اور ... پاؤں اکھاڑنے کے لیے پیچھے کی طرف زور کرنے لگا۔ اس کی ... یلغار سے مجھے اپنے قدم اکھڑتے ہوئے محسوس ہوئے تو میں نے غصے اور اضطرار کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے بال جکڑ کر اس کے چہرے پر ٹکریں برسانا شروع کر دیں۔

ایک محکوم و مجبور قیدی کا وہ ردِ عمل تاکی کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ دو تین ہی ٹکروں میں اس کے اوسان خطا ہو گئے اور اس کے حلق سے عجیب و غریب، ناقابلِ فہم آوازیں برآمد ہونے لگیں۔ وہ نازک صورتِ حال دیکھ کر بدّو اپنے ساتھی کی مدد کے لیے بے محابا آگے بڑھا اور پھر پیٹ پر پڑنے والی میری وحشیانہ لات کی ضرب سے ٹکراتا ہوا پیچھے اُلٹ گیا۔ اس کے گرتے ہوئے وجود پر میں نے لہولہان تاکی کو دھکیل دیا۔ پیشانی اور چہرے پر پڑنے والی مسلسل ٹکروں کے باعث اس بے چارے کا چہرہ خون میں نہایا ہوا تھا۔

یہ سب کچھ اتنی سُرعت کے ساتھ ہوا کہ ان دونوں کے گرنے تک کاکا کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ کھیل کیا رُخ اختیار کر رہا تھا لیکن تاکی کے لہولہان چہرے اور اس کی پیشانی سے بہنے والے خون کو دیکھ کر وہ یوں چونکا تھا جیسے اس وقت تک خواب ہی دیکھتا رہا ہو پھر وہ بھی اپنے تیسرے ساتھی کے ساتھ میری طرف لپکا تھا۔ میں نے ہاتھ پیر چلا کر ان دونوں کو خود سے دور رکھنے کی کافی کوشش کی لیکن وہ مار کھانے کی پروا کیے بغیر مجھ سے لپٹ ہی گئے۔

پہلے ان دونوں نے مجھے گرا کر بے بس کرنا چاہا تھا لیکن اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے بغیر میرے ہاتھوں سے خاصے پٹ گئے۔ اسی کے ساتھ کاکا پر جھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا اور اس نے پوری قوت سے میری داہنی کنپٹی پر دو ایسے زوردار ہاتھ رسید کیے کہ میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے اور پھر ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

وہ کیفیت نجانے کتنی دیر برقرار رہی جب دوبارہ ذہن کام کرنے کے قابل ہوا تو مجھے اپنے بدن کو جنبش دینے میں بھی دشواری پیش آرہی تھی چند ثانیوں کے بعد اندازہ ہوا کہ بے ہوشی کے دوران ہی ان لوگوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ اسی کے ساتھ میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور شاید مجھے فرش پر ہی ڈالا گیا تھا۔ غنیمت یہ تھا فرش ننگا نہیں تھا۔ میں انگلیوں سے قالین کا لمس محسوس کر سکتا تھا۔

میں نے یوں ہی خاموش پڑے پڑے سُن گن لینے کی کوشش کی تاکہ یہ اندازہ لگا سکوں کہ اس وقت میں کہاں قید تھا لیکن کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی نہ کوئی آہٹ سنائی دی نہ آواز۔ بس کانوں میں گمبھیر سناٹا ہی گونجتا رہا جس کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت میں کم از کم اس کمرے میں نہیں تھا جہاں مجھے زیر کیا گیا تھا کیونکہ اس کمرے کی فضا نہ صرف معطر بلکہ ایئر کنڈیشنڈ ہونے کی بنا پر خاصی خنک بھی تھی جبکہ وہاں مجھے ایئر کنڈیشنر کی مشینی گونج نہیں سنائی دے رہی تھی۔

آخرکار مایوس ہو کر میں نے بیٹھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ "ہے کوئی اس کمرے میں؟" میں نے ہانک لگائی لیکن کمرے کی محدود فضا میں بس میری ہی آواز گونج کر رہ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کمرے میں زیادہ ساز و سامان بھی نہیں تھا ورنہ آواز کی گونج نہ سنائی دیتی۔

مجھے شدت کے ساتھ تمباکو نوشی کی خواہش ہوئی لیکن دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے ہونے کے باعث میں اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

سنجلنے اچانک ہی کیا چکر چل پڑا تھا، وہ کون لوگ تھے جنھوں نے مجھے پکڑوانے کے لیے کاکا پہلوان کی خدمات معاوضے پر حاصل کی تھیں؟ مجھے احساس ہوا کہ ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے میں نے غلطی کی تھی، اگر میں مصلحت سے کام لیتا تو شاید یوں بے دست و پا ہوئے بغیر باتوں باتوں میں ان سے بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا اور اسی کی روشنی میں اپنی آئندہ حکمتِ عملی بھی طے کر سکتا تھا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور تن بہ تقدیر ہو کر آنے والے حالات کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

خاصا وقت گزرنے کے بعد دروازہ کھلنے کی آواز سن کر میں چوکنا ہو گیا۔

"خوب، تو ہوش آگیا تم کو؟" میرے کانوں میں کاکا کی زہریلی آواز آئی۔

"بے ہوش ہی رہتا تو بہتر تھا۔ کم از کم سگریٹ نوشی کا خیال تو نہ ستاتا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لے چلو اسے۔ میری گاڑی میں بٹھاؤ۔" کاکا نے کسی سے مخاطب ہو کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"منہ میں کپڑا ٹھونس دوں؟ کہیں راستے میں شور نہ مچانے لگے۔" آواز کی بنا پر میں نے اسے شناخت کر لیا وہ میرے ہاتھوں پٹنے والا تاکی ہی تھا۔

"یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں کاکا کے جواب دینے سے پہلے جلدی سے بول پڑا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ بے چون و چرا تمھاری ہدایات پر عمل کروں گا۔ چاہو تو میرے پیر بھی باندھ سکتے ہو لیکن آنکھوں پر سے پٹی کھول دو، مجھے بڑی وحشت ہو رہی ہے۔"

"پٹی نہیں اتر سکتی۔" کاکا کی فیصلہ کن آواز سنائی دی۔ "یہ تو معاہدے کی ایک شرط ہے۔"

"تم کن لوگوں کے لیے کام کررہے ہو؟"

"یہی بتانا ہوتا تو پٹی باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟" یہ کہتے ہوئے تاکی نے قریب آکر میرا بازو تھام لیا اور میں فرش سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی رہنمائی میں راستہ طے کرتا ہوا میں شاید کھلی فضائی میں جا پہنچا اور پھر مجھے ایک کار کی عقبی نشست پر بٹھا دیا گیا۔ مجھے کچھ احساس ہو رہا تھا کہ اس وقت رات کا گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا ورنہ شاید وہ لوگ میری آنکھوں پر پٹی کس کر مجھے یوں سرِ عام کار میں لے جانے کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتے۔

چند ثانیوں بعد کار کا انجن بیدار ہوا تو تاکی عقبی نشست پر میرے برابر میں موجود تھا۔ کار چلتے ہی اس نے مجھے نشست پر اس طرح بیٹھنے کی ہدایت کی تھی کہ اوّل تو باہر سے میرا تفصیلی جائزہ نہ لیا جا سکے اور کسی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو یہی سمجھے کہ کسی مریض




www.paksociety.com

کوے جایا جارہا ہے۔

"ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" میں نے کسمساتے ہوئے کہا۔ "میرے ہاتھ کھول دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ذرا بھی مزاحمت نہیں کروں گا۔"

"چپ چاپ بیٹھے رہو ورنہ کنپٹی پر ایک ہاتھ جڑ کر پھر بے ہوش کر دوں گا۔" تاکی غرایا اور میں نے مضبوطی کے ساتھ اپنا منہ بند کر لیا۔

آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہونے کے باعث میں آوازوں پر کان لگائے بیٹھا تھا۔ چند منٹ تک ٹریفک کے تیز شور میں سفر کرنے کے بعد کار کسی ایسے راستے پر ہولی جہاں ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کے برابر تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد کار کہیں جا رکی۔

کاکا کے ہارن بجانے پر کوئی کار کے قریب آیا پھر باہر سے ایک کرخت اور متجسسانہ آواز سنائی دی۔ "کیا بات ہے، کس سے ملنا ہے؟"

میں جواب سننے کا انتظار ہی کرتا رہا لیکن ان دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا اور کار ایک مرتبہ پھر حرکت میں آ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ استفسار کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے شناختی علامت دکھائی گئی تھی یا پھر سوال کرنے والے نے خود ہی ان دونوں کو شناخت کر لیا تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ رکاوٹ عبور کر کے کار کسی احاطے میں داخل ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے اسے زیادہ سے زیادہ چند سو گز آگے بڑھ کر رک جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہ ہوا۔ اگر وہ واقعی کوئی عمارت ہی تھی تو یقیناً بہت وسیع رقبے پر بنی ہوئی تھی جہاں اندر بھی باقاعدہ سڑکیں اور راستے موجود تھے۔

وسیع و عریض عمارت کا خیال آتے ہی میرے ذہن میں لائیڈز کالج کا نام ابھرا تھا لیکن میں ان دونوں سے اپنے قیاس کی تائید کرانے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ جس انداز میں رازداری برت رہے تھے، اس کے پیشِ نظر میری قیاس آرائی خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ موجودہ حالات میں کچھ یوں نظر آ رہا تھا جیسے بازپرس وغیرہ کے بعد وہاں سے گلو خلاصی ہو جائے گی لیکن اس کی شرط یہی معلوم ہوتی تھی کہ مجھے علم نہ ہو سکے کہ اغوا کر کے مجھے کہاں لایا گیا تھا۔

کئی منٹ کی مسافت میں کم از کم دو موڑ گھومنے کے بعد آخرکار گاڑی روک دی گئی اور اس بار انجن بھی بند کر دیا گیا۔ پھاٹک سے اطلاع ملنے کے بعد وہاں کوئی پہلے سے کاکا پہلوان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ مشکل سے قابو میں آیا ہے۔" کار سے اترتے ہوئے میرے کانوں میں ایک چبھتی ہوئی اجنبی سی آواز آئی۔

"بس ہم اسے اناڑی سمجھ رہے تھے لیکن یہ خاصا کھلاڑی ہوا۔" کاکا پہلوان کی آواز آئی۔ "درگت اس کی بھی خوب بنتی لیکن ہدایت سے مار کھا گیا، پتا نہیں تمھیں اس کی ٹوٹ پھوٹ کی کیا [illegible] باتیں کرتے ہوئے وہ اندر چل دیے۔ تاکی مسلسل میرا [illegible] تھامے میری رہنمائی کر رہا تھا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر مجھے [illegible] پر بٹھا دیا گیا پھر وقت برباد کیے بغیر ان لوگوں میں خاموشی [illegible] کچھ لین دین ہوا جس کا اظہار کاکا کے تشکر آمیز فقروں سے ہوا۔ یوں وہ دونوں مجھے گھیرنے کا اپنا معاوضہ وصول کر کے واپس لوٹ گئے۔

میں اندر ہی اندر سخت اعصابی تناؤ کا شکار ہونے کے باوجود بظاہر بے پروایانہ انداز میں اپنی جگہ بیٹھا رہا پھر اچانک [illegible] وہی چبھتی ہوئی ناگوار سی آواز مجھے اپنے قریب سنائی دی۔

"اب تم ہمارے مہمان ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہی کرو گے [illegible] کے لیے بتایا جائے گا، اس سے تجاوز کی صورت میں پیدا ہونے والی ناخوشگوار صورتِ حال کے تم خود ذمے دار ہو گے۔"

"آنکھوں اور ہاتھوں کی بندش کی صورت میں تو میں سراسر تمھارے ہی رحم و کرم پر ہوں۔ اپنی مرضی سے دو قدم بھی نہ [illegible] سکوں گا۔ تجاوز تو بہت دور کی بات ہے۔" میں نے اپنا لہجہ خوشگوار رکھتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ چلے آؤ۔" اس نے میرا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "ابھی ان پابندیوں سے بھی نجات مل جائے گی۔"

ان حالات میں چبھتی ہوئی آواز والے کا وہ انکشاف [illegible] لیے ایک بڑی خوش خبری سے کم نہیں تھا۔ میں اپنے سوالات کو [illegible] کر کے فوری طور پر اس کے ساتھ ہو لیا۔

ایک اندرونی کمرے میں پہنچ کر اس نے نرمی اور آہستگی کے ساتھ میری آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی۔ تیز برقی روشنی میں چند ثانیوں کے لیے میری آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں پھر [illegible] نظریں اس مخنی سے دراز قامت آدمی پر جم کر رہ گئیں جو میرے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو برخوردار؟" اس نے آنکھیں نچا کر [illegible] لہجے میں سوال کیا لیکن اس کی آواز کی چبھن اب بھی برقرار تھی۔

"پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یقین نہیں آتا کہ کتابی کردار زندہ بھی ہو سکتے ہیں۔" اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ پھیل [illegible] "کس کتابی کردار کی بات کر رہے ہو؟"

"برا مان جاؤ گے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "پہلے میرے ہاتھ تو کھول دو۔"



"یہ لو۔" اس نے میری پشت پر پہنچ کر بندشیں کھولتے ہوئے کہا۔ "اور دیکھ لو کہ ہم اپنے مہمانوں کی کس قدر تواضع کرتے ہیں۔ یہ پرتکلف خواب گاہ ملحقہ باتھ روم سمیت تمھارے تصرف میں رہے گی۔ گھنٹی بجا کر تم ایک خوبرو ملازمہ کو طلب کر سکو گے جو تمھیں ضرورت کی ہر چیز فراہم کرے گی۔"

"ہر چیز؟" میں نے کلائیوں پر بندشوں کی گرفت میں نرمی محسوس کرتے ہوئے ذرا زور دے کر سوال کیا۔

"ہاں۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "ہر چیز سے مراد ہر چیز ہی ہوتی ہے، وہ تمھارے حکم سے سرتابی نہ کر سکے گی۔ ہم اپنے مہمانوں کی تمام فطری ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔" پھر وہ چونک کر بولا۔ "وہ کتابی کردار کی کیا بات تھی؟"

"کبھی جاسوسی ادب پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے؟" میں نے اپنی آزاد کلائیوں پر گہرے نشانات کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے پُریقین انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اسے پڑھ کر مجرم بھی بزدل ہو جاتے ہیں، ہر کہانی میں کھینچ تان کر آخر میں قانون کی بالادستی کا سکہ بجایا جاتا ہے اور عملی زندگی میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ مجرم اکثر سرخرو ہوتے ہیں اور قانون موٹی موٹی کتابوں میں دیمک کی خوراک بنتا رہتا ہے۔"

"پھر تو کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا۔

"ابنِ صفی کی کچھ کہانیاں پڑھی ہیں۔" اس نے یوں ہچکچاتے ہوئے اعتراف کیا جیسے کسی غلطی کا مرتکب ہوا ہو۔

"بس بس۔" میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں یہی پوچھنا چاہ رہا تھا۔ تمھارے چہرے پر اگر ذرا سی زردی بھی ہوتی تو بنے بنائے سنگ ہی تھے۔ کم از کم میرے ذہن میں سنگ ہی کی یہی تصویر تھی۔"

"بکواس۔" وہ خفت آمیز انداز میں غرایا۔ "جہاں تک مجھے یاد ہے، وہ ولد الحرام تھا اور فخریہ اس کا اعلان کرتا پھرتا تھا۔"

"تم نہ کرو۔" میں روانی میں کہہ گیا پھر صورتِ حال کا احساس کرتے ہوئے فوراً ہی قلابازی کھا لی۔ "حسب نسب انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے، میرے ذہن میں اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ میں تو بس تصوراتی مماثلت کی بات کر رہا تھا۔"

"یہ گھنٹی ہے اس لڑکی کو بلانے کے لیے۔" اس نے مسہری کے سرہانے لگے ہوئے ایک بٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بجا کر دیکھوں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے جانے کے بعد۔" وہ جلدی سے بولا۔

"میں گھنٹی کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "پتا نہیں وہ آتی بھی ہے یا نہیں۔"

"مجھے بھی تم سے کوئی زیادہ امید نہیں ہے۔" وہ اپنی اسی چبھتی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے اندازہ ہے کہ بس ہر وقت گھنٹی ہی بجاتے رہو گے۔ خوش کلامی اور حاضر جوابی کو میں پسند کرتا ہوں لیکن بس اس حد سے تجاوز نہ کرنا، اجازت کے بغیر باہر نکلنے کی کوشش کی تو سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"یہاں اسی قدر آرام ملتا رہا اور ضروریات پوری ہوتی رہیں تو شاید میں باقی عمر یہیں گزارنے کے امکانات کا جائزہ لینے لگوں لیکن کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ مجھے اتنی عزت کے ساتھ یہاں کیوں بلایا گیا ہے اور میں کن لوگوں میں ہوں؟"

"یہ دونوں سوال غیر ضروری ہیں، مناسب وقت آنے پر خود بخود سب کچھ سامنے آ جائے گا۔"

"یہ مناسب وقت کتنا وقت لے گا؟" اس بار میں نے کلائیاں رگڑتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا تھا۔ "گھنٹے، دن یا ہفتے؟"

"یہ سب میرے دائرۂ کار سے باہر ہے۔" اس نے پیچھا چھڑانے کے لیے خشک لہجے میں کہا۔

"کم از کم اپنا نام ہی بتلاتے جاؤ۔"

"سنگ ہی سمجھتے رہو، اس سے تمھارے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کسی وقت تم سے رجوع کرنا ہی پڑ جائے تو میں تمھاری شناخت کیسے کرا سکوں گا۔"

"لڑکی تمھارا پیغام مجھ تک پہنچا دے گی۔" اس نے کہا اور مڑ کر دروازے سے نکلتا چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا جس میں باہر سے لگنے والا خودکار قفل تھا جسے شاید اندر سے نہیں کھولا جا سکتا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرا عام طور پر مجھ جیسے زبردستی اٹھوائے گئے مہمانوں کے تصرف میں آتا رہا تھا۔

اب مجھے ہر طرح کی آزادی مل چکی تھی لیکن جسم پر وہی تار تار قمیص موجود تھی۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا تو بستر اور فریج سے لے کر فرشی قالین اور وال کلاک تک ضرورت کی ہر چیز وہاں موجود تھی اور ایک طرف وسیع دیوار گیر الماری نظر آ رہی تھی۔ میں نے بڑھ کر اس الماری کے پٹ کھولے تو وہ واقعی ایک ملی جلی وارڈروب ثابت ہوئی۔ اس میں خاصی بڑی تعداد میں ملے جلے، مردانہ اور زنانہ جوڑے موجود تھے لیکن ان سب کے سائز یکساں نہیں تھے جس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ تمام ملبوسات کسی ایک جوڑے کے لیے مخصوص نہیں تھے بلکہ اس کمرے میں لائے جانے والوں کی ضرورت کے پیشِ نظر وہاں رکھے گئے تھے۔

میں نے اس الماری میں سے منتخب کر کے ایک خوبصورت

قمیص زیبِ تن کی اور پھر اپنی خدمت پر مامور لڑکی کو بلانے کے لیے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

فوراً ہی دروازہ کھلا اور ہوش رُبا جسمانی حسن سے مالا مال ایک لڑکی اٹھلاتی ہوئی کمرے میں آگئی جیسے دروازے سے لگی میرے بُلانے کی منتظر رہی ہو۔ وہ نوجوان، شوخ اور متناسب الاعضا ضرور تھی لیکن اس کے رویے میں شائستگی نمایاں تھی یہ اور بات ہے کہ اس شائستگی میں انکسار کا دخل نہ رہا ہو کیونکہ وہ دنیاوی مفہوم میں عرفانِ ذات سے مالا مال نظر آ رہی تھی۔

میں بستر پر بیٹھا ہوا تھا، وہ کسی کنیز کی طرح میرے روبرو آ کھڑی ہوئی، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور نگاہوں میں اپنائیت رقصاں تھی۔ اس نے سر کی جنبش سے اپنی نیازمندی کا اظہار کیا جسے میں نے اسی طرح قبول کر لیا۔

"نام کیا ہے تمھارا؟" میں نے اس کے سراپا کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"مختصراً نوید۔ پورا نام نوید اختر ہے۔" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "اس نام والیاں عموماً خوش مزاج اور فراخ دل ہوتی ہیں۔ امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم مجھے مایوس کر رہے ہو۔" وہ میرے مقابل آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم نے مجھے انٹرویو کے لیے طلب کیا ہو حالانکہ یہاں میری نوکری بہت پکّی ہے۔"

"اس عمارت کا نام کیا ہے اور یہ کہاں واقع ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "یہ سب جان کر کیا کرو گے؟ کیا اتنا کافی نہیں کہ یہاں میں تمھاری کُل وقتی میزبان ہوں؟"

"شاید یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ یہ کون لوگ ہیں؟"

"معلوم ہی نہ ہو تو تمھیں کیا بتا سکوں گی۔ اب تک مختلف درجات کے ملازمین سے واسطہ پڑتا رہا ہے، مالکان سے سامنا ہی نہیں ہوا جو کچھ جان سکتی۔ چھوڑو اس خشک گفتگو کو، یہ بتاؤ کہ کیا پیو گے؟"

"ساقی کی مرضی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "انتخاب تمھاری فراست پر چھوڑتا ہوں۔"

میری زبان سے فراست کا لفظ ادا ہوتے ہی وہ بُری طرح چونکی تھی پھر خفت آمیز انداز میں ہنسنے لگی۔

"کس بات پر چونکی تھیں؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"فراست کا خیال آ گیا تھا۔" وہ کسی خیال کے تحت بولی۔ "بے چارا ہر [illegible] بے زبان، بے دام ملازم بنا رہتا ہے۔"

"کوئی عاشقِ نامراد؟" میں نے روا روی میں سوال کیا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ اختر تمھارے شوہر کا نام ہوگا؟"

اس کے چہرے پر پہلی بار اداسی کی لہر سی آ کر گزر گئی اور وہ غم آلود لہجے میں بولی۔ "شوہر جب پردیس جا کر پیسے کی ہوس میں اپنی بیویوں کو بھول جاتے ہیں تو ایسی عورتوں کے ہزار شوہر ہو جاتے ہیں، جب یہی دستور بن گیا ہے تو میں نے سوچا کیوں نہ میں یہاں رہتے ہوئے پیسہ بچانا شروع کر دوں۔ فراست ہمارے محلے کا ایک ایسا ہی بے زبان عاشق ہے جو اپنی دانست میں بڑی خدمت کر رہا ہے لیکن حرفِ مدعا آج تک زبان پر نہیں لایا۔"

"اس دور میں ایسا صابر و شاکر عاشق ملنا بڑا ہی محال ہے۔" میں نے اس کی کہانی میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"عمر رسیدہ بیوی سے اکتایا ہوا ہے بے چارا۔" وہ [illegible] لہجے میں بولی۔ "میرے مختصر ترین نوٹس پر اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے مجھے اپنے اسکوٹر پر کہیں بھی لے جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ میں اپنے سارے کام اسی کے ساتھ کرتی ہوں اور خاصی بچت کر لیتی ہوں۔ وہ بے چارہ راستے کی خرابی پر معذرت کرتے ہوئے جگہ جگہ بریک لگا کر محض اسی بات پر خوش رہتا ہے کہ اسکوٹر پر اس کے ساتھ بیٹھتی ہوں۔ ورنہ اس دور میں کون ہے جو دوسرے کے گھر میں ردّی کی فروخت سے دھوبی کے کپڑوں کی گنتی کرا سکے۔"

"اور اس کی بیوی خاموش رہتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کیا کہے گی؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "فراست دل میں [illegible] محبوبہ ہی تصور کرتا ہو لیکن میرے جارحانہ اندازِ گفتگو کی بنا پر [illegible] وقت باجی باجی کا راگ ہی الاپتا رہتا ہے، میں خود اس کے [illegible] سفر کے بہانے نکالتی رہتی ہوں، مجھے اس دن کا انتظار ہے جب وہ اپنے خول سے نکل کر اظہارِ عشق کرے گا لیکن اس بے چارے میں تو جرأت ہی نہیں رہی ہے۔ شاید بوڑھی بیوی مرد کے [illegible] کو بھی بڑی حد تک زنگ خوردہ کر دیتی ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم شادی شدہ ہو، تمھارا شوہر کہاں [illegible]" میں نے فراست کی ذات سے اکتاہٹ محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"مشرقِ وسطیٰ میں ہی کہیں غلامی کر رہا ہوگا۔" وہ [illegible] لہجے میں بولی۔ "پہلے سعودی عرب میں تھا۔ اب سنا ہے کہ [illegible] والوں نے اس کی ذرا اونچی بولی لگائی تھی، پتا نہیں کہاں [illegible] جیل رہا ہوگا۔"

"بڑی تحقیر آمیز زبان استعمال کر رہی ہو تم۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "غلامی نوکری سے بہت مختلف ہوتی ہے۔"

"ہوتی ہوگی۔" وہ شانے اُچکا کر بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "نوکری کے ساتھ جب رشتوں اور جذبوں کو بھی نیلام کر دیا جائے تو وہ غلامی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔" یہ بتاتے ہوئے یک بیک اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "جانتے ہو، پچھلے دو برس میں ہم نے صرف سات دن اکٹھے گزارے ہیں۔ باقی چھٹیوں میں وہ اپنی ماں یا دوسرے قریب المرگ رشتے داروں کی عیادت کرتا رہا۔"

اس کے ذاتی مسائل سن کر میری طبیعت اکتانے لگی تھی لہٰذا میں نے فوراً ہی موضوع نائو نوش کی طرف تبدیل کر دیا اور وہ مسکراتے ہوئے میرے لیے گلاس تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔

ابتدا میں وہ ساقی گری پر ہی اَڑی ہوئی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے ڈیوٹی پر منشیات سے دور رہنے کا حکم تھا لیکن میرا اصرار تھا کہ وہ میرے احکام کی پابند کی گئی تھی لہٰذا میرے حکم پر اسے مے نوشی کرنا تھی۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ سرسری باتوں میں وہ اپنی ذات کے تشنہ گوشوں کی نقاب کشائی کر گزری تھی لہٰذا میں نے ان کمزور گوشوں کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسے اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا۔

وہ فراخ دل اور شوقین مزاج تو تھی ہی، میرا ارادہ تھا کہ اسے اتنی پینے پر مجبور کروں گا کہ وہ بہک کر میرے ہر سوال کا جواب دیتی چلی جائے اور میں اس سے یہ معلوم کر سکوں کہ میں اس وقت کہاں اور کس کا قیدی تھا۔

اس نے بڑے سلیقے کے ساتھ مے نوشی کا آغاز کیا تھا لیکن وہ عادی نہیں تھی۔ لہٰذا آدھا گلاس معدے میں منتقل ہوتے ہی بہکنے لگی لیکن اس حالت میں بھی اس نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ شاید اس کے لاشعور میں اپنے بالادستوں کا شدید خوف جاگزیں تھا اور وہ بس اپنے پسندیدہ موضوع پر ہی بولتی رہی۔

اس کا خیال تھا کہ پیسہ زندگی کی حقیر ترین حقیقت تھی جسے ایک طوائف بہت آسانی کے ساتھ کما سکتی تھی اور اگر وہ اپنی ضد پر اتر آتی تو اپنے تارک الوطن شوہر سے کہیں زیادہ رقم بٹور سکتی تھی لیکن زندگی کا لطف یہی تھا کہ رشتوں اور جذبوں کا بھرپور احترام کرتے ہوئے کمایا جائے جو اس دور میں خاصا مشکل کام تھا۔

اور پھر جب وہ ہلکے سرور کے عالم میں تھی تو میں نے ایک بار پھر اس عمارت اور اس کے مکینوں کے بارے میں بات چھیڑ دی۔ قریب تھا کہ وہ کچھ بتا ڈالتی، اچانک دروازہ کھلا اور وہی شخص اندر گھس آیا جس سے میری پہلے ملاقات ہو چکی تھی۔

اسے غصے کے عالم میں اپنے روبرو دیکھ کر لڑکی کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ مشینی انداز میں سیدھی کھڑی ہوتی چلی گئی۔

"باہر جاؤ۔" وہ اسے گھورتے ہوئے نکاسی کے راستے کی طرف ہاتھ اُٹھا کر غرایا۔

"م… میرا قصور نہیں ہے سر! میرے ساتھ زبردستی کی گئی تھی۔" وہ رو دینے والی آواز میں ہکلاتے ہوئے بولی۔

"گیٹ آؤٹ۔" وہ حلق کے بل دہاڑا اور لڑکی بوکھلا کر کمرے سے نکلی چلی گئی۔

"وہ درست کہہ رہی تھی۔" لڑکی کے چلے جانے پر میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "وہ نہ پینے پر اَڑی ہوئی تھی، میں نے اسے زبردستی اپنا ساتھ دینے پر مجبور کیا تھا۔"

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولا۔ لڑکی کے جاتے ہی اس کے چہرے کی سختی کافور ہو چکی تھی اور وہ پہلے کی طرح پُرسکون نظر آ رہا تھا جیسے وہ کبھی ناراض ہی نہ ہوا ہو۔

"کیا وہ اب دوبارہ یہاں نہیں آئے گی؟"

"تم اس کے اہل ثابت نہیں ہوئے اب ایک مرد تمھاری خدمت پر مامور کیا جائے گا۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔

بے اختیار میرے منہ سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

"پھر تم ہی مجھ پر مہربانی کرو، کم از کم یہ تو بتا دو کہ میں کس عمارت میں رکھا گیا ہوں؟ ظاہر ہے کہ تمھاری مرضی کے بغیر اب میں یہاں سے نہ نکل سکوں گا۔"

"ہو سکتا کہ باز پُرس کے بعد تمھیں دوبارہ بلائنڈ فولڈ کر کے یہاں سے رُخصت کر دیا جائے، ایسی صورت میں عمارت کی نشاندہی ہمارے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگی۔ اگر تم لڑکی سے معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو تمھاری واپسی کے امکانات بھی سرے سے ختم ہو جاتے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اپنے تجسس کو اب بالائے طاق رکھ دو۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلا گیا اور میں گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے جس طرح بروقت مداخلت کی تھی اس کی روشنی میں صاف ظاہر تھا کہ وہ کمرے میں پوشیدہ کسی خفیہ ڈکٹا فون کے ذریعے وہاں ہونے والی ساری گفتگو سنتا رہا تھا۔

اس واقعے کے بعد میں نے دوبارہ گھنٹی بجانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس بار کسی کرخت صورت اور تند خو آدمی کا ہی سامنا ہوگا۔

میں بستر پر دراز وہاں موجود رسالوں کی ورق گردانی سے دل بہلانے کی کوشش کرتا رہا لیکن ذہن مسلسل پریشان تھا۔ ایک طرف عزالہ ویرالائیڈ کی قید میں تھی اور دوسری طرف میں اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا جس سے گلو خلاصی کی بظاہر کوئی صورت نظر

نہیں آرہی تھی۔

رات دس بجے کے قریب اچانک دروازہ کھلا اور میں چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اس بار آنے والے تعداد میں دو تھے اور دونوں ہی کے تیور خراب نظر آرہے تھے۔ انھوں نے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کردیا اور میری طرف بڑھتے چلے آئے۔

"تمھارا نام کیا ہے؟" ان میں سے ایک نے میرے سامنے آتے ہی براہِ راست سوال کیا تھا۔

"تنویر علی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر جواب دیا۔

"ڈینی بھی کہلاتے ہو؟" اس نے خشک لہجے میں سوال کیا اور میں نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

"لڑکی کہاں ہے؟" اس نے سوال کیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اپنے سوال سے اس نے آخر کار خود کو ظاہر کر ہی دیا تھا۔

"لڑکی روپوش ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو شاید اس وقت لائیڈز کالج میں موجود ہوں۔"

"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟" اس نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔ اس کے ساتھ آنے والا دوسرا شخص ابھی تک خاموش تھا۔

"یقیناً پڑے گا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اب میں تمھاری کسی بات کا جواب دینے سے پہلے ڈی سوزا سے ملنا چاہوں گا۔"

"کیا کام ہے اس سے؟"

"اسی کو بتا سکوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اس نے بے پروائی سے اپنے شانے اچکائے۔ "تمھاری مرضی۔ اطلاعاً یہ بتا دوں کہ ڈی سوزا آج صبح ہی شہر سے باہر کہیں گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی واپسی دس بارہ روز تک نہ ہو سکے۔"

"ایسی صورت میں اس کی جگہ کوئی اور کام کر رہا ہوگا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمھارے سامنے موجود ہوں۔ اس کا چارج میرے ہی پاس ہے۔" وہ بولا۔

"مجھے ایئرپورٹ سے غیر ضروری طور پر اٹھوایا گیا ہے۔ میں بلیو بیل کے حوالے سے خود لائیڈز کالج رپورٹ کرنے آرہا تھا۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔

"بلیو بیل؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ کیا بلا ہے؟"

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا تھا کہ لائیڈز کالج میں کوئی متعلقہ آدمی اس کوڈ کو پہچاننے سے منکر بھی ہو سکے گا۔

"مجھے ڈی سوزا سے ملاقات کے لیے یہی کوڈ بتایا گیا تھا۔" میں نے پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس کوڈ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔" اس نے درشت لہجے میں کہا۔ "اب شرافت سے لڑکی کا پتا بتا دو ورنہ یاد رکھنا کہ یہاں تمھارے بدن سے پوری کھال اتار لی جائے گی اور تمھاری آواز سننے والا کوئی نہ ہوگا۔"

"تم جو چاہو کہہ سکتے..." میں کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ آنے والا دوسرا آدمی اچانک مجھ پر ٹوٹ پڑا اور پھر وہاں دھما چوکڑی شروع ہوگئی۔ بے خبری میں اپنے جبڑے پر ایک طاقتور مکا کھانے کے بعد میں نے اسے بھی خون تھوکنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن وہ وحشیانہ جوش و خروش کے ساتھ میرا چہرہ ادھیڑ ڈالنے پر تلا ہوا تھا۔

وہ مجھ سے لڑتا رہا اور ڈی سوزا کی جانشینی کا دعویٰ کرنے والا دور کھڑا لاتعلقانہ انداز میں تماشا دیکھتا رہا جیسے مقابلے کے اختتام پر جیتنے والے کو انعام دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان دونوں میں باہمی ذمے داریوں کے بارے میں کوئی ناقابلِ تنسیخ سمجھوتا موجود تھا جس کی روشنی میں ڈی سوزا کی جانشینی کا دعوے دار بازپرس اور مذاکرات کا ذمے دار تھا جب کہ دوسرا بولے بغیر محض مار دھاڑ پر مامور تھا کیونکہ شدید اور وحشیانہ ٹکراؤ میں اضطراری غراہٹوں کے سوا اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا جب کہ ایک آدھ مرحلے پر میرے ہاتھوں اس کی بری طرح ٹھکائی ہونے کے باوجود دوسرے نے اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی بلکہ پتلون کی جیبوں میں ہاتھ اڑس لینے کے بعد اس کی لاتعلقی میں کچھ اضافہ ہی ہوگیا تھا۔

یہ غنیمت تھا کہ میرے سامنے صرف ایک ہی حریف تھا لیکن ایک دو بار میری گرفت میں آجانے کے بعد وہ جس طرح خود کو بچاتے ہوئے دوبارہ مجھ پر حملہ آور ہوا تھا، اس کی بنا پر میں اس کی سخت جانی کا قائل ہونے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اپنی کمزور پوزیشن کے پیشِ نظر مجھے اس بات سے بھی خاصا اطمینان تھا کہ مارپیٹ کے باوجود ان میں سے کسی نے نہ آتشیں اسلحے کا سہارا لیا تھا، نہ اس کے استعمال کی دھمکی دی تھی۔

[illegible] ہوئے ایک بار میرے حریف سے اندازے کی تباہ کن غلطی سرزد ہو ہی گئی اور وہ خود کو منہ کے بل نیچے گرنے سے بچانے کے لیے لڑکھڑاتا ہوا آخری دیوار تک دوڑتا چلا گیا۔ جوں ہی وہ دونوں ہاتھوں سے دیوار کا سہارا لے کر ٹھہرا، میں نے پوری قوت کے ساتھ اس کی داہنی پسلیوں پر لات رسید کی اور وہ ڈکراتا ہوا بائیں پہلو پر الٹ گیا۔ میں اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر سوار ہوگیا اور اس کے چہرے پر دونوں طرف سے تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے۔

اس وقت میں خود بھی اشتعال اور گھبراہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میرے ہاتھوں پٹنے والے کا ساتھی کتنی دیر تک صبر اور تحمل کے ساتھ تماشا دیکھ سکے گا۔ وہ کسی بھی مرحلے پر مداخلت کرکے کھیل ختم کرا سکتا تھا۔ اسی اندیشے کے پیشِ نظر میرے دونوں ہاتھ پوری طاقت کے ساتھ مسلسل چل رہے تھے۔ شاید میری ساری ہی ضربات خطرناک نہیں تھیں لیکن جو دو چار گھونسے ٹھیک نشانے پر پڑے تھے، انھوں نے پٹنے والے کی داہنی آنکھ سُجا دی تھی اور ابرو سے ذرا اوپر پیشانی بھی کھل گئی تھی جس سے بہنے والا خون اس کے چہرے اور گردن پر پھیلتا جا رہا تھا اور وہ اپنی تمام تر قوت صرف کرکے خود کو میری گرفت سے آزاد کرانے کے لیے بے چین تھا اور میں کسی پیشہ ور باکسر کی طرح ہر بار اس کے زخموں کو ہی نشانا بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ کئی منٹ تک میرے ہاتھوں بے رحمی کے ساتھ پٹتا اور کسی درندے کی طرح غراتا رہا لیکن اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے کے بجائے اس کی کوششوں میں تیزی پیدا ہوتی چلی گئی اور پھر اچانک ہی اس نے مجھے کسی حقیر وجود کی طرح اپنے بدن پر سے اچھال پھینکا۔ اس بار وہ حیرتناک سُرعت کے ساتھ فرشی قالین پر سے اٹھا تھا اور اپنے خون میں ڈوبے ہوئے چہرے کے ساتھ کسی گینڈے کی طرح میری طرف آیا تھا۔

اس نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے دونوں ہاتھ سامنے فضا میں یوں پھیلائے ہوئے تھے جیسے ایک ہی وار میں میرا جبڑا توڑ دینے کا مصمم ارادہ کر چکا ہو۔ میں نے اٹھتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ اس کے کسے ہوئے مکوں پر مرکوز رکھی لیکن اس نے اپنی ٹانگیں فضا میں اچھال کر اپنے وجود کے سارے وزن کو کام میں لاتے ہوئے اتنی قوت کے ساتھ میری پیشانی پر ٹکر رسید کی کہ میرے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔

میں کئی ثانیوں تک غالباً بے حس و حرکت قالین پر پڑا رہا۔ اس بدترین ٹکر نے مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ آنکھوں کے سامنے کبھی اندھیرا اور کبھی روشن دائرے ناچ رہے تھے، اعصاب مفلوج ہو کر رہ گئے تھے لیکن میں اپنے حریف کے چڑھے ہوئے سانسوں کی تیز آوازیں اپنے قریب ہی سن رہا تھا۔

"مر تو نہیں گیا؟" اچانک اس سکوت میں دوسرے کی تشویش آمیز آواز گونجی۔

"شاید بن رہا ہے۔" میرے حریف نے ہانپتے ہوئے پہلی بار زبان کھولی۔ "اگر پسلیوں پر دو تین ٹھوکریں کھا کر بھی نہ بولا تو پھر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔ یہ آسانی کے ساتھ مرنے والا نظر نہیں آتا۔"

اس کی وحشیانہ ٹکر نے بلاشبہ مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا، میرا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور پیشانی پر گرم گرم لہو کی نمناک لکیریں بھی سرسراتی سی محسوس ہو رہی تھیں لیکن اعصاب اس حد تک معطل ہو کر رہ گئے تھے کہ ہاتھ ہلا کر پیشانی تک لے جانا بھی دشوار تھا۔ آنکھیں کھولنے میں ناکام ہوتے ہی میں نے ارادہ کیا تھا کہ کچھ دیر تک بے ہوشی کی اداکاری کرتے ہوئے اس کی بربریت سے محفوظ رہ کر اپنے حواس یکجا کرنے کی کوشش کروں گا لیکن اپنی پسلیوں پر اس کی ٹھوکر بازی کا ذکر سنتے ہی میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ درد کی شدید ٹیسیں پپوٹوں سے ابھر کر پورے وجود میں سرایت کر گئیں۔ لحظہ بھر کے لیے تو شراروں کی بوچھاڑ کے سوا کچھ نظر نہ آیا، پھر میں نے درد کی پروا کیے بغیر کئی بار آنکھیں جھپکائیں تو چند فٹ کے فاصلے پر اپنے حریف کا خون میں نہایا ہوا چہرہ نظر آیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایسی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جیسے اسے مدتوں بعد کسی من پسند مشغلے سے اپنا دل بہلانے کی اجازت ملی ہو۔

"لڑکی کہاں ہے؟" دوسرے کی للکارتی ہوئی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتی چلی گئی۔

میں آنکھیں کھول چکا تھا لیکن بینائی پوری طرح بحال نہیں ہو سکی تھی۔ دھندلاہٹ اور روشن و تاریک دھبوں کے باعث میرے لیے صحیح سچویشن کا ادراک کرنا محال ہو رہا تھا لیکن پھر بھی میں خود کو سنبھالتا ہوا اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا کہ تم کس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔" میں نے ارادہ تو مضبوط لہجہ اختیار کرنے کا کیا تھا لیکن بولا تو اپنی آواز کی لکنت کو خود محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"پھر ابھی چند منٹ پہلے کس لڑکی کی روپوشی کا ذکر کر رہے تھے؟" اس کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔

میں نے ایک پھریری لے کر سر جھٹکا تو ذہن قدرے صاف ہوا اور مجھے یاد آیا کہ میں نے ابتدا میں واقعی لڑکی کی روپوشی کا ذکر کیا تھا۔ لہٰذا اب اس بیان سے پھرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

"ہاں، وہ ابھی تک روپوش ہے۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "میں نے نہ کبھی اسے دیکھا ہے نہ جانتا ہوں، میرے لیے وہ بس ایک تصویر ہے اور مجھے اس کو تلاش کرنا تھا۔"

"یہاں تمہارے جسم سے ایک ایک ریشہ الگ کر دیا جائے گا۔" وہ غراتے ہوئے سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "مرنا چاہو گے لیکن موت سامنے نظر آنے کے باوجود تم سے بہت دور ہوگی۔ اس انجام سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ جو کچھ پوچھا جائے بلاکم وکاست سچ بتاتے چلے جاؤ۔ ہمارے پاس ثبوت موجود ہے کہ وہ لڑکی تمہاری ساتھی ہے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم عجلت سے کام لے رہے ہو، میرا ڈی سوزا سے ملنا بہت ضروری ہے۔ اس کی واپسی تک تم مجھے اپنا قیدی رکھ سکتے ہو، اس کے آجانے کے بعد بھی میں تمہارے رحم وکرم پر رہوں گا۔ اس وقت جو چاہو کر لینا۔"

"ڈی سوزا پر اتنا انحصار مت کرو۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔ "ڈی سوزا کو اگر تمہارے بارے میں کوئی ہدایت ملی ہوتی تو وہ مجھے باخبر کیے بغیر باہر نہ جاتا، وہ بہت ذمے دار آدمی ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تمہیں ڈی سوزا کا فریب دے کر ہمارے کسی بہی خواہ نے تمہیں ہماری طرف ہانکا تھا۔ اب یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ اپنی مرضی سے چل کر یہاں پہنچنے کے بجائے کاکا کے آدمیوں کے ذریعے قیدی بنا کر لائے گئے ہو۔ میں ڈی سوزا کے آنے سے پہلے تمہاری زبان سے ہر قیمت پر سچ اگلوانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"سچ سن چکے ہو لیکن اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تمہارے ذہن میں میری طرف سے بدگمانیاں جڑ پکڑ چکی ہیں اور تم میری زبان سے صرف وہی کچھ سننا چاہتے ہو جو تمہارے ذہن میں ہے لیکن یہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ تم میری بوٹیاں بھی اڑا ڈالو گے تو ہر بوٹی وہی پکارے گی جو میں اب کہہ رہا ہوں۔"

میری بصارت خاصی حد تک بحال ہو چکی تھی اور مجھے سامنے کھڑا ہوا تنومند حریف بالکل واضح نظر آ رہا تھا۔ اس کی پھٹی ہوئی پیشانی سے خون کی خاصی مقدار بہہ چکی تھی جس نے چہرے کے ساتھ ہی اس کے لباس کو بھی رنگین کر ڈالا تھا۔ داہنی آنکھ کے نچلے پپوٹے پر اس قدر شدید ورم آیا تھا کہ وہ آنکھ عملاً بند ہی ہو کر رہ گئی تھی۔ بظاہر وہ اپنی حالت سے بے پروا نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے ڈھلکے ہوئے شانوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ زور آزمائی اسے توقع سے کہیں زیادہ بھاری پڑی تھی۔

میرے خاموش ہوتے ہی وہ اپنے ساتھی کی طرف گھوما تھا۔ "بہت ڈھیٹ ہے، تھرڈ ڈگری کے بغیر زبان نہیں کھولے گا۔"

"ہوں۔" مجھ سے باز پرس کرنے والے نے خیال آمیز انداز میں ہنکارا بھرا۔ "تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "اچھا دوست! اب تھوڑی دیر بعد ٹارچر سیل میں ہی ملاقات ہوگی۔"

میں خاموشی کے ساتھ باری باری ان دونوں کو گھورتا رہا اور وہ مجھے تنہا چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔

اس کی زبان سے ٹارچر سیل کا ذکر سن کر میرے وجود میں سنسنی سی سرایت کر گئی تھی لیکن اس وقت میرے لیے خاموشی کے ساتھ ان صبر آزما مراحل سے گزرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ اپنی تشویش کا اظہار کر کے میں انھیں خود پر ضرورت سے زیادہ حاوی ہونے کا موقع فراہم کر سکتا تھا۔

تشدد اور تھرڈ ڈگری کے حربے میرے لیے نئے نہیں تھے لیکن لائیڈز کاٹیج کے پُرہول قلعے میں ٹارچر سیل کے حوالے سے ان الفاظ کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ وہ لوگ بے حساب آمدنی کے لالچ میں بدترین قسم کی منشیات کی تجارت میں ملوث تھے۔ ان کے نزدیک نہ انسانی لہو کی کوئی وقعت تھی نہ رشتوں کا احترام۔ وہ خونی بھیڑیوں کا ایک ایسا وحشی غول تھا جو بُرا وقت آنے پر ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے پر تُل جاتے ہیں۔ تنظیم کے لیے ناقابلِ فراموش خدمات سرانجام دینے والوں کو ذرا سی کوتاہی پر اتنی سرد مہری کے ساتھ مروا دیا گیا تھا جیسے وہ جیتے جاگتے انسان نہیں بلکہ قدموں میں رینگتے ہوئے حشرات الارض رہے ہوں جنھیں قدموں تلے روندے بغیر آگے بڑھنا ممکن ہی نہ ہو۔ اپنی زبان بند رکھنے کے لیے میں ان درندوں کی ہر اذیت سہہ سکتا تھا لیکن خوف بس یہی تھا کہ تشدد کر کے وہ مجھے اس حد تک مفلوج نہ کر دیں کہ اپنے ذہن پر میرا اختیار ہی نہ رہے اور میں مدہوشی کے عالم میں کسی ارادے کے بغیر وہ سب اگل بیٹھوں جس کا راز رہنا بہت ضروری تھا۔

گمبھیر خیالوں میں ڈوبا ہوا میں باتھ روم میں داخل ہوا تو آئینے کا سامنا کرتے ہی چونک پڑا۔

اس نے اپنی مار کا بدلہ لے لیا تھا۔ میری پیشانی وسط میں کافی پھول گئی تھی اور کھال کئی جگہ سے یوں پھٹ گئی تھی جیسے پتھر کی ضرب سے شیشے پر دراڑیں پڑ گئی ہوں۔ گو بہنے والے خون کی مقدار بہت زیادہ نہیں تھی لیکن پھر بھی آئینے میں میرا چہرہ خاصا ڈراؤنا نظر آ رہا تھا۔

تشدد بجائے خود غیر اہم تھا۔ اصل اہمیت ان نتائج کی تھی جو تشدد کے نتیجے میں حاصل ہو سکتے تھے۔ اس اعتبار سے میری اور ان کی لڑائی نفسیاتی رخ اختیار کر گئی تھی جس میں میری فتح اسی وقت ممکن تھی جب میں ہر مرحلے پر خود کو پُرسکون اور نارمل رکھنے میں کامیاب رہتا۔

میں نے واش بیسن پر جھک کر احتیاط اور پھرتی کے ساتھ اپنا منہ دھو ڈالا۔ گردن وغیرہ سے خون کے نشان صاف کر کے میں نے قمیص وہیں اتار پھینکی اور کمرے میں لوٹ کر الماری میں سے اپنے ناپ کا دوسرا جوڑا نکال کر پہن لیا۔ دوبارہ باتھ روم میں داخل ہو کر میں نے دیوار گیر کیبنٹ کا جائزہ لیا تو اس میں ابتدائی طبی امداد کی وہ چند بنیادی چیزیں موجود تھیں جو عموماً ہر گھر میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے ایک مختصر سی پٹی پر مرہم لگا کر اسے اپنی پیشانی کے زخم پر ٹیپ سے چپکا لیا پھر بال سنوارتے ہوئے میں خود ہی مسکرا دیا۔

مجھے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ چند منٹ پہلے تک میں کسی خطرناک لڑائی بھڑائی میں الجھا ہوا تھا۔

کمرے میں واپس لوٹ کر میں نے سگریٹ سلگائی اور ایک مرتبہ پھر رسائل سمیٹ کر کرسی پر دراز ہو گیا۔

ان لوگوں کو فریب دینے کے لیے میں نے وہ بہروپ ضرور دھار لیا تھا لیکن اندرونی کیفیت کو بدلنا میرے لیے ناممکن تھا۔ رسائل سامنے موجود تھے لیکن ذہن ان نامساعد حالات میں الجھا ہوا تھا جن سے میں غیر متوقع طور پر دوچار ہو چکا تھا۔

معاً مجھے کمرے میں موجود گھنٹی کا خیال آیا اور میں نے اسے آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کی مہربانیاں قہر وغضب میں ڈھل چکی تھیں لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ درمیانی وقفے میں ان کا طریقۂ کار کیا ہوگا۔

گھنٹی بجتے ہی دروازہ کھلا اور ایک دیوقامت اندر گھس آیا۔ اس کے کسرتی بدن سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھی حسبِ توفیق ہاتھ پیر چلانے کی کوشش کرے گا لیکن اس کا چہرہ سراپا استفسار بنا ہوا تھا۔

"لڑکی کی جگہ تمھیں مامور کیا گیا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔ گھنٹی کیوں بجائی تھی؟" اس نے اکھڑے ہوئے درشت لہجے میں پوچھا۔

"کافی مل سکے گی؟"

وہ سر کو اثبات میں جنبش دیتا واپس چلا گیا۔ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ باہر موجود رہنے کے باوجود اندر پیش آنے والے واقعات سے لاعلم رہا ہو کیونکہ مجھے کرسی میں دراز، رسائل کی ورق گردانی کرتے دیکھ کر اس نے کسی بھی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

غیر متوقع طور پر وہ چند منٹ بعد ہی ٹرے میں کافی کے برتن لیے آ پہنچا اور ٹرے میز پر رکھتے ہوئے اسی اُجڈ لہجے میں بولا۔ "خود بنا لو گے یا مجھ ہی کو گھولنا پڑے گی؟"

"تم زحمت کر سکو تو مہربانی ہوگی، میں تو ابھی پیٹ کر بیٹھا ہوں۔" اس کے حوصلہ شکن ردِعمل کے باوجود میں نے اپنا لب ولہجہ خوشگوار رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے پلٹ کر مجھے پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورا پھر کافی تیار کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے بتا دیا گیا ہے کہ تمہاری زبان میں کوئی پرزا چپکا ہوا ہے جس کی وجہ سے تمہیں زیادہ بولنے کا مرض لاحق ہے۔"

"یہ جاننے کے باوجود تم خاصے مہربان نظر آتے ہو، تھوڑی دیر قبل آنے والے تو براہِ راست مار دھاڑ پر اتر آئے تھے۔ میری پیشانی کے زخم کے سلسلے میں تم کوئی مدد کر سکو تو...؟"

"بس بس۔" اس نے غراتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ "یہ مہمان خانہ نہیں ہے، یہاں تم ایک قیدی ہو، غنیمت ہے کہ باتھ روم کیبنٹ میں ڈریسنگ کا کچھ سامان موجود ہے، اس سے زیادہ کچھ نہ مل سکے گا۔"

کافی کی پیالی تیار کر کے اس نے ٹرے ہی میں چھوڑ دی اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میں نے اٹھ کر گرم گرم تلخ کافی کا پہلا گھونٹ لیا تو لطف آ گیا۔ لائیڈز کاٹیج والے لاکھ سفاک اور بے رحم سہی لیکن دشمنی کے معاملے میں وضعداری کے قائل معلوم ہوتے تھے کہ تشدد آمیز باز پرس کی ابتدا ہونے کے باوجود رسمی مدارات سے گریز نہیں کیا تھا اور میری دانست میں ایسے دشمنوں سے نمٹنا عام طور پر زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ جو اپنے حریف کو کھلا پلا کر مارنے کے عادی ہوتے ہیں۔

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور اس بار دو نئے چہرے اندر داخل ہوئے، ان دونوں کی زرد اور سوئی سوئی سپاٹ آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نشے کے عادی رہے ہوں یا پھر وہ بلا کے اذیت پرست تھے۔

اس وقت تک میں کافی ختم کر کے دوبارہ رسائل کی ورق گردانی میں مصروف ہو چکا تھا۔ ان کو دیکھتے ہی میں نے اپنی گود میں پڑے ہوئے رسائل ایک طرف ڈال کر کرسی چھوڑ دی تاکہ انھیں تشدد کے آغاز کے لیے کوئی بہانا نہ مل سکے۔ ان میں سے ایک نے مجھے اپنی طرف بلایا اور میں محتاط انداز میں اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ پھر ان کی ہدایت پر میں اس کمرے سے باہر آ گیا۔ وہ دونوں مجھے اسی راہداری میں واقع ایک کمرے میں لے گئے پھر کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے ان میں سے

ایک نے ایک دیوار گیر الماری کھول کر اس کے اندر لگے ہوئے کسی خفیہ میکنیزم کو حرکت دی جس کے نتیجے میں ایک گوشے میں فرش کا ایک خاصا بڑا حصّہ ایک طرف سرک گیا اور نیچے تاریک خلا نظر آنے لگا۔

میں اس خلا کے قریب پہنچا تو کمرے میں ہونے والی روشنی کے انعکاس میں وہاں نیچے جاتے ہوئے دو تین زینے نظر آئے جو آگے تاریکی میں معدوم ہو گئے تھے لیکن میں نے اپنے لانے والوں کے ایما پر جوں ہی فرش سے نیچے پہلے زینے پر قدم رکھا، نیچے سے تیز روشنی کا سیلاب اُمڈ آیا۔ چند سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد میں نیچے تہ خانے میں دیکھنے کے قابل ہوا تو سیڑھیوں کے اختتام پر ایک وسیع و عریض روشن ہال نظر آیا۔ جہاں جا بجا دفتری نوعیت کا ساز و سامان رکھا ہوا تھا۔ نیچے پہنچنے کے بعد بہت سی میزوں پر کچھ فائلیں اور کاغذات بھی رکھے ہوئے نظر آئے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تہ خانہ ویران نہیں رہتا تھا بلکہ کسی نہ کسی مصرف میں لیا جاتا تھا۔

وہ دونوں میرے پیچھے نیچے اترے تھے۔ آخری سیڑھی سے فرش پر قدم رکھنے کے بعد میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو اوپر والے کمرے کے فرش میں نمودار ہونے والا خلا معدوم ہو چکا تھا۔

"آگے بڑھو!" میرے ٹھٹکتے ہی ان میں سے ایک نے غرّا کر میری پسلیوں میں سختی کے ساتھ ٹھوکا دیا تھا اور میں فوراً ہی مشینی انداز میں آگے چل پڑا کیونکہ اب میں بلاوجہ کسی تشدد آمیز تصادم میں ملوّث ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بے مقصد مار دھاڑ کے بجائے میں اپنی توانائیاں کسی ایسے موقع کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا تھا جب ان کا استعمال بار آور ثابت ہونے کی امید ہو۔

اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھے کسی اچھی جگہ نہیں لے جا رہے تھے۔ ان سے پہلے جو دو آدمی آئے تھے جن میں سے ایک سے میری مار پیٹ ہوئی تھی، انھوں نے جاتے ہوئے مجھ سے کسی ٹارچر سیل میں ملاقات کا تذکرہ کیا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت ہماری منزل بھی شاید ایسی ہی کوئی کوٹھری تھی جہاں لائے جانے والوں پر تشدد کے بد ترین حربے آزمائے جاتے ہوں گے۔

اوپر سے سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ تہ خانہ اس قدر وسیع و عریض ہوگا لیکن میزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ تہ خانے میں دفتر نما اس وسیع و عریض ہال کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔ کئی منٹ کے بعد ہم ایک بند دروازے کو کھول کر ایک پتلی سی راہداری میں داخل ہوئے۔ اندر قدم رکھتے ہی احساس ہوا کہ ہوادار ہال کے مقابلے میں اس راہداری میں نہ صرف گھٹن تھی بلکہ روشنی بھی ناکافی تھی۔ راہداری کے اختتام پر ایک اور مقفل دروازہ تھا۔ مجھے لانے والوں میں سے ایک نے بڑھ کر چابی سے دروازے کا قفل کھولا اور آگے بڑھ کر قریبی دیوار میں لگا ہوا روشنی کا سوئچ آن کر دیا۔

کمرے میں نگاہ پڑتے ہی میں جھرجھری لے کر رہ گیا اور چوکھٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد تو بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ کوٹھری خاصی وسیع تھی اور وہاں ہر طرز کے بہت سے ایذا رسانی کے آلات موجود تھے جن میں ایسے قد آدم آہنی شکنجے بھی تھے جن میں کھوپڑی سے قدموں تک انسان کو پوری طرح محبوس کیا جا سکتا تھا۔ فرش اور دیواروں پر جا بجا سوکھے ہوئے خون کے داغ نظر آ رہے تھے اور کمرے کی فضا میں کسی مذبح خانے سے ملتی جلتی خون کی بساندرچی ہوئی تھی۔ دیواروں سے کئی پتلے اور موٹے چرمی چابک اور نوکدار آہنی سلاخیں لٹکی ہوئی تھیں۔ میں اسی جائزے میں مصروف تھا کہ آہنی جھنکار سن کر چونک پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو ان دونوں میں سے ایک زرہ بکتر نما ایک آہنی ڈھانچے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔

وہ آہنی ڈھانچا اندر سے بالکل کھوکھلا اور بظاہر ہاتھوں سے محروم کسی آدمی سے مشابہ تھا۔ اس میں سر اور دھڑ کے ساتھ ٹانگیں بھی تھیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص نے کھوکھلے آہنی ڈھانچے کا اگلا حصّہ دروازے کے پٹوں کی طرح کھول دیا۔ سر، دھڑ اور دونوں ٹانگوں کے اگلے حصّے قبضوں کے ساتھ پچھلے حصّے سے جڑے ہوئے تھے اور پچھلا حصّہ آہنی سلاخوں کے ساتھ عقبی دیوار میں مضبوطی کے ساتھ نصب تھا تاکہ ہر صورت میں اسی طرح ایستادہ رہ سکے۔

میں نے ایک بار پھر ان دونوں کو سمجھانا چاہا۔ ان کی منتیں کیں لیکن ان کی سرد اور سپاٹ آنکھوں میں اپنے لیے رحم کی ذرا بھی رمق پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ سدھائے ہوئے انسانی روبوٹوں کی طرح مجھے ہر قیمت پر اس آہنی شکنجے میں قید کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔

اپنی ہر مدافعانہ کوشش میں ناکام ہونے کے بعد مجھے آگے بڑھنا پڑا اور میں سامنے سے کھلے ہوئے اس فولادی خول میں داخل ہو گیا۔ میرے دونوں ہاتھ شانوں کے متوازی پھیلوانے کے بعد ایک نے پھرتی کے ساتھ پہلے دھڑ والے حصّے کی سامنے کی کھڑکی بند کی اور گنڈوں کے درمیان کوئی کیل گرا دی۔ اب میرے ہاتھ اس خول سے باہر حرکت کرنے کے لیے آزاد تھے لیکن میرے لیے اپنے جسم کو جنبش دینا ناممکن ہو گیا تھا۔

پھر میری دونوں ٹانگیں پوری طرح اس خول میں قید ہو گئیں۔ کھوپڑی کے سامنے بھی خول کا نصف حصّہ قبضے پر گھوم کر آ گیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس میں آنکھوں کے مقابل کھڑکی کٹی ہوئی تھی۔ ورنہ اس ہیبت ناک فولادی شکنجے میں تشدد کے بغیر بھی حالت غیر ہو سکتی تھی۔ اسی لمحے میرے داہنے گھٹنے میں سنسنی سی دوڑ گئی پھر جلد میں خارش ہونے لگی۔ میرے ہاتھ آزاد تھے لیکن ٹانگیں خول میں مقید تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ خول میں اتنی گنجائش تھی کہ میں نے اپنے داہنے گھٹنے کو آہنی خول کے اندرونی کھردرے حصّے میں آہستہ آہستہ رگڑ کر خارش کے احساس سے نجات حاصل کر لی۔

"اب تم زبان کھولنے تک اسی شکنجے میں قید رہو گے۔" ان میں سے ایک نے سرد اور لاپروایانہ لہجے میں کہا۔ "تشدد کی دوسری قسموں کے ساتھ اس شکنجے میں دیے جانے والے برقی جھٹکے اگر تمھارا دماغ درست نہ کر سکے تو پھر اس خول میں سرخ رنگ کے گوشت خور چیونٹے چھوڑ دیے جائیں گے۔ ان کے سامنے بڑے سے بڑا ڈھیٹ اور ضدی شخص بھی چند منٹ میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہم جا رہے ہیں لیکن امید کرتے ہیں کہ پوچھ گچھ کرنے والوں کی آمد سے پہلے تم فیصلہ کر سکو گے کہ شرافت سے راہِ راست پر آؤ گے یا پھر تشدد سہہ کر ہی باز آؤ گے۔"

میں کچھ نہ کہہ سکا بس اپنے وجود میں خوف کی ایک لہر سی محسوس کر کے رہ گیا اور وہ دونوں کوٹھری کا دروازہ بند کر کے واپس چلے گئے اور میں اس خوف آور ماحول میں تنہا رہ گیا۔

لائیڈز کاٹج میں میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، وہ میرے لیے نہ صرف خلافِ توقع بلکہ حیران کن تھا۔ ویرا لائیڈ میرے سامنے تنظیم کے ایک بااثر فرد کی صورت میں آئی تھی اور شوگر کوئین کے روپ میں بہتیروں پر راج کرتی تھی۔ اس نے مجھے لاہور آنے کی ہدایت کرتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ بلیو بیل کا کوڈ دیا تھا جسے سنتے ہی ڈی سوزا کو میرے ساتھ ہمدردانہ رویّہ اختیار کرنا چاہیے تھا لیکن لاہور میں قدم رکھتے ہی میرے ساتھ بدنصیبیوں کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلی خرابی تو یہ ہوئی کہ میں اپنی مرضی سے چل کر ایک آزاد شخص کی حیثیت سے لائیڈز کاٹج کے دروازے پر دستک دینے کے بجائے کاکا پہلوان کے چھوڑے ہوئے ایک ڈرائیور کا نشانہ بن گیا اور پھر ایک بے بس قیدی کے روپ میں لائیڈز کاٹج پہنچا دیا گیا جہاں ڈی سوزا موجود نہیں تھا اور اس کے جانشین نے بلیو بیل کا کوڈ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں ویرا لائیڈ کی بازی الٹ ہی نہ گئی ہو۔ اپنے بیان کے مطابق وہ تنظیم کے مقتدرِ اعلیٰ اور لائیڈز کاٹج کے نادیدہ مالک جمی لائیڈ کی اکلوتی ناجائز اولاد تھی۔ جمی لائیڈ خود اس کے وجود سے لاعلم تھا اور نہ ویرا نے کبھی اپنے باپ کو دیکھا یا اس کے بارے میں سنا تھا پھر اٹلی میں رونما ہونے والے چند بد ترین جرائم کے بارے میں جمی لائیڈ کا نام پہلی بار اخبارات میں آیا اور دب گیا لیکن ویرا اپنی ماں سے سن چکی تھی کہ اس کی ولادت جمی لائیڈ نامی شخص کی مرہونِ منت تھی اور اسی وجہ سے اس کی ماں نے ویرا کے نام کے ساتھ ولدیت کے اظہار میں لائیڈ کا نام لگایا تھا۔ ویرا لائیڈ نے اپنے باپ تک رسائی کی کوششیں شروع کر دیں اور اس پر انکشاف ہوا کہ اس کا باپ مجرموں کی ایک بہت بڑی تنظیم کا سربراہ ہے اور اس تک رسائی ناممکنات میں سے ہے۔ ان کوششوں میں ناکام ہو کر اس نے اپنے اصل نام کے ساتھ تنظیم میں شمولیت کی کوشش شروع کر دی اور کامیاب ہو گئی۔ اس مرحلے پر شاید اس کی کہانی اس کے باپ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی کیونکہ وہ تنظیم کے ہر رکن کے بارے میں ذاتی طور پر معلومات جمع کرنے کا عادی تھا۔ ویرا کی کہانی سے واقف ہو کر بھی اس سنگدل نے اپنی بیٹی سے ملنا گوارا نہ کیا بلکہ تنظیم کے ذمّے دار اراکین کے ذریعے اسے پیشکش کی کہ وہ جرائم کی گھناؤنی اور پُرخطر زندگی سے کنارہ کش رہے تو تنظیم کی جانب سے اس کی تمام تر مالی ضروریات پوری کی جاتی رہیں گی لیکن ویرا نے اس پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا پھر تنظیم میں ویرا کی کارکردگیوں پر گہری نظر رکھی جانے لگی اور وہ ہر مرحلے پر خود کو پیشہ ور مجرمہ ثابت کرتی رہی اور آخر کار اسے اہم ذمّے داریاں سونپی جانے لگیں۔ شاید اس کے باپ نے وراثت کے خیال سے تنظیم میں اس کی تربیت کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب وہ ایک ایسے منصب پر فائز تھی جو تنظیم کے صرف چند ہی بڑوں کو نصیب تھا۔ اس منصب کے اعتبار سے وہ ان چند لوگوں میں شامل ہو چکی تھی جو آزادانہ فیصلے کرنے پر قادر تھے اور یوں وہ نگر نگر گھومتی پاکستان آ پہنچی تھی جہاں لاہور میں پہلی بار ایک ایسی عمارت اس کی نگاہوں میں آئی جو براہِ راست اس کے باپ کے نام سے منسوب تھی جب کہ بیرونی دنیا میں کہیں لائیڈز خاندان کا نام منظرِ عام پر نہیں سنا گیا تھا۔

اسے اپنے باپ تک رسائی کی امید ہو چلی تھی کہ اچانک ہی ایک فرمان اس تک پہنچا دیا گیا۔ لائیڈز کاٹج اس کے لیے شجرِ ممنوعہ قرار دے دیا گیا۔ وہاں رہنے والے اس کے نام سے لرزتے تھے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے لیکن اسے کاٹج کے گرد و نواح میں بھی پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی پھر اس نے کسی طرح یہ معلوم کر لیا کہ لائیڈز کاٹج کے کسی مخصوص کمرے میں اس کے نادیدہ باپ کی ایک تصویر موجود ہے اور اس نے مجھ پر ہاتھ

ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ غزالہ کو اپنا قیدی بنا کر وہ مجھے مجبور کر چکی تھی کہ میں لائیڈز کاٹیج پہنچ کر۔۔۔۔۔۔ صفائی کے نگران کی جگہ حاصل کروں پھر اس تصویر تک رسائی حاصل کر کے جمی لائیڈ کے تصویری خدوخال ذہن نشین کروں تاکہ بعد میں ویرا کے ساتھ جمی لائیڈ کی تلاش اور شناخت کی مہم پر عالمی سفر پر نکل سکوں۔

ڈی سوزا کی یک بیک روپوشی اور اس کے جانشین کے جارحانہ رویّے سے مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ کہیں جمی لائیڈ کے نمک خواروں کو ویرا کے عزائم کی بھنک نہ مل گئی ہو اور انھوں نے ڈی سوزا کو غائب کر کے ویرا کا منصوبہ خاک میں ملانے کا فیصلہ نہ کر لیا ہو۔ اگر ایسا ہی ہوا تھا تو میرے لیے زندگی کے امکانات بہت محدود ہو کر رہ گئے تھے۔

میں ان ہی بھیانک خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک کوٹھری کا دروازہ کھلا اور مجھے ڈی سوزا کی جانشینی کا دعویدار کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر داخل ہوتا نظر آیا۔ اس بار وہ اکیلا ہی آیا تھا اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا اور میرے مقابل آ کر ناقدانہ نظروں سے میرا جائزہ لینے لگا۔

"تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ۔۔۔"

"شش۔۔۔" اس نے بزرگانہ انداز میں مجھے شُشکارا۔ "ہمارے وقت کی پروا نہ کرو، ہمیں تو تنخواہ ہی وقت کی بربادی کی ملتی ہے۔ معلومات حاصل نہ ہونے کی صورت میں تمھیں ہلاک کر دینا ہوگا' گولی سے مارنے میں مزہ نہیں آتا۔ فائر ہوا اور قصّہ ختم۔ اب ہاتھ لگ ہی گئے ہو تو ذرا سی چھیڑ چھاڑ بھی سہی۔۔ تشدد سہتے ہوئے مرنے میں ذرا وقت بھی لو گے پھر ہو سکتا ہے کہ کوئی بھولی بسری بات یاد آ جائے جو ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو سکے۔"

"یہ صریحاً درندگی ہے۔۔۔"

"بالکل درندگی ہے۔" اس نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے خبیثانہ لہجے میں کہا۔ "میں اس درندگی کی ابتدا چالیس وولٹ سے کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ ایک الیکٹریکل کنٹرول پینل کے قریب جا کھڑا ہوا۔ "ہر جھٹکے کے بعد تمھیں تین منٹ کا وقفہ دیا جائے گا تاکہ اپنے ذہن کو اچھی طرح کھنگال سکو۔ اس مدّت میں ایک سیکنڈ کی بھی کمی بیشی نہ ہوگی کیونکہ سرکٹ کے ساتھ ایک خودکار ٹائمر بھی منسلک ہے جو تین منٹ پورے ہوتے ہی بیس وولٹ کے اضافے کے ساتھ اگلا جھٹکا دے گا۔ میں تو بس آلات کو سیٹ کر کے دور کھڑا تماشا دیکھتا رہوں گا۔ بول پڑے تو سلسلہ موقوف کر دوں گا۔ ورنہ جھٹکے کھاتے کھاتے کسی بھی لمحے خاموشی سے مر جاؤ گے۔ یہ بھی بتا دوں کہ جس طرح پانی



میں سے برقی رو گزارنے سے وہ اپنے اجزا میں منقسم ہو جاتا ہے اسی طرح انسانی جسم میں سے کرنٹ گزرنے کی وجہ سے خون پھٹنے لگتا ہے۔ ہر جھٹکے کے ساتھ تمھارے جسم میں خون کی اور اسی کے ساتھ قوتِ مزاحمت کم ہوتی چلی جائے گی۔"

"لیکن میں کچھ نہیں جانتا۔ اس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے اپنے چہرے پر پسینے کی بوندیں محسوس کرتے ہوئے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "یہ تشدد بربریت ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے کنٹرول پینل سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "میں تو اس مشین ہی کے خلاف تھا لیکن اب یہ بن ہی گئی ہے تو وقتاً فوقتاً اس کی آزمائش بھی ضروری ہے۔ آزمائش میں ہم اپنے کسی آدمی کو نشانا نہیں بنا سکتے، تم آ گئے ہو تو ذرا مشین ہی آزما لی جائے۔" اس کا لہجہ بے رحمانہ اور استہزائیہ تھا۔ میں نے اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب کوئی معجزہ ہی مجھے اس ہولناک بے بسی کی موت سے بچا سکے گا۔

پھر وہ پینل سے دور ہٹ گیا۔ کمرے کی فضا میں سنّاٹا رچا ہوا تھا کہ اچانک میرے حلق سے غیر ارادی طور پر درپے کئی دردناک چیخیں آزاد ہو گئیں۔ شدید برقی جھٹکوں نے میرے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ چند ثانیوں بعد برقی رو کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن میرے وجود میں سرایت کر جانے والی لرزش مفقود نہ ہو سکی۔

"گڈ" وہ تحسین آمیز انداز میں کہہ رہا تھا۔ "مشین کام کر رہی ہے۔۔۔ اب دیکھنا ہے کہ تیسرے منٹ کام کرتی ہے یا بھول جاتی ہے۔ بیس بیس وولٹ کے اضافے اور تین تین منٹ کے وقفے سے یہ سلسلہ بتّیس منٹ جاری رہے گا۔ اگر واپڈا والوں کا حساب درست ہوا تو آخری وولٹیج دو سو بیس ہوگا اور اس وقت تک تمھاری۔۔۔"

وہ اچانک ہی خاموش ہو گیا اور دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا، جو قدرے آواز کے ساتھ کھل رہا تھا۔ اس فولادی ڈبے میں میرا رخ بھی دروازے کی طرف تھا۔ لہٰذا میں نے دیکھا اس بار وہی منحنی، دراز قامت شخص اندر داخل ہو رہا تھا جس سے اس عمارت میں پہلی بار میرا سامنا ہوا تھا۔

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر وہی مکارانہ مسکراہٹ ہوئی تھی اور چمکتی ہوئی نگاہیں میری طرف مرکوز تھیں۔ "خوب تو یہاں کھیل شروع ہو چکا ہے۔" اس کی چبھتی ہوئی استہزائیہ آواز گونجی پھر وہ ڈی سوزا کے جانشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مشین بند کر دو، اس کے ساتھ زیادتی ہو گئی ہے۔"

"کیوں؟" پہلے سے موجود شخص نے پینل کا ایک سوئچ آف کرتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"ڈی سوزا کا فون آیا ہے۔" اس وقت اس کی چبھتی ہوئی آواز میں مجھے بلا کی شیرینی گھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "جاتے ہوئے عجلت میں بتانا بھول گیا تھا۔ ورنہ اسے بلیو بیل کے کوڈ والے کا انتظار تھا، کھول دو اسے۔"

"غنیمت ہے کہ اسے یاد آ گیا۔ ورنہ یہاں تو میرے کریا کرم کا بندوبست ہو چکا تھا۔" میں نے کہا۔

"لیکن ایک شرط ہے میرے دوست!" دراز قامت نے میرے مقابل آ کر ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"اس منحوس شکنجے سے آزادی کے لیے مجھے ہر شرط منظور ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ساری غلطی ڈی سوزا کی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "لیکن تم اب تک ہونے والی ہر زیادتی کو بھول جاؤ گے۔ باہر کسی سے ذکر کیا تو تم ہماری دشمنی مول لے بیٹھو گے۔"

"تم فکر نہ کرو، میں غلط فہمیوں کو بھلا دینے کا عادی ہوں۔"

"ڈی سوزا سے بھی ذکر نہ کرنا۔" اس کے جانشین نے کہا۔

"یہ یاد رکھنا کہ لائیڈز کاٹیج سے ملحقہ باغات میں کیوڑے اور گلاب وغیرہ کے بے شمار درخت اور پودے ہیں جن میں متعدد سانپوں کا بسیرا ہے ان ہی میں کبھی کبھار زہریلے اور موذی سانپ بھی نکل آتے ہیں جو کسی کو بھی ڈس سکتے ہیں۔" آخری فقرے ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ بامعنی ہو گیا۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا۔ "تم سے مخاصمت مول لینے والا ایسے کسی سانپ کا نشانا بن سکتا ہے لیکن میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ مرنے کے بعد ایک خوف آور لاش کی صورت میں دریافت کیا جاؤں۔"

"خاصے ذہین نظر آتے ہو۔" دراز قامت، منحنی شخص کی وہی چبھتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس اثنا میں ڈی سوزا کا جانشین اس آہنی خول کے اگلے پٹ کھولنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا تھا تاکہ مجھے اس قید سے نجات دلا سکے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آ سکی۔" دراز قامت میرے سامنے آ کر اپنی چمکتی ہوئی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بولا۔ پھر قدرے توقف کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تم تو بری طرح عتاب میں آئے ہوئے تھے پھر ایسا کون سا انقلاب آ گیا کہ پل بھر میں تم ایک بار پھر منظورِ نظر ہو گئے ہو۔ ایسے واقعات خال خال ہی نظر آتے ہیں جنھیں آسانی کے ساتھ انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔"

"سزا اور جزا کے فیصلے صادر کرنے والے ہماری اور تمھاری طرح تنگ نظر نہیں ہوتے۔ وہ دور تک کے مفادات پر نگاہ رکھتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ میری کوئی افادیت ان کے پیشِ نظر رہی ہو۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ گو ویرا لائیڈ نے مجھے کھلی چھٹی دے دی تھی کہ میں جہاں ضرورت سمجھوں، اس کی طرف سے ملنے والی معافی کا ذکر کر سکتا ہوں لیکن میری دانست میں اس بات کی غیر ضروری تشہیر میرے حق میں مضر ثابت ہو سکتی تھی۔ ان دونوں کی کھلی کھلی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کے باہمی تعلقات بہت گہرے تھے اور انھوں نے لائیڈز کاٹیج کی منظم فضا میں بھی اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے ایک سازشی ماحول بنا رکھا تھا۔ ایسی صورت میں شاید وہ ہرگز یہ گوارا نہ کرتے کہ ان کے درمیان ان کے بڑوں کا کوئی منہ چڑھا اپنے پیر جما سکے۔ ہاں یہی بات اگر ان کو ڈی سوزا سے معلوم ہوتی تو اس کا ردِعمل خاصا مختلف ہوتا۔ کیونکہ ویرا مجھے آگاہ کر چکی تھی کہ تنظیمی خانہ پُری کے مقاصد کے لیے بظاہر مجھے سزا کے طور پر لائیڈز کاٹیج بھیجا گیا تھا تاکہ وہاں کڑی نگرانی میں میری وفاداری اور عمومی رویّے کی پڑتال کی جا سکے۔

"مقدر کے دھنی ہو کہ عین وقت پر نجات کا پیغام آ گیا ورنہ اس سیل میں آنے والے عموماً تابوت ہی میں واپس لے جائے جاتے ہیں۔" ڈی سوزا کے جانشین نے کہا۔ "ویسے یہاں کس لیے بھیجے گئے ہو؟" اس نے آخری پٹ کھولتے ہوئے کہا اور میں ایک گہرا سانس لے کر اس فولادی خول سے باہر آ گیا۔

"مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ مجھے ڈی سوزا کو رپورٹ کرنا تھی۔ ذمّے داریوں کا تعین شاید وہ خود ہی کرے گا ورنہ تم لوگوں کے حوالے کر دے گا۔"

ان دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا اور میں ان کے ہمراہ عقوبت کدے سے باہر آ گیا۔

"اب تک کا وقت تم نے کہاں گزارا ہے؟" تہ خانے کے وسیع و عریض ہال میں میرے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے دراز قامت شخص نے سوال کیا۔

"جہاں تم بتاؤ گے۔" میں نے اس کے لہجے سے اس کا مدّعا بھانپتے ہوئے کہا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ لوگ عجلت اور بے خبری میں کچھ ایسی حرکتوں کا ارتکاب کر بیٹھے تھے کہ خود تشویش کا شکار ہو گئے تھے۔

ان دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے

کی طرف دیکھا پھر منحنی شخص نے کہا۔" اس تہ خانے کا ذکر تمھاری زبان پر نہ آنا چاہیے۔ تم نے اپنا سارا وقت اسی کمرے میں گزارا ہے جہاں تم نے لڑکی کے ساتھ شراب نوشی کی تھی۔"

" لیکن تمھارے آدمی واقف ہیں۔۔۔" میں نے کہنا چاہا مگر اس لمبے آدمی نے میری بات کاٹ دی۔

" اپنے آدمیوں کو سنبھالنا میرا کام ہے۔۔۔ تم وہی کرو گے جو کہا جا رہا ہے۔" اس وقت لمبا آدمی یک بیک بالادست نظر آنے لگا تھا۔ ڈی سوزا کا جانشین اس کے سامنے دبا ہوا لگ رہا تھا۔

" آخر تم مجھے جھوٹ بولنے پر کیوں مجبور کر رہے ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے انھیں ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔" غلط فہمی کی بنا پر جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے خلوصِ دل سے تمھیں معاف کر دیا ہے۔"

" ابے کیوں لٹیا ڈبوئے گا ہماری۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔" ہمیں تیری فراخدلی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں ہر کام لگے بندھے اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ جو کہا جا رہا ہے، اس پر عمل نہ کیا تو بہت برا ہو گا۔"

میں ان کی کمزوری بھانپ کر چلتے چلتے رک گیا۔" اس سے تو بہتر ہو گا کہ واپس ٹارچر سیل میں چل کر مجھے اسی فولادی خول میں قید کر دو۔ اب مزید عذاب سہنا میرے بس سے باہر ہے۔"

" ابے دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تیرا؟" لمبا اشتعال کے عالم میں آنکھیں نکال کر غرایا۔

" نہ تم تنظیم میں نئے ہو اور نہ میں اناڑی۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔" میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اوپر والے ابھی تک میری طرف سے مطمئن نہیں ہیں اور لاہور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی میرے امتحان شروع ہو گئے ہیں۔ مجھے جھوٹ بولنے پر اُکسا کر تم مجھے کسی نئے جال میں پھانسنا چاہتے ہو تاکہ ذمّے داروں کو میری بدنیتی کا یقین دلا سکو۔"

" یہ سب تمھارے دماغ کا فتور ہے۔" ڈی سوزا کے جانشین نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔" ہم یہ سب تمھارے امتحان کے لیے نہیں بلکہ اپنی چمڑی بچانے کے لیے کر رہے ہیں، یقین کرو کہ ہمارے مشورے پر عمل کر کے تمھارا بال بھی بیکا نہ ہو گا۔"

" مجھے معلوم ہے۔" میں بے اعتبارانہ لہجے میں بولا۔" بال سلامت رہیں گے اور کھوپڑی بالوں سمیت اتار لی جائے گی۔ تمھارے یہ حربے مجھے ہرگز نہ بھٹکا سکیں گے۔"

" معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری کھوپڑی میں نرا بھس بھرا ہوا ہے۔" وہ زچ آ کر بولا۔" یقین نہیں آتا کہ کچھ عرصے پہلے تم نے اسی بل بوتے پر سر اٹھایا ہوا تھا۔۔ تمھیں گمراہ کر کے ہمیں کوئی انعام مل جائے گا؟ تم ہماری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

" مجبوری! اور تمھاری؟" میں استہزائیہ انداز میں ہنس...

" تم کیوں میرا مضحکہ اڑانے پر تل گئے ہو؟"

اس بار وہ دونوں ہی تقریباً ناچ اٹھے۔ دراز قامت ... گھما تان کر دانت پیستا ہوا میری طرف لپکا تھا لیکن ڈی سوزا کا جانشین ہم دونوں کے درمیان حائل ہو گیا اور غصّے سے ہانپتے ہوئے بولا۔" ذرا سی دیر توقف کرو۔ اسی سے پوچھ لیتے ہیں کہ اسے کس طرح ہماری بات پر یقین آ سکے گا؟"

" میں مان ہی نہیں سکتا کہ مجھ جیسے نووارد کے سامنے تمھاری بھی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔" میں دل ہی دل میں ان دونوں کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اشتعال انگیز لہجے میں بولا۔

" تو سنو۔" وہ غصّے اور بے بسی کے عالم میں مجھے گھورتے ہوئے غرایا۔" مجبوری یہ ہے کہ یہ تہ خانہ اور ٹارچر سیل لائیڈز کالج کے انتہائی خفیہ حصّے ہیں جن کے وجود سے گنتی کے چند لوگ واقف ہیں۔ سیل سے آج تک کوئی قیدی دوبارہ کھلا آسمان نہ دیکھ سکا۔ تم پہلے شخص ہو جو واپس جا رہے ہو۔ تمھیں اپنے سامنے بے دست و پا دیکھ کر ہم کچھ زیادہ ہی جوش میں آ گئے تھے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تمھیں معافی مل سکتی ہے۔ ارادہ یہ تھا کہ سیل میں تم سے تھوڑی سی بے رحمانہ بازپرس کے بعد اوپر والوں کو تمھاری قید کی اطلاع دیتے اور تم براہِ راست ان کی تحویل میں چلے جاتے۔"

" اوہ! اب سمجھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر ...

" اب تم ایک غیر متعلقہ آدمی کو تہ خانے کے راز میں شریک کرنے کا جرم کر بیٹھے ہو اور مجھے ساتھ ملا کر اس کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہو۔"

" خدا کا شکر ہے کہ تم کچھ تو سمجھے۔" وہ اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بے بسی کے عالم میں بولا۔

" اگر پہلے ہی وضاحت کر دیتے تو اتنی بحث نہ کرنا پڑتی۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔" میں تو خود پریشان ہو گیا تھا کہ تم لوگ میرے ساتھ کون سا کھیل کھیل رہے ہو۔ اب اس بارے میں میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکے گا۔"

پھر ہم تینوں زینوں کی طرف ہو لیے۔ دراز قامت ... رہ کر مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ ... اسے یہ احساس ستا رہا تھا کہ بھرپور بالادستی کے باوجود اسے بادلِ ...



ساتھی کو نہایت بے بسی کے ساتھ اپنی غفلت کا کھلا کھلا اعتراف کرنا پڑ گیا تھا اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دونوں کی اس کوتاہی کا انکشاف ان کی تباہی پر منتج ہو سکتا تھا لیکن انھیں کسی دشواری سے دوچار کرنا میرے حق میں کسی بھی طرح سودمند نہیں تھا۔ بصورتِ دیگر وہ کسی آڑے وقت میں میرے کام بھی آ سکتے تھے۔

* *

ڈی سوزا رات گئے لائیڈز کالج میں واپس لوٹا تھا اور آتے ہی اس نے میری طلبی کا حکم صادر کیا تھا۔ منحنی، دراز قامت اس کا حکم لے کر آیا تو خاصا سراسیمہ دکھائی دے رہا تھا لیکن اس سے قبل کہ میں زبان کھولتا، اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور میں بس زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔ شاید اس وقت بھی کمرے میں پوشیدہ مائیکروفون کے ذریعے کمرے میں ابھرنے والی ہر آواز کہیں سنی جا رہی تھی اور وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں میں بے تکلفی میں کوئی غیر ذمّے دارانہ موضوع نہ نکال بیٹھوں۔

" تمھیں میرے ساتھ چلنا ہے۔" میرے ردِّعمل سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

" چلو، میں بھی پڑے پڑے اکتا گیا ہوں۔ کہاں جانا ہے؟" میں نے کسلمندانہ لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

" ابھی پتا چل جائے گا۔" اس کا لہجہ بالکل خشک تھا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ میرے قریب ہو کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا تھا۔" اپنا وعدہ یاد رکھنا، بھول گئے تو بڑی دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔ اس وقت تم ڈی سوزا کے پاس لے جائے جا رہے ہو۔"

" تم فکر نہ کرو لیکن کم از کم اپنا نام تو بتا دو، شاید کبھی ضرورت پیش آ ہی جائے۔" میں نے بھی دھیمے لہجے میں کہا۔

" مجھے رحمانی کہتے ہیں لیکن غیر ضروری طور پر مجھ سے قریب ہونے کی کوشش نہ کرنا، یہ لائیڈز کالج ہے یہاں کسی بھی غلطی پر معافی کا رواج نہیں ہے۔" اس نے تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور مجھ سے دور ہو گیا۔

چند منٹ بعد مجھے ڈی سوزا کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ وہ خوش رو اور بظاہر شائستہ آدمی تھا۔ عمر پینتیس برس کے لگ بھگ رہی ہو گی، بناوٹ کے اعتبار سے اس کا جسم بہت مضبوط اور گٹھا ہوا نظر آتا تھا۔ اس کی چمک دار آنکھیں میرے سراپا کا جائزہ لینے میں مصروف رہیں اور لبوں سے دھیمی سی خلیقانہ آواز برآمد ہوئی۔" کہاں سے آئے ہو؟"

تنظیم میں اب تک مجھے وہ پہلا آدمی ملا تھا جو اس قدر نرم رو اور نرم گفتار تھا۔ وہ کسی بھی زاویے سے مجرم نہیں معلوم ہوتا تھا۔ انداز میں ایسا رکھ رکھاؤ پایا جاتا تھا جیسے کسی اعلیٰ سرکاری ادارے کا سربراہ ہو۔

" بلیو بیل!" شاید وہ میری اصلیت سے واقف ہو چکا تھا لیکن پھر بھی میں نے روایتی انداز میں کوڈ ہی سے پہل کرنا مناسب سمجھا۔" یہیں آنا چاہ رہا تھا لیکن ایئرپورٹ پر اترتے ہی دھر لیا گیا اور خود چل کر آنے کے بجائے یہیں پہنچا دیا گیا۔"

" بیٹھو۔" اس نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر لمبے آدمی سے مخاطب ہو گیا۔" تم جا سکتے ہو رحمانی!" دراز قامت مشینی انداز میں پلٹا اور نکاسی کی راہ سے نکلتا چلا گیا۔

" یہ کیا ہوا؟" اس نے میری پیشانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جذبات سے عاری سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

" جن لوگوں نے ایئرپورٹ پر گھیرا تھا، ان ہی سے تصادم میں چوٹ آ گئی۔" میں نے بھی لاپروایانہ لہجے میں جواب دیا۔" ذرا بھی اندازا ہوتا کہ وہ بھی مجھے یہیں لانا چاہتے ہیں تو سرے سے مزاحمت ہی نہ کرتا۔"

" یہاں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟" خلافِ توقع اس کا رویّہ بہت نرم اور شریفانہ تھا۔

" اسی حد تک کہ میرا کوڈ قبول نہیں کیا گیا۔ لوگوں کے تیور غیر دوستانہ تھے اور میں غالباً ایک کمرے میں قید کر دیا گیا تھا۔" اسے سامنے پا کر میرا دل شیر ہو گیا تھا۔ ورنہ اس دیسی عیسائی سے ملاقات ہونے سے پہلے تک میرے ذہن میں اس کی خاصی ناخوشگوار تصویر تشکیل پا چکی تھی جسے رحمانی اور اس کے ساتھی کے خوفزدہ رویّے سے تقویت ملی تھی۔

" اس عمارت کے اپنے ضابطے ہیں۔ تم اس کے اطراف میں بہت کچھ کرتے رہے لیکن اندر پہلی بار داخل ہوئے ہو۔" اس نے اسی دھیمے لہجے میں ماضی کے تلخ واقعات کا ذکر چھیڑا تو میرا دل اچھل کر یکبارگی حلق میں آ گیا۔

" ضابطوں کی پابندی کرتے رہو گے تو زندگی کو بہت سہل اور خوشگوار پاؤ گے۔" وہ کہہ رہا تھا۔" سرکشی کرنے والوں کے ساتھ میں بڑی بے رحمی سے پیش آتا ہوں۔ تمھارا ماضی داغدار ہے اس لیے تمھیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔"

" وہ۔۔۔ وہ میری بھول تھی۔" میں نے ہکلاتے ہوئے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔" مجھے دانستہ اس طرف متوجہ کرایا گیا تھا اور میں اس جال میں الجھ گیا ورنہ میں آج بھی۔۔۔"

" بس۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں میری بات کاٹ دی۔" صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو ہونا تھا وہ

ہوگیا۔ اوپر والوں نے تمھیں معاف کر دیا ہے تو مجھے جواب طلبی کا کوئی اختیار نہیں۔ بنیادی سبق شاید تمھیں بھی یاد ہوں گے حکم ملے تو دشمن کو دوست بنانا پڑ جاتا ہے اور اشارہ ہو جائے تو اپنوں کے لہو سے مٹی سیراب کرنا پڑتی ہے۔ یہی ڈسپلن تنظیم کو چلا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں ہر خلش کو اپنے ذہن سے جھٹک دو گے۔"

"یہاں میں کس کو جواب دہ ہوں گا؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔ میرا مدِمقابل اپنے نیچے تلے رویّے کی بنا پر مجھے بے حد سفاک اور بھیانک نظر آ رہا تھا۔

"اگر میں بھول نہیں رہا تو کراچی میں تم بی فور تھے۔ پوری مقامی ٹیم کے سربراہ۔ تمھاری سربراہی یہاں بھی قائم رہے گی لیکن اب تم لائیڈز کالج کی عمارات کی صفائی کرنے والے عملے کے نگراں ہو گے۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والی پچھلے دنوں اپنے تیسرے بچے کی ولادت کے دوران میں چل بسی تھی۔ وہ جگہ تم پُر کرو گے۔"

اس نے کوئی انکشاف نہیں کیا تھا۔ ویرا کراچی ہی میں مجھے اپنے کام کی نوعیت سے آگاہ کر چکی تھی لیکن ڈی سوزا نے دھیمے اور سپاٹ لہجے میں جس طرح مجھے سربراہی کے حوالے سے ایک حمل زدہ عورت کی جگہ لینے کی اطلاع دی تھی، اس پر میں دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گیا۔ وہ چاہتا تو میری پیش رو کی ہلاکت کا دردناک سبب بتائے بغیر بھی مجھے اپنی نئی ذمے داریوں سے آگاہ کر سکتا تھا لیکن اس طرح شاید ڈی سوزا نے مجھے اپنی بے بسی کا احساس دلانے کی دانستہ کوشش کی تھی۔

"میں پوچھ رہا تھا کہ میں براہِ راست کس کو جواب دہ ہوں گا؟" میں نے بظاہر اس کی بات کو اہمیت دیے بغیر اپنا سوال دُہرایا۔

"تمھارا رابطہ رحمانی کے ساتھ رہے گا۔ اس احاطے میں ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر چار عمارتیں موجود ہیں۔ چاہو تو صبح رحمانی کے ساتھ عمارتوں کا جائزہ لے سکتے ہو۔ ساری صفائی مشینوں سے کی جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ تمھیں ایک کام اور بھی سرانجام دینا ہوگا جس کے بارے میں تم کسی اور سے بات کیے بغیر براہِ راست مجھے رپورٹ دو گے۔"

"میں منتظر ہوں۔" طویل ہوتے ہوئے سکوت کے دوران میں نے تجسس کے زیرِ اثر اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"پچھلے چند ماہ سے لائیڈز کالج کے بعض مکین پُراسرار طور پر زہریلے سانپوں کا شکار ہونے لگے ہیں۔ تب مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آواز بہت دور کسی گہرے کنویں سے آئی۔ "شاید میں انھیں اتفاقی اموات ہی سمجھتا رہتا لیکن آخری دو کے اوپری دھڑ پر سانپوں کے کاٹنے کے نشان پائے گئے۔ ایک کو گردن پر اور دوسرے کو سینے پر ڈسا گیا تھا جب کہ ان میں سے کوئی بھی اتنا غیر محتاط نہیں تھا کہ باہر لان پر دراز ہونے کی جسارت کرتا۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ کوئی کالی بھیڑ ہمارے درمیان میں موجود ہے جو موقع پا کر اپنے شکار پر زہریلا سانپ اچھال دیتی ہے۔"

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ کیسا عجیب اتفاق تھا کہ کچھ دیر قبل ہی میں جس ہلاکت خیز راز سے واقف ہوا تھا، وہ ڈی سوزا کے لیے تشویش کا باعث بنا ہوا تھا۔ میرا دل چاہا کہ بلا تامّل اسے رحمانی اور اس کے شریک کار کی حرکتوں سے باخبر کر دوں لیکن میں نے سختی کے ساتھ اس خواہش کو دل ہی دل میں کچل دیا۔ میرے لیے وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے تھے اور یہ خوشی کی بات تھی کہ وہ درندے خود ہی ایک دوسرے کی قبریں کھودنے پر تُل گئے تھے۔ رحمانی کی راز داری برقرار رکھتے ہوئے میں اسے اپنے حق میں زیادہ بہتر بنا سکتا تھا۔

"میں پوری کوشش کروں گا کہ اس کالی بھیڑ کا سراغ لگا سکوں۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"یہ گفتگو صرف تمھاری ذات تک محدود رہے گی۔" اس کا لہجہ بالکل سپاٹ ہوگیا۔ "اس سے سرِمو بھی انحراف نہ ہونا چاہیے۔"

"میں شکایت کا کوئی موقع نہ دوں گا۔" میں نے سرجھکا کر آہستگی کے ساتھ کہا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک ڈھلا ہوا نقرئی ٹکڑا نکال کر میری طرف بڑھا دیا جو کسی گول سکّے سے مشابہ تھا۔ اس پر دونوں طرف اکلوتی ادھ کھلی آنکھ ڈھلی ہوئی تھی۔ اس گول سکّے میں ایک سوراخ کے ذریعے چند انچ لمبی زنجیر ملائی گئی تھی جس کے سرے پر ہُک لگا ہوا تھا۔

"یہ شناخت ہے کہ تم ہم میں سے ہو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے یہ تمغہ تمھارے ساتھ ہونا چاہیے۔ لائیڈز کالج کے محافظ تم سے کہیں بھی اور کسی بھی وقت شناخت طلب کر سکتے ہیں۔ اس پروانۂ راہداری کے بغیر تم مداخلت کار سمجھے جاؤ گے اور کوئی بھی محافظ اپنی صوابدید کے مطابق تمھیں گولی مارنے میں حق بجانب ہوگا۔ کبھی لائیڈز کالج سے باہر جانے کی اجازت ملی تو یہ تمغہ سیکیورٹی چیف کے پاس جمع کرانا ہوگا۔ رسید کے طور پر ایک روپے کے نوٹ کا نصف حصہ پھاڑ کر دے گا اور دوسرا خود رکھ لے گا۔ واپسی پر دونوں ٹکڑے ملا کر تمغہ تمھارے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"تم سے رابطے کی کیا صورت ہوگی؟"

"لائیڈز کالج میں چپّے چپّے پر انٹرکام نصب ہیں۔ تم کسی بھی انسٹرومنٹ پر تین صفر ڈائل کر کے براہِ راست مجھ سے بات کر سکو گے۔ انٹرکام کے پورے نظام کو میں بذاتِ خود مانیٹر کرتا ہوں لہٰذا تم بے خوف ہو کر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔"

"یہاں میرے لیے کوئی علاقہ ممنوعہ تو نہ ہوگا؟"

پہلی بار اس کی نگاہوں میں برہمی کے آثار نظر آئے اور وہ درشت نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "یہ خیال کیوں آیا تم کو؟ یہاں ممنوعہ علاقہ کیوں ہونے لگا؟"

"تم بھول رہے ہو کہ میں بھی اپنے یونٹ کا سربراہ رہا ہوں۔ میرے ہیڈکوارٹر میں کسی کو اس کمرے کی طرف پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی جہاں مواصلاتی آلات نصب تھے۔"

"اسے بھول جاؤ۔" وہ مسکرایا تو اس کے سفید دانتوں کی چمکتی ہوئی قطاریں بھیانک لگ رہی تھیں۔ "یہاں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا۔ بس یہ ایک نجی جاگیر ہے اور یہاں سختی کے ساتھ ایک ڈسپلن نافذ ہے۔ ضرورت کے تحت تم ہر جگہ جا سکتے ہو، بلاضرورت کھلے آسمان کے نیچے بھی نکلے تو باز پرس ہو سکتی ہے۔"

میں اندر ہی اندر کانپ کر رہ گیا۔ ضرورت کا فلسفہ بیان کر کے اس نے میرے کاندھوں پر بھاری ذمّے داری لاد دی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ تہ خانے اور عقوبت کدے کی طرف سے بالکل بے فکر تھا جیسے ان مقامات کو قطعی ناقابلِ رسائی تصور کرتا ہو۔

**

وہاں تک سارے معاملات حیرتناک خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹتے چلے گئے تھے۔ عارضی طور پر میرا قیام اسی کمرے میں رہا جہاں مجھے ابتدا میں رکھا گیا تھا۔ اگلی صبح رحمانی نے مجھ سے تعارف کرانے کے لیے صفائی کے عملے کے کم و بیش چالیس ارکین کو ایک دالان میں جمع کیا تو کم و بیش تمام ہی لڑکیوں اور عورتوں کے بشروں پر اس سے بیزاری کی علامات موجود تھیں۔ مرد بھی اس سے زیادہ خوش نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ پتا چلا کہ میری آمد تک رحمانی بذاتِ خود ان کے نگراں کے فرائض ادا کر رہا تھا اور اس حیثیت میں ان پر تصرفِ بےجا کا مرتکب بھی ہوتا رہا تھا۔ میری آمد کو ان سب ہی نے ایک خوشگوار تبدیلی کے طور پر قبول کیا اور رسمی تعارف کے بعد میرے اشارے پر وہ سب اپنے کاموں پر چلے گئے۔

پھر میرے لیے حیرانگی کا آغاز ہوا۔ باہر سے لائیڈز کالج کا طواف کرتے ہوئے اس عمارت کی شان و شوکت کا تصور کرنا ہی محال تھا۔ احاطے میں واقع چاروں عمارات اپنی اپنی جگہ ایک محل تھیں اور چپّے چپّے پر بھانت بھانت کے ملازمین کی فوج ظفر موج دندناتی پھر رہی تھی۔ سبز وردیوں میں ملبوس مسلح محافظ بھی جا بجا مامور تھے۔ اس شان و شوکت کو دیکھ کر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ سمجھ میں نہ آ سکا کہ جمی لائیڈ نے وہ سارا کھڑاگ کس لیے پھیلایا ہوا تھا جب کہ لائیڈز کالج تنظیم کی غیر قانونی مصروفیات سے بڑی حد تک الگ تھلگ تھا اور ڈی سوزا کے بیان کے مطابق وہاں کوئی غیر قانونی کام بھی نہیں ہو رہا تھا۔

ویرا لائیڈ نے اپنے مخصوص مفاد کے تحت لائیڈز کالج میں مجھے ایک ایسی ذمّے داری دلوائی تھی جس کی انجام دہی کے سلسلے میں مجھے نقل و حرکت کی پوری آزادی حاصل تھی لہٰذا اس پُرہول آسیبی قلعے میں میرا پہلا دن بھاگ دوڑ میں گزرا۔ اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنے کے لیے میں نے صفائی کے عملے پر بھی کڑی نگاہ رکھی جس کے نتیجے میں صفائی کے معیار میں قدرے اضافہ ہوگیا تھا۔

ویرا لائیڈ کی زبان سے تصویر کی تلاش کا ذکر سننے کے بعد مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں کس قدر پیچیدہ نوعیت کا کام مول لے بیٹھا تھا لیکن لائیڈز کالج کے حدودِ اربعہ سے واقف ہونے کے بعد یہ ضروری ہوگیا تھا کہ مطلوبہ تصویر کے سلسلے میں سب سے پہلے ان چار میں سے ایک عمارت کا تعین کیا جائے اسی کے بعد تلاش کی مہم بارآور ثابت ہو سکتی تھی۔

رحمانی کے لیے اپنے عملے کی عورتوں اور لڑکیوں کی نازبھری ناپسندیدگی کے اظہار نے مجھ پر لائیڈز کالج کی زندگی کا وہ گوشہ بھی بے نقاب کر دیا تھا کہ ہر بالادست کو اپنے زیرِ دستوں پر مکمل تصرف کا حق حاصل تھا اور میرا اندازہ تھا کہ اس آزادی کو بروئے کار لا کر شاید میں کامیابی کی راہ مختصر کر سکوں گا۔

دیکھا جائے تو لائیڈز کالج میں افرادی قوت کو بہت بھرپور انداز میں استعمال کیا جا رہا تھا۔ صبح سویرے صفائی کے عملے میں چالیس اراکین کو دیکھ کر میں خاصا حیران ہوا تھا کیونکہ وہ تعداد شاید میونسپلٹی کے حقیقی عملے کے کم و بیش برابر ہی تھی لیکن پھر پتا چلا کہ وہ سب صرف تین گھنٹے کے لیے صبح سویرے یکجا ہوتے تھے پھر ان کی بڑی تعداد کالج کے دوسرے کاموں میں مصروف ہو جاتی تھی جس میں دو کُل وقتی مالیوں کی اعانت سے کچن بلکہ میس کے کام تک شامل تھے اور صفائی پر صرف چار افراد رہ جاتے تھے جن میں جنس کے اعتبار سے مکمل توازن

پایا جاتا تھا اور ان ہی میں ایک رخسانہ بھی تھی جو مجھے اپنے مقاصد کے لیے کارآمد نظر آتی تھی اور میں نے دن کا بیشتر حصّہ اسی کے قرب و جوار میں منڈلاتے ہوئے گزارا تھا۔

کام کے اختتام پر شام کو ایک راہداری میں نجانے کہاں سے رحمانی آنکلا۔ مجھ سے سامنا ہوتے ہی اس نے دوستانہ انداز میں بائیں آنکھ دبائی تھی پھر مجھے اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔

" دن کیسا گزرا تمھارا؟" مجھے اپنے کمرے میں لے جاتے ہوئے اس نے یوں سوال کیا تھا جیسے میری اور اس کی پرانی شناسائی رہی ہو۔

" ٹھیک ہی گزرا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ مجھے بھنگیوں کی فوج کا کمانڈر مقرر کر دیا گیا ہے لیکن مشینی آلات کی موجودگی میں یہ سب خاصا خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اس کے آراستہ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

" ڈی سوزا کے ساتھ ملاقات کیسی رہی؟" اس کے لہجے میں چھبن یوں برقرار تھی جیسے اس پر قابو پانا خود اس کے بس سے باہر ہو۔

" ٹھیک ہی رہی۔" میں نے متجسسانہ انداز میں کمرے میں نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم اس کمرے میں محفوظ ہیں؟"

" کیوں؟" اس نے متحیّرانہ لہجے میں سوال کر ڈالا پھر فوراً ہی میرا مقصد سمجھ گیا۔ "ہاں... ہاں۔ تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔ یہاں کمروں کو بگ کرنا میری ہی ذمّے داری ہے، اس کمرے میں کچھ نہیں ہے۔"

" ایک تشویشناک بات سامنے آئی ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شوشا چھوڑا۔ "تمھارے دوسرے ساتھی کا نام کیا ہے؟"

" انعام۔ تم کس تشویشناک بات کا ذکر کر رہے تھے؟" میرے انداز پر وہ اپنے تجسّس پر قابو نہ رکھ سکا۔

" اسے بھی بلا لیتے تو بہتر ہوتا۔" میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ لائیڈز کالج میں تم دونوں نے بالا ہی بالا نچلے عملے پر اپنی دھونس قائم کی ہوئی ہے۔"

" کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، اختیارات کے باعث سب ویسے ہی خوف کھاتے ہیں۔" اس نے آسودہ اور پُراطمینان لہجے میں کہا۔ "لیکن ان سب باتوں سے تمھیں کیوں دلچسپی پیدا ہوگئی ہے؟"

" میرے عملے کی کچھ لڑکیاں تم دونوں سے خاص طور پر بدظن نظر آ رہی تھیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

وہ ڈھٹائی کے ساتھ ہنس دیا۔ "سیدھی طرح کام نہ نکلے تو ٹیڑھی انگلیوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ پیار سا ان میں کوئی بھی نہیں ہے... بس شکایت کی نوبت نہیں آنی چاہیے لیکن تم نے ابھی تک میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

" تمھارا خیال ہے کہ یہاں اپنے مخالفین کو زہریلے سانپوں سے ڈسوا کر تم ہر طرح کے شبہات سے بالاتر ہو؟" میرے الفاظ پر اس کے چہرے پر الجھن کے آثار ابھر آئے اور وہ یوں میری طرف دیکھتا رہا جیسے میرے آگے بولنے کا منتظر ہو۔

" لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ میں صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ اس احاطے میں تم دونوں میرے سب سے پہلے دوست ہو اور میں تمھیں مشکلات سے دوچار ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔"

" یہ تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" میرے انکشاف پر اس کی ہر دم روشن رہنے والی آنکھیں بجھ سی گئی تھیں۔ "ہم نے تو اس بارے میں یہاں ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ ڈی سوزا نے تو آخری لاش کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔"

" ڈی سوزا کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟"

" بہت سخت اور ضدی طبیعت کا مالک ہے لیکن ہم دونوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتا ہے۔"

" یہ تم مجھ سے بہتر جانتے ہوگے کہ آخری دو اموات کن حالات میں رونما ہوئی تھیں؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اتفاقی حادثے کی صورت میں زہریلا سانپ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرتا۔ بہت زیادہ سے زیادہ پنڈلی کے کسی حصّے پر ڈس لیتا ہے۔ جب کہ آخری دونوں شکار بدن کے اوپری حصّے پر ڈسے گئے تھے۔ یہ فرض کرنا حماقت سے کم نہ ہوگا کہ سانپ ان کے لباس پر چڑھ گئے اور انھیں آخری لمحے تک اس افتاد کا علم نہ ہو سکا۔"

" اوہ۔" اس کی آنکھیں پُرخیال انداز میں سکڑتی چلی گئیں۔

" تو یہ کہو کہ تمھیں باہر سے تحقیقات کے لیے بلایا گیا ہے۔ شاید تمھارے بارے میں ڈی سوزا نے دانستہ انعام کو لاعلم رکھنے کی کوشش کی تھی تاکہ تمھاری آمد کی خبر کو کوئی اہمیت نہ مل سکے۔ اگر وہ باہر کسی کام میں نہ پھنس جاتا تو شاید ہمیں کئی دن تک تمھاری اصلیت کا علم نہ ہو پاتا۔"

وہ خود ہی ایک غلط فہمی کا شکار ہو رہا تھا جو میرے حق میں سودمند تھی لہٰذا میں نے اس کی تصحیح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی' بس معنی خیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

" اور انعام تمھیں آٹرن کیمپ کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔" پہلی بار اس کی آواز سے ہلکا سا خوف مترشح ہو رہا تھا۔ "ہم سے اس بارے میں ڈی سوزا نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔"

" میں نے خطرات سے واقف ہونے کے باوجود تمھارے سامنے زبان کھولی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ خود کو محفوظ رکھنے کے لیے تم مجھے بھی اپنی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر سکتے ہو۔"

" یہ تو صریحاً خودکشی ہوگی۔" وہ بلاتوقف بول پڑا۔ "تمھاری موت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گی کہ وہ اموات اتفاقی نہیں تھیں اور ان میں ملوّث لوگ تحقیقات کو روکنا چاہتے ہیں۔ اس طرح معاملات سلجھنے کے بجائے اور الجھ جائیں گے کسی اور کو بھی بلایا جا سکتا ہے جو ہمارے لیے اجنبی ہوگا۔ کم از کم تم سے معلومات تو ملتی رہیں گی، پھر تم اپنی رپورٹ میں ہمارے مشوروں کو بھی شامل کر سکتے ہو اس لیے یہ تو بھول ہی جاؤ کہ تمھیں ہماری طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

" لیکن یہ ہوا کیسے؟" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے سوال کیا۔ "سانپ سے تو جسم کے کسی بھی حصّے پر ڈسوایا جا سکتا تھا پھر ایسی بے احتیاطی کیوں سرزد ہوئی؟"

" اس معاملے میں ہم نے کسی تیسرے فرد کو شامل نہیں کیا تھا۔ دو شکار بالکل ٹھیک کیے گئے تھے آخری دو انعام پر چھوڑے گئے تھے۔ اس نے دونوں ہی بار چھپ کر اپنے شکاروں پر سانپ پھینکے تھے بس اندازے کی غلطی یا بدنصیبی کہ وہ جسم کے جس حصّے پر گرے، انھوں نے وہیں ڈس لیا۔ یہاں سازش کے امکانات کو مسترد کرتے ہوئے ناپسندیدہ اور باغی افراد کو راستے سے ہٹانے کی بس یہی ایک صورت ہو سکتی تھی لیکن انعام کی حماقت نے کھیل بگاڑ دیا۔ آخری موت کے بعد ڈی سوزا نے غروبِ آفتاب کے بعد یہاں کے عملے پر لان پر نکلنے کی ممانعت کر دی ہے کیونکہ یونٹ کا چیف ہونے کے سبب جانی اتلاف کی ذمّے داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔"

" مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟" میں نے اسی پر ذمّے داری ڈالتے ہوئے سوال کیا۔ "اگر میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر کے واپس لوٹ گیا تو کوئی دوسرا آئے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے طور پر بہت کچھ معلوم کر لے۔ یہاں رہنے والے تم دونوں کے خوف سے اپنی زبانیں نہ کھولیں تو اور بات ہے ورنہ کم و بیش ہر ایک ہی اس حقیقت سے واقف رہا ہوگا کہ تم دونوں سے مخاصمت مول لینے والے پُراسرار طور پر زہریلے سانپوں کا نشانا بن جاتے ہیں۔"

" کیا یہ ممکن نہیں کہ ان اموات کو اتفاقی قرار دیا جا سکے؟" اس نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ سبزے پر لیٹے ہوئے ہوں اور سانپوں کا نشانا بن گئے ہوں۔"

" یہ اسی وقت ممکن تھا جب مجھے ان کی موت کے اسباب کی تفتیش پر مامور کیا جاتا۔" میں نے یہ جواب دیتے ہوئے واقعی اپنے وجود میں سراغ رسانی کی لہر سی سرایت کرتی ہوئی محسوس کی۔ "اسباب متعین کیے جا چکے ہیں اور مجھے بہت محدود کام دیا گیا ہے کہ ان واقعات کے ذمّے داروں کا پتا چلاؤں۔ لیٹنے اور بیٹھنے کے چکر میں پڑ کر میں خود مشکوک بن سکتا ہوں۔"

وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوگیا۔

" اس معاملے کو دبانے کی بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے کہا اور وہ پوری طرح میری طرف متوجہ ہوگیا۔ "یہاں جو کچھ ہوتا رہا، وہ فی الحال ڈی سوزا کی ذات تک محدود ہے کیونکہ یونٹ کا سربراہ مقامی معاملات پر اوپر والوں کو رپورٹ دینے کا پابند نہیں ہوتا۔ پھر وہ ثبوت کے بغیر ویسے بھی اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ ان حالات میں اگر لائیڈز کالج سے متعلق ایسے امور میرے علم میں آسکیں جو ڈی سوزا کی بھی دسترس سے باہر ہوں تو ان کے حوالے سے میں ایک کہانی تراش سکتا ہوں۔ ڈی سوزا کو یہ بتایا جا سکتا ہے کہ اس کے عملے میں اوپر والوں کا کوئی ہرکارہ موجود ہے جو ان کے ایما پر کارروائیاں کرتا رہا ہے لہٰذا اسے اس بارے میں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان واقعات سے چشم پوشی ہی اس کے حق میں بہتر رہے گی۔"

" یہ کہانی تو تم ہر وقت سنا سکتے ہو۔" میری تجویز پر اس کے چہرے پر بشاشت کی لہر دوڑ گئی۔

" ڈی سوزا عقل سے عاری نہیں ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "وہ یہ جاننا چاہے گا کہ میں نے یہ نتائج کیسے اخذ کیے ہیں۔ اگر مجھے یہاں کے بعض خفیہ معاملات کا علم ہو جائے تو میں ان کے حوالے سے اسے قائل کر سکوں گا۔ اسے میری اور تمھاری مفاہمت کا علم نہیں ہے۔ لہٰذا وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ وہ باتیں مجھے کیسے معلوم ہوئیں اور واحد منطقی نتیجہ یہی اخذ کرے گا کہ میں نے اس کام میں محنت کی ہے جس کے نتیجے میں ان امور پر معلومات حاصل کر سکا ہوں۔"

" میں انعام سے مشورہ کروں گا۔" وہ دھیمی، پُرخیال آواز میں بولا۔ "تمھاری تجویز تو معقول اور قابلِ عمل نظر آتی ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کن باتوں کا سہارا لوگے۔ ڈی سوزا تو عملاً یہاں کی ہر بات سے باخبر رہتا ہے۔"

" تہ خانے اور تارپیڈو سیل کا وجود بہت کم لوگوں کے علم میں

ہے، ہوسکتا ہے کہ بعض مقامات پر ڈی سوزا کی رسائی بھی نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض طے شدہ اوقات میں اسے کسی جگہ سے دور رکھا جاتا ہو۔ ایسی بہت سی باتیں ہوسکتی ہیں جن کی نشان دہی کے لیے تمھیں اور انعام کو ذہن پر زور دینا پڑے گا اور اسی پر میری رپورٹ کا دار و مدار ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، میں ابھی اس سے مل بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "کسی نتیجے پر پہنچتے ہی میں خود تم سے رجوع کروں گا لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمھارا کمرا بہت مخدوش ہے۔ وہاں لیے جانے والے سانسوں کی آوازیں بھی دوسری جگہ سنی جاتی ہیں۔"

پھر وہ مجھے ساتھ لیے کمرے سے باہر آگیا اور میں تیزی کے ساتھ مڑ کر بظاہر اپنے کمرے کی طرف ہولیا لیکن فی الحقیقت اس وقت میں رخسانہ کو تلاش کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے ساتھ وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ کچھ معلومات بھی حاصل کی جاسکیں۔ یہ میرا تجربہ تھا کہ بعض اوقات نچلے درجے کے لوگوں سے ایسی اہم معلومات حاصل ہوجاتی ہیں جو ذمے دار لوگ عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس بارے میں رحمانی مجھے بتا ہی چکا تھا کہ باہمی رضامندی اور شکایت نہ ہونے کی صورت میں اوپر والوں کی طرف سے تعرض کا کوئی امکان نہیں تھا۔

میرے کمرے میں بھانت بھانت کی بوتلوں سے بھرا ہوا کیبنٹ دیگر لوازمات کے ساتھ موجود تھا اور اس بارے میں مجھے کوئی امتناعی حکم بھی نہیں ملا تھا۔ لہٰذا میں نے اپنے کمرے میں پہنچ کر سب سے پہلے ولایتی جن کا ایک بڑا گلاس تیار کیا اور مناسب رفتار سے اسے معدے میں منتقل کرکے دوبارہ باہر نکل آیا۔ اس بار میرا رخ عقبی حصے میں بنے ہوئے ان مکانات کی طرف تھا جہاں ماتحت عملے کی رہائش تھی۔

❀✿

لاہور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی مجھے جن حوصلہ شکن حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا، ان سے موازنہ کرتے ہوئے میں نے مختصر سی مدت میں نہ صرف بہتر مقام حاصل کرلیا تھا بلکہ کامیابی کا راستہ بھی استوار ہوتا نظر آرہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھوں قید، کاکا پہلوان سے ٹکراؤ، لائیڈز کالج میں ویرا کے دیے ہوئے کوڈ کا تسلیم نہ کیا جانا، انعام کے ساتھی سے خونریز ہاتھا پائی پھر ٹارچر سیل میں انعام کے ہاتھوں برقی جھٹکوں کا آغاز بظاہر بدنصیبی اور مکمل ناکامی کی نشاندہی کر رہا تھا لیکن اچانک ہی ڈی سوزا کی مداخلت پر حالات نے کروٹ لی اور میری شناخت تسلیم کرلی گئی۔ دوسری طرف ڈی سوزا نے سانپوں کا شکار ہونے والوں کے بارے میں جو بات سرسری انداز میں کی تھی، میں نے حالات کے پیشِ نظر اسے دوسرا ہی رنگ دے دیا تھا اور اب مجھے لائیڈز کالج میں ڈی سوزا کی باضابطہ حمایت کے ساتھ انعام اور رحمانی کی پوشیدہ ہمدردیاں بھی حاصل ہوگئی تھیں۔ ان واقعات میں میری کسی کوشش سے زیادہ مقدر کا دخل تھا۔ اگر انعام ابتدا میں مجھے تنظیم کا باغی قیدی تصور کرتے ہوئے جارحانہ رویّہ اختیار نہ کرتا تو میرے لیے بعد کے واقعات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا ممکن نہ ہوپاتا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ میرے لیے اوپر سے سزائے موت کا پروانہ ہی جاری ہوگا اور میں ٹارچر سیل سے زندہ واپس نہ لوٹ سکوں گا لہٰذا وہ کسی اندیشے کے بغیر مجھے وہاں لے گیا لیکن بعد میں میری زبان بند رکھنے کے لیے ان دونوں کو ایسی باتیں بھی دہرانا پڑیں کہ میرے ساتھ ان کے مفادات کسی حد تک مشترک ہوگئے تھے۔

اس بارے میں میرے ذہن میں ایک موہوم سا خاکہ ترتیب پاچکا تھا۔ اگر کسی مرحلے پر ڈی سوزا مجھ سے آنکھیں بدلتا تو میں انعام اور رحمانی کو بھڑکا سکتا تھا کہ ان کی حمایت کی پاداش میں مجھے زیرِ عتاب لایا جا رہا تھا اور وہ دونوں لائیڈز کالج میں خاصے طاقتور نظر آتے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ایسی کسی بھی صورتِ حال میں لائیڈز کالج میں باہمی تصادم بلکہ بغاوت کی آگ بآسانی بھڑکائی جاسکتی تھی۔

ویرا نے غزالہ کو یرغمال بنا کر مجھے جمی لائیڈ کی تصویر کی تلاش کے لیے لائیڈز کالج بھیجا تھا لیکن میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ تنظیم کی غیر قانونی سرگرمیوں میں اس عمارت اور اس کے مکینوں کا کیا کردار تھا کیونکہ ابھی تک ٹارچر سیل کے علاوہ کوئی اور قابلِ ذکر غیر قانونی بات میرے علم میں نہیں آسکی تھی۔

البتہ رخسانہ حسبِ توقع میرے لیے کار آمد ثابت ہوئی تھی۔ وہ متوسط قامت اور گوری رنگت کے ساتھ دلکش خدوخال کی مالک تھی۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ تھی اور پچھلے دس ماہ سے وہاں کام کر رہی تھی۔ اپنی ذات سے آگے اس پر کوئی ذمے داری عائد نہیں تھی لہٰذا دو ہزار روپے ماہوار اس کے لیے معقول آمدنی تھی جس میں سے خورد و نوش کے اخراجات منہا کرکے اسے ہر ماہ چودہ پندرہ سو روپے مل ہی جاتے تھے۔ اپنے فطری تقاضوں اور لاابالی پن کی بنا پر اس نے لائیڈز کالج کے ایک پرانے ملازم سے دوستی استوار کی ہوئی تھی لیکن کبھی کبھار اسے رحمانی کی چیرہ دستیاں بھی سہنا پڑجاتی تھیں کیونکہ اس کے ایک اشارے پر کسی کو بھی کالج کی ملازمت سے برطرف کیا جاسکتا تھا اور ان میں سے کوئی بھی اس لگی لگائی معقول روزی سے ہاتھ دھونا پسند نہیں کرتا تھا۔

رحمانی کے برعکس میرا شائستہ رویّہ اس کے لیے خوشگوار حیرت کا باعث بنا تھا۔ مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ ایسے میل جول پر ڈی سوزا عموماً چشم پوشی سے کام لیتا تھا لہٰذا اپنے کمرے میں میں رخسانہ سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے اسے بہلا پھسلا کر شراب نوشی کراتا رہا پھر ڈیڑھ پیگ اس کے معدے میں اترنے کے بعد جب وہ ابکائی لینے والے انداز میں برے برے منہ بنانے لگی تو میں نے ساز و سامان سمیٹ دیا کہ پُرنشاط اور ماحول میں کچھ وقت گزار کر میں اس کے ہمراہ کھلے آسمان کے نیچے آیا تو میں نے مطلب کی گفتگو چھیڑ دی۔ وہ یوں تو خاصی ذہین اور ہوشیار تھی لیکن بنتِ عنب نے اس کے ذہن کو ماؤف کرکے رکھ دیا تھا لہٰذا وہ سرور کے عالم میں سب کچھ ہی بتاتی چلی گئی۔ اس کی معلومات کا ذریعہ لائیڈز کالج کا وہ پرانا ملازم تھا جو ابتدا ہی سے اس کا گرویدہ تھا۔

اس کے بیان کے مطابق احاطے میں بنی ہوئی چار میں سے تین عمارات میں آمد و رفت پر کوئی پابندی نہیں تھی، بس وہاں کے گنے چنے رہائشی کمروں میں رہنے والوں کی خلوت اور آسائش کا خیال رکھنا ہوتا تھا لیکن جنوبی سرے پر عقبی دیوار کے قریب بنی ہوئی عمارت میں بیرونی ہال سے آگے کسی کی رسائی نہیں تھی۔ بیرونی ہال سے اندر جانے والا دروازہ عام طور پر مقفل ہی رہتا تھا اور جب بھی وہ کھولا جاتا تو لائیڈز کالج میں کچھ نامانوس مقامی اور غیر ملکی چہرے نظر آنے لگتے تھے جو پُراسرار طور پر اس عمارت میں وارد ہوتے تھے اور وہیں قیام بھی کرتے تھے، ان کے غائب ہوتے ہی بیرونی ہال کا دروازہ اگلے مہمانوں کی آمد تک کے لیے دوبارہ مقفل ہوجاتا تھا۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ مہمان اس عمارت میں کہاں سے آتے تھے اور پھر کس راہ سے چلے جاتے تھے یا عمارت کے اس متروک حصے کی صفائی کے کیا انتظامات تھے۔ لائیڈز کالج کے مکینوں میں وہ عمارت نمبر تین کے نام سے پہچانی جاتی تھی اور کم و بیش سارے ہی ملازمین میں بھی اس کے بارے میں تجسس پایا جاتا تھا۔

اس کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ صبح کو اپنے معمولات کے جائزے میں جب میں اس عمارت کی طرف گیا تھا تو عقبی حصے کی مخصوص ساخت کی بنا پر اسے نظر انداز کر گیا تھا۔ اس ہال سے آگے جو کچھ بھی رہا ہو اس کی ساخت غیر معمولی تھی۔ بیرونی دیواریں بالکل سپاٹ اور سیدھی تھیں جن پر دروازہ، کھڑکی یا روشندان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بادی النظر میں وہ تعمیر کسی پختہ گودام کا تصوّر اجاگر کرتی تھی لیکن رخسانہ کے بیان کی روشنی میں نمبر تین کی اہمیت بہت بڑھ جاتی تھی۔ اگر وہاں آنے جانے والے مہمان لائیڈز کالج کے عملے کی نگاہوں میں آئے بغیر وارد اور روپوش ہوتے تھے تو نمبر تین میں بیرونی رابطے کے لیے یقینی طور پر کوئی خفیہ راستہ موجود تھا اور اس خفیہ راستے کا تعلق اس تہ خانے سے بھی ہوسکتا تھا جہاں ٹارچر سیل واقع تھا۔ اس طرح تہ خانے میں دفتری نظام کی موجودگی کا عقدہ بھی کھل جاتا تھا کہ شاید وہ ان ہی لوگوں کے تصرّف میں رہتا ہو جن کی رسائی نمبر تین تک ہوسکتی تھی۔

میں ان سب باتوں پر جس قدر غور کرتا رہا، یہی امکان ذہن میں تقویت پکڑتا رہا کہ لائیڈز کالج کی ساری ظاہری شان و شوکت نمبر تین کو آڑ فراہم کرنے کے لیے تھی جہاں تنظیم سے متعلقہ اہم امور انجام دیے جاتے تھے اور اگر ویرا کے بیان کے ...... مطابق اس کے باپ کی تصویر کہیں موجود تھی تو اس کا ٹھکانا بھی نمبر تین ہی میں ہوسکتا تھا۔

دوسرے دن سورج غروب ہونے تک، پوری کوشش کے باوجود رحمانی سے کہیں مڈبھیڑ نہ ہوسکی پھر میں اپنے کمرے کی طرف لوٹ ہی رہا تھا کہ راستے میں ایک مسلح محافظ نے مجھے روک لیا۔

"شناخت!" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے کہا اور میں نے بلاجھجک نقرئی تمغہ نکال کر اس کی بڑھی ہوئی ہتھیلی پر رکھ دیا جو اس نے سرسری جائزے کے بعد میری طرف لوٹا دیا۔ "نام کیا ہے تمھارا؟" یہ اس کا اگلا سوال تھا۔

میرا نام سن کر اس نے مجھے بتایا کہ نمبر ایک میں ڈی سوزا اپنے دفتر میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ میرے لیے وہ بلاوا اتنا دقت ضرور تھا لیکن غیر متوقع نہیں تھا لہٰذا میں راستے ہی میں سے سیدھا عمارت نمبر ایک کی طرف چل دیا جو لائیڈز کالج کے قلعہ نما آہنی پھاٹک کے قریب واقع تھی۔ وہاں ڈی سوزا اپنے پُرشکوہ دفتر میں کاغذات میں الجھا ہوا تھا۔

"بیٹھ جاؤ!" میرے پہنچتے ہی اس نے سپاٹ اور دھیمے لہجے میں کہا اور میں نے میز کے مقابل کرسی سنبھال لی۔ "تمھاری پیشانی کا زخم کیسا ہے؟"

"ٹھیک ہے، ذرا سطحی سی چوٹ آگئی تھی۔" میں نے اس کے ہمدردانہ رویّے پر خوشگوار حیرت کے ساتھ کہا۔

"سانپوں والے معاملے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے؟" اس نے پنسل کے سرے سے میز کی سطح بجاتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی کام شروع نہیں کر سکا۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "خسانہ نامی ایک لڑکی سے پچھلی رات بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بالکل ہی لاعلم ثابت ہوئی۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔ "اسی طرح شراب پلا کر دھندلی روشنیوں میں لڑکیوں سے پوچھ گچھ کرتے رہے تو ساری عمر بھی کچھ معلوم نہ کر سکو گے۔ تفریحات کو میں کام پر اثر انداز ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اگر کل رات تفریح کا موڈ تھا تو اس میں کام کا بہانا بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ... اس کے علاوہ اور کس سے ملے تھے؟"

"کسی سے نہیں۔" میں روا روی میں کہہ گیا لیکن اس کے بدلتے ہوئے تیور دیکھتے ہی مجھے فوراً وضاحت کرنا پڑ گئی۔ "بس واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے رحمانی مل گیا تھا۔ اس کے ساتھ کمرے تک چلا گیا تھا۔"

"ہوں۔" اس کے حلق سے غراہٹ ابھری۔ "یہ یاد رکھنا کہ مجھے یہاں بیٹھ کر ہر آدمی کی پل پل کی خبر رہتی ہے اور میں جھوٹ کو برداشت کرنے کا عادی نہیں۔ اس سے سانپوں والے معاملے پر کیا بات ہوئی تھی؟"

"اس سے کوئی ذکر نہیں کیا۔" اس بار میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جھوٹ بول ہی دیا کیوں کہ رحمانی مجھے بتا چکا تھا کہ اس کے کمرے میں کوئی ایسا آلہ نصب نہیں تھا جس کے ذریعے کمرے میں ہونے والی گفتگو کہیں سنی جا سکے۔

"اس سے محتاط رہنا۔" ڈی سوزا کے جواب پر میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ "مجھے اس پر بھی شبہ ہے۔ مرنے والوں میں ایک بات مشترک تھی کہ وہ رحمانی یا انعام سے الجھ بیٹھے تھے۔ یقین کسی کو بھی نہیں ہے لیکن لوگوں کو خدشہ ہے کہ زہریلے سانپوں والے واقعات میں ان ہی دونوں کا ہاتھ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری کسی حماقت کی وجہ سے وہ دونوں ہوشیار ہو جائیں۔ میں پوری دیانت داری کے ساتھ تفتیش کرانے کے بعد ہی کسی پر فردِ جرم عائد کروں گا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا کہ وہ دونوں یہاں اہم رتبے کے مالک ہیں۔ ٹھوس ثبوت کے بغیر میں ان کی خدمات سے ہاتھ دھونے پسند نہیں کروں گا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"کام سے مطمئن ہو؟" اس نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تاروں کی گنتی پر بھی لگا دیا جاؤں گا تو شکایت نہ ہو گی۔ بس نمبر تین کے اندرونی حصے کی صفائی نہ کرا سکا۔ سنا ہے کہ ادھر مدتوں سے صفائی نہیں کی گئی، اندر منوں مٹی جمع ہو چکی ہو گی۔"

"وہاں صفائی کی ضرورت نہیں۔"

"اسی لیے میں نے ممنوعہ علاقوں کے بارے میں جاننا چاہا تھا۔" میں نے اپنی پرانی بات دہراتے ہوئے کہا۔ "تاکہ کوئی الجھن نہ پیدا ہو۔"

"اس وقت تمھیں ایک پیغام دینے کے لیے بلایا ہے۔" وہ میری بات اڑا کر بولا۔ "کل رات تمھیں کانٹی نینٹل کے لاؤنج میں پہنچنا ہے۔ یہاں سے اسٹاف کار میں تم نو بجے وہاں پہنچو گے، واپسی یہیں ہو گی۔"

"کس سے ملنا ہو گا؟" میں نے متجسسانہ لہجے میں پوچھا۔

"جسے ملنا ہو گا وہ خود ہی رجوع کرے گا۔" اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا جیسے اب میری موجودگی کو غیر ضروری سمجھتا ہو۔ میں کرسی چھوڑ کر فوراً ہی واپس روانہ ہو گیا۔

واپسی پر ایک نیم تاریک مقام پر رحمانی درخت کی آڑ سے اچانک ہی میرے سامنے آ گیا۔ "کہاں سے آ رہے ہو؟" اس کا لہجہ تجسس آمیز تھا اور ہمیشہ روشن رہنے والی آنکھیں کچھ بجھی بجھی سی تھیں۔

"تمھارے ستارے گردش میں ہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "وہ مجھ سے جلد از جلد رپورٹ چاہتا ہے۔"

"میں نے کچھ معلومات جمع کی ہیں۔ ان سے تمھاری کہانی کو سہارا مل سکے گا۔" وہ یہ کہتے ہوئے مجھے ایک ایسے راستے پر لے چلا جہاں کسی سے مڈبھیڑ ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ "یہاں کی نمبر تین اس معاملے میں بہت کارآمد ثابت ہو سکے گی۔"

"مقفل اور ممنوعہ رہتی ہے، وہاں پراسرار مہمانوں کی آمد رہتی ہے جن کے آنے اور واپس جانے کے راستے کسی کے علم میں نہیں ہیں، اس کے علاوہ اور کیا بتا سکتے ہو؟" میں نے اس کی زبان سے نمبر تین کا ذکر سننے کے بعد کہا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ "یہ سب تم نے کیسے معلوم کر لیا؟ ڈی سوزا تو خود بتانے سے رہا!"

"میں بھی یہاں آنے کے بعد مکھیاں نہیں مار رہا ہوں۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "یہ بتا دوں کہ تمھیں بھی چوکنا رہنا ہو گا۔ تمھاری داداگیری کی کہانیوں سے ڈی سوزا غافل نہیں ہے۔ یہ بات اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دی گئی ہے کہ مرنے والوں میں ایک ہی بات مشترک تھی کہ وہ تم سے یا انعام سے الجھے تھے اور شاید اسی وجہ سے وہ سانپوں کا نشانہ بن گئے یا بنائے گئے لیکن وہ میری رپورٹ اور شہادتوں کے بغیر تمھیں اس معاملے میں ملوث نہیں کر سکے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میرا کمرا ابھی ٹیپ کرایا جا سکتا ہے۔" اس نے پرخیال لہجے میں کہا پھر چونک کر بولا۔ "تم اپنی رپورٹ دے کیوں نہیں دیتے۔ کام کا مواد تو تم میری مدد کے بغیر ہی حاصل کر چکے ہو۔ یہ فتنہ جتنی جلدی دب جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"پھر تمھیں کھل کر بات کرنا ہو گی تاکہ میری رپورٹ ٹھوس واقعات پر مشتمل ہو۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ زیادہ عجلت کی گئی تو ملی بھگت کے شبہ میں میری رپورٹ مسترد بھی کی جا سکتی ہے جس کے بعد یہ معاملہ زیادہ شد و مد کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔"

"میں تو کھل کر ہی بات کرتا رہا ہوں، تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" اس کی آواز الجھن آمیز تھی۔

"بظاہر یہاں کوئی گھپلا نظر نہیں آتا۔ آخر لائیڈز کالج کا مصرف کیا ہے؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والا بنیادی سوال کر ہی ڈالا۔

"اسے تنظیم کو تربیت یافتہ افرادی قوت فراہم کرنے والا ادارہ سمجھ لو۔ یہاں تربیت پانے والوں کو مختلف یونٹوں میں لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہوتا ہے اس کا تعلق تہ خانے یا نمبر تین سے ہے جس سے میں لاعلم ہوں۔"

"میں خود ایک یونٹ سے وابستہ رہا ہوں لیکن میرا کبھی لائیڈز کالج سے واسطہ نہیں پڑا، کراچی میں بہتیرے آدمی میرے ماتحت تھے۔"

"یہ تمھاری کم علمی ہے، راجہ سکندر، قاسم، رخشی، لاکھو، لشپال اور ڈاکٹر ارنسٹ کے علاوہ بہتیرے یہیں کے تربیت یافتہ تھے جو کراچی میں مامور کیے گئے تھے۔ مخصوص کوڈ اور مواصلاتی ذرائع پر تو یہاں باقاعدہ تربیتی کورس ہوتا ہے، ڈی سوزا بذاتِ خود کرپٹوگرافی کا بہت بڑا ماہر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں سے جانے والے لائیڈز کالج کا نام نہ لینے کے پابند کر دیے جاتے ہیں۔"

"نمبر تین کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"مجھے شبہ ہے کہ وہاں آمد و رفت کے لیے کوئی زیرِ زمین راستہ موجود ہے جو لائیڈز کالج سے دور کہیں نکلتا ہے اور شاید نمبر تین کے نیچے بنے ہوئے تہ خانے سے بھی اس کا سلسلہ جڑا ہوا ہے کیوں کہ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے کئی بار ایسا ہوا ہے کہ نمبر تین کے کمرے میں موجود میکنزم کو آزمانے کے باوجود تہ خانے کا راستہ نہ کھل سکا۔ پھر وہ خرابی خود بخود دور ہو گئی۔ غالباً باہر سے آنے والے جب یہ تہ خانہ استعمال کرتے ہیں تو اندر سے کسی ایسے میکنزم کو حرکت میں لاتے ہیں کہ بیرونی میکنزم ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"تہ خانے میں گودام کے طور پر بھی بہت سی جگہ استعمال کی جا سکتی ہے۔" میں نے اسے شہہ دینے کے خیال سے کہا۔

"اور شاید کی جاتی ہے۔ تہ خانے کے اوپر واقع عمارت کے فرش میں کئی بار میں نے ایسا ارتعاش محسوس کیا ہے جیسے تہ خانے میں مشینیں چل رہی ہوں۔" پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ ایک بار میں نے تہ خانے کے فرش پر موجود گرد پر ٹائروں کے نشانات دیکھے تھے۔ ان کی تعداد اور نوعیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ یا تو وہاں گاڑیوں کی اندھا دھند ریس ہوئی ہو گی یا مال لادنے اور اتارنے کے لیے فورک لفٹ وغیرہ سے کام لیا گیا ہو گا۔"

"صرف ایک بار؟" میں نے سوال کیا۔ "یہ مشاہدہ تمھاری ذات تک تو محدود نہ رہا ہو گا؟"

"میں نے ڈی سوزا سے ذکر کیا تھا تو وہ بوکھلا گیا، پھر ہم دونوں نے مل کر تہ خانے میں ویکیوم کلینر چلا کر وہ سارے نشانات مٹائے تھے۔ اس کے بعد کبھی ویسے نشان نہیں ملے البتہ فرش پر ویکیوم کلینر کے استعمال کے آثار بارہا ملے ہیں شاید وہ لوگ اپنا کام ختم کرنے کے بعد ٹائروں کے نشان اور دوسری علامات مٹا دیتے ہیں۔"

رحمانی کے ان انکشافات نے میرے لیے ایک بالکل ہی نئی جہت کھول دی۔ اس وقت تک میں تنظیم کے منشیات فروشی کے کاروبار سے باخبر تھا جس میں ہیروئن کی آمد کے بعد سے انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ چرس کے ٹنوں کے ہیر پھیر کے بجائے ہیروئن کی دو چار سو کلو کی کھیپ بھی اپنے اثرات، لاگت اور منافع کے اعتبار سے بہت بڑی تصور کی جاتی تھی جس کی نقل و حمل کے لیے بھاری باربرداری کی ضرورت تھی نہ وسیع جگہ کی۔ رحمانی کے بیان سے تو ظاہر ہو رہا تھا کہ میں اس وقت تک تنظیم کے صرف ایک ہی شعبے سے منسلک رہا تھا جو ہیروئن کی تقسیم اور ترسیل کا ذمے دار تھا جب کہ اصل کاروبار نہ جانے کتنی سمتوں میں پھیلا ہوا تھا۔

"تمھاری باتیں میری عقل سے بالا ثابت ہو رہی ہیں۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "جب تک میں ذاتی طور پر اس تہ خانے یا نمبر تین کا جائزہ نہ لے لوں، بات بنتی محال نظر آ رہی ہے۔"

وہ چلتے چلتے رک کر مجھے گھورنے لگا اور اپنی مخصوص چبھتی ہوئی آواز میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یوں معلوم ہو رہا ہے، جیسے مرنے والوں کے بجائے تمھاری اصل تفتیش لائیڈز کالج کے

خفیہ معاملات کی طرف رُخ کرتی جارہی ہے۔"

میں چونک کر سنبھل گیا۔ اور ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تمہارا معاملہ سیدھا کرنے کے ساتھ ہی مجھے اپنی چمڑی کی بھی فکر ہے۔ تمہیں بچا کر میں اپنی گردن موت کے پھندے میں نہیں دے سکتا۔ اور شاید کوئی بھی صحیح الدماغ شخص ایسا نہیں کر سکے گا۔"

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" وہ واقعی الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"میری سیدھی سادی رپورٹ ڈی سوزا اوپر والوں کو بھی بڑھا سکتا ہے کیوں کہ اس طرح اس کے یونٹ کے معاملات میں اوپر والوں کی براہِ راست مداخلت ثابت ہو سکے گی جو تنظیم کے اصولوں سے میل نہیں کھاتی اور اوپر والوں کی طرف سے رپورٹ سختی کے ساتھ مسترد کر دی جائے گی۔ نتیجہ تم جانتے ہی ہو کہ مجھے مجرم بنا کر ان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا اور تمہاری ساری بازی الٹ جائے گی۔ اس سے بہتر تو یہ ہو گا کہ تم دونوں ہی یہاں سے فرار ہو کر کہیں روپوش ہو جاؤ اور میں حقائق پر مبنی اپنی رپورٹ پیش کر دوں۔"

اس کے من میں چور تھا جو ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا تھا اور اس کے ہر سوال کی بنیاد مفروضوں پر تھی لیکن جب میں نے دلیل پیش کی تو اس کا سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ "چلو یہ میں مانے لیتا ہوں۔" وہ دوبارہ میرے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کاٹیج کے خفیہ معاملات کے بارے میں جان کر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"سیدھی اور سامنے کی بات ہے۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "اپنی رپورٹ میں ان معاملات کے بارے میں بھی کچھ اشارے شامل کر دوں گا تاکہ ڈی سوزا رپورٹ اوپر بڑھانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اگر اس نے یہ حماقت کی تو وہ خود عتاب میں آ جائے گا کہ اس نے اجازت کے بغیر ایسی انکوائری کیوں کرائی جس کے نتیجے میں خفیہ گوشے بے نقاب ہونے کی نوبت آ گئی، وہ رپورٹ دبا لے گا بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ تلف کر دے گا اور تم دونوں کا بھرم رہ جائے گا۔ اس کے لیے میرا ذاتی مشاہدہ ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر رپورٹ میں جھول رہ جائیں گے۔"

میری بات سنتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ "واقعی تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے۔ کوئی تو وجہ ہے کہ ڈی سوزا نے تحقیقات کے لیے اتنی دور سے تمہیں بلوایا ہے ورنہ یہ کام تو وہ کسی سے بھی لے سکتا تھا۔"

"پھر تہ خانے میں داخلے کا کیا پروگرام ہے گا؟" لوہا گرم دیکھتے ہی میں نے وار کر دیا۔



"سوچنا پڑے گا۔" وہ پُر تشویش لہجے میں بولا۔ "تہ خانے میں داخلے کا ذکر آتے ہی اس کی ساری خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔ "انعام سے بھی مشورہ کروں گا۔ ڈی سوزا کی غیر موجودگی میں ایسی کوشش جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"انعام سے مشورہ نہ کرو تو بہتر ہو گا۔" میں نے رائے دی۔ "خطرناک معاملات میں جتنے کم لوگ ملوث ہوں اتنا ہی بہتر ہے، ویسے بھی وہ تمہارے فیصلوں سے اختلاف نہ کر سکے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہیں کسی نہ کسی طرح اس پر تھوڑی سی برتری حاصل ہے۔"

"یہ بھی تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" وہ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "وہ ہمیشہ ڈی سوزا سے فاصلے پر رہتا ہے اور اس کے سفاکانہ مزاج سے بڑی حد تک بے خبر ہے۔ میں تو اس بکھیڑے کے ہی خلاف تھا، کہہ رہا تھا کہ براہِ راست ڈی سوزا کے سامنے جا کر غلطی کے ارتکاب کا اعتراف کر کے معافی مانگ لیں یوں قصہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی دانست میں ڈی سوزا کے مقابلے میں تم زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہو۔"

"تم نے اس کی رائے کیوں نہ مانی؟" میں نے سوال کیا۔

"سہل پسند آدمی ہے، سچ پوچھو تو تم سے خائف ہو گیا ہے۔ اس کا خیال ہے تم اس کے ہاتھوں کھایا ہوا بجلی کا جھٹکا کبھی نہ بھول سکو گے لیکن میں نے اسے سمجھا لیا ہے۔ اب بتاؤ کہ تم اپنی غیر حاضری کو کس طرح نبھاؤ گے؟"

"چاہو تو۔ آج رات ہی کوشش کر سکتے ہیں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے باوجود لہجہ لاپروایانہ ہی رکھا۔ "کسی کو خیال بھی نہ آ سکے گا کہ میں نے رات کمرے سے باہر گزاری ہے۔ صبح وہیں سے ڈیوٹی پر ہو لوں گا۔ زیادہ سے زیادہ کچھ وقت کمرے میں گزارنا پڑ جائے گا کیوں کہ تم اسی عمارت میں مقیم ہو جہاں تہ خانے میں داخلے کا راستہ واقع ہے۔"

"تو کیا پوری رات وہیں بسر کرنے کا ارادہ ہے؟" اس نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے اترنے کے بعد تم واپس چلے جانا پھر واپسی کے مقررہ وقت پر تمہیں احتیاط رکھنا ہو گی کہ راستہ صاف ہو ورنہ وہاں سے نکلتے ہوئے کوئی ٹکرا گیا تو کھیل بگڑ سکتا ہے۔"

تھوڑی سی بحث کے بعد اسی رات وہ مہم جوئی کے لیے تیار ہو گیا۔ میں اس رات کے لیے یوں بضد تھا کہ اگلے روز مجھے کاٹیج سے باہر ایک ہوٹل میں بلایا گیا تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ بلانے والی ویرا کے علاوہ کوئی اور نہ ہو گی۔ میری خواہش تھی کہ اس سے ملنے تک میں اپنا کام پورا کر لوں تاکہ اس کے جنگل سے غزالہ کو رہائی مل سکے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر لائیڈز کاٹیج میں جمی لائیڈ کی کوئی تصویر موجود ہی تھی تو منزل تین کے ممنوعہ علاقے میں ہو سکتی تھی جہاں ڈی سوزا سمیت کسی کی رسائی نہیں تھی۔

"اس عمارت میں تم لوگ کس کی ملازمت کر رہے ہو؟" خاصی دیر کی خاموشی کے بعد میں نے ایک خیال کے تحت سوال کر ڈالا۔

"قانوناً ہم جمی لائیڈ کے تنخواہ دار ہیں، ڈی سوزا اس کا ذاتی نمائندہ ہے۔"

"کبھی ملنے کا بھی اتفاق ہوا اس سے؟"

"نہیں۔ کبھی نہیں۔ میں ہی نہیں یہاں تمہیں ایسا کوئی فرد نہ مل سکے گا جو اس سے ملاقات کا دعویدار ہو۔ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ بس ایک نام ہی نام ہے، اس کا وجود سرے سے نہیں ہے؟"

"میں پُرخیال انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اور وہ مجھے تہ خانے کے بارے میں وہ اسرار و رموز سمجھانے لگا جو وہاں داخلے اور نکاسی کے سلسلے میں اہم ثابت ہو سکتے تھے۔

رسٹ واچ میں رات کے دس بجتے ہی ہم دونوں کی آنکھیں ملیں اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

احتیاط اور رازداری کے پیشِ نظر اس رات میں اپنے کمرے کا ایک چکر لگا کر رحمانی کے ہی پاس آ گیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی مجھے مکمل خاموشی اختیار کرنا پڑی تھی کیوں کہ اسے خدشہ تھا کہ ڈی سوزا نے کہیں اس کے کمرے میں پوشیدہ مقامات پر ڈکٹا فون نہ لگوا دیے ہوں۔ ہم آپس میں اپنی گھڑیاں ملا کر پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ ہمیں دس بجے کمرے سے نکل جانا ہو گا کیوں کہ اس وقت لائیڈز کاٹیج کے مختلف حصوں میں باہر کی چہل پہل ختم ہو کر کمروں تک محدود ہو جاتی تھی۔ جہاں مے نوشی، تاش اور شطرنج وغیرہ کی محفلیں جم جاتی تھیں۔ اس لیے کسی کی مداخلت کا امکان باقی نہیں رہتا تھا۔ مسلح محافظوں کا رسمی سا گشت نمبر تین کے نواح تک محدود رہتا تھا۔ عمارت کے اندرونی حصوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہتا تھا جب کہ اصولی طور پر وہ چپے چپے کی نگرانی پر مامور تھے۔

میرا دل اس وقت متوقع خطرات کے پیشِ نظر کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور رحمانی کے بشرے پر بھی گمبھیر سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے سے نکلنے سے پیشتر رحمانی نے سر باہر نکال کر دونوں طرف کا جائزہ لیا تھا۔ پھر ہم کمرے سے نکل کر تیزی سے راہداری کے اس سرے کی طرف بڑھتے چلے گئے جدھر ایک کمرے میں تہ خانے میں داخلے کا راستہ تھا۔

ہم دونوں کسی مداخلت سے دوچار ہوئے بغیر اس کمرے میں پہنچ گئے۔ اور رحمانی نے دروازہ بند کر کے وہ دیوارگیر الماری کھول لی جس میں تہ خانے کے راستے کو ظاہر کرنے والا میکنیزم پوشیدہ تھا۔ اسی لمحے معاً میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا، اور مجھے بے اختیار جیوا ہاؤز کا وہ کمرا یاد آ گیا جہاں تنظیم کی جانب سے انتہائی خفیہ طور پر طاقتور ٹرانسمیٹر ریسیور نصب کیا گیا تھا۔ ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کی حفاظت کے لیے اس کمرے میں فوٹو سیل سے منسلک ایسا بھرپور حفاظتی انتظام کیا گیا تھا کہ کسی اجنبی کے چوکھٹ عبور کرتے ہی نہ صرف خودکار کیمرا حرکت میں آ جاتا تھا بلکہ ایسے دوسرے مدافعتی حربے بھی متحرک ہو جاتے تھے کہ مداخلت کار کیمرے میں اپنی واضح تصویر چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

پھر اس وقت تو ہم لائیڈز کاٹیج کے ایک اہم حصے میں موجود تھے جو ڈی سوزا کی غیر موجودگی میں انعام کی تحویل میں ہوتا تھا لیکن اس وقت ڈی سونا خود کاٹیج کی حدود میں موجود تھا اور کچھ عجب نہ ہوتا جو اس نے بے ضابطہ مداخلت کے لیے کوئی ایسا خفیہ حفاظتی نظام آن کیا ہوا ہوتا جو اسے اس کے کمرے میں مطلع کر دیتا کہ اس کی اجازت کے بغیر تہ خانے کا راستہ کھولا گیا ہے۔

میں نے اضطراری طور پر رحمانی کا شانہ دبایا اور وہ چونک کر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے کان سے منہ لگا کر اسے اپنے اندیشے سے آگاہ کیا تو اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اشاروں سے مجھے اطمینان دلانے لگا کہ وہاں ایسا کوئی الارم سسٹم نہیں تھا کیوں کہ باہر سخت حفاظتی انتظامات ہونے کے باعث کسی غیر متعلقہ آدمی کی وہاں تک رسائی ناممکنات میں سے تھی۔

اس نے میکنیزم کو حرکت دی اور فرش میں تاریک خلا نمودار ہو گیا۔ میں نے بے یقینی کے عالم میں قدم بڑھائے۔ فضا میں ہاتھ لہرا کر رحمانی کو الوداع کہا اور اندر اتر گیا۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی کسی خودکار نظام کے تحت تہ خانے میں تیز روشنی پھیل گئی تھی۔ چند قدم طے کرنے کے بعد میں نے سر گھما کر اوپر دیکھا تو اوپر والے کمرے کے فرش میں نظر آنے والا راستہ معدوم ہو چکا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اوپر والوں سے میرا رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔

اپنی دانست میں میں نے مختصر سی مدت میں بہت بڑی

کامیابی حاصل کی تھی کہ لائیڈز کاٹیج کے اس خفیہ مقام تک رسائی حاصل کرلی تھی جو وہاں رہنے والوں کے لیے بھی ایک راز ہی تھا۔ میں سنبھل سنبھل کر سیڑھیاں طے کر رہا تھا اور میری نگاہیں تہ خانے میں پڑی ہوئی میزوں پر جمی ہوئی تھی جو اس وقت صاف ستھری پڑی ہوئی تھیں۔ جب کہ انعام کے ساتھ ٹارچر سیل میں جاتے ہوئے میں نے ان میں سے بیشتر پر کاغذات پھیلے ہوئے دیکھے تھے جس کا مطلب تھا کہ اس دوران میں کوئی نہ کوئی تہ خانے میں آچکا تھا۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ نیچے پہنچتے ہی ان میزوں کی درازوں اور ان میں رکھے ہوئے کاغذات کا جائزہ لوں گا لیکن آخری سیڑھی اترتے ہوتے میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا، جزئیات میں الجھنے سے قبل ایک بار اس پوری زیرزمین عمارت کا جائزہ لینا ضروری تھا جس کے بعد میں ترجیحات کا تعین بآسانی کرسکتا تھا۔

اس ہال کی وسعت کے مقابلے میں ان چند میزوں نے بمشکل ایک گوشہ ہی گھیرا ہوا تھا اور باقی وسیع و عریض رقبہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اس سے آگے ایک دیوار میں وہی منحوس دروازہ نظر آرہا تھا جس سے گزر کر ٹارچر سیل تک رسائی ہوتی تھی، اس کے علاوہ دیواریں دور سے سپاٹ نظر آرہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ تہ خانہ اسی عمارت کے نیچے ختم ہوگیا تھا اور بظاہر اس کا نمبر تین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

میں نے وہیں ایک میز پر ٹک کر سگریٹ سلگالی۔ دشمنوں کے گڑھ میں اس تہ خانے میں اتر کر میں نے ایک بھیانک خطرہ مول لیا تھا اور اگر ڈی سوزا کو اس واقعہ کی بھنک بھی مل جاتی تو مجھے اس چوہے دان میں گھیر کر بڑی آسانی کے ساتھ ختم کیا جاسکتا تھا۔ اس تصور نے ابتدا ہی سے میرے اعصاب پر لرزہ طاری کیا ہوا تھا اور بدن کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے تھے لیکن لمحہ بہ لمحہ میری حالت اعتدال پر آتی جارہی تھی۔ اس عمل میں تمباکو نوشی بھی میری خاصی مددگار ثابت ہوئی تھی۔ چند ثانیوں کے بعد میں اپنی جگہ چھوڑ کر اس کشادہ دیوار کی طرف بڑھ گیا جس میں ٹارچر سیل جانے والی راہداری کا دروازہ کھلتا تھا اور چند ہی منٹ کے جائزے کے بعد میری مایوسی یکلخت خوشی میں تبدیل ہوگئی کیونکہ اس دیوار میں ایک مقام پر نمایاں دراڑ نظر آرہی تھی جو امکانی طور پر کسی راستے کی نشاندہی کر رہی تھی۔

اوپر والے کمرے میں موجود میکنیزم اور فرش کے برابر ہوجانے والے قطعے کو دیکھ لینے کے بعد میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ دیوار بھی پہلو میں کھسک کر یا نیچے دھنس کر گزرگاہ پیدا کرتی ہوگی لیکن سپاٹ فرش اور دیواروں کی موجودگی میں اسے حرکت میں لانے والے میکنیزم کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔ میں سگریٹیں پھونکتے ہوئے پوری عرق ریزی کے ساتھ اس میں لگا رہا۔ اس دوران میں میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ سگریٹ کی جلی ہوئی راکھ فرش پر گرا کر جوتے سے مسلتا رہا تھا اور سگریٹ کے سوختہ ٹوٹوں کو جوتے کے تلے پر بجھا کر ماچس کی ڈبیا میں ڈالتا رہا تھا تاکہ میرے نکلنے کے بعد وہاں کسی مداخلت کے آثار باقی نہ رہیں۔

نصف گھنٹے کی کڑی محنت کے باوجود میں دیوار یا اس پار فرش پر ایسا کوئی سراغ دریافت نہ کرسکا جو راستہ پیدا کرنے والے میکنیزم کی نشاندہی کرتا لیکن دراڑیں دیکھ کر مجھے پورا یقین تھا کہ وہاں کوئی راستہ ہی تھا۔ دیوار اور فرش سے مایوس ہوکر میں نے اپنی توجہ اس دیوار سے دور رکھی دفتری میزوں کی طرف مبذول کردی اور باری باری ہر میز کے ہر حصے پر طبع آزمائی کرنے لگا۔ آخر ایک میز میں مجھے ایک قبضے دار ٹانگ نظر آہی گئی جو سب سے منفرد اور عجیب تھی۔ میز کا وہ چوبی پایا فرش میں ایک مضبوط قبضے سے جڑا ہوا تھا اور اوپری سرا میز کی نچلی سطح سے صرف مس ہو رہا تھا۔ میں نے اس پائے کو جنبش دی تو وہ فرشی قبضے پر متحرک محسوس ہوا اور میں بتدریج اسے نیچے دباتا ہی چلا گیا۔

فرش کے ساتھ پینتالیس درجے کا زاویہ بننے تک کچھ نہ ہوا لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری۔ اس پائے کی غیر معمولی تنصیب اس کے کسی اہم مصرف کی نشاندہی کر رہی تھی لہٰذا میں نے کوشش جاری رکھی پھر وہ پایا فرش سے بمشکل پندرہ بیس درجے کے فاصلے پر تھا کہ اچانک دیوار کی سمت ایک کھٹکا سا ہوا اور دراڑ والی سپاٹ دیوار کا بارہ فٹ بلند اور کم و بیش اسی قدر عریض ٹکڑا کوئی آواز پیدا کیے بغیر ایک طرف ہٹنا شروع ہوگیا۔

میں نے چوبی پائے پر اپنے ہاتھ کے دباؤ میں کمی کر دی تو مجھے محسوس ہوا کہ کھٹکے کی آواز کے ساتھ ہی پائے نما اس لیور پر کسی اسپرنگ کا زور آچکا ہے اور اگر میں نے ذرا بھی تساہل سے کام لیا تو اسپرنگ کی قوت اس لیور کو فرش پر دوبارہ سیدھا کھڑا کر دے گی۔ جب دیوار کا متحرک حصہ ساکن دیوار کے عقب میں غائب ہوگیا تو میں نے لیور پر سے ہاتھ ہٹا لیا جو ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا اور دیوار میں نمودار ہونے والا راستہ بند ہونا شروع ہوگیا۔ راستہ کھلا رکھنے کے لیے میں نے دوبارہ لیور کو نیچے دبایا۔ اسے بار بار نیچے دبانے کے ساتھ ساتھ دیوار کی واپسی کا سفر جاری رہا اور میں وحشت زدہ نظروں سے اس میں مسدود ہوتے ہوئے راستے کو گھورتا رہا لیکن اس دوران میں بھی میرا ذہن اسی میکنیزم میں الجھا رہا۔

دروازے یا راستے کو کھلا رکھنے کے لیے میز کے پائے نما لیور کو مستقل طور پر نیچے دبائے رکھنا ضروری تھا۔ یہ نصب چوبی لیور کو شاید اس لیے کیا گیا تھا کہ کبھی بے احتیاطی میں راستہ کھلا نہ رہ جائے۔ بند و بست کرکے راستہ کھولنے کے عمل کو درمیان میں کہیں بھی روک کر دوبارہ مسدود کیا جاسکتا تھا لیکن راستہ بند ہونے کے عمل کو دیوار کی اصل جگہ پر واپسی سے پہلے نہیں روکا جاسکتا۔ میں نے لیور کو چھوڑ کر اپنے اس خیال کی تصدیق کرلی کیونکہ دباؤ ختم ہونے کے باوجود لیور فرش پر ہی پڑا رہا پھر جوں ہی دیوار نے ایک کھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ لی، لیور سرعت کے ساتھ سیدھا ہوگیا۔

وہاں لیور کو فرش کے ساتھ دبائے رکھنے کے لیے مجھے وزن کی تلاش میں کوئی دقت نہ ہوئی اور دوسری بار دیوار کے حرکت میں آتے ہی میں نے لیور پر ایک کرسی کی پشت گاہ کا وزن ڈالا اور وہاں سے اٹھ کر سرکتی ہوئی دیوار کے قریب آگیا۔

دوسری طرف گہری تاریکی کا راج تھا لیکن تہ خانے کی تیز روشنی کے انعکاس میں اس طرف کا جائزہ لینے میں کوئی دقت حائل نہیں تھی۔ اس طرف دیوار کی جڑ سے ہی مٹی پر ٹائروں کے متعدد نشان نظر آرہے تھے۔ ان چوڑے نشانات اور کشادہ راستے کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ دوسری طرف نکاسی کی راہ ہونے کی صورت میں اس راستے سے مال برداری کے بھاری اور اونچے ٹرکوں کی نقل و حرکت بھی بہ آسانی جاری رکھی جاسکتی تھی۔

سرکتی ہوئی دیوار آخری سرے پر جاکر تھم گئی اور میں چند ثانیوں تک کسی تبدیلی کے انتظار کے بعد مطمئن ہوکر پختہ فرش پر بنی ہوئی گرد و غبار کی اس لکیر کو عبور کر گیا جو دونوں حصوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی تھی۔ ادھر گھستے ہی مجھے اندازہ ہوا کہ وہ تہ خانے کے بجائے ایک خمدار سرنگ تھی جو آگے گھور اندھیرے میں معدوم ہوگئی تھی۔ میں نے قرب و جوار کی دیواروں کا جائزہ لے کر سوئچ بورڈ کے تمام سوئچ آن کر دیے اور اس چوکور سرنگ میں دور تک دیوارگیر بلب روشن ہوتے چلے گئے۔

اس بڑی دریافت کے بعد میں پیش قدمی کے لیے بے چین ہوگیا تھا لیکن جزئیات کو نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ سرنگ کی ایک دیوار کے ساتھ چوبی ٹکڑوں اور ٹوٹے پھوٹے تختوں کی موجودگی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس سرنگ سے گزرگاہ کا کام لینے کے ساتھ ہی ایک سمت کی فاضل جگہ کو اسٹور کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا تھا لیکن ان تختوں وغیرہ سے یہ اندازہ نہ ہوسکا کہ اس قدر رازدارانہ طور پر لے جائے اور لے جانے والے سامان کی نوعیت کیا رہی ہوگی۔

ابتدائی خوف اور گھبراہٹ پر قابو پا لینے کے بعد میں نے تیزی کے ساتھ پیش قدمی شروع کردی کیونکہ اب کام کا دائرہ اچانک ہی وسیع ہوگیا تھا اور میں مقررہ وقت گزرنے سے پہلے اپنا جائزہ مکمل کر لینا چاہتا تھا۔

آگے بڑھنے سے اندازہ ہوا کہ وہ سرنگ بہت زیادہ طویل نہیں تھی لیکن اس میں گھماؤ کے باعث تاریکی میں وہ بہت طویل نظر آرہی تھی۔ البتہ ایک نجی عمارت میں واقع ہونے کی بنا پر اس کی وہ طوالت بھی حیرت ناک معلوم ہو رہی تھی۔ کم و بیش ایک فرلانگ کی مسافت طے کرنے کے بعد میں دوبارہ ایک وسیع زیرزمین ہال میں جا پہنچا اور وہاں قدم رکھتے ہی میرا وجود دم بخود ہوکر رہ گیا۔ اس وسیع تہ خانے میں دیواروں کے ساتھ بڑے بڑے چوبی کریٹ چھت تک چنے ہوئے تھے۔ ان پیٹیوں کی تعداد بلا مبالغہ سیکڑوں میں تھی اور وہیں تین ٹن وزن اٹھانے والا پٹرول کا ایک فورک لفٹ ٹرک کسی مشینی آسیب کی طرح کھڑا ہوا تھا۔

رحمانی کے اندیشے حقیقت کی صورت میں میرے سامنے آچکے تھے۔ لائیڈز کاٹیج میں اوپر کے دکھاوے کی آڑ میں نہایت منظم پیمانے پر تہ خانوں اور سرنگوں کے ذریعے اصل کام کیا جارہا تھا جو یقینی طور پر ہیروئن یا کسی بھی دوسری نشہ آور اشیا سے متعلق نہیں تھا۔ میں نے پیٹیوں کا جائزہ لیا تو وہ سب سیل تھیں۔ ان میں کئی سائز کی پیٹیاں تھیں جن پر مشرقی یورپ، جرمنی، فرانس اور انگلینڈ کے نام پڑھنے میں آرہے تھے لیکن ان میں بند مال کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں تھا۔

وہ تہ خانہ کسی کاروباری ادارے کا باقاعدہ گودام نظر آرہا تھا اور وہاں سامان کے اعتبار سے متعدد متعلقہ اوزار بھی نظر آرہے تھے۔ اس حصے میں ایک راستہ وہ تھا جس سے گزر کر میں وہاں تک آیا تھا اور اسی کے مقابل اسی طرح کی دوسری چوکور سرنگ آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس سرنگ کا دوسرا سرا کسی محفوظ مقام پر کھلی فضا میں لائیڈز کاٹیج سے باہر نکلتا ہوگا اور اسی راستے سے مال کی آمد و رفت جاری رکھی جاتی ہوگی۔

باہر جانے والی سرنگ کے ساتھ ہی اوپر جاتے ہوئے کچھ زینے موجود تھے جو پہلی سرنگ کی طوالت کے پیش نظر یقیناً نمبر تین کے مقفل حصے تک رہنمائی کرسکتے تھے لیکن میرے لیے اس وقت سب سے زیادہ اہمیت ان چوبی پیٹیوں کی تھی جو وہاں بھاری تعداد میں ذخیرہ کی گئی تھیں۔

میں لوہے کی پتیاں کاٹنے والی قینچی اور تختے اکھاڑنے والی لوہے کی باری لے کر ان پیٹیوں پر چڑھ گیا۔ اس کارروائی کے آغاز سے قبل میں نے اس حصے کے تفصیلی جائزے میں وقت برباد کرنا غیر ضروری خیال کیا تھا کیونکہ وہاں کوئی موجود ہوتا تو میرے قدموں کی چاپ سے بہت پہلے چوکنا ہوکر مجھ پر حملہ آور ہوچکا ہوتا۔ اس کا

سبب یہ تھا کہ میری تمام تر احتیاط کے باوجود میرے قدموں کی دھمک تہ خانے کی ساخت کے باعث غیر معمولی انداز میں گونجتی رہی تھی۔

میں نے پہلی پیٹی پر کسی ہوئی مضبوط آہنی پتیاں کاٹ کر پہلا تختہ اکھاڑا اور پھر بے صبری کے ساتھ پیٹی میں ہاتھ ڈال دیا۔ لوہے کا سرد لمس محسوس کرتے ہی میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا۔ میری انگلیاں کسی ٹامی گن کی بیرل سے ٹکرائی تھیں۔

میں چند ثانیوں تک حیرت، بے یقینی اور خوف کے عالم میں یوں ہی منجمد بیٹھا رہ گیا جو لوگ ایک ایک کلو ہیروئن کی تھیلیوں کے لین دین میں لاکھوں کما رہے تھے انھیں اسلحہ کی تجارت کی کیا ضرورت تھی؟ وہ اسلحہ جس پُراسرار انداز میں وہاں ذخیرہ کیا گیا تھا، اس کی وجہ سے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ منشیات کی طرح اسلحہ کی تجارت بھی غیر قانونی تھی۔ اگر حکومت کو فریب دے کر وہ غیر ملکی اسلحہ لایا جا رہا تھا تو اس کی نکاسی کہاں تھی؟ ظاہر ہے کہ چوری چھپے اسلحہ خریدنے والے نہ حکومت کے دوست ہو سکتے تھے اور نہ محبِ وطن!

معاً میرے ذہن میں انسدادِ منشیات کی اس بین الاقوامی کانفرنس کی یاد تازہ ہو گئی جس کے کھلے اجلاس میں مَیں نے بھی شرکت کی تھی۔ اس اجلاس میں بہت کچھ کہا گیا تھا۔ بڑی طاقتوں کے نمائندے اپنے اپنے مفادات کے نشے میں چور تھے اور خالص معاشرتی مسائل پر منعقد ہونے والی اس کانفرنس کا کھلا اجلاس پہلے ہی راؤنڈ میں سیاسی اور فوجی الزام تراشیوں کا شکار ہو گیا تھا۔

ایک غیر ملکی نمائندے نے بڑے مدلّل انداز میں منشیات کی کوکھ سے جنم لینے والی اس ہولناک سازش کی نشاندہی کی تھی جس کے ذریعے نہ صرف پاکستان کو بین الاقوامی پیمانے پر منشیات کی افزائش کا ذمّے دار ٹھہرانا تھا بلکہ غیر ملکی سرمائے اور فنی معاونت سے ملکی سرحدوں پر تیار ہونے والی ہیروئن کی مقامی گزرگاہوں پر نوجوان نسل کو اس نشے کا عادی بنا کر قومی پیمانے پر مدافعت کی صلاحیت کو کمزور اور بالآخر تباہ کرنا تھا تاکہ جب مناسب موقع پر وار کیا جائے تو اندر سے کوئی مزاحمت نہ ہو سکے۔

ہیروئن بن رہی تھی، ملک کے چپّے چپّے میں فروغ پا رہی تھی، معاشی بدحالیوں میں مبتلا جاہل اور مستقبل سے مایوس جوان، تعلیم یافتہ نسل اس نشے کو مُنہ لگا رہی تھی جو بعد میں سر پر ناچنے لگتا ہے دوسری طرف اس کی برآمد سے سرمایہ کمایا جا رہا تھا اور شاید وہی سرمایہ غیر قانونی ہتھیاروں کی درآمد میں لگایا جا رہا تھا تاکہ ملک دشمن قوتوں کو قوت اور استحکام مل سکے۔

مجھ پر جنون سا سوار ہو گیا اور میں یکے بعد دیگرے ان کی ایک ایک پیٹی کھولتا چلا گیا۔ خودکار رائفلوں، مشین گنوں اور ان کے میگزین سے لے کر راکٹ لانچر تک سب ہی کچھ ان پیٹیوں میں موجود تھا۔ مجھے یقین تھا کہ نیچے دبی ہوئی پیٹیوں میں دستی بم اور گرینیڈ بھی ضرور رہے ہوں گے۔

میرا جی چاہا کہ اسی لمحے اس بارودی ذخیرے کو نذرِ آتش کر دوں اور اس کے ساتھ خود بھی فنا ہو جاؤں۔ تنظیم کا وہ راز میرے لیے بہت کریہہ اور ناقابلِ برداشت ثابت ہوا تھا۔ میں اپنے قابلِ نفرت ماضی سے تائب ہو کر سیدھے راستے پر چل پڑا تھا لیکن ان گناہوں میں کبھی میرا بھی دخل رہا تھا جس کا کم از کم ازالہ یہی ہو سکتا تھا کہ میں ان کو ناقابلِ فراموش زک دیتے ہوئے خود بھی جان سے گزر جاؤں کیونکہ بارود کے اس ڈھیر کو دیا سلائی دکھانے کے بعد زندہ بچ نکلنا معجزے کے تحت تو ہو سکتا تھا لیکن عقل اس امکان کو تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔

اس تہ خانے کی تباہی لائیڈز کاٹج کی پُرشکوہ کہانی کا آخری باب ثابت ہو سکتی تھی۔ تباہی سے جو کچھ بچ رہتا وہ مقامی حکام کی تحویل میں چلا جاتا لیکن ان کی جڑیں بہت گہری تھیں وہ جلد ہی کوئی دوسرا ٹھکانا تلاش کر سکتے تھے۔ لائیڈز کاٹج اہم ضرور تھا لیکن اس سے کہیں زیادہ اہم وہ دماغ تھا جو ان سازشوں کی پشت پر کارفرما تھا۔

ویرا لائیڈ کا باپ اس سازش کا سرغنہ تھا اور اس پر ہاتھ ڈالے بغیر اس فتنے کی سرکوبی ناممکن تھی۔ اس بارے میں خوش قسمتی کی اولین بات یہ تھی کہ خود ویرا بھی اپنے باپ کی تلاش کی مہم میں میرا ساتھ دینے پر آمادہ تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ میرے اور اس کے مقاصد الگ تھے لیکن اس تک رسائی کے بعد میں اپنی راہ کا انتخاب خود کر سکتا تھا۔

ان چوبی پیٹیوں میں پستول یا ریوالور کی قسم کا کوئی اسلحہ نہیں تھا لہٰذا میں نے اسلحہ کی کمی دور کرنے کے لیے ایک پیٹی میں سے ٹامی گن کے حصّے نکال کر آپس میں جوڑے اور اس میں میگزین فٹ کر کے ان سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا جو میرے خیال میں نمبر تین کے مقفل حصّے میں جاتی تھیں۔

وہاں سیڑھیوں کی ابتدا پر ایک پٹ والی ویسی ہی دیواری الماری موجود تھی جیسی نمبر دو عمارت کے ایک کمرے میں موجود تھی جس میں تہ خانے کا فرشی راستہ پیدا کرنے کا میکینزم پوشیدہ تھا۔ الماری کھول کر میں نے مقررہ سمت میں دستے کو حرکت دی اور اوپر سیڑھیوں کے اختتام پر فرش کا ایک حصّہ ایک طرف سرک گیا اس خلا سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اوپر والا کمرا تاریک ہوا تھا۔



میں کئی منٹ تک ٹامی گن سنبھالے نیچے فرش پر کھڑا کسی ردِعمل کا انتظار کرتا رہا لیکن دوسری طرف بدستور گہرے سناٹے کا راج رہا اور آخر کار میں نہایت چوکنّے انداز میں سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ کوئی بھی خطرہ لاحق ہوا تو میں ٹامی گن کا جہنمی دہانہ کھولنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کروں گا لیکن سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد اوپر والا کمرا خالی ہی ملا۔ اندر عمارت میں سے بھی کوئی آواز نہیں سُنائی دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ یا تو عمارت ویران پڑی ہوئی تھی یا سارے مکین گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے۔

اس کمرے کی ساخت اور عمارت میں چھائے ہوئے سنّاٹے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت میں لائیڈز کاٹج میں سطحِ زمین پر بنی ہوئی عمارت نمبر تین میں داخل ہو چکا تھا جہاں جمی لائیڈ کی تصویر کی موجودگی کے قوی امکانات تھے۔

عمارت میں چھائے ہوئے گہرے اندھیرے میں مَیں نے کوئی روشنی جلانے سے گریز ہی کیا، اس طرح میں وہاں موجود افراد کو چوکنّا کیے بغیر ان کے سروں پر پہنچنا چاہتا تھا۔ گہری تاریکی میں کسی چیز سے ٹکرائے یا کوئی آواز پیدا کیے بغیر میں تاریک راہداری میں بڑھتا رہا حتیٰ کہ عمارت کا پہلے سے روشن حصّہ سامنے آ گیا اور میں نے دیکھا کہ بیرونی سمت میں واقع تمام دیواریں ٹھوس اور سپاٹ تھیں جن میں کھڑکی یا دروازہ تو درکنار کوئی دراڑ تک نہیں چھوڑی گئی تھی۔

میں نے باری باری اس حصّے میں تین تاریک کمروں کا جائزہ لیا جو ویران پڑے ہوئے تھے البتّہ چوتھے کمرے کے سامنے مجھے ٹھٹکنا پڑا کیونکہ میرے نتھنوں نے فضا میں الکحل کی بُو محسوس کی تھی۔ میں نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور وہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں ہلکی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرا کسی کے زیرِ استعمال تھا۔

جب دروازہ کھلنے پر اندر سے کوئی آواز نہ سُنائی دی تو بلّی کی طرح بے طرح بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اچانک کھلے ہوئے دروازے سے اندر گھُس گیا۔ میرے سامنے ہی مسہری پر ایک صحت مند سفید فام پہلو کے بل بے خبر سو رہا تھا۔ اس کے سرہانے تپائی پر بے نوشی کے لوازمات موجود تھے، ایک گلاس میں اسکاچ کے چند باقی ماندہ گھونٹ بتا رہے تھے کہ وہ پیتے پیتے نشے کے عالم میں ہی گہری نیند سو چکا ہے۔ سکون کے ساتھ پورے مکان کی تلاشی لینے کی نیت سے میں نے فوری طور پر اس مے خوار کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا البتہ اس کے سرہانے رکھا ہوا بڑے بور کا بھرا ہوا ریوالور اپنی تحویل میں لے لیا اور وہاں سے نکل آیا۔

نمبر تین کے اس حصّے میں اعلیٰ درجے کے رہائشی انتظامات تھے۔ بیشتر کمرے پُرتکلّف خوابگاہوں پر مشتمل تھے جہاں لائیڈز کاٹج کے بن بلائے پُراسرار مہمان قیام کرتے تھے، ایک وسیع اور پُرتکلف کمرا نشست گاہ کا روپ لیے ہوئے تھا جب کہ کھانے کی وسیع میز والے کمرے کے ایک حصّے میں چھوٹا سا بار کاؤنٹر موجود تھا جس کے پیچھے شیشے کے دیوار گیر کیبنٹ بھانت بھانت کی قیمتی غیر ملکی شرابوں سے بھرے ہوئے تھے اور سب ہی ویران پڑے ہوئے تھے۔ عمارت کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ عمارت کے اس حصّے میں سوئے ہوئے سفید فام کے علاوہ وہاں کوئی اور موجود نہیں ہے تو میں نے اپنی پوری توجہ اس کمرے پر مرکوز کر دی جو نشست گاہ سے متصل لیکن مقفّل تھا۔ اس پورے حصّے میں دوسرا مقفل دروازہ وہ ملا جو لائیڈز کاٹیج میں کھلنے والے ہال کو باقی عمارت سے ملاتا تھا۔

اس کمرے کا محلِ وقوع چغلی کھا رہا تھا کہ وہ صاحبِ مکان کا ذاتی اسلحہ خانہ بھی ہو سکتا تھا اور نوادرات رکھنے کا کمرا بھی۔ مجھے پوری امید تھی کہ جمی لائیڈ کی تصویر اسی کمرے میں مل سکے گی۔ ایک تار کی مدد سے میں نے تھوڑی سی جدّوجہد کے بعد وہ مقفل دروازہ کھول لیا پھر اندر روشنی کرتے ہی میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اس لمبے ہال میں ایک دیوار پر جانوروں کے سروں، سینگوں اور کھالوں پر مشتمل شکاری ٹرافیاں نصب تھیں اور نیچے دو دو رویہ چوبی اسٹینڈز پر مختلف اقسام کے اسلحہ جات موجود تھے جن میں بھانت بھانت کی بندوقیں اور رائفلیں موجود تھیں۔ کمرے کی سرسری تلاشی میں مجھے کینوس کا تین فٹ اونچا اور تقریباً دو فٹ چوڑا ایک سادہ فریم بھی نظر آیا جو ایک کیبنٹ میں دروازے کے طور پر لگایا گیا تھا۔ کینوس بالکل سادہ تھا لیکن یہ شناخت کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ پینٹنگز کی تیاری میں استعمال ہونے والا فریم تھا، اس اعتبار سے دروازے کے طور پر اس کا استعمال نگاہوں میں کھٹکتا تھا کیونکہ دیگر اشیاء کی ترتیب اور رکھ رکھاؤ سے مکینوں کے اعلیٰ ذوق اور نفاست کا اظہار ہوتا تھا جس سے وہ سادہ فریم ذرا بھی میل نہیں کھاتا تھا۔

دوسری توجہ طلب بات یہ تھی کہ لائیڈز کاٹیج سے کٹا ہوا نمبر تین کے چپّے چپّے کی صفائی کی جاتی رہی تھی۔ پوری عمارت میں کہیں بھی گرد و غبار یا گندگی کا شائبہ تک نہیں تھا جب کہ اسلحہ اور شکاری ٹرافیوں والے مقفل کمرے میں فرش اور وہاں رکھی ہوئی اشیاء پر گرد کی خاصی تہ جمی ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہاں آتے جاتے رہنے والوں کی رسائی اس کمرے میں نہیں تھی جب کہ اس غیر معمولی فریم کے علاوہ بادی النظر میں وہاں کوئی غیر معمولی چیز نہیں تھی۔

میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کینوس فریم سے بنا ہوا وہ اکلوتا پٹ کھولنا چاہا تو وہ پورا فریم اپنی جگہ سے اُکھڑ آیا اور میری لاکھ کوشش کے باوجود پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر آرہا میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ فریم کے اندرونی رخ پر کوئی پینٹنگ موجود تھی لیکن فریم کے گرنے سے پیدا ہونے والی آواز نے مجھے سراسیمہ کر دیا تھا لہٰذا میں فریم کو چھوڑ کر تیزی کے ساتھ ایک طرف اوٹ میں ہوگیا۔ مجھے معلوم تھا کہ عمارت کے اس حصّے میں موجود واحد سفید فام شراب کے نشے میں گہری نیند سویا ہوا تھا لیکن میں اس وقت بدترین اتفاقات کو بھی نظر انداز کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا جن میں سے ایک سفید فام کی قبل از وقت بیداری ہو سکتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا جب کئی منٹ بعد بھی کہیں سے کوئی جوابی ردِّعمل نہ سُنائی دیا تو میں اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا پھر اس فریم کو پلٹتے ہی میں اس رنگین قلمی تصویر کو دیکھتا رہ گیا۔

بڑے بڑے خمدار بالوں، نچلے جبڑوں تک چھوڑی ہوئی گھنی قلموں اور روشن چمکدار آنکھوں والا وہ سفید فام انگریز امراء کی طرز کے روایتی لباس میں ملبوس ایک منقش مسند پر براجمان تھا اور اس کے قدموں میں ایک چیتے کی کھال پڑی ہوئی تھی تصویر کے نیچے داہنے گوشے میں نسبتاً باریک حروف میں انگریزی میں جے۔ لائیڈ لکھا ہوا تھا جسے دور سے بھی بہ آسانی پڑھا جاسکتا تھا اور اس انداز میں لکھا گیا تھا کہ یہ طے کرنا دشوار تھا کہ وہ صاحب تصویر کا نام ہے یا تصویر بنانے والے مصوّر کے دستخط۔

میں کئی منٹ تک غور سے مضبوط اور گٹھے ہوئے جسم والے اس شخص کو دیکھتا رہا جو چہرے پر گمبھیر سنجیدگی اور متانت لیے تصویر میں براجمان تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے لیکن ان لبوں پر ایک غیر واضح اور ادھوری سی مسکراہٹ مچلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اگر وہی جمی لائیڈ تھا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ویرا کی ماں دعوت میں اس سے ملاقات پر کسی عالی نسب مہمان کا دھوکا نہ کھاتی کیونکہ اپنے خدوخال اور شاہانہ کرّوفر سے وہ کسی طرح بھی مجرم نظر نہیں آرہا تھا۔

ویرا کی ہدایت کی تعمیل میں میں نے وہ تصویر جن پُراسرار اور ناقابلِ تصور حالات میں دریافت کی تھی ان کے پیشِ نظر وہ جمی لائیڈ ہی کی تصویر ہو سکتی تھی۔ میں نے بغور اس تصویر کی ساری جزئیات ذہن نشین کیں اور تصویر کو دوبارہ اس کی جگہ لگا دیا۔ وہ تصویر اس قدر غیر معمولی تھی کہ ایک بار اسے دیکھ کر بھلایا جانا ممکن نہیں تھا باہر نکل کر میں نے اس کمرے کا دروازہ دوبارہ مقفل کر دیا میرا خیال تھا کہ میں نے بہت کم وقت میں قابلِ رشک کامیابیاں حاصل کر لی تھیں اور اگر آئندہ اٹھارہ بیس گھنٹے پُرسکون انداز میں گزر جاتے تو میں اگلی رات کانٹی نینٹل میں ویرا لائیڈ سے طے شدہ ملاقات کے لیے باہر نکلنے کے بعد ویرا کے ہمراہ جمی لائیڈ کی تصویر ہمراہ لے کر لائیڈز کاٹیج کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا تھا۔ بس شرط اس قدر تھی کہ لائیڈز کاٹیج یا نمبر تین کو اسلحہ کے گودام کے طور پر استعمال کرنے والوں کو اس دوران میں یہ علم نہ ہونے پائے کہ ان کی بے خبری میں کوئی ان کے ناقابلِ شکست حصار کو توڑ کر وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ مجھے قوی اندیشہ تھا کہ وہ لوگ زیادہ دیر تک میری مداخلت سے بے خبر نہیں رہ سکیں گے لیکن میرے لیے وقت کی طنابوں کو مختصر کر کے اگلی رات سے پہلے لائیڈز کاٹیج سے نکلنا دشوار نظر آرہا تھا۔

میرے لیے سوئے ہوئے سفید فام کے علاوہ بس ایک ہی اہم کام باقی رہ گیا تھا کہ لائیڈز کاٹیج میں واپسی سے قبل فریم کے نیچے بنے ہوئے تہ خانے سے باہر جانے والی سرنگ کے دوسرے دہانے کا سراغ لگانا تھا تاکہ بعد میں لائیڈز کاٹیج کا رخ کیے بغیر اسی راستے سے اندر دھاوا بولا جاسکے۔ یہ بات طے تھی کہ سرنگ کا دوسرا دہانہ لائیڈز کاٹیج کے عقب میں پھیلے ہوئے گھنے جنگلات میں کہیں واقع ہو سکتا تھا اور یقینی طور پر ہر وقت مسلح آدمیوں کی نگرانی میں رہتا ہوگا جو مال لانے والے ٹرکوں کے عملے کو شناخت کر کے راستہ کھولتے ہوں گے۔

میں نے ٹامی گن اپنے شانے سے لٹکالی اور سفید فام کے سرہانے سے نکالا ہوا پستول سنبھال کر دوبارہ اس کی خواب گاہ کی طرف ہو لیا اُس بار میں اپنی گھبراہٹ پر پوری طرح قابو پا چکا تھا لہٰذا میں نے سوچے سمجھے انداز میں کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا سوئے ہوئے سفید فام کو چھیڑنے سے قبل میں نے وہاں موجود ٹیلی فون سیٹ کا جائزہ لیا اور ریسیور پر ڈائل ٹون سننے کے بعد جنکشن بکس اور انسٹرومنٹ سے سارے تار اس طرح نوچ ڈالے کہ انھیں دوبارہ جوڑنا آسان نہ رہے پھر میں نے ریسیور بھی تار سے الگ کر ڈالا۔ ٹیلی فون کو ناکارہ کرنے کے بعد مجھے لاسلکی مواصلاتی آلات کی فکر لاحق ہو گئی جو تنظیم کے ہر اہم یونٹ پر فوری رابطوں کے لیے زیرِ استعمال رہتے تھے۔ تھوڑی سی جستجو کے بعد سفید فام کی مسہری کے نیچے وہ آہنی صندوق بھی مل گیا جس میں ڈیلٹا۔ ٹی میرج کا ایک طاقت ور لاسلکی مواصلاتی یونٹ موجود تھا۔ میں نے یونٹ کی پاور سپلائی منقطع کر کے اس کے بھی سارے تار بے رحمی کے ساتھ الگ کر ڈالے اس طرح نمبر تین کا بیرونی دنیا سے رابطہ منقطع کرنے کے بعد میں نے گہری نیند سوئے ہوئے سفید فام کو جھنجوڑ ڈالا۔

غنودگی کے عالم میں اس کے مُنہ سے ایک بے معنی سی غضب ناک غرّاہٹ نکلی اور وہ آنکھیں کھولے بغیر پہلو بدل کر رہ گیا اس بار میں نے اس کی پسلیوں میں ہلکی سی ضرب لگائی اور وہ بے معنی غرّاہٹیں نکالتا ہوا بستر سے اُٹھ بیٹھا۔ پہلے تو وہ سمجھ ہی نہیں سکا کہ نیند کے عالم میں اس پر کیا افتاد آن پڑی ہے پھر اس نے نشے سے بوجھل آنکھیں مسل کر پلکیں جھپکائیں تو مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس کا ہاتھ مشینی طور پر اپنے تکیے کی طرف بڑھا تھا۔

"وہاں کچھ نہیں ہے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "پیرمیرے ہاتھ میں دبا ہوا ہے۔" اس کی چمڑی کی رنگت دیکھنے کے باوجود میں نے اُردو کا سہارا لیا تھا تاکہ اس کی عملی سطح کا اندازہ لگا سکوں۔

"تم کون ہائے؟ ایدر کیسے آیا ہائے؟" وہ غضب ناک لہجے میں ہکلاتے ہوئے بولا تھا۔ ہکلاہٹ کا سبب غصّے سے زیادہ نظری معلوم ہوا تھا۔ اُردو سے اس کی واقفیت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقامی ماحول کے لیے نیا نہیں تھا۔

"یہی میں تم سے پوچھ سکتا ہوں۔" اس بار میں نے چُبھتے ہوئے لہجے میں انگریزی میں سوال کیا تھا۔ "تم اس عمارت میں غیر قانونی طور پر کیسے موجود ہو اور نیچے کس قسم کا مال بھرا ہوا ہے؟"

اس بار اُسے صورتِ حال کی نزاکت کا فوراً ہی ادراک ہوا تھا اور وہ بستر سے اُچھل کر نیچے آگیا۔ اس کی آنکھوں سے نیند اور نشے کا خمار یکسر غائب ہو گیا تھا اور وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ "تم نے ابھی تک اپنے بارے میں میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" میں نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم اس وقت ایک ذمّے دار سرکاری افسر سے مخاطب ہو۔"

"سرکاری افسر؟" اُس نے استہزائیہ انداز میں دُہرایا۔ "انوکھے ہی معلوم ہوتے ہو ورنہ یہاں کے ذمّے دار سرکاری افسر تو ماتحتوں کے جلوس کے بغیر سانس لینا بھی گوارا نہیں کرتے۔"

میں نے اچانک ہی بائیں ہاتھ کا بھرپور تھپیڑا اُس کے چہرے پر رسید کیا تھا اور وہ چکراتا ہوا دُور جا گرا۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنا رخسار سہلاتا ہوا کینہ توز انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ "تمھیں یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" دھمکایا تھا۔

"یہاں سے نکاسی والی سُرنگ کہاں نکلتی ہے؟" میں نے سوال کیا اور اُس کی نگاہیں یکبارگی چمک اٹھیں۔

"اس راستے سے لاعلم ہو تو پھر آئے کہاں سے ہو؟" اُس نے فوراً ہی سوال کر دیا تھا۔

"اندر سے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "پوری عمارت اس وقت ملٹری کی تحویل میں ہے۔ مجھے اتفاقاً ہی تہ خانے میں اُترنے کا راستہ مل گیا پھر سُرنگ بھی دریافت ہو گئی اور میں ادھر چلا آیا۔"

"یعنی ابھی تک یہ معاملہ تمھاری ذات تک محدود ہے؟" اُس نے سوال کیا پھر مجھے خاموش پا کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "چاہو تو تم اس سنہری موقع سے ناقابلِ تصور فائدہ اٹھا سکتے ہو... میں تمھیں منہ مانگا معاوضہ دے سکتا ہوں۔"

"کس بات کا؟" میں نے سرسری سی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"انسٹرومنٹ تم تباہ کر چکے ہو۔" وہ ٹیلی فون پر حسرت زدہ نگاہیں ڈالتے ہوئے بولا۔ "وائرلیس بھی ناکارہ کر دیا ہے۔ بس مجھے نکل جانے دو۔ رقم فوری ادا کر دوں گا۔"

میں ہنس دیا۔ "اگر رقم فوری دے سکتے ہو تو وہ یہیں موجود ہوگی، اس پر میں تمھیں گولی مار کر بھی قابض ہو سکتا ہوں۔ تم نے ابھی تک میرے ابتدائی سوالات کا جواب نہیں دیا۔"

"میں یہاں چوکیدار کی حیثیت سے ملازم ہوں جن لوگوں کے لیے کام کرتا ہوں انھیں اس کارروائی کی خبر دینا ضروری ہے اسی لیے میں تم سے سودا کرنا چاہ رہا تھا ورنہ مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہاں مقامی ضروریات کے لیے وہ اسلحہ اور فاضل پرزے لائے جاتے ہیں جن کی سپلائی دوست ملکوں نے روک دی ہے لیکن جو تمھاری قومی سلامتی کے لیے ناگزیر ہیں۔"

"تم کن لوگوں کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ ساری ہدایت فون یا ٹرانسمیٹر پر ملتی رہی ہیں۔"

"پھر اُنھیں اس کارروائی کی اطلاع کیسے دے سکو گے؟"

"باہر سے فون کر کے۔" وہ غیر متوقع طور پر شرافت سے بتاتا چلا گیا میرے استفسار پر اس نے جھجکتے ہوئے فون نمبر دُہرایا جو میں نے فوراً ہی ذہن نشین کر لیا۔

"تمھارے اور کن لوگوں سے مراسم ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"کام کے سلسلے میں میں کسی کی بھی نشاندہی نہ کر سکوں گا۔"

"ٹارچر سیل میں تم اپنی زبان زیادہ دیر بند نہ رکھ سکو گے، چلو باہر نکلو!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

اُس نے ایک بار پھر میرے ساتھ سودے بازی کی کوشش شروع کر دی۔ پھر میرے سخت رویّے سے مجبور ہو کر میرے حکم کی تعمیل میں کمرے سے باہر نکل گیا۔

مخصوص کمرے میں پہنچ کر میں نے اُسے تہ خانے میں اُترنے کی ہدایت کی تو وہ بڑھتے بڑھتے اچانک ہی پلٹ کر مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے اُسے اس طرح اپنے ہاتھوں پر روکا تھا کہ پستول کی آہنی نال اُس کے بائیں جبڑے پر پڑی تھی۔ اُسی لمحے میرا داہنا گھٹنا حرکت میں آیا اور وہ بے اختیار اپنا پیٹ دبائے پیچھے اُلٹ گیا۔ اِس بار میں نے اُس کے ساتھ کسی رعایت سے کام نہیں لیا اور لات مار کر اُسے تہ خانے کے دہانے کی طرف دھکیل دیا۔ وہ راستہ اتنا کشادہ نہیں تھا کہ اُس کا پورا

وجود اس خلا میں سے گزر جاتا۔ شانوں اور ٹانگوں کے بل اس نے خود کو سنبھالنا چاہا لیکن میں نے ٹھوکریں مار مار کر اسے نیچے گرا ہی دیا اور تہ خانہ اُس کی ہولناک چیخوں سے گونج اُٹھا۔

اس کے فرش پر گرنے سے پُرشور دھماکا ہوا تھا۔ آخری جلدوز چیخ فوری ہی دردناک کراہوں میں بدل گئی تھی۔ میں پھرتی کے ساتھ سیڑھیاں عبور کر کے نیچے پہنچا تو وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر سسک رہا تھا۔ اس کی بائیں کنپٹی اور کھوپڑی پھٹ گئی تھی۔ اتنی بلندی سے گرنے کے باعث بہتیری ہڈیاں بھی سلامت نہ رہ سکی ہوں گی۔

میں نے ایک لمحے کے لیے اس کی افادیت کے بارے میں غور کیا اور پھر اس کی پیشانی کے وسط میں اُسی کے پستول کی گولی اُتار دی۔ تہ خانے میں فائر کی بازگشت کئی ثانیوں تک گونجتی رہی تھی۔ اس کے معدوم ہونے سے پہلے ہی وہ سفید فام دم توڑ چکا تھا۔

مجھے اپنے تحفظ اور اگلی کارروائی کے لیے کم از کم اٹھارہ گھنٹے کی مہلت درکار تھی اور اتنے طویل عرصے کے لیے اس سفید فام کو زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ وہ کسی بھی آنے والے کو پوری روداد سُنا کر میرے لیے دشواریاں کھڑی کر سکتا تھا جب کہ اس کی لاش دیکھ کر کوئی بھی واقعات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اسے ٹھکانے لگا کر میں نے فوراً ہی نکاسی والی سرنگ کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا لیکن یہ سوچ کر ٹھہر گیا کہ دوسرے دہانے پر متعین محافظوں کے مقابلے میں مجھے کوئی آڑ میسر نہ ہوئی تو میں ان کے ہاتھوں باآسانی مار لیا جاؤں گا۔ میں نے فورک لفٹ کا جائزہ لیا تو اُس کی کُنجی اگنیشن میں موجود تھی۔

میں نے اگنیشن آن کر کے گلو لیمپ آف ہونے کا انتظار کیا اور پھر چابی گھما کر انجن اسٹارٹ کر لیا۔ فورک لیور کی مدد سے تہ خانے کے فرش پر ٹکے ہوئے فورکس کو اوپر اٹھا کر میں نے انجن فارورڈ گیئر میں ڈالا اور فورک لفٹ کو نکاسی کی سرنگ میں لیتا چلا گیا جو بتدریج ڈھلان کی صورت میں قدرے بلند ہوتی جا رہی تھی۔ اس طرف بڑھنے سے قبل میں نے سُرنگ میں روشنی کے سوئچ دانستہ آن نہیں کیے تھے۔ بس فورک لفٹ کے ہیڈ لیمپس سے کام لیتا رہا تھا تاکہ میں تاریکی میں رہ کر خود کو محافظوں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکوں۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بند دیوار سامنے آتے ہی میں نے فورک لفٹ کو روک دیا اور ہینڈ بریک لگا کر ہیڈ لیمپس کی روشنی میں راستہ پیدا کرنے والا میکنیزم تلاش کرنے لگا جو اس مقام پر برقی سوئچ کی صورت میں بغلی دیوار میں نصب تھا۔ نکاسی کے اس مقام پر سُرنگ کی چوڑائی اور اونچائی اتنی سمٹ گئی تھی کہ ٹرک احتیاط کے بغیر گزار لینا محال نظر آتا تھا۔



سوئچ آن کرتے ہی وہ دیوار پہلو میں سرکنے کے بجائے نیچے دھنسنے لگی۔ یہ بندوبست غالباً اس لیے رکھا گیا تھا کہ سامنے نکاسی کے راستے کا سائز مختصر ترین رکھا جا سکے۔ میں نے وہیں رہنے کے بجائے پھرتی سے پلٹ کر فورک لفٹ میں اپنی نشست سنبھال لی۔ پھر جوں ہی دیوار دھنستی ہوئی نیچے آئی میں نے دہانے کے سامنے ایک شخص کو اسٹین گن سنبھالے دیکھا۔ حُلیے سے وہ دیہاتی مفلوک الحال نظر آ رہا تھا تاکہ اس علاقے میں مقامی روپ میں ہونے کے باعث غیر متعلقہ لوگوں کی نگاہوں سے بچا رہے۔

"کون ہے؟" اُس نے وہیں سے اونچی آواز میں سوال کیا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صورتِ حال میں کسی غیر متوقع تبدیلی کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور لگاتا بھی کیسے جب کہ داخلے کے اکلوتے راستے پر وہ خود نگراں تھا۔

دیوار پوری طرح نیچے بیٹھنے سے قبل ہی میں نے فورک لفٹ کو آگے بڑھایا اور حدِ فاصل پر اچانک روک کر باہر کھڑے ہوئے مسلح محافظ پر پستول سے فائر کر دیا۔ وہ میری رینج میں تھا اور میرا نشانہ بے خطا تھا۔ گولی اُس کے بائیں پہلو میں پیوست ہوئی تھی اور وہ اسٹین گن پھینک کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ دبائے چیختا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی فورک لفٹ کو آگے بڑھا دیا اور راستہ ذہن میں رکھتے ہوئے ہیڈ لیمپس گُل کر دیے تاکہ اُس کا کوئی ساتھی فائر اور چیخ سُن کر کہیں سے نمودار ہو تو اُسے بھی سنبھلنے سے پہلے ڈھیر کر سکوں اور ہوا بھی ایسا ہی۔ سُرنگ کے دہانے سے قدرے داہنی جانب ایک جھونپڑی میں سے ایک شخص غالباً نیند اور بدحواسی کے عالم میں دوسری اسٹین گن لیے برآمد ہوا تھا۔ پہلے شکار کے مقابلے میں وہ مجھ سے زیادہ نزدیک تھا۔ میں نے پہلے فائر پر اسے لڑکھڑا کر سنبھالا لیتے دیکھ کر فوراً ہی دوسرا فائر جھونک مارا اور اس بار وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔

میں فورک لفٹ کا انجن بند کر کے نیچے آ گیا اور وہیں ٹھہر کر مزید کسی ردِعمل کا انتظار کرنے لگا۔ مختصر سی مدت میں یکے بعد دیگرے تین دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد مجھ پر درندگی طاری ہو چلی تھی اور ساری وحشیانہ جبلّتیں پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں۔

دوسرے آدمی کی ہلاکت کے بعد جنگلات کے درمیان گھرے ہوئے اس تاریک ویرانے میں دوبارہ سنّاٹا چھا گیا جس کا سینہ جھینگروں کا شور مجروح کر رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر جھونپڑی کا رُخ کیا جہاں دو سلیپنگ بیگز کے علاوہ بہت مختصر سا سامان موجود تھا۔ پھٹے پرانے کپڑوں کے ایک ڈھیر کے نیچے مجھے دوسرا سوئچ بورڈ مل گیا۔ پھر اس کا لیور دبایا تو دیوار ایک بار پھر لوپر اُٹھنے لگی۔ اسے یوں ہی چھوڑ کر میں ٹین کے ایک خستہ حال صندوق کی طرف متوجہ ہو گیا جس میں خوراک کے ڈبّوں اور دوسری ضروریات کے ساتھ ایک وائی فائی

سوئچ سے دیوار کو پھر اُس کی جگہ لوٹا دیا۔ [note: see below]

بھی موجود تھا۔ میں نے وہ انسٹرومنٹ اپنی تحویل میں لے لیا۔ واپس پلٹا تو سرنگ کا دہانہ غائب ہو چکا تھا۔ اس حصے کو مٹی اور پتھروں کے بھراؤ سے ایک قدرتی ٹیلے کی صورت دے دی گئی تھی جس پر کسی سُرنگ کا گمان ہونا محال تھا البتہ دھنسنے اور اُبھرنے والی دیوار کا بیرونی حصہ ناہموار اور مٹیلے رنگ کا ہونے کے باوجود شبہ سا نظر آ رہا تھا جس کی حفاظت کے لیے وہاں دو محافظ مامور تھے۔ سُرنگ سے آگے کچی زمین پر کسی قسم کے ٹریفک کی علامات نہیں تھیں۔ غالباً دونوں محافظ ایسے نشانات کو مٹانے کے ذمّے دار تھے۔ دونوں خون آلود لاشیں اسٹین گنوں سمیت فورکس پر لاد کر میں نے سُرنگ کا راستہ پیدا کیا اور فورک لفٹ کو اندر لے جا کر اندرونی سوئچ سے دیوار کو پھر اُس کی جگہ لوٹا دیا۔

میں نے پوری کوشش کی تھی کہ حالات کو اس قدر اُلجھا دیا جائے کہ کوئی اُدھر آ بھی نکلے تو آسانی سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکے اور مجھے اگلی رات تک کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

لیکن وہ سب میری تدبیریں تھیں جبکہ مقدر میں کچھ اور ہی لکھا ہوا تھا۔ میں سُرنگ کے سخت اور ڈھلوان فرش پر احتیاط سے فورک لفٹ ڈرائیو کرتا ہوا تہ خانے میں پہنچا اور انجن بند کر کے فورکس آہستگی کے ساتھ فرش پر ٹکا دیے تاکہ دونوں لاشوں کو اتارنے میں آسانی ہو۔ پھر میں اپنی نشست سے اُتر کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک للکارتی ہوئی سرد آواز نے میری رگوں میں خون منجمد کر دیا اور میرے دونوں ہاتھ مشینی انداز میں اوپر اُٹھتے چلے گئے۔

ہاتھ بلند کر کے میں آہستہ آہستہ آواز کی سمت میں گھوما تو اسلحے کی پیٹیوں کے قریب انعام ٹامی گن سنبھالے قہر بار نظروں سے میری طرف گھور رہا تھا۔

وہ نجانے کب اور کیسے وہاں آ پہنچا تھا؟ مجھے خوف بس یہی تھا کہ اس وقت ہم بارود کے بھاری ذخیرے کے پاس موجود تھے اور اگر وہ میری کسی بھی حرکت پر بھڑک کر فائرنگ شروع کر دیتا تو بھٹکی ہوئی گولیاں اس تہ خانے کو بارود کی جہنّم میں تبدیل کر سکتی تھیں۔

**گولیاں**

"نہ چلانا" میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ان پیٹیوں میں اسلحہ اور بارود کے بھاری ذخائر موجود ہیں۔ ایک گولی بھی بارود کے کسی کریٹ میں گھُس گئی تو ہماری راکھ کا بھی پتا نہیں چل سکے گا۔"

"راکھ!" وہ استہزائیہ انداز میں غرّایا۔ "تمھاری تو اب روح کا بھی سراغ نہیں مل سکے گا کہ وہ کہاں اور کیسے غائب ہو گئی۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ تمھارے عزائم نیک نہیں ہیں۔ ہماری ہمدردی کی آڑ میں تم اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اور تمھاری یہاں موجودگی نے میرے شبہات کی تائید کر دی ہے۔"

"لائیڈز کاٹیج میں، میں تفریح کے لیے نہیں آیا ہوں۔" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد اور خشک لہجے میں کہا۔ "ڈی سوزا نے یہاں گڑبڑ کا اندازہ لگا کر تحقیقات کے لیے مجھے طلب کیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اوپر والوں نے بھی مجھے ایک مشن سونپا تھا۔ مجھے یہ دیکھنا تھا کہ اندر کی گڑبڑ کتنی سنگین ہے اور اس کے رازوں پر کس حد تک اثرانداز ہوئی ہے۔ تمھاری یہاں موجودگی ظاہر کر رہی ہے کہ تم نے ہدایات اور یہاں کے ضابطوں کی دھجّیاں اُڑا دی ہیں اور عملاً لائیڈز کاٹیج کے ہر گوشے میں تمھاری رسائی ہے۔ یہ سرکشی اور نافرمانی ناقابلِ معافی ہے۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ ہتھیار پھینک کر خود کو میرے حوالے کر دو۔"

لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نظر آئے پھر وہ بولا تو اُس کی آواز دُرشت تھی لیکن الفاظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدافعت کی کوشش کر رہا تھا۔ "میں یہاں پہلی بار آیا ہوں، مجھے تو کھُلا ہوا راستہ دیکھ حیرت ہوئی تھی اور میں محتاط انداز میں بڑھتا چلا آیا۔ میں نے کسی حکم اور ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کی . . . تم اوّل درجے کے مکّار اور جھوٹے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم جیسی کالی بھیڑ، ڈی سوزا اور دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کیسے کامیاب ہو گئی؟"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "تم اعترافِ جرم کر رہے ہو انعام! سرکش اور باغی وہی کہلاتے ہیں جو خود کو اپنے اوپر والوں سے ذہین اور برتر سمجھنے لگتے ہیں پھر طے شدہ ضابطوں سے ہٹ کر اپنی راہ الگ بنانے لگتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ اضطراری لہجے میں غرّایا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میری سنگین گفتگو اس کے اعصاب پر اثرانداز ہو رہی تھی اور میرے بارے میں اُس کے شبہات کمزور پڑنے لگے تھے۔ لیکن وہ آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ "مجھے شروع ہی سے تمھاری اصلیت پر شبہ تھا۔ تم نہ جانے کن لوگوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہو اور ہمارے اور ڈی سوزا کے درمیان اختلافات کی خلیج بڑھا کر کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"میں تمھیں مجرم سمجھ رہا ہوں اور تم مجھے۔" میں نے پہلو بدلتے ہوئے پُرسکون لیکن تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "لہٰذا ہم اپنا فیصلہ آپس میں نہیں کر سکتے۔ ڈی سوزا کے سامنے پہنچتے ہی تم اپنی تباہ کُن غلطی کو محسوس کر لو گے کیوں کہ میرے سامنے تمھارا منصب ہیچ ہے۔ میں

غیر مسلح ہو چکا ہوں لہٰذا اتنا ضرور کہوں گا کہ تم بھی اپنی ٹامی گن پھینک دو یا کم از کم کندھے سے لٹکا لو تاکہ ہم مساویانہ طور پر دالپسی کا آغاز کر سکیں۔ موجودہ توہین آمیز صورتِ حال میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم نے ابتدا میں ہی غلطی کی۔۔۔" اُس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اُس کی بات اڑا دی۔

"تم نے کہیں کوئی غلطی نہیں کی۔ سب کچھ من و عن اسی طرح ہوا ہے جیسے سوچا گیا تھا۔ ڈی سوزا کو پہلے سے تم پر شبہ تھا اسی لیے وہ عین وقت پر میری آمد اور میرے کوڈ کے بارے میں تمھیں کچھ بتائے بغیر غائب ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ تم مجھے یعنی ڈینی کو تنظیم کا ناقابلِ معافی مجرم گردانتے ہوئے تہ خانے میں لے جاؤ گے اور اسی مرحلے سے تمھارا اور تمھاری وفاداریوں کا امتحان شروع ہو گیا تھا۔"

"لیکن تمھاری یہاں موجودگی کا کیا جواز ہے؟"

"یہ ڈی سوزا سے بھی اوپر والوں سے پوچھنا ہوگا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "فی الحقیقت تم کچے مُہرے ہو۔ اس وقت تو ڈی سوزا کا مستقبل بھی میری تفتیش سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات بتائی تم نے۔" اُس کی نگاہیں یک بیک چمک اٹھیں۔ "ہو سکتا ہے کہ ڈی سوزا اپنے بچاؤ کے لیے تم کو ٹھکانے لگوا دے، اس طرح میری بھی گلو خلاصی ہو جائے گی۔۔۔ اور ہاں، یہ لاشیں کہاں سے لا رہے تھے؟"

"غفلتیں۔" میں نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں پہلے بھی خفیہ راستے سے یہاں آتا رہا ہوں۔ آج پہلی بار لائیڈز کاٹیج کی سمت سے داخل ہوا ہوں اور ہر طرف عدم تحفظ کی فضا نظر آ رہی ہے۔ اندر سے تم دندناتے ہوئے یہاں تک چلے آئے۔ نکاسی کے خفیہ راستے پر یہ دونوں مشتبہ آدمی مامور تھے۔ ہمارے آدمی جھاڑیوں میں بے دست و پا پڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو ہلاک کر کے میں نے اپنے آدمیوں کو آزاد کرایا ہے۔ آثار ایسے ہیں کہ لائیڈز کاٹیج کی رازداری شاید زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکے گی، باہر والے ادھر متوجہ ہو چکے ہیں۔"

"باہر کے معاملات کی ذمے داری ہم پر نہیں آتی۔" وہ بے پروائی کا انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "اندر کے معاملے میں آخری فیصلہ ڈی سوزا ہی کو کرنا ہوگا۔"

میں نے ابتدا ہی سے اُس کے خلاف سخت موقف اختیار کیا تھا تاکہ ذہنی طور پر اُسے مرعوب کر کے اپنے خلاف کسی عملی کارروائی سے باز رکھ سکوں۔ اُس کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے خلاف وہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کوئی مستحکم رائے قائم نہیں کر سکا تھا اور اب اُس نے اپنی زبان سے اعتراف کر لیا کہ آخری فیصلہ بہرحال ڈی سوزا ہی کو کرنا تھا جس کا مطلب تھا وہ فوری طور پر مجھے ٹھکانے لگانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"آخری فیصلہ ڈی سوزا کو نہیں، مجھے کرنا ہے۔" میرے [illegible] میں نے اپنے ہاتھ گراتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "شاید تم نے سُنا نہیں کہ اوپر والوں کی طرف سے بھی مجھے کوئی مشن سونپا گیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ڈی سوزا لائیڈز کاٹیج کی زیرِ زمین تعمیرات کے تحفظ کے سلسلے میں غفلت اور کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہے۔"

اُس نے میرے ہاتھ گرانے پر اعتراض نہیں کیا۔ البتہ وہ کھڑا اُلجھن آمیز نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا۔ ٹامی گن کا دہانہ بدستور میرے سینے کی طرف اُٹھا ہوا تھا۔

"رحمانی کہاں ہے؟" میں نے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ اوپر اپنے کمرے میں ہوگا۔ اُسی نے بتایا تھا کہ اس وقت تم تہ خانے میں ہو اور صبح تین بجے وہ نکاسی کے راستے پر تمھیں لینے کے لیے آئے گا۔ وہ تم پر اندھا اعتماد کرتا ہے لہٰذا اُسے بتائے بغیر تمھاری تلاش میں یہاں آ پہنچا اور یہاں میرے شبہات کی تصدیق ہو گئی۔"

"پھر وہی شبہات۔" میں برہمی کے عالم میں غرّایا۔ "میں یہاں اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں موجود ہوں۔ مداخلت کا ارتکاب تم نے کیا ہے۔ اگر تم نے فوراً ٹامی گن نہ گرائی تو نتائج کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔"

"اگر تمھاری بات ہی درست مان لوں تو ٹامی گن گرانے کے بعد میں نہ صرف تمھارا قیدی بن جاؤں گا بلکہ ڈی سوزا کے عتاب کا نشانہ بھی بننا پڑے گا۔" اُس کے لب و لہجے میں شکست کے آثار عود کر آئے۔

"بلا اختیار اور جواز یہاں گھسے ہو تو جواب دہی تو کرنا پڑے گی۔"

"ضرورت کے تحت مجھے یہاں آنے کا اختیار ہے۔ اس وقت کی دخل اندازی کے لیے میرے پاس کوئی معقول جواز نہیں ہے۔۔۔ نہیں میں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"کوئی خطرہ نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ لہجہ اُس کا مضحکہ اُڑانے والا تھا۔ "تمھیں میری اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا، تمھارے نزدیک میں محض بھنگیوں کی ٹولی کا سربراہ ہوں۔ اِن حالات میں مجھے تہ خانے کا رُخ اختیار کرتے ہوئے دیکھ کر تمھارا چونکنا لازمی تھا۔ بس یوں تم اتفاقاً میرے پیچھے چلے آئے۔"

اُس کے پژمردہ چہرے پر اُمید کی لہر دوڑ گئی۔ "لیکن اس کہانی کے تسلیم کیے جانے کا انحصار تمھارے بیان پر ہوگا، اگر تم تردید پر تل گئے تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم جو کچھ کہو گے اُس کی تردید نہیں کروں گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور میں نے اس وقت جو کچھ کہا وہ پورے خلوص کے ساتھ کہا تھا۔

انعام کوئی پارسا یا فرشتہ نہیں تھا۔ اُس کے دیگر جرائم کی فہرست جتنی بھی طویل رہی ہو اس سے قطع نظر وہ کم از کم دو آدمیوں کو لائیڈز کاٹیج کے سبزہ زاروں پر بذاتِ خود زہریلے سانپوں سے ڈسوا کر ہلاک کر چکا تھا اور ایک بار بساط پر غالب آنے کے بعد میرا اُس خونی کو معاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اپنے تین حریفوں کو ختم کرنے کے بعد اس وقت میرے دماغ پر خون سوار ہو چکا تھا اور میں جانتا تھا کہ ایک بار میرے دام میں آنے کے بعد وہ اس قابل ہی نہ رہ سکے گا کہ ڈی سوزا یا کسی دوسرے کو اپنی کہانی سُنا سکے۔

"یہ وعدہ ہے تمھارا؟" اُس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"وعدہ۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اُس نے ٹامی گن بائیں ہاتھ میں سنبھال لی، اُس کا دہانہ چھت کے رُخ پر ہو گیا اور ٹرائیگر کو حرکت میں لانے والا داہنا ہاتھ مصافحے کے لیے میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اُس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے کر پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ بوکھلاہٹ میں ٹامی گن اُس کے ہاتھ سے نکل گئی اور جُوں ہی اُس کا چہرہ میرے قریب آیا میں نے وحشیانہ انداز میں اس کی ناک پر ٹکر رسید کر دی۔ زیرِ زمین گزرگاہوں میں اُس کی کریہہ چیخ کی بازگشت دیر تک گونجتی رہی لیکن میں نے اُسے دوسری آواز نکالنے کا موقع دیے بغیر پوری قوت کے ساتھ اُس کی گردن دبوچ لی۔

جسمانی طور پر وہ مجھ سے کہیں برتر تھا لیکن میرا سوچا سمجھا وار اس کے لیے غیر متوقع تھا لہٰذا جتنی دیر میں وہ میرے بھیانک عزائم کا اندازہ لگاتا، میں اُسے پختہ فرش پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا تھا۔ پہلے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں پھر ان میں موت کی دہشت اُتر آئی۔ میرے نیچے اس کا وجود پوری شدت کے ساتھ تڑپتا رہا لیکن اس کے نرخرے پر میری انگلیوں کی گرفت ذرا بھی کمزور نہ ہوئی۔ آخر کار اُس کی آنکھیں اُبل کر اپنے حلقوں سے باہر آ گئیں۔

چند ثانیوں بعد جب دم گھٹنے کے باعث اُس کا بدن تڑپ تڑپ کر بے جان ہو گیا تو میں اس کے سینے پر سے اُتر گیا۔

سب کچھ کر گزرنے کے بعد یہ سوچ کر میرا دماغ گھوم گیا کہ قلیل سی مدت میں میں چار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ یہ خیال آتے ہی یک بیک میرے اعصاب پر تکان طاری ہو گئی اور میں وہیں اسلحہ سے بھری ہوئی ایک چوبی پیٹی پر بیٹھ گیا۔

اضطراری طور پر سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ میں اس وقت بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا لہٰذا میں نے احتیاط کے ساتھ دیاسلائی بجھا کر دوبارہ ماچس میں رکھ لی۔ سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اپنی تیز کارروائیوں کی بنا پر میں خود کو ایک مشکل صورتِ حال سے دوچار کر بیٹھا تھا۔

گو ویرا لائیڈ سے میرا سمجھوتا ہو چکا تھا اور اس سمجھوتے کی ضمانت کے طور پر ویرا نے غزالہ کو یرغمال بنایا ہوا تھا لیکن وہ ایک خفیہ سمجھوتا تھا اور لائیڈز کاٹیج میں میری حیثیت تنظیم کے ایک معتوب کارندے سے زیادہ نہیں تھی یہ اور بات تھی کہ میرے لائیڈز کاٹیج پہنچتے ہی حالات نے کچھ ایسا رُخ اختیار کیا کہ انعام اور رحمانی مجھے اپنے اعتماد میں لینے پر مجبور ہو گئے پھر ڈی سوزا نے بھی مجھے باہر سے آیا ہوا ایک ذمے دار لیکن معتوب کارندہ سمجھتے ہوئے اندازہ لگایا کہ اس عمارت میں کسی سے کوئی وابستگی نہ ہونے کے باعث میں غیر جانبدار آدمی ہوں، لہٰذا اس نے سانپوں کے ڈسنے سے ہلاک ہونے والوں کے معاملات کی تفتیش بھی میرے ذمے لگا دی اور مجھے بیک وقت دو رُخی پالیسی اختیار کرنے کا موقع مل گیا۔

یہ میری اس پالیسی کی کامیابی کی انتہا تھی کہ میں اس وقت نمبر تین کے نیچے اسلحے کے اس خفیہ گودام میں موجود تھا جس کے وجود سے شاید ڈی سوزا بھی لاعلم تھا لیکن اس کھیل کا انجام خود مجھے بھی معلوم نہیں تھا۔

نمبر تین کے ممنوعہ حصے میں جو واحد سفید فام مقیم تھا اُسے میں نے ہلاک کر دیا تھا۔ اُس کے کمرے میں موجود مواصلاتی آلات تباہ کر دیے تھے اگر مقررہ وقت پر وہ خود کسی سے رجوع نہ کرتا یا باہر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے والوں کو کامیابی نہ ہوتی تو سفید فام کی سلامتی کے بارے میں تشویش پیدا ہونا لازمی تھی پھر جو کوئی بھی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے خفیہ راستے سے تہ خانے میں داخل ہونے کے لیے پہنچتا تو اُسے پتا چلتا کہ سُرنگ کے دہانے کی حفاظت پر مامور افراد بھی لاپتا ہیں۔ اس قسم کی کوئی صورتِ حال پیدا ہوتے ہی میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریوں کا آغاز ہو سکتا تھا۔

اگر انعام آخری لمحات پر ڈرامائی انداز میں دخل انداز نہ ہوا ہوتا تو میرے لیے صورتِ حال اتنی کٹھن نہ ہوتی۔ دونوں نگہبانوں کی لاشیں باہر کھلی فضا سے اندر لے آنے کے بعد کوئی بھی آنے والا یہی رائے قائم کرتا کہ کسی نے خفیہ راستے پر مامور محافظوں کو زیر کر کے اندر دخل اندازی کی اور سب کو ہلاک کر کے فرار ہو گیا لیکن انعام کی لاش کی موجودگی میں اس واردات کا تعلق لائیڈز کاٹیج سے ظاہر ہوتا تھا جو میرے لیے تشویش کا باعث تھا۔

میرے لیے وقت بہت اہم تھا۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا اور مجھے اگلی رات نو بجے کانٹی نینٹل میں ویرا سے ملنا تھا۔ اگر ان درمیانی ساڑھے اُنیس گھنٹوں میں حالات جوں کے توں برقرار رکھے جا سکتے تو میری مُہم قابلِ رشک کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی تھی۔ مَیں ویرا کو اپنی معلومات سے آگاہ کر کے لائیڈز کاٹیج سے گلو خلاصی حاصل کر سکتا تھا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ ویرا کو تہ خانے میں اس کمرے کے محل وقوع سے آگاہ کر دوں جہاں ممی لائیڈ کی تصویر پوشیدہ تھی لیکن وہ ایک بار تصویر خود دیکھ لینے کے بعد میری ضرورت سے بے نیاز ہو سکتی تھی جبکہ مَیں اُس کے ساتھ رہ کر اپنے ہاتھوں سے ممی لائیڈ کو کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا تھا۔

شاید عام حالات میں مَیں کسی دوسرے کو ایسی صورتِ حال کا حل فوری طور پر تجویز کر دیتا لیکن اس وقت ذاتی طور پر ان واقعات میں ملوث ہونے کے باعث مَیں فکر و تشویش میں مبتلا تھا۔ پھر سگریٹ ختم ہونے پر تجویز ذہن میں آئی تو میں بے اختیار مسکرا کر رہ گیا۔ انعام کی لاش کو اس وسیع و عریض تہ خانے میں چھپانا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اسے اسلحے سے بھرے ہوئے چوبی کریٹس کے انبار کے پیچھے پھینکا جا سکتا تھا یا وہاں سے سرے سے غائب کر کے ٹارچر سیل والے حصّے میں کسی کوٹھری میں ٹھونسا جا سکتا تھا لیکن میں نے ان سے بھی بہتر خیال کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔

لائیڈز کاٹیج میں نمبر تین ممنوعہ علاقے میں شامل تھی مگر وہاں بھی کچھ پُراسرار لوگوں کی رسائی تھی جو عمارت سے تہ خانے تک ہر جگہ رسائی رکھتے تھے البتہ ممی لائیڈ کی تصویر والا کمرا ان لوگوں کی دسترس سے بھی محفوظ تھا اور انعام کو گلا گھونٹ کر ختم کرنے کے باعث اس کی لاش صاف ستھری تھی لہٰذا مَیں نے فوری طور پر اُس کے بے جان بدن کو اپنے کندھے پر لاد لیا اور سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

ممی لائیڈ کی تصویر والا کمرا اس قدر محفوظ تھا کہ مَیں چاروں لاشوں کو وہاں بند کر سکتا تھا لیکن بقیہ تین لاشیں خون میں لتھڑی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے میرا لباس بھی داغدار ہو سکتا تھا۔ زیادہ وقت گزرنے کے باعث ان کے بدن بھی اکڑ گئے تھے۔ اوپر پہنچ کر مَیں نے کسی دشواری کے بغیر انعام کی لاش کو اس گرد آلود اسلحہ خانے میں مقفل کر دیا۔ پھر نیچے واپس آ کر فورک لفٹ کے فورکس پر لدی ہوئی بیرونی محافظوں کی دونوں لاشیں فرش پر اُتار کر ان کا اسلحہ ایک طرف چھپا دیا۔ اسٹین گنوں کو چھپانے کے بعد میرے پاس دو ٹامی گنیں اور ایک پستول موجود تھا۔ میں وہ اسلحہ ساتھ لے کر تہ خانے کے اس حصّے کی طرف چل دیا جدھر ٹارچر سیل واقع تھا۔

واپس لوٹتے ہوئے میں راستے میں اپنی آمد کی تمام نشانیاں حتی الامکان مٹاتا چلا گیا تاکہ یہ اندازہ نہ لگایا جا سکے کہ حملہ آور لائیڈز کاٹیج کی سمت سے وہاں تک آیا تھا۔

✿ ✿

میرے لیے انتظار کا ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ دونوں ٹامی گنیں اور پستول میں نے ٹارچر سیل والے حصّے میں ایک مقام پر چھپا دیا تھا اور خود سیڑھیوں کے اختتام پر فرش پر بیٹھا تین بجنے کا انتظار کر رہا تھا۔ مَیں نکاسی کے راستے کے میکنزم سے واقف تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ قبل از وقت باہر نکلتے ہوئے کسی سے ٹکراؤ ہو گیا تو بنی بنائی بازی بگڑ جائے گی۔

میری رسٹ واچ میں تین بجنے میں دو منٹ باقی تھے کہ تہ خانے کی محدود فضا میں خفیف سا کھٹکا گونجا اور میں نے متوحش ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اضطراری طور پر میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا لیکن وہاں ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔ اوپر نگاہ اٹھتے ہی میں چونک پڑا کیونکہ تہ خانے سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کے اختتام پر نکاسی کا راستہ بتدریج نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے دوبارہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور اُلجھ کر رہ گیا۔

رحمانی کے کمرے سے روانہ ہونے سے قبل میں نے اُس کے ساتھ اپنی رسٹ واچ ملائی تھی اور یہ طے کر لیا گیا تھا کہ واپسی طے شدہ وقت پر ہو گی پھر دو منٹ قبل اس کارروائی کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟

پلک جھپکتے میں میرے ذہن میں کئی اندیشوں نے سر اُٹھایا اور مجھے خوف لاحق ہونے لگا کہ کہیں انعام کی گمشدگی کے بعد عین آخری لمحات میں رحمانی گرفت میں نہ آ گیا ہو اور اس کی زبان کھلوانے کے بعد میری تلاش میں تہ خانے کا رخ کیا گیا ہو۔ میں پھرتی سے دوڑ ہٹ کر ایک میز کی آڑ میں ہو گیا۔ اگر واقعی پہلا لائیڈز کاٹیج پر حکمرانی کرنے والے درندوں سے ٹکراؤ ہو



بہتر ہوتا کہ مَیں ان کی جھلک دیکھتے ہی پلٹ کر فرار کی راہ اختیار کر لیتا اور نمبر تین کے نیچے بنے ہوئے اسلحے کے گودام سے نکل کر گھنے جنگل میں پناہ حاصل کر لیتا جہاں وہ پورے عملے کو پھیلا دینے کے باوجود میرے سائے کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ پہلی بار لائیڈز کاٹیج کا طواف کرنے کے جرم میں نادیدہ اسلحے سے بے آواز گولیاں چلا کر مجھے سڑک پر رکنے پر مجبور کیا گیا تھا اور اگر مَیں سلطان شاہ کے ہمراہ جنگلات میں نہ گھس گیا ہوتا تو شاید وہی میری زندگی کی آخری اور دردناک رات ثابت ہوئی ہوتی لیکن ان گھنے اور دشوار گزار جنگلات میں مَیں ان کی بھاری نفری کو جُل دے کر صحیح سلامت نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس واقعے کے یاد آتے ہی مجھے سوچنا پڑ گیا کہ بظاہر نمبر تین عمارت لائیڈز کاٹیج کے عقبی حصّے میں واقع تھی۔ اس اعتبار سے زیرِ زمین خفیہ راستے کی نکاسی بھی ادھر ہی ہونا چاہیے تھی لیکن مجھے معلوم تھا کہ جنگلات لائیڈز کاٹیج کے عقب میں نہیں بلکہ سامنے، سڑک کے پار پھیلے ہوئے ہیں۔

اس کا مطلب تھا کہ نمبر تین کے نیچے بنے ہوئے تہ خانوں سے جانے والا راستہ سڑک کے نیچے سے گزر کر جنگل میں نکلتا تھا۔

لیکن میں اس موضوع پر زیادہ دیر نہ سوچ سکا۔ اوپر سے کوئی تیز سرگوشیانہ آواز میں میرا نام پکار رہا تھا۔ اپنا نام سن کر میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ لہجہ سرگوشیانہ ہونے کی وجہ سے آواز میرے لیے اجنبی تھی۔ میرے پیٹ میں عجیب سی اینٹھن ہونے لگی۔ میرے ہاتھوں چار حریف موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے تو کیا اب پانچواں بھی اپنی موت کو للکار رہا تھا؟

شاید وہ رحمانی ہی ہو، مَیں نے سوچا۔

پھر غیر ارادی طور پر ایک سوال میرے لبوں پر آ گیا۔ "ہُو از دیئر؟" میری دھیمی آواز تہ خانے کے بام و دیوار سے ٹکرا کر آسیبی انداز میں دُور تک گونجتی چلی گئی۔ میرے کان جواب کے منتظر تھے لیکن عملی طور پر میں واپس بھاگ نکلنے کے لیے تیار تھا۔

"رحمانی۔" دھیمی اور خوفزدہ آواز نے میرے اعصاب پر خوش گوار اثر ڈالا تھا۔ "جلدی باہر نکل آؤ، میدان صاف ہے۔"

مَیں فوری طور پر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کی آواز مَیں نے پہچان لی تھی لیکن یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ میدان صاف ہونے کے باوجود حالات سازگار نہیں تھے۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ رونما ہو چکی تھی جس کی وجہ سے رحمانی بوکھلایا ہوا بلکہ خوفزدہ تھا۔

مَیں سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچا تو وہ اضطراری انداز میں اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے استخوانی چہرے سے فکرمندی ہویدا تھی۔

"انعام۔ انعام کہاں ہے؟" میرے اوپر پہنچتے ہی اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بے تابی کے ساتھ سوال کیا تھا۔ میں نے لمحہ بھر میں اندازہ لگا لیا کہ وہ بے حد پریشان تھا۔

"مجھے کیا معلوم۔" مَیں نے سپاٹ اور سرد لہجے میں کہا۔ "یہ سوال مجھ سے کیوں کر رہے ہو؟"

"اوہ، تم نہیں سمجھو گے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے میرے شانے بھینچتے ہوئے ہذیانی لہجے میں بولا۔ "شاید وہ تم سے نہ جیت سکا ہو لیکن انعام نے ہماری تباہی کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ دو بجے سے سیکیورٹی والے ہر طرف اُسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں لیکن وہ لاپتا ہے۔ سارے واقعات سے باخبر ہوتے ہی ڈی سوزا تہ خانے کا رُخ کرے گا اور اسے انعام زندہ یا مردہ حالت میں مل جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنا دفاع کیسے کر سکیں گے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ وہ سرے سے تہ خانے میں آیا ہی نہیں۔" مَیں نے اس کے ہاتھ سختی کے ساتھ اپنے شانوں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لائیڈز کاٹیج میں بلامبالغہ سیکڑوں کی فوج پل رہی ہے پھر اچانک انعام ہی کی تلاش کیوں شروع کی گئی ہے؟"

"ایک لمبی کہانی ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "اپنے کمرے میں چل کر بتاؤں گا۔" اُس نے تہ خانے میں داخلے کے راستے کو معمول پر لاتے ہوئے کہا۔

"تمھیں یقین ہے کہ تمھارا کمرا بگ نہیں ہے؟" مَیں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"تھا، لیکن مَیں نے یہاں آنے سے پہلے ہی ایک حسّاس انسٹرومنٹ سے چیکنگ کر کے تین خفیہ ٹرانسمیٹرز کو ناکارہ کیا ہے۔ اب ہم وہاں کھل کر بات کر سکیں گے۔"

"اور اگر واپسی پر وہاں کوئی چوتھا ٹرانسمیٹر موجود ہوا؟" مَیں نے سوال کیا۔

اُس نے چوتھے ٹرانسمیٹر کو ایک انتہائی غلیظ اور بھونڈی گالی دیتے ہوئے کہا۔ "گفتگو سے پہلے اسے بھی دیکھ لوں گا۔ یہاں میں پہلے ہی چیک کر چکا ہوں۔" پھر اُس کا لہجہ اچانک ہی ملتجیانہ ہو گیا۔ "سچ سچ بتاؤ، انعام آیا تو نہیں تھا تمھارے پاس؟"

"لمبی کہانی ہے۔" مَیں نے اُسی کے لہجے میں کہا۔ "اپنے کمرے میں چلو، وہیں بات ہو گی۔"

وہ بے بسی کے ساتھ میری طرف دیکھ کر رہ گیا اور تہ خانے

کے راستے کو بند کرنے والے میکنیزم کی طرف متوجہ ہوگیا۔

راستہ مسدود کر کے وہ واپس اپنے کمرے کی طرف لوٹا تو راہداری میں کہیں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک لحظے کے لیے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میری گردن کا تائیدی اشارہ پا کر ایک میز کی طرف بڑھ گیا۔ اس اثنا میں میں نے اس کے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔

رحمانی نے میز کی دراز سے ایک چھوٹا سا چوکور ڈبا نکالا اور اس میں کچھ چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد اس میں لگا ہوا اینٹینا باہر کھینچ لیا پھر وہ اس میں لگی ہوئی ایک ناب کو گھماتا رہا حتیٰ کہ اس ڈبے میں سے ہلکی سی ریڈیائی گونج سنائی دینے لگی اور وہ آلے کو آگے بڑھا کر محتاط انداز میں کمرے کے ایک ایسے گوشے کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک الماری اور خاصا اسباب موجود تھا۔ اسی انداز میں وہ گوشے گوشے کا جائزہ لیتے ہوئے میرے قریب سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ سیاہ رنگ کا وہ پلاسٹک کا ڈبا کوئی ریڈیو فریکوئنسی ڈیٹیکٹر تھا جس پر ایک دھیمی دھیمی مسلسل ریڈیائی گونج کے ساتھ سبز رنگ کا ایک ننھا سا بلب جل رہا تھا۔ وہ گونج شاید اس آلے کی اپنی فریکوئنسی سے تعلق رکھتی تھی اور اگر اس کمرے میں کوئی اور ریڈیو آپریٹس موجود اور آن تھا تو دونوں ریڈیائی لہروں کے تصادم سے اس آلے پر سنائی دینے والی آواز میں نمایاں تبدیلی رونما ہونا چاہیے تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ آپریٹس اس آلے کی رینج میں آجاتا۔

رحمانی محتاط انداز میں کمرے میں گھومتا ہوا جب ایک دیوار گیر کارنس کے قریب سے گزرا تو اچانک ہی اس کے ہاتھ میں موجود آلے سے سیٹی کی آواز ابھرنے لگی اسی کے ساتھ سبز بلب کے پہلو میں ایک سرخ بلب بار بار جلنے بجھنے لگا۔

رحمانی کے تیور بدل گئے اور وہ وہیں ٹھٹک کر رہ گیا۔ اُس نے اپنے آلے کو کئی بار آگے پیچھے ہٹا اور بڑھا کر سیٹی کی گھٹتی بڑھتی آواز سے کوئی نتیجہ اخذ کیا اور پھر اس کارنس پر رکھے ہوئے ایک گل دان پر ہاتھ ڈال دیا جس میں سوکھے ہوئے گلابوں کی چند پرانی شاخیں اُڑسی ہوئی تھیں۔ اس دوران میں ڈیٹیکٹر سے مسلسل سیٹی کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

چند ثانیوں کی اُلٹ پلٹ کے بعد رحمانی نے ان خشک شاخوں کو نکال کر گلدان اُلٹ دیا اور ایک ننھا سا دھاتی مائیکروفون اس کی ہتھیلی پر آگیا۔ رحمانی اُسے یوں پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتا رہا جیسے وہ مائیکروفون نہیں بلکہ کسی مہلک بیماری کا جرثومہ ہو پھر اُس نے جنون کے عالم میں اس مائیکروفون کو فرش پر ڈال کر اپنے جوتے کی ایڑی سے بے رحمی کے ساتھ کچل دیا۔ پہلی ہی ضرب کے ساتھ اس کے اپنے آلے پر گونجتی ہوئی سیٹی کی آواز معدوم ہو کر پہلے جیسی دھیمی گونج میں ڈھل گئی۔

اس اثنا میں رحمانی کی آنکھیں خوف سے پھیل چکی تھیں اور اس کی پیشانی موسم کی خنکی کے باوجود پسینے سے بھیگ گئی تھی۔ مائیکروفون کو کچل کر نیست و نابود کرنے کے بعد وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک کرسی میں گر گیا۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" میں نے اُس کے قریب جا کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"شاید میری تباہی کا وقت قریب آگیا۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

"کچھ بتاؤ گے بھی یا یوں ہی واہی تباہی بکتے جاؤ گے؟" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں مشتبہ افراد کی فہرست میں آگیا ہوں۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ایک بجے کمرے سے گیا تو یہاں کچھ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو میری لاعلمی میں یہاں تین لاسلکی ٹرانسمیٹرز چھپا دیے گئے تھے۔ دوبارہ جانے سے قبل میں نے رواروی میں چیکنگ کی تو وہ تینوں ہاتھ آگئے۔ اُنھیں تلف کر کے میں تمھیں لینے گیا تو اب یہ چوتھا موجود تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈی سوزا نے مجھ پر مستقل نگاہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رہی ہوگی۔"

"تمھاری دانست میں اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"فی الحال تو انعام کی حماقت نظر آتی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "ایک بجے سے کاٹیج میں اُس کی تلاش جاری ہے۔ ڈیڑھ بجے مجھ سے دریافت کیا گیا تھا لیکن میں نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔"

"کہانی کیا تھی اُس کی؟" میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"ساڑھے دس بجے وہ اتفاقاً ادھر آنکلا تھا۔ اس وقت میں تمھیں نیچے روانہ کر کے آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد وہ زیادہ کھل کر مخالفت نہیں کر سکے گا۔ اس لیے میں نے اُسے بتا دیا کہ تم تفتیش کے لیے تہ خانے میں اُترے ہوئے ہو اور صبح کے تین بجے تمھاری واپسی ہوگی۔ وہ یہ سنتے ہی بھڑک اُٹھا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ تم سے اس حد تک تعاون ہماری تباہی پر بھی منتج ہو سکتا ہے۔ اُس کا مشورہ تھا کہ ہم دونوں میں سے ایک کو تہ خانے میں اُتر کر یہ دیکھنا چاہیے کہ تم وہاں کیا کر رہے ہو لیکن تھوڑی سی بحث کے بعد وہ قائل ہو کر خاموش ہو گیا اور پھر خوش گوار فضا میں مجھ سے رخصت ہو گیا..."

"پھر اُس کی تلاش کا قصہ کب اور کیسے شروع ہوا؟"

"ڈیڑھ بجے لائیڈز کاٹیج کے سیکیورٹی چیف نے انٹرکام پر مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور انعام کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ میری لاعلمی کے اظہار پر اُس نے بتایا کہ انعام کو اپنی سلامتی کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق تھا۔ گیارہ بجے شب اُس نے سیکیورٹی چیف سے انٹرکام پر بات کی تھی کہ اگر وہ ایک بجے تک دوبارہ اس سے بات کر کے اپنی سلامتی کی اطلاع نہ دے تو پوری عمارت میں اُس کی تلاش کی مہم کا آغاز کر دیا جائے۔ ایک بجتے ہی سیکیورٹی چیف کو تشویش لاحق ہوگئی کیونکہ انعام اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ جب اُس نے یہ بتایا کہ لائیڈز کاٹیج میں کوئی سراغ نہ ملنے کے بعد ایف ایکس یعنی تہ خانے کی تلاش میں بھی ناکامی ہوئی تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیونکہ یہ سب میری لاعلمی میں ہوا اور تم اس وقت تہ خانے میں موجود تھے جبکہ سیکیورٹی چیف نے مجھے تہ خانے میں کسی کی موجودگی کی اطلاع نہیں دی... آخر تم کہاں تھے؟ اور تم نے خود کو اس کی نگاہوں سے کیسے محفوظ رکھا، وہ تو تہ خانے کے چپّے چپّے سے واقف ہے؟"

میں اُس کی کہانی سن کر مطمئن انداز میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "ان لوگوں کی آمد کی بھنک پاتے ہی میں ٹارچر سیل میں نصب آہنی شکنجے میں گھس گیا تھا۔ وہ وہاں بھی آئے تھے لیکن سوچ بھی نہ سکے ہوں گے کہ شکنجے میں ان کا ایک مجرم پناہ گزین ہے۔ مجھے وہ تدبیر نہ سوجھتی تو اس وقت پابجولاں ڈی سوزا کے قدموں میں پڑا ہوتا۔"

"لیکن انعام کہاں گیا؟" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "سیکیورٹی چیف سے بات ہونے کے بعد میں نے تو یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر تمھارے تعاقب میں نکل گیا اور پھر شاید اپنی کسی حماقت کی بنا پر تمھارے دام میں آگیا۔ اگر تم آہنی شکنجے میں چھپ گئے تھے تو وہ کہاں گیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ ملازماؤں میں سے کسی کے کوارٹر میں نشے میں دھت پڑا ہوا ہو، صبح ندامت کے عالم میں آنکھیں ملتا نمودار ہوگا اور ساری کہانی ختم ہو جائے گی۔"

وہ ہنسنے کا قصد کیے بغیر رسمی انداز میں گویا ہنہنایا پھر اپنے نتھنوں پھنچتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تہ خانہ سیکیورٹی چیف کے لیے بھی عام حالات میں ممنوعہ ہے۔ اُس نے لائیڈز کاٹیج کے چپّے چپّے کو چھانے بغیر اُدھر کا رُخ نہیں کیا ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ انعام تم سے بھی نہیں ٹکرایا تو پھر کہاں گیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ڈی سوزا کے قہر کے خوف سے بھاگ ہی نکلا ہو۔"

"ناممکن ہے۔" وہ سر کو انکاری انداز میں جنبش دیتے ہوئے بولا۔ "پھاٹک کے علاوہ لائیڈز کاٹیج سے نکاسی کا کوئی راستہ نہیں ہے اور جب تک سیکیورٹی والوں کو کسی کے بارے میں پیشگی اطلاع نہ ہو وہ باہر قدم بھی نہیں رکھ سکتا... انعام لاپتا ہے لیکن میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا کمرا کیوں بگ کرایا جا رہا ہے؟"

"سامنے کی بات ہے، تمھارے اور اُس کے مراسم بہت قریبی تھے۔ اگر وہ غائب ہے تو تمھاری ذات سے اس سلسلے میں مدد مل سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ڈی سوزا اس بارے میں تمھاری کسی سازش کے امکانات پر سوچ رہا ہو۔"

"پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟" اُس نے اپنی ہتھیلیاں رگڑتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں نہ تمھاری نیت کا دخل ہے اور نہ ارادے کا، جلد یا بدیر یہ لوگ کسی نتیجے پر پہنچیں گے اور وہ نتیجہ تمھارے حق میں ہوگا۔"

"اس کا بڑا مبہم سا امکان ہے۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"وہ کیوں؟" میرے لیے اُس کا مایوسانہ لہجہ غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔

"سامنے کی بات ہے۔" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں نے چند گھنٹوں کے وقفے میں چار ٹرانسمیٹرز ضائع کیے ہیں۔ میں اپنی اس حرکت کا کوئی جواز پیش نہ کر سکوں گا۔"

"کسی جواز کی ضرورت ہی نہیں، بات نکلے تو ڈی سوزا کو خود ہی بتا دینا کہ تم نے اپنے کمرے میں اس قسم کے مشتبہ آلات دریافت کیے تھے۔ مناسب سمجھو تو اپنے شبہات کا بوجھ انعام پر ڈال سکتے ہو۔"

"اور اگر وہ مل گیا؟" اُس نے سوال کیا۔

اُس کی خوش فہمی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا اور سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "ابھی تو تمھیں فوری جواب دہی سے بچنا ہے جب وہ آئے گا تو کوئی دوسری راہ نکال لی جائے گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ انعام کی تلاش کی مہم میں تمھارے کمرے کا رُخ بھی کیا گیا ہو۔" وہ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پُرخیال لہجے میں بولا۔ "اپنی غیر حاضری کے بارے میں کیا جواز پیش کرو گے؟"

"تو کیا معاملہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ عام تلاشی کی نوبت آگئی ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"عام تلاشی تو نہیں شروع ہوئی لیکن تم نئے آدمی ہو، اندر

کے کسی آدمی کا یوں اچانک لاپتا ہونا بھی نئی بات ہے ہو سکتا ہے کہ تمھارا کمرا خاص طور پر دیکھا گیا ہو۔" اُس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

معاً مجھے خیال آیا کہ میں نے رحمانی کے سامنے ڈی سوزا کے نمائندے کا سوانگ رچا کر اُسے دھونس میں لیا ہوا ہے اور اس مرحلے پر ڈی سوزا کی طرف سے بازپُرس کے امکان پر میری پریشانی رحمانی کو میری طرف سے شبہات میں مبتلا کر دے گی لٰہذا میں فوراً ہی بے پروایانہ انداز میں ہنس دیا۔ "تم بھول رہے ہو کہ اُس نے مجھے آخری دو اموات کی تفتیش کی ذمے داری سونپی ہوئی ہے۔ اِس بارے میں مجھے رات کے اندھیرے میں بہت کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔"

"ہوں۔" وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ "پھر اب تم یہیں رکو گے یا اپنے کمرے میں واپس جاؤ گے؟"

"میرا لوٹ جانا ہی بہتر رہے گا۔" مَیں نے کہا اور اس سے ہاتھ ہلا کر وہاں سے نکل گیا۔

لائیڈز کاٹیج میں بظاہر حالات معمول پر تھے لیکن مَیں وہاں رونما ہونے والے تازہ ترین واقعے سے آگاہ تھا اس لیے محافظوں کی غیر معمولی مستعدی اور بھاگ دوڑ مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ان کی ایک دو نفری ٹولی مجھے نظرانداز کرتی ہوئی گزر گئی لیکن ایک جماعت نے مجھے روک ہی لیا۔

"شناخت۔" اُن کے لیڈر نے حسبِ توقع سخت لہجے میں مطالبہ کرتے ہوئے اپنی ہتھیلی آگے پھیلا دی۔

مَیں نے خاموشی کے ساتھ ادھ کھلی آنکھ والا نقرئی تمغہ جیب سے نکال کر اُس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اس وقت احساسِ جُرم کے تحت میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئی تھیں اور مَیں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے لباس پر انھیں کہیں کوئی غیر معمولی شکن یا داغ نظر آ گیا تو میرے لیے دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔

یوں تو وہ سب ہی میری طرف نگراں تھے لیکن ان کا لیڈر چبھتی ہوئی ناقدانہ نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"نام کیا ہے؟" اس نے شناختی تمغہ مجھے واپس لوٹاتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"لیکن شناخت کے بعد تمھارا یہ سوال شاید غیر ضروری ہے۔" مَیں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟" اس نے میرے احتجاج کو نظرانداز کرتے ہوئے اگلا سوال جڑ دیا۔

"ایک خاص کام سے لوٹا ہوں۔"

"شاید تمھیں علم نہیں کہ سورج غروب ہونے سے طلوع ہونے تک غیر ضروری طور پر باہر نکلنا منع ہے۔" اُس نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس دوران میں اس کا داہنا ہاتھ اپنے ہولسٹر پر پہنچ چکا تھا۔

"میں یہاں نیا ضرور ہوں لیکن اتنا بھی اجنبی نہیں کہ تم مجھے پڑھانا شروع کر دو۔" اِس بار میرا لہجہ بھی تُرش ہو گیا۔

یک بیک اُس کے چہرے پر نرماہٹ پھیل گئی اور اُس نے مسکراتے ہوئے پستول کے دستے سے ہاتھ ہٹا لیا۔ "میں معذرت خواہ ہوں۔ دراصل یہاں کچھ ایمرجنسی ہو گئی ہے۔"

"میں اس ایمرجنسی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا اب میں جا سکتا ہوں؟"

"ضرور جاؤ۔" وہ میری طرف سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولا۔ "ہمیں ہر وقت آنکھیں کھلی رکھنا پڑتی ہیں کہ ساری احتیاط کے باوجود ہم میں کہیں کوئی کالی بھیڑ نہ آ گئی ہو۔"

"آج تو معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی بھیڑیا ہی آ گیا ہے۔" میں طنزیہ لہجے میں کہتا ہوا اپنی راہ پر آگے ہو لیا۔

کمرے میں پہنچا تو سب کچھ جوں کا توں موجود تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ جب رحمانی جیسے پرانے اور معتبر آدمی کو نہیں چھوڑا گیا تو میرے کمرے کو بھی معاف نہیں کیا گیا ہوگا۔ وہاں یقینی طور پر ایسے آلات پوشیدہ تھے جن کے سہارے شاید میرے سانسوں کے زیر و بم بھی کہیں سُنے جا رہے ہوں گے لیکن مَیں وہاں تنہا تھا لٰہذا مجھے ایسے آلات کی کوئی فکر نہیں تھی۔

ایک بڑی اور خطرناک مہم سے بحفاظت واپسی کی خوشی میں مَیں نے اپنے معدے میں کچھ سیال بدخصال انڈیلا اور پھر انٹرکام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

عام حالات ہوتے تو کسی سے رابطے کے لیے وہ انتہائی نامناسب وقت تھا لیکن مجھے قوی اُمید تھی کہ انعام کی پُراسرار گمشدگی نے ڈی سوزا کو بستر میں نہ رہنے دیا ہوگا۔ اس سے قبل کہ وہ معلومات حاصل کرنے کی نیت سے مجھ سے رُجوع کرتا، اگر مَیں اُس پر حاوی ہو کر اپنی کہانی سُنا ڈالتا تو کم از کم اگلی رات ڈھلنے تک میرے لیے خطرات ٹل سکتے تھے۔

انٹرکام پر تین صفر ڈائل کرتے ہی دوسری طرف سے حسبِ توقع ڈی سوزا کی بوجھل اور سرد آواز سنائی دی تھی۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں باس!" میں نے مکوم(؟) مانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں، تو تم اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔" ریسیور پر اُس کی غراہٹ گونجی۔ "پچھلے نصف گھنٹے میں مَیں تین بار تمھارے کمرے میں ٹرائی کر چکا ہوں۔"

"آئی ایم سوری باس!" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "میں ابھی ابھی کمرے میں واپس لوٹا ہوں۔"

"مجھے تفصیل اطلاع مل چکی ہے۔" اُس کی آواز میں کٹکھنے کتے کی سی غراہٹ برقرار تھی۔ "کسی خاص مشن سے لوٹ رہے تھے تم؟ اور وہ مشن تمھیں کس نے سونپا تھا؟"

ایک لحظے کے لیے مجھ پر خوف کی لہر طاری ہوئی۔ آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس کے تیور اچھے نہیں تھے لیکن میرے لیے وہی سب سے کٹھن امتحانی مرحلہ تھا۔

"آج مجھے سانپوں والے معاملے میں اہم کامیابی کی اُمید تھی۔" میں نے دل کڑا کر کے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ، تو میرے ہی حکم کی بجا آوری میں لگے ہوئے تھے تم۔" اُس کا لہجہ واضح طور پر تلخ اور طنزیہ تھا۔ "زحمت نہ ہو تو ذرا میرے پاس چلے آؤ، ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم کون سا تیر مارنے والے تھے؟"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سُن کر میں نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ڈی سوزا جو کچھ کر رہا تھا، اُس کے منصب کے اعتبار سے درست تھا کیونکہ لائیڈز کاٹیج کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے عمارت اور وہاں مامور عملے کے تحفظ کی ذمّے داری اُسی پر عائد ہوتی تھی اور میں اپنے مقصد کے ساتھ مخلص تھا۔ ویرا لائیڈ کے ساتھ میری ملی بھگت کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں اُنھیں اپنی طرف سے بھول میں مبتلا کر کے نہ صرف انھیں زک پہنچاؤں بلکہ ان کے درمیان رہتے ہوئے ایسی معلومات اکٹھی کروں جو اس سفاک اور مضبوط تنظیم کی بنیادوں پر کاری وار کرنے کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکیں لٰہذا میں فوراً ہی ڈی سوزا کے دفتر کی طرف چل دیا۔

وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔ بُشرے پر جھلاہٹ کے آثار دُور ہی سے دیکھے اور محسوس کیے جا سکتے تھے۔ شاید اُسے اپنی رات کی بربادی پسند نہیں آئی تھی۔

"تمھیں علم ہے کہ آج لائیڈز کاٹیج میں کیا ہوا ہے؟" مجھے دیکھتے ہی اُس نے بپھرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"غیر معمولی بات ضرور محسوس کی ہے لیکن اصل واقعے کے بارے میں کسی سے بات نہیں ہو سکی۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا جیسے بے خبری پر ندامت کا اظہار کر رہا ہوں۔

"تم کب سے باہر تھے اور کہاں تھے؟" اُس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"آج شام انعام پر میرا ہاتھ پڑ گیا تھا۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی کہانی چھیڑ دی۔ "میں نے پچھلے عملے سے جو کچھ معلوم کیا اُس کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ زہریلے سانپوں کا شکار ہونے والوں میں ایک بات مشترک تھی کہ وہ کسی نہ کسی بنا پر انعام سے مخاصمت مول لے بیٹھے تھے پھر شام کو انعام ایک جگہ ٹکرا گیا۔ وہ اکیلا تھا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں اُس کی ساری حرکتوں سے واقف ہو چکا ہوں اور وہ جلد ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے گا۔ پہلے تو اُس نے چراغ پا ہونے کی اداکاری شروع کر دی مجھے جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دینے لگا۔ جب میں نے مرنے والے آخری دو بدنصیبوں کے اوپری دھڑ پر سانپوں کے ڈسنے کے نشانات کی موجودگی کا ذکر کیا تو وہ یک بیک سراسیمہ ہو گیا۔ اُس وقت تک وہ سمجھ رہا تھا کہ نشانات کے مقام پر لائیڈز کاٹیج میں کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ اِس انکشاف پر وہ دھمکیاں بھول کر خوشامد پر اُتر آیا۔ اُس نے قسمیں کھا کر کہا کہ ان وارداتوں سے اس کا کوئی مفاد وابستہ نہیں تھا۔ اُس نے بتائے گئے افراد پر سانپ ضرور پھینکے تھے لیکن اُس کے بقول اُس نے وہ کارروائی کاٹیج کے کسی ذمّے دار کے حکم پر کی تھی۔ اس وقت وہ عجلت میں تھا۔ اُس نے وعدہ کیا کہ وہ رات ایک بجے مجھ سے رہائشی کوارٹروں سے ملحقہ پارک میں مل کر بلاکم و کاست سب کچھ بتا دے گا اور اُسی کے ساتھ ایک کیسٹ بھی لائے گا، جسے سُن کر اندازہ لگایا جا سکے گا کہ اس سے کام لینے والا کون تھا...؟"

"بکواس۔" وہ غصّے میں ہاتھ جھٹک کر غرّایا۔ "کاٹیج کی تمام تر ذمّے داری میری ہے اور انعام براہِ راست مجھے جواب دہ تھا۔ حد یہ ہے کہ میری غیر حاضری میں سارے اختیارات اُسی کو حاصل تھے پھر اُسے مجبور کرنے والا کہاں سے پیدا ہو گیا؟"

"مجھے نہیں معلوم، میں یہاں کے نظام سے لاعلم ہوں، یہ تو اُس کی کہانی تھی۔"

"پھر ایک بجے کیا ہوا؟" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"وہ پلٹا ہی نہیں۔" مَیں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "تھوڑی دیر قبل مَیں تھک ہار کر واپس لوٹ رہا تھا تو راستے میں محافظوں نے روک لیا۔ واپسی پر میرا ارادہ تمھیں مطلع کرنے کا تھا۔"

"واپسی پر۔" وہ بھناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "انعام سے پروگرام طے ہونے کے بعد تم نے مجھ سے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا؟"

"وہ بہت خوفزدہ ہو گیا تھا، شاید اُس نے مجھ پر نگاہ

رکھنے کی کوشش بھی کی ہو، مجھے ڈر تھا کہ اُسے افشائے راز کا شبہ بھی ہو گیا تو نہ صرف بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا بلکہ میں بھی کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ مجھے بھی کسی زہریلے سانپ کا نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی۔"

"تم نے میرے احکام سے سراسر انحراف کیا ہے۔ میں نے خود تم سے کہا تھا کہ پورے ثبوت کے بغیر انعام یا رحمانی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ پھر تم اُس سے براہِ راست کیوں اُلجھ بیٹھے؟"

"بس حالات یا پھر میرے مقدر کی گردش۔" میں نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرا تو خیال تھا کہ میں تمھارے لیے ایک اہم کارنامہ سرانجام دے سکوں گا لیکن وہ شاید آخری لمحات پر چوکنا ہو گیا تھا۔"

"شاید یہ جان کر تمھیں زیادہ خوشی نہ ہو گی کہ وہ پُراسرار حالات میں لاپتا ہو گیا ہے۔" اُس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" میں نے بڑی طرح چونکنے کی کامیاب اداکاری کی تھی۔ "یہاں سے وہ کہاں جا سکے گا؟"

"لائیڈز کالج کا چپّہ چپّہ چھان مارا گیا ہے لیکن اُس کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔ اُس نے گیارہ بجے شب خود ہی سیکیورٹی چیف کو انٹرکام پر بتایا تھا کہ اگر وہ ایک بجے تک خود دوبارہ اس سے رجوع کر کے اپنی خیریت کی اطلاع نہ دے تو اُس کی تلاش شروع کر دی جائے۔"

"معاملہ واقعی سنگین نظر آتا ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "اُس کا مطلب ہوا کہ مجھ سے ملاقات کے بعد اس نے خود کو خطرے میں محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک بجے وہ مجھ سے ملنے والا تھا اور اس نے سیکیورٹی چیف کو بھی وہی وقت دیا تھا۔"

میں لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوا، ڈی سوزا پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے مجھے گھورے جا رہا تھا۔

بات بالکل سیدھی اور سامنے کی تھی۔ رحمانی کے برعکس انعام کو مجھ پر بھروسا نہیں تھا۔ جب اُسے علم ہوا کہ رحمانی نے مجھے بالا ہی بالا تہ خانے میں اُتار دیا ہے تو اُس نے ڈی سوزا کی نظروں میں سُرخروئی حاصل کرنے کے لیے رحمانی کو اعتماد میں لیے بغیر مجھے رنگے ہاتھوں پکڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اُسے یہ اندیشہ بھی رہا ہو گا کہ کہیں تہ خانے میں وہ کسی سازش کا شکار ہو کر اپنی برتری نہ کھو بیٹھے، اسی وجہ سے اُس نے مناسب وقفہ دے کر سیکیورٹی چیف کو ہوشیار کر دیا۔ اُسے یقین رہا ہو گا کہ اوپری عمارتوں کی ناکام تلاشی کے بعد لائیڈز کالج کے محافظ تہ خانے



کا رُخ بھی کریں گے اور اگر وہ میری قید میں ہوا تو زور کے بل پر اُسے آزاد کر لیں گے۔

لیکن اُس بدنصیب کو یہ علم نہیں تھا کہ لائیڈز کی زیرِ زمین تعمیرات وہیں تک محدود نہیں تھیں جہاں وہ تھا۔ میں نیا راستہ دریافت کر کے آگے بڑھا تو عمداً ارادے کے بغیر درمیانی راستہ کھلا چھوڑ دیا تھا جو اس کے لیے چوہے دان ثابت ہوا۔ تہ خانے میں اُترنے کے بعد ایک نئی راہ نظر آئی تو وہ اُس پر بڑھ گیا اور شاید فطری تجسس سے مجبور ہو کر چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے نئے راستے کو اس کے ذریعے بند کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اور وہی اُس کے مقدر کی راہ تھی جسے اُس نے خود بند کر دیا تھا۔ اگر وہ راستہ کھلا رہتا تو مقررہ وقت گزرنے پر انعام کی تلاش میں تہ خانے میں اُترنے والے محافظ بھی بڑھتے چلے آتے اور پھر وہ سب مجھے گھیر کر بے دست و پا کر سکتے تھے۔ میرے عزائم بے نقاب ہو جاتے اور شاید کالج کے ہی کسی گوشے میں مجھے کسی گڑھے میں دبا دیا جاتا۔ انعام کے نیا راستہ بند کرنے کے سبب بازی میرے حق میں پلٹ گئی۔ میری جگہ وہ موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں جا پہنچا۔ حد یہ تھی کہ اس کی لاش نمبر تین کے ایک کمرے میں مقفل تھی اور میں وہاں ڈی سوزا کے ساتھ اس کی زندگی کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے ملاقات کے لیے اپنی بات کے ثبوت جمع کرتا پھر رہا ہو اور اسی بارے میں اُسے اپنی جان کا خوف ہو۔ وہ جس کسی کے لیے کام کر رہا تھا وہی بتا سکے گا کہ انعام کہاں ہے؟"

"میں اس کہانی پر اعتبار نہیں کر سکتا۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا اور میں نے محسوس کیا اس کے الفاظ انعام کے بارے میں کم اور شاید میرے بارے میں اس کے شبہات تہ نشین ہو چکے تھے۔ میں فی البدیہہ جو کچھ کہتا چلا گیا وہ اس حد تک مدلل اور مربوط تھا کہ ڈی سوزا اُس پر کہیں میری گرفت نہ کر سکا تھا۔

"اُسے میں نے یہاں جو مقام دیا تھا اُس کے پیشِ نظر رحمانی انعام پر دھونس اور دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ رحمانی کسی کے ساتھ مل کر لائیڈز کالج میں متوازی قیادت کے لیے راہ ہموار کر رہا ہو اور آخر میں ان میں اختلافات رونما ہو گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ انعام کا ساتھی تیز چل رہا ہو اور انعام اس کا ہم نوا نہ ہو۔۔۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ یہاں اس کا شریک کار کون ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "دشمن کے بجائے انعام کے دوستوں پر نگاہ ڈالی جائے تو رحمانی کا نام اُبھر کر سامنے آتا ہے، وہی اس کے بے حد قریب تھا۔"

ڈی سوزا نے بڑھ کر اپنا داہنا ہاتھ مضبوطی کے ساتھ میرے شانے پر رکھ دیا۔ "تم نتائج صحیح اخذ کرتے ہو۔ یہ سب مجھے ان دونوں کی چپقلش کا شاخسانہ نظر آتا ہے۔"

"لیکن اُس نے انعام کو کہاں قید کیا ہے؟ وہ بھی اس طرح کہ کسی کو کانوں کان بھی علم نہ ہو سکا؟"

وہ کسی بھیڑیے کی طرح اپنے سفید سفید دانتوں کی قطاریں چمکاتے ہوئے ہنسا۔ "دشمنی میں انسان ہر لمحے چوکنا رہتا ہے۔ اعتماد میں بہت بُری طرح مار کھاتا ہے۔ میرے آدمی پوری عمارت کھنگال چکے ہیں۔ اب انھیں گٹر لائن کے ہر مین ہول میں بھی جھانکنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اُسے مار کر کسی گٹر میں پھینک دیا گیا ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب رحمانی آبزرویشن میں آ جائے گا۔" میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"آبزرویشن۔" وہ بے رحمانہ انداز میں ہنسا۔ "میں یہاں آپس میں کُشت و خون کی اجازت نہیں دے سکتا۔ انعام کی لاش دستیاب ہوتے ہی میں رحمانی کو دوسروں کے لیے عبرت بنا دوں گا۔"

"وہ آسانی سے تو اقبالِ جرم نہیں کرے گا۔"

"یہ قانون کی عدالت نہیں ہے جہاں سزا دینے کے لیے ملزم کا اقبالِ جرم ضروری ہوتا ہے۔ لائیڈز کالج میں میری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا ہے۔ انعام کی لاش مل جانے کا مطلب ہو گا کہ سب کچھ اُسی طرح ہوا ہو گا جیسے میں نے سوچا ہے۔ لاش کی بازیابی کے بعد وہ خود بھی اپنا اضطراری ردِ عمل نہ چھپا سکے گا۔"

میں خاموش رہا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ پھر بولنے لگا۔

"اب اُجالا پھیلنے والا ہے۔ مین ہولوں کی تلاشی کل رات کے اندھیرے میں لی جائے گی۔ باہر کی روشنیاں گُل رہیں گی تاکہ کسی کو علم نہ ہو سکے کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔" میرا دل مسرت سے منضبط میں دھڑکنے لگا۔ قدرت اس کی زبان سے وہی کچھ کہلوا رہی تھی جو میں چاہ رہا تھا۔ میں بس اگلی رات تک حالات کو تعطل کا شکار رکھنا چاہتا تھا۔ ایک بار میں اسٹاف کار میں محوِ سفر ہو کر لائیڈز کالج کے آہنی پھاٹک سے نکل جاتا تو مجھے پروا بھی نہ ہوتی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔

"ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں کسی گٹر سے اُٹھنے والا تعفن خود ہی لاش کی نشاندہی کر دے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں تمھیں وارننگ دے رہا ہوں کہ یہ پروگرام اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ زبان کھولی تو رحمانی سے پہلے تمھیں ذبح کرا دوں گا۔ اس درمیانی مدت میں تم رحمانی سے قریب ہونے کی کوشش کرو، شاید وہ تم کو چارہ بنانے کی نیت سے کچھ کھل جائے۔"

"میں نیا آدمی ہوں، وہ مجھ پر مشکل ہی سے اعتماد کرے گا۔" میں نے کہا۔

"تمھاری سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ تم یہاں نئے ہو۔" وہ بولا۔ "رحمانی یہاں اگر کوئی چکر چلا رہا ہے تو انعام کو کھو دینے کے بعد اسے شدت سے کسی ساتھی کی تلاش ہو گی۔ پُرانے آدمیوں کی فطرت اور وفاداریوں سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ تم نے صحیح اداکاری کی تو وہ تمھیں اپنے اثر و نفوذ اور صلاحیتوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔"

"میں صبح ہی اس سے مل بیٹھنے کی کوششوں کا آغاز کر دوں گا۔"

"کوئی اہم خبر ہو تو تم براہِ راست میرے پاس آ سکتے ہو۔"

میں نے سر کو قدرے خم دیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

خوف اور بے یقینی کے عالم میں شروع ہونے والی وہ میٹنگ پوری طرح میرے مقاصد سے ہم آہنگ رہی تھی۔ میں ڈی سوزا کی نگاہوں میں نہ صرف خود کو ہر قسم کے شبہات سے بالاتر رکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا بلکہ خاصی حد تک اس کا اعتماد بھی جیت لیا تھا۔ اس سے تفصیلی ملاقات کے بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اگلے سولہ سترہ گھنٹوں تک لائیڈز کالج کی صورتِ حال میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہو گی۔ اس دوران میں مجھے بہت محتاط رہ کر اپنا وقت گزارنا تھا جس کے بعد میں ویرا لائیڈ سے ملنے کے لیے روانہ ہو جاتا۔

مجھے اُمید تھی کہ ویرا لائیڈ سے ملاقات کے بعد مجھے دوبارہ لائیڈز کالج میں نہیں آنا ہو گا۔

اگلی صبح لائیڈز کالج کے معمولات میں بظاہر کوئی تبدیلی رُونما نہیں ہوئی تھی۔ شاید انعام کی گمشدگی کی خبر کو راز ہی رکھا گیا تھا ورنہ ہر طرف چہ میگوئیاں ضرور شروع ہو جاتیں۔

اپنے ماتحت عملے کو ہدایات دیتے ہوئے میری اور رخسانہ کی نگاہیں چار ہوئیں تو اُس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ جمی ہوئی تھی اور وہ دل فریب انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے یہ اُس کی ساحرانہ نظروں میں سمایا ہوا اثر تھا یا میرے دل میں موجود اُس کے لیے تشکر کے جذبات کہ کام تقسیم کرتے ہوئے میں نے دانستہ اُسے دفاتر میں پھولوں کی تبدیلی کا کام سونپ

دیا جو سب سے آسان اور مختصر تھا۔ اس وقت میرا بس چلتا تو اُسے سرے سے کوئی کام ہی نہ دیتا لیکن لائیڈز کالج میں کام کے وقت کام اور تفریح کے وقت تفریح کا ضابطہ بہت سختی کے ساتھ نافذ تھا جس کی خلاف ورزی کی شکایت ہونے پر کڑی بازپُرس ہو سکتی تھی۔

رخسانہ متناسب الاعضا اور خوش شکل لڑکی تھی، میٹرک تک تعلیم یافتہ ہونے کے باعث سلجھی ہوئی اور خوش گفتار بھی تھی پھر پچھلی رات میں نے جو وقت اس کے ساتھ گزارا وہ ہر اعتبار سے خاصا خوش گوار تھا لیکن صبح سویرے اس پر یوں مہربان ہونے کا تعلق ان میں سے کسی بات پر نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں اُس کے ساتھ مزید کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

لائیڈز کالج مدتوں سے میرے لیے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بنا ہوا تھا جہاں انسان تو کجا، اجنبی پرندے بھی پر نہیں مار سکتے تھے اور اس عمارت کی فصیلوں میں ہی کہیں میری سوتیلی، بڑی ماں نے اپنی آخری زندگی کے بہتیرے دن گزارے تھے۔ میرا سوتیلا، بڑا بھائی توقیر اس تنظیم کا آلۂ کار تھا اور آخر کار اسی تنظیم کے لیے کام کرتے ہوئے اپنے ایک بڑے کے ہاتھوں بے رحمی کے ساتھ مارا گیا۔

جن دنوں میں کھُلے بندوں تنظیم کے مفادات کے خلاف کام کر رہا تھا، اس سے بہت پہلے توقیر کو کٹھ پتلی کی طرح یوں استعمال کیا گیا کہ میں اسی کو تنظیم کا سربراہ سمجھنے لگا پھر بغاوت کے بعد میں نے لائیڈز کالج کے فون نمبر پر اس سے بات کی تو اسی نے بتایا کہ بڑی ماں اِس کے ہمراہ لائیڈز کالج میں مقیم تھیں۔

میں بہت دنوں تک یہی سمجھتا رہا کہ توقیر ہی لائیڈز کالج کا مقتدرِ اعلیٰ ہے اور میری ساری جنگ اسی کے خلاف ہے۔ اُس نے بھی مجھے بڑی ماں کی چاہت اور آرزوؤں کے دام میں اُلجھا کر لائیڈز کالج بلانا چاہا لیکن میں جانتا تھا کہ وہاں قدم رکھتے ہی مجھے تیسرے درجے کے قیدی کی حیثیت دے دی جائے گی لہٰذا کھلے بندوں میں نے اُدھر کا رخ بھی نہ کیا اور چوری چھپے اندر گھسنے کی کوششوں میں خونریز مقابلے کے بعد بدترین شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

توقیر مار ڈالا گیا اور بڑی ماں کا کچھ پتا نہ چل سکا۔ لائیڈز کالج والوں نے ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ مرے ہوؤں کو اپنے ہاتھوں سے مٹی دے دی جائے تو دل کو قرار آ جاتا ہے کہ آنے والا اپنی اصل کو لوٹ گیا لیکن جیتے جاگتے انسان جب اپنا کوئی نشان یا سراغ دیے بغیر اچانک بے نشان ہو جائیں تو خلش کبھی نہیں جاتی۔

یہ میری خوش نصیبی اور مقدر کی یاوری تھی کہ میں لائیڈز [illegible] میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب نہ میں مجبور تھا [illegible] مقہور۔ اصل مہم سے ذرا سا ذہنی سکون میسر آتے ہی [illegible] تھا کہ لائیڈز کالج میں وہ میرا آخری دن تھا۔ میں اپنے پیچھے [illegible] جو حالات چھوڑے جا رہا تھا، اُن کا عقدہ کھُلنے کے بعد [illegible] دوبارہ وہاں آنا ناممکنات میں سے تھا۔ میں بڑی ماں کے بارے میں جو کچھ معلوم کر سکتا تھا، اسی بار کر سکتا تھا اور اس کام کے لیے پوری عمارت میں رخسانہ سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

خود اُس کی ملازمت کی مدت دس ماہ تھی، پھر اس کا [illegible] راز آشنا بھی وہیں پیدا ہو گیا تھا جو مدتوں سے وہاں کام کرتا چلا آ رہا تھا۔ اِن دونوں کے ذریعے مجھے بڑی ماں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

اِن ہی خیالات میں ڈوبا ہوا، میں مختلف مقامات پر اپنے عملے کی کارکردگی کا جائزہ لیتا ہوا نمبر ایک عمارت کے عقب میں واقع وسیع و عریض پارک میں پہنچا تو رخسانہ [illegible] کی طرح دہکتے ہوئے گلابوں کے کنج کے پاس گھاس پر بیٹھی [illegible] کر رہی تھی۔ اس کی پشت میری جانب تھی اس لیے میں یہ [illegible] دیکھ سکا کہ وہ کس کام میں مشغول تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" نرم گھاس پر بے آواز چلتے ہوئے اُس کے قریب پہنچ کر میں نے سوال کیا تو وہ چونک کر میری طرف مڑی۔ اس کے ہاتھ میں تازہ پھولوں سے بنا ہوا ایک گلدستہ موجود تھا۔ جس میں وہ سرخ گلاب سجا رہی تھی۔

"کام ابھی تک ختم نہیں ہوا تمھارا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کام دیا ہی کیا تھا تم نے؟" وہ پُرفریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تین کمروں سے فارغ ہونے میں آدھا گھنٹہ بھی مشکل سے لگتا ہے۔ اس کے بعد کیاریوں سے پھول [illegible] رہی تھی۔"

"یہ کس خوش نصیب کے لیے ہے؟" میں نے [illegible] اس سے ذرا دور گھاس پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمھارے کمرے میں سجاؤں گی۔" وہ دھیمے [illegible] بولی۔ "کمرا بہت صاف ستھرا اور خوب صورت ہے [illegible] اندر قدم رکھتے ہی پتا چل جاتا ہے کہ وہاں کبھی کسی عورت [illegible] ہاتھ نہیں لگا۔"

"اسی لیے کل تمھیں مہمان بنایا تھا۔ اب تو ہر جگہ عورت [illegible] کے ہاتھ لگ چکے ہیں۔"

اُس نے بے ساختہ نگاہیں چُرا کر سر جھکا لیا اور [illegible] لمحے میں میرے دل میں اس کے لیے احترام کا جذبہ جاگ اٹھا۔ وہ نہ جانے کیسے اور کتنے سمجھوتوں کے تحت زندگی گزار رہی تھی۔ لیکن اس کے مَن میں چور ابھی تک چھُپا بیٹھا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہی تھی وہ غلط تھا اور غلطی کا یہی ایک احساس انسان کو جانوروں کی صف سے آگے نکال لے جاتا ہے۔

"تمھارے دوست کو پتا چل گیا تو ناراض ہو جائے گا۔" میں نے اُسے چھیڑا۔

"پھُول لینے دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ تو بس ایک اظہار ہوتا ہے کہ کون کس کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ زندگی کے سفر میں ہر ایک کی راہ جُدا ہوتی ہے۔ بہتیرے راستے تو عمر بھر ایک دوسرے سے کہیں بھی نہیں ملتے۔ ہاں جب کبھی کوئی تھک کر کہیں کچھ سوچتا ہے تو اُسے کسی کے دیے ہوئے رنگ برنگے پھُول یاد آتے ہیں اور وہ پُرانی یادوں پر مسکرا دیتا ہے۔ بس یہی اِن پھُولوں کی قیمت ہوتی ہے، نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔۔۔ خالد بھی یہ جانتا ہے، وہ ذرا بھی برہم نہیں ہوگا۔"

"تم تو اچھی خاصی تقریر کر لیتی ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہمارا معیارِ تعلیم اتنی ترقی کر چکا ہے۔"

"مذاق نہ اُڑاؤ میرا۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "کتابوں میں تو بس سرد اور سپاٹ الفاظ ہوتے ہیں، بالکل پتھروں کی طرح بے جان، ان لفظوں کو قوت ان جذبوں سے ملتی ہے جو اِن کی پشت پر کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ جذبے کتابیں پڑھنے سے نہیں، زندگی کے تجربوں سے پیدا ہوتے ہیں۔"

"چہرے سے تو خاصی کم سن اور ناتجربہ کار لگتی ہو۔"

"میں پھُولوں کی بات کر رہی تھی نا۔" وہ یک بیک اُداس ہو گئی۔ "تھوڑی یا زیادہ جو بھی عمر میں نے گزاری ہے اس میں مجھے بھی تمنا رہی ہے کہ کوئی مجھے پھُول دے اور میں پھُولوں کی آرزو میں ہر بار کانٹوں سے اُلجھ کر اپنی اَنا کو لہولہان کرتی رہی ہوں۔ لوگ گُلوں سے نہیں، گُل بدنوں سے پیار کرتے ہیں، تم اُن سے کافی مختلف نظر آئے، میں نے خالد سے بھی تمھارا ذکر کیا تھا۔ اجازت دو گے تو وہ تم سے مِل کر بہت خوش ہوگا۔"

"پتا نہیں تم کب سے تنہا زندگی گزار رہی ہو؟" میں نے گفتگو کا رُخ خوب صورتی سے موڑتے ہوئے کہا۔ "ماں باپ کہاں ہیں تمھارے؟"

"بہت لمبی کہانی ہے، سُن کر اُکتا جاؤ گے۔" اُس کے لہجے میں اُداسی کچھ اور گہری ہو گئی۔ "مختصراً یہ سمجھ لو کہ کوئی نہیں ہے۔"

"ہوتا تو تم انھیں اپنے ساتھ رکھ سکتی تھیں، پھر شاید اتنی حسّاس نہ ہوتیں۔" میں نے رائے دی۔

"یہاں ساتھ رکھ لیتی!" اس نے حیرت اور تنفر کے ساتھ کہا۔ "یہ ناممکن تھا۔ تم نئے نئے آئے ہو، رفتہ رفتہ سب معلوم ہو جائے گا۔ خالد کے بیوی بچّے لاہور ہی میں ہیں۔ اسے ہفتے میں صرف ایک رات کالج سے باہر گزارنے کی اجازت ہے، اگلی دوپہر سے پہلے وہ پھر یہاں موجود ہوتا ہے۔ باہر مناسب روزی ملے تو وہ کبھی یہاں نہ رہتا۔"

"لیکن مَیں نے تو سنا ہے کہ چند ماہ پہلے کسی کی بوڑھی ماں یہیں اس کے ساتھ رہتی تھی۔" مَیں نے بے پروائی سے کہا۔

"ہاں، وہ میرے سامنے کی بات ہے۔" اس کے الفاظ نے میرے وجود میں سنسنی سی دوڑا دی۔ "توقیر کی ماں اس کے ساتھ یہیں رہتی تھی لیکن ہر ایک تو توقیر نہیں ہو سکتا۔"

"اِس میں کون سے سُرخاب کے پَر لگے ہوئے تھے؟"

"موجودہ باس سے پہلے وہی یہاں کا باس ہوا کرتا تھا۔ وہ واحد شخص تھا جس کا کوئی رشتے دار اس کے ساتھ یہاں رہتا تھا لیکن یہ بھی دیکھو کہ اس کے بعد اُس کی ماں کا کیا حشر ہوا؟"

"حشر ہوا؟" مَیں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں، جس روز اُس کے مرنے کی خبر اخباروں میں آئی اُسی صبح اُس کی ماں کا کہیں پتا نہیں تھا۔ جب کہ پچھلی شام بہت سوں نے اُسے دیکھا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کے بارے میں پوچھتا لیکن افواہیں اُڑی تھیں کہ انعام نے اس بڑھیا کو کوڑا جلانے والی برقی بھٹی میں پھینک کر زندہ جلا دیا تھا۔"

اُس کا جواب سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں بڑی ماں کے اس اندوہناک انجام کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ "آخر اس عورت کا جُرم کیا تھا اور انعام نے کس اختیار کے تحت اُسے جلایا؟" مَیں نے بدقت تمام اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"لائیڈز کالج سے مرنے والوں کا تعلق چھپانے کے لیے بڑھیا کو بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ توقیر کے مرتے ہی یہاں کا چارج انعام کو مل گیا تھا کیوں کہ اُس زمانے میں بھی وہ نمبر دو ہوتا تھا۔ ڈی سوزا تو کئی دن بعد یہاں سربراہ بن کر آیا تھا۔"

"اوہ۔" میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ رخسانہ نے اپنے جواب سے کئی گتھیاں سُلجھا دی تھیں۔

ڈی سوزا کے خلاف انعام اور رحمانی کی محاذ آرائی شروع دن سے میرے لیے مسئلہ بنی ہوئی تھی لیکن اب اس کا سبب بھی میرے سامنے آ گیا تھا۔ انعام لائیڈز کالج میں سینئر تھا اور اُسے اُمید رہی ہوگی کہ توقیر کی موت کے بعد چارج اُسے دے

دیا جائے گا لیکن اُس کی اُمیدوں کے برعکس ڈی سوزا کو باہر سے لا کر مسلط کر دیا گیا اور ان دونوں نے ڈی سوزا کو ناکام ثابت کرنے کے لیے پس پردہ اپنی گرفت مضبوط کرنا شروع کر دی۔ اگر ڈی سوزا کی طبیعت سخت گیر نہ ہوتی تو شاید وہ کبھی کا ناکام ہو گیا ہوتا۔

لیکن قدرت کا نظام کس قدر اٹل تھا کہ ڈی سوزا کا مجرم میرے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا تھا۔ جب میں نے انعام کی گردن دبوچی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہی سفاک بڑی ماں کا قاتل بھی تھا۔ اُس نے بڑی ماں کو زندہ یا مردہ برقی بھٹی میں جلا کر گور و کفن سے محروم کیا تھا اور اب میرے ہاتھوں بے بسی کی موت مرنے کے بعد وہ خود تین نمبر کے ایک مقفل کمرے میں جمی لائیڈ کی تصویر کے سلسلے میں چوہوں اور حشرات الارض کی خوراک بننے کے لیے بے گور و کفن پڑا ہوا تھا۔ اس کی موت سے لاش کو چھپائے جانے تک سارے واقعات کسی مقصد کے بغیر حالات کے دباؤ کے تحت رونما ہوئے تھے لیکن اب رخسانہ بتا رہی تھی کہ قدرت نے اپنا انتقام لینے کے لیے ایک کھلونے کی طرح اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیا تھا ورنہ میرا اس تہ خانے کا سراغ لگانا شاید ایک بہانا ہی تھا۔

"تم خود ہی سوچو کہ اجازت مل بھی جائے تو ایسے روح فرسا حالات میں کون اپنے متعلقین کو یہاں رکھنے کا خطرہ مول لے گا کہ نجانے کب ان بے گناہوں کو اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا سہنا پڑ جائے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"تو یہ ڈی سوزا یہاں کا مالک نہیں ہے؟" میں نے سادگی کے ساتھ سوال کیا۔

اُس نے اپنی دلکش آنکھیں اُٹھا کر مجھے گھورا اور قدرے غصیلے لہجے میں بولی۔ "کیا یہاں کے معاملات کے بارے میں تم واقعی اتنے ہی لاعلم ہو یا میرا امتحان لے رہے ہو؟"

"کیسا امتحان؟ مجھے تو نوکری کیے چند ہی روز گزرے ہیں، ابھی تک تو وہی مالک نظر آیا ہے۔"

"یہاں ہم سب جمی لائیڈ کے ملازم ہیں۔ کچھ اس کے منہ چڑھے ہیں جو دوسروں کو اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں۔ ڈی سوزا تو پھر بھی شریف آدمی ہے۔ توقیر کے زمانے میں کوئی لڑکی اُس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں تھی، ہر رات وہ رنگا رنگ محفلیں سجانے کا عادی تھا۔ انعام اور رحمانی رات کے اندھیرے میں کسی کو بھی سوتے سے اٹھا کر اُس کے دربار میں لے جاتے تھے، وہاں جو کچھ ہوتا تھا اس کے بارے میں سوچ کر بھی شرم

آتی ہے۔"

"یعنی تم بھی وہاں لے جائی جاتی رہی تھیں؟"

"میں عورت تھی اور آسمان سے نہیں اُتری تھی۔ ماں نے بغیر نوکری بحال رکھنا دشوار تھا اسی کے بعد میں نے انعام کی ذات میں پناہ لینے کی کوشش کی تھی۔"

"تو کیا یہ ساری غنڈہ گردیاں جمی لائیڈ کے ایما پر ہوتی ہیں؟" میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس بارے میں نچلی سطح پر کیا تاثرات پائے جاتے تھے۔

"اس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ کبھی یہاں نہیں آتا۔ آتا بھی ہو تو ہمیں پتا نہیں چلتا۔ اس کے پیسے پر یہ سب عیش کر رہے ہیں۔ ان حرکتوں میں جمی لائیڈ کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے بس باہر کی نیک نامی سے غرض ہے۔ یہاں کچھ بھی ہو جائے، اوپر والے اس کی بھنک بھی باہر نہیں جانے دیتے۔"

"ناقابل یقین باتیں سنا رہی ہو تم تو۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "یہ تو ظلم کی انتہا ہے کہ زندہ عورت کو جلا دیا جائے اور لوگ خاموش تماشائی بنے رہو۔"

"روزگار سب کو عزیز ہوتا ہے۔ خرابی یہ ہے کہ اصل مالک تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔ اسے یہ سب معلوم ہو جائے تو شاید وہ اپنے ہاتھوں سے ان پاجیوں کو سولی پر لٹکا دے۔"

آخری فقرے میں لائیڈز کاٹیج کے پورے نظام کی تصویر آگئی تھی۔ جمی لائیڈ نے اپنی ذات کو پس پردہ رکھ کر بڑی بڑی رسوائیوں سے بچایا ہوا تھا اور پیسے کے بل پر اپنے تنخواہ دار ملازمین کو لامحدود اختیارات دے کر ہر جائز و ناجائز کام لے رہا تھا۔ دماغ، منصوبہ اور پیسا اس کا تھا لیکن نتائج کا حصول اس کے ملازمین کے ذمے تھا۔

میرے ساتھ وہ بھی گھاس سے اُٹھ گئی تھی۔ اُٹھتے ہوئے اُس نے پُرامید نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا لیکن میں نے اُسے ٹال دیا۔ "تمھارا کام ختم ہو گیا، تم جا کر آرام کرو، میں ابھی ڈیوٹی پر ہوں۔ شام کو اپنے کمرے میں تمھارا انتظار کروں گا۔"

"یہ گلدستہ تم ہی لے جاؤ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "... کو میں اسے خود سجا دوں گی، ابھی ایک گلاس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر اسے لگا دینا، میں یہ لے کر نکلی تو مجھ پر سیٹیاں بج جائیں گی۔"

میں نے اُس کے ہاتھ سے گلدستہ لے لیا۔

دوپہر کے کھانے کا وقفہ ہو چکا تھا۔ بیشتر لوگ ڈائننگ



ہال کا رخ کر چکے تھے۔ میں نے بھی سوچا کہ کھانے سے فارغ ہو کر ہی لیا جائے۔ میں قریبی واش روم میں جا گھسا جو اس وقت خالی پڑا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ منہ دھوتے وقت وہاں ایک اور شخص داخل ہوا جو خاصا تنومند اور قد آور تھا۔ مجھے گہری نظروں سے گھورتے ہوئے وہ خود بھی برابر والے واش بیسن پر جھک گیا۔

منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں ٹاول ڈرائر سے خشک تولیہ کھینچ کر منہ صاف کر رہا تھا کہ اچانک ہی میرے سر کے عقبی حصے پر قیامت سی ٹوٹ پڑی اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہ ضرب اس قدر شدید اور نپی تلی تھی کہ میرے حلق سے ذرا بھی آواز نہ نکل سکی اور فوراً ہی ٹانگوں نے میرے وجود کا بوجھ سنبھالنے سے انکار کر دیا۔

مجھے بس اتنا یاد رہا کہ گرتے گرتے اچانک ہی میرے قدم فرش سے اکھڑ کر فضا میں معلق ہو گئے تھے۔ شاید کسی نے گرنے سے پہلے مجھے اپنے کندھے پر لاد لیا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا، مجھے یاد نہیں۔ دوبارہ ہوش آیا تو سب سے پہلے کھوپڑی کے عقبی حصے میں درد آمیز دھمک کا احساس ہوا تھا اور میں نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔

نگاہوں کے سامنے سے چکراتے ہوئے رنگین دائرے غائب ہوئے تو اپنے سامنے فرش سے چھ فٹ کی بلندی پر رحمانی کا بگڑا ہوا چہرہ نظر آیا۔ اس کے تیور خراب تھے اور ہاتھ میں ایک بے آواز پستول دبا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت میں ننگے فرش پر پڑا تھا۔ دکھتے ہوئے سر کو ذرا سی جنبش دینے سے اپنے قید خانے کا محل وقوع بھی معلوم ہو گیا کیونکہ اس وقت میں تہ خانے میں واقع ٹارچر سیل میں موجود تھا اور سامنے ہی انسانی ڈھانچے سے مشابہ خالی آہنی خول ایستادہ تھا۔

"میں سمجھ نہیں سکا کہ یہ سب کیا ہے؟" میں نے کہنیوں پر زور دے کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"انعام کہاں ہے؟" اس کی سانپ کی طرح پھنکارتی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"ا... کیا یہاں نہیں ہے؟" صورت حال کی سنگینی کے پیش نظر میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں جوابی سوال کر ڈالا۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" وہ اپنی چبھتی ہوئی آواز میں غرایا۔ "یہ ٹارچر سیل ہے۔ اگر تم نے زبان نہ کھولی تو اس بار یہاں سے زندہ واپس نہ لوٹ سکو گے۔"

"میں تمھیں پوری کہانی سنا چکا ہوں۔ رات سے اب تک میں نے انعام کا سایہ تک نہیں دیکھا، میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"تمھاری کہانی میں بدترین جھول ہے۔ صبح تم نے جو کچھ بتایا، میں نے من و عن تسلیم کر لیا تھا لیکن بعد میں میں نے تہ خانے کی تلاشی لینے والوں سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ ٹارچر سیل میں آہنی خول کو خاص طور سے دیکھا گیا تھا اور وہ خالی تھا جب کہ اپنے بیان کے مطابق تم نے اسی ڈھانچے میں پناہ لی تھی۔"

"میں تمھارے سامنے تہ خانے سے برآمد ہوا تھا، پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کہاں چھپ سکتا تھا۔ بتلانے والے نے تمھیں غلط بتایا ہے۔ اس وقت وہ بدحواسی میں شکنجے کو فراموش کر بیٹھے۔ تم نے مخصوص حوالے سے اس کے بارے میں پوچھا ہو گا تو اسے ہوش آیا ہو گا کہ ایک آدمی تو بآسانی اس میں بھی چھپ سکتا تھا لہٰذا اپنی غفلت پر پردہ ڈالنے کے لیے اس نے جھوٹ بول دیا۔"

وہ چند ثانیوں تک نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے، قہربار نظروں سے مجھے گھورتا رہا پھر نسبتاً پُرسکون لہجے میں بولا۔ "ڈی سوزا سے ملاقات ہوئی تمھاری؟"

میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سوچا کہ رحمانی وہاں کا پرانا آدمی تھا اور اس کے لوگوں سے مراسم تھے اس لیے ڈی سوزا سے ملاقات کا اقرار نہ کرنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیر گئی۔ "کیا بات ہوئی تھی اس سے؟"

مجھے بے ہوش کر کے ٹارچر سیل میں لایا جانا خالی از علت نہیں تھا۔ اس نے بازپرس کی ابتدا انعام کی گمشدگی سے کی تھی پھر فوراً ہی ڈی سوزا سے ملاقات کے معاملے پر آ گیا تھا۔ ڈی سوزا کو میں اپنی پیچ دار گفتگو سے چکمہ دے چکا تھا اور اس وقت رحمانی کا قیدی بنا ہوا تھا۔ میرا فوری اور شاید لائیڈز کاٹیج میں آخری مسئلہ رحمانی کا اعتماد بحال کرنا تھا تاکہ مجھے رہائی نصیب ہو سکے۔ چند گھنٹوں بعد مجھے وہاں سے ویرا سے ملاقات کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔ اس کے بعد اگر رحمانی اور ڈی سوزا کو میرے جھوٹ کا پتا چل بھی جاتا تو میرا کچھ نہ بگڑتا۔ اس لیے میں نے فوری ہی رحمانی سے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا۔

"اپنے کمرے سے ممنوعہ اوقات میں بلا اجازت غیر حاضری پر بازپرس سے بات شروع ہوئی تھی اور انعام کی غیر حاضری سے ہوتی ہوئی تمھاری ذات پر شبہ پر ختم ہوئی۔ اس کا خیال ہے کہ اختلاف رائے کی ... بنیاد پر تم نے اس کو مار کر کسی گٹر میں ڈال دیا ہے۔ آج رات پورے احاطے کی بیرونی روشنیاں گل کر کے ہر مین ہول کی تلاشی لی جائے گی۔" میں نے کہا۔

میرا خیال تھا کہ میری زبان سے وہ باتیں سن کر رحمانی حیرت سے اچھل پڑے گا لیکن اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ مجھ سے

گھما پھرا کر سوال کرتا رہا اور میں بلا تامل سب کچھ سچ سچ بتاتا چلا گیا۔ اس دوران میں اس کا رویہ بھی بتدریج نرم ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ آخر میں اس نے مہیب پستول سائلنسر اتار کر ہولسٹر میں اڑس لیا۔

" پھر تم نے آج دن بھر مجھ سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" اس نے پوچھا۔

" مجھے شبہ تھا کہ میری نگرانی ہوگی۔ کھلے بندوں ملاقات سے پہلے میں خفیہ طور پر تم سے مل کر تمھیں اس کے عزائم سے آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ اسی کی روشنی میں تم اپنا لائحہ عمل طے کر سکو۔"

" تمھاری نگرانی ضرور ہو رہی تھی لیکن وہ ڈی سوزا کے نہیں، میرے آدمی تھے۔ میری حمایت اور وسائل کا اندازہ تم صرف اسی ایک بات سے لگا سکتے ہو کہ تمھیں دن دہاڑے اُٹھا کر یہاں پہنچا دیا گیا۔ اگر ڈی سوزا مجھ پر شبہ کر رہا ہے تو میں بھی اس کے عزائم کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ وہ لائیڈز کاٹیج سے ہر اس آدمی کا پتہ صاف کرنا چاہتا ہے جو ذرا بھی مضبوط ہے یا حمایت رکھتا ہے۔"

" میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "تمھیں کیا ضرورت تھی میرا تعاقب کرانے کی؟ پھر ابھی تم نے پستول تانا ہوا تھا مجھ پر... اب حیثیت کیا ہے میری؟ قیدی یا آزاد؟"

اس بار وہ ذرا فراخ دلی کے ساتھ ہنسا تھا۔ "تم آزاد ہو میرے دوست! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمھیں پرکھنے میں غلطی کی، میرا خیال تھا کہ تم میرے خلاف ڈی سوزا سے مل گئے ہو۔"

" کوئی وجہ بھی تو رہی ہوگی اس بدظنی کی؟"

" ڈی سوزا میرے پیچھے لگا ہوا ہے اور میں اس کے پیچھے۔ میں نے کل شام ہی اس کے کمرے میں ایک لاسلکی ڈکٹافون لگوا دیا تھا۔ صبح اپنے ریسیور پر تمھاری آواز سن کر میں چونک پڑا کیونکہ تم نے ڈی سوزا سے ملاقات کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا پھر تم دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی، وہ میں نے حرف بہ حرف سنی۔ میرے خدا! تم نے تو ایسی کامیاب اداکاری کی کہ میں تمھیں اپنا بدترین دشمن سمجھنے لگا تھا اسی غصے میں تمھیں یہاں اٹھوایا۔ اگر تم خود ہی سب کچھ نہ اُگل دیتے تو یقین کرو کہ تمھارے مغز میں چند گولیاں اتار کر اسی وقت تمھاری لاش برقی بھٹی میں پھنکوا دیتا، لیکن تم نے تو میرے سارے شبہات پر ہی پانی پھیر دیا۔"

میرے وجود کی گہرائیوں سے ایک تشکر آمیز سانس خارج ہوا۔ میں ایک بدترین لمحے سے بال بال بچا تھا۔ اگر میں اپنی مقصد کی برآوری کے لیے رحمانی کا اعتماد بحال کرنے کا فیصلہ نہ کرتا تو اس وقت تک میری کھوپڑی میں کئی سوراخ ہو گئے ہوتے۔ بہت خونریز ماحول تھا لائیڈز کاٹیج کا بھی۔

جہاں انسانی لہو کی ہولی کھیلنے والوں میں اس حد تک باہمی اعتماد کا فقدان ہو، وہاں کسی بھی لمحے کشت و خون کا آغاز ہو سکتا تھا۔

" پھر اب کیا حکم ہے میرے لیے؟" میں نے اپنے کھوئے ہوئے حصے کو ٹٹولتے ہوئے سوال کیا۔

" جو کہا گیا ہے وہی کرو گے، یعنی میرے قریب آنے کی کوشش۔" وہ داہنی آنکھ دبا کر عیارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اب تم دیکھنا کہ جلد ہی ڈی سوزا کی جگہ میں لے لوں گا اور تم میرے دست راست ہو گے۔"

" اور انعام؟" میں نے اسے یاد دلایا۔

" جب تک وہ مل نہیں جاتا اسے بھولے ہی رہنا ہوگا۔" اس کے لہجے میں تاسف کا ہلکا سا عنصر بھی موجود تھا۔

" ممکن ہو تو میں واپس جانا چاہوں گا۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا جو پونے پانچ بجا رہی تھی۔

" یوں نہیں، پہلے میں جاؤں گا پھر میدان صاف دیکھ کر تمھیں نکال دوں گا۔"

" پانچ بجے تک مجھے کمرے میں واپس پہنچنا ہے۔" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

" کیوں؟" اُس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کوئی آنے والی ہے؟ مجھے پتا چلا ہے کہ آج تم نے کچھ وقت رخسانہ کے ساتھ گزارا تھا۔"

" معلوم ہے تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا اور وہ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

ویرا لائیڈ سے ملاقات کا پیغام ملنے کے بعد سے یوں لگ رہا تھا جیسے وقت کی رفتار یک بیک تیز ہو گئی ہو۔ پے در پے واقعات لمحہ بہ لمحہ یوں رونما ہو رہے تھے جیسے حالات بھی ویرا کے احکام کے تابع رہے ہوں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ بڑی ملکہ کے سفاک قاتل سے انتقام سے لے کر جمی لائیڈ کی تصویر کے حصول تک ہر مرحلے میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہوا وہ ضمنی سا تھا۔ میرے خیال میں ڈی سوزا اور رحمانی کے درمیان میں نے نفاق کا جو بیج بو دیا تھا وہی لائیڈز کاٹیج کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے لیے کافی تھا لیکن میں منشیات فروشی کے بعد اسلحہ کی اسمگلنگ سے واقف ہو کر یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ویرا لائیڈ سے ملنے اور لائیڈز کاٹیج سے نجات کے بعد میں نمبر تین کے تہ خانوں میں موجود بارودی ذخیرے کو اس طرح تباہ کروں گا کہ اسلحہ سمیت ان عمارات کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔



اپنی اس کارروائی کے سلسلے میں بس ایک ہی طرف سے فکرمند تھا کہ لائیڈز کاٹیج میں خونیوں اور مجرموں کے غول میں رخسانہ جیسے بہت سے بے گناہ بھی رہ رہے تھے جن کی جانوں کا تحفظ لائیڈز کاٹیج کی تباہی سے زیادہ ضروری تھا۔

رخسانہ کے ساتھ اس شام گزارے ہوئے چند گھنٹے میرے لیے یادگار رہتے۔ اس کے لیے شوقِ آوارگی کی مہم میں کسی معقول آدمی سے وہ پہلی ملاقات تھی جو آگے چل کر گہری دوستی یا کسی جذباتی تعلق کی بنیاد بن سکتی تھی لیکن یہ میں ہی جانتا تھا کہ اس نیک دل اور خوب صورت لڑکی سے وہ میری آخری ملاقات تھی۔

وہ اگلی شام آنے کا وعدہ کر کے بڑی خوش خوش واپس گئی تھی۔ اسے رخصت کرنے کے بعد میں نے کمرے پر ایک الوداعی نگاہ ڈالی۔ وہاں میرا تھا ہی کیا۔ میں تو خالی ہاتھ تن کے کپڑوں کے ساتھ آیا تھا جو میں نے خود ہی پھاڑ لیے تھے۔

الماری میں سے ایک عمدہ ڈنر سوٹ زیب تن کر کے میں نے کیبنٹ میں سے بلیک ڈاگ کی آدھی بوتل نکال کر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال لی۔ وہ چپٹی بوتل پہننے سے یوں لگ گئی کہ بادی النظر میں اس کی موجودگی کا احساس کرنا ہی محال تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے انٹرکام کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔

" ڈینی اسپیکنگ۔" میں نے ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھیمے سے کہا۔

" تمھیں آٹھ بجے روانہ ہونا ہے۔" ریسیور میں ڈی سوزا کی آواز سنائی دی۔ "ٹھیک آٹھ بجے اسٹاف کار تمھیں اپنے دروازے پر ملے گی۔"

" تین منٹ رہ گئے ہیں، میں باہر پہنچ رہا ہوں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

" رحمانی کا آج کیا رہا؟"

" آج ملاقات نہیں ہو سکی، کل کوشش کروں گا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں بھی ریسیور کریڈل پر رکھ کر باہر نکل گیا۔

باہر نکلا تو ہر طرف گھور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ پروگرام کے مطابق احاطے کی تمام روشنیاں گل تھیں۔ اندھیرے کے اس جنگل میں عمارات کی کھڑکیوں کے روشن شیشے بہت عجیب نظر آ رہے تھے۔ میں عمارت کے برآمدے میں رک کر اس منظر کا جائزہ لینے لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ شاید میری واپسی کے بعد میں ہولوں کی خوشی کی مہم شروع ہوگی کیونکہ اسٹاف کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی ماحول کا پورا منظر واضح کر سکتی تھی لیکن چند ثانیوں بعد جب تاریکی میں دو زرد روشنیاں مجھے قریب آتی دکھائی دیں تو اندازہ ہوا کہ ڈی سوزا اپنے معاملات میں کس قدر پکا تھا۔ شاید اس رات باہر پارکنگ لائٹس کے علاوہ گاڑیوں کی دوسری روشنیوں کے استعمال پر بھی پابندی تھی۔

آنے والی لمبی سی سیاہ کار سیڑھیوں کے قریب رکی اور سفید وردی میں ملبوس ڈرائیور نے پھرتی سے نیچے اتر کر میرے لیے عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ میرے سوار ہوتے ہی کار آگے بڑھ گئی۔

لائیڈز کاٹیج کسی بھی اعتبار سے قلعہ سے کم نہیں تھا۔ سست روی کے ساتھ کئی موڑ گھومنے کے بعد اسٹاف کار دیوہیکل مشینی دروازے کے قریب رک گئی۔ اس وسیع و عریض آہنی پھاٹک کے قرب و جوار میں بھی اندھیرا تھا بس ملحقہ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی جس کا انعکاس گھور اندھیرے میں غنیمت معلوم ہو رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ مجھے جس شان سے گاڑی میں بٹھایا گیا تھا اسی شان کے ساتھ مشینی پھاٹک سے گزار بھی دیا جائے گا لیکن ایک باوردی محافظ نے قریب آکر سارا لطف غارت کر دیا۔ وہ مجھے کمرے میں جا کر تلاشی دینے کی ہدایت دے رہا تھا۔

کمرے میں میرے پورے جسم پر ہاتھ پھیر کر سرسری جامہ تلاشی کے بعد مجھ سے میرا شناختی تمغہ طلب کیا گیا جسے میں بھول ہی بیٹھا تھا۔ میں نے وہ نقرئی تمغہ گارڈ کو دے دیا اور اس نے ایک روپے کا نوٹ درمیان سے پھاڑ کر اس کا نصف حصہ میرے سپرد کر دیا۔ جو میرے جمع کرائے ہوئے تمغے کی رسید تھا۔ اگر میری واپسی ہوتی تو نوٹ کے دونوں پھٹے ہوئے حصوں کا جوڑ ملا کر شاید تمغہ مجھے لوٹا دیا جاتا۔

پھر بھاری مشینی گڑگڑاہٹ کے ساتھ دونوں پھاٹک مخالف سمت میں سرکنے شروع ہوئے اور مناسب خلا پیدا ہوتے ہی ہماری گاڑی سڑک پر تیرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

لائیڈز کاٹیج سے عزت و احترام کے ساتھ واپسی کا وہ تجربہ اس قدر ناقابلِ یقین تھا کہ میں کئی منٹ تک اسی تصور میں کھویا رہا۔ اس دوران میں ڈرائیور نے ہیڈ لیمپس روشن کر کے کار کی رفتار بڑھا دی تھی۔

لائیڈز کاٹیج شہر سے خاصی دور واقع تھا۔ سفر کے اختتام پر میں کانٹی نینٹل کے پورچ میں گاڑی سے اترا تو ڈرائیور نے کہا کہ وہ پارکنگ لاٹ میں میری واپسی کا انتظار کرے گا، مگر اپنی واپسی کی حقیقت مجھے اچھی طرح معلوم تھی لہٰذا میں نے اسے واپس لوٹ جانے کی اجازت دے دی۔ اس سے یہی کہا تھا کہ واپسی پر میں کوئی ٹیکسی لے لوں گا۔

اس وقت پونے نو بجے تھے۔ میں نے ٹہلتے ہوئے للاؤنج کا ایک چکر لگایا اور ویرا لائیڈ کو موجود نہ پا کر باہر انتظار گاہ میں آگیا، جہاں خاصے لوگ کسی نہ کسی کے منتظر تھے۔

میری نگاہ ہوٹل کے داخلی راستے پر مرکوز رہی اور ویرا میری بے خبری میں میرے پیچھے پہنچ گئی۔ اس نے میری پشت پر ہلکے سے ہاتھ مار کر ہیلو کہا تو میں تحیر آمیز پھرتی کے ساتھ مڑا اور اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

شام کے ہلکے میک اپ اور لباس نے اسے غضب کی کشش دے دی تھی۔ میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے محسوس کیا کہ انتظار گاہ میں موجود متعدد نظریں میری طرف نگراں تھیں — رشک و رقابت کی اس فضا میں ایک جوان اور خوش رو سفید فام کچھ زیادہ ہی متعصب نکلا اور ویرا لائیڈ کو خریدار کی متلاشی سمجھتے ہوئے پہلی ملاقات کے جملہ آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، ہماری طرف لپکا اور ویرا کے سامنے اپنے سر کو قدرے خم دیتے ہوئے شائستہ انگریزی میں بولا۔ ”میں شون ہوں، شون میکارتھی۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے ڈھٹائی کے ساتھ اپنا داہنا ہاتھ مصافحہ کے لیے آگے بڑھا دیا۔

”شاید تم برطانوی ہو۔ مجھے مسز جیکب کہتے ہیں۔ یہ میرے شوہر مسٹر جیکب ہیں۔“ وہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے خشک لہجے میں بولی۔ ”اپنا ہاتھ واپس کر لو، انگلینڈ میں جب تک کوئی خاتون مصافحہ کے لیے پہلے اپنا ہاتھ نہ بڑھائے، مرد ملاقاتی کو ہاتھ نہیں بڑھانا چاہیے، یہ بدتمیزی کہلاتی ہے؟“

اس نے غصے کے عالم میں اپنا ہاتھ واپس کھینچنا چاہا جو میں نے پھرتی کے ساتھ دبوچ لیا۔ ”بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ میری بیوی مقامی یونیورسٹی میں اخلاقیات کی پروفیسر ہے...“

وہ میری گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھنّاتے ہوئے انداز میں واپس لوٹ گیا۔ یہ سب اتنی آہستگی اور تیزی کے ساتھ ہوا تھا کہ قرب و جوار میں شاید کسی کو اصل واقعے کا اندازہ نہ ہو سکا مگر شون کی واپسی کے غیصلے انداز نے ظاہر کر دیا کہ موصوف کی پذیرائی خوشگوار نہیں تھی۔ اُسے دیکھ کر کئی چہروں پر مسکراہٹ کے چراغ جل اٹھے تھے۔

”تم کہاں سے آئیں؟“ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنے لبوں پر ٹھہرا ہوا سوال کر ہی ڈالا۔

”لفٹ سے!“ وہ کھنکتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”آؤ۔“

وہ میرا ہاتھ تھام کر دوبارہ لفٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ تیسری منزل پر اس کے خنک کمرے میں پہنچ کر اچانک ہی میری طبیعت پر اکتاہٹ سی سوار ہونے لگی۔

”کیا ہم کچھ وقت باہر نہیں گزار سکتے ویرا؟“ میں نے سوال کیا۔

”کیوں؟ یہاں ہم بے تکلفی کے ساتھ کھل کر گفتگو کر سکیں گے تمہارے کوٹ کی اندرونی جیب میں اگر پستول نہیں تو بوتل ضرور ہے۔ باہر تم اسے کبھی منہ نہ لگا سکو گے۔“

میں تھکے ہوئے انداز میں آرام دہ کرسی پر گر گیا۔ ”اچھے ہوٹل دنیا بھر میں کم و بیش ایک جیسے ہوتے ہیں۔ کمرے میں محدود ہو کر رہ جاؤ تو شہروں اور ملکوں کا ہر امتیاز مٹ جاتا ہے۔ صاف ستھرا کشادہ بستر، بڑی بڑی کھڑکیاں، قالین، ٹھنڈی ہوا اور چند لوازم۔“

”میں نے تمھیں تفریح کے لیے نہیں بلایا ہے، ابھی تمھیں واپس بھی جانا ہے۔ اب تک کی رپورٹ کیا ہے؟“ اس نے مجھے گھورتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔

”پہلی بات تو یہ کہ میں واپس نہیں جاؤں گا۔“ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے گاڑی واپس بھیج دی ہے، وہاں کام کر کے بہت تھک گیا ہوں، اب ذرا آرام چاہتا ہوں، دوم یہ کہ غزالہ کہاں ہے؟“

”جہاں بھی ہے بہت خوش ہے، تمھارے لیے اس کی آواز میں ریکارڈ کیا ہوا پیغام لائی ہوں... تم نے یہ نہیں بتایا کہ جس کام کے لیے وہاں گئے تھے اس کا کیا ہوا؟“

”تمھارا کام ہو گیا۔“ میرا جواب سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”تفصیل اس وقت جب غزالہ سامنے ہو گی۔“

”کیا تصویر تک واقعی تمھاری رسائی ہو گئی؟“ اس نے بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔

”نہ صرف تصویر تک بلکہ اسلحہ کے اُن ناقابلِ یقین انبارلوں تک بھی جو تنظیم کے کاروبار کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ہیروئن برآمد ہوتی ہے۔ خطرناک اسلحہ درآمد ہوتا ہے، تنظیم دو دھاری تلوار چلا رہی ہے۔“

”اسلحہ!“ حیرت سے اُس کی باریک بھویں کمان ہو گئیں۔ ”کھل کر کہو، کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟“

”لائیڈز کاٹیج میں زیرِ زمین تعمیرات کا بھی ایک جال بچھا ہوا ہے جس کا بڑا حصہ لائیڈز کاٹیج سے اس طرح الگ کیا ہوا ہے کہ وہاں رہنے والے بھی اس کے وجود سے لاعلم ہیں اور وہ تہ خانے مہلک اسلحے اور بارودی ذخائر سے بھرے ہوئے ہیں، وہاں سے نکاسی کا زیرِ زمین چور راستہ عقبی جنگل میں نکلتا ہے جہاں سے ٹرک تہ خانے میں آ سکتے ہیں۔“

”ناقابلِ یقین معلوم ہوتا ہے یہ سب، لیکن تمھاری وہاں تک رسائی کیسے ہو گئی؟“

میں نے اختصار کے ساتھ اسے لائیڈز کاٹیج کے پیچیدہ تعمیراتی نظام اور اپنی کامیابی کے اسباب سے آگاہ کر دیا۔ درمیان میں وہ بار بار مجھے ٹوکتی رہی اور میں اس کے ہر سوال کا مسکت جواب دیتا رہا۔

”اس پوری مہم میں کشت و خون بھی ضرور ہوا ہو گا؟“

”اس خفیہ حصے میں چار لاشیں موجود ہیں اور میں جلد از جلد اس پورے ڈھانچے کو تباہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک ننھا سا ٹائم بم پوری عمارات کو ساتھ لے بیٹھے گا۔“

”نہیں۔“ وہ اضطراری طور پر بول اٹھی۔ ”یہ تنظیم کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہو گا۔ میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔“

”اپنی منصوبہ بندی کو عملی صورت دینے کے لیے مجھے تمھاری کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔“ میں نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”ان تہ خانوں کے راستے قبرستان میں اکثر مہمان آتے رہتے ہیں جن میں غیر ملکی بھی ہوتے ہیں۔ مجھے ایسی کسی پارٹی کی آمد سے پہلے اپنا کام پورا کرنا ہو گا ورنہ وہ لاشیں دیکھ لی گئیں تو وہ ہوشیار ہو جائیں گے، ہو سکتا ہے کہ میرے ساتھ تمھاری ذات بھی شبہات کی زد میں آجائے۔ اتنی بڑی اور باوسائل تنظیم کے لیے اس نقصان کی کوئی اہمیت نہیں ہو گی۔“

”اس مختصر سی مدت میں تم نے ان کے چار دن آدمی مار دیے، خفیہ ترین مقامات کے راز معلوم کر لائے اور اب وہ سب برباد کر دینا چاہتے ہو، نہیں ڈینی! یہ نہیں ہو سکے گا۔ لائیڈز کاٹیج کی برسوں پرانی ساکھ ہے، ہولناک دھماکوں، آتش زنی اور جانی اتلاف کے بعد سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا۔ پولیس اور فوج اس ملبے پر چڑھ دوڑے گی۔ اسے نقصان پہنچائے بغیر ہم انھیں ہر لمحے بلیک میل کر سکیں گے یہ معلومات تو تمھارے لیے سدا بہار کامیابی کی کلید بن سکتی ہیں۔“

”یہ خوش فہمی ہے تمھاری، جب تک لاشیں دریافت نہیں ہوتیں سب کچھ جوں کا توں موجود رہے گا۔ انھیں جس وقت بھی کسی بیرونی آدمی کی مداخلت کا سراغ مل گیا وہاں کچھ باقی نہ رہے گا۔ سارے ذخائر اونے پونے بیچ دیے جائیں گے یا دوسرے گوداموں میں منتقل کر دیے جائیں گے۔ رہے تہ خانے تو ان کی تعمیر کسی قانون کے تحت جرم نہیں ہے۔“

”نہ رہے، کچھ بھی نہ رہے لیکن تم کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔“

”ہو سکتا ہے کہ ہمت ساتھ دے اور وسائل مجتمع ہو جائیں تو میں آج رات ہی ادھر کا رُخ کر بیٹھوں، میں انھیں مہلت نہیں دینا چاہتا ورنہ میرا بنا بنایا کھیل خراب ہو جائے گا۔ میں ایک بار پھر ان کی ہٹ لسٹ پر آ جاؤں گا۔“

”تمھیں یہ خوف بھی نہیں ہے کہ غزالہ میری تحویل میں ہے، میں چاہوں تو اسے دباؤ کے طور پر استعمال کر سکتی ہوں۔“

”تم نہیں کر سکو گی۔“ میں نے پُر زور لہجے میں کہا۔ ”تم گندے خون کی ستھری پیداوار ہو۔ میں نے جمی لائیڈ کی تصویر دیکھ لی ہے اور اس کی تلاش میں تمھارا ساتھ دوں گا۔ اس سے زیادہ غزالہ کو استعمال کرنا چاہو گی تو میں اسے حالات اور مقدر کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں گا۔ غزالہ کی جان میرے ملک کی مٹی سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتی۔ اب تک جو کچھ ہوتا چلا آیا ہے اس میں میں بھی ایک فریق بنا رہا اور شاید اب بھی بنا رہتا لیکن اسلحہ کے انبار نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں۔“

”تم ان بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگو گے جو اِن کاموں میں شریک نہیں ہیں۔ بس روزی کمانے کے لیے لائیڈز کاٹیج میں رہ رہے ہیں۔“ وہ مجھے ہر قیمت پر باز رکھنے پر تلی ہوئی تھی۔

”بڑے مقاصد کے سامنے دس بیس جانوں کی قربانی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ تو جنگ ہے کھلی ہوئی جنگ، جس میں آدمیوں کو دیکھ بھال کر نہیں مارا جاتا، جو زد میں آجائے موت اسی کا مقدر بن جاتی ہے۔“ میں نے سگریٹ کا ٹوٹا ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ ”ان بے گناہوں کی جانیں بچانے کے لیے میں نے دوسری راہ سوچی تھی، میں پولیس کو ادھر متوجہ کر سکتا تھا لیکن میرے لیے سامنے آنا ناممکن ہے اور وہ کسی گمنام اطلاع پر اتنا بڑا قدم ہرگز نہیں اٹھا سکتے کیوں کہ ناکامی کی صورت میں فیصلہ کرنے والوں کی ملازمتیں جا سکتی ہیں، ان کے لیے لائیڈز کاٹیج ایک بہت بڑا نام ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ... براہِ راست لائیڈز یا ٹام ڈی سوزا سے رجوع کرتے اور انھیں لائیڈز کاٹیج میں الجھا کر خفیہ راستوں سے مال صاف کر دیا جاتا۔ ایسے غیر یقینی اقدام سے بہتر یہ ہو گا کہ میں خود ٹھوس کارروائی کر گزروں۔“

”اور اگر میں بزورِ طاقت تمھیں روکنا چاہوں؟“ وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔

میں اپنی کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن بظاہر ہنستے ہوئے بے پروائی سے بولا۔ ”موچ آجائے گی کیوں کہ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔“

”میرے باپ کی تصویر تمھیں کہاں ملی تھی؟“ اس نے کچھ دیر کے توقف کے بعد سوال کیا۔

”تین نمبر کے ایک مقفل کمرے میں۔“ میں نے فوری سے

خیال کے تحت کہا۔" اگر آج رات تم میرا ساتھ دو تو شاید ہم وہ تصویر بھی وہاں سے نکال سکتے ہیں پھر تم میری محتاج نہیں رہو گی۔"

"یہی میں بھی سوچ رہی تھی۔" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔" لیکن میں ایک بار پھر کہوں گی کہ ان تہ خانوں کی تباہی کا خیال دل سے نکال دو۔ ملک کی مٹی اور وطن کی محبت یہ سب پرانے دور کے افسانے ہیں جب انسان ایک گاؤں میں پیدا ہو کر وہیں مر جاتا تھا۔ اس دور میں جو جہاں پہنچ جائے وہی اس کا وطن بن جاتا ہے۔ تنظیم کا بانی میرا باپ ضرور ہے لیکن یہاں اسے چلانے اور فروغ دینے والے سب تمہارے ہم وطن ہیں۔ تم کس کس سے لڑتے پھرو گے؟"

میں اچانک ہی سنبھل گیا۔ اس نے ملک اور وطن کی بات کچھ سوچ سمجھ کر ہی چھیڑی تھی۔ شاید وہ ایک بار پھر میری وفاداری کا امتحان لینا چاہ رہی تھی۔ کیوں کہ عملاً وہ تنظیم میں ایک اہم منصب پر فائز تھی اور میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ میں ہمیشہ سے تنظیم کا وفادار رہا لیکن غلط فہمیوں کی بنیاد پر میرے گرد ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ مجھے کنارہ کش ہو کر اپنا وجود منوانے کے لیے تخریب کا سہارا لینا پڑا۔ اور اب تہ خانوں کی تباہی کے بارے میں میرا اصرار میرے دعووں کی تردید کر رہا تھا۔

شاید اس کے سامنے غیر ارادی طور پر میرے کھل جانے کا سبب یہ رہا ہو کہ وہ خود بھی اپنے باپ کی تصویر تک رسائی کے بارے میں طے شدہ احکام کی خلاف ورزی کر چکی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے ایک سازش کے تحت مجھے لائیڈز کالج میں بھی بھجوایا تھا جہاں اس کے مقصد کے حصول کے لیے مجھے سارے ضابطے پامال کرنے پڑے تھے۔

"یہ وطن کی محبت کی بات نہیں، دوسری چیز ہے۔" میں نے پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔" اصل بنیاد یہ ہے کہ ہمیں بے خبر رکھ کر اسلحے کا کاروبار کیا جا رہا ہے۔ میری دانست میں یہ بہت بھیانک کھیل ہے، میں اس میں ایک فریق نہیں بن سکتا، اس کی بیخ کنی ضروری ہے۔"

میری بات پر اس نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا تھا۔" ابھی چند لمحے پہلے تم بڑے مقصد اور قربانیوں پر تقریر کر چکے ہو، اب میرے تیور دیکھ کر قلابازی کھا رہے ہو۔"

"ہیروئن وہی استعمال کرتا ہے جو اسے خرید تا ہے، گولی انھیں مارتی ہے جو اس کے خریدنے کی توفیق نہیں رکھتے اور یہی اسلحے سے میری نفرت کا بنیادی سبب ہے، شاید یہی ایک سبب ہوتا تو میں کسی اقدام کا ارادہ نہ کرتا لیکن یہ میری زندگی اور سلامتی کا مسئلہ بن گیا ہے۔ لاشوں کو وہاں سے ہٹا کر بھی انھیں فریب نہیں دیا جا سکتا۔ ہر صورت میں مداخلت کا راز فاش ہو جائے گا اور پہلا شبہ میری ذات پر کیا جائے گا۔ اگر رحمان زندہ بچ گیا تو وہ میرے خلاف سب سے بڑا گواہ ہو گا کیوں کہ تہ خانے میں اسی نے مجھے اتارا تھا۔ میں اب مقابلے اور تصادم سے تھک گیا ہوں گوشۂ گمنامی میں رہ کر سکون سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں، اس کے لیے مجھے یہ آخری قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔"

"تو کیا تہ خانوں کی تباہی سے بیرونی مداخلت کا اشارہ نہیں ملے گا؟" اس نے یوں سوال کیا جیسے میں نے کوئی احمقانہ تاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہو۔

"ضرور ملے گا لیکن سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا، سب جل جائے گا اور تنظیم کے اعلا دماغ بھی مل کر واقعات کی کڑیوں کو یکجا نہ کر سکیں گے۔ ڈی سوزا کا ایک تاثر یہ بھی تھا کہ انعام کہیں روپوش نہ ہو گیا ہو۔ تباہی کے بعد ملبے سے انعام کی لاش ملنے پر یہ بھی سمجھا جائے گا کہ لائیڈز کالج سے منسلک تہ خانے سے وہ اتفاقاً خفیہ تہ خانوں میں جا نکلا پھر سامنے آنے والوں کو ہلاک کرنے کے بعد اپنی ہی کسی غلطی کی بنا پر بارودی ذخائر کو اڑا بیٹھا۔ میری ذات موضوع بننے سے بچ جائے گی۔ شاید کسی کو یاد بھی نہ آئے کہ میں مختصر سی مدت کے لیے لائیڈز کالج میں آیا تھا۔"

"تم سے اشتراک کر کے میں نے خود کو خاصا کمزور کر لیا ہے۔" اس نے کسلمندانہ لہجے میں کہا۔" اور پھر تمہارے پاس اپنی ہر بکواس کے حق میں بہتیری دلیلیں ہوتی ہیں اس لیے تمہارے ساتھ سر کھپانا فضول ہے، جو چاہے کرتے پھرو لیکن مجھے تصویر چاہیے۔"

"اب آئی ہو تم راہِ راست پر۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا اور جیب سے بوتل نکال کر میز پر رکھ دی۔

"تمہارے بارے میں میرا رویہ کچھ نرم ہی ہوتا جا رہا ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔" ورنہ میں اختلافِ رائے کرنے والوں کو گولی مار دینے کے معاملے میں خاصی بدنام ہوں۔"

"میری حد تک تو تم گولی کا کام آنکھ سے لے سکتی ہو۔ اسی کی ضرب نہ سہہ سکوں گا۔" اسے ہلنے پر آمادہ نہ پا کر میں خود ہی منی بار کی طرف بڑھ گیا تاکہ برف، گلاس اور کچھ پانی لے سکوں۔

"یہ بتاؤ کہ اب تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" گلاس تیار ہو جانے کے بعد اس نے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک ننھا سا ٹائم بم اور طاقت ور فلیش گن والا ایک کیمرا درکار ہے۔" میں نے کہا۔" جی لائیڈ کی تصویر خاصی بڑی اور وزنی ہے اسے لانے سے قبل ہم کئی زاویوں سے اس کی تصاویر بھی لیں گے تاکہ فرار ہوتے ہوئے کسی مجبوری کے تحت اصل تصویر چھوڑنا پڑ جائے تو ہم کیمرے کی تصاویر سے کام نکال سکیں۔ اس کے بعد بس ٹائم بم کو سیٹ کر کے کسی بارودی کریٹ میں ڈالنا ہو گا۔ ہماری واپسی کے بعد ٹائم بم کے پھٹتے ہی بارودی ذخائر جاگ اٹھیں گے اور سارا کام آناً فاناً میں پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد جو چاہے تحقیقات کرتا پھرے، میں سکون کی نیند سو سکوں گا۔"

"داخلے کی صورت کیا ہو گی؟"

"ٹکٹ لینا ہو گا۔" میں نے جل کر کہا۔" بتا چکا ہوں کہ مشکل مرحلہ بس یہی ہے کہ جنگل میں سرنگ کا خفیہ دہانہ تلاش کیا جائے۔ وہ جگہ دیکھی بھالی ہے، میں میکنزم سے بھی واقف ہوں۔ داخلے اور واپسی کے لیے وہی چور راستہ استعمال کیا جائے گا۔"

"اگر اس سرنگ سے ٹرک اندر جا سکتے ہیں تو میری جیپ بھی اندر جا سکے گی، اندر واپس گھمانے کی جگہ تو موجود ہے نا یا ریورس ہی واپس لوٹنا ہو گا۔"

"بہت جگہ ہے، دیکھو گی تو خود حیران رہ جاؤ گی۔"

"ایک تجویز ذہن میں آئی ہے کہ کیوں نہ ٹائم بم کو ذرا زیادہ دیر کے لیے سیٹ کیا جائے۔ اس دوران میں ہم شہر آ کر لائیڈز کالج والوں کو گمنام فون کال کے ذریعے ہوشیار کر سکتے ہیں کہ فلاں وقت وہاں دھماکے ہوں گے۔ اس طرح غیر ضروری جانی نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اختلافِ رائے کرنے والوں کو گولی مار دینے والی پر آج رحم دلی کا دورہ کیوں پڑا ہوا ہے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔" ایسے کسی بھی فون کو اوّل تو وہ اہمیت نہیں دیں گے۔ اہمیت دی تو جانی نقصان اور بڑھ جائے گا کیوں کہ وہ سارے عملے کو پوشیدہ بموں کی تلاش میں عمارت کے تہ خانے اور دوسرے دشوار گزار حصوں میں گھسا دیں گے جہاں ملبے کی زد میں آ کر کوئی نہ بچ سکے گا۔ دوسری طرف فون کال وصول کرنے سے تباہی پھیلنے کے درمیانی عرصے میں ڈی سوزا تنظیم کے ہر اہم فرد کو اس کال سے آگاہ کر سکتا ہے اور آخری بات یہ کہ اس تباہی میں یقینی طور پر بیرونی سازش ثابت ہو جائے گی، وہ اسے اتفاقی حادثہ یا انعام کی حماقت کبھی قرار نہ دے سکیں گے۔ لہٰذا جو کچھ کرنا ہے خاموشی سے ہی کرنا ہو گا۔"

"اور ٹائم بم کہاں سے پیدا کرو گے؟ کیمرا تو میرے پاس موجود ہے۔"

"پجیرو کہاں سے آئی ہے؟"

"میں نہیں جانتی، ڈی سوزا کو میرے پروگرام کا علم تھا۔ ایئر پورٹ پر ایک آدمی نے گاڑی میرے حوالے کی تھی۔"

"چابی مجھے دے دو، کہیں نہ کہیں سے کام نکال ہی لوں گا۔"

اس نے اپنے پرس سے چابی نکال کر میری طرف اچھال دی اور پھر ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خیالات کی رو میں ڈوب گئے۔

رات کے دو بجے میری واپسی ہوئی تو میں ویرا کو دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ چُست سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھی۔ مجھے حیران دیکھ کر اس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور ہاتھوں پر سیاہ دستانے چڑھا کر سر سے چہرے تک ایک ایسا سیاہ نقاب منڈھ لیا جس میں آنکھوں کی جگہ سوراخ دار جالی لگی ہوئی تھی۔ اب وہ سر سے پیر تک سیاہ پوش تھی۔ حتیٰ کہ موزے اور جوتے تک سیاہ ہی تھے۔

"یہ ہے میرا وہ روپ جس سے بڑے بڑوں کا پتّا پانی ہو جاتا ہے۔" نقاب میں سے اس کی سرد اور ٹھہری ہوئی آواز گونجی۔" اس روپ میں مجھے شوگر کوئین کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نقاب اور دستانے اتار لیے۔

"تم اسی لباس میں چلو گی۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"فرصت سے فائدہ اٹھا کر یہی تو ایک تیاری کی ہے میں نے، تمہارے کام کا کیا رہا؟"

"کام بن گیا ہے لیکن اس لباس میں تم ہر ایک کی توجّہ کا مرکز بن جاؤ گی۔ گوری رنگت پر یہ ماتمی رنگ ہزاروں ارمانوں کو دعوت دے رہا ہے۔ اتنی رات گئے یہ لباس مناسب نہیں رہے گا۔"

"یہ میں بھی جانتی ہوں۔" اس نے اچانک ہی میری ناک اپنی چٹکی میں دبا لی اور مسہری سے پوری آستینوں والی ایک ہلکی جیکٹ اٹھا کر پہن لی۔ اس سفید جیکٹ کی زپ بند کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر معقول نظر آنے لگی۔

چند ثانیوں بعد ہم دونوں پجیرو میں برق رفتاری کے ساتھ لائیڈز کالج کی طرف اڑے جا رہے تھے، میں گاڑی ڈرائیو

کر رہا تھا اور وہ سگریٹ نوشی میں مصروف تھی۔

ویرا لائیڈ سے مصالحت کے بعد جو کچھ ہوتا چلا آیا تھا وہ سب میرے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ غزالہ کی قید کے عوض ہر مرحلے پر کامیابی میرے قدم چوم رہی تھی کیوں کہ اب میری ذات کو ویرا لائیڈ کے معتبر نام کا اعتماد حاصل تھا۔ انتہا یہ تھی کہ اب وہ شوگر کوئین کے آسیبی روپ میں میرے ساتھ ایک اہم ترین معرکہ سر کرنے جا رہی تھی۔

پہلے مجھے خیال آیا تھا کہ ہماری منزل لائیڈز کالج تھی اور پھر وہی ویرا تک وہیں کے حوالے سے پہنچی تھی۔ لہٰذا اس مہم میں اس کا استعمال مناسب نہیں تھا لیکن فوری طور پر کسی ایسی گاڑی کا بندوبست کرنا میرے لیے دشوار تھا جو لائیڈز کالج کے مقابل پھیلے ہوئے جنگلات میں برق رفتاری سے ساتھ دے سکے لہٰذا میں نے اپنی زبان بند ہی رکھی۔ ورنہ ویرا آسانی کے ساتھ اس مہم کو اگلی رات کے لیے ٹالنے میں کامیاب ہو جاتی کیوں کہ گاڑی کی شناخت اس کی ذات پر اثر انداز ہو سکتی تھی۔

لائیڈز کالج کے مضافات میں جنگل کا آغاز ہوتے ہی میں نے گاڑی کی رفتار قدرے سست کر دی اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سڑک کے کنارے کچی زمین کا جائزہ لیتے ہوئے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اگر بھاری ٹرک وغیرہ اس تہ خانے میں جاتے رہے تھے تو ان کی آمدورفت سے سڑک کے کنارے نشانات کا بننا یقینی نظر آتا تھا۔ راستے میں ہم کئی بار قدرے ہموار اور صاف ستھری زمین دیکھ کر جنگل میں گھسے لیکن ہر بار تھوڑی دور جانے کے بعد ناقابلِ عبور نالے، ٹیلے یا جھاڑیوں کے باعث واپس سڑک پر آنا پڑا۔ حتیٰ کہ رات کے دھندلکے میں لائیڈز کالج کی فصیلوں کے آثار نظر آنے لگے۔

"تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی آگے نکال لے جاؤ۔" ویرا نے مشورہ دیا۔

"گاڑی نوٹ کر لی جائے گی۔ پھاٹک کے سامنے سے گزرنے والے ٹریفک پر ہر لمحے نگاہ رکھی جاتی ہے اور تمھارے لیے ان اطراف کا رُخ کرنے کی ممانعت ہے۔" میں نے گاڑی کی رفتار مزید کم کرتے ہوئے کہا۔

"آج وہ چہرہ بھی بے نقاب ہو جائے گا جو اس ممانعت کا ذمے دار ہے۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "ادھر سے تو گزرنا ہی پڑے گا تمھیں۔"

"نہیں، دوسرا راستہ بھی ہے لیکن وہ ذرا لمبا پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے گاڑی واپس گھمالی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ پیچھے والی سڑک بہت ناہموار اور نیم پختہ تھی لیکن نئی جیپ کے لیے وہ راستہ زیادہ کٹھن نہیں ہو سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم لائیڈز کالج سے بہت دور اس کے عقب میں تھے تو فضا میں روشنیوں کا انعکاس نظر نہیں آیا۔ شاید ڈی سی نے شروع کرایا ہوا بلیک آؤٹ اس وقت بھی جاری تھا۔

اس بار میں نے گاڑی کے ٹرپ میٹر پر نگاہ رکھی تو میرا ارادہ لائیڈز کالج سے کم از کم بیس کلومیٹر آگے جا کر لائیڈز کالج والی سڑک پر مڑنے کا تھا۔ کسی خفیہ راستے کا پیش قدمی کرنے کے لیے مال بردار ٹرکوں اور دوسری گاڑیوں کے لیے اتنا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا۔

بیس کے بعد اگلا موڑ اٹھائیسویں کلومیٹر پر ملا اور میں نے گاڑی اسی راہ پر ڈال دی۔ چند منٹ بعد وہ کچی ذیلی سڑک چمکتی ہوئی پختہ سڑک سے ملی تو میں نے جیپ لائیڈز کالج کی سمت گھمالی۔

ویرا سے باتیں کرتے ہوئے میں تھوڑی ہی دور چلا ہوں گا کہ اچانک مجھے پوری قوت سے بریک لگانے پڑ گئے اور ویرا اچھل کر ڈیش بورڈ پر جا رہی۔

"کیا ہوا؟" اس نے برا سا منہ بنا کر ناگوار لہجے میں کہا۔

"شاید تم سو رہی تھیں۔" میں نے گیئر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "گرد و غبار کے طوفان میں وہ ٹرک مجھے اچانک ہی نظر آیا تھا۔ ورنہ جیپ پیچھے سے اس میں گھس گئی ہوتی۔ ٹرک کے پیچھے نہ کوئی لائٹ ہے نہ ریفلیکٹر۔"

"کہاں ہے؟ مجھے تو کوئی ٹرک نظر نہیں آ رہا۔" اس نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا لیکن جیپ کے رفتار پکڑتے ہی کھلی ہوئی باڈی والا وہ مال بردار ٹرک اسے بھی نظر آ گیا جس پر لکڑی کی پیٹیاں لدی ہوئی تھیں۔ ٹرک کے دو پہیے سڑک پر تھے اور دو مسلسل کچی زمین پر چل رہے تھے جس کی وجہ سے پیچھے چلنے والے گرد کے بادل نے ٹرک کو اپنی اوٹ میں بالکل چھپا لیا تھا۔

ٹرک کو اوورٹیک کرتے ہوئے مجھے یہ بات بہت عجیب محسوس ہوئی کہ اس نے وزن لدا ہوا ہونے کے باوجود آدھی گاڑی کچے میں اتاری ہوئی تھی۔ ورنہ مال سے لدے ہوئے ٹرکوں کے ڈرائیور عام طور پر پختہ سڑک چھوڑنے کی حماقت کبھی نہیں کرتے کہ مبادا کوئی ٹائر پنکچر ہو جائے اور اسی وجہ سے عموماً مال بردار ٹرکوں اور خصوصاً سیال سے بھرے ہوئے ٹینکروں کے حادثات ہوتے ہیں کہ سامنے سے آنے والے ٹرک یا ٹینکر کے ڈرائیور کی مجبوری کا اندازہ کیے بغیر اس امید پر پوری رفتار سے بڑھے چلے آتے ہیں کہ وہ دو ٹائر نیچے اتار کر انھیں راہ دے گا۔



تصادم کی صورت میں ساری ذمے داری اسی بے چارے پر عائد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

وہ ٹرک ڈرائیور نیند یا نشے میں تھا ورنہ کسی مقصد کے تحت ایسا کر رہا تھا۔ اس سے آگے نکلتے ہوئے میں نے دانستہ رفتار نہیں بڑھائی اور عقب نما آئینے میں اس کے ہیڈ لیمپس کا جائزہ لیتا رہا لیکن اس نے سڑک ویران اور سیدھی ہونے کے باوجود اپنی لائن سے داہنی طرف ہٹ کر پختہ سڑک پر آنے کی کوشش نہیں کی۔

"رفتار بڑھاؤ نا، وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟ ابھی تو لائیڈز کالج بہت دور ہے۔ وہ سرنگ میلوں لمبی تو نہ ہو گی۔" ویرا نے سست رفتاری سے زچ آ کر کہا۔

"دیکھتی جاؤ، میں ذرا اس ٹرک کا جائزہ لے رہا ہوں... لے، یہ لو، وہ مڑ رہا ہے۔" اسے جواب دیتے دیتے میں چونک پڑا کیونکہ ٹرک میرے دیکھتے ہی دیکھتے سڑک چھوڑ کر جنگل کی طرف مڑ چکا تھا۔

میرا داہنا پاؤں اضطراری طور پر بریک پیڈل دبانے کے لیے اٹھا لیکن میں نے بروقت وہ ارادہ ملتوی کر دیا کہ بریک لگنے کی صورت میں پجیرو کے بریک لیمپ جل اٹھتے اور ٹرک والا چوکنا ہو سکتا تھا۔

میں نے عقب نما آئینے کو قدرے سیدھا کر کے پیچھے کا جائزہ لیا تو ٹرک کی روشنیاں جنگل میں معدوم ہو چکی تھیں۔

"کیا ٹرک مڑ گیا؟" ویرا نے گردن گھما کر حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں، جنگل میں گیا ہے اور ابھی لائیڈز کالج تیئس کلومیٹر دور ہے۔" میں نے بریکوں پر طبع آزمائی کیے بغیر کہا۔

"تو گاڑی گھماؤ نا، سوچ کیا رہے ہو؟" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ راستہ یہیں سے جاتا ہو۔"

"بریک لگائے بغیر روشنیاں گل کر کے موڑوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ٹرک جنگل میں نہ گیا ہو، کسی خرابی کی وجہ سے کچے میں اتار کر روشنیاں گل کر دی گئی ہوں۔"

"بہرحال، میں تیار ہوں، جو ہو گا سو دیکھا جائے گا۔" اس کی آواز سن کر میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ حیرتناک سُرعت کے ساتھ اپنی سفید جیکٹ اتار کر نقاب اور سیاہ دستانے پہن چکی تھی۔

"تم میں مٹھاس ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ شوگر کوئین کہا جا سکو۔" رفتار کم ہو جانے پر میں نے جیپ کو واپس گھماتے ہوئے کہا لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اس کا پستول ہاتھ میں آ چکا تھا۔

"میں نہتا ہوں مادام!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تمھاری سیٹ کے نیچے اعشاریہ چار پانچ کا بھرا ہوا براؤنی موجود ہے۔" اس کی آواز میں گہری سنجیدگی عود کر آئی تھی۔ شاید شوگر کوئین کے روپ میں آتے ہی اس کا مزاج بھی بدل جاتا تھا۔

میں جیپ ڈرائیو کرتا ہوا اسی ذیلی سڑک تک پہنچ گیا جس پر ڈرائیو کر کے ہم اس راہ پر آئے تھے لیکن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود داہنی طرف جنگل میں کہیں ٹرک کا ہیولا نظر نہیں آیا۔ وہ یقینی طور پر جنگل ہی میں داخل ہو چکا تھا۔ میں نے وہیں سے جیپ واپس گھمالی۔

اس بار میں نے ہیڈ لیمپس روشن کر لیے تھے، رفتار سست تھی اور نگاہیں کچی زمین پر بنے ہوئے ٹرک کے ٹائروں کے تازہ نشانات پر مرکوز تھیں۔

اندھیرے کے باعث میرے لیے یہ تعین کرنا دشوار تھا کہ ٹرک کہاں سے مڑا ہو گا لیکن کچھ دور چلنے کے بعد کچی زمین میں ابھرے ہوئے ایک بڑے سے پتھر کے قریب ٹائروں کے نشانات بائیں طرف مڑتے نظر آئے اور میں نے جیپ روک کر اس کی تمام روشنیاں گل کر دیں اور سگریٹ سلگانے لگا، انجن بدستور چلتا رہا۔

"اب کیا ہو رہا ہے؟" ویرا کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"سگریٹ پی رہا ہوں، تم بھی پی لو۔" میں نے پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پیش کش کی اور اس نے کسی تنخ مزاج محبوبہ کی طرح میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ "جنگل میں گھسنے کے بعد نجانے کب اگلی سگریٹ جلانے کا موقع مل سکے۔"

"سگریٹ تو تم ڈرائیو کرتے ہوئے بھی پی سکتے ہو۔ گاڑی روک کر کیوں کھڑے ہو گئے؟"

"ہیڈ لیمپس کی عادی آنکھوں کو اندھیرے سے مانوس کر رہا ہوں۔ جنگل میں روشنیاں دور ہی سے دیکھ لی جائیں گی اور وہ تمھارا نام معلوم کیے بغیر ہم دونوں کو باڑھ پر رکھ لیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ تاروں کی ناکافی روشنی میں اس نئی جیپ کو کسی درخت کے تنے سے لڑا دوں۔"

جب میری آنکھیں اندھیرے میں مناسب فاصلے تک دیکھنے کی عادی ہو گئیں تو میں نے جیپ کچے راستے میں اتار کر اس راستے پر ڈال دی جو درختوں کے درمیان نظر آ رہا تھا۔

مجھے امید تھی کہ اپنے ٹرک کے انجن کے شور میں وہ نئی جیپ کے انجن کی آواز نہیں سن سکیں گے اور ہم اپنی سست رفتار کے باعث ایسے موقع پر وہاں پہنچیں گے کہ وہ ہماری

آمد سے ہوشیار نہ ہوسکیں۔

گھنے جنگل میں بنا ہوا وہ راستہ گھور اندھیرے کے باوجود انسانی ہاتھوں کا محتاج نظر آرہا تھا۔ میں نے بتدریج جیپ کی رفتار خاصی بڑھالی تھی اور اب ہمارے کان ٹرک کے انجن کی واضح گونج سن رہے تھے پھر اسی کے ساتھ ایک دشواری کا آغاز ہوگیا۔ پُرپیچ راستوں کے باعث کہیں کہیں ٹرک کی غبار آلود روشنیاں آگے بڑھتی نظر آرہی تھیں لیکن ٹرک کے پیچھے اڑنے والی مٹی اور اندھیرے کے باعث میرے لیے ڈرائیونگ محال ہوگئی تھی، مجبوراً مجھے جیپ کی رفتار اتنی کم کرنا پڑگئی کہ میں مٹی کے گرداب سے دور رہ سکوں۔

گاڑی میں روشنی نہیں تھی اس لیے تاریک ڈیش بورڈ پر یہ دیکھنا ناممکن تھا کہ جنگل میں کتنی مسافت طے کی گئی تھی لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا تھا کہ تعاقب کم و بیش نصف گھنٹے جاری رہا پھر ایک جگہ ٹرک روک دیا گیا۔ میں نے بھی ہینڈ بریک کی مدد سے گاڑی جہاں تھی وہیں روک لی اور کیبن لائٹ کے آف ہونے کا یقین کرتے ہوئے نیچے اتر گیا۔ دروازہ بند کرنے سے قبل میں نے سیٹ کے نیچے سے اعشاریہ چار پانچ کا براؤنی نکال لیا تھا اور اگنیشن کی جیب میں ڈال لی تھی۔

اس وقت تک ٹرک کا انجن اسٹارٹ تھا۔ لہٰذا میں نے احتیاط سے دروازہ بند کردیا۔ ٹرک کا انجن بند ہوتا تو ہلکی سی آواز بھی بہ آسانی سنی جاسکتی تھی۔ نیچے اترنے کے چند ثانیوں بعد جب ویرا میری طرف نہ آئی تو میں اس کی طرف بڑھا لیکن وہاں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ دور تک پھیلا ہوا سناٹا میرا منہ چڑا رہا تھا۔ میرے دل میں وسوسے سر ابھارنے لگے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ آخری لمحات میں اس نے میرا ساتھ دینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا یا وہ کسی حکمتِ عملی کے تحت الگ ہوئی تھی۔

اس وقت میرے لیے پسپائی اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں نے جیپ کا دروازہ کھول کر ٹائم بم کا مختصر سا پیکٹ اپنی جیب میں ڈالا اور درختوں کی اوٹ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

ٹرک کا انجن بدستور اسٹارٹ تھا اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی سامنے سرنگ کے بند دہانے پر پڑ رہی تھی اور اسی روشنی کے انعکاس میں دو آدمی محافظوں کی اس شکستہ جھونپڑی میں گھسے ہوئے تھے جہاں دروازہ کھولنے کا بیرونی میکنیزم پوشیدہ تھا۔ میرا خیال تھا شاید ٹرک کے اسٹیئرنگ وھیل پر بیٹھا ہوا تھا کیونکہ انجن کی رفتار بار بار کم و بیش ہو رہی تھی۔

"کھولو۔" ٹرک سے ایک غراتی ہوئی تحکمانہ آواز گونجی۔

"یہ ساری دیکھ بھال گاڑی اندر پہنچنے کے بعد بھی ہوسکتی ہے۔" اس کے مخاطب وہی دونوں تھے جو جھونپڑی میں گھسے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے ٹرک والے ساتھی کو بیک وقت ... میں جواب دیا تھا۔ پھر اس راستے پر جمی ہوئی دیوار آہستہ آہستہ نیچے بیٹھنے لگی۔ دیوار کے غائب ہوتے ہی ٹرک دھیمی ... سے رینگتا ہوا سرنگ میں داخل ہوگیا۔ دیوار عبور کرکے وہ ... گیا تھا۔ اسی اثنا میں جھونپڑی سے دونوں آدمی بھاگتے ہوئے سرنگ میں داخل ہوگئے اور ٹرک آگے بڑھ گیا۔

دیوار آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ میرے لیے وہ ... موقع تھا کہ میں میکنیزم کو دوبارہ چھیڑے بغیر اندر داخل ہو ... میں نے بے بسی اور اضطراب کے عالم میں گرد و پیش کا جائزہ ... لیکن ویرا لائیڈ کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ اگر وہ ... وقت پر مجھے دغا دے ہی گئی تھی تو مجھے یہ اطمینان تھا کہ جیپ کی چابی میرے پاس تھی لیکن اگلے ہی لمحے میں اپنی اس خام خیالی پر جھلا کر رہ گیا۔ اس جیسی عورت کے لیے چابی کے بغیر ہاتھ کی صفائی دکھا کر جیپ اڑا لے جانا کوئی مشکل کام نہیں ... میں لپک کر ابھرتی ہوئی دیوار پھاند کر سرنگ کے دہانے میں گھس گیا تھا جہاں ٹرک کے انجن سے خارج ہونے والے دھوئیں کی ناگوار بُو رچی ہوئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان لوگوں نے آگے بڑھنے سے پہلے اس زیرِ زمین گزرگاہ کو روشن نہیں کیا تھا۔

میں پستول ہاتھ میں دبائے دیوار سے لگ کر آگے پیش قدمی کرنے لگا۔ پوری سرنگ ٹرک کے انجن کے شور سے گونج رہی تھی جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ڈھلوان فرش پر دوڑ لگا دی کیوں کہ مجھے راستے کی طوالت کا بخوبی اندازہ تھا۔

پھر جوں ہی ٹرک کا انجن بند ہونے کے بعد سناٹا چھا ... میں بلی کی طرح دبے قدموں پیش قدمی کرنے لگا۔

چند ثانیوں تک موت کا سا سکوت طاری رہا پھر یک ... دفعتاً کئی انسانی آوازوں کی ناقابلِ فہم بھنبھناہٹ فضا میں گونجنے لگی، شاید مسلح محافظوں کی سامنے ہی پڑی ہوئی لاشوں نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی۔

میں تن بہ تقدیر ہو کر آگے بڑھتا رہا۔ میرے ہاتھ میں پستول ضرور موجود تھا لیکن اپنی پوزیشن کے باعث میں ... استعمال کرنے سے قاصر تھا۔ نشانہ خطا ہونے کی صورت میں میری گولی اس بارودی ذخیرے کے لیے ڈائنامائیٹ کا کام کرسکتی تھی۔

بالآخر میں ایک ایسی پوزیشن میں آگیا جہاں سے میں ٹرک کو دیکھ سکتا تھا۔ ان میں سے دو کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ میرے وجود سے بے خبر کسی اوٹ میں میری نگاہوں سے اوجھل تھے۔

میں آخری بار اپنے حواس مجتمع کرکے تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ پھر جوں ہی وہ نظر آئے میں نے ٹرک کی آڑ میں پوزیشن لے کر انھیں للکار دیا۔ "فوراً ہاتھ بلند کرلو ورنہ جسم چھلنی کردیے جائیں گے۔"

وہ دونوں میری آواز سن کر اس بُری طرح اچھلے تھے جیسے ان پر بجلی کا ننگا تار آگرا ہو پھر انھوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے خالی ہاتھ اٹھائے تھے۔ "گولی نہ چلانا۔" ان میں سے ایک مجھے دیکھے بغیر ملتجیانہ لہجے میں چلّایا۔ "ان پیٹیوں میں بارود ہے، نشانہ خطا ہوا تو ہم سب جہنم واصل ہوجائیں گے۔"

میں نے اپنے وجود میں توانائی کی ایک لہر سی دوڑتی ہوئی محسوس کی جسے میں اپنی کمزوری سمجھ رہا تھا وہی بات میری بالادستی کی ضمانت بنتی نظر آرہی تھی۔

"میں مرنے کے لیے آیا ہوں، تم اپنی خیر مناؤ۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں گولی چلانے سے ہرگز دریغ نہیں کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے میں ٹرک کی اوٹ سے نکل کر اُن کے سامنے آگیا۔

اور وہی میری بدترین غلطی تھی کہ میں جوش میں اُن کے تیسرے ساتھی کو فراموش کر بیٹھا تھا۔

اچانک کہیں سے یکے بعد دیگرے دو فائر ہوئے۔ پہلی گولی نے میرا ہاتھ زخمی کرکے مجھے نہتا کردیا اور دوسری گولی نے بائیں پنڈلی اُدھیڑ ڈالی، تکلیف اور مدافعت کے ملے جلے احساس کے تحت میں فوراً ہی نیچے گر گیا۔

وہ کوئی آسان صورتِ حال نہیں تھی۔ بند تہ خانے میں میں اپنے تین دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا تھا وہ مسلح تھے یا اپنے اسلحے تک رسائی رکھتے تھے لیکن میں نہتا کیا جاچکا تھا۔ داہنے ہاتھ کے ساتھ بائیں پنڈلی بھی زخمی ہوچکی تھی لیکن تہ خانے کے پختہ فرش پر گر جانے کے باوجود میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے بھی تکلیف کا احساس نہ ابھر سکا تھا مجھے بس یہ فکر تھی کہ میں ان کے تیسرے ساتھی کے نشانے پر تھا اور وہ میری نگاہوں سے روپوش تھا۔

میں نے وہیں پڑے پڑے بائیں کہنی کا سہارا لے کر سر گھمایا اور مجھ پر پوری صورتِ حال فوراً ہی روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔ پہلے نظر آنے والے دونوں آدمی اس مہلت سے فائدہ اُٹھا کر اپنا اسلحہ نکال چکے تھے اور ان کا تیسرا ساتھی نمبر تین کے خفیہ حصے میں جانے والے پختہ زینوں سے نیچے اُترتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں بڑے بور کا وزنی پستول دبا ہوا تھا جس کی نال سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل رہی تھی۔

میرے لیے وہ صورتِ حال بہت سنگین اور مہلک تھی۔ میں نہتا ان تینوں کے نشانے پر تھا پھر وہ سب ایسی سمت میں تھے کہ میں مسلح بھی ہوتا تو شاید اُن پر گولی چلانے کی جرأت نہ کر پاتا کیوں کہ ان کے گرد و پیش ...... اسلحہ اور بارود کے انبار تھے جو میرا نشانہ خطا ہونے کی صورت میں آتش فشاں بن سکتے تھے جب کہ میری طرف میدان صاف تھا، مختصر سی تنگ دیواروں کے درمیان سُرنگ کا وہ حصہ تھا جو جنگل میں نکاسی کی راہ تک لے جاتا تھا۔ وہ مجھ پر دو گولیاں چلا چکا تھا اور چاہتا تو بے خوف و خطر پورا میگزین بھی خالی کرسکتا تھا۔ میرے لیے سیڑھیوں والے کے فائر سے خود کو بچانا ناممکنات میں سے نظر آرہا تھا کیوں کہ وہ بلندی پر ہونے کے باعث میرے جسم کے کسی بھی حصے کو بہ آسانی داغ دار کرسکتا تھا۔

میں جوش اور عجلت میں چوہے دان میں آپھنسا تھا۔ ان تینوں کی یکجائی کے بغیر دو کو للکار بیٹھنا میری سب سے بڑی حماقت تھی، شاید عین موقع پر ویرا کے غائب ہوجانے سے میری قوتِ فیصلہ پر بُرا اثر پڑا تھا ورنہ میں ایسا خطرناک فیصلہ ہرگز نہ کرتا۔ وقت گزر جانے کے بعد مجھے شدت کے ساتھ اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔

سیڑھی والا اپنا پستول تانے، مجھ پر نگاہیں جمائے نیچے اُتر رہا تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں کی ٹامی گنوں کے دہانے میری طرف اُٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی آہستہ آہستہ فرش سے اُٹھتا چلا گیا۔ اُٹھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ پنڈلی کے زخم میں بارود کی جلن کے باوجود ہڈی سلامت تھی، شاید گولی کھال اُدھیڑتی ہوئی گزری تھی اور یہی کچھ صورت داہنے ہاتھ کے ساتھ بھی پیش آئی تھی۔ اس شخص نے شاید میرے ہاتھ کے بجائے اس میں دبے ہوئے پستول کا نشانہ لیا تھا لیکن گولی نے اچٹتے ہوئے انگوٹھے کو زخمی کردیا تھا۔

سیڑھی والا جوان دونوں سے زیادہ تنومند اور پُراعتماد نظر آرہا تھا، پھر تلے قدموں سے چلتا ہوا میرے مقابل آکھڑا ہوا اور وجود میں اُتر جانے والی تیز نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگا۔

نے بھی بے پروایانہ انداز میں اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آئے ہو؟" چند ثانیوں تک کسی خونخوار حریف کی طرح نظروں ہی نظروں میں مجھے تولنے کے بعد اس نے تحکم آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ایک آدمی ہوں اور اُسی راستے سے آیا ہوں جہاں سے تمہارا ٹرک اندر داخل ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ تم تینوں ٹرک پر سوار تھے اور مجھے یہ ڈھلوان سُرنگ پیدل ہی طے کرنا پڑی۔" میں نے اُس سے خائف ہوئے بغیر اعتماد کے ساتھ کہا۔

"کس کے لیے کام کرتے ہو؟" میرے لہجے پر اُس کا چہرہ بگڑ گیا، لہجہ بھی کرخت ہو گیا تھا۔

میں نے قمیص اٹھا کر اس کے سامنے اپنا پیٹ برہنہ کر دیا اور دائیں ہاتھ سے اسے بجاتے ہوئے بولا۔ "سب کچھ اسی کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہوتا تو دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔"

"ہذیان بکنے کی ضرورت نہیں۔" وہ غصیلے لہجے میں غرّایا۔ "سیدھی طرح میرے سوالات کے جواب نہ دیے تو ابھی ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دوں گا، یہاں گلا پھاڑ پھاڑ کر مر جاؤ گے لیکن تمہاری آواز اس دیوار و بام سے باہر نہ جا سکے گی۔"

"اگر میں شی ہارا کا نام لیتا تو تم اس کا حدود اربعہ پوچھنے بیٹھ جاتے، جس پر میں بھی زیادہ روشنی نہ ڈال سکوں گا۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ پیٹ نہ پالنا ہوتا تو میں کسی لاٹ صاحب کی بھی نوکری نہ کرتا۔ شاید تمہارا تعلق اس کے حریفوں سے ہے جو اس سے بہتر معاوضے ادا کرتے ہیں۔"

"کون شی ہارا؟" اس نے غیر ارادی طور پر سوال کیا اور میں ہنس پڑا۔

"آ گئی نا وہی بات!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں یہ جانتا ہوں کہ میں شی ہارا کے لیے کام کر رہا ہوں۔ وہ کون ہے؟ اُس کا ٹھکانا کہاں ہے؟ یہ سب نہیں جانتا۔ ہدایات نامعلوم طریقے پر مجھ تک پہنچتی ہیں اور میں اپنی رپورٹ سٹی پوسٹ آفس کے لوکل لیٹر بکس میں ڈال دیتا ہوں جو اس تک پہنچ جاتی ہے۔"

وہ بے اعتباری کے ساتھ مجھے گھور رہا تھا۔ میرے خاموش ہونے پر بولا تو اس کی آواز سے بھی بے یقینی عیاں تھی۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ شی ہارا میرے لیے نیا نام ہے اور یہ بھی سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے کہ ہدایات تم تک نامعلوم ذرائع سے پہنچائی جاتی ہوں گی۔ اگر تم نے شرافت سے زبان نہ کھولی تو میں تمہارا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دوں گا۔"

"اگر ٹائپ کیا ہوا کوئی رقعہ نامعلوم طریقے پر راستے میں تمہاری جیب میں یا کسی وقت کمرے میں ڈال دیا جائے تو تم کیا کھو گے۔ حد یہ ہے کہ میرا معاوضہ بھی اسی طرح مجھ تک پہنچتا ہے، میری باتوں پر اعتبار کرنا یا نہ کرنا تمہاری اپنی صوابدید پر منحصر ہے۔"

"پھر تو ایسے رقعے تمہارے گھر پر محفوظ ہوں گے؟"

"ہدایات پڑھ کر ہر کاغذ جلا کر تلف کر دیا جاتا ہے۔ ایسا کام میں اگر تم نئے نہیں ہو تو رازداری کی اہمیت اور اس کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو گے۔"

"ان دونوں کو تم ہی نے قتل کیا ہے؟" اُس نے فرش پر پڑی ہوئی لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"دو نہیں، یہاں چار لاشیں ہوں گی۔" میں نے سکون کے ساتھ کہا۔ "میری ڈیوٹی پانچ بجے سے شروع ہوئی ہے۔ مجھے چارج دے کر جانے والوں نے بتایا تھا کہ وہ باہر والے دونوں محافظوں کو مار کر اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے تھے پھر اندر بھی دو آدمی ملے تھے اُن کا بھی حشر مختلف نہیں ہوا تھا۔"

"اور اس وقت تم اکیلے تھے؟" اُس نے چونک کر سوال کیا۔

"سُرنگ کے دہانے سے باہر میرے چار مسلح ساتھی میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔" میں نے فوری فیصلے کے تحت پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "مجھے نقصان پہنچا کر تم یہاں سے صحیح سلامت باہر نہ جا سکو گے۔ ٹرک ہم پانچوں نے دیکھا تھا اور میں نے انھیں باہر چھوڑ کر خود اندر آنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"جب ہی یہ اتنا پُرسکون نظر آ رہا ہے۔" سیڑھی سے آنے والے کے ساتھیوں میں سے ایک گہرا سانس لے کر پہلی بار بولا۔

"اس کی پوری کہانی جھوٹ کا پلندا معلوم ہوتی ہے۔" دوسرے نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ یہ اکیلا تھا، اب اپنی جان بچانے کی فکر میں ساتھیوں کی کہانی لے بیٹھا ہے تا کہ ہمیں خائف کر سکے۔"

"دو لاشیں یہ پڑی ہیں۔" سیڑھی سے آنے والے تنومند شخص نے کہا۔ "تیسری لاش میں اوپر دیکھ کر آ رہا ہوں۔ چار نہ سہی لیکن یہ تین لاشیں اس اکیلے کے بس کی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس کے ساتھی ضرور ہوں گے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس وقت باہر موجود نہ ہوں اور یہ اکیلا ہی ہمارے جنگل میں آ پھنسا ہو۔"

وہ میرے بارے میں آپس ہی میں اُلجھ بیٹھے تھے لہٰذا میں نے انھیں مزید پراگندہ کرنے کی نیت سے کہا۔ "ان چوہوں کی طرح چھپنے کی بجائے اگر تم نے تلاش کر دیکھا تو چوتھی لاش بھی مل جائے گی۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں ہے۔ جان بچانے کی فکر وہ کرے جو مرنے سے ڈرتا ہو، میرا پستول اگر ہاتھ سے نہ نکلا ہوتا تو یہ سب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہوتا۔ مجھے بتایا جا چکا تھا کہ اس کارروائی میں تم لوگوں کے ساتھ میرے بھی چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔ باہر والوں کو اپنی جانیں عزیز ہیں۔ اس لیے وہ یہ ذمے داری نہ لے سکے مگر میں جانتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد شی ہارا میری بیوی کو کم از کم ایک لاکھ روپیہ ضرور دے گا جو میں ساری عمر میں بھی نہیں جوڑ سکتا۔"

"یہ شی ہارا کہاں سے ٹپک پڑا؟ یہ نام پہلی بار سننے میں آیا ہے!" ان میں سے ایک نے اُلجھن آمیز لہجے میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"ہو گا کوئی۔" تنومند نے اس بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تو صورت حال یہ ہے کہ اس کا ایک ہرکارہ ہماری قید میں ہے اور یہاں پر موجود مواصلات کے نظام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا گیا ہے۔ ہم باہر سے کوئی مشورہ نہیں لے سکتے، ہمیں جو کچھ کرنا ہے پوری طرح سوچ سمجھ کر اپنی ذمے داری پر کرنا ہے۔"

"کیوں نہ پہلے چوتھی لاش تلاش کی جائے۔" دوسرے نے رائے زنی کرتے ہوئے کہا۔ "باہر دو محافظوں اور اندر ڈیوٹی کے علاوہ کسی چوتھے کا وجود ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی کا ساتھی رہا ہو جو مقابلے میں مارا گیا ہو اور وہ لوگ مردہ ڈھونے کے بجائے اُسے بھی یہیں چھپا گئے ہوں۔"

"بہت دور کی کوڑی لائے ہو!" تنومند زہریلے لہجے میں بولا۔ "فرض کرو کہ وہ لاش مل بھی گئی تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

رائے زنی کرنے والا اس کے تبصرے پر بوکھلا گیا لیکن فوراً ہی سنبھالا لے کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی جانا پہچانا چہرہ ہو۔ ہمیں کم از کم یہ تو معلوم ہو سکے گا کہ ہمارا مقابلہ کن لوگوں سے ہے۔ یہ شی ہارا والی کہانی تو مجھے بالکل بودی معلوم ہو رہی ہے۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں، پہلے اس بدمعاش کے ہاتھ پیر باندھ ڈالو تا کہ یہ کوئی حرکت نہ کر سکے۔" تنومند نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "پھر تم دونوں میں سے ایک آدمی ٹرک لے کر باہر نکلے گا، بقیہ دو پیچھے اندھیرے میں آگے بڑھیں گے، اگر اس کے آدمی باہر موجود ہوئے تو ٹرک پر حملہ آور ہوں گے اور ہم پیچھے سے انھیں ٹامی گنوں کی باڑھ پر رکھ لیں گے۔"

"ٹرک چلانے والا مارا بھی جا سکتا ہے۔" لحظہ بھر کے سکوت کے بعد وہی شخص بولا۔ "کیوں نہ ہم ٹرک اسی سے ڈرائیو کرائیں، ہم میں سے ایک آدمی اس کے برابر کے پائیدان پر چھپ کر اسے پستول کی زد پر لیے رہے گا۔ اپنے ساتھیوں کے حملے میں بچ گیا تو بھی فرار نہ ہو سکے گا۔ کوئی غلط حرکت کرنے یا اشارہ دینے کی کوشش کی تو وہیں گولی مار دیں گے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" تنومند نے اس کے مشورے کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بعد کی باتیں ہیں پہلے اسے بے دست و پا کر کے ٹرک خالی کرنے کا بندوبست کرو ورنہ رات یوں ہی کالی ہو جائے گی۔"

ایک شخص اپنی ٹامی گن کندھے سے لٹکا کر مضبوط ڈوری کی تلاش میں چلا گیا، تنومند مجھ پر پستول تانے رہا اور تیسرا اپنی ٹامی گن فرش پر ڈال کر میری تلاشی لینے کی نیت سے میری طرف بڑھنے لگا۔

میں اُس وقت دل ہی دل میں ویرا کو کوس رہا تھا جس نے مجھے عین آخری لمحات میں دغا دی تھی کیوں کہ وہ ابتدا ہی سے تہ خانے کی تباہی پر آمادہ نہیں تھی۔ اُس کی دانست میں لائیڈز کالج کی تباہی تنظیم کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث ہو سکتی تھی۔ شاید میرے دلائل کی بنا پر اُس نے بادلِ ناخواستہ میری اس رائے کو قبول کیا تھا کہ لائیڈز کالج اور اس کی زیرِ زمین تعمیرات کو چار لاشوں سمیت تباہ کیے بغیر ہم اپنے عزائم کو پوشیدہ نہ رکھ سکیں گے اور بالخصوص میری ذات تو بالکل ہی بے نقاب ہو کر رہ جاتی مگر اپنے باپ اور تنظیم کے مفادات شاید اسے سب سے زیادہ عزیز تھے۔ اپنی آمادگی ظاہر کر کے اس نے بڑی چالاکی کے ساتھ مجھے کسی خطرناک منصوبہ بندی سے روک دیا اور پھر عین آخری لمحات میں اس اُمید پر مجھے یکہ و تنہا اس معرکے میں جھونک دیا کہ میں اپنے حریفوں پر کسی بھی صورت میں حاوی نہ ہو سکوں گا۔

"یہ... یہ ٹائم بم؟" تلاشی لینے والے کی تحیر اور خوف سے ملی جلی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ میری جیب سے نکالا ہوا ٹائم بم کا پیکٹ کھولے بے یقینی کے عالم میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

پستول بردار تنومند شخص بھی اضطراری طور پر اس کے قریب پہنچ گیا اور محتاط انداز میں ٹائم بم کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "عجیب ساخت کا ہے لیکن ابھی اس کا ٹائمر آف ہے۔ اسے آن کیے بغیر یہ بالکل بے ضرر ہے۔"

"ٹِک ٹِک کے انتظار میں نہ رہنا۔" میں نے لقمہ دیا۔ "اس میں میکینیکل ٹائمر نہیں ہے جو گھڑی کی ٹِک ٹِک سنائی دے۔ یہ جرمن ساخت کا الیکٹرونک بم ہے۔ آواز نکالے بغیر لمحات گنتا رہے گا اور گنتی پوری ہوتے ہی تباہی مچا دے گا۔"

"اسے سُرنگ سے باہر ڈال آؤ۔" تنومند شخص نے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

اُس نے ٹائم بم کا پیکٹ تو لے لیا مگر ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"تم باہر موجود خطرات سے پوری طرح آگاہ ہو، اگر نکاسی کا راستہ پیدا ہوتے ہی اس کے ساتھی حملہ آور ہو گئے تو میں جان پر کھیل کر بھی ان کی یلغار کو نہ روک سکوں گا۔"

"تم جاؤ!" تنومند شخص سرد اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔" لحظہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اس نے مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھا پھر بولا۔ "یہ شرارت اور بدمعاشی پر تلا ہوا ہے۔ بم واقعی الیکٹرونک ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس کا کاؤنٹ ڈاؤن کیسے آن آف کیا جاتا ہے۔ اس بم کا یہاں رہنا خطرناک ہو گا۔"

جو کچھ ہو رہا تھا، میری حکمتِ عملی کے عین مطابق تھا۔ تین کے مقابلے میں دو سے زور آزمائی نسبتاً آسان ہو سکتی تھی۔ اس موڑ پر پہنچ کر میں نتائج کی پروا کیے بغیر کچھ کر گزرنے پر تل گیا تھا۔

بم بردار اپنے تنومند ساتھی کے حکم کی تعمیل میں جھجک رہا تھا کہ ان کا تیسرا ساتھی نائیلون کی مضبوط ڈوری کا لچھا لیے آ موجود ہوا۔ اِن تینوں میں شکل و صورت کے اعتبار سے وہی زیادہ خطرناک اور عملی آدمی نظر آ رہا تھا۔

پھر اُسی لمحے پے در پے کئی ناقابلِ یقین واقعات رونما ہوئے اور میری آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔

تہ خانے کی تنگ اور محدود فضا میں کھٹاک کی ہلکی سی آواز کی گونج بھی خاصی نمایاں تھی اور تنومند کا پستول معجزانہ انداز میں اس کی گرفت سے اُڑ کر دور جا گرا۔ ڈوری لانے والے کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کسی طرف سے سائلنسر لگے ہوئے پستول سے فائر کیا گیا تھا، اس نے پھرتی کے ساتھ اپنے شانے سے ٹامی گن اتارنا چاہی تھی، اس کا ساتھی فرش پر پڑی ہوئی اپنی ٹامی گن کی طرف لپکا تھا لیکن ویرا کی للکارتی ہوئی سفاکانہ آواز نے ان تینوں کو اپنی اپنی جگہ منجمد کر دیا۔

"جو جہاں ہے وہیں رُکا رہے ورنہ میں بھیجا اُڑا دوں گی۔ اس وقت تم سب میرے نشانے پر ہو۔" اُس کی آواز سنتے ہی میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔ اس کے بارے میں میرے سارے شبہات آخر کار بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔

اس کی آواز ٹرک کے عقبی حصے سے آئی تھی جس پر لکڑی کی وزنی پیٹیاں لدی ہوئی تھیں۔ شاید وہ جیپ سے اترتے ہی اندھیرے اور اپنے سیاہ لباس کا فائدہ اٹھا کر ٹرک کے عقبی حصے میں لدی ہوئی پیٹیوں پر چڑھ گئی تھی اور اسی پر سوار سرنگ میں داخل ہوئی تھی جب کہ اندھیرے میں اُسے بجیرو کے آس پاس موجود نہ پا کر اس کی طرف سے میرے ذہن میں شبہات سر اُبھارنے لگے تھے لیکن اُس نے ان نازک لمحات میں نمودار ہو کر میرے سارے خدشات کو بے بنیاد ثابت کر دیا تھا۔

"اپنے ہتھیار زمین پر ڈال کر ہاتھ سروں پر باندھ لو۔" چند ثانیوں بعد اس کی آواز دوبارہ گونجی۔ اس وقت اس کی نسوانی آواز کا سارا لوچ اور رچاؤ کافور ہو چکا تھا اور وہ کسی پیشہ ور سفاک قاتل کی آواز معلوم ہو رہی تھی جس کی زندگی، لطیف جذبوں سے دور، محض قتال و جدال میں گزری ہو۔

ویرا کی بے آواز گولی ایک کے ہاتھ سے پستول گرا کر اُسے غیر مسلح کر چکی تھی؛ دوسرا فرش پر پڑی ہوئی اپنی ٹامی گن تک پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ ویرا کی آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں میں زنجیر ڈال دی۔ تیسرا جو جھٹک کر اپنے شانے سے گن اتار رہا تھا، اس آواز پر ایسا بوکھلایا جیسے شروع ہی سے اس کا ارادہ کندھے کا بوجھ فرش پر منتقل کرنے کا رہا ہو۔ پھر انھوں نے فوراً ہی اپنے ہاتھ سروں پر رکھ لیے۔ وہ تینوں خائفانہ نظروں سے مجھے گھور رہے تھے۔

"شاباش! اب تم تینوں دیوار کی طرف منہ کر کے ایک ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ ڈینی! تم ٹامی گن اُٹھا لو۔"

"ڈینی!" تنومند شخص کے منہ سے تحیّر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "تو تم ہی وہ خبیث اور نابکار باغی ہو جو آج بھی تنظیم کے بڑوں کو زندہ یا مُردہ مطلوب ہے۔"

"وہ پرانی بات ہے موٹے گدھ!" میں نے ٹامی گن کی نال سے اس کے پیٹ میں ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ "چند دنوں سے میں تمھارے بڑوں کا منظورِ نظر ہو چکا ہوں۔ تم نے دیکھ لیا کہ میرا اعتماد بلا سبب نہیں تھا۔"

اِن تینوں نے جیسے ہی دیوار کی طرف منہ کیے، ویرا چھلانگ مار کر ٹرک پر لدے ہوئے مال پر سے نیچے آ گئی۔ اس وقت وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس تھی اور اُسے سرسری طور پر پہچاننا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

نقاب کے جالی دار سوراخوں کے پیچھے چھپی ہوئی آنکھوں کے باعث میرے لیے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ ویرا کس طرف متوجہ تھی لہٰذا میں نے اس کے قریب ہو کر اجازت طلب انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور ویرا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ تینوں خاموش، ایک دیوار کی طرف منہ کیے اپنے فیصلے کے منتظر تھے اور میرا خون کھول رہا تھا۔ وہ تینوں تنظیم کے ایک ناپاک اور گھناؤنے مقصد کی تکمیل میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ سال ہا سال سے جمع کیا ہوا اسلحہ نجانے کہاں کہاں، کیسے کیسے جرائم میں بے گناہ لوگوں کے خلاف استعمال ہوتا چلا آیا تھا اور اس وقت وہ تینوں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ ان کے بارے میں نہ میں قانون سے رجوع کر سکتا تھا اور نہ ہی قانون انھیں قرارِ واقعی سزا دے سکتا تھا۔

میں نے ٹامی گن کی نال کا رُخ قدرے نیچا کر کے ہاتھ گھماتے ہوئے ان کی ٹانگوں پر ہلکا سا برسٹ مارا۔ بارود کی ناگوار بُو کے ساتھ تہ خانے کی فضا ان کی دردناک چیخوں سے لرز اٹھی فرش اور دیواریں ان کے گندے خون سے آلودہ ہو گئیں۔ پنڈلیوں کی ہڈیوں کا سُرمہ بنتے ہی وہ معذور لوتھڑوں کی طرح نیچے گر کر بُری طرح تڑپنے لگے۔

"ختم کر دو! سسکا کیوں رہے ہو؟" ویرا نے غالباً مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"واپسی میں دیکھا جائے گا۔" میں نے ٹامی گن کندھے سے لٹکاتے ہوئے کہا۔ "آؤ اوپر چلو تاکہ تمھیں تمھارے ابا جان کی تصویر کا دیدار کرا سکوں۔"

"بکھرا ہوا اسلحہ سمیٹ کر ایسی جگہ ڈال دو جہاں ان کی رسائی نہ ہو سکے۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے ٹائم بم کا پیکٹ اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ "ایسا نہ ہو کہ یہ واپسی پر راستے کا پتھر بن جائیں۔"

میں نے سارا فاضل اسلحہ اٹھا کر ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن میں ڈال دیا پھر وہ میری تقلید میں لائیڈز کاٹیج کے نمبر تین کے ممنوعہ علاقے کو جانے والے زینوں پر ہو لی۔ میں اُسے پہلے اس کمرے میں لے گیا جہاں میرے ہاتھوں جہنم واصل ہونے والے پہلے شکار کی لاش پڑی ہوئی تھی اور مواصلاتی آلات بھی ناکارہ حالت میں بکھرے ہوئے تھے۔

"تم میں بھی کوئی بدروح گھسی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔" اس کی آواز تحیّر آمیز تھی۔ "تم تنہا یہ سب کر گزرے اور کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چل سکا کہ کتنی بڑی تباہی دبے قدموں ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اب تم نقاب اتار دو؟" میں نے اچانک ہی اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تاکہ میں تمھارے خیالات کے ساتھ ساتھ چہرے کے تاثرات سے بھی آگاہ ہو سکوں۔ میں نے سُنا ہے کہ ہنستے مسکراتے، حسین چہروں کا دیدار بھی انسانی حوصلہ بڑھانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے ۔ ۔ ۔ اس کالی نقاب سے اُلجھن ہو رہی ہے۔"

"میں اپنی اصلی صورت میں یہاں کسی کی نگاہوں میں آنا پسند نہیں کرتی۔"

"میں یقین دلاتا ہوں کہ اب واپسی تک کسی سے ٹکراؤ نہیں ہو گا۔ نیچے سسکنے والے تینوں کثرت سے خون ضائع ہونے کے سبب جلد ہی مر چکے ہوں گے یا قریب المرگ ہوں گے، سکرات کے عالم میں تو ہر شخص کو بڑا ڈراؤنا نظر آنے لگتا ہے کیونکہ نامۂ اعمال میں بیشتر سیاہی ان کے نکلے کرتوتوں سے ہی جنم لیتی ہے۔"

اُس نے اپنے چہرے پر سے لچکدار سیاہ کپڑے کی وہ نقاب اتار لی جس نے چہرے پر سیاہ جلد کا روپ اختیار کیا ہوا تھا اور میں تحسین آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس مٹی سے بنے ہوئے ہو۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں بے بسی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولی۔ "ہزار بار منع کیا ہے کہ مجھے ہر وقت ایک خوب صورت لڑکی ہی نہ سمجھا کرو۔ میں اپنی پسند سے دوستی اور دشمنی پالنے کی عادی ہوں ۔ ۔ ۔"

"بس بس۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی۔ "میں حقائق کی دنیا کا عملی آدمی ہوں۔ تم جو ہو، تمھیں وہی سمجھتا ہوں۔ جب شوگر کو مین سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں تو گھول کر پی جانے کو طبیعت چاہتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت دل ہتھیلی پر لیے پھرتے ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ غزالہ جیسی نیک اور سمجھ دار لڑکی تم جیسے دل پھینک میں کیا دیکھ کر مر مٹی ہے، ہر وقت تمھارا ہی دم بھرتی رہتی ہے۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"اپنی اپنی مٹی کی بات ہے۔ میں بڑی خاص اور پُرکشش مٹی سے بنایا گیا ہوں، تم خود ہی کو دیکھ لو کہ کبھی مجھ کو مرولنے پر تُل جاتی ہو اور کبھی قریب سے قریب تر ہو کر یوں سیراب کرتی ہو کہ ان خوابوں میں کھو جانے کو طبیعت چاہتی ہے۔"

"اپنی گاڑھی اردو میرے بس سے باہر ہے۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "یہ بتاؤ کہ وہ تصویر کہاں ہے؟"

"تصویر اسی عمارت میں ہے۔" میں نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ غزالہ کہاں ہے اور تصویر ملنے کے بعد کب تک مجھے واپس مل سکے گی؟"

"سودے بازی کرنا چاہ رہے ہو؟" وہ تنک کر بولی۔

"سودے بازی نہیں، معاہدے پر عمل درآمد کی یقین دہانی چاہتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"بڑے غلط موقع پر تم نے یہ بات چھیڑی ہے۔" وہ

متاسفانہ لہجے میں بولی۔ "پہلے میں تم کو بتا چکی ہوں کہ وہ جہاں ہے، خوش ہے۔ ہوٹل میں میرے پاس اُس کی آواز میں ریکارڈ کیا ہوا ایک پیغام موجود ہے لیکن اس بارے میں میں اب تمھیں مزید اندھیرے میں نہیں رکھوں گی۔"

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونک پڑا۔ "کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟"

"اس معاملے میں مجھ سے اندازے کی فاش غلطی ہوئی ہے۔" وہ نادم نظر آ رہی تھی اور اس کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے کہ تصویر ہمارے قبضے میں آجائے گی۔ میرا خیال تھا کہ تم تصویر دیکھ لو گے پھر مجھے تم کو ساتھ لے کر اپنے باپ کی تلاش میں یورپ کے سفر پر نکلنا ہوگا۔ اب بد قسمتی سے غزالہ پاکستانی تھی اور تم پاکستانیوں نے پورے یورپ میں اپنی ساکھ اس حد تک تباہ کی ہوئی ہے کہ کوئی ملک تمھارے شہریوں کو ویزا اور کڑی چھان بین کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ بس ایک برطانیہ ہی ایسا ملک ہے جہاں ایئر پورٹ پر کھڑے گھاٹ ویزا مل جاتا ہے لہٰذا میں نے ٹکٹ کا بندوبست کر کے غزالہ کو برطانیہ روانہ کر دیا۔ اس مہم میں وہ لندن سے ہمارے ساتھ شریک ہو سکتی تھی لیکن تم نے اپنی کارکردگی سے میرے سارے اندازے برباد کر دیے۔ یہ میں یقین دلاتی ہوں کہ وہ لندن کے مضافات میں میرے با اعتماد ساتھیوں کے درمیان بالکل خیریت سے ہو گی۔"

اس کی بات سن کر مجھے دحشت ہونے لگی۔ "یہ تم نے اچھا نہیں کیا ویرا۔ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے، کبھی ملک سے باہر نہیں نکلی، وہاں کے آزاد معاشرے میں وہ گھٹ کر رہ گئی ہو گی۔ وہ کبھی مغربی اقدار سے سمجھوتا نہ کر سکے گی۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "لیکن میں تم سے اتفاق نہیں کرتی۔ وہ تعلیم یافتہ ہے، اچھے اور برے میں تمیز کر سکتی ہے۔ تمھیں اُس کو موم کی گڑیا نہیں سمجھنا چاہیے جو ذرا سی گرمی سے پگھل جائے گی۔"

"کیسٹ پر پیغام اس نے کہاں ریکارڈ کرایا تھا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"روانگی سے پہلے کراچی میں۔" اس نے کہا۔ "اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے لیکن یہ ضرور بتا دیا گیا تھا کہ اسے ایک طویل فضائی سفر در پیش ہے، کاغذات میں نے ذاتی توجہ اور احتیاط سے تیار کرائے تھے۔"

"اور وہ اس سفر پر اکیلی گئی ہے؟" میں نے اپنے حلق میں ترشی سی گھلتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"اس کی سلامتی کے لیے راز داری بہت ضروری تھی اور راز برقرار رکھنے کے لیے اسے تنہا بھیجنا ضروری تھا لیکن لندن ہیتھرو ایئر پورٹ پر اس کی دیکھ بھال کرنے والے موجود تھے، مجھے اس کی خیریت کی اطلاع مل چکی ہے۔"

"اور اب اس کی واپسی کب تک متوقع ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"جب تم چاہو۔" اس نے پُر خلوص لہجے میں کہا۔ "ویسے مشورہ یہی ہے کہ کچھ دن اسے باہر ہی رہنے دو، وہاں وہ پوری طرح محفوظ رہے گی۔ یہاں لائیڈز کاٹیج کی تباہی کے بعد اس واقعے میں تمھاری شمولیت کی نشاندہی ہو یا نہ ہو، انتقامی کارروائی کے طور پر ہماری تنظیم کے دشمنوں کا چُن چُن کر صفایا کرنا شروع کر دیا جائے گا۔ تم چاہو تو تم بھی ملک سے باہر جا سکتے ہو۔ میں حتی الامکان تمھاری میزبانی کی کوشش کروں گی۔" اس نے جھجکتے ہوئے، سوچ سوچ کر کہہ ہی ڈالا۔

"جب تم مجھے کلیئرنس دے چکی ہو تو مجھے یہاں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟" میرا لہجہ بدستور تلخ تھا۔

"میں مقامی بڑوں میں سے ایک ہوں اور میں نے اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے تمھیں لائیڈز کاٹیج میں پہنچا دیا۔ اس عمارت کی تباہی کے بعد ماضی قریب میں رُونما ہونے والے غیر معمولی واقعات کا جائزہ لیا جائے گا اور اس میں تمھاری واپسی کا معاملہ بھی اٹھے گا۔ اگر کاٹیج کی تباہی کے بعد ایک بھی ایسا گواہ بچ گیا جو دھماکے سے قبل لائیڈز کاٹیج سے تمھاری روانگی کے بارے میں جانتا ہو تو یقین کرو کہ تمھاری تلاش میں چپے چپے پر آدمی پھیلا دیے جائیں گے اور میں اکثریت کے فیصلے کے خلاف اس مہم کو نہ روک سکوں گی۔"

"یہاں تنظیم کے کتنے بڑے موجود ہیں؟" میں نے اپنے لہجے کی تلخی برقرار رکھتے ہوئے اپنا تجسس دور کرنے کے لیے پوچھ ہی لیا۔

"یہ سب باتیں ہوٹل لوٹنے کے بعد بھی ہو سکتی ہیں، یہاں وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔" وہ میرے شانے تھام کر مجھے نکاسی کے راستے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولی۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اس طرح وہ میرا سوال ٹالنے کے ساتھ ہی ماحول کو خوش گوار بنانا چاہتی تھی مگر میں اسے ہلکا سا سبق دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔

"تو پھر چلو، واپس چلتے ہیں۔" میں نے یک بیک پلٹتے ہوئے کہا اور وہ میرے پیچھے ہو لی۔ پہلے تو وہ میرا ارادہ بھانپ ہی نہ سکی لیکن جب میں تہ خانے میں اُترنے والی سیڑھیوں کے قریب جا پہنچا تو وہ چونک پڑی۔

"کہاں؟ واپس کہاں جا رہے ہو؟ تصویر کا کیا ہو گا؟" اس نے میرا بازو تھام کر تیز لہجے میں پوچھا تھا۔

"تصویر کا حصول ہمارے معاہدے میں شامل نہیں تھا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں تصویر دیکھ چکا ہوں لیکن تم غزالہ کو لوٹانے کا وعدہ پورا نہیں کر سکیں لہٰذا میں نے ساری کارروائی یہیں معطل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"یعنی ان زیرِ زمین تعمیرات کو تصویر سمیت تباہ کر دو گے؟" اُس نے حیرت اور قدرے غصے کے ساتھ کہا۔

"نہیں۔" میں نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں کچھ تباہ نہیں کروں گا۔ سب کچھ یوں ہی چھوڑ کر تمھارے ساتھ واپس روانہ ہو رہا ہوں۔ تمھاری بے اعتمادی کو دیکھتے ہوئے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری گاڑی زیادہ دیر تک ساتھ نہ چل سکے گی۔"

"چار پرانی لاشوں میں ٹرک کے ساتھ آنے والوں کا بھی اضافہ ہو چکا ہے۔ بعد میں آنے والا جو ہی یہ سات لاشیں دریافت کرے گا، تمھاری ذات بے نقاب ہو جائے گی۔ رحمانی تمھارے خلاف بڑا گواہ ہے اور پھر لائیڈز کاٹیج سے تمھارا اچانک غائب ہو جانا بھی نتائج کی واضح نشاندہی کر دے گا۔ تم ایک چھوٹی سی بات کو غیر ضروری اہمیت دے رہے ہو۔"

"انسان بڑی عجیب مخلوق ہے ڈیئر خانم!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "بعض اوقات بڑی بڑی باتوں کو ٹال جاتا ہے اور کبھی چھوٹی سے چھوٹی بات پر مرنے مارنے پر تُل جاتا ہے۔ غزالہ کو میرے علم میں لائے بغیر برطانیہ بھیج کر تم نے بہت بڑی بدعہدی کا ارتکاب کیا ہے۔ نتائج کچھ بھی ہوں، اس وقت میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ لائیڈز کاٹیج والے میرے پیچھے لگ جائیں گے لیکن میں ایسے معرکوں میں آزادانہ طور پر اپنا دفاع کرنا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوئی۔ اس وقت ہم دونوں روبرو کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اچانک ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں پھر وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔ "میں سمجھ رہی ہوں کہ اس طرح تم میری ساکھ کو نقصان پہنچا کر بدلہ لینا چاہتے ہو۔ تمھاری ذات شبہات کی زد میں آئی تو اس معاملے میں بھی بری الذمہ نہ رہ سکوں گی کیوں کہ تمھیں لائیڈز کاٹیج تک میں نے ہی رسائی دلائی تھی۔"

"یہ سوچنا تمھارا کام ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب یہ سب مجھے اپنے ہاتھوں سے تباہ کرنا ہو گا۔" اُس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ورنہ مجھ سے بدعہدی کے بعد یہ تنظیم سے کھلی غداری ہو گی۔"

میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اِس اقدام کے واحد گواہ تم ہو گے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "مجھے اس واقعے کی بازگشت کہیں بھی سنائی دی تو تم میرے ہاتھوں سے نہ بچ سکو گے۔ تم سے یہ تو بتا چل چکا ہے کہ میرے باپ کی تصویر یہاں ایک مقفل کمرے میں موجود ہے۔ اس لیے ٹائم بم سیٹ کرنے سے پہلے میں ایک بار خود یہاں تصویر تلاش کروں گی لیکن تمھیں یہ بتا دوں کہ تم میرے ساتھ بہت آگے بڑھنے کے بعد الگ ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔"

میں جانتا تھا کہ بنبر تین کے اس حصّے میں ویرا کے لیے مقفل کمرے تک پہنچنا زیادہ دشوار ثابت نہ ہوگا لہٰذا میں فوراً ہی غصیلے لہجے میں پھٹ پڑا اور جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا لیکن میرا ارادہ درحقیقت وہ نہیں تھا جو میں ظاہر کر رہا تھا۔

وہ دراصل شروع ہی سے اپنی بڑائی کے شدید احساس میں مبتلا تھی اور موقع بے موقع مجھے اپنی بالادستی کا احساس دلاتی رہتی تھی۔ جب کہ میں اس کی برابری یا تحقیر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا اور اس بار تو وہ پوری طرح میرے دام میں آ گئی تھی۔ مجھے اس کی باتوں کا پورا یقین تھا۔ یہ معلوم تھا کہ اگر اس نے غزالہ کو برطانیہ بھیجا ہوگا تو وہاں اس کے تحفّظ کا پورا بندوبست بھی کیا ہوگا لیکن میں اس کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے تیوروں پر نگاہ رکھتے ہوئے سخت سُست کہتا رہا اور وہ کسی مزاحمانہ ردِعمل کا اظہار کیے بغیر میری پوری تقریر سنتی رہی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم میرے ساتھ تعاون کرو گے؟" میرے خاموش ہو جانے پر اُس نے ٹھہرے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تمھاری شکایتیں کچھ ایسی بے جا بھی نہیں ہیں۔ آدمی کو اُسی سے شکایت ہوتی ہے جس سے اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمھاری توقعات کے معیار پر پوری نہ اُتر سکی۔"

ویرا کے اس مدافعانہ جواب پر میری کھوپڑی سلگ اُٹھی۔ "سمجھ کیا رکھا ہے تم نے اپنے آپ کو؟ تم نہ میری عزیز ہو نہ محبوبہ، پھر میں تم سے توقعات کیوں رکھوں گا؟ مجھے تو ہر لمحے یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اپنے مفاد کے لیے تم کسی بھی وقت بڑی بے رحمی کے ساتھ میری گردن کٹوا دو گی۔ یہ تمھارا احسان ہے کہ تم نے اب تک ایسی کوئی کارروائی نہیں کی۔" پھر میرا لہجہ بہت زیادہ زہریلا ہو گیا۔ "تم آج تک نہ کسی کی ہو سکی ہو نہ ہو گی۔ تمھارے نزدیک عزت، آبرو اور انا کا کوئی مقام نہیں ہے۔ تم ہر قیمت پر بس اپنا کام نکالنا جانتی ہو اور شاید اس بار بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ میں تصویر تمھارے حوالے کر دوں گا مگر یہ یاد رکھنا کہ مجھے تم پر ذرا بھی اعتماد نہیں رہا ہے۔ تم اپنے وار کرتی جاؤ، میں بچاؤ کرتا رہوں گا۔"

اُس کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ "اس تحقیر سے بہتر ہے کہ تم اسی وقت اپنا راستہ الگ کر لو۔ تصویر سے تقدیر تک میں اپنے معاملات خود سلجھا سکتی ہوں۔"

"اس لیے کہ میں نے تمھیں یہاں لا کھڑا کیا ہے، کامیابی کی کلید تمھاری گود میں لا ڈالی ہے اور غزالہ یرغمال کے طور پر تمھارے رحم و کرم پر ہے۔ غزالہ قید نہ ہوتی تو شاید میں تم سے دوبدو کچھ اور باتیں کر لیتا لیکن اب میں مجبور ہوں، چاہو تو مجھے اپنا قیدی بھی سمجھ سکتی ہو، جو چاہو گی، وہی کر گزرنے پر خود کو مجبور پاؤں گا۔" آخری فقروں پر میرا لہجہ بے حد زہریلا ہو گیا۔

ویرا نے چند گہرے گہرے سانس لیے پھر تھکی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایک امتحان یہ بھی سہی۔ اب غزالہ سے تمھاری ملاقات تمھاری پسند کے حالات میں ہو گی لیکن اس کی شرط تصویر کے حصول کے بعد لائینڈز کارٹیج کی تباہی ہے۔ یہ دونوں کام کر گزرے تو تمھیں مجھ سے مایوسی نہیں ہوگی۔"

میں واپس پلٹ گیا اور وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہو لی۔ مقفل کمرے کو کھول کر ہم دونوں اندر داخل ہوئے تو بند کمرے میں پڑی ہوئی چوتھی لاش میں کم و بیش اٹھارہ گھنٹے گزرنے کے باوجود تعفن پیدا نہیں ہوا تھا۔ ویرا نے اس کمرے میں سجے ہوئے ہتھیاروں کو حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ شاید دیر تک پورے انہماک سے اس نمائش کا جائزہ لینے میں مصروف رہتی مگر میں نے دیوار گیر الماری میں نصب فریم پر زور آزمائی کرتے ہوئے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔

اس وقت ویرا کے چہرے سے بے پناہ جوش اور تجسّس کا اظہار ہو رہا تھا پھر جوں ہی وہ فریم ہاتھ میں آیا، جمی لائیڈ کی رنگین قلمی تصویر پر نگاہ پڑتے ہی ویرا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔

ویرا لائیڈ سے میری پہلی ملاقات بے خبری کے عالم میں مشرقِ بعید کے سفر میں دورانِ پرواز ہوئی تھی۔ اس وقت میں اس کے ماضی سے لاعلم تھا لہٰذا اپنے تمام تر تجربے کے باوجود زندگی کی کیف آور لذتوں کی طلب گار، ایک فراخ دل دوشیزہ سمجھتے ہوئے اپنی کامرانی پر کئی دنوں تک ناز کرتا اور ایک ہوٹل کے اقامتی کمرے میں اس کے ناز اُٹھاتا رہا تھا۔ اس دوران میں کسی بھی مرحلے پر وہ بالادست نظر نہیں آئی تھی۔ اس کے ہر عمل اور ردِعمل میں ایک ایسی معصومانہ سادگی اور بے ساختگی رچی ہوئی تھی کہ احکام کی پروا نہ ہوتی تو میں اس کی مہکتی زلفوں کے سائے میں شاید پوری عمر بھی گزار دیتا۔

لیکن تقدیر میں غزالہ لکھ دی گئی تھی۔ ویرا کی دل موہ لینے والی معصومانہ ادائیں مشرقِ بعید میں میرے قدموں کی زنجیر نہ بن سکیں اور میں اپنے وطن لوٹ آیا۔ اس کے بعد مدّتوں کے وقفے سے ویرا لائیڈ، شوگر کوئین کے روپ میں سامنے آئی تو اس کے تیور ہی مختلف تھے۔ اس میں نہ معصومانہ سادگی رہی تھی نہ فطری بے ساختگی۔ وہ ہر زاویے سے ایک بے مہر اور کاروباری ذہنیت والی پیشہ ور مجرمہ کے طور پر سامنے آئی تھی جس کے سینے میں دل کی جگہ شاید کوئی سنگ ریزہ نصب تھا جس میں نہ لچک تھی، نہ جذبات کی سرگرمی۔ وہ ہر قیمت پر اپنا مقصد حاصل کرنے پر تُلی ہوئی ایک حسین مجرمہ نظر آتی تھی جس کے نزدیک انسانی اقدار اور جذبات کی کوئی وقعت تھی نہ اہمیت۔

پھر اب جمی لائیڈ کی رنگین قلمی تصویر پر نظر پڑتے ہی وہ سنگدل اور بے مہر لڑکی یک بیک ملکۂ جذبات نظر آنے لگی تھی۔ اس کے چہرے کے عضلات تن گئے تھے، نگاہوں میں تنفّر کا تہرمٹ آیا تھا اور وہ بے یقینی کے عالم میں اس قلمی تصویر کو مسلسل گھورے جا رہی تھی۔

وہاں دھادا بولتے ہوئے میرے ایما پر ویرا اپنے ساتھ ایک مختصر لیکن حسّاس کیمرہ بھی لائی تھی جو اُس کے چُست سیاہ لباس میں موجود تھا اور جس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ واپسی سے قبل جمی لائیڈ کی قلمی تصویر کی کچھ تصاویر بھی لے لی جائیں تاکہ فرار کے وقت اگر ناگاہ کسی مرحلے پر اصل تصویر سے دست بردار ہونا پڑے تو بعد میں کیمرے سے لی ہوئی جمی لائیڈ کی قلمی تصویر کی تصاویر اس کی تلاش کی مہم میں معاون ثابت ہو سکیں لیکن ویرا لائیڈ تو تصویر دیکھتے ہی ایک بدلی ہوئی عورت نظر آنے لگی تھی۔ پہلے اُس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی کے عالم میں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں پھر ان میں بتدریج قہر اور نفرت کے کوندے لپکنے لگے۔ وہ میری طرف یوں حملہ آور ہوئی تھی جیسے پل بھر میں مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دے گی مگر وہ بہرحال عورت تھی اور میں ایک تندرست و توانا مرد۔ میں تصویر فرش پر پھینک کر خود کو ویرا کے حملے سے صاف بچا گیا۔

وہ بڑھی اور وار خالی جانے پر جھلا کر مجھے نظرانداز کرتے ہوئے پلٹی اور جمی لائیڈ کی قلمی تصویر پر ٹوٹ پڑی۔ پھر اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے فریم سمیت کینوس کے ٹکڑے اُڑا کر رکھ دیے۔

جتنی دیر میں، میں صورتِ حال کو سمجھ کر اُس کی طرف لپکتا، وہ تصویر کے چیتھڑے اُڑا چکی تھی۔

"یہ... یہ کیا کیا تم نے؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"وہی، جو کرنا چاہیے تھا۔" اُس نے کھوئے کھوئے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "مجھے جو کچھ کرنا تھا میں کر گزری ہوں۔ اب تم جو چاہو وہ کر سکتے ہو...."

"مم... مگر تم تو جمی لائیڈ کی تصویر کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔" میں نے اپنی حیرت پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔ "تصویر سامنے آئی تو ایسی آتش زیرپا کیوں ہو گئیں؟"

"اِس لیے کہ وہ چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔" وہ میرے مقابل سینہ تان کر زہریلے لہجے میں بولی۔

"تو تم اپنے باپ کو پہلے سے جانتی تھیں؟" میرا لہجہ لازماً کاٹ دار ہو گیا تھا۔

"باپ نہیں، وہ ایک دلال تھا۔" وہ تلخ اور رُندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ جو کوئی بھی ہو، میں اسے روم کے ایک مضبوط گروہ بند کے طور پر جانتی ہوں۔ میرے لیے اس کا نام جمی لائیڈ نہیں بلکہ ڈان مرسیانو تھا اور دو برس پہلے تک میری بیشتر راتوں کے دام اسی ملعون نے طے کیے تھے۔"

"یہ کہاں کا واقعہ ہے بے بی؟" میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

"روم... روم!" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "بتا رہی ہوں کہ ڈان مرسیانو روم کا ایک مضبوط گروہ بند ہے۔ منشیات فروشی، جوئے اور قحبہ گری سے بردہ فروشی تک، وہ ہر گھٹیا کام کرتا ہے...."

"اور اُس نے خود اپنی بیٹی کی راتوں کا سودا کیا ہے!" میں نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"بکو مت!" وہ حلق پھاڑ کر غصیلی آواز میں چیخی تو اُس کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔ "جانتے بوجھتے اس دنیا کا کوئی باپ اپنی بیٹی کو نیلام نہیں کر سکتا، وہ یقیناً میری حیثیت سے لاعلم رہا ہوگا۔"

"تم اپنے باپ کے بارے میں یقین اور بے یقینی کا شکار ہو میری ننھی محبوبہ۔" میں نے ٹھہرے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "وہ اسی قدر لاعلم ہوتا تو ایک عالمی تنظیم کی سربراہی نہ کر رہا ہوتا۔"

"کس عالمی تنظیم کی بات کر رہے ہو؟" اُس نے چیخ کر سوال کیا تھا۔

"لائینڈز کارٹیج کوئی مقامی فتنہ تو نہیں ہے۔" میں نے سنجیدہ

لہجے میں کہا۔ "جو کچھ ہو لہ ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو اور میں بھی جانتا ہوں۔"

"تو کیا تم ڈان مرسیانو کے ٹھکانے سے واقف ہو؟" ویرا کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔

"ٹھکانے سے واقف ہوتا تو تمھارے نخرے اٹھانے کے بجائے وہیں اس کے ٹھکانے پر موجود ہوتا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لیکن اس پوری تقریر کا مدعا صرف اتنا ہے کہ تمھیں تمھاری صحیح حیثیت کا احساس دلا سکوں، اپنے باپ کے نزدیک تم محض ایک حسین اور خوبرو لڑکی ہو جسے چارہ بنا کر بڑے سے بڑا شکار کھیلا جا سکتا ہے۔ تمھیں اپنے باپ کی اصلیت اور حقیقت کا علم نہیں لیکن وہ ہر لمحے تمھارے بارے میں باخبر رہا ہے اور تم سے کوئی بڑا کام لینے کے لیے کوشاں ہے۔ تم قانون کے سامنے ہتھیار ڈال دو گی تو بے آسرا رہ جاؤ گی۔ ہمارا ساتھ دو گی تو اپنے سامنے بہت سے راستے کھلے ہوئے پاؤ گی جن کے انتخاب میں تمھیں مکمل آزادی ہوگی۔"

"تمھارا ساتھ؟" میری گفتگو پر وہ اُلجھ کر رہ گئی۔ "فی الحال تو تمھارا ہی ساتھ دے رہی ہوں اور یہ قانون کا ذکر درمیان میں کہاں سے آ گیا؟ میں جو کچھ کروں گی، اپنے بل پر کروں گی۔ قانون کا سہارا لینا چاہا تو شاید خود سولی پر ٹانگ دی جاؤں۔"

"جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو سے بغاوت کے بعد تمھارے سامنے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں، مجھ سے صلح کر لو یا قانون کے محافظوں کی پناہ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ . . ."

"تم سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔ اس وقت تک وہ اپنے جذباتی اُبال پر قابو پا چکی تھی اور مدتوں سے اپنے جس باپ کی دید کی آرزو میں تڑپ رہی تھی، اس وقت اسی کی رنگین قلمی تصویر کے چیتھڑوں کو اپنے قدموں تلے پامال کر رہی تھی۔ "اور نہ میں اپنے باپ سے بغاوت کر رہی ہوں، اگر اس نے اپنی عمر برباد کر کے ایک پُرشکوہ تنظیم قائم کی ہے تو میرا یہ حق ہے کہ اُسے معزول کر کے اب اقتدار میں خود سنبھال لوں۔ ڈان مرسیانو کے روپ میں اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا وہ لاعلمی کی وجہ سے کیا ہوگا ورنہ اپنے لہو کی آبرو تو کنجروں کو بھی عزیز ہوتی ہے۔"

"وہ جس پیمانے پر کام کر رہا ہے، اس کے پیش نظر یہ سوچنا ہی حماقت ہوگا کہ وہ اپنی ذات سے متعلقہ کسی معاملے سے لاعلم رہا ہوگا۔" میں نے اس کے ساتھ واپس لوٹتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ جب تم ڈان مرسیانو سے ٹکرائیں تو اس وقت تم اپنے باپ کی تلاش کے کس مرحلے میں تھیں؟"

وہ پُرخیال انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔ "تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہ رہے ہو؟" اُس نے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میری بات کا جواب دو، سب کچھ خود بخود واضح ہو جائے گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میری جدوجہد جاری تھی اور میرا خیال ہے کہ میں تنظیم میں شامل ہونے میں کامیاب ہو چکی تھی۔"

"ڈان مرسیانو سے تمھارا ٹکراؤ اتفاقاً ہوا تھا یا اس سے مل بیٹھنے کی کوئی ہدایت ملی تھی؟"

"کیا بالکل ہی احمق سمجھ لیا ہے تم نے مجھے؟" وہ چڑ کر بولی۔ "اگر ہدایت ملی ہوتی تو میرے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہ ہوتا کہ مجھے دانستہ اس کی طرف ہانکا گیا ہے، وہ ایک سو فی صد اتفاق تھا۔"

"اتفاق ہی رہا ہوگا لیکن میرا خیال ہے کہ ڈان مرسیانو نے دانستہ ایسے حالات پیدا کیے ہوں گے کہ تم اس ملاقات کو اتفاق کا شاخسانہ سمجھتی رہو لیکن درحقیقت وہ اسی لمحے سے اپنے زیر سایہ تمھاری تربیت کا آغاز کر چکا تھا۔"

"مجھے جان بوجھ کر غلیظ راستے پر ڈالا گیا تھا؟" اُس نے مضحکہ اڑانے والے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ تمھارا باپ ہے ویرا!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور شاید ایک رُسوائے زمانہ مجرم بھی، جس کے ہاتھ منشیات فروشی سے انسانی لہو کی شرمناک ہولی تک میں آلودہ ہیں۔ ایسے لوگوں میں زندہ رہنے اور زندگی گزارنے کی بالکل ہی مختلف بلکہ حیران کن اقدار رائج ہوتی ہیں۔ عام زندگی میں باپ اور بیٹی کے رشتے کے حوالے سے سوچو گی تو تمھیں ڈان مرسیانو کا رویّہ ناقابلِ یقین نظر آئے گا لیکن ایک پیشہ ور مافیا کی بیٹی بن کر دیکھو گی تو تمھیں اس کا رویّہ حقیقت پسندی پر مبنی نظر آئے گا۔"

"میرے کچھ پلّے نہیں پڑ سکا کہ اگر اور مگر کے درمیان تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" وہ تہ خانے میں جانے والی سیڑھیاں اترتے ہوئے منہ بنا کر تلخ لہجے میں بولی اور اس بار میں خاموش ہی رہا۔ میری نگاہیں اسلحے کی پیٹیوں سے لدے ہوئے ٹرک کے قریب فرش پر پڑے ہوئے ان تین بے جان سالیوں پر جمی ہوئی تھیں جو اپنے اپنے خون میں لتھڑ کر تقریباً ناقابلِ شناخت ہو کر رہ گئے تھے۔

اس وقت تک بہت زیادہ خون بہہ جانے کے باعث ان میں سے دو دم توڑ چکے تھے، موت کی اذیت سے ان کے چہرے مسخ ہو کر رہ گئے تھے، تیسرا بے ہوش تھا اور اس کے سینے میں سانس رُک رُک کر آ رہا تھا۔



میرے کچھ کہے بغیر ویرا لائیڈ نے تیسرے کے نرخرے پر اپنی سینڈل رکھ کر اس پاؤں پر پورا زور دے دیا۔ وہ اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ مدافعت میں ویرا کی پنڈلی دبوچ کر اس کا پاؤں اپنے نرخرے پر سے ہٹا دیتا۔ اس کے بدن میں اضطراری جنبش ہوئی، دونوں ہاتھ فضا میں لہرائے اور پھر وہ بھی زندگی کے بکھیڑوں سے نجات پا گیا۔

ویرا نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا جیسے اگلے اقدام کے بارے میں جاننا چاہتی ہو لیکن مجھے زبان ہلانے کی زحمت نہیں کرنا پڑی۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں میرا مدعا بھانپ گئی اور اپنی جیب سے الیکٹرونک ٹائم بم کا پیکٹ نکال کر اسے لگانے کے لیے جگہ تلاش کرنے لگی اور میں وہاں موجود اسلحے میں سے اپنی ضروریات کا انتخاب کرنے میں مصروف ہو گیا۔

یوں تو وہاں میرے لیے مشین گن سے تباہ کُن دستی بموں تک ایک انبار موجود تھا لیکن لاہور میں فوری طور پر میرے پاس سر چھپانے کی کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں میں اسلحہ ساتھ لے کر جا سکتا۔ آثار کچھ ایسے تھے کہ شاید واپسی پر ویرا کے ہوٹل ہی میں پناہ لینا پڑ جاتی لہٰذا میں نے بڑے بور کے ایک بے آواز پستول اور چند بموں پر ہی اکتفا کیا کیوں کہ اب میرا لاہور میں طویل قیام کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لائیڈز کاٹیج کی تباہی کے ساتھ میرا ایک پُرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا جس کے بعد اگلا مرحلہ غزالہ تک رسائی کا تھا جس کے لیے ویرا لائیڈ کی ذات کا سہارا ناگزیر بن چکا تھا کیوں کہ وہ بالا ہی بالا غزالہ کو بیرون ملک بھجوا چکی تھی۔

آخرکار ویرا نے بارودی بموں کی متعدد پیٹیوں کے درمیان ایسی جگہ تلاش کر ہی لی جہاں سلگنے والی موہوم سی چنگاری بھی اس تہ خانے میں آتشیں جہنم کا دہانہ کھول سکتی تھی۔

"دس منٹ؟" تہ خانے میں ویرا کی سوالیہ آواز گونجی۔ اس وقت اس کا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"خودکشی کا ارادہ ہو تو دس سیکنڈ مناسب رہیں گے تاکہ سسک سسک کر مرنے کے بجائے دھماکا ہوتے ہی کام تمام ہو جائے۔ نکاسی کے دہانے پر ملے رہے گئے تو جنت میں بھی تلق رہے گا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

وہ حسب توقع بھڑک اٹھی۔ "مرچیں کیوں چبا رہے ہو؟ بھلی طرح بات نہیں کر سکتے ہو؟"

"کر سکتا ہوں مادام!" میں نے داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر سر کو ذرا سے خم دیتے ہوئے کہا۔ "بشرطیکہ میرے سر پر سات عدد انسانی لاشیں نہ سوار ہوں۔ وہ لاکھ گناہ گار اور ملعون سہی لیکن تھے تو انسان ہی۔"

"شاید تمھیں یہ یاد نہیں رہا کہ ساتوں تمھارے شاہکار ہیں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"سات نہیں، صرف چار۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "آخری تینوں محض تمھاری دخل اندازی کی وجہ سے مارے گئے کیوں کہ تمھیں اپنے ابا حضور کی تصویر کی تلاش تھی۔"

"پھر وہی بکواس!" وہ غصیلے لہجے میں غرّائی۔ "میں ٹائمر آن کرنے جا رہی ہوں، مجھے وقت بتاؤ۔"

"ویسے تو وقت بُرا ہی آ لگا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن نصف گھنٹا رکھو تو بہتر ہوگا۔ ہم نہ صرف دھماکے کی زد سے باہر نکل جائیں گے بلکہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل بھی ہو سکیں گے۔"

اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر قہر بار نظروں سے مجھے گھورا اور پھر ٹائم بم کا ٹائمر آن کر کے اسے اپنی تلاش کی ہوئی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"آؤ۔ اب ہم یہاں رمبا سمبا ناچنا شروع کر دیں تاکہ تمھارے ابا کی روح بلبلاتی ہوئی ہمارے سروں پر سایہ فگن ہو جائے یا ہم خود بھی تمھارے ابا کے بنائے ہوئے اس جہنم میں جل کر خاک ہو جائیں۔" میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"تمھارا دماغ درست ہے؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "ٹائمر چل پڑا ہے اور اب بم پھٹنے سے پہلے اسے کسی طرح روکا نہیں جا سکتا۔ یوں ہی بیٹھے ہذیان بکتے رہے تو واقعی جہنم واصل ہو جاؤ گے۔"

"میں جہنم واصل نہ ہو سکوں گا۔" میں نے اسلحے کی ایک پیٹی کا سہارا لے کر خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "وہاں گیا تو جہنم کے باسی گمراہ ہو جائیں گے۔ غزالہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد میرے لیے زندگی میں کوئی کشش باقی نہیں رہ گئی ہے۔" اسی کے ساتھ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر بے آواز پستول کی نال فضا میں بلند کر لی۔

"اوہ!" وہ غصّے میں دانت پیستے ہوئے بولی۔ "تو اب تم مجھے دھمکانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"یہ تمھارا اپنا خیال ہے۔" میں نے اُس کے تبصرے کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے پستول اپنی گود میں ڈال لیا۔ "غزالہ کی بازیابی یا اس تک رسائی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر کے ہی ہم یہاں سے جا سکیں گے۔"

"ورنہ نہیں؟" اُس نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"یہ تمھارا اندازہ ہو سکتا ہے، میرا ارادہ نہیں۔" میں نے

بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا۔

"تم اپنی یادوں کی چتا میں اکیلے ہی جلتے رہو، میں تو جا رہی ہوں۔"

"نہ میں یہاں اکیلا آیا تھا، نہ اکیلا جلوں گا۔" میری آواز سنتے ہی وہ دوبارہ میری طرف گھوم گئی۔ "راستہ تمہارے فرشتے بھی نہ کھول سکیں گے۔"

"آخر اب تم کیا چاہ رہے ہو؟" اس نے زچ آکر جھنجھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے پروگرام سے واقفیت کے علاوہ اور کیا چاہوں گا؟" میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میرا پروگرام واضح ہے۔" وہ غصے اور بے بسی کے ساتھ بولی۔ "مجھے ڈان مرسیانو تک پہنچنا ہے تاکہ پتا چلا سکوں کہ وہی میرا باپ جمی لائیڈ ہے یا نہیں، بعد کا راستہ حالات پر منحصر ہوگا۔"

"یہ تو سیدھا سادا دُہری شخصیت کا کھیل ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "وہ جمی لائیڈ کے نام سے معاشرے میں عزت و احترام کی زندگی گزارتا ہے اور ڈان مرسیانو کے روپ میں بدترین مجرم ہے۔ اس کے انداز بالکل مافیا والوں جیسے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ وہ خود بھی مافیا کے سرکردہ لوگوں میں شمار ہوتا ہو۔ لیکن یہ سب تمہاری رام کہانی ہے، اس میں عزالہ کا ذکر کہیں نہیں تھا۔"

"تم وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بے چینی کے ساتھ بولی۔ "تین منٹ سے زائد گزر چکے ہیں۔ یوں ہی اُلجھتے رہے تو تیس منٹ بھی بے خبری میں گزر جائیں گے۔"

"عزالہ کی بات کرو اچھی لڑکی۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "فورک لفٹ پر سوار ہو کر ہم بہت جلدی سُرنگ کے دہانے تک پہنچ سکتے ہیں۔ تیس منٹ کا وقفہ میں نے سوچ سمجھ کر ہی تجویز کیا تھا۔"

"تم میرے ساتھ چل سکتے ہو، چاہو تو ہم لاہور سے براہِ راست لندن روانہ ہو سکتے ہیں، تمہیں عزالہ تک پہنچا کر میں واپس روم آجاؤں گی، اس سے زیادہ کیا چاہتے ہو؟"

"یہاں سے براہِ راست روانگی تو ممکن نہ ہوگی۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر فورک لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس پاسپورٹ تو درکنار شناختی کارڈ بھی نہیں رہا ہے، گھر کے ساتھ سب ہی کچھ آگ کی نذر ہو گیا تھا۔"

"فکر نہ کرو۔" انجن اسٹارٹ ہوتے ہی اُس نے فورک پر کھڑے ہو کر کہا۔ "سفری دستاویزات کا میرا ذمہ، دو گھنٹے میں تمام کاغذات تمہارے ہاتھ میں موجود ہوں گے۔"

"ایسی دُم سے میں لنڈورا ہی بھلا۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "یہاں سے تو شاید نکل بھی جاؤں، ہیتھرو پر جعلی کاغذات پکڑے جائیں گے۔ میں جیل چلا جاؤں گا اور تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ سنا ہے کچھ عرصے بعد تو وہاں بھی ویزا کے بغیر داخلہ ممکن نہیں رہے گا۔۔۔ اس معاملے کو میں خود سرانجام دوں گا۔"

"کاغذات سب اصل ہوں گے۔" وہ ہنسنے لگی۔ "یہ سنا ہے کہ تم لوگ اپنے بڑی مالیت کے نوٹوں پر اپنے کسی بڑے رہنما کی تصویر چھاپتے ہو جس کا پورا پورا احترام کیا جاتا ہے۔ تصویر دیکھتے ہی نہ ہونے والے کام بھی چٹکی بجاتے ہو جاتے ہیں۔"

"تمہارے ہی سکھائے ہوئے ہیں ہم بھی۔" میں نے اس کے تبصرے کی چبھن محسوس کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جو کچھ تم لوگ اپنی ملک کے ساتھ کر رہے ہو، ہم تو اپنے بزرگوں کے ساتھ اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں کرتے۔"

وہ تو خاموش ہو گئی لیکن اس لمحے میرا دل خاصا افسردہ ہوا۔ رشوت ایک ناسور بن کر پورے معاشرے کی رگوں میں اتر چکی تھی۔ کوئی لینے والا تھا تو کوئی دینے والا۔ سب شب و روز جہنم کی خریداری کے المناک روگ میں مبتلا تھے، شرم و حیا اس حد تک مٹ چکی تھی کہ لینے والے اجنبیوں کی پروا کیے بغیر گاہکوں سے اونچی آوازوں میں سودے کرتے تھے کیوں کہ احتساب اور باز پُرس کا خوف عنقا ہو چکا تھا۔ کالا دھن جیبوں میں بھر کر جس بازار میں چلے جائیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا کہ بھائی یہ لاکھوں کروڑوں کس مد میں حاصل ہوتے اور جو چاہیں خرید سکتے تھے۔

صورتِ حال کے پیشِ نظر میرے ذہن میں بس یہی خیال آیا کہ رشوت پھل پھول رہی تھی۔ تباہی کے اس ٹائم بم کا ٹائمر چل پڑا تھا مگر کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کتنی مدت کے لیے سیٹ کیا گیا ہے اور اسی بے خبری میں کسی دن اچانک ایک تباہ کن دھماکا ہونے والا تھا۔ جب مانگنے والوں کی شرحیں دینے والوں کی بساط سے بڑھ جاتیں تو تباہی کا ایک مہیب ریلا اٹھتا اور راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا۔

فورک لفٹ سُرنگ کے ڈھلوان فرش پر دہانے کی طرف بڑھتی رہی اور میں بنتِ فرنگ کے الفاظ کی لگائی ہوئی آگ میں اندر ہی اندر سُلگتا رہا۔ ہیروئن، ناجائز اسلحہ اور رشوت۔

ان تینوں میں کون سا زہر زیادہ مہلک تھا؟ ہیروئن جو خریدتا ہے وہی پیتا اور پھر گھُن لگے کی طرح سسک کر مرتا ہے۔ کروڑوں کی آبادی میں ایسے دیوانوں کی تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں تھی۔ اثر بڑھ رہا تھا۔



ہو رہا تھا۔ خفیہ اڈوں اور کمین گاہوں سے نکل کر یہ فسوں خیز مگر ہلاکت آفریں سفوف گلی کوچوں اور گھروں کے آنگن تک اُترتا پھر رہا تھا مگر پھر بھی اس آفت کے ماروں کی تعداد کم تھی اور وہ معاشرے میں قابلِ ملامت تھے۔

اور اسلحہ؟ تو اس کی خریداری ہر ایک کی بساط سے باہر تھی۔ نصف لاکھ کے آس پاس بکنے والی کلاشنکوف دس دس ہزار میں تقریباً سرِعام بک رہی تھی لیکن بہت کم لوگوں کے قبضے میں تھی۔ جو لیتے تھے وہ معاشرے میں چور، ڈاکو، قزاق اور دہشت گرد سمجھے جاتے تھے۔ ملامت اُن کا مقدر بن جاتی تھی۔ قانون اُن کا کھلا دشمن تھا۔ چار بچ نکلتے تو دس مارے جاتے اور بیس جیلوں میں سڑ جاتے تھے اور ان کی تعداد بھی کم تھی۔ آبادی کے ایک فی صد سے بھی بہت کم۔

مگر رشوت۔ اس کے آزار سے تو بس وہی محفوظ تھے جو عہدِ جدید کے انتظامی طور طریقوں سے دوچار ہوئے بغیر، کسی سائنسی سہولت کے بغیر امدادِ باہمی کے اصول پر ویرانوں میں رہ رہے تھے اور ایسے خوش نصیبوں کا شمار نہ ہونے کے برابر تھا۔ جو جدید تمدن سے بہرہ ور ہونے پر مجبور تھے انھیں معیار اور آسائشوں کے حصول کی اندھی دوڑ نے رشوت کے جہنم میں جھونکا ہوا تھا۔ ذلت اور صفات کے صدیوں پرانے شناختی ردیے فراموش کر دیے گئے تھے اور صرف پیسہ ذلت بن کر رہ گیا تھا۔ بڑا گھر، بڑی گاڑیاں اور چند دوسرے لوازمات انسان کو معزز قرار دلوا رہے تھے۔ اس مقابلے میں ہر بوالہوس ابوالہول کے مجسمے کی کھوپڑی پر چڑھنے کی فکر میں سرگرداں تھا تا کہ وہاں سے نیچے ناچتے اور اچھلتے ہوئے ہم نفس بونے نظر آئیں اور بدنصیبی یہ تھی کہ پیسے کو معاشرے کی اکلوتی قدر کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ پیسہ ہر عیب چھپا لیتا تھا۔ یہ دیکھنا لازمی نہیں رہا تھا کہ اس کا منبع کیا ہے۔ ہیروئن کی تجارت اور ناجائز اسلحے کا بیوپار بھی ایک طرح سے رشوت ہی کا مرہونِ منت تھا۔ چھوٹے یا بڑے کسی مرحلے پر کسی اہل کار کی مٹھی گرم کیے بغیر یہ بربادیاں ملک کی ہزاروں میل لمبی شاہراہوں پر سفر نہیں کر سکتی تھیں۔ رشوت اصل خرابی کا سرچشمہ تھی اور جب انسان بُرائی کو بُرائی نہ سمجھے، عیب کو وصف سمجھا جانے لگے تو وہ روند ڈالے جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کے بارے میں خیالات کی یہ رو یک بیک اتنی شدت اختیار کر گئی کہ مجھے خود پر غصہ آنے لگا۔ میں بلاوجہ جمی لائیڈ، اس کی تنظیم اور لائیڈز کاٹیج کے پیچھے اپنا وقت برباد کر رہا تھا۔ اصل جنگ تو رشوت کے خلاف لڑنا چاہیے تھی۔ اس کی بیخ کنی ہوتے ہی بے شمار چھوٹی بڑی خامیوں کا خود بخود صفایا ہو سکتا تھا۔

ویرا کی ہلکی سی چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ "رفتار کم کرو۔ جھٹکے سے نیچے گری تو پہیے میں دب کر رہ جاؤں گی۔"

میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فورک لفٹ کی رفتار کم کر دی۔ کیوں کہ فورک پر کھڑی ہوئی ویرا کے لیے خود کو سنبھالے رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ اپنے معاشرے کے سُدھار کے بارے میں سوچتے ہوئے سارا ذہنی جوش غالباً غیر ارادی طور پر داہنے پاؤں پر منتقل ہوتا رہا تھا اور رفتار خاصی بڑھ گئی تھی۔

پھر سامنے دیوار آ گئی۔ سُرنگ کو مسدود کرنے والی دیوار نے میرے ذہن سے پردہ کھسکا دیا۔ دیوار کے ہٹائے جانے تک میں ویرا سمیت اس سُرنگ کا قیدی تھا جو کچھ دیر بعد خوف ناک بارودی دھماکوں کے ساتھ برباد ہونے والی تھی۔ اسی طرح ہم سب حالات کے قیدی تھے۔ اپنے اپنے گرد رونما ہونے والے واقعات کے حصار میں گھرے ہوئے تھے اور اس سے باہر کچھ کر گزرنا ہر ایک کے بس سے باہر تھا۔ میری زندگی کا بڑا حصہ جرائم کی آبادی میں گزرا تھا اور میرا واسطہ مجرموں کے گروہ سے رہا تھا لیکن کبھی کسی راشی سے میرا واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے میری ساری مہم کا زور ان مجرموں پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر ویرا اپنے ایک لطیف سے طنز کے ذریعے مجھے اپنی سرزمین پر پیسے کے غلط بلکہ مجرمانہ استعمال کا احساس نہ دلاتی تو شاید میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ رشوت ہمارے لیے کس قدر مہیب عفریت کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔

راشی میری نگاہوں سے اوجھل تھے لیکن مجرموں سے میں خوب واقف تھا لہٰذا بہتر یہی تھا کہ میں نئے امکانات کی تلاش میں اپنی توانائیاں برباد کرنے کے بجائے اسی راہ پر لگا رہوں۔

یہ فیصلہ کرتا ہوا میں انجن بند کر کے فورک لفٹ پر سے اُتر آیا۔ ہیڈ لیمپس میں نے روشن چھوڑ دیے تھے کیوں کہ وہاں تاریکی تھی۔

"فورک لفٹ ڈرائیو کرتے ہوئے کیا سوچ رہے تھے؟" ویرا نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔ "مقدّرات پر غور کر رہا تھا کہ یہ کتنے اہم ہوتے ہیں۔"

"مجھے تو شبہ ہے کہ تم کسی نئی چال پر غور کر رہے تھے۔" اس کا لہجہ شکوک سے لبریز تھا۔

"چال کس سے چلوں گا؟" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "عزالہ کو اغوا کر کے تم نے شروع ہی سے میری چال بگاڑ رکھی ہے۔ اس کی بازیابی تک تمہیں میری ذات سے کوئی فکر لاحق

نہیں ہونا چاہیے۔" اسے جواب دے کر میں اس خفیہ میکنیزم کی طرف بڑھ گیا جس کی مدد سے سامنے رکاوٹ بنی ہوئی دیوار کو زمین دوز کیا جاسکتا تھا۔

"گیارہ منٹ گزر چکے ہیں۔" ویرا خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی مگر میں اس پر توجہ دیے بغیر اپنے کام میں مشغول رہا اور آخر کار سامنے والی دیوار اور سرنگ کی چھت کے درمیان پوری چوڑائی میں جھری نمودار ہو گئی جو بتدریج بڑھتی جا رہی تھی پھر اس خلا میں سے تاروں بھرا نیلا آسمان نظر آنے لگا۔

دیوار نیچے دھنستی رہی اور میں ویرا کے ہمراہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس سرنگ میں گھٹن بالکل بھی نہیں تھی لیکن بڑھتی ہوئی جھری میں سے آنے والے تازہ ہوا کے خنک جھونکوں میں کچھ عجیب ہی سا سرور تھا۔

پھر جوں ہی دھنستی ہوئی دیوار ہمارے چہروں کے سامنے سے گزری اچانک وہ ہوا جس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ہماری پوزیشن ایسی خطرناک تھی کہ ہم اپنے عقب سے آنے والی، فورک لفٹ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں باہر جنگل میں چھپے ہوئے کسی بھی دشمن کے لیے سہل ترین نشانے پر تھے۔

گھنے اور تاریک جنگل سے اچانک ایک ٹامی گن چند سیکنڈ کے لیے گنگنائی اور تڑاتڑ گولیاں برس پڑیں۔ غنیمت یہ ہوا کہ فائر کرنے والے کی ٹامی گن کی نال شاید قدرے نیچے جھکی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے گولیوں کی باڑھ دھنستی ہوئی دیوار کی بیرونی سطح پر پڑی اور ہم دونوں بال بال بچ گئے ورنہ گولیوں سے اُدھڑ کر چہرے مسخ ہو گئے ہوتے۔

ویرا کا ردِ عمل مجھ سے مختلف نہیں تھا۔ ٹامی گن کے بیدار ہونے کی پہلی آواز سنتے ہی ہم دونوں دیوار کی اوٹ میں پختہ فرش پر گرے تھے اور لڑھکتے ہوئے فورک لفٹ کی طرف بڑھے تھے۔ میرے اُٹھنے سے قبل ویرا نے فورک لفٹ کے ہیڈ لیمپس کا سوئچ آف کر دیا۔ اس طرح ہم بھی اپنے حریفوں کی طرح تاریکی میں آ گئے تھے۔ فرق بس اتنا تھا کہ دشمن باہر کھلے جنگل میں رُوپوش تھا اور ہم سرنگ کے محدود دہانے سے گزرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دیوار کو حرکت میں لانے والے میکنیزم سے میرے ہاتھ کا دباؤ ختم ہونے کے باوجود دیوار بدستور نیچے جا رہی تھی جب کہ باہر جھونپڑی والے کنٹرول پر میں تجربہ کر چکا تھا کہ میکنیزم سے دباؤ ہٹتے ہی دیوار دوبارہ اوپر اٹھنا شروع ہو جاتی تھی۔

آخری بار ویرا نے اطلاع دی تھی کہ بم کا ٹائمر آن کیے گیارہ منٹ گزر چکے تھے۔ باہر اندھیرے میں نامعلوم مسلح دشمن موجود تھا اور اندر جہنم کی آگ جو کچھ ہی دیر بعد ہر طرف تباہی و بربادی اور موت کی بارودی گھٹائیں پھیلانے والی تھی۔ میرے لیے وہ لمحات بڑے جاں گسل اور اذیت ناک تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ باہر سے گولیاں چلانے والے کون تھے اور ان سے کس صورت سے نمٹا جائے۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں، تنفس کی رفتار بڑھ گئی تھی اور دورانِ خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مار رہا تھا۔ سات اشوروں سے گزرنے کے بعد آزادی کی راہ سرنگ کے دہانے کی صورت میں نظر آئی تو وہاں اندھیرے میں موت منتظر تھی۔

چند ثانیے بھیانک سکوت کے عالم میں گزر گئے۔ دونوں طرف مہیب خاموشی طاری تھی جیسے کسی بڑے طوفان سے پہلے ہر طرف سوگوار سناٹا پھیل جاتا ہے۔ مجھے اپنے اور ویرا کے سانسوں تک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

پھر اُس کی سرگوشیانہ آواز میرے کانوں میں سرسرائی۔ "اب تم خاموش رہنا، میں صورتِ حال کو سنبھالنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

وہ دیکھ بھی نہ سکی ہو گی لیکن میں گھور اندھیرے میں غیر ارادی طور پر اپنا سر اثبات میں ہلا کر رہ گیا۔

ایک بار پھر فضا پر وہی اعصاب کو ریزہ ریزہ کرنے والا سناٹا چھا گیا لیکن وہ زیادہ طویل نہ ہو سکا۔ اس بار ویرا کی سرد اور للکارتی ہوئی آواز پورے آہنگ سے گونجی تھی۔ "ہُو از دیئر؟"

اُس کی آواز میں بلا کا تحکم اور اعتماد تھا۔ لہجے میں نہ جانے کیا خاص بات تھی کہ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ وہی ویرا لائیڈ ہے جو چند منٹ قبل میری بے رحمانہ بحث سے زچ آ کر بے بسی میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"واچ ڈاگز!" باہر سے آنے والی بھاری اور پُرسکون آواز سُن کر میں حیرت سے اچھل پڑا کیوں کہ وہ آواز سرنگ کے کھلے ہوئے دہانے کے بالکل قریب داہنی سمت سے گونجی تھی۔

بولنے والے نے نگہبانی کے کتوں کا اجتماعی صیغہ استعمال کر کے یہ جتا دیا تھا کہ باہر وہ تنہا نہیں تھا پھر وہ لوگ اندھیرے اور جمود کا فائدہ اٹھا کر بے آواز قدموں کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے شاید سرنگ کے دہانے کے دونوں سروں پر اس طرح آ جمے تھے کہ ان کے خودکار بارودی ہتھیاروں سے بچ کر باہر نکلنا ہمارے لیے ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر وہ جارحانہ انداز اختیار کر کے دہانے پر جم کر اندر کی طرف اندھا دھند گولیاں ہی برسانے پر اُتر آتے تو وہاں کھڑے ہوئے بے جان فورک لفٹ کے علاوہ ہمارے لیے کوئی آڑ یا رکاوٹ نہیں تھی اور ہم بہ آسانی زیر کیے جا سکتے تھے۔



"اب تک کہاں مرے ہوئے تھے؟" ویرا کے حلق سے غصے میں ڈوبی ہوئی بے ساختہ غراہٹ سن کر میں دل ہی دل میں اُس کی شاندار صداکاری کا معترف ہو گیا۔ وہ اُن سے یوں مخاطب ہوئی تھی جیسے انھیں اپنا ادنیٰ محکوم سمجھتی ہو اور ان کی آتش بازی سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی ہو۔

"تم کون ہو؟" اس بار باہر سے آنے والی بھاری آواز میں تردد کے آثار واضح تھے۔

"شوگر کوئین سے سوال کرتے ہو؟" اس بار ویرا کی آواز قہر بار ہو گئی تھی۔ "مردار جانوروں کی طرح اپنے فرائض سے منہ موڑ کر جنگل میں کہیں چھپے عیاشی کر رہے تھے اور اب سر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

ویرا کا حربہ کارگر رہا۔ اس بار بولنے والا مرعوب ہو گیا اور جب وہ بولا تو اس کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔ "ہم تھوڑی ہی دیر پہلے ڈیوٹی پر آئے ہیں۔ یہاں نو سے نو دو شفٹوں میں باری باری دو گروپ ڈیوٹی دیتے ہیں۔ آج میرے اور میرے ساتھی کی رات کی ڈیوٹی تھی لیکن قرب و جوار میں بھٹکنے کے باوجود اُن کا سراغ نہیں ملا۔"

معاً مجھے خیال آیا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ دونوں چوکیدار پچھلی رات ڈھلنے کے بعد صبح صادق سے ذرا پہلے میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اگر بارہ بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی کا فلسفہ درست تسلیم کر لیا جاتا تو مزید بارہ گھنٹے گزرنے سے پہلے صبح آنے والوں کو ان کی گمشدگی کا اندازہ ہو جانا چاہیے تھا۔

ویرا نے بھی فوراً یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کیوں کہ اس کی سخت آواز سنائی دی تھی۔ "تم جھوٹے ہو، میں صبح چھ بجے سے یہاں ہوں۔ تمھارے کہنے کے مطابق اُس وقت تمھاری ڈیوٹی ہونا چاہیے تھی، میں تو صبح سے ساتویں بار باہر آنے والی تھی، ہر بار مجھے سناٹا ہی نظر آیا تھا۔"

"ہفتے کو وہ دونوں چوبیس گھنٹے ڈیوٹی دیتے ہیں۔ اتوار کو ہم چوبیس گھنٹے پورے کرتے، آج ہمارا آف تھا، چھٹی گزار کر ڈیوٹی پر آئے ہیں لیکن وہ نہ جانے کہاں غائب ہیں۔" اُس کی آواز تردد آمیز ہو گئی تھی۔ میں نے اندھیرے میں نظریں جما کر محسوس کیا کہ بظاہر ویرا سے مرعوب ہو جانے کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی آڑ میں سے نہیں نکلا تھا۔

"اور اس ویرانے میں تمھیں کون چھوڑ گیا ہے؟" ویرا کی آواز گونجی تھی۔

"ہم سب یہاں تک رسائی کے لیے موٹر بائیک استعمال کرتے ہیں۔"

"لیکن مجھے تو ایسی کوئی سواری بھی یہاں نظر نہیں آئی۔" ویرا کا لہجہ بدستور درشت رہا تھا۔

"جس بائیک سے ہم آئے ہیں، چھٹی کرنے والے اسی پر واپس چلے جاتے، وہ لوٹتے تو بائیک ہمارے استعمال میں آ جاتی، اسے یہاں چھوڑا نہیں جاتا، وہ باری باری ہمارے پاس رہتی ہے۔"

"سامنے آؤ۔" ویرا نے تحکم آمیز لہجے میں کہا اور فوراً ہی فورک لفٹ کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔

مقامیوں کی وضع کے لباس میں ملبوس دو قوی ہیکل افراد کھلے ہوئے دہانے کے اطراف سے نکل کر روشنی میں آ گئے۔ ان کے بشروں کی ساخت سے ہی درندگی ٹپک رہی تھی۔ ان کے کندھوں سے ان کی ٹامی گنیں جھول رہی تھیں۔ شاید وہ پوری طرح ویرا لائیڈ کی آواز کے تحکم کا شکار ہو چکے تھے ورنہ یوں نہتے ہو کر اپنی کمین گاہوں سے سامنے نہ آئے ہوتے۔ مجھے اپنے سر سے ایک بڑا بوجھ سا اُترتا ہوا محسوس ہوا۔

اسی لمحے ویرا بھی اپنی جگہ چھوڑ کر ان کے سامنے روشنی میں چلی گئی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی ان دونوں کے چہروں پر سراسیمگی نظر آئی تھی کیوں کہ ویرا نے میری بے خبری میں اپنے چہرے پر سیاہ نقاب دوبارہ منڈھ لی تھی اور اب وہ سرتاپا سیاہ پوش نظر آ رہی تھی اور اس کے داہنے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ جس کا رُخ ان دونوں کی جانب تھا۔

"م م... میں سمجھا نہیں مادام!" ان میں سے مونچھوں والے نے خوفزدہ لہجے میں ہکلاتے ہوئے زبان کھولی تو اس کی آواز سنتے ہی اندازہ ہو گیا کہ شروع سے وہی بات کرتا رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں ویرا کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر مرکوز تھیں۔

"مجھے تمھاری کہانی پر یقین نہیں آ سکا۔" ویرا نے سرد، تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اندر سے نکلنے والوں پر تمھیں گولی چلانے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"ہم مجبور تھے، ہمیں اجنبی لوگوں کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم ملا ہوا ہے۔" اُس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "پھر بھی ہم نے نشانہ لینے کے بجائے صرف خوف زدہ کرنے کے لیے دیوار کی جڑ میں فائر کیے تھے۔ ان دونوں کی گمشدگی نے ہمیں حواس باختہ کر کے رکھ دیا تھا۔ پیچھے سے روشنی آنے کے باعث ہم صرف اتنا دیکھ سکے تھے کہ دیوار کے پیچھے ایک مرد اور ایک عورت ہے جب کہ ہمارے دونوں ساتھی مرد تھے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مادام اچانک خود ہی یہاں آ موجود ہوں گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمھارا تعلق فورس نائن سے ہے؟" اس

باروِیرا کی آواز پُرخیال تھی۔

"یس مادام! ہنری ہمارا یونٹ کمانڈر ہے، اُسے بُلا کر ہمارے ایک ایک لفظ کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔" اس نے احترام اور مستعدی کے ساتھ جواب دیا۔ "وہ اندر ہی موجود ہوگا۔"

"اندر کوئی نہیں ہے۔" ویرا غصیلے لہجے میں پھر بھڑک اُٹھی۔ "سب نہ جانے کہاں جامرے ہیں۔ صبح سے اب تک بس تم دونوں کی صورتیں نظر آئی ہیں جیسے سب فرار ہوگئے ہوں۔"

مونچھوں والے کے چہرے پر کرب آمیز تشویش کے آثار پھیل گئے۔ "یہ تو بہت بُری خبر ہے... باہر والوں کو بہتیرے خطرات پیش آسکتے ہیں مگر ہنری کہاں گیا؟ اسے تو کسی بھی صورت میں یہاں سے نہیں ہلنا چاہیے تھا۔ ہر رپورٹ اُسی کو دی جاتی ہے اور وہی ہدایات جاری کرتا ہے۔" بولتے بولتے وہ کسی خیال کے تحت چونک پڑا۔ "ایسا تو نہیں کہ کوئی غیر اندر گھسنے میں کامیاب ہوگیا ہو؟"

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ دونوں قابو میں آگئے تھے اور اچانک پیدا ہونے والا مہیب خطرہ ٹل چکا تھا۔ میری دانست میں ویرا کی وہ جرح بالکل بے سود اور وقت کی بربادی کے مترادف تھی۔ وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا اور کسی بھی لمحے دھماکوں کے ہولناک سلسلے کا آغاز ہوسکتا تھا۔

"وقت گزر رہا ہے۔" مجبور ہوکر مَیں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ فوری طور پر کر گزریں۔"

شوگر کوئین سے میرے طرزِ تخاطب پر وہ چونکے ضرور تھے لیکن میری گفتگو کا صحیح مفہوم ان کے پلّے نہیں پڑ سکا تھا نہ ہی وہ یہ دیکھ سکے تھے کہ مَیں فورک لفٹ کے عقب میں فاضل ٹامی گن سنبھال چکا تھا۔ وہ میری موجودگی سے لاعلم نہیں تھے، لیکن اُن کی آنکھوں پر براہِ راست ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی پڑ رہی تھی جبکہ مَیں روشنیوں کے عقب میں تاریکی میں تھا۔

لائیڈز کاٹیج کے تہ خانے میں موجود اسلحے کے انباروں سے مَیں نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بڑے بور کے ایک پستول اور چند دستی بموں کا ہی انتخاب کیا تھا لیکن غیر ارادی طور پر یا شاید چھٹی حس کے لاشعوری اشارے پر ایک ٹامی گن لوڈ کیے ہوئے میگزین سمیت فورک لفٹ میں ڈال لایا تھا اور ارادہ تھا کہ اُسے یوں ہی پڑا ہوا چھوڑ کر ہم دونوں واپس لوٹ جائیں گے لیکن اب اس کے استعمال کا موقع آگیا تھا۔ سامنے کھڑے ہوئے دونوں افراد کے شانوں پر ٹامی گنیں موجود تھیں اور اگر پستول پر انحصار کیا جاتا تو نشانہ درست ہونے کی صورت میں بھی جتنی دیر میں ایک کو موت کے گھاٹ اتار کر دوسرے کا نشانہ لیا جاتا، وہ مدافعت کی حیوانی جبلّت کے زیرِ اثر بھڑک کر کوئی ایسا قدم اٹھا سکتا تھا کہ بنی بنائی صورتِ حال بگڑ سکتی تھی۔

"یہ دونوں گدھے ہیں۔" وہ اُن پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولی۔ "اب اِن کا مسئلہ تم ہی حل کرو۔"

مَیں اپنی جگہ تیار تھا۔ ویرا سے اشارہ ملتے ہی میں نے پوزیشن لی اور مختصر سے برسٹ میں ہی ان دونوں کے بدن چھلنی ہوکر خون کی دھاریں اڑاتے فرش پر ڈھیر ہوگئے۔

گن خاموش ہوگئی لیکن سرنگ میں اس کی بازگشت کئی ثانیوں تک گونجتی رہی۔ ان دونوں پر میرا وار اس قدر کارگر رہا تھا کہ دہشت اور بے یقینی میں ڈوبی ہوئی پہلی چیخ کے بعد ساکت ہونے تک ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

چوبیس گھنٹے سے بھی کم مدت میں میرے ہاتھ سے تنظیم کے نو اہم کارندے موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔ برسوں کی بے خوف زندگی میں مَیں نے کبھی دیکھا یا سُنا تک نہیں تھا کہ کسی فردِ واحد نے کسی بھی جذبے کے تحت مختصر مدت میں اتنے بڑے پیمانے پر خون ریزی کی ہو۔ میرے ہاتھوں فنا ہونے والے سارے ہی افراد بدترین قانون شکن اور پیشہ ور مجرم تھے لیکن تھے وہ سب انسان ہی۔

مجھے یک بیک اپنے اعصاب پر تکان سی چڑھتی محسوس ہونے لگی۔

ویرا نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں میرا ہاتھ تھام کر مجھے سُرنگ کے دہانے کی طرف کھینچتے ہوئے بولی: "جلدی بھاگو، صرف چار منٹ رہ گئے ہیں..."

مَیں مشینی انداز میں اس کے ساتھ ہولیا ورنہ نو انسانی جانوں کا خیال آتے ہی میں بے حد مضمحل ہوگیا تھا اور اس بے تکان خون ریزی کا احساس مجبور کر رہا تھا کہ مَیں خود بھی اسی زیرِ زمین بھول بھلیّوں کے کسی کونے میں بیٹھا رہ جاؤں اور ان نو لاشوں کے ساتھ خود بھی بارودی دھماکوں کے سائے میں زندگی کے بکھیڑوں سے نجات پالوں۔

سُرنگ کے دہانے سے باہر قدم رکھتے ہی پورے بدن کو تازہ اور خنک ہوا کے تھپیڑے لگتے ہی میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں سوتے سوتے یک بیک جاگ پڑا ہوں۔ چند ثانیوں کے لیے طاری ہونے والی اس تنویمی کیفیت میں مَیں خودکشی کا ارادہ کر چکا تھا۔ یہ خیال ہی مجھے لرزا دینے کے لیے کافی تھا۔



اگر ویرا اس بُرے وقت میرے ساتھ نہ ہوتی اور اس نازک موڑ پر نہ جھنجوڑتی تو شاید میں اپنے دل و دماغ پر گرتی ہوئی مایوسی کی اس برف میں دہیں منجمد رہ جاتا اور پھر بارود کے دھماکے مجھے بھی فنا کی وادیوں میں بکھیر دیتے۔

اس وقت مَیں فرار اور دھماکے کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔ ذہن پر بس یہی ایک ملامت سوار تھی کہ میرے ذہن میں خودکشی جیسے شرمناک فعل کا تصور کیوں پیدا ہوا؟ کیا مَیں زندگی بلکہ بہتر زندگی سے بالکل مایوس ہو بیٹھا تھا؟

ویرا نے مجھے تقریباً گھسیٹتے اور خود دوڑتے ہوئے وہ مسافت طے کی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا ہوگیا تھا۔ مجھے بُرا بھلا اور سخت سُست کہتے ہوئے اُس نے بجیرو کی ڈرائیونگ سیٹ پر دھکیلنا چاہا، لیکن میں نے چابی اس کی طرف بڑھا دی۔

"تم ڈرائیو کرو، میں تھک گیا ہوں۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا۔

"پتا نہیں، کیا ہو جاتا ہے تمھیں۔" وہ جھنجھلا کر غصیلے لہجے میں بولی۔ "ابھی اچھے خاصے تھے، اب معلوم ہو رہا ہے کہ نقاہت سے مرے جا رہے ہو۔ تم نے تو اس وقت حاملہ عورتوں کو بھی مات کر دیا ہے۔"

"حاملہ عورتوں پر ایک دو جانوں کا بوجھ ہوتا ہے ویرا! میں نو جانوں کا بوجھ لیے پھر رہا ہوں۔" میں نے بجیرو کی پسنجر سیٹ سنبھال کر کسلمندانہ انداز میں پشتگاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"اوہ! تو مار کر مرے جا رہے ہو!" وہ سیلف لگاتے ہوئے میرا مضحکہ اڑانے کے انداز میں بولی۔ "تم کو تو کسی کلیسا میں ہونا چاہیے تھا فادر ڈینی! تم اس دھول دھپّے میں کہاں آن پھنسے؟"

"بکواس بند کرو، اُلّو کی پٹھی!" میں اچانک ہی آپے سے باہر ہوگیا۔ میری غراتی ہوئی آواز اور پھر طرزِ تخاطب پر وہ ششدر رہ گئی۔ اس نے میری طرف سر گھمایا۔ اس کے چہرے پر بدستور سیاہ غلاف منڈھا ہوا تھا۔ اس لیے میں اُس کے چہرے کے تاثرات تو نہ دیکھ سکا لیکن یہ اندازہ ضرور ہوگیا کہ وہ میرے جواب پر ہکابکا رہ گئی تھی۔

●

پہلا دھماکا بہت موہوم سا تھا، آواز سنائی دی تھی لیکن ارتعاش مفقود تھا۔

ویرا اس جنگل سے نکاسی کے لیے کچی زمین پر گاڑیوں کے ٹائروں کے نشانات دیکھتے ہوئے پوری احتیاط کے ساتھ بجیرو ڈرائیو کر رہی تھی کیوں کہ ان اطراف میں بہتیرے ذیلی راستے بھی نظر آرہے تھے جن پر سے گاڑیاں گزر سکتی تھیں لیکن ان پر کسی قسم کے نمایاں نشانات نہیں تھے، نہ یہ اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ کتنی دور جا کر مسدود ہوگئے ہوں گے۔

میرے وجود پر کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوششوں کے باوجود ذہن پر غنودگی سی چھائی چلی جا رہی تھی۔ اگر ذہن پر خطرناک صورتِ حال کا احساس حاوی نہ ہوتا تو شاید میں نشست سنبھالتے ہی انٹاغفیل ہوگیا ہوتا۔ وجود میں میٹھی میٹھی گدگدیاں ہو رہی تھیں اور ذہن سو جانے پر تُلا ہوا تھا۔

لیکن پہلے دھماکے کی دم توڑتی ہوئی آواز کے ساتھ دوسرا دھماکا بہت بھیانک تھا۔ یوں معلوم ہوا جیسے کسی دیوہیکل عفریت نے بجیرو کو کھلونے کی طرح زمین سے اچھال دیا ہو۔ اگر ویرا اسٹیئرنگ اور بریکوں پر مہارت کا مظاہرہ نہ کرتی تو بجیرو گھنے درختوں سے ٹکرا کر تباہ ہوگئی ہوتی۔

اس کے بعد تو دھماکوں کا تار لگ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس خطۂ ارض پر شدید قسم کا بھونچال آگیا ہو۔

"فادر کچھ دُعا فرمائیے۔ میرے لیے اسٹیئرنگ سنبھالے رکھنا دشوار ہو رہا ہے۔" ویرا کی زہریلی آواز سنتے ہی میرے ذہن پر گرتی ہوئی سرور اور خود فراموشی کی کُہر یک بیک صاف ہوگئی۔

تیس منٹ کی مدت گزر چکی تھی اور لائیڈز کاٹیج کی پُرشکوہ عمارت اور اس کے زیرِ زمین طلسم کدے میں اس شاندار تباہی کا آغاز ہوچکا تھا جس کے خواب مَیں مدت سے دیکھتا چلا آرہا تھا۔ ٹائم بم کامیاب رہا تھا اور لائیڈز کاٹیج کے نیچے پوشیدہ بارود کے ذخائر اپنی پوری تباہ کاریوں سمیت بیدار ہوچکے تھے۔

اس دوران میں ویرا اپنے چہرے سے سیاہ نقاب اتار چکی تھی اور میں گاڑی میں پھیلی ہوئی تاریکی کے باعث گو اس کے چہرے کے تاثرات کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکتا تھا لیکن جابجا سامنے آنے والی رکاوٹوں سے ٹکرا کر لوٹنے والے ہیڈ لیمپس کے ناکافی انعکاس میں بھی یہ دیکھا جاسکتا تھا کہ ویرا کا چہرہ تَنا ہوا تھا اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ مجبوری کے تحت وہ جو کچھ کر گزری تھی اس کے نتائج پر خوش نہیں تھی بلکہ دل ہی دل میں شاید خود کو کوس ہی رہی ہو۔

وہ کون تھی؟

میرا ذہن ایک بار پھر اُس کے ماضی میں اُلجھ گیا۔ وہ ایک معزز خاتون کے بطن سے جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد تھی۔ باپ اُس کی ولادت سے پہلے لاپتا ہوگیا، ماں خانہ برباد ہوگئی لیکن اُس نے

ویرا پر یہ احسان ضرور کیا کہ مرنے سے پہلے ویرا کو اس کے باپ کے نام سے آگاہ کر گئی اور جب ویرا عمر کے اعتبار سے تنہ زور ہوئی تو اُسے سراغ ملا کہ اُس کا باپ جرائم کا ارتکاب کرنے والے ایک ٹولے کا سربراہ ہے یا پھر اس ٹولے کے سربرآوردہ لوگوں میں گنا جاتا ہے۔ اس نے کوشش کی مگر اپنے باپ تک رسائی حاصل نہ کر سکی اور آخر کار مجبور ہو کر اس نے اپنے باپ تک رسائی کے لیے ایک مجرم کے طور پر اپنے باپ کی تنظیم میں گھسنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

ان ہی کوششوں میں وہ اپنے باپ کے بجائے ڈان مرسیانو نامی ایک بے ضمیر شخص سے جا ٹکرائی، جس نے ویرا کے حسن و جمال کو پرکھ کر اُسے نوٹ کمانے والی مشین میں بدل دیا۔

مگر لائیڈز کالج میں ملنے والی جمی لائیڈ کی تصویر دیکھ کر ویرا پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ جمی لائیڈ اور ڈان مرسیانو ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔ جمی کو وہ اپنا باپ سمجھ کر من مندر میں چپکے چپکے پوجتی رہی تھی اور ڈان مرسیانو کو رات کے گناہ پرور اندھیروں میں کمائی ہوئی رقم میں سے حصہ دیتی رہی تھی۔

ویرا مصر تھی کہ ڈان مرسیانو نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا، لاعلمی میں کیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہوگا کہ ویرا اس کی اپنی بیٹی تھی جبکہ میرا خیال اس سے بالکل مختلف تھا۔

جمی لائیڈ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا مگر اپنی کرّوفر کی زندگی کو درپیش خطرات سے پوری طرح واقف تھا۔ لہٰذا اس بے ثباتی کے پیشِ نظر اس نے کبھی شادی جیسی فتنے داری کو قبول نہیں کیا۔ وہ روپ بدل بدل کر معاشرے میں ہر قسم کی سہولتوں اور عزت افزائیوں سے استفادہ کرتا رہا اور اسی روانی میں ویرا کی ماں جمی لائیڈ سے ٹکرا گئی۔ وہ لُٹیرا معزز گھرانے کی اس خاتون کو اس وقت تک پامال کرتا رہا جب تک اس عورت نے اسے اپنے ماں بننے کی نوید نہیں دی۔ وہ خبر سنتے ہی جمی لاپتا ہو گیا اور اس کی ذات میں سہارا تلاش کرنے والی خاتون دربدر ہو گئی۔ اپنے مجازی خدا کی تلاش میں وہ نگر نگر پھرتی رہی پھر ویرا کو اس کی ولدیت سے آگاہ کر کے موت کی سرد اور بے رحم وادیوں میں جا سوئی۔

ویرا اپنے باپ کو تلاش کرتی رہی اور آخر کار اسے پتا چل گیا کہ اس کا باپ زیرِ زمین دنیا کا ایک سربرآوردہ شخص ہے۔ وہ باپ تک نہ پہنچ سکی تو اس کی تنظیم میں گھسنے کی کوششیں کرنے لگی اور اس میں کامیابی کے بعد اپنی دانست میں ڈان مرسیانو سے جا ٹکرائی جبکہ وہ اسی کے باپ کا ایک بدلا ہوا روپ تھا۔

جمی لائیڈ معاشرتی پابندیوں سے آزاد رہ کر سہل زندگی گزار رہا تھا جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی جوان ہو کر اس تک پہنچنے کی جستجو کر رہی ہے تو وہ نام بدل کر ڈان مرسیانو کے روپ میں اس کے سامنے آ گیا۔

وہ ویرا کو بیٹی سمجھ کر اس کی تربیت کر رہا تھا اور ویرا اسے ایک گھٹیا لیکن ہمدرد مجرم سمجھ کر اس کا ساتھ گوارا کر رہی تھی۔

جمی لائیڈ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کی بیٹی ضدی طبیعت کی مالک ہے اور اپنا سب کچھ گنوا کر جب تنظیم میں گھسنے میں کامیاب ہو گئی ہے تو اپنے اسی غیر اخلاقی ایثار کے سہارے پیش رفت بھی جاری رکھے گی اور شاید اسی لمحے اس کے ذہن میں وراثت کا تصوّر ابھر آیا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ جب بیٹی کے خون میں اتنی سرکشی شامل ہے تو کیوں نہ وہ خود اسے اپنے ہاتھوں سے اس طرح تربیت دے کہ اس کی موت کے بعد اس کی ناجائز بیٹی تنظیم پر قابض ہو سکے۔

مگر ویرا ایک لڑکی تھی۔

معاشرہ مغربی ہو یا مشرقی، آبرو کا تصوّر ہر جگہ عورت ہی کی ذات سے وابستہ ہے۔ مرد طے شدہ معاشرتی راستے سے انحراف کرے تو آوارہ، رنگین مزاج اور بے وفا کہلاتا ہے جبکہ یہ سب ہلکے پھلکے سے الزام تصور کیے جاتے ہیں لیکن وہی فعل عورت سے سرزد ہو جائے تو وہ بے آبرو کہلاتی ہے۔ شاید جمی لائیڈ کے نزدیک اس کی بیٹی کا عورت ہونا ہی اس کی سربراہی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا لہٰذا اس نے ڈان مرسیانو کا روپ دھار کر اپنی بیٹی کی تربیت کا بیڑا اٹھا لیا۔

یہ اسی کی تربیت تھی کہ ویرا اب کسی کی رفاقت کو اپنے لیے باعثِ ملامت نہیں سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اپنی بالادستی کو کام میں لاتے ہوئے اگر وہ کسی سے چند لمحوں یا چند دنوں کے لیے قریبی تعلق پیدا کر بیٹھتی ہے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اسی فلسفے کے تحت وہ اپنی ذات پر میرے کسی حق کو تسلیم کیے بغیر میرے ساتھ دوستی استوار کر چکی تھی۔ اس میں اپنے نسوانی وقار کے تحفظ کا احساس فنا ہو چکا تھا اور بس مَردوں کی طرح انا کا یہی ایک احساس باقی رہ گیا تھا کہ حریف کے مقابلے میں ہر قیمت پر بالادستی حاصل کی جائے۔ بالادستی برقرار رکھنے کے اسی اکلوتے جذبے کے باعث وہ کامرانی اور ترقی کی منزلیں طے کرتی ہوئی تنظیم کے ان چند بڑوں کی صف میں شامل ہو چکی تھی جو اپنے فیصلوں کے بارے میں خود مختار تصور کیے جاتے تھے اور شاید ان ہی میں سے کسی کو جمی لائیڈ کا جانشین بننا تھا۔

”اب تنظیم کے بارے میں تمھارے کیا خیالات ہیں؟ ہلکے اور شدید دھماکوں کے تسلسل میں میں نے اس سے سوال کیا۔

جواب میں اس کی زہریلی سی مسکراہٹ کا اندازہ ہوا تھا۔ کیونکہ مدھم انعکاس میں اس کے چہرے کا تفصیلی جائزہ لینا ممکن نہیں رہا تھا۔

”تمھارے ساتھ جو کچھ کر گزری ہوں، اس کے بعد تنظیم سے وفاداری کا ڈھونگ رچائے رکھنا بے سود ہے۔ اب تک جو لگاؤ تھا، وہ یک بیک ختم ہو کر رہ گیا ہے۔“ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

”اور جمی لائیڈ کے بارے میں کیا رائے ہے؟“ میں نے سادگی کے ساتھ پوچھا۔

”مجھے اشتعال دلانے والی باتیں نہ کرو۔“ وہ گمبھیر لہجے میں بولی۔ ”آج تک میں اسے اپنا مغرور باپ سمجھ کر اس کی متلاشی رہی تھی لیکن تم نے میرے اس تصوّر کو بھی مسخ کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔“

”میں نے کوئی کوشش نہیں کی۔ تم بیٹی ہو اس لیے جذبات کی رو میں وہ نتائج اخذ نہ کر سکیں جو میں نے اخذ کر لیے۔ ورنہ میرے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ جمی لائیڈ، ڈان مرسیانو بن کر تمھاری سرپرستی کر چکا ہے۔“

اس نے کمزور لہجے میں بحث چھیڑنا چاہی لیکن میں نے اس بارے میں آہستہ آہستہ وہ تمام باتیں دُہرا دیں جو میں سوچتا رہا تھا اور اس کے لہجے سے اندر کی ٹوٹ پھوٹ ہویدا ہونے لگی۔

”اگر تمھارے قائم کیے ہوئے نظریات درست ثابت ہوئے تو تم دیکھ لینا کہ میرا باپ ہونے کے باوجود وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ ایسی سنگدلی میں کسی بھی قیمت پر معاف نہیں کروں گی۔“

میں خاموش رہا لیکن تھوڑی دیر کے توقف کے بعد وہ خود بات نکال بیٹھی۔ ”آج تم نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔“ میں منتظر رہا کہ وہ اپنی بات وضاحت کے ساتھ مکمل کرے گی لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اتنی بات کہہ کر وہ کسی خیال میں ڈوب گئی ہو۔

”تمھاری بات ادھوری تھی۔“ خاموشی کا وقفہ طویل ہو جانے پر میں نے اسے ٹوکا۔

”ادھوری۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ ”تم میری زندگی میں پہلے مرد ہو جس نے میرے ساتھ بدگوئی کی ہے...“

”کیسی بدگوئی؟“ میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

”تمھاری گالی نے آج میری آنکھیں کھول دی ہیں۔“ وہ افسردہ لہجے میں بولی۔

”وہ کیسے؟“ میں نے خوشگوار حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

”مجھے اچانک ہی احساس ہوا ہے کہ اکیلی رہ کر میں خود ادھوری ہوں۔ مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا سہارا ملے بغیر اپنی اپنی جگہ دونوں ادھورے رہتے ہیں۔ کھلونے بدلے جا سکتے ہیں لیکن زندگی بھر کے لیے کوئی ایک سہارا ضرور ہونا چاہیے۔“

”سہارے کے بعد بھی کھلونوں سے دل بہلاتی رہو گی؟“

”میں موجودہ زندگی کے حوالے سے بات کر رہی تھی اور شاید اب تو میں اپنی ڈگر ہی بدل ڈالوں گی۔“

اسی اثنا میں سڑک نظر آنے لگی اور وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔ ”کیا خیال ہے؟ اس بار لائیڈز کالج کے سامنے ہی سے نہ گزرا جائے۔ پتا تو چلے کہ دھماکوں سے وہاں کیا گزری ہے؟“

”نہیں۔“ میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ ”اسی راستے سے گھوم کر چلو جدھر سے ہم آئے تھے۔ دھماکوں کی آواز دور دور تک سنی گئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں اب تک اژدہام جمع ہو گیا ہو۔“

”اپنی نگاہوں سے اپنی کامیابی کا نظارا تو دیکھ ہی لیں گے۔“ ویرا نے بجیرو کی رفتار سست کرتے ہوئے کسی نوخیز ضدی بچّے کے لہجے میں کہا۔

”کامیابی؟“ میں نے سرد لہجے میں غرّا کر کہا۔ ”یہ بدنصیبی کا مقام ہے مس ڈان مرسیانو...“

”خبردار! جو مجھے اس نام سے مخاطب کیا۔“ وہ میری بات کاٹ کر غصیلے لہجے میں بولی۔

”یہ بدنصیبی ہے ویرا! کہ ہم چند پاپیوں کے ساتھ نہ جانے کتنے بے گناہوں کو بھی ان دھماکوں میں اُڑا بیٹھے ہوں گے۔ میں اسے کامیابی نہیں، اپنی بدترین مجبوری سمجھتا ہوں کہ انھیں بچانے کے لیے ہم کچھ بھی نہ کر سکے۔“

”شاید تمھارے ذہن پر وہ لڑکی سوار ہے۔“ وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ”بے گناہ تو وہ بھی نہیں تھی، لائیڈز کالج کی چار دیواری میں مسلسل سب سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہی تھی۔“

”یوں دوربین لگا کر دیکھو گی تو اپنے گرد و پیش میں بیشتر لوگ قابلِ گردن زنی قرار پائیں گے۔“

اس نے خاموشی کے ساتھ بجیرو لائیڈز کالج سے مخالف سمت میں جانے والی سڑک پر گھما لی۔

گاڑی میں سکوت طاری رہا اور مجھ پر ایک بار پھر وہی کرب آمیز بے چینی طاری ہونے لگی جو ابتدا میں مجھے نقاہت اور کمزوری کا احساس دلا رہی تھی۔

ہم طویل چکر کاٹ کر جب لائیڈز کالج کے عقب میں دور سے گزرنے والی ناہموار سڑک پر پہنچے تو دور ہی سے

اس سمت میں آگ اور دھویں کے کثیف بادل اُمڈتے نظر آئے۔ دھاکوں کا طویل سلسلہ اپنی پوری گھن گرج دکھا کر موقوف ہو چکا تھا۔

گاڑی کے شہری حدود میں داخل ہوتے ہی پجیرو کے ڈیلش بورڈ سے اچانک کسی لاسلکی مواصلاتی رابطے پر ایک بھاری آواز سنائی دی تو میں چونک پڑا۔ پورے سفر کے دوران میں میں نے یہ محسوس ہی نہیں کیا تھا کہ اس گاڑی میں ٹرانسمیٹر ریسیور سیٹ بھی نصب تھا۔

میری اور ویرا کی نگاہیں چار ہوئیں تو وہ مسکرا دی۔

"شاید ہلچل شروع ہو گئی ہے۔"

میں جواب میں کچھ نہ بولا اور ویرا نے ہاتھ بڑھا کر آپریٹس کی آواز بڑھا دی۔

موہوم بڑبڑاہٹ واضح ہوتے ہی میں سنبھل کر بیٹھ گیا کیونکہ دوسری طرف سے کوئی مرد ویرا کے لیے کال کر رہا تھا۔

"لیری کالنگ شوگر کوئین... اوور! لیری ٹو شوگر کوئین... اوور!"

وہ وقفے وقفے سے دہرا رہا تھا اور آپریٹس پر اپنا نام سن کر ویرا کے چہرے پر تفکر کے سائے پھیل گئے تھے۔

"یہ لیری کون ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"خود میرے لیے بھی یہ نیا نام ہے۔" وہ تشویش آمیز لہجے میں بولی۔ "ظاہر ہے تنظیم ہی کا کوئی کارندہ ہوگا۔ آخر اسے اچانک ہی میری تلاش کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"جواب دو، وقفہ طویل ہونے سے شبہات جنم لے سکتے ہیں۔" میں نے اضطراری طور پر کہا۔

"نہیں۔" اس نے اپنے سر کو سختی سے نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "جواب دے کر میں اپنی ذات کو افواہوں کا مرکز نہیں بنا سکتی۔ جواب دے کر میں یہ تسلیم کروں گی کہ کالج کی تباہی کے وقت میں باہر سفر کر رہی تھی۔"

"یہ حقیقت تو ویسے بھی چھپائی نہیں جا سکتی۔" میں نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ پہلے تمھارے ہوٹل سے رجوع کیا گیا ہو۔ کمرہ خالی ہونے کی اطلاع کے بعد شاید یہ بھی چیک کر لیا گیا ہو کہ پجیرو ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں موجود نہیں ہے۔ میری دانست میں خاموشی اختیار کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ تمھیں جواب دینا چاہیے۔"

وہ چند ثانیوں تک تذبذب میں پڑی رہی۔ اس دوران میں طویل وقفے سے اس کے لیے پیغام نشر ہوتا رہا۔ آخر کار اس نے ڈیلش بورڈ کے نیچے ایک خفیہ خانے میں ہاتھ ڈال کر ماؤتھ پیس نکال لیا جو لچکدار تار کے ساتھ آپریٹس کے سرکٹ سے منسلک تھا۔

"شوگر کوئین ریسیونگ لیری.... اوور!" آپریٹس پر دوسری طرف سے سکوت چھاتے ہی ویرا نے ماؤتھ پیس میں لگا ہوا کال بٹن دبا کر اپنی تحکم آمیز آواز میں کہا تو اس کے لہجے میں تفکر یا بے چینی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"ایکس ایل تھری کوڈ ون!" دوسری طرف سے بولنے والے نے شاید اپنا شناختی کوڈ ادا کیا تھا۔ "معاملہ بہت اہم ہے، اپنا کوڈ دُہراؤ۔ اوور۔"

"فالکن فور — اوور!" اس بار ویرا کے لہجے میں ہلکی سی تبدیلی رونما ہوئی جس سے اندازہ ہوا کہ لیری اگر ویرا سے برتر نہیں تو کم از کم اس کا ہم رُتبہ ضرور تھا۔

"نمبر ایک سے بری خبر ملی ہے، کہیں کچھ دھماکے ہوئے گئے تھے۔ بولنے والا اسی قدر بتا پایا تھا کہ رابطہ منقطع ہو گیا۔ کوشش کے باوجود تینوں میں سے کسی فریکوئنسی پر وہاں سے رابطہ پیدا نہیں کیا جا سکا — اوور!"

"کوئی بڑی گڑبڑ ہوئی ہے۔" ویرا کی اداکاری قابلِ رشک تھی۔ وہ آواز سے بہت متفکر نظر آنے لگی تھی۔ "لیکن تمھیں معلوم ہے کہ میں نمبر ایک کے معاملات سے بالکل لاتعلق ہوں، یہ قصہ تمھیں خود ہی سنبھالنا ہوگا — اوور۔"

"مجھے ساڑھے دس بجے ایک سفارت خانے کے ملٹری اتاشی سے ملنا ہے۔ بقیہ چاروں شہر سے باہر ہیں۔ لے دے کر بس تم ہی رہ جاتی ہو۔ میں کافی دیر سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا... اوور۔"

"میں ابھی گاڑی میں سوار ہوئی ہوں۔" ویرا نے خوبصورتی کے ساتھ رابطے میں تاخیر کا جواز پیش کر دیا۔ "میں نمبر ایک کے معاملے میں بالکل اندھیرے میں ہوں، تم مجھ سے کیا چاہ رہے ہو؟ اوور!"

"نمبر ایک کا چارج براہِ راست میرے پاس ہے۔ میں اپنی ذمے داری پر تمھیں صرف اتنا کام سونپ رہا ہوں کہ وہاں کی خیر خبر لو، حالات اور ضرورت کے پیشِ نظر تمھیں ہر فیصلے کی پوری آزادی ہوگی — اوور!"

"وہاں کا کمانڈنگ آفیسر کون ہے اس وقت؟ اوور۔" اُدھر ویرا نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ڈی سوزا ہی ہے... شاید دو تین روز پہلے ہی تم نے بلیو بیل کے کوڈ سے ڈیبی کو اس کے پاس بھیجا تھا — اوور!" اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اپنے معاملات سے پوری طرح باخبر معلوم ہوتا تھا۔

ویرا نے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا اور انگوٹھے سے ماؤتھ پیس کا کال بٹن دبا کر بولی۔ "میں دیکھ لیتی ہوں لیکن پھر بتا رہی ہوں کہ میری مداخلت کی پوری ذمے داری تم پر ہوگی.... اوور!"

"تھینک یو!" آواز تشکر آمیز تھی جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ "تم مجھ سے ساڑھے گیارہ کے بعد رابطہ قائم کر سکتی ہو، میری میٹنگ اگر بہت اہم نہ ہوتی تو میں تمھیں زحمت نہ دیتا — اوور اینڈ آل۔"

ویرا نے گہرا سانس لے کر ماؤتھ پیس خفیہ خانے میں واپس رکھ دیا۔

"کون تھا؟" ویرا کے فارغ ہوتے ہی میں نے سوال کر ڈالا کیونکہ ابتدا میں وہ لیری کے نام سے اپنی لاعلمی ظاہر کر چکی تھی۔ جب کہ بعد کی گفتگو سے ظاہر ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بخوبی واقف تھے۔

"وان ہوف۔" اس نے سڑک پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا۔ "مقامی بڑوں میں سے ایک ہے۔ عملاً سب سے اہم حیثیت کا مالک ہے۔"

"لیکن وہ تو لیری کے نام سے کال کر رہا تھا۔"

"اسے ہر بار نام اور آواز بدلنے کا خبط ہے۔" وہ ناگواری کے ساتھ بولی۔ "تاکہ کوئی پیغام پکڑا بھی جائے تو اس کی ذات بے نقاب نہ ہو سکے۔ اس وقت بھی وہ اصل آواز میں نہیں بول رہا تھا۔ ہم لوگوں کے باہمی رابطے میں ساری اہمیت شناختی کوڈ کی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر میرے فرشتے بھی اسے شناخت نہ کر سکتے۔"

"وہ باقی کن چاروں کی بات کر رہا تھا؟" میں تنظیم کے بارے میں اندر کی باتیں معلوم کرنے کا وہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تمھارے ملک میں یہی پانچوں تنظیم کا سارا کام چلا رہے ہیں۔ ہر ایک کی ذمے داریاں مختلف اور متعین ہیں لیکن کوئی بھی ایک دوسرے کے شعبے سے پوری طرح باخبر نہیں ہے۔"

"ہیروئن کی ساری خرید و فروخت شاید وان ہوف کے ہی ذمے ہو گی؟"

"تم سب ہی کچھ ایک دفعہ میں کیوں جان لینا چاہتے ہو؟" اس نے چڑ کر کہا۔ "کچھ دیر مجھے خاموش رہ کر سوچنے دو کہ اب کیا کرنا چاہیے؟"

"سوچنا کیا ہے؟ مجھے راستے میں کہیں اتار کر واپس چلی جاؤ۔ اچھا ہے کہ اپنا کارنامہ قریب سے دیکھ سکو گی۔ تمھیں تجسس بھی تھا اس بارے میں۔" میں نے اپنے تجسس کا گلا گھونٹتے ہوئے فوراً گفتگو کا رخ موڑ دیا۔

"معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔" وہ متفکر نظر آنے لگی تھی۔ "یہ مجھے گھیرنے کی کوشش بھی ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"وان ہوف بہت کینہ پرور آدمی ہے۔ وہ تنظیم میں نہ جانے کتنوں کو روندتا ہوا اپنے موجودہ مقام تک پہنچا ہے۔ اس کا ریکارڈ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بڑوں کی ٹوہ میں رہا ہے اور ان کی معمولی سی لغزش پر تنظیم کے مفاد کے نام پر سفاکانہ کارروائی کر گزرا ہے اور ایسی ہر کارروائی پر وہ ترقی پاتا رہا ہے۔"

"تو کیا تنظیم کا سربراہ اتنا اندھا ہے کہ مفاد پرستی اور خلوص میں تمیز نہیں کر سکتا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کے نزدیک تنظیم افراد پر فوقیت رکھتی ہے اور وان ہوف کی خوش نصیبی ہے کہ اس نے ہر موقع پر تنظیم کو نقصانات سے بچایا ہے۔ شاید وہ گنتی کے ان چند لوگوں میں سے ہے جو منصب میں بہت نیچے ہونے کے باوجود براہِ راست سربراہ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔"

"لیکن اسے تم سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے؟"

"سامنے کی بات ہے۔ میں جمی لائیڈ کی بیٹی ہونے کا دعویٰ کرتی رہی ہوں اور شاید سب ہی میرے اور اس کے ناجائز رشتے پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ تنظیم میں مجھے بہت تیزی کے ساتھ ترقی ملی ہے۔ لوگ ذہنی طور پر یہ بات قبول کرتے جا رہے ہیں کہ جمی لائیڈ کی جانشین میں ہی قرار پاؤں گی۔ اگر میں راہ سے ہٹا دی جاتی ہوں تو وان ہوف کا راستہ صاف ہو جائے گا۔"

"لیکن وہ تمھیں گھیرنے کی جرأت کیسے کر سکے گا؟" میرے لیے ویرا کے شبہات قابلِ قبول نہیں تھے۔

"جرأت نہیں، سازش کہو سازش۔" وہ بولی۔ "اب ذرا غور کرو کہ لائیڈز کالج تباہ ہو چکا ہے، وہاں شاید ہی کوئی ذی روح زندہ بچ سکا ہو۔ وہ علاقہ میرے لیے ممنوعہ تھا لیکن وان ہوف مجھے بہلا پھسلا کر وہاں بھیجنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہیں اس کا کوئی بااعتماد ساتھی یا وہ خود کسی طرح مجھے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ اس طرح ایک بہت موثر اور سیدھی سادی کہانی بن جاتی ہے کہ میں نے لائیڈز کالج کو تباہ کر ڈالا لیکن واردات کے بعد جائے حادثہ سے فرار ہوتے ہوئے کسی بچ جانے والے کی انتقامی کارروائی کا نشانہ بن گئی۔"

"پہلی بات تو یہ کہ تم لائیڈز کالج کے جملہ مکینوں کی موت کے بارے میں اس قدر پُریقین کیوں ہو؟" میں

نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ عمارت کو لاحق اصل خطرے سے تم ابھی تک لاعلم ہو۔" اس نے انکشاف کیا "کسی بُری گھڑی پر ہر ثبوت تلف کر دینے کے خیال سے لائیڈز کالج کی وسیع تعمیرات میں خفیہ ڈائنا مائٹ کا ایک طاقت ور جال بچھا ہوا ہے جو ایک مرکزی سوئچ سے ملحق ہے اور اشارہ کرتے ہی وہاں سب کچھ تہس نہس ہو سکتا ہے کسی کو علم نہیں کہ وہ سوئچ کہاں ہے یہ راز صرف وان ہوف کو معلوم ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ خفیہ تہ خانوں میں ہونے والے بدترین دھماکوں کے نتیجے میں ڈائنا مائٹ سرکٹ کے تار کہیں نہ کہیں شارٹ ہو گئے ہوں گے اور لائیڈز کالج کے چپے چپے پر تباہی پھیل گئی ہو گی۔"

"اوہ!" میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ ویرا ہر لمحہ مجھے ایک نئی حیرت سے دوچار کر رہی تھی کیوں کہ تنظیم کے بارے میں اس کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ "یہ بات تم نے اب تک مجھ سے چھپائے رکھی تھی؟" میں نے اس سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"تمھارے لیے اس سے کیا فرق پڑتا؟" وہ بولی "تم تو خود حالات کو ایک ایسے موڑ پر لے آئے تھے کہ میں خود ان پُرشکوہ تعمیرات کو کھنڈر کر دینے پر مجبور ہو گئی تھی۔"

"دوسری بات یہ کہ دھماکے اور تم پر قاتلانہ حملے کے درمیان طویل وقفے کا جواز کیا ہو گا؟"

"اتنی بڑی بربادی میں شاید کسی کو اس معمولی نکتے کا خیال بھی نہ آتا۔ پھر فرار تو واردات کے بعد کسی بھی وقت ہوا جا سکتا تھا کلیدی نکتہ یہ ہو گا کہ میری لاش وہیں سے برآمد ہو۔"

"یہ سب جانتے بوجھتے بھی تم اس سے اقرار کر بیٹھیں؟"

"یہی تو اُس کا کمال ہے کہ اُس نے ذمّے داری مجھ ہی پر ڈال دی۔ ان نازک لمحات میں اُس کی بات ٹھکرا کر میں ساری ذمّے داری اپنے سر لے لیتی۔"

"یہ گفتگو تم دونوں تک ہی تو محدود نہیں رہی ہو گی۔ ہر اس شخص نے سُنی ہو گی جس کے پاس اس فری کوئنسی پر کام کرنے والا آپریٹس ہو گا۔"

"ہمارا مواصلاتی نظام بہت مستحکم ہے۔ یہ ٹرانسمیٹر صرف پانچ بڑوں کے پاس ہیں یا چھٹا اس وی آئی پی جیپ میں نصب ہے جو ان پانچوں کے علاوہ صرف میرے استعمال میں آتی ہے ورنہ مقفّل رہتی ہے۔"

"وان ہوف کے بقول چار بڑے شہر سے باہر ہیں۔ لہٰذا اس گفتگو کا کوئی گواہ نہیں ہو گا لہٰذا تم بہ آسانی اسے کورا جواب دے سکتی تھیں۔"

"کاش میں ایسا کر سکتی۔" وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولی "یہ سب تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ وان ہوف سے ناواقف ہو، وہ اپنی نسل کا اکلوتا شاہکار ہے۔ اگر وہ واقعی بدنیّتی پر تُلا ہوا ہے تو اُس نے پوری گفتگو ریکارڈ کی ہو گی۔ میرے انکار یا اقرار کے باوجود ادھر نہ جانے کی صورت میں ریکارڈ کو میرے خلاف استعمال کرے گا۔ اور اگر میں اُس کی سازش کا شکار ہو گئی تو وہ خاموشی کے ساتھ ریکارڈ تلف کر دے گا۔ کسی کو بھنک بھی نہ مل سکے گی کہ میں اُسی کے ایما پر لائیڈز کالج کی طرف گئی تھی۔"

"بہت خبیث ہے وہ۔ پھر اب تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں اُسے مایوس نہیں کروں گی۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔

"یعنی لائیڈز کالج کی طرف جاؤ گی؟"

"ہاں میں جانتی ہوں کہ اب میں وہاں کچھ بھی نہ کر سکوں گی، لیکن اس سے گفتگو کرنے سے پہلے جائے واردات کا بچشمِ خود مشاہدہ کرنا ضروری ہے تاکہ اُسے مطمئن کر سکوں۔ وہ یا اس کے آدمی وہاں یقیناً گھات میں بیٹھے ہوں گے مگر میں جیپ تمھارے پاس چھوڑ کر ٹیکسی سے جاؤں گی، انھیں میری ہوا بھی نہ لگ سکے گی۔"

"مگر میں تمھارے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔"

"میں ہرگز نہ لے جاؤں گی، تمھارا سایہ بھی وہاں دیکھ لیا گیا تو میرے اوپر آفت آ جائے گی۔ بہتر یہی ہو گا کہ واپسی پر جیپ میرے حوالے کر کے تم روپوش ہو جاؤ تاکہ تمھارے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ تم بھی لائیڈز کالج کے حادثے کا شکار ہو گئے ہو۔"

اس کی ہر بات مدلّل اور منطقی تھی، وہ اپنے لوگوں کو اچھی طرح جانتی تھی اس لیے میں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس پر بے چون و چرا عمل کیا جائے ورنہ اس کے ساتھ تو جو ہوتی سو ہوتی، میرے ستارے بھی گردش میں آ سکتے تھے۔

ایک گھنٹے بعد اس کی واپسی کے انتظار میں مینارِ پاکستان کے قریب انتظار کا پروگرام طے ہو جانے کے بعد لوئر مال روڈ پر اس نے جیپ ایک طرف روک کر ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ دی اور میں نے اسے الوداع کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس نے سارے امکانی خطرات سے واقف ہونے کے باوجود جس حوصلے اور بے خوفی کے ساتھ لائیڈز کالج کی طرف جانے کا فیصلہ کیا تھا، اس کی بنا پر میرے دل میں پہلی بار اس دلیر لڑکی کے لیے عزت کا احساس جاگ اٹھا تھا۔

حالات مخدوش تھے اور میرے ذہن میں ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ کہیں جیپ پہچان نہ لی جائے کیونکہ ان دنوں لاہور میں وہ بیش قیمت گاڑی شاذ و نادر ہی نظر آتی تھی۔ لہٰذا میں شہر میں آوارہ گردی کرنے کے بجائے براہِ راست مینارِ پاکستان کی طرف ہی روانہ ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنا وقت وہاں بے خطر ہو کر گزار سکوں گا۔



تنظیم سے بغاوت کی راہ اختیار کرتے ہوئے میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں تنِ تنہا مجرموں کی کسی عالمی تنظیم سے بھڑنے کا خطرہ مول لے رہا ہوں۔ بظاہر بس اتنی سی بات نظر آئی تھی کہ اے ٹو کو موت کے گھاٹ اتار کر ہیروئن کی تجارت کرنے والوں کے اس مکروہ ٹولے کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

پھر پیش قدمی کے ساتھ نت نئے بھید کھلتے چلے گئے۔ جس مہم کے جلد ہی سمٹ جانے کی اُمید تھی اس کی ابتدا ہی ایسی پُرپیچ ہوئی کہ ایک گتھی سُلجھنے سے پہلے چار نئے مسئلے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ کراچی میں جیوا ہاؤز کی تباہی کے بعد تنظیم کے کئی اہم مہرے میرے ہاتھوں مارے گئے، حتیٰ کہ اے ٹو بھی میری نظروں کے سامنے ویرا کی سزا کا شکار ہو کر فنا ہو گیا لیکن تنظیم کی جڑیں بدستور پھل پھول رہی تھیں۔

حالات نے کچھ ایسے بے تکے انداز میں پھیلاؤ اختیار کیا تھا کہ ایک طرف غزالہ ویرا لائیڈ کی اسیر ہو کر سمندر پار پہنچا دی گئی تھی، دوسری طرف سلطان شاہ کراچی میں بھٹک رہا تھا۔ لاہور کی صورتِ حال یہ تھی کہ لائیڈز کالج کی مکمل بربادی کے باوجود یہ باور کرنا مشکل نظر آ رہا تھا کہ ساری خرابیوں کا سدِّباب ہو چکا تھا۔

سلطان شاہ کا خیال آتے ہی مجھے وہ فرصت غنیمت معلوم ہوئی اور میں وہاں سے کسی پبلک کال آفس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ گو مجھے کراچی سے لاہور آئے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے لیکن تیزی سے پیش آتے ہوئے واقعات کی رو میں بہتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کراچی سے رابطہ ٹوٹے ایک مدت بیت گئی ہو۔

فون پر رابطہ قائم ہوتے ہی میرے کانوں میں غزالہ کے باپ کی شکستہ اور کمزور سی آواز آئی تھی۔ پھر میری آواز پہچان کر تو کرنل کے ضبط کے سارے ہی بندھن ٹوٹ گئے اور میں کسی مجرم کی طرح خاموشی کے ساتھ ریسیور کان سے لگائے کرنل کی رُندھی ہوئی آواز میں غزالہ کے بارے میں بہت کچھ سنتا رہا۔ وہ ایک جوان بیٹی کا بوڑھا باپ تھا۔ بیوی کوکین کے ایڈکشن میں مبتلا تھی جوان بیٹا مدتوں سے فاترالعقل رہنے کے بعد اکبر کی علاج گاہ میں بتدریج صحت یاب ہو رہا تھا لہٰذا غزالہ کی اچانک گمشدگی پر کرنل کا کرب میرے لیے قابلِ فہم تھا۔

کرنل کے اردگرد کوئی بھی تو ایسا نہیں تھا جس سے وہ بے چارہ دل کی بھڑاس نکالتا لہٰذا میں نے اسے درمیان میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا جب اس کے سارے گلے شکوے پورے ہو گئے تو میں نے اسے بتایا کہ غزالہ بدستور کسی کی قیدی تھی لیکن اس کے ساتھ پوری طرح عزت و احترام کا سلوک کیا جا رہا تھا۔ ہمت کرنے کے باوجود میں اسے یہ نہ بتا سکا کہ اس کی چہیتی بیٹی اس سے ہزاروں میل دور انگلستان کی سرزمین پر پہنچائی جا چکی تھی۔ کرنل کی جذباتی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ یہ خبر ہرگز برداشت نہ کر سکے گا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے بیٹے! لیکن یہ تو بتاؤ کہ غزالہ ہمیں کب نظر آئے گی؟ ہماری بیٹی ہمیں کب ملے گی؟ اب تو اس کے انتظار میں آنکھیں بھی پتھرانے لگی ہیں۔" وہ دردناک آواز میں فون پر گڑگڑا رہا تھا۔

"آپ صبر و سکون سے کام لیں کرنل۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا "میری پوری کوشش ہے کہ وہ جلد از جلد آپ سے آملے، اس کی تلاش کے بارے میں سلطان شاہ کو کچھ کام بتا کر آیا تھا، پتا نہیں اُسے کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے؟" میں نے لطیف پیرائے میں گفتگو کا رُخ سلطان شاہ کی ذات کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

"تلاش؟" میری بات پوری ہوتے ہی ریسیور پر کرنل کی زہرہ گداز چیخ ابھری تھی "تو ابھی تک اس کی تلاش ہی جاری ہے؟ وہ کیسے اور کہاں سے ملے گی میرے بچّے؟ میں تو درد درد کر اندھا ہو جاؤں گا۔"

"سب کچھ معلوم ہے۔" میں نے صبر سے کام لیتے ہوئے کہا "یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ایک عورت کی قید میں ہے لیکن وہ چند شرائط پوری ہوئے بغیر اسے رہا نہ کرنے پر اڑی ہوئی ہے، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ غزالہ کو کہاں رکھا گیا ہے تو ہم اس عورت کی مرضی کی پروا کیے بغیر غزالہ کو رہا کرا سکتے ہیں۔"

"پوری کر دو، اس عورت کی ہر شرط پوری کر دو، پیسے کی کمی ہے تو مجھے بتاؤ میں اپنا سب کچھ بیچ دوں گا، اپنے آپ کو نیلام کر دوں گا مگر مجھے میری غزالہ واپس لا دو!"

کرنل کی وہ کیفیت ہر اعتبار سے قابلِ فہم تھی اور جذباتی اعتبار سے قابلِ قبول بھی لیکن نیلام کے بارے میں کہی ہوئی اس کی بات میری طبیعت پر بہت گراں گزری میں نے دل میں سوچا کہ یہ نوبت آ بھی گئی تو کوئی بڈھے کو دو روپے کلو کے حساب سے بھی نہیں خریدے گا مگر میں نے اس موضوع کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "میں ذرا سلطان شاہ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے کیا کیا ہے؟"

"ابھی بلاتا ہوں۔" کرنل کی رُندھی ہوئی آواز ابھری "وہی تو ایک بے چارہ میرا مونس و غم خوار رہ گیا ہے، میرے ساتھ بیٹھا آٹھ آٹھ آنسو روتا رہتا ہے ورنہ میں تو شاید گھٹ کر پاگل

ہوگیا ہوتا۔"

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ریسیور پر سلطان شاہ کی مسرت سے مغلوب آواز سنائی دی تھی۔

"اپنے لہجے کو لگام دو سلطان شاہ! بڈھا شاید تمہارے قریب ہی موجود ہوگا۔"

"ابھی وہ اندر گیا ہے۔ خدا کے لیے اس کے واسطے کچھ کرو ورنہ یہ مجھے پاگل کردے گا۔ دن بھر میں بیسیوں مرتبہ گلے مل مل کر روتا ہے۔ آج سے تو عورتوں کی طرح بین بھی کرنے لگا ہے۔"

اسی وقت کاؤنٹر پر کچھ اور لوگ بھی آکھڑے ہوئے لہٰذا میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔ "تمہارا کیا رہا؟ بغیر رکے بولتے جاؤ، میں پبلک کال آفس سے بات کر رہا ہوں۔"

وہ فوراً ہی میری بات سمجھ گیا۔ "ہر طرف ناکامی ہوئی ہے، بھابی کا پورے شہر میں کہیں سراغ نہیں مل سکا شوگر کوئین بھی... کل سے اچانک غائب ہے۔ تمہارے جاتے ہی یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے لیے یاہو کا ہر کام ختم ہوگیا ہو۔ کل کسی نے رخشی کو بڑی بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا۔ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بھوکے درندے نے اپنے دانتوں سے اس کا بدن بھنبوڑا ہو۔"

رخشی کے بارے میں وہ اطلاع میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ ذاتی معاملات میں وہ دوسروں کو ذہنی ایذا پہنچا کر سکون محسوس کرنے والوں میں سے تھی۔ مختلف مردوں میں اپنے بارے میں آتشِ شوق بھڑکا کر ہارنے والوں کے احساسِ بے بسی اور جھلاہٹ سے لطف اندوز ہونے کی عادی تھی۔ اگر اسے کسی ایسے ہی شخص نے مار ڈالا تھا تو مجھے کوئی حیرت نہیں تھی۔

"تم فوری طور پر ایک لمبے سفر کی تیاری شروع کردو۔ میں کسی بھی وقت تمہارے پاس پہنچ سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، وقت ہو تو سلمیٰ کو بھی فون کرلینا، وہ ہر روز تمہارے بارے میں دماغ چاٹتی رہتی ہے۔"

میرے بعد آنے والے میری طول پکڑتی ہوئی گفتگو سے نالاں نظر آرہے تھے لہٰذا میں نے فوری طور پر گفتگو ختم کرکے سلسلہ منقطع کیا اور رقم ادا کرکے باہر آگیا۔

●

ویرا مقررہ وقت پر واپس لوٹ آئی۔ اس کے چہرے سے تکان کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے سوار ہوتے ہی انجن اسٹارٹ کرکے ہجیرو آگے بڑھادی۔

"سب کچھ کھنڈر ہوکر رہ گیا۔" وہ قدرے افسردہ لہجے میں بولی۔ "وہاں ہزاروں تماشائیوں کا اژدہام ہوگیا ہے۔ پولیس اور امدادی عملے کی بھی کثرت ہے، دھماکوں کی شدت کے بعد دور دور تک نظر آنے والے شعلوں نے ہر ایک کو ادھر متوجہ کرلیا ہے۔"

"وہ قلعہ نما فصیل اور دیوہیکل مشینی پھاٹک؟" میں نے سوال کیا۔

"سب تباہ ہوگیا، کھنڈرات سے جا بجا ملبے میں دبے ہوئے لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی ہے، وہاں قیامت کا سماں ہے۔ وہ وسیع رقبہ کسی میدانِ جنگ کا سا سماں پیش کر رہا ہے۔"

"تمہارا کسی سے ٹکراؤ تو نہیں ہوا؟" میں نے عقب نما آئینے کا زاویہ درست کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔ لیکن میں نے ایک گاڑی پہچان لی۔ سرخ رنگ کی وہ کار، وان ہوف کے ایک مقامی دستِ راست ناصر کی ملکیت ہے۔ کار شہر سے لائیڈز کالج جانے والے راستے پر اندھیرے میں کھڑی ہوئی تھی، اندر کوئی موجود بھی تھا لیکن تاریکی کے باعث میں اسے پہچان نہ سکی۔"

"تو کیا گاڑی بہت دور کھڑی ہوئی تھی؟"

"نہیں۔ ملبے کے قریب ہی تھی۔" وہ میرے سوال کا مقصد بھانپتے ہوئے بولی۔ "لیکن شعلوں کی روشنی کیفیت دھوئیں کی وجہ سے دب کر رہ گئی ہے ورنہ شناخت کے لیے وہی انعکاس کافی ہوتا۔"

"اسے اپنے پیچھے تو نہیں لگا لائی ہو؟" میں نے عقب نما آئینے میں اپنے پیچھے آنے والی ایک کار کے ہیڈ لیمپس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ کہا۔ "کیا کوئی پیچھے آرہا ہے؟"

"شبہ ہو رہا ہے، ابھی دیکھے لیتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ناممکن!" وہ بڑبڑائی۔ "وہ میری جھلک بھی نہ دیکھ پایا ہوگا۔"

میں نے فوراً ہی گاڑی مختلف گلیوں اور سڑکوں پر گھمانا شروع کردی مگر وہ روشنیاں مسلسل پیچھے لگی رہیں اور آخر کار میں پھر ایک سیدھی سڑک پر نکل آیا۔ اس گھماؤ پھراؤ میں میں یہ دیکھ لینے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ اس کار کا رنگ سفید تھا۔

"میں راستے بھر پیچھے کا جائزہ لیتی ہوئی آئی تھی۔" وہ بولی۔ "سڑک دور دور تک صاف پڑی ہوئی تھی، پھر یہ کہاں سے ہمارے پیچھے لگ گیا۔ اس گاڑی کا رنگ بھی سفید ہے جبکہ ناصر کی کار سرخ رنگ کی تھی۔"

"ہوسکتا ہے کہ یہ مینارِ پاکستان سے پیچھے لگا ہو۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔ "وان ہوف اگر اسی قدر بدطینت آدمی ہے تو وہ ہجیرو کی تلاش میں بھی اپنے آدمی چھوڑ سکتا ہے۔ اب تم اپنا پستول سنبھال لو، اس کا وار کارگر ہونے سے پہلے ہمیں اس کو گھیرنا ہوگا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ وہ بھی نہتا نہ ہوگا۔"

میں اپنے ذہن میں حکمتِ عملی مرتب کرتے ہوئے ویران سڑک پر ہجیرو ڈرائیو کرتا رہا پھر ایک چوراہا آتے ہی میں نے بائیں طرف مڑنے کا سگنل روشن کرتے ہوئے رفتار سست کرلی۔ تعاقب کرنے والی کار کی رفتار بھی دھیمی ہوئی لیکن اس اثنا میں دونوں کا درمیانی فاصلہ کم ہوچکا تھا۔ اس نے اپنی کار کا انڈیکیٹر روشن نہیں کیا تھا۔

آخری لمحے پر میں نے بائیں طرف مڑنے کے بجائے بہت تیزی کے ساتھ یوٹرن لیا تھا اور سفید کار کو نشانہ بنا کر ہجیرو اس کی طرف بڑھاتا لے گیا تھا۔ میری اس حرکت پر سفید کار پہلے بالکل رکی تھی لیکن ہجیرو کو موت کی طرح اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کار والے نے ریک بیک اتنی تیزی کے ساتھ گاڑی آگے بڑھائی تھی کہ اس کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے تھے۔

جوں ہی وہ کار زد میں آئی، ویرا نے پھرتی کے ساتھ ہاتھ باہر نکال کر گولی چلادی اور اگلی کار اچھلنے لگی۔

اسی اثنا میں میں دوسرا یوٹرن لے کر سفید کار کے پیچھے ہولیا تھا۔ یہ یقین ہوچکا تھا کہ اس کار میں صرف ایک ہی آدمی موجود تھا۔

"اس کا اگلا ٹائر پھٹا ہے، وہ زیادہ دیر تک اسٹیئرنگ نہ سنبھال سکے گا۔" ویرا نے مجھے آگاہ کیا۔

صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہی سفید کار والے نے بریک لگائے پھر اپنی کار کے پوری طرح رکنے کا انتظار کیے بغیر رینگتی ہوئی کار سے سڑک پر کود گیا۔

میں نے ہجیرو سفید کار کے داہنی جانب سے آگے نکالنا چاہی لیکن اسٹیئرنگ پر گرفت ختم ہونے اور داہنی طرف کا اگلا ٹائر پھٹا ہوا ہونے کے باعث رینگتی ہوئی کار رکتے رکتے پوری طرح اسی سمت میں گھوم کر عین سڑک کے وسط میں آکر ہجیرو کی راہ میں حائل ہوگئی تھی اور اس میں سے اترنے والا داہنی سمت کی ڈھلوان میں کسی چھلاوے کی طرح پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔

راہ مسدود پاکر ویرا میرے روکتے روکتے بھی پستول سمیت نیچے اتر گئی اور بھاگنے والے کو للکارتے ہوئے اس کے تعاقب میں ہولی۔

مجھے اندازہ تھا کہ بھاگنے والا غیر مسلح نہ ہوگا۔ اگر وہ بھاگتے بھاگتے ویرا کو تنہا دیکھ کر پلٹ پڑتا تو اسے اپنے اسلحہ سے زخمی بھی کرسکتا تھا۔ لہٰذا میں نے ہجیرو موڑ کر کچے میں اتار دی اور پلک جھپکتے میں ویرا سے آگے نکل گیا۔

اپنے پیچھے انجن کی طاقت ور غراہٹ سن کر بھاگنے والے کو موت سر پر منڈلاتی ہوئی نظر آنے لگی اور اس نے لحظہ بھر کے لیے رک کر اندھا دھند ہجیرو پر دو فائر جھونک مارے جو اس کی بوکھلاہٹ کے سبب فضا میں تیر گئے۔ اس ناکامی کے بعد اس نے کوئی چارہ نہ دیکھ کر ایک قریبی گڑھے میں چھلانگ لگادی۔

میں ہجیرو روک کر نیچے اترا لیکن آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرسکا۔ اندھیرے گڑھے سے وہ بآسانی مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ اسی اثنا میں ویرا بھی میرے پاس آپہنچی۔

"دونوں ہاتھ اٹھا کر گڑھے سے باہر آجاؤ ورنہ ہم جیپ اندر دھکیل دیں گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا لیکن وہ جواب دیے بغیر خاموشی کے ساتھ اپنی کمین گاہ میں دبکا رہا۔

ویرا نے کئی بڑے پتھر اٹھا کر ایک ساتھ گڑھے میں اچھال دیے جواب میں اس کی غراہٹ نما چیخ سنائی دی تھی۔ شاید وہ کسی پتھر کی زد میں آگیا تھا۔ "اسے یوں ہی سنگسار کیے دیتے ہیں۔" ویرا نے اسے سنانے کے لیے اونچی آواز میں یہ کہتے ہوئے دوبارہ کچھ پتھر پھینکے اور اس بار گڑھے کا قیدی بلبلا اٹھا۔

"ٹھٹ... ٹھہرو۔" وہ بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔ "اگر تم جان بخشی کا وعدہ کرو تو میں باہر آجاتا ہوں۔"

"کوئی وعدہ نہیں کریں گے۔" ویرا غرائی۔ "آنا ہے تو آؤ ورنہ سنگباری میں اب ہم بڑے پتھر استعمال کریں گے۔"

تیسری بار میں نے بھی ویرا کا ساتھ دیا تھا۔ اس مرتبہ اس کی چیخیں بہت کربہہ تھیں اور وہ واویلا مچاتا ہوا باہر آنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اس کی کسی امکانی شرارت کے خطرے کے پیشِ نظر ہم دونوں گاڑی کی اوٹ میں ہوگئے تھے۔ وہ باہر آیا پھر جتنی دیر میں ہم تاروں کی چھاؤں میں گاڑی کی آڑ سے نکل کر سامنے آتے اس نے میدان صاف پاکر ایک بار پھر دوڑ لگادی لیکن اس بار وہ اپنی سخت جانی کے باوجود زیادہ دور نکلنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میں نے فوراً ہی دو تین جستوں میں اسے پیچھے سے جالیا۔

اس نے فوراً ہی وحشیانہ انداز میں مجھ سے الجھ جانا چاہا

تھا لیکن میں نے ... تی کے ساتھ شروع ہی سے اسے گھٹنوں اور ... لیا۔ اسی جدوجہد میں اس کے ہاتھ سے ریوالور بھی ... لیا تھا۔ آخر کار اس نے ہانپتے ہوئے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ سڑک کے درمیان آڑی ہو کر کھڑی ہوئی اس کی کار کی وجہ سے ہمارا زیادہ دیر تک وہاں ٹھہرنا سودمند نہیں تھا۔ ویران سڑک پر کوئی بھی سواری آنکلتی تو راستہ مسدود دیکھ کر کھلے میدان میں کھڑی ہوئی ہماری گاڑی کی طرف متوجہ ہونا لازمی امر تھا لہٰذا ہم دونوں نے اس کی تلاشی لے کر اسے پجیرو کی پچھلی نشست پر ڈال لیا۔ میں اس کے پاس برابر میں بیٹھا تھا اور اس بار ڈرائیونگ سیٹ ویرا نے سنبھالی تھی۔

"ذرا بھی چوں چرا کی تو یہیں گولی مار دوں گا۔" میں نے اپنے پستول کی نال اس کی پسلیوں میں اڑاتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں یہ دیکھ چکا تھا کہ سنگباری اور مار دھاڑ کی وجہ سے وہ خاصا زخمی ہو چکا تھا۔

"تت.... تم لوگ مجھ سے سراسر زیادتی کر رہے ہو۔" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

"ہمارا پیچھا کیوں کر رہے تھے؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے شہر میں اس نمبر کی گاڑی کا سراغ لگا کر اس پر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہدایت دینے والا کون تھا؟" میں نے اس کی پسلیوں میں پستول کی نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"نن.... ناصر!" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "گاڑی مل جانے کے بعد مجھے پہلی فرصت میں اسے مطلع کرنا تھا۔"

"تلاش کا حکم کب ملا تھا؟"

"زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی بات ہے، مینار کے پاس گاڑی دیکھتے ہی میں وہیں رک گیا تھا۔"

"اسے اطلاع دینے کا ذریعہ کیا ہوتا؟"

"فون۔" وہ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولا۔ "اس نے مجھے دو نمبر دیئے تھے۔ پہلا خود اس کا تھا۔ وہ نہ ملتا تو دوسرا نمبر ڈائل کر کے جو بھی ملتا اسی کو اطلاع دے کر اگلی ہدایات لینا تھیں۔"

میری ہدایت پر اس نے اپنی جیبیں ٹٹول کر کاغذ کا ایک پرزہ میری طرف بڑھا دیا جس پر دونوں فون نمبر درج تھے۔ مجھے یقین تھا کہ دوسرا نمبر وان ہوف کا ہو گا۔

وہ ہمارے لیے بالکل غیر اہم اور ناکارہ آدمی تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ ناصر نے اس کی خدمات معاوضے پر حاصل کی ہوں۔ ایسی صورت میں میں اس کا خون بہانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے موت کا خوف دلا کر جب میں نے اعصابی طور پر بری طرح مفلوج کر دیا تو پھر ہم نے اسے راستے میں اتارنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اس دوران میں وہ اپنی جان بخشی کے عوض ہمارا ہر مطالبہ تسلیم کرنے پر آمادہ تھا۔ ابتدا میں ویرا اسے بھی ختم کر دینے پر تلی ہوئی تھی لیکن میں بھیانک کشت و خون سے گزرنے کے بعد اب اس معاملے میں محتاط ہی رہنا چاہتا تھا۔ آخر کار چوبرجی سے ذرا پہلے ہم نے گاڑی روک کر ایک ویران مقام پر اس سے گلو خلاصی حاصل کر لی۔

"دیکھ لیا۔" چند ثانیوں تک خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہنے کے بعد ویرا تلخ لہجے میں بولی۔ "سب کڑیاں اسی ایک سمت کا تعین کر رہی ہیں جس کی نشاندہی میں پہلے ہی کر چکی تھی۔"

"ان حالات میں تمہارا ہوٹل کا رخ کرنا خطرناک ہو گا۔ تمہیں ٹھکانا بدل لینا چاہیے ورنہ وان ہوف اس سرد جنگ میں کوئی بھی گھٹیا وار کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اب ہمیں فوری طور پر اس گاڑی سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ ناصر نے اس کی تلاش میں کچھ اور لوگ بھی شہر میں پھیلائے ہوئے ہوں۔"

"تمہاری دونوں باتیں درست ہیں، میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں وان ہوف سے گفتگو کے بعد گاڑی چھوڑوں گی۔ میں اسے جتانا چاہتی ہوں کہ اس کا کھیل پوری طرح بے نقاب ہو گیا ہے۔"

"بہتر تو یہ ہو گا کہ دوسرے فون نمبر پر بات کی جائے، مجھے یقین ہے کہ کال وان ہوف ہی ریسیو کرے گا۔ یہ حربہ اسے بوکھلا کر رکھ دے گا۔"

"ابھی اسے اتنا ہوشیار نہیں کروں گی۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ ہمیں اس کو گھیرنا ہی پڑ جائے۔ وہ فون نمبر اس کے ٹھکانے کی نشاندہی میں کام آ سکتا ہے۔"

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کا خیال درست ہی تھا۔

وان ہوف نے رابطے کے لیے ساڑھے گیارہ بجے کے بعد کا وقت دیا تھا لہٰذا شہر کی سڑکوں پر بے مقصد ڈرائیونگ کر کے کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے ہم نے گاڑی شہر کے ایک ایسے علاقے میں روک لی جہاں کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر ہم مطلوبہ وقت گزار سکتے تھے۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میں سگریٹوں پر سگریٹیں پھونکتا رہا پھر ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے میں نے انجن اسٹارٹ کر کے پجیرو شہر کی ویران سڑکوں پر سست رفتاری سے آگے بڑھا دی۔

ویرا ڈیش بورڈ کے نچلے خفیہ خانے سے ماؤتھ پیس نکال کر وان ہوف کے لیے ٹرانسمیٹر پر سگنل نشر کرنے لگی۔



"ڈیڈلی برڈ کالنگ فار لیری.... اوور!" ویرا لائیڈ ٹرانسمیٹر کے ماؤتھ پیس کو اپنے دہانے کے قریب لا کر تھوڑے تھوڑے وقفے سے خشک اور سنگین لہجے میں وہ پیغام نشر کر کے آپریٹس پر جوابی اشارے کی منتظر تھی لیکن دوسری طرف ایک مسلسل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ آپریٹس کے حساس اسپیکر پر بس ریڈیائی لہروں کا گھٹتا بڑھتا شور ہی سنائی دے رہا تھا۔ اس کی کئی ناکام کوششوں کے بعد غیر ارادی طور پر مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ویرا اپنا پیغام کسی ایسے خلائی مسافر کے لیے نشر کر رہی ہو جس کا راکٹ شومئی تقدیر سے اسے نشانے کے بجائے خلا کی بیکراں وسعتوں میں کسی بلیک ہول کی جانب لے گیا ہو جہاں بھیانک کشش ثقل ہر شے کو نگل جاتی ہے، جہاں وجود کشش کی شدت سے سمٹتے سمٹتے اندھی وسعتوں میں گم ہو جاتے ہیں، جہاں نہ روشنی کا گزر ہے نہ آواز اور ریڈیائی اشاروں کا، ادھر توانائی سے مادے تک، جو بھی بھٹک جاتا ہے لازوال گمشدگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ شاید ویرا لائیڈ یا ڈیڈلی برڈ کا منظور نظر لیری بھی ایسے ہی کسی بھیانک خلائی گرداب میں جذب ہو گیا تھا جو وہ ساڑھے گیارہ بج جانے کے باوجود جواب نہیں دے رہا تھا۔

ڈیڈلی برڈ۔ میرے ذہن کے کسی دور افتادہ گوشے میں گونج سی ابھری اور میں انگریزی زبان کے ان دو الفاظ کی معنویت میں ڈوب گیا۔ بچپن سے طائر لاہوت کے بارے میں پڑھتا اور سنتا آیا تھا لیکن اسے کبھی دیکھ نہیں سکا تھا مگر ویرا کو دیکھ لینے کے بعد ذہن کو اس کے لیے ایک موزوں سے نام کی مستقل جستجو تھی جسے اس نے خود دور کر دیا تھا۔ طائر مرگ یا مرگ کا پرندہ اس کے لیے بہت موزوں تھا جس کا اقرار وہ خود بہ آواز بلند کر رہی تھی لیکن دوسری طرف کوئی نہ تھا جو موت کے پرندے کی آواز کا جواب دیتا۔

"پرندے کا الٹ کیا ہوتا ہے ویرا؟" اس کے انہماک میں دخل دیتے ہی میں نے سوال داغ دیا۔ گفتگو اردو میں شروع ہوئی تھی۔ "چوپایہ یعنی وہ جو اڑ نہ سکے۔" اس نے قدرے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ "یہ کیسا بے تکا سا سوال کر بیٹھے ہو تم؟" وہ بھی اردو ہی میں بولی تھی۔

میں خفت آمیز انداز میں ہنس دیا۔ "اوہ، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے اڑنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اڑنے والوں کا الٹ کیا ہوتا ہے؟"

"شاید تم تھک گئے ہو۔" اس کی آواز ملامت آمیز تھی۔ "اڑنے والوں کا الٹ نہ اڑنے والے ہوتے ہیں جو درندے چرندے اور چوپائے ہوتے ہیں مگر اس وقت ان کا ذکر تم کہاں سے نکال بیٹھے ہو؟"

"شاید میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔" میں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب تھا کہ پرندے کی مادہ کیا کہلاتی ہے؟"

"تم بالکل ہی گھامڑ ہو۔" اندھیرے میں اس کی غصیلی آواز ابھری۔ "پرندہ بس پرندہ ہوتا ہے۔ نر بھی اور مادہ بھی۔"

"پرندی۔" میں ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "کس قدر ہولناک عنوان ہو گا۔ موت کی پرندی عرف ویرا لائیڈ۔ اگر میں آنکھیں بند کر کے، دانت بھینچ کر طیش کے عالم میں کسی اسٹینو کو ڈکٹیشن دینا شروع کر دوں تو تیسرے ہی دن ایک شاندار ناول تیار ہو سکتا ہے جس کا اگر انگریزی میں ترجمہ ہو جائے اور وہ چھپ بھی جائے تو سال کا سب سے زیادہ بکنے والا ناول قرار پائے گا۔"

"ترجمے کی کیا ضرورت ہے؟ انگریزی میں براہ راست طبع آزمائی کیوں نہیں کرتے؟" اس کا لہجہ شاید مضحکانہ تھا۔

"کر سکتا ہوں مگر انگریزی کے اسٹینو جذبات سے عاری ہوتے ہیں، جو کہو وہی لکھ مارتے ہیں۔ اردو میں ڈکٹیشن دیا جائے تو اسٹینو حسب ضرورت اپنی طرف سے بقدر ظرف جذبات اور جزئیات گھسیڑ دیتے ہیں۔ کبھی کبھار اس طرح ادیب اور اسٹینو کے درمیان حقیقی جذبات کا تبادلہ بھی ہو جاتا ہے جو بسا اوقات بارآور ثابت ہوتا ہے۔ اس ملک میں انگریزی کی فکشن نویسی میں بس یہی ایک کسر ہے ورنہ واقعات تو آج کل کم و بیش ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ سائنسی ترقیوں نے سارے جغرافیائی فاصلے حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیئے ہیں۔"

"سیدھی طرح کہو جو کہنا چاہتے ہو۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ "شاید تمہیں ابھی تک احساس نہیں ہوا ہے کہ میں نادانستگی میں وان ہوف کی مخاصمت مول لے بیٹھی ہوں۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ اس وقت موت کی پرندی ایکشن میں ہے اور جملہ حاضرین و قارئین و ناظرین کو اگلے مقابلے کا منتظر رہنا چاہیے جو وان ہوف عرف لیری عرف ایکس ایل تھری کو ڈون اور موت کی پرندی عرف ویرا لائیڈ کے درمیان ہو گا۔"

"اتنی خوش دلی سے کام نہ لو۔" اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ "وار اوچھا پڑا تو یہ یاد رکھنا کہ وہ اس شہر کو ایک زندہ جہنم میں تبدیل کرنے کی قوت رکھتا ہے۔"

"موت کی پرندی!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے تو تم اس کی ایجنٹ معلوم ہوتی ہو۔ کسی بھی بدمعاش کی ہوا باندھنے

کے لیے اس سے زیادہ اس کے حاشیہ بردار اہم ہوتے ہیں اور اس وقت تم مجھ پر وان ہوف کا رعب گانٹھنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"سنجیدہ ہونے کی کوشش کرو ڈینی! اس مرحلے پر ہم دونوں کو پوری طرح ہوشیار رہنا ہے، ذرا سی بھی غلطی ہو گئی تو شاید اس کے ازالے کی بھی مہلت نہ مل سکے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ مجھے اتنی محبت سے نہ پکارا کرو، دل میں آگ سی بھڑک اٹھتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں پوری طرح سنجیدہ ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ چہرے پر نحوست طاری کر کے خشک گفتگو کی جائے تب ہی سنجیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ تیسری اور آخری بات یہ کہ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس میں تمہارے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ وان ہوف نے خود ہی تمہیں گھیرنے کی کوشش کی ہے اور تم جو کچھ کر رہی ہو وہ دفاع کے زمرے میں آتا ہے۔"

"لائیڈز کالج پر تباہی نازل نہ ہوتی وان ہوف کو یہ موقع ہی نہ مل پاتا۔ یہ نہ بھولو کہ اس ٹھکانے کو تباہ کر کے ہم نے خود اسے ایک سنہرا موقع فراہم کیا ہے۔"

"بودی دلیل ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر مگر کے پھیر میں تو بات بہت دور تک جا سکتی ہے۔ اگر جمی لائیڈ نے اپنی جوانی کے ایام میں تمہاری ماں سے عشق نہ لڑایا ہوتا تو اس وقت حالات ہی کچھ اور ہوتے!"

"ڈینی!" اس بار ویرا کی آواز غصیلی تھی "تم حد سے بڑھ رہے ہو۔"

میں خاموش رہا۔ اس کے بھڑکنے پر احساس ہوا کہ میں نے واقعی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اپنے مخصوص پس منظر کی بنا پر اپنی ماں پر کسی تبصرے پر اس کا بھڑکنا فطری امر تھا۔

مختلف راستوں سے ہوتا ہوا میں سرکلر روڈ پر آ نکلا۔ دن میں پُر ہجوم نظر آنے والے کاروباری علاقے اس وقت ویران پڑے ہوئے تھے لیکن پھر بھی اتنا سناٹا نہیں تھا کہ ویرا بے خطر ہو کر ٹرانسمیٹر پر مصروف رہ سکتی۔

"یہ کہاں آ گئے؟" اس نے اضطراری طور پر کہا۔ "گاڑی واپس اسی طرف گھما لو جہاں تھوڑی دیر پہلے ہم رکے تھے۔"

"تھوڑی دیر صبر کرو۔" میں نے نیول گنج کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے پروگرام بدل دیا ہے۔ گاڑی لاہور میں چھوڑی تو شہر میں ہماری تلاش پورے زور و شور کے ساتھ جاری رہے گی۔"

"تو تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے درمیان ہی سے میری بات اچک لی۔

"شہر سے باہر جا رہے ہیں۔" میں نے اختصار کے ساتھ جواب دیا۔

جدید دور میں سانس لیتے ہوئے بھی لاہور کے ماحول پر اس کی تاریخ کے سائے نمایاں نظر آتے تھے۔ سرکلر روڈ پر جا بجا مختلف پھاٹکوں کے نام نظر آ رہے تھے جو شاید کسی دور میں شہر پناہ کے مختلف داخلی راستے رہے ہوں۔ بیرون لاہوری گیٹ، بیرون مستی گیٹ وغیرہ سے گزرنے کے بعد بائیں ہاتھ پر لاہور کے شاہی قلعے کی فصیلیں نظر آنے لگیں۔ اس سے آگے بادشاہی مسجد کے پُرشکوہ مینار سربلند تھے اور داہنی طرف وسیع و عریض میدان میں مینار پاکستان روشن تھا۔

"تم پھر وہیں آ نکلے" ویرا نے وہ علاقہ پہچانتے ہی الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہیں سے تو وہ مردود تمہارے پیچھے لگا تھا۔"

"فکر نہ کرو، وہ دوبارہ نہیں آئے گا۔ یہی راستہ مختصر اور محفوظ ہے۔"

راوی روڈ پر گھومنے کے بعد جب تک ہم ٹول ٹیکس ادا کر کے تھکے تھکے سست رو دریا پر بنے ہوئے پل پر آ گئے نہ پہنچ گئے وہ بے چین ہی رہی، شاید لاہور کے اس علاقے سے وہ اتنی زیادہ واقف نہیں تھی۔

"اب ہم گوجرانوالہ جا رہے ہیں۔" میں نے شاہدرہ چوک سے پجیرو بائیں طرف گھماتے ہوئے کہا۔ "اس سڑک پر تم بے خوف و خطر انسٹرومنٹ استعمال کر سکو گی۔"

پھر ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے اور فضا میں صرف پجیرو کے انجن کی ہموار اور مسلسل گونج باقی رہ گئی اور میرا ذہن ایک بدنام تنظیم کے معاملات میں الجھ کر رہ گیا۔

سب کچھ بہت سیدھے سادے انداز میں شروع ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے معاشرے کا کوئی نیک نام اور معزز شخص تیزی کے ساتھ پیسہ کمانے کی دھن میں منشیات کی تجارت میں ملوث ہو گیا تھا اور اس نے اپنا بھرم رکھنے کے لیے خود سامنے آئے بغیر سارا کام دوسروں سے لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اپنے آدمیوں کے بارے میں اس کے بعض سفاکانہ فیصلوں نے جلد ہی یہ واضح کر دیا کہ کالے دھن اور اپنے آدمیوں کے لہو سے زیادہ اسے اپنا تحفظ اور رازداری عزیز تھی۔ تجسس اور پھر حالات کی ہلاکی میں میں نے اندرون خانہ تلاش کی مہم شروع کی تو مختلف ناموں سے ہوتے ہوئے پوری کہانی بس ایک نام پر مرکوز ہو کر رہ گئی، جو اسے لوٹھیلا تا تھا۔ اس بات کی ہر علامت اور شہادت موجود تھی کہ پورے ناجائز کاروبار کا مالک و مختار وہی تھا مگر پھر ویرا سامنے آ گئی اور میری نگاہوں کے سامنے اس نے اسے ٹو کو کسی حقیر کتے کی طرح بے آواز گولی کا نشانہ بنا دیا۔

اس واقعے نے سمٹتی ہوئی بساط کو پھر الجھا دیا تھا اگلی جدوجہد



مہینوں انتظار کے بعد آخر کار یہ بات سامنے آ گئی تھی کہ اوپر سے نچلی سطح تک سارے مقامی کارندے محض آلۂ کار تھے اور ملک میں بڑی کھیپ کے بعد ہیروئن کی مقامی ترسیل و تجارت اور برآمد کے پیچھے عالمی دماغ کارفرما تھے جو اس مد سے ہونے والی ناقابل تصور آمدنی کا ایک حصہ ملک میں مہلک ہتھیاروں کی غیر قانونی درآمد پر صرف کر رہے تھے۔ یہ اندازہ لگا لینا دشوار نہیں تھا کہ چور دروازے سے آنے والا اسلحہ کوڑیوں کے مول اور بعض اوقات شاید مفت، تخریب کاروں اور جرائم پیشہ لوگوں کو فراہم کیا جا رہا تھا جس کے اثرات اسلحہ کی مقامی منڈی میں نمایاں نظر آ رہے تھے۔

سرکاری اجازت ناموں پر مہنگے اسلحے کی قانونی خریداری کم ہوتی جا رہی تھی اور چور بازاروں میں جدید ترین ہتھیار اونے پونے داموں میں کھلے عام دستیاب تھے اور ان تمام سرگرمیوں کے پس پشت صرف پانچ آدمیوں کا ایک گروپ کام کر رہا تھا جن میں سے ایک وان ہوف تھا۔ ان کا طریقۂ کار اس قدر محفوظ اور پُراسرار تھا کہ ان کا بے نقاب ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ اگر مجھے بھی اتفاقاً ویرا لائیڈ کی مدد حاصل نہ ہو گئی ہوتی تو میں بھی مقامی چہروں کی تلاش میں ہی بھٹکتا رہتا۔

مگر اب صورت حال بہت سنگین ہو چکی تھی۔ وان ہوف کا نام سامنے آ چکا تھا۔ غالباً اس کا فون نمبر بھی ہمارے ہاتھ لگ گیا تھا مگر قابل غور نکتہ یہ تھا کہ خود ویرا بھی اس کی قیام گاہ سے لاعلم تھی۔ رازداری کی صورت یہ تھی کہ شناسا آوازوں پر بھی شناختی کوڈ کے بغیر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا اور اس پوری تنظیم کا تانا بانا جمی لائیڈ کا بنا ہوا تھا جو کاروبار کو ایک مخصوص نہج پر ڈالنے کے بعد بے فکری کے ساتھ ہزاروں میل دور کہیں عیش کر رہا تھا۔

خوش نصیبی کی بات یہ تھی کہ جمی لائیڈ کی وراثت کی دعویدار ویرا میرے ساتھ مل گئی تھی اور اپنے باپ کی تلاش کے جنون میں اس قدر آگے بڑھ چکی تھی کہ اب اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ لائیڈز کالج کو اس کے بارودی ذخائر اور طاقتور ڈائنامائٹ کے ساتھ تباہ کر کے اس نے مجھے اپنی وفاداری کا پورا یقین دلا دیا تھا۔

سنسان سڑک پر اس نے دو بار پھر وان ہوف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھی لہٰذا میں نے موقع پا کر اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"یہ لے ٹو کس کو جواب دہ تھا، ویرا؟"

"وان ہوف کو۔" اس کی آواز خیال انگیز تھی۔ "وہ سمجھتا تھا کہ وان ہوف نے اسے سیاہ و سفید کا مالک بنا کر اپنے لیے ناگزیر بنا لیا ہے لیکن تم نے دیکھا کہ اسے کتنی آسانی سے ہٹا دیا گیا۔ وان ہوف نے اسے اپنے لیے ڈھال بنایا ہوا تھا تاکہ کسی بری گھڑی میں لے ٹو کی گردن پھندے میں دے کر خود بچ سکے۔"

"اور اب اس کی جگہ کسے لیا گیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ وان ہوف کا اپنا مسئلہ ہے۔" وہ بولی۔ "کسی نہ کسی کا تقرر کر ہی لیا ہوگا۔ وہ کسی بھی قیمت پر خود براہ راست ملوث ہونا پسند نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ ناصر کی ہی قسمت جاگ اٹھی ہو۔"

"لیری کالنگ فار شوگر کوئین...... اوور!" اچانک ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے آر ٹی کے اسپیکر سے وان ہوف کی جانی پہچانی آواز ابھری اور میرے پورے جسم پر اعصابی تناؤ طاری ہو گیا۔

"ریسونگ" ویرا نے ماؤتھ پیس اپنے دہانے کے قریب لا کر ٹرانسمٹنگ بٹن دبا کر کہا۔ "کوڈ دہراؤ...... اوور!" مجھے خوشی ہوئی کہ اس بار ویرا نے اس کی آواز پر بھروسا کرنے کے بجائے اس سے کوڈ کا مطالبہ کیا تھا۔

"ایکس ایل تھری کوڈون۔ سیکنڈ کال ٹو یو...... اوور!"

وان ہوف کی ریڈیائی آواز میں ہلکی سی تلخی عود کر آئی تھی۔

"فالکن فور۔ تم کہاں غائب تھے؟ میں آدھے گھنٹے سے تمہیں ٹریس کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اوور!"

"میں نے ساڑھے گیارہ کے بعد کہا تھا اور تم اپنی رسٹ واچ دیکھو تو پتا چلے گا کہ مجھے صرف دس منٹ کی تاخیر ہوئی ہے۔ میٹنگ ذرا طول پکڑ گئی تھی۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کر آئی ہو؟...... اوور!"

"وہاں مسمار کرنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا تھا۔ آگ، دھوئیں اور ملبے کے سوا اب وہاں کچھ نہیں ہے، شاید ہی کوئی زندہ بچا ہو۔ وہاں بدترین دھماکے ہوئے تھے جو میلوں دور تک سنے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح وہاں لگے ہوئے لوٹل ٹیلی کاف سرکٹ میں کسی وجہ سے برقی رو دوڑ گئی ورنہ اس قدر بھرپور تباہی نہ پھیلی ہوتی...... اوور!"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "ڈی سوزا سے بڑی بھاری غلطی ہوئی تھی۔ جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا...... تو سب کچھ ہی کھنڈر ہو گیا وہاں؟ اوور!" آخری فقرے پر اس کی آواز ملال آمیز ہو گئی تھی۔

"کیسی غلطی ہوئی تھی اس سے؟ اوور!" ویرا کی آواز بجا طور پر تجسس آمیز تھی۔

"کل شام سے اس کا انعام نامی ایک آدمی لاپتا تھا۔" وان ہوف کی زبان سے انعام کا نام سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لائیڈز کالج کے واقعات سے خاصا باخبر تھا اور شاید میرے کردار سے بھی واقف رہا ہو۔ "ڈی سوزا کے تقرر تک انعام ہی لائیڈ کالج کی سربراہی کا امیدوار تھا۔ پھر موقع نہ ملنے پر اس

نے وہاں درپردہ سازشیں شروع کردیں لیکن ڈی سوزا نے کسی ثبوت کے نہ ہونے کی وجہ سے آج تک مجھے اس معاملے سے بے خبر رکھا اور اپنے طور پر تحقیقات کرتا رہا۔ کل انعام کو اپنے خلاف ہونے والی انکوائری کی بھنک ملی تو وہ روپوش ہوگیا۔ اُسے کسی نے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ محافظوں نے چپہ چپہ چھان مارا لیکن وہ نہ ملا۔ پھر ڈی سوزا نے آج رات احاطے میں مکمل بلیک آؤٹ کرا کر گٹر لائن کی تلاشی کا آغاز کرایا تھا۔ شاید انعام وہیں روپوش رہا ہوگا۔ بڑے قطر کے ان ہی نالوں میں بعد میں ڈالی جانے والی بجلی کی لائنیں اور ٹوٹل بلو آف سرکٹ کو آپس میں ملانے والے تار اوپری حصے میں سے گزرتے ہیں۔ یقینی طور پر انعام نے روشنی وغیرہ کی کسی امید میں ان ہی میں سے غلط تاروں کو آپس میں جوڑ دیا ہوگا۔ یہ مختصر سی کہانی مجھے آج دوپہر کو ہی معلوم ہوئی تھی۔ پہلے سے حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوتا تو میں وہ سارے سرکٹ بے جان کرادیتا۔ اوور!"

اس کے خاموش ہونے پر میری جان میں جان آئی کہ اسے جو کچھ بتایا گیا، سرسری انداز میں بتایا گیا تھا۔ تفصیلات اور اس کی پوری کارروائی میں میرے کلیدی رول سے وہ پوری طرح لاعلم تھا۔

"جب ہماری ناک کے نیچے خونی رقابتیں پروان چڑھنے لگیں اور ہمیں ان کی بھنک تک نہ مل سکے تو عموماً ایسی ہی بڑی تباہیاں نازل ہوتی ہیں۔" ویرا کا لہجہ سپاٹ لیکن الفاظ نکیلے تھے۔ "اب تو جو ہونا تھا وہ ہو ہی گیا لیکن مجھے حیرت اس بات کی ہے کہ تمہیں میرے علاوہ اس معاملے کی اطلاع کسی نے نہیں دی حالانکہ سب سے مضبوط اور منظم ٹیم تمہاری ہی سمجھی جاتی ہے۔ اوور۔"

"اپنے معاملات کو میں خوب سمجھتا ہوں۔" وان ہوف کی آواز سے ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔ "اگر میں میٹنگ میں نہ ہوتا تو تم سے پہلے کوئی نہ کوئی سب کچھ بتا چکا ہوتا اور اب بھی پورے معاملے کی چھان بین میرے ہی آدمی کریں گے۔ اوور!"

"یہ اندازہ میں لگا چکی ہوں۔" ویرا نے برجستہ کہا۔ "میں نے ناصر کو جلتے ہوئے ملبے کے قریب دیکھا تھا۔ اوور!"

"ناصر!" اس کی آواز اضطراری تھی۔ "اس سے کیا معلوم ہوا تمہیں؟ اوور!"

"کچھ بھی نہیں۔" ویرا کی آواز طنزیہ ہوگئی۔ "خیریت ہوئی کہ اس سے ملاقات نہیں ہوئی ۔۔۔۔۔۔ اوور۔"

"کیوں؟ تمہیں کیا خطرہ تھا اس سے؟ وہ وہاں اپنے معمول کی ذمے داری کے مطابق گیا ہوگا۔۔۔۔۔ اوور!"

"بات یہ کوئی غیر معمولی ذمے داری سونپی گئی ہو اسے۔"

ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "امدادی پارٹیوں اور تماشائیوں کے ہجوم سے کافی دور ویرانے میں اپنی کار کے شیشے چڑھائے شاید شہر سے کسی کی آمد کا منتظر تھا، اسی وجہ سے میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور ٹیکسی میں آگے نکلی چلی گئی۔ میری واپسی پر بھی وہ اپنی سرخ کار میں وہیں موجود تھا۔ اوور!"

"ٹیکسی میں کیوں گئی تھیں تم، پجیرو کو کیا ہوا؟ اوور!" ویرا اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہی تھی۔ انجان بن کر روداد میں اسے ذہنی جھٹکے دیے جا رہی تھی اور وہ اپنا منصوبہ خاک میں مل جانے پر شاید دل ہی دل میں اپنے مقدر کو گالیاں دے رہا تھا۔

"وہ میرا اپنا فیصلہ تھا۔ شہر میں دو مقامات پر مجھے گھیرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ دوسری بار چند فائر بھی کیے گئے تھے۔ اگر میں اچانک ہی رفتار نہ بڑھا دیتی تو شاید تمہیں ناصر ہی سے میری موت کی خبر ملتی۔۔۔۔۔ اوور!"

"پتا نہیں ۔۔۔۔۔ کچھ پتا نہیں کہ اس شہر میں اچانک کیا ہونے لگا ہے ۔۔۔۔۔ اور تم ۔۔۔۔۔ تم ناصر کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ کیا اس نے کوئی بدتمیزی کی ہے تمہارے ساتھ؟ اوور!"

"میں شکایت کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" ویرا کی آواز سرد اور سفاکانہ ہوگئی۔ "بدتمیزی کرنے والوں کا سر کچلنا جانتی ہوں۔ مجھے اس بے چارے سے کوئی پرخاش نہیں ہے، وہ ڈیوٹی کرتا ہے جو اسے بتایا جاتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مقامیوں میں وہ تمہارا اہم ترین آدمی ہے۔ شہر کی خبریں بھی لازماً وہی پہنچاتا ہوگا۔ اوور!"

"اس وقت پجیرو تمہارے ہی پاس ہے؟ اوور!"

"ظاہر ہے۔ نہ ہوتی تو تم سے رابطہ کیسے قائم کرتی۔ تم نے مجھے کام سونپ کر بڑی دشواری میں ڈال دیا تھا۔ پجیرو میں نے ایک کار پارکنگ لاٹ پر چھوڑی تھی اور اب خطرہ مول لے کر دوبارہ اس میں سفر کر رہی ہوں۔ اوور!"

"تم مجھے اپنی لوکیشن بتاؤ، میں فوراً محافظ روانہ کرتا ہوں۔ تم پر اٹھنے والے ہر ہاتھ کو میں قلم کرا دوں گا ۔۔۔۔۔ اوور!"

"شکریہ۔ میں اپنی حفاظت خود کرسکتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری رگوں میں کس کا خون دوڑ رہا ہے۔ بس اتنا بتا دوں کہ تھوڑی دیر بعد میں پجیرو کہیں بھی چھوڑ دوں گی، تمہیں اپنے آدمیوں سے اسے تلاش کرانا ہوگا۔ اس کی وجہ سے میں فوری طور پر کوئی نیا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان لوگوں کا نشانہ میری ذات تھی یا صرف پجیرو۔ کیونکہ پجیرو کے میرے زیرِ استعمال ہونے کے بارے میں تمہارے علاوہ صرف وہ آدمی واقف ہے جس نے گاڑی ایئرپورٹ پر میرے حوالے کی تھی۔۔۔ اوور!"

"تم سے کسی کو کیا پرخاش ہوسکتی ہے۔۔۔ شاید گاڑی کسی موقع پر پہچان لی گئی ہوگی اور اب وہ نامعلوم لوگ گاڑی کے دشمن ہو رہے ہیں۔ جو بھی گاڑی پر سوار ہوگا، وہ اسی سے اپنا حساب بے باق کرنے کی کوشش کریں گے۔۔۔۔ اوور!"

"کیا عجیب اتفاق ہے کہ وہ دشمن بھی اسی وقت میدان میں آئے ہیں جب گاڑی میرے تصرف میں ہے۔ کیا پہلے بھی کبھی پجیرو پر اس انداز میں حملہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟ اوور!"

"نہیں ۔۔ یہ پہلا واقعہ ہے۔ دراصل یہ گاڑی پورے دو ہفتوں بعد تمہارے لیے نکلوائی گئی ہے۔ ورنہ آخری مہم کے بعد سے گیراج میں بند تھی۔ اوور!"

"اور آخری مہم کیا تھی؟ اوور!" ویرا پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

"بری گل خان کے ایک خفیہ ٹھکانے کی تباہی میں یہ گاڑی استعمال کی گئی تھی۔ وہ اپنی کھیپ بڑھانے کے لیے ہمارے دلالوں کو توڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اوور!"

"خون خرابا بھی ہوا ہوگا؟ اوور!" ویرا کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"ادھر کے دو یا تین افراد مارے گئے تھے۔ اوور!"

وہ ویرا کی چال کو سمجھے بغیر روانی میں اپنے جھوٹ کو نباہنے کی کوشش کیے جا رہا تھا۔ بری گل خان کی کہانی تراشنے سے اس کا مدعا یہی رہا ہوگا کہ پجیرو پر حملے کی کارروائی کی ذمے داری کسی اور پر ڈالتے ہوئے خود کو ویرا کے امکانی شبہات سے محفوظ رکھ سکے۔ اس احمق کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم اپنا تعاقب کرنے والے کو زیر کرکے یہ معلوم کرچکے تھے کہ وان ہوف کے معتمد، ناصر کے ایما پر شہر میں پجیرو کی تلاش کی مہم جاری تھی۔

"پھر تم میرے مجرم ہو۔" اس کے خاموش ہوتے ہی ویرا کی اہانت آمیز تلخ آواز ابھری تھی۔ "تم نے ایسی مشتبہ گاڑی میرے ذاتی استعمال کے لیے مخصوص کرکے مجھے دیدہ دانستہ خطرے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ میں اسے اپنے خلاف قتل کی بھونڈی سازش تصور کرتی ہوں اور بتائے دیتی ہوں کہ میں یہ معاملہ اوپر تک لے جاؤں گی۔۔۔ اوور اینڈ آل!"

ویرا نے اختتامی کلمات تو ادا کر دیے لیکن آپریٹس آف نہیں کیا لہٰذا فوراً ہی وان ہوف کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری تھی۔ "سلسلہ منقطع نہ کرنا۔ تم یقین کرو کہ میری نیت صاف ہے، نہ مجھے تم سے کوئی عناد ہے، میری غلطی صرف اتنی ہے کہ میں نے اس اہم پہلو کو نظر انداز کر دیا تھا۔ شاید یہ ساری عمر میں میری پہلی غلطی ہے اور میں ہر طرح اس کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر تم اپنی شکایت اوپر تک لے گئیں تو میرا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔۔۔ اوور!" گردن پھنستے ہی وہ مکارانہ انداز میں خوشامد پر اتر آیا تھا۔

"جب بڑے اپنی ذمے داریوں سے غافل ہو کر کتوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے پر بھونکنے لگیں تو چاروں طرف سے ناقابلِ گریز تباہی حملہ آور ہوتی ہے۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گی وان ہوف۔ تمہارا ماضی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح میرے سامنے ہے۔ اب خیال آتا ہے کہ شاید ایسی ہی کامیاب سازشوں کے ذریعے تم نے ترقی کا سفر تیزی کے ساتھ طے کیا ہے۔ اب تو مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ تم اس وقت واقعی کسی غیر ملکی سفارت خانے کے ملٹری اتاشی سے ملنے گئے تھے۔ انکوائری ہوگی تو اس بارے میں بھی تمہارا جھوٹ پکڑا جائے گا۔ آج تمہاری پوری کوشش یہ تھی کہ میں پجیرو میں باہر نکلوں اور ماری جاؤں ۔۔ اوور!" اسے مدافعت پر آمادہ پا کر ویرا شیر ہوگئی تھی اور اسے وان ہوف کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

"غلطی غلطی ہوتی ہے اور میں اسے تسلیم کر رہا ہوں، تم غصے میں جو کچھ کہہ رہی ہو اس پر مجھے کوئی ملال نہیں۔ ایک بات غلط ہو جائے تو ساری کڑیاں ہی غلط نظر آنے لگتی ہیں۔ میں بس یہ چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے مل لو تاکہ میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کرسکوں۔ اس کے بعد فیصلے کا اختیار تم کو ہوگا ۔۔ اوور!"

"اوّل تو ایسی کوئی ملاقات ہی معمول کے خلاف ہوگی۔ دوئم یہ کہ مجھے تمہاری نیّت پر شبہ ہے۔ اس ملاقات میں بھی تمہاری کوئی چال ہوسکتی ہے۔ تم نے اپنے رویّے سے مجھے محتاط رہنے پر مجبور کر دیا ہے ۔۔ اوور!"

"تم میرے پاس نہیں آنا چاہتیں تو اپنا ٹھکانا بتاؤ، میں فوراً پہنچتا ہوں ۔۔ اوور!" ویرا کی گرفت میں آکر وہ بری طرح بلبلایا ہوا تھا اور ہر قیمت پر اس معاملے کو وہیں ختم کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی کوششوں سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے اپنا اقتدار کتنا عزیز تھا۔

"آپریٹس پر موجود رہو، میں سوچ کر تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم کروں گی ۔۔ اوور اینڈ آل!" اس بار ویرا نے ہاتھ بڑھا کر خفیہ خانے میں لگے ہوئے آپریٹس کا سوئچ بھی آف کر دیا۔

"دیکھ لی اس کی مکاری۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن شکایت پر جان ہی نکل کر رہ گئی اس کی۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟ ہمیں اس گاڑی سے جلد از جلد پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔"

"واپس لاہور ہی چلتے ہیں۔" میں نے پجیرو کی رفتار سست

کر کے ویران سڑک پر مقررہ جگہ سے یوٹرن لیتے ہوئے کہا۔ "سفید چمڑی پر سیاہ لباس میں تم بہت نمایاں ہو رہی ہو۔ گوجرانوالہ جیسے چھوٹے شہر میں گاڑی چھوڑ کر ہم ہر ایک کی نگاہوں میں آجائیں گے۔ اتنی رات گئے سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے کے الزام میں کسی خرد ماغ پولیس افسر سے سامنا ہوگیا تو وہ اپنی ساری رات تمھاری شناخت پر قربان کر دے گا۔ لاہور بڑا شہر ہے، وہاں گزارے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

"میری شناخت کی فکر نہ کرو۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔ "ہنگاموں میں زندگی گزار کر بس اسی قدر سیکھا ہے کہ کاغذات ہر وقت جان سے لگائے رکھتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی پتلون کی عقبی جیب سے پاسپورٹ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔

"تو تم باضابطہ طور پر یہاں آئی ہو۔" میں نے اس کے برطانوی پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ تو میں شاید پہلے بھی تمھیں بتا چکی ہوں کہ یہاں اسٹڈی ویزا پر آئی ہوں اور منشیات کے بارے میں تمھارے معاشرتی رویّوں پر ایک ریسرچ تھیسس لکھ رہی ہوں۔ اس طرح میں مشکوک لوگوں سے بھی بے دھڑک ہو کر مل سکتی ہوں۔"

"تحقیق کرو گی تو اندازہ ہوگا کہ ہم اس دلدل میں گردن تک غرق کیے جا چکے ہیں۔ ہمارے کچھ علاقوں کی مخصوص تاریخی روایات اور سرحد پار افغان علاقے کی شورش نے غیر ملکی طالع آزماؤں کی بڑی حوصلہ افزائی کی ہے۔ دونوں طرف کی سرحدی پٹی میں ناقابلِ رسائی دڑوں اور پہاڑی وادیوں میں ہیروئن بنانے کی جدید ترین فیکٹریاں شب و روز کام کر رہی ہیں جن کی پوری پیداوار پیشگی خرید لی جاتی ہے۔ پڑوس کے جنگی ماحول کی وجہ سے اس علاقے میں سرمائے کی بہتات ہے پھر باہر سے بھی بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری ہو رہی ہے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ "یہ سب میں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔۔۔۔ پہلی ہیروئن فیکٹری کے قیام میں بیشتر کوششیں میری ہی تھیں۔ اس کے لیے جرمنی سے بھاری مشاہرے پر ایک ماہر کیمسٹ کو میں نے ہی بھیجا تھا اور تمھیں شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ وہ علاقہ خشکی سے ناقابلِ رسائی اور محفوظ ہے مگر فیکٹری پر بمباری کی کسی کوشش کے خطرے کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہاں چٹانوں کی آڑ میں دو طیارہ شکن توپیں بھی نصب کر لی گئی ہیں جن پر دن رات افغان فوج سے بھاگے ہوئے ماہر توپچی مامور رہتے ہیں۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، درست تھا تو صورتِ حال بہت بھیانک ہو چکی تھی۔ ملک کی سرحد میں چھوٹی چھوٹی متعدد خود مختار ریاستیں جنم لے چکی تھیں جو عملاً ہر معاملے میں آزاد تھیں جب کہ یہ تو ایک کھلی ہوئی بات تھی کہ آزاد قبائلی علاقوں میں سڑک اور ریل کی پٹڑی سے ہٹ کر ملکی قانون معطل ہو جاتا تھا اور قبائلی قانون کی عملداری شروع ہو جاتی تھی لیکن ویرا کی دکھائی ہوئی تصویر بہت لرزہ خیز تھی۔ اگر وہ سب سرحد کے پار کی پٹی میں ہو رہا تھا تو بھی خطرناک تھا کیونکہ وہی ہتھکنڈے کسی بھی وقت ہماری طرف بھی اختیار کیے جا سکتے تھے جس کے بعد صورتِ حال کا قیاس کرنا دشوار نہیں تھا۔

"یعنی تم اس خطّے میں ہیروئن کو تجارتی پیمانے پر متعارف کرانے کی ذمّے داری قبول کر رہی ہو؟"

"بالکل۔ اس کام کا کہیں نہ کہیں سے تو آغاز ہونا ہی تھا۔ ورنہ اِدھر کے ناخواندہ اور جنگجو لوگ تو ایسے منافع بخش کام کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتے تھے جس میں تجربہ گاہوں میں ہونے والے نازک اور محتاط طریقوں کو نمایاں دخل ہو۔ چرس، خام افیم اور دیسی اسلحے کے سوا وہاں روزگار کے کیا ذرائع فراہم کیے تھے تم نے؟ میں نے سنا تھا کہ وہاں چند روپوں کے لیے قتل ہوتے رہتے تھے۔ اب تم ہزاروں کی گڈی بھی اچھالتے ہوئے جاؤ تو کوئی تمھاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ سچ پوچھو تو ہیروئن ان پسماندہ علاقوں میں خوشحالی کا انقلاب لائی ہے اور وہاں دو صدیوں کا بہت ہی عجیب بلکہ ناقابلِ یقین سنگم نظر آتا ہے۔ حویلیوں اور آبادیوں میں وہ لوگ اپنی رسم و رواج کے سائے میں پچھلی صدی میں رہ رہے ہیں اور لیبارٹریز میں موجودہ صدی کے بہترین شعبدے نظر آتے ہیں۔ اہم پیداواری مراکز کے اطراف میں مشکوک لوگوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھنے کے لیے ریڈار تک استعمال ہو رہے ہیں اور مجھے فخر ہے کہ انھیں یہ سب ہم نے سکھایا ہے۔"

"ہزاروں میل دور آکر انھیں سکھانے کے بجائے تم نے اپنے ملک پر توجہ کیوں نہیں دی، وہاں یہ کام تیزی سے پھل پھول سکتا تھا۔"

"انگلینڈ فلاحی مملکت ہے، وہاں روزگار کی فراہمی حکومت کی ذمّے داری ہے اور۔۔۔۔"

"تمھارے قریب ہی اٹلی بھی ہے جو شاید یورپ کا مفلس ترین ملک ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر سگریٹ سلگائی پھر بولی۔ "ہمیں پاگل کتّے نے نہیں کاٹا تھا جو اس علاقے میں سرمایہ کاری کرتے۔ یہ فیصلہ برسوں کی تحقیق کے بعد کیا گیا۔ برطانوی دور میں اس خطّے میں مامور کیے جانے والے ہر سیاسی فوجی حتیٰ کہ مشنری عہدیدار نے بھی اپنے تجربات اور گہرے مشاہدات کو قلم بند کیا ہے تاکہ ہمارے ماہرین اس مارشل ریس کو سمجھ سکیں اور ہمارا یہ اندازہ ہے کہ یہ لوگ ایک ہزار برس بعد بھی اپنے رسم و رواج پر کسی غیر قانون کی بالادستی برداشت نہیں کریں گے۔ ان کے یہاں غیرت، حمیّت اور بہادری کے بہت کڑے اور بعض اوقات ناقابلِ فہم تصورات رائج ہیں، یوں سمجھو کہ ہمارے حساب سے قانون کے سمندر میں یہ لاقانونیت کے جزیرے ہیں۔ جبکہ انگلینڈ، اٹلی یا یورپ کے کسی دوسرے ملک میں قانون سے ماورا ایک بالشت زمین بھی نہیں مل سکی۔ وہاں قانون ہیروئن کو زہر تصور کرتا ہے۔ اسے فارما کوپیا سے خارج کیا جا چکا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہاں بھی لوگ قانون کی نظروں میں دھول جھونک کر اس کا لین دین کرتے ہیں لیکن اس کی تیاری کا کوئی مستقل ٹھکانہ وہاں چند ہفتوں سے زیادہ نہیں پنپ سکتا۔ یہاں ہم نے ان لوگوں کی فطرت کے عین مطابق اپنے تجربات کی روشنی میں سمجھایا کہ ان کو صدیوں کی کڑی مشقّت کے باوجود کبھی خوشحالی نصیب نہ ہو سکی۔ نہ ان کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کیے گئے جب کہ زمین ان کی ہے، قانون ان کا ہے تو پھر وہ خود کارخانے کیوں نہیں لگاتے جب کہ رواداری کے جذبے سے ہم فنّی اور مالی اعانت پر آمادہ ہیں۔ یہاں تک بات ان کی سمجھ میں آگئی پھر کارخانوں کی نوعیت کا سوال اٹھا تو بتایا گیا کہ طلب اور رسد کے اصول کے تحت وہی چیز بنانا چاہیے جس کا خام مال مقامی طور پر دستیاب ہے اور جسے منہ مانگے داموں پر بیچا جا سکتا ہو۔ مومن خان کے پارسا شیروں اور کئی اخوان نے ہیروئن کا نام سنتے ہی شدت سے مخالفت کی لیکن چرس اور افیم کی بھاری پیداوار کا کوئی مناسب جواز نہ فراہم کر سکے۔ چرس بھی مہلک نشہ ہے، غذا کی احتیاط نہ کی جائے تو اندر سے چھلنی کر دیتا ہے، افیم مقدار سے زیادہ کھالی جائے یا اس پر تیل پی لیا جائے تو فوری موت واقع ہو سکتی ہے۔ یہ دو دلائل ان کے اپنے ماحول میں سے تھے پھر بہت سی ملٹی نیشنل دوا ساز کمپنیاں ایسے مرکبات بنا رہی ہیں جو نشہ آور ہوتے ہیں۔ انھیں مریضوں پر معالج کی زیرِ نگرانی آزمایا جائے تو شفا ہوتی ہے۔ عام لوگ خرید کر بے تول کھانے لگیں تو اس نشے کے عادی ہونے لگتے ہیں لیکن کبھی کسی نے نہ ان کمپنیوں کو بُرا کہا نہ مرکبات کی تیاری پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا پھر دنیا بھر کے اسلحہ ساز ادارے ہر روز لاکھوں ٹن کی مقدار میں بارودی ہتھیار بنا اور بیچ رہے ہیں جو انسانوں کا وجود تک ختم کر سکتے ہیں لیکن یہ صلاحیت شرمندگی کے بجائے قومی طاقت کا سرچشمہ شمار کی جاتی ہے۔ مسابقت کے اس کاروباری دور میں زندہ رہنے کے لیے خود اپنے اصول وضع کرنے پڑتے ہیں۔ انھیں سمجھایا گیا کہ اگر وہ اپنی اگلی نسلوں کو خوشحال اور تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں تو انھیں مادّی کامیابیوں کے لیے وہ شارٹ کٹ اختیار کرنا ہوگا جو اپنے مخصوص حالات کے تحت وہ بخوبی اختیار کر سکتے ہیں۔ بات ذہنوں میں اتر گئی اور اب جو اُن کے کارخانوں پر بری نگاہ ڈالے گا انھیں اپنے مقابل تیغ بے نیام پائے گا کیونکہ مالی مفاد کے ساتھ ان کارخانوں کا برقرار رہنا ان کے لیے عزت کا سوال ہے۔ تمھیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان علاقوں میں آج تک ہیروئن کا کوئی عادی دریافت نہیں ہو سکا۔ وہ خود اسے استعمال نہیں کرتے۔ آج یہ عالم ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔ بڑے بڑے لوگ ایسے کارخانوں کے مالک ہیں۔ تم اپنے سارے وسائل بھی یکجا کر دو تو انھیں اس آمدنی کا عشرِ عشیر بھی نہیں دے سکتے جو وہ ہیروئن کی تجارت سے کما رہے ہیں۔ ان افلاس زدہ علاقوں میں آج خوشحالی کا دور دورہ ہے کیونکہ طلب اور رسد کے نظریے کے تحت انھوں نے اپنی ترجیحات کا تعین کر لیا ہے۔" بولتے بولتے وہ کسی خیال کے زیرِ اثر ہنسی اور سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے مکّارانہ لہجے میں بولی۔

"اس سارے کھیل میں ان لوگوں کی فرنگ دشمنی سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے کیونکہ انھوں نے انگریز کو اس کے دورِ اقتدار میں ایک لمحے بھی چین نہیں لینے دیا تھا۔ وہ پورے خلوص کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی بنائی ہوئی نوّے فیصد سے زیادہ ہیروئن انگریز اور دوسری سفید فام قومیں استعمال کرتی ہیں۔ اس طرح وہ انگریزوں سے اس مہم کا انتقام لے رہے ہیں جو اس نے برِصغیر میں چائے کو مقبول بنانے کے لیے چلائی تھی۔ اسے وہ نشہ سمجھتے ہیں اور سبز چائے پیتے ہیں جو مروّجہ چائے سے بالکل مختلف اور صحت افزا ہوتی ہے۔ یہ آسان مرحلے نہیں تھے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہم نے چند برس پہلے جس پودے کی آبیاری کی تھی، اب کہیں اس کا پھل کھانے کا موقع آیا ہے اور تم دیکھو گے کہ جس طالع آزما نے انھیں اکھاڑنے کا ارادہ کیا اس کو بدترین کشت و خون اور مزاحمت کا سامنا کرنا ہوگا۔"

میرے اپنوں کے بارے میں اس کی معلومات مجھ سے کہیں زیادہ اور قابلِ رشک تھیں لہٰذا بہتر یہی تھا کہ میں موضوع کو طول دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لیتا۔

ہیروئن کی مہیب بلا نے جس انداز میں ہمارے پورے معاشرے کو گرفت میں لیا تھا، اس کی ذمّے داری کسی ایک آدھ فرد پر نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔ اس کا فروغ ایک بین الاقوامی

سازش کا نتیجہ تھا اور ہمارے اہلکاروں کا قصور یہ تھا کہ جب دلائل اور وسائل کا سارا زور لگا کر اس تباہی کے لیے میدان ہموار کیا جا رہا تھا تو وہ 'سب ٹھیک ہے' کی لوری سن سن کر گہری نیند سو رہے تھے اور اب مومن خان جیسے لوگوں کی انا کو للکارے بغیر افہام و تفہیم سے اس لعنت کا سدِباب کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔

ملک میں ہیروئن کے عادیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے بارے میں ان کا یہ نکتہ خاصا وزنی ہوتا کہ وہ سب پیدائشی طور پر عادی نشے باز تھے، ہیروئن نہ ہوتی تو وہ کسی اور نشے میں مبتلا ہو جاتے کیونکہ ویرا کے بیان کے مطابق ہیروئن کے کسی منبع کے میلوں اطراف میں اس نشے کا کوئی عادی نہیں تھا۔

"ہیلو؟" بھاری مردانہ غراہٹ کسی خونخوار کتے کی آواز سے مشابہ تھی لیکن مجھے پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔ لب و لہجہ وہی تھا فرق بس سلکی اور لاسلکی رابطے کا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ ناصر کے آدمی سے ملنے والے دوسرے فون نمبر پر وہ خود ہی ہو گا۔

"میں اکبر بول رہا ہوں سر!" میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ اس مقام سے فون کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وہاں میدان صاف تھا اور بوتھ میں بولتے ہوئے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ میری صداکاری کسی کی توجہ کا مرکز بن جائے گی۔

"بولو، کیا باکتا ہائے!" ریسیور پر وان ہوف کی غصیلی دہاڑ سنائی دی۔ اس کا لہجہ اور تلفظ بہت بگڑا ہوا تھا لیکن یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اردو اچھی طرح سمجھنے پر قادر ہے ورنہ ویرا سے وائرلیس پر اس کی گفتگو سن کر تو میں یہی سمجھا تھا کہ وہ انگریزی کے سوا کوئی دوسری زبان نہ بول سکے گا البتہ نام کی بنا پر شبہ تھا کہ شاید وہ جرمن نژاد ہو اور اپنی مادری زبان پر بھی عبور رکھتا ہو۔

"ناصر کے نمبر سے جواب نہیں مل رہا اس لیے فون کیا ہے۔ پجیرو مل گئی ہے، اسے ایک عورت ڈرائیو کر رہی ہے۔"

"ابی کدر ہے پاجیرو؟"

"ائیرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں ہے۔ عورت اندر گئی ہے۔ اب میں کیا کروں؟"

"توم سب سالا باسٹرڈ ہاتے۔ ہام کیا بولے گا ناصر کیا بولا تھا؟" اس کے جواب سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت وہ ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا اور فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ میری اطلاع پر کیا حکم صادر کرے۔

"ناصر نے گاڑی کا سراغ ملتے ہی پہلی فرصت میں اطلاع دینے کے لیے کہا تھا لیکن اب وہ خود غائب ہے۔"

"توم چھوکری کو پکڑ سکتا ہائے؟" قدرے سکوت کے بعد اس کا تجسس آمیز سوال سنائی دیا۔

"کوشش کرے گا صاب، صورت سے وہ بھی بدمعاش لگتی ہے اگر جوڈو یا کراٹے سے واقف نہ ہوئی تو آسانی سے زیر کر لوں گا۔ اس کی تو چال میں بھی مردوں جیسی اکڑ ہے۔"

"توم سب سالا بلیک ایک دم چیپ ہوتا ہائے۔ چھوکری کا چال دیکھے گا تو اس کو تومارا باپ پکڑے گا؟"

"پھر کیا کروں صاب؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر مسمسی آواز میں سوال کیا۔

"چپ کرو باسٹرڈ، ہام سوچ رہا ہے۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔

"توم اس سے پٹ گیا تو سب چوپٹ ہو جائیں گا۔" طویل سکوت کے بعد اس کی آواز پھر سنائی دی "چھوکری کو امارا سلام بولو اور واپس جاؤ۔ اسے ہام دیکھے گا۔"

"تمھارا نام کیا ہے صاب؟"

"باسٹرڈ! امارا نیم پوچھتا ہائے۔" وہ میرے سوال پر ایک دم آپے سے باہر ہو گیا۔

"اس کے بغیر عورت کو کیا بتاؤں گا کہ کس نے سلام بولا ہے؟" میں نے روہانسی آواز میں کہا۔

"اوہ! آئی سی۔" اس کی آواز فوراً ہی معمول پر آ گئی۔ "ہام لیری صاب ہائے، لیری صاب۔"

"او کے سر!" میں نے بھونڈے انداز میں کہا جیسے اس سے مرعوب ہو گیا ہوں۔

"پوچھے تو بول دینا کہ ہام توم کو ہاف آور پہلے کار تلاش کر کے سلام بولنے کے لیے بھیجا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور میں بھی ریسیور کریڈل سے لٹکا کر باہر آ گیا۔

ویرا باہر گاڑی میں بے صبری کے ساتھ میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے میرے بشرے پر سکون کی علامات دیکھ لی تھیں لہٰذا میرے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی ہنس کر بولی تھی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سے بات کر کے آ رہے ہو؟"

"بہت بدزبان ہے گورا شاہی اردو میں بات بے بات گالیاں بکتا ہے لیکن تم سے گفتگو کے نتیجے میں بوکھلایا ہوا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اسے اختصار کے ساتھ وان ہوف سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

"تو تمھاری تدبیر کارگر رہی۔ نیت اب بھی ڈانوا ڈول معلوم ہوتی ہے اس کی۔" وہ بولی "اب وہ پھر پجیرو پر وار کرے گا۔ اچھا ہاتھ ڈال کر مجھے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا۔"

"اگر اسے مہلت دی گئی۔" میں نے جیب سے کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا "فون نمبر کے حوالے سے اس کا پتا لے آیا ہوں، ہمیں فوراً ہی اس پر دھاوا بولنا ہو گا۔"

"بڑا مشکل کام ہے۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بولی "نجانے وہ کتنے آدمیوں کی بھیڑ لیں وہاں رہتا ہے۔ میں اکیلی گئی تو وہ میری صورت دیکھتے ہی بدمعاشی پر تل جائے گا، تمھیں ساتھ لیا تو وہ تمھاری صورت دیکھتے ہی بھڑک جائے گا، تم اسی کے شعبے سے وابستہ تھے، وہ تمھیں ضرور پہچانتا ہو گا۔"

"لیکن میرا تو کبھی کسی غیر ملکی سے سامنا نہیں ہوا۔"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ "بالمشافہ ملاقات کے بجائے تصاویر سے بھی کام لیا جا سکتا ہے اور تم تو پچھلے دنوں تنظیم کے سارے ہی بڑوں کے لیے دردِ سر بنے رہے ہو۔"

"میرے کی دانست میں وان ہوف کی سرزنش اب بھی اتنی دشوار نہیں ہے جتنی تم سمجھ رہی ہو۔"

"کیا منصوبہ ہے تمھارے ذہن میں؟"

"منصوبہ بعد میں، پہلے یہ بتاؤ کہ یہاں مامور کیے جانے والے کیا سارے ہی غیر ملکی اردو جانتے ہیں؟"

"اس کے بغیر کام چلانا مشکل ہوتا ہے۔ بعض اوقات نچلے طبقے کے جاہل لوگوں سے براہِ راست کام لینا پڑتا ہے تو مقامی زبان کے سوا کچھ کام نہیں آتا، جہاں کام کرنا ہو وہاں کی زبان سیکھنا ہی پڑتی ہے۔"

"وان ہوف سے سامنا ہوا تو سب سے پہلے اسے گالیاں سنا کر دل کا غبار نکالوں گا پھر کچھ سوچا جائے گا۔"

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس بارے میں کیا سوچے بیٹھے ہو؟" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔

"ابھی ہم ائیرپورٹ جا رہے ہیں، گاڑی وہیں چھوڑ کر ہم ٹیکسی سے لوٹ کر وان ہوف کی قیام گاہ کا جائزہ لیں گے پھر ائیرپورٹ واپس لوٹ کر پجیرو وہیں واپس آ جائیں گے..."

"پجیرو کی کیا ضرورت ہے؟ یہ گاڑی ہماری گردنیں کٹوانے کا سبب بن جائے۔" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

"پجیرو میں اسلحہ موجود ہے جسے ہم ٹیکسی میں لاد کر نہیں لے جا سکتے پھر ٹیکسی والے پر واپسی کے لیے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کھیل شروع ہوتے ہی دھماکے سن کر وہ بھاگ لے گا۔ ایسی صورت میں اگر ہمیں اچانک ہی بھاگنا پڑ گیا تو اپنی سواری نہ ہونے کی صورت میں گھر جائیں گے۔ اب میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ خاموشی کے ساتھ سنتی رہو جرح بعد میں کر لینا۔"

"چلو، میں خاموش ہوں۔" اس نے میرے بازو پر چٹکی لے کر سگریٹ سلگانا شروع کر دی۔

"مجھے کسی مقررہ جگہ اتار کر تم پجیرو میں اکیلی وان ہوف کے گھر جاؤ گی، گاڑی باہر پارک کرو گی اور اندر جاتے ہوئے دروازے مقفل نہیں کرو گی تاکہ وقتِ ضرورت میں اندر چھپے ہوئے اسلحے تک رسائی حاصل کر سکوں۔" میں نے تفصیلات بتاتے ہوئے ترتیب برقرار رکھنا ضروری سمجھی تھی۔ "تمھارے ساتھ ایک بھرا ہوا پستول ہو گا۔ دوسرا بے آواز پستول میری تحویل میں ہو گا۔ گھنٹی کے جواب میں جو بھی آئے تم اس کے ساتھ اندر نہیں جاؤ گی بلکہ اپنے حوالے سے وان ہوف کو وہیں باہر طلب کرو گی۔ اس کی شناخت سے مطمئن ہو کر تم داہنا ہاتھ بلند کرو گی اور میں تمھاری قریبی دیوار پر ایک بے آواز فائر کروں گا تاکہ تم وان ہوف کو باہر اپنے ساتھیوں کے محاصرے کا یقین دلا سکو۔ اس کے دل میں کوئی غلط ارادہ موجود بھی ہوا تو ان حالات میں وہ تمھارے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ اس بنیادی تحفظ کے بعد اگلے اقدام کا انحصار تمھاری صوابدید پر ہو گا۔"

"بہت شاندار اور بے داغ منصوبہ ہے لیکن اتنا بکھیڑا پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے باہر آتے ہی گولی مار کر فرار ہوا جا سکتا ہے۔"

"بشرطیکہ وہ اسی قدر احمق ہوا جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ وہ بھی کسی حفاظتی چال کے بغیر تمھارا نام سن کر باہر دوڑا نہیں آئے گا پھر تم اس کے چار ساتھیوں سے بھی لاعلم ہو وان ہوف سے لگے ہاتھوں اس بارے میں بھی بازپرس کی جا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معلومات کسی مرحلے پر کام آ ہی جائیں۔"

"میرے ساتھ مل کر کام کرنا ہے تو یہ بات بے بات پر اپنی بالادستی جتانا چھوڑ دو، میں ویسے ہی تمھاری ذہانت کا احترام کرتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"یہ الزام تم نہیں بلکہ میں لگا سکتا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے بچوں سے تشبیہ دی تھی جب کہ میں ہر لمحے تمھاری بلوغت پر نگاہ رکھتا ہوں۔"

"پھر آ گئے ان ہی گھٹیا باتوں پر۔" وہ تنک کر بولی "میں کہہ چکی ہوں کہ کام کے وقت مجھے صرف اور صرف مرد سمجھا کرو۔ میرے نسوانی احساسات ذہن میں کہیں دفن ہو کر رہ جاتے ہیں۔"

"تمھارے ملائم اور حسین چہرے کے ساتھ خواجہ سرا کا تو تصوّر کیا جا سکتا ہے، کسی مرد کا نہیں۔ نقاب لگا لو تو کچھ بھی سمجھ سکتا ہوں۔"

"یہ خواجہ سرا کیا ہوتا ہے؟" پہلی بار اردو کا کوئی لفظ اس کے سر پر سے گزرا تھا۔

"یہ بظاہر ہوتا ہے لیکن عملاً ہوتی ہے۔ دونوں طرف شمار کرسکتی ہو، یہ پرانے دور کی حرم سراؤں میں عورتوں کے ملازم اور خدمت گار بلکہ نگہبان ہوتے تھے۔"

"کیوں نہ میں ٹرانسمیٹر پر اسے اپنی آمد کی اطلاع دے دوں" میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ وہ اپنے آپریٹس پر موجود ہے، میں سوچ کر تھوڑی دیر بعد جواب دوں گی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔

"خودکشی کا ارادہ ہے تو ضرور اطلاع دے دو۔ پوری تیاری کے ساتھ استقبال کرے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ اپنے آدمی کمین گاہ کے گرد پھیلا دے اور میرے فائر کرتے ہی مجھے بھی اچانک بے دست و پا کرلیا جائے۔"

"قصہ سارا اتنا ہے کہ تمہاری کھوپڑی ہی شیطانی ہے۔" وہ کھسیانے لہجے میں بولی "ہر بات کا منفی پہلو فوراً سوچ لیتے ہو۔ فائدے پر بعد میں غور کرنے کی نوبت آتی ہے۔"

"یہی وجہ ہے کہ آج تمہارا ہم نشین ہوں ورنہ کب کا تمہارے ہاتھوں مرکھپ گیا ہوتا۔"

"اس گمان میں بھی نہ رہنا۔ کچھ پتا نہیں کب تم سے طبیعت اُکتا جائے اور میں اپنا ارادہ بدل بیٹھوں۔ تمہاری طرح میری بھی ایک ذہنی رو ہوتی ہے جدھر ہو جائے ادھر ہی چل پڑتی ہوں۔"

"جواب نہ دینا لیکن آپریٹس آن کرلو تاکہ معلوم تو ہوتا رہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔"

لحظہ بھر بعد ہی گاڑی کے بند کیبن میں ریڈیائی لہروں کا دھیما دھیما، بے جان سا شور گونجنے لگا۔

"اکبر کی حیثیت سے تم اسے بتا چکے ہو کہ میں ائرپورٹ پر موجود ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر اسی طرف دوڑ لگا دے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم گاڑی کسی اور جگہ چھوڑیں۔"

"بات معقول ہے لیکن میں ذرا سا نفسیاتی فائدہ اٹھا رہا ہوں، وہ تم سے یہ توقع نہیں کرسکتا کہ تم اس کا سلام ملنے کے بعد بھی وہیں رکی رہو گی۔ ائرپورٹ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہاں بھانت بھانت کے لوگ آتے رہتے ہیں۔ کوئی بھی ٹیکسی ڈرائیور ہمیں بے چون و چرا قبول کرے گا۔ اس وقت شہر کے دوسرے حصوں میں سواری مل گئی تو ڈرائیور کے شبہات کا نشانہ بننا پڑے گا۔"

وہ کراچی نہیں لاہور تھا۔ لہٰذا ائرپورٹ کی فضا پر بوجھل سی تھکان چھائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ہم دونوں نے وسیع برآمدے کا ایک چکر لگایا پھر میں ویرا کو ساتھ لے کر ٹیلی فون والوں کے پبلک کال آفس میں جا گھسا۔ پہلے میں نے وان ہوف کا نمبر گھمایا، دوسری گھنٹی پر ہی اس کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی اور میں نے کچھ کہے بغیر کریڈل دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ ایس ٹی ڈی ٹیلی فون تھا جس پر کال بک کرائے بغیر محض کوڈ کے ذریعے اندرون پاکستان کسی بھی نمبر پر بات کی جاسکتی تھی اور اس انسٹرومنٹ کے نچلے حصے میں ایک میٹر لگا ہوا تھا جو دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوتے ہی نمبروں کے ذریعے لوکل کال یونٹس میں گفتگو کی مدت ظاہر کرنا شروع کر دیتا تھا اور کلرک میٹر کی ابتدائی اور آخری ریڈنگ کے فرق کو ستر پیسے سے ضرب دے کر فوراً کال کی رقم وصول کرلیتا تھا۔

بہت سہل، سادا اور قابل عمل طریقہ تھا لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب محکمہ اپنے دفاتر میں ایسے سیٹ استعمال کر رہا تھا تو صارفین کو ان کے اپنے خرچ پر ایسے سیٹ فراہم کرنا کیوں دشوار تھا۔ میٹر بلکہ پورے سیٹ کو محکمہ، صارف کی ذمے داری پر سیل کرسکتا تھا۔ اس طرح ہر صارف کو گھر بیٹھے لمحہ بہ لمحہ اپنے اخراجات کا اندازہ ہوسکتا تھا اور محکمے کے بھیجے ہوئے بل سے نمایاں فرق کی صورت میں ایکسچینج کی ریڈنگ کے خلاف اپنا میٹر ثبوت کے طور پر پیش کرسکتا تھا۔ اس نظام کو اپنا لینے سے زائد بلنگ کی لاکھوں شکایات کا جائز ازالہ ہوسکتا تھا اور محکمے کے بہتیرے شعبوں پر کام کا دباؤ کم ہوسکتا تھا۔ بلنگ کے لیے ایکسچینج میں ہی ریڈنگ لی جاسکتی تھی۔ گھر میں سیٹ پر یا اس سے علیحدہ کہیں سربمہر حصے میں لگے ہوئے میٹر سے صرف تنازعے کی صورت میں مدد لی جاسکتی تھی اور اگر اس انتظام میں بعض صارفین کی طرف سے متوازی لائنوں کے ذریعے مواصلاتی چوری کا خطرہ تھا تو یہ ننھے ننھے میٹر ہر علاقے میں لگے ہوئے مقفل، آہنی ڈسٹری بیوشن بورڈز میں اَن بریک ایبل شیشے کے پیچھے نصب کیے جاسکتے تھے تاکہ صارف کوئی شکایت محکمے تک لے جانے سے پہلے خود اپنا میٹر دیکھ کر اطمینان کرسکے کہ اس کی کالز کا اوسط کیا رہا ہے؟ خراب فون پر میٹر چلتا رہتا ہے یا تھم جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ سب مسئلہ سلجھانے والی باتیں تھیں۔ جو اختیارات تمیزی میں کمی پیدا کر دیتی ہیں لہٰذا ادھر کسی کی توجہ نہیں تھی، بس جو ہو رہا تھا، ہوئے جا رہا تھا۔ کچھ کے وارے کے نیارے ہو رہے تھے، کچھ پسے جا رہے تھے، جن کی خبر گیری کسی کی ذمے داری نہ تھی۔ میں نہ افسر تھا نہ حاکم لہٰذا بس سوچ ہی سکتا تھا لہٰذا سوچتے سوچتے ویرا کے ساتھ دوسری منزل پر واقع انارکلی ریستوران کی طرف ہولیا جو ویران پڑا ہوا تھا اور دو باوردی بیرے دربان سمیت کاؤنٹر پر متعین لڑکی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف اونچی آواز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ ہم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو سب کی ہنسی اور آوازوں کو یک بیک بریک لگ گئے۔ دونوں بیرے کھلاہٹ میں پھرتی کے ساتھ ہماری طرف لپکے پھر ایک از خود پسپا ہو گیا اور میں ویرا کے ہمراہ رن وے کی سمت میں بنی ہوئی شیشے کی شفاف دیوار کے قریب ایک میز پر جا بیٹھا۔

"اب یہاں وقت خراب کرو گے۔" ویرا نے مجھے اطمینان سے سگریٹ سلگاتے ہوئے دیکھ کر چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"بیوی کی سے تیور نہ دکھاؤ، میں ابھی کنوارا ہوں۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ پوری رات کالی کرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔" وہ جل کر شیشے کی دیوار سے باہر رن وے کی روشنیاں دیکھنے لگی۔

"کچھ پتا نہیں کہ معاملہ کتنا طول پکڑ جائے۔ اس وقت یہ ٹھکانا شہر میں سب سے غنیمت ہے۔ تھوڑی سی پیٹ پوجا کے بعد تو کام ہی کام کرنا ہے۔ وان ہوف تو چائے پلانے کا بھی روادار نہ ہوگا۔"

بیرا پانی کے دو گلاس لایا اور کافی کے ساتھ سینڈوچز کا آرڈر لے کر چلا گیا۔ وہ مجھے عموماً اور ویرا کو خصوصاً ایسی محبت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے ہمیں ریستوران کے ویرانے میں بہار کی آمد کا نقیب سمجھ رہا ہو۔

لذیذ سینڈوچز اور گرم گرم کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے میں مسلسل ویرا کو چڑاتا رہا۔ آدھی رات کے بعد کیے جانے والے ناشتے نما ڈنر کے بعد میں نے وہیں بیٹھے رہ کر ایک اور سگریٹ ختم کی پھر بل ادا کر کے ہم دونوں باہر آگئے۔ پروگرام کے مطابق دونوں کے پاس اس وقت کسی قسم کا کوئی اسلحہ موجود نہیں تھا۔

ہم سڑک عبور کر کے ٹیکسیوں کی طرف بڑھے تو وہاں ڈرائیوروں کے ساتھ سگریٹ نوشی کرتا ہوا ٹریفک کانسٹیبل آگے نکلتا چلا گیا تاکہ ہم کسی ناجائز قانونی امداد کی توقع کیے بغیر آزادانہ فضا میں کرائے کا مول تول کرسکیں۔

قطار میں سب سے آگے کھڑی ہوئی ٹیکسی کے ڈرائیور کو میں نے علاقے کا نام بتایا۔ اس نے دام بتائے۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو ٹریفک کانسٹیبل دور اندھیرے میں معدوم ہو چکا تھا لہٰذا میں اسّی روپے کی رقم پر جرح کیے بغیر ویرا کے ہمراہ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور ٹیکسی روانہ ہوتے ہی ڈرائیور سے باتیں شروع کر دیں، اس سے پتا چلا کہ کراچی سے آنے والی پرواز کئی گھنٹوں کی تاخیر کے بعد ڈیڑھ بجے متوقع تھی اور میں نے فیصلہ کیا کہ ہماری ائرپورٹ واپسی کے لیے وہی وقت موزوں تھا۔

وان ہوف کی قیام گاہ ہمارے لیے ہر لحاظ سے موزوں تھی اور منصوبے سے میل کھاتی تھی۔ ہم نے ڈرائیور پر اظہار کیے بغیر اشاروں ہی اشاروں میں جائزہ لیا اور دو تین سڑکوں پر بھٹکنے کے بعد اپنی یادداشت کو ملامت کرتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر دیا۔ ویرا کا ارادہ تھا کہ ایک بار پیدل بھی اس مکان کا طواف کریں لیکن میں وہ خطرہ مول لینے پر آمادہ نہیں ہوا اور ہم سواری کی تلاش میں اسی طرف ہولیے جدھر ٹیکسی گئی تھی۔

ہم دو بجے کے قریب ائرپورٹ واپس پہنچے تو وہاں خاصی چہل پہل تھی اور سامان سے لدے پھندے مسافروں کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ غالباً کراچی سے آنے والی پرواز آ ہی گئی تھی۔ ٹیکسی چھوڑ کر ہم دونوں بھیڑ میں مل گئے اور ایک چکر لگا کر دوبارہ باہر آگئے اور اس بار ویرا میں اپنی اصل مہم پر روانہ ہوگئے۔

ائرپورٹ کی حدود سے طفیل روڈ پر نکلتے ہی ویرا نے دھیمی آواز میں آپریٹس آن کر دیا تھا۔

اس بار سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔ ویرا نے اسلحہ میں سے میرے اور اپنے لیے ایک ایک پستول نکال لیا۔ وہ نجانے کیا سوچ رہی تھی مگر میں اپنی حماقت پر دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا کہ مجھے وان ہوف کے پیچھے اپنا وقت برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس طرح میں غزالہ کی بے سرو سامانی کو غیر ضروری طور پر طول دے رہا تھا۔ حد تو یہ تھی کہ مجھے ویرا سے غزالہ کی آواز میں ریکارڈ کیے ہوئے کیسٹ کے بارے میں پوچھنا بھی یاد نہیں رہا تھا۔

وان ہوف سے کوئی کشیدگی تھی تو ویرا کی تھی۔ میرا مقصد تو جلد از جلد لندن پہنچ کر غزالہ کو مغرب کی پُر ہجوم تنہائی سے نجات دلانا ہونا چاہیے تھا۔ تنظیم کی بیخ کنی ان حالات میں ثانوی درجے پر آگئی تھی لیکن آخری لمحات پر ایسی کسی رائے کا اظہار ویرا کو میری طرف سے بدظن کرسکتا تھا لہٰذا میں زبان کھولے بغیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

راستے میں ہم نے نشستیں تبدیل کرلیں۔ ڈرائیونگ سے فرصت پاتے ہی میں نے پستول اپنے لباس میں چھپا لیا۔

"میرے ذہن میں ایک اور ہی تدبیر آئی ہے۔" اچانک ویرا بولی "اگر مارنا مشکل ہے تو کیوں نہ اسے اغوا کرلیا جائے۔ میں گھنٹی بجانے کے بجائے ٹرانسمیٹر پر اسے اپنے پھاٹک پر بلاؤں گی اور گاڑی پر سوار کرا لوں گی۔"

"کامیابی ہو جائے تو یہ تدبیر سب سے سہل ہوگی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا کیونکہ مجھے وان ہوف سے اتنی سعادت مندی کی امید نہیں تھی۔ "پھر تو میرا اترنا بھی غیر ضروری ہے۔ میں پچھلی نشستوں کے درمیان، پائیدان میں چھپا جاتا ہوں۔"

"نہیں، تم اتر دو گے۔" اس نے کہا۔ "میری تدبیر کارگر رہی تو تمہیں لے لوں گی، اس نے ہچکچاہٹ ظاہر کی تو فوری طور پر تمہارے منصوبے پر عمل شروع کر دوں گی۔"

گاڑی میں اس کے بعد اعصاب شکن سناٹا چھا گیا۔

وان ہوف والی سڑک پر داخل ہونے کے بعد ویرا نے اس کے مکان سے ذرا پہلے گاڑی روکی تو میں کچھ کہے بغیر خاموشی کے ساتھ نیچے اترا اور وان ہوف کی کمین گاہ کے مقابل اندھیرے میں اس وسیع قطعۂ اراضی میں داخل ہو گیا جہاں ہر طرف قد آدم خودرو جھاڑیوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ اس اثنا میں ویرا پجیرو مطلوبہ مکان کے پھاٹک سے ذرا پہلے روک چکی تھی۔ گیٹ لیمپس کی روشنی میں میں دیکھ سکتا تھا کہ وہ بائیں ہاتھ میں اپنے دہانے کے قریب ماؤتھ پیس لیے کچھ بول رہی تھی۔

لمحہ لمحہ کر کے وقت گزرتا رہا۔ اسی طرح کئی منٹ گزر گئے لیکن آپریٹس پر ویرا کی گفتگو جاری رہی۔ مجھے الجھن ہونے لگی کہ نجانے کون سی کہانی چھڑ گئی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اور اگر ویرا کو دوسری طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا تو یوں وقت برباد کرنے کے بجائے سیدھا سادا حل تھا کہ وہ نیچے اتر کر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبا دیتی۔

آخر کار خدا خدا کر کے وہ سلسلہ ختم ہوا۔ ویرا کا ہاتھ خالی نظر آنے لگا اور اب وان ہوف کا انتظار شروع ہو گیا۔ اس نے پھاٹک تک آنے میں غیر معمولی وقت لیا تھا اور بہت احتیاط کے ساتھ دروازہ کھولا تھا۔ روشنی میں دور ہی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یا تو اس کے جسم کی ساخت ہی بدوضع تھی یا وہ جسم پر بلٹ پروف جیکٹ اور سر پر ہیٹ پہنے ہوئے تھا جس کے جھکاؤ نے اس کی پوری پیشانی کو ڈھانپ لیا تھا۔ ویرا اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے نیچے اتری اور ان دونوں میں براہ راست گفتگو چھڑ گئی۔

وان ہوف کے بارے میں میرا اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا کہ باہر نکلنے سے پہلے اس نے اپنے اوپر کسی اچانک قاتلانہ حملے کا سدباب ضروری سمجھا تھا اور اب وہ سکون کے ساتھ ویرا سے بات کر رہا تھا۔ ابتدا میں دونوں نارمل نظر آ رہے تھے، شاید پہلی روبرو ملاقات پر باہمی شناخت کے مقررہ فقروں کا تبادلہ ہو رہا تھا پھر وان ہوف کی حرکات و سکنات سے اختلاف کا اظہار ہونے لگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ویرا کی کسی بات کو ماننے پر آمادہ نہیں تھا اور شاید اس کے داہنے ہاتھ میں چھوٹے بور کا کوئی ہتھیار بھی موجود تھا۔

ویرا اپنے سن و سال کے مقابلے میں کہیں زیادہ تجربہ کار تھی لیکن وان ہوف بھی ایک گرگ باراں دیدہ تھا۔ وہ سمجھ گیا ہوگا کہ ویرا کے ساتھ جانے میں اسے کس قسم کے خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔ ان میں وہ مناظرہ کئی منٹ جاری رہا اور میں بے آواز پستول اپنے ہاتھ میں تھامے ویرا کا داہنا ہاتھ بلند ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

پھر غالباً سب کچھ میرے منصوبے کے مطابق طے ہو گیا۔

ویرا نے اچانک داہنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور میں نے ان دونوں کو بچاتے ہوئے پستول کی نال آہنی پھاٹک کے سرے پر بنے ہوئے کنکریٹ کے ستون کی طرف اٹھا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ ہلکے کھٹکے کے ساتھ ایک آتشی لکیر فضا میں تیرتی ہوئی بڑھی اور گولی ستون میں پیوست ہو گئی۔

وہاں پھیلے ہوئے سناٹے میں کنکریٹ میں گولی گھسنے کی آواز اور اس سے پہلے بارودی چمک نے ان دونوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی اور وہ ستون کے نچلے حصے پر جھک پڑے اور پھر وہ دونوں آہنی پھاٹک کے پیچھے روپوش ہو گئے۔

میں مزید کئی منٹ تک سانس روکے وہیں جھاڑیوں میں چھپا رہا۔ اتنی پیش رفت کے بعد مجھے وان ہوف کے ردِعمل کا انتظار تھا۔ اگر اس کے ساتھ خاصی نفری تھی تو ویرا کے اندر چلے جانے کے بعد کسی نہ کسی کو پجیرو اور پھر قرب و جوار کا جائزہ لینے کے لیے باہر نکلنا چاہیے تھا مگر دوسری طرف مسلسل سکوت چھایا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وان ہوف نے اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کے ساتھ ہی ویرا کی بتائی ہوئی صورتِ حال کو جوں کا توں قبول کر لیا تھا اور فی الوقت محاذ آرائی کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

وان ہوف کے اس فیصلے کی دو ہی وجوہ ہو سکتی تھیں۔

اسے ویرا کی مبالغہ آمیز کہانی پر یقین آگیا تھا جو پورے علاقے کے کڑے محاصرے کا تصور اجاگر کرتی تھی یا وہ وہاں تنہا تھا اور بیک وقت دو محاذوں پر الجھنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وان ہوف نے محاصرے کی کہانی پر یقین کیا ہو یا نہ کیا ہو، میرے بے آواز فائر نے اسے یہ یقین ضرور دلایا تھا کہ ویرا وہاں اکیلی نہیں پہنچی تھی۔ اس کا کم از کم ایک مسلح ساتھی وان ہوف کی نظروں سے دور کہیں پوشیدہ تھا۔

میں کافی دیر تک دوسری جانب سے پیش رفت کا منتظر رہا لیکن دوسری طرف چھائے ہوئے سناٹے سے میں جلد ہی اکتا گیا۔ ویرا اندر پہنچ کر نہ جانے کن حالات سے دوچار ہوئی تھی کہ فوری طور پر اس کی واپسی کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے لہٰذا میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں اس کی کمین گاہ کے پھاٹک پر نظریں جمائے خاردار جھاڑیوں سے بچتا ہوا آگے بڑھا اور سڑک پر رک کر چند ثانیوں کے توقف کے بعد تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا پجیرو کی طرف بڑھ گیا جس کے دروازے مقفل نہیں تھے۔ گاڑی کی اوٹ میں میں پھر چند ثانیوں کے لیے رکا اور میدان صاف پا کر آہستگی کے ساتھ عقبی دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔

ویرا نے گاڑی کی عقبی نشستوں کے نیچے اسلحہ چھپایا ہوا تھا



میں نے ٹٹول کر اس ڈھیر میں سے دو دستی بموں اور ٹامی گن کا انتخاب کیا۔ پستول سمیت بموں کو جیبوں میں ٹھونسا اور ٹامی گن کا میگزین سنبھالتا ہوا دوسرے دروازے سے وان ہوف کی کمین گاہ کی سمت میں اتر گیا۔

میری خوش نصیبی یا وان ہوف کی بدنصیبی تھی کہ آہنی پھاٹک کا ذیلی دروازہ اندر سے بولٹ نہیں کیا گیا تھا اور زور ڈالتے ہی کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھلتا چلا گیا تھا۔

اس مرحلے پر میں پھر ٹھٹکا اور اندر سناٹے کا احساس کرتے ہی اندر گھس گیا پھر شاید وہ لاشعوری لہر ہی تھی جس نے خطرے کا سگنل دیا۔ میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ گھوما تو گیٹ لیمپ کی روشنی میں کھلے ہوئے آہنی پٹ کی اوٹ سے گٹھے ہوئے جسم والا ایک پستہ قامت شخص اپنے اوپر حملہ آور ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں مگدر نما کوئی چیز تھی جسے وہ پوری قوت کے ساتھ میرے سر پر رسید کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ میرے متوجہ ہونے تک ایسی پوزیشن میں آچکا تھا کہ میرے لیے اسے روکنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا لہٰذا میں مدافعانہ انداز میں داہنی طرف جھکتا چلا گیا اور پھر میرے بائیں شانے پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ میں نے بہت مشکل سے اپنی چیخ ضبط کی اور دل ہی دل میں اپنے بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ وہ وار اگر نشانے پر پڑا ہوتا تو شاید میری کھوپڑی کی ہڈیاں ناقابلِ شمار حصوں میں تقسیم ہو گئی ہوتیں۔ وہ وحشی محض طاقت کے بل پر ایک ہی وار میں میرا کام تمام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

پستہ قامت ہونے کی وجہ سے وار کرتے ہوئے اسے اپنے پنجوں پر زور دینا پڑا تھا پھر جب اس کا مگدر نما آلۂ قتل متوقع بلندی کے بجائے خاصا نیچے آ کر میرے بائیں شانے پر رکا تو وہ بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ مگدر جھٹکے کے ساتھ ہی اس کی گرفت سے نکل کر زمین پر گر گیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا میرے اوپر آ رہا۔

میں نے اس کی بھرپور ضرب سے بچتے ہوئے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اپنے اوچھے وار کی جھونک میں وہ لامحالہ قدم جمائے نہ رکھ سکے گا اور میرے اوپر آئے گا لہٰذا میں نے داہنا گھٹنا فضا میں بلند کیا اور وہ اپنے پیٹ کے نچلے حصے پر لگنے والی ضرب سے تڑپتا ہوا پیچھے الٹ گیا لیکن اس میں کسی گینڈے جیسی قوتِ برداشت تھی کہ اس کے منہ سے بس ایک دبی دبی بے ساختہ غراہٹ ہی نکل سکی۔

مجھ سے چند قدم دور گرنے کے بعد اس کا جسم یوں پلٹا جیسے وہ پہلو کے بل زمین سے اٹھنا چاہتا ہو لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئے بغیر وہیں بے حس و حرکت ہو گیا۔

میرے لیے اپنی لگائی ہوئی ضرب کا اتنا شدید ردِعمل حیران کن تھا لہٰذا میں اپنی جگہ کھڑا بغور اس کا جائزہ لیتا رہا لیکن اس کے جسم میں ذرا بھی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مر ہی نہ گیا ہو لہٰذا میں اس کا جسم ہلا جلا کر دیکھنے کی نیت سے آگے بڑھا مگر جوں ہی میں اس کی زد میں آیا، اس نے حیرت ناک سرعت کے ساتھ، دونوں ہاتھوں سے میری پنڈلیاں جکڑ لیں۔ اس کی جونک جیسی گرفت سے اندازہ ہوا کہ گٹھے ہوئے جسم کے ساتھ ہی وہ بے پناہ قوت کا مالک بھی تھا اور شاید اسی گھمنڈ میں اسلحہ سے مجھے زیر کرنے کے بجائے اس نے زورِ بازو آزمانے کو ترجیح دی تھی۔

میں نے ٹامی گن کی نال کسی لاٹھی کی طرح زمین پر ٹکا کر سنبھالا لینا چاہا مگر پوری کوشش کے باوجود خود کو گرنے سے نہ بچا سکا۔ جسمانی طور پر اسے مجھ پر واضح برتری حاصل تھی۔ اگر اسے ایک بار بھی مجھ پر حاوی ہونے کا موقع مل جاتا تو میرے لیے اس کے چنگل سے بچنا ناممکن ہو جاتا۔

میں نے اپنی ٹانگوں کو اس کی مضبوط گرفت سے نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹامی گن پر اپنی گرفت درست کی اور اس کی نال تھام کر کندہ پوری قوت سے اس کے سر پر دے مارا۔ اس بار گٹھے ہوئے جسم والے مقامی کی چیخ بہت کرب ناک اور بلند آہنگ تھی، اس نے اضطراری طور پر میری ٹانگیں چھوڑ دیں اور زمین پر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

میں بدن جھاڑتے ہوئے زمین سے اٹھ گیا۔ اس کی حالت لمحہ بہ لمحہ ابتر ہوتی جا رہی تھی، پھٹے ہوئے سر سے بری طرح خون ابل رہا تھا۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساکت ہو گیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اتنی دھینگا مشتی اور مرنے والے کی دو تین چیخوں کے باوجود اندر سے کسی نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

ویرا اندر غالب رہی ہو یا مغلوب، کسی نہ کسی کو پہلی چیخ سنتے ہی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے چوری چھپے یا بانگِ دہل باہر آنا چاہیے تھا لیکن وہاں تو ایسے لامتناہی سناٹے کا راج تھا جیسے مرنے والے کے علاوہ اس عمارت میں کسی ذی نفس کا سرے سے وجود ہی نہ ہو۔

اس غیر معمولی سکوت نے میری چھٹی حس کو بیدار کر دیا۔ اندر کی صورتِ حال بہت غیر یقینی اور مخدوش تھی اور میری ذرا سی بھی لغزش میری زندگی پر اختتامی مہر ثبت کر سکتی تھی۔

میں پوری ہوشیاری کے ساتھ دبے قدموں عمارت کے داخلی برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ بھری ہوئی ٹامی گن میرے ہاتھوں میں تیار تھی اور میں کسی بھی ناگہانی صورتِ حال سے دوچار ہوتے

ہی اس کا جہنمی دہانہ کھول دینے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ اپنے سائے سے بھی محتاط رہتے ہوئے میں برآمدہ عبور کر کے پُرتکلف نشست گاہ میں داخل ہوا جو ویران پڑی ہوئی تھی پھر دوسری سمت کا دروازہ عبور کر کے ایک راہداری میں نکل گیا۔

پستہ قامت کی پُرشور موت کے بعد عمارت میں وہ سناٹا نہایت غیر حقیقی لگ رہا تھا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں وان ہوف، ویرا لائیڈ کو ٹھکانے لگا کر عقبی راستے سے فرار نہ ہو گیا ہو۔ راہداری میں بائیں طرف ویران کچن کے بعد سپاٹ دیوار تھی اور داہنی طرف دو یا تین بند دروازے تھے جن کے پیچھے روشنی ہو رہی تھی۔ اس روشنی کا اظہار فرش اور دروازوں کی درمیانی جھری سے باہر آنے والے انعکاس سے ہو رہا تھا۔

میں نے بند دروازے کا دستہ گھما کر پہلا دروازہ کھولا تو وہ کمرہ ویران اور غیر آباد نظر آیا۔ ہر شے سے ایسی اداسی ٹپک رہی تھی جیسے مدتوں سے اس کمرے میں کسی ذی روح نے قدم نہ رکھا ہو۔ فرش پر گرد کی خاصی واضح تہہ جمی ہوئی تھی جس پر کسی قسم کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا لہٰذا میں وہاں وقت برباد کرنے کے بجائے فوراً راہداری میں واپس نکل آیا۔ دبے قدموں تھوڑی سی پیش قدمی کے بعد میں نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس پُرتکلف اور آراستہ خواب گاہ میں ویرا لائیڈ اس حالت میں مسہری پر پڑی ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھ اور پیر مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کچھ ٹھونس کر ہونٹوں پر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔ اس کا پھٹا ہوا لباس اور چہرے پر آئی ہوئی خون آلود خراشیں چیرہ دستی کی وہ اَن کہی کہانی بھی سنا رہی تھیں جس میں ویرا سراسر ایک مظلوم فریق رہی ہو گی۔

اس کی حالت دیکھتے ہی میرا خون کھولنے لگا۔ ادھر وہ خود بھی دروازے پر آہٹ پا کر اس طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ اس کی بڑی بڑی نیلگوں آنکھوں میں مظلومیت کے آنسوؤں کے بجائے قہر کے شرارے کوند رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دو تین بار گردن جھٹکی لیکن میرے کچھ پلّے نہ پڑ سکا اور میں چوکھٹ عبور کر کے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

اندر گھستے ہی میں نے وحشیانہ پھرتی کے ساتھ گھوم کر کمرے کا جائزہ لیا لیکن وہاں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔ ویرا کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہماری بازی الٹ چکی تھی اور وان ہوف کسی نہ کسی طرح صورتِ حال کو اپنے حق میں ڈھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا جب کہ ہم دونوں اسی کی چھت کے نیچے موجود تھے اور وہ اگر وہیں موجود تھا تو کسی بھی لمحے اس کمرے کو ہمارے لیے چوہے دان میں تبدیل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

میں نے ویرا کی کوئی مدد کرنے سے پہلے لپک کر کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا پھر پلٹ کر ویرا کے ہونٹوں پر مضبوطی سے چپکا ہوا ٹیپ ہٹا دیا۔

"وہ ..... وہ کمینہ نکل گیا۔" ہونٹ ہلانے کی آزادی بحال ہوتے ہی ویرا غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس نے بھیڑ کا روپ دھار کر اچانک ہی بھیڑیے کی سی حرکتیں شروع کر دیں اور مجھے بے دست و پا کر کے صاف نکل گیا۔"

میں نے ایک لحظے کے لیے سوچا، اپنی بنائی ہوئی حکمتِ عملی کی روشنی میں اس وقت درپیش صورتِ حال کا جائزہ لیا اور ویرا کا زندہ وجود میری نگاہوں میں کھٹکنے لگا۔

اس وقت تک میں نے وان ہوف کو دور ہی سے دیکھا تھا لیکن ویرا کی زبانی میں جو کچھ سن چکا تھا اس کے مطابق وان ہوف خونخوار، درندہ صفت اور انتہائی خود غرض آدمی تھا جو اپنے مفاد کے لیے بے دریغ کسی کی بھی گردن کاٹ سکتا تھا۔ اس نے چند گھنٹے پیشتر ہی لائیڈز کالج کی ہولناک تباہی کی آڑ لے کر ویرا کو ایک سازش کے ذریعے اپنے راستے سے ہٹانا چاہا تھا تاکہ تنظیم میں اس کی اپنی تیز تر ترقی کا راستہ صاف ہو جاتے لیکن اس کے ماضی کے پیشِ نظر ویرا بروقت خطرے کو بھانپ گئی، اس طرح نہ صرف وہ اپنی گردن بچا گئی بلکہ دوسری طرف وان ہوف کے گھناؤنے عزائم کا ثبوت بھی حاصل کر لیا۔

اس اعتبار سے وان ہوف سے ملاقات ہونے تک ویرا کو اس پر ہر اعتبار سے بالادستی حاصل تھی اور وہ وان ہوف کو یہ جتا چکی تھی کہ وہ اس کی بدنیتی کی شکایت اوپر تک لے جائے گی۔ دوسری طرف میرے فائر اور ویرا کی کہانی سے اس پر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ویرا اکیلی ہی اس کی کمین گاہ پر نہیں چڑھ دوڑی تھی بلکہ اس کے پیچھے اس کے حامی بھی موجود تھے۔ اس پس منظر میں اوّل تو وان ہوف کو ویرا کو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے تھا اور اگر اس نے اپنی سب کشتیاں جلا کر نکل بھاگنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا تو ویرا کو بے دست و پا کر کے ڈالنا غیر فطری نظر آ رہا تھا۔ اپنی حکمتِ عملی کے تحت اسے ویرا پر غالب آتے ہی اسے ٹھکانے لگا دینا چاہیے تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی فرار نہیں ہوا تھا بلکہ اسی کمین گاہ کے کسی گوشے میں روپوش تھا۔ اسے مکان سے باہر پھیلے ہوئے ویرا کے مفروضہ ساتھیوں کا خوف تھا اسی لیے اس نے ویرا کو باندھ کر ڈال دیا تھا۔ اسے امید رہی ہو گی کہ ویرا کی واپسی میں تاخیر ہونے پر باہر سے کوئی نہ کوئی صورتِ حال کا جائزہ لینے اندر آئے گا اور اس کی ویرا سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں وہ اپنا آئندہ لائحہ عمل مرتب کر سکے گا۔ اپنی اس عمارت میں غیر موجودگی کا یقین

[دل]انے کے لیے اس نے اس قدر بے حسی اور سنگدلی کا مظاہرہ [کی]ا تھا کہ اپنے پستہ قامت مقامی ملازم یا مددگار کی چیخوں پر بھی اس [ک]ی جان بچانے کے لیے مداخلت نہیں کی تھی بلکہ عین ممکن تھا کہ وہ [ک]سی تاریک گوشے میں چھپا میرے ہاتھوں اس کی موت کا پورا [م]نظر اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا ہو۔

قرب و جوار میں وان ہوف کی موجودگی کے امکانات واضح ہوتے ہی میں نے اپنے لیے ایک راہ متعین کر لی اور طویل وقفہ [د]یے بغیر پُرسکون لہجے میں ویرا سے بولا۔ "یہاں سے نکل گیا لیکن [بچ] کر کہاں جائے گا، وہ لوگ اسے کتے کی طرح گھسیٹتے ہوئے یہاں لے آئیں گے۔"

"کون لوگ؟ .....!" ویرا نے غصے اور جھلاہٹ میں میری اس بے سروپا قیاس آرائی پر دانت پیسے تھے کہ میں نے اُسے [آ]نکھ سے اشارہ کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ سب ابھی تک اس مکان کے گرد اپنے ٹھکانوں پر جمے ہوئے ہیں۔ انھیں جُل دے کر اس عمارت سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہ نکل سکے گا۔ اب ہمیں یہاں سے جلد از جلد باہر نکلنے کی فکر کرنا چاہیے۔"

ویرا نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ ایک دو بار پلکیں جھپکائیں پھر شاید وہ میرا مقصد بھانپ گئی۔ "تو پھر اب تک وہ کہاں مرا ہوا ہے۔ اس نے تو اندر آتے ہی دھوکے سے مجھے زیر کر لیا تھا۔"

"وہ جہاں بھی ہو، کیفرِ کردار کو پہنچ جائے گا، مجھے ڈر ہے کہ یہاں کوئی ٹائم بم وغیرہ نہ چھپا ہوا ہو، اس کے پھٹنے سے پہلے یہاں سے نکل چلو۔" میں نے عجلت آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے جیسے ہی دروازے کا بولٹ گرایا، باہر سے کسی نے پوری طاقت سے اس پر زور ڈالا اور میں تیزی کے ساتھ کھلتے ہوئے پٹ کی آڑ میں ہو گیا۔ میں نے بلٹ پروف میں ملبوس وان ہوف کی بس ایک جھلک ہی دیکھی تھی، اس کے ہاتھ میں اب بھی چھوٹے بور کا ہی کوئی ہتھیار موجود تھا جس کی نوعیت کا مجھے اندازہ نہ ہو سکا۔

ویرا کمرے کے وسط میں تھی۔ اس کی نفرت برساتی ہوئی آنکھیں کھلے ہوئے دروازے پر مرکوز تھیں۔ چند ثانیوں تک فضا پر سنسنی خیز سکوت چھایا رہا۔ میں دروازے کی اوٹ سے نکلا [تو] وہ اندر آیا پھر اس کی سرد آواز سنائی دی۔

"تم دروازے کی آڑ سے سامنے آ جاؤ ورنہ میں ویرا کو گولی [مار] دوں گا۔" وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

"اسے گولی مارنا تھی تو اب تک کس بات کا انتظار کر رہے تھے؟" میں نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے تمھیں پہچان لیا ہے ڈینی!" اس کی آواز بدستور سرد اور سپاٹ تھی۔ "اور مجھے یقین ہے کہ لائیڈز کالج کی تباہی میں تمھارا ہاتھ ہے ورنہ تم اس وقت یہاں زندہ موجود نہ ہوتے۔ تم نے اپنے ساتھ اس لڑکی کو بھی اس سازش میں ملوث کیا ہے اور میں اس بارے میں کھل کر دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں سن رہا ہوں، تم بولے جاؤ۔" میں نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمھارے ہاتھ میں ٹامی گن دیکھی تھی، اسے پھینک کر سامنے آؤ۔" اس کی آواز سخت اور تحکم آمیز ہو گئی۔ "ورنہ میں کمرہ بند کر کے یہاں آگ لگا دوں گا اور افراتفری میں کوئی مجھے نہ روک سکے گا۔"

"کوشش کر کے دیکھ لو۔" میں نے بدستور بے پروایانہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "جن لوگوں نے پھاٹک پر تمھیں دیکھا ہے وہ کسی حال میں تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے لیے ویرا کی زندہ و سلامت واپسی ضروری ہے۔"

"یہی میں بھی چاہ رہا ہوں۔" یک بیک اس کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ "میں یہاں محاصرے میں بیٹھ کر تمھارے ساتھ برابری سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ ہم تینوں کو یہاں سے کہیں باہر نکلنا چاہیے، مارنا ہوتا تو میں ویرا کو پہلے ہی مار چکا ہوتا۔"

"شاید یہ اندازہ تمھیں تھا کہ ویرا کو مار کر اس وقت تم دشواری میں پڑ جاؤ گے۔" میری نگاہیں مسلسل ویرا پر مرکوز تھیں اور میں کہے جا رہا تھا۔ "ورنہ تم تو دل سے اس سے چھٹکارا پانے کے خواہاں ہو، اور ابھی تم نے ہم دونوں پر لائیڈز کالج کی تباہی کا گھناؤنا الزام لگایا ہے جو تمھاری بدنیتی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔"

"میری آخری اطلاعات کے مطابق تم لائیڈز کالج میں تھے، لائیڈز کالج تباہ ہو گیا لیکن تم وہیں جل مرنے کے بجائے بالکل محفوظ، ویرا کے ساتھ گھوم رہے ہو، ان حالات میں کوئی نتیجہ اخذ کرنا اتنا دشوار نہیں ہے اور .....!"

آخر کار وہ لمحہ آ ہی گیا جس کے انتظار میں میں گفتگو کو طول دے رہا تھا۔ ویرا نے اپنے جسم کو حرکت دیے بغیر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ذریعے پُرجوش انداز میں اشارہ کیا اور میں نے پوری قوت کے ساتھ دروازے کا پٹ چوکھٹ کی طرف دھکیل دیا۔ وان ہوف جو چوکھٹ سے قدرے اندر کھڑا ہوا تھا، بُری طرح دروازے کی زد میں آیا کیونکہ میں نے وزنی چوبی پٹ پر پہلے اس کی کھوپڑی پھر پورے جسم کے بھرپور تصادم کا جھٹکا محسوس کیا تھا اور وہ غضبناک انداز میں غراتا ہوا پیچھے الٹ گیا تھا۔

راہداری میں اُس کے گرنے کی پُرشور آواز سنتے ہی میں نے دوبارہ دروازہ کھول دیا لیکن مجھے اس کو دبوچنے میں سبقت حاصل نہ ہو سکی۔ دروازہ کھلتے ہی ویرا فضا میں اڑتی ہوئی کسی شکاری پرندے کی طرح وان ہوف پر جا گری تھی۔

تنگ اندام ویرا نے اپنے مخملیں جسم کا اڑتا ہوا بوجھ اس مہارت کے ساتھ وان ہوف کے وجود پر استعمال کیا تھا کہ بدن پر بلٹ پروف ہونے کے باوجود اس کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور اس کے بعد تو ویرا کسی چھلاوے کی طرح راہداری میں فرش پر گرے ہوئے وان ہوف کے گرد ناچنے لگی۔ اس کے چاروں ہاتھ پیر کسی وحشیانہ جنگی رقص کے انداز میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ حرکت کر رہے تھے اور اس کے ہر وار پر وان ہوف کے حلق سے کرب میں ڈوبی ہوئی کریہہ آوازیں نکل رہی تھیں۔

ویرا کی بالادستی کا اندازہ ہوتے ہی میں نے دخل اندازی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے وان ہوف کے ہاتھوں بے خبری میں بدترین زک اٹھائی تھی اور اب انتقام کے خونی جذبے کے تحت اسے اُدھیڑ کر اپنی انا کی تسکین کا سامان کر رہی تھی۔ وان ہوف ہاتھ پیر فضا میں لہرا کر ویرا کو پکڑنے یا روکنے کی ناکام کوششوں میں مبتلا تھا۔ ویرا کی ماہرانہ چابکدستی کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وان ہوف کسی سائے کو پکڑنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔ ہاتھ پیروں کے ساتھ ویرا کی زبان بھی چل رہی تھی لیکن جو کچھ وہ کہہ رہی تھی سب کا سب ناقابلِ تحریر تھا۔

چند منٹ میں جب ویرا نے اس کے جسم کے ہر نازک حصے سے خون کی دھاریں بہا دیں تو پھر چند ثانیوں کے لیے وہ ٹھہری، اس مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے لہولہان وان ہوف نے چند گہرے گہرے سانس لیے پھر اچانک ہی ویرا نے ایک وحشیانہ چیخ مار کر اپنے ہاتھ کی کھڑی ہتھیلی سے وان ہوف کی گردن پر آخری وار کیا اور اس کا بدن کسی ردِعمل کا واضح اظہار کیے بغیر یک بیک بے جان ہو گیا۔ وان ہوف کی گردن کی اس کے جسم سے بے ربطی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے آخری وار میں اس کی گردن توڑ دی تھی۔

”یہ کیا کیا تم نے ؟“ میں نے بے یقینی کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

وہ وان ہوف کی موت کا کوئی اثر لیے بغیر پہلی بار فراخ دلانہ انداز میں ہنسی ”یہ نہ کرتی تو بھلا کیا کرتی اس مردود کے ساتھ۔“

یک بیک میرے ذہن پر سے بھی جمود ڈھل گیا۔ ”گردن نہ بھی توڑتیں تو وہ بے چارہ ویسے ہی مر جاتا۔ تمھارے ساتھ دھول دھپّے کی لذتیں ہی اس کو جہنم واصل کر دیتیں۔“



”اب خون نہ سلگاؤ میرا۔“ وہ سگریٹ جلاتے ہوئے بولی۔ ”مجھے تو یہ سوچ سوچ کر ہی اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے مجھے زیر کر لیا تھا۔ رہی سہی کسر تمھارے اندازوں نے پوری کر دی۔ یہ تو بتاؤ کہ تم دشوار حالات میں بھی اتنے درست اندازے کیسے قائم کر لیتے ہو ؟“

”بس وجدان کہہ لو۔“ میں ہنس کر بولا ”سب کچھ سامنے نظر آنے لگتا ہے۔“

”مجھے امید نہیں تھی کہ اس موذی سے اتنی آسانی کے ساتھ گلو خلاصی ہو سکے گی۔“ وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

”امید تو مجھے بھی نہیں تھی۔ بس ستارے اچھے تھے کہ وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ اس کے گینڈے نما ساتھی کو میں باہر ہی مار آیا تھا۔“

”اوہ ! تو وہ چیخیں اسی کی تھیں ؟“ وہ حیرت سے بولی۔

”میرا خیال ہے کہ وہ وان ہوف کا بہت پرانا اور وفادار ساتھی تھا۔“ میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ”شاید وان ہوف کہیں چھپا ہوا، میرے ہاتھوں اس کے مرنے کی پوری کارروائی دیکھ رہا تھا لیکن اس خود غرض شخص نے اپنے ساتھی کو بچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ وہ مجھے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ عمارت ویران پڑی ہوئی ہے اور اپنی اس کوشش میں وہ خاصی حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا۔۔۔“

”لیکن تمھارے وجدان نے اس کا بیڑا غرق کر دیا۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

”میرے حساب سے تم نے وان ہوف کو مارنے میں ذرا عجلت سے کام لیا۔“ میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

”وہ کیوں ؟“ ویرا کا منہ بن گیا۔

”میں اس سے تنظیم کے دوسرے چار بڑوں کے بارے میں بھی معلوم کرنا چاہتا تھا۔“ میں نے کہا۔

”بالکل بے سود ہوتا۔ مہلت ملتی تو شاید وہ دوبارہ اپنی بالادستی قائم رکھنے کی کوئی صورت نکال لیتا۔ اس سے کچھ اگلوا لینا اتنا آسان نہ ہوتا، وہ بہت سخت جان اور ضدی تھا۔“

”اور نہ تم ان چاروں کے بارے میں کچھ جانتی ہو ؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ چار کیا، میری تو وان ہوف سے بھی یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بارے میں بس کہانیاں ہی سنتی رہی تھی۔ یہاں آنے کے بعد دو مرتبہ ٹرانسمیٹر پر بات ہوئی تھی لیکن اٹلی میں میں نے ماسٹر کمپیوٹر پر اس کی فائل دیکھی ہوئی تھی۔“

”پھر تو وہاں ان چاروں کا ریکارڈ بھی رہا ہوگا۔“

”ضرور رہا ہوگا لیکن میں نے ان پر کبھی توجہ ہی نہیں دی۔ وان ہوف کا ریکارڈ اس لیے دیکھنا پڑا کہ اس سے پاکستان آ کر رابطہ قائم کرنا تھا۔ یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ ان لوگوں سے یوں ٹھن جائے گی۔“

”اس کا مطلب ہوا کہ اٹلی میں ان لوگوں کا ریکارڈ ہر ایک کی دسترس میں ہے ؟“

”نہیں۔“ اس نے پُریقین لہجے میں کہا۔ ”ہر کمپیوٹر میں ایک خفیہ میموری ہوتی ہے، جب تک کمپیوٹر کی سیکرٹ کی آپریٹ کر کے مخصوص لفظ یا نمبر فیڈ نہ کیا جائے کمپیوٹر خفیہ معلومات ظاہر نہیں کرتا۔ وہ مخصوص لفظ جی لائیڈ کے خاص معاون کو معلوم ہے یا اس کے ذریعے میرے علم میں آیا تھا۔ اب واپس جا کر ان چاروں کا ریکارڈ بھی دیکھوں گی۔“

”اور شاید اسی کمپیوٹر میں تمھارا ریکارڈ بھی ہوگا ؟“

”ہو سکتا ہے کہ کبھی رہا ہو، اب نہیں ہے کیونکہ اب میں جی لائیڈ کے علاوہ کسی کو جوابدہ نہیں ہوں، دوسرے ہر وقت مجھے جواب دہ ہیں۔ تنظیم میں میرا مقام خاصا بلند ہے۔“

”پھر بھی وان ہوف نے تم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی ؟“

”بغاوت ہر پروٹوکول سے عاری ہوتی ہے۔ باغی سپاہی اپنے کمانڈر انچیف کے منہ پر تھپڑ بھی مار سکتا ہے لیکن انجام تم نے دیکھ ہی لیا۔“ اس نے تحقیر آمیز انداز میں وان ہوف کی لاش کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”تم اپنے مسائل سمیٹتی جا رہی ہو، میرا مسئلہ اپنی جگہ موجود ہے۔“

”تمھارا مسئلہ ؟“ اس نے حیرت سے کہا۔

”جب تک غزالہ سے ملاقات نہ ہو جائے وہ میرا مسئلہ ہی بنی رہے گی۔“

”بظاہر یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ اس مکان کی تلاشی کے بعد تمھیں اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہو پروگرام طے کر لو۔ مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔“

”تلاشی کی کیا ضرورت ہے، وقت ہی برباد ہوگا۔“

”ہمارے یہاں مواصلاتی الیکٹرونکس کا استعمال بہت عام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں کچھ ایسی باتیں ریکارڈ ہوئی ہوں جن کے انکشاف سے مجھے نقصان پہنچ سکے۔“

”آؤ۔“ میں اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔ ”اس کا علاج بڑا آسان ہے۔“

وہ بے چون و چرا میرے ساتھ چلی آئی۔

اس دوران میں مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ اس عمارت میں وان ہوف اور اس کے پستہ قامت معاون کے علاوہ کوئی تیسرا موجود نہیں تھا ورنہ وہاں رونما ہونے والی مار دھاڑ میں ضرور دخل انداز ہوتا۔ اسی یقین کے تحت میں ویرا کے ہمراہ بے فکری کے ساتھ عمارت سے گزر کر باہر آ گیا اور پھر ہم دونوں گیراج میں جا پہنچے جہاں نیلے رنگ کی طاقتور انجن والی فورڈ مستانگ موجود تھی۔

گیراج میں نلکی اور ایک خالی ڈبّا تھوڑی سی تلاش کے بعد مل گیا اور میں نے تار کے سرے کی مدد سے پٹرول کی ٹنکی پر لگے ہوئے ڈھکن کا تالا کھولا اور پھر ٹنکی سے پٹرول کی دھار ڈبّے میں منتقل کرنا شروع کر دی۔

”کیا عمارت کو آگ لگانے کا ارادہ ہے ؟“ ویرا نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

”میرا بس چلے تو ان سب کو ایک جگہ بے دست و پا کر کے زندہ نذرِ آتش کر دوں۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”تم ان کے ساتھ منشیات فروشی میں ملوث ضرور رہی ہو لیکن تم نے عام لوگوں پر ہیروئن کے تباہ کن اثرات قریب سے نہ دیکھے ہوں گے کہ یہ لعنت اپنے شکار کو ایک زندہ لاش میں بدل کر رکھ دیتی ہے جسے اخلاق، مذہب، رشتوں اور اپنی ذمہ داریوں کا کوئی احساس نہیں رہتا بس وقت ہونے پر، ہر قیمت پر نشہ درکار ہوتا ہے اور تنظیم کے خودساختہ بڑے اس قدر سفاک اور درندہ صفت ہیں کہ اپنے ذرا ذرا سے مفاد کے تحفظ کے لیے ہر لمحے انسانی لہو کی بھیانک ہولی کھیلنے پر تُلے رہتے ہیں۔ ان کے لیے انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔“

”اس وقت تم اچانک ہی کچھ جذباتی ہو گئے ہو۔“

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ مدتوں کے بعد اچانک مجھے اپنا عزیز دوست طارق یاد آ گیا تھا جس نے تنظیم کے لیے ہمیشہ دل و جان سے کام کرتے ہوئے اپنے لہو سے اس کی بنیادوں کی آبیاری کی تھی۔ ابتدائی ایّام میں چرس کے عادیوں میں ہیروئن کو متعارف کرانے کا گھناؤنا کام اسے یوں قبول کرنا پڑا تھا کہ اس مرحلے پر تنظیم کے کسی منصوبے سے انحراف کی سزا موت ہوتی اور طارق کو اپنی جان بہت عزیز تھی لیکن پھر وہ کچھ سرکاری اہلکاروں کی نگاہوں میں آ گیا۔ اس کی وجہ سے تنظیم کے راز افشا ہونے کا ایک امکان پیدا ہو گیا۔ اس کا بہتر علاج یہ ہوتا کہ طارق کو ملک میں یا ملک سے باہر کہیں روپوش کرا دیا جاتا لیکن اس بے ضرر راستے کے بجائے اسے بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا گیا۔ اس بے چارے نے اپنی جس جان کی حفاظت کے لیے اپنے ضمیر کے خلاف ایک سمجھوتا کیا تھا، وہ جان بے ملال انداز میں موت کی وادیوں میں دھکیل دی گئی تھی۔

پھر ان خونریزوں نے میرے خلاف کیا کچھ نہیں کیا تھا مجھے نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن میرا مقدر یاور تھا کہ میں ہر بار بچتا رہا پھر لائیڈز کاٹیج کے اطراف میں اس قلعے کے مسلح محافظوں نے خالص جنگی انداز میں مجھے بھون ڈالنا چاہا۔ بڑی ماں کو کوڑا جلانے والی برقی بھٹی میں ڈال کر شاید زندہ جلا دیا، میرے سوتیلے بھائی کو میری نگاہوں کے سامنے گولی ماردی۔ ان سب تصورات کی رو میں بہہ کر ان کے خلاف میرا جذباتی ہونا غیر فطری نہیں تھا۔

فرشی قالینوں اور چوبی فرنیچر سے بھاری پردوں تک وہاں آتش زنی کو کامیاب بنانے کے لیے بہت کچھ موجود تھا میں نے ہر کمرے کے وسط سے پیٹرول کی لکیر راہداری تک بنانا شروع کر دی۔ پھر میں اس کمرے میں داخل ہوا جہاں زرہ پوش وان ہوف کی لاش کسمپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی مسہری پر پیٹرول ڈالتے ہوئے اچانک میری نگاہ فرشی قالین پر وان ہوف کی لاش سے ذرا دور پڑے ہوئے اس ننھے سے پستول نما ہتھیار پر پڑی جو میں وان ہوف کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔

اسی لمحے ویرا نے بھی مختصر سی نال والا وہ عجیب سا پستول دیکھا اور پھر بے تابانہ انداز میں اٹھا لیا۔

میں مسہری کے بعد قالین پر پیٹرول کی لکیر بناتا ہوا وان ہوف کی مکروہ لاش تک پہنچا تو اچانک ہی ویرا کی تحیر آمیز آواز نے مجھے چونکا دیا اور میں اپنا کام بھول کر چند ثانیوں کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”بہت زبردست ہتھیار ہاتھ لگا ہے۔“ وہ سیاہ پستول کو ہاتھ میں لیے کہہ رہی تھی۔ ”بارودی اسلحے میں یہ حال ہی کی ایجاد ہے، میں نے بھی بس نام ہی سنا تھا، دیکھا پہلی بار ہے۔“

”کیا طیارہ شکن پستول ہے؟“ میں نے وان ہوف کی لاش کو پیٹرول میں تر کرتے ہوئے برا سا منہ بنا کر سوال کیا۔

”یہ ریمنگٹن کا ایکسپلوڈر ہے۔ اس کی گولی جسم میں دو سے ڈھائی انچ اندر پیوست ہوتے ہی پھٹ جاتی ہے اور لاش کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں۔ تم اپنا کام کرو، میں ذرا اس کے فالتو میگزین کے ڈبے تلاش کر لوں۔“

”یہ ایکسپلوڈر کیا بلا ہے؟ میں تو یہ نام بھی پہلی ہی بار سن رہا ہوں۔“ میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”سات راؤنڈز کا میگزین ہوتا ہے۔ رینج خاصی ہوتی ہے۔ گولی پھٹ جانے کی وجہ سے یہ سراغ لگانا ناممکن ہو جاتا ہے کہ فائر کس اسلحے سے کیا گیا تھا۔ نشانے کی بھی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔“ وہ اس کمرے کی الماریوں اور درازوں کو کھنگالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”سر سے دھڑ تک کہیں بھی لگے موت یقینی ہوتی ہے کیونکہ گولی پھٹتے ہی اعضائے رئیسہ کے بھی چیتھڑے اڑا دیتی ہے۔“

جب میں راہداری میں ملنے والی مختلف لکیروں سے آگے پیٹرول کی دھار بہاتا ہوا لکاسی کے راستے کی طرف بڑھ رہا تھا تو ویرا بھی میرے ساتھ آملی۔ اسے کمرے سے ایکسپلوڈر کے دو بھرے ہوئے ڈبے مل گئے تھے۔

باہر پہنچنے تک میں نے پیٹرول کا ڈبا پوری طرح خالی کر دیا اور ڈبا پستہ قامت کی لاش کے قریب اچھال دیا۔ پجیرو میں سوار ہو کر میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کلچ دبا کر گیئر ڈالنے کے بعد ایک دیا سلائی جلا کر پھاٹک میں کھلے ہوئے ذیلی دروازے سے اندر فرش پر پھیلے ہوئے پیٹرول کی طرف اچھال دی۔

بھق کی ہلکی سی آواز کے ساتھ پیٹرول کے بخارات نے آگ پکڑ لی اور پھر پجیرو کے بڑھتے بڑھتے وہ آتشی لکیر تیزی کے ساتھ عمارت کے اندرونی حصوں تک پھیلتی چلی گئی۔

”عمارت کو آگ لگا کر ہم نے غلطی کی۔“ پجیرو کے کافی دور نکل آنے کے بعد ویرا نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

”چاہو تو چل کر بجھا سکتے ہیں۔“ میں نے جھلا کر کہا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔ ”وہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا ہم بے فکری کے ساتھ اسی عمارت کے کسی کمرے میں رات بسر کر سکتے تھے، صبح روانہ ہوتے ہوئے آگ لگائی جا سکتی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کہاں جائیں۔ گاڑی بھی مخدوش ہے، اسے زیادہ دیر تک زیر استعمال نہیں رکھ سکتے۔“

ٹھکانے کے بارے میں اس کی تشویش بجا تھی لیکن وان ہوف کے مکان کے استعمال کے بارے میں میں اس سے متفق نہیں تھا۔ وہ دونوں ختم کر دیے گئے تھے لیکن ہماری بے خبری میں کسی بھی وقت کوئی تیسرا وہاں آ سکتا تھا اور کسی بھی غیر معمولی تبدیلی پر چونکنا ہو کر ان دونوں کے قتل کے راز سے واقف ہو سکتا تھا ایسی صورت میں ہم بے خبری میں رنگے ہاتھوں پکڑے جا سکتے تھے۔

ہمیں بس وہ رات ہی کہیں بسر کرنا تھی پھر صبح کی پہلی پرواز سے ہم کراچی لوٹ جاتے یوں تو وہ چند گھنٹے اس گاڑی میں بھی گزارے جا سکتے تھے لیکن اس میں خطرات بھی مضمر تھے۔ وان ہوف کے مکان سے دور نکل کر میں سست روی کے ساتھ ڈرائیونگ کرتا رہا پھر اچانک ہی میں نے ویرا کے ہوٹل واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ ویرا میرا فیصلہ سن کر حیران رہ گئی تھی۔

”تھوڑی دیر پہلے تک تو تم یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے پھر اب کیا ہو گیا؟“

”اس وقت وان ہوف زندہ تھا اور اسے ہماری تلاش تھی۔



اب گاڑی سے پیچھا چھڑانے کے بعد ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے ہم بلاوجہ ہی پریشان ہو رہے ہیں۔“

”وہ مر گیا لیکن اس نے کچھ لوگوں کو ہماری بو پر لگایا ہوا تھا، جب تک انھیں وان ہوف کی موت کا علم نہیں ہوتا، ہماری تلاش کی مہم جاری رہے گی۔“ اس نے کہا۔

”رہا کرے۔۔۔ وہ سب شہر میں گاڑی تلاش کر رہے ہوں گے جو تھوڑی دیر بعد کہیں خالی کھڑی ہوئی مل جائے گی۔“

”یہ خیال بھی تو تھا کہ ناصر یا خود وان ہوف نے براہ راست کسی کو ہوٹل پر مامور نہ کر دیا ہو؟“

”تم تھک گئی ہو۔“ میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”تم نے خود ہی مجھے بتایا تھا کہ تم نے ہوٹل میں کمرہ ایک نو مسلم مقامی عورت کے طور پر بک کرایا ہے۔ لیلیٰ شہزاد کے نام پر کوئی شبہ تک نہ کر سکے گا کہ وہ شوگر کوئین کا کوئی روپ ہے۔ پھر کوئی مقامی تمھارا صورت آشنا بھی نہیں ہے۔ شوگر کوئین کی حیثیت سے تم سیاہ پوش عورت کے روپ میں ہی ان کے سامنے آتی رہی ہو۔ وان ہوف کے مرنے کے بعد تمھارے پہچان لیے جانے کا کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔ ہوٹل میں اگر کوئی نگرانی پر مامور بھی ہوا تو اس کا دائرہ کار پجیرو استعمال کرنے والوں کی ذات تک محدود ہو گا۔“

”غنیمت ہے کہ تمھارا ذہن جاگ رہا ہے۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ ”ایسی تھکا دینے والی خونریز رات میری زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔ سارا ہی وقت بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ میں گزرا ہے۔“

”ہوٹل پہنچ کر ساری تکان دور ہو جائے گی۔“ میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ”ٹھکانا نہ ملے تو میں ناصر کو بھی چھیڑ دوں گا۔“

”پہلی بات تو یہ کہ تم اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو گے۔“ وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھی۔ ”اگر اس وقت ہم خطرناک صورت حال سے دوچار نہ ہوتے تو میں ہرگز تمھیں اپنا کمرہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دیتی۔۔۔“

”بس۔“ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے خاموش کر دیا۔ ”غیر ضروری تقریر کی ضرورت نہیں۔ آج کی رات تمھاری سنگدلی اور سفاکی دیکھنے کے بعد مجھے بھی تم سے خوف آ رہا ہے۔ تمھارے بارے میں کوئی نرم و نازک خیال ابھرا تو مجھے اپنی صحیح الدماغی پر شبہ ہونے لگے گا۔ وہ بات میں نے یوں ہی روا روی میں کہی تھی۔“

شاید اس نے سر گھما کر مجھے غصیلی نگاہوں سے گھورا تھا پھر بولی۔ ”اور دوسری بات یہ کہ میں اب تمھیں کسی سے چھیڑ چھاڑ کا مشورہ نہیں دوں گی۔ لائیڈز کاٹیج سے تمھارے فرار کی کہانی ابھی تک راز میں ہے۔ ان لوگوں کو یہی سمجھنے دو کہ تم بھی اس حادثے میں لقمۂ اجل بن گئے ہو۔ انھیں شبہ بھی ہو گیا کہ تم وہاں سے قبل از وقت زندہ نکل بھاگے تھے تو وہ تمھاری تلاش میں ہر اس ٹھکانے کو جہنم بنا دیں گے جہاں سے تمھارا سایہ بھی ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔“

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ اس وقت ان معاملات میں کسی مردانہ آواز کی دخل اندازی سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ اکبر سے ملا ہوا ناصر کا فون نمبر میرے پاس محفوظ تھا جس کے سہارے میں کسی بھی وقت دوبارہ ان لوگوں کی راہ پر لگ سکتا تھا۔ اس وقت میرے لیے ان معاملات میں الجھنا خطرناک ہو سکتا تھا اور دیار غیر میں غزالہ تک میری رسائی میں غیر متوقع تاخیر ہو سکتی تھی۔

☆

ویرا ازلی طور پر ایک خبیث عورت تھی۔ اس کی ذات میں نرمی اور نزاکت کے حوالے سے میں نے جو کچھ کہا تھا وہ شاید اس کی انا کو بھڑکانے کا سبب بن گیا تھا کیونکہ بظاہر اس کا رویہ خشک تھا لیکن اس نے شب خوابی کا اشتعال انگیز لباس بدلنے کے بعد غزالہ کا ریکارڈ کیا ہوا پیغام اس امید پر میرے حوالے کیا کہ میں ریکارڈ سننے کے بعد کچھ اس کی ستائش شروع کر دوں گا مگر میں نے کیسٹ لے کر اس کے منی ریکارڈ میں چڑھایا اور پلے کا سوئچ آن کر کے بے پروائی سے صوفے پر دراز ہو گیا۔

”میں خیریت سے ہوں۔“ کیسٹ سے غزالہ کی ترنم ریز اور پرسکون آواز ابھری اور میرے وجود میں خلش اور آسودگی کا ایک ملا جلا احساس بیدار ہو گیا۔ آسودگی کا تعلق غزالہ سے قائم قربت سے تھا اور خلش اس بات کی تھی کہ وہ اس وقت میری رسائی سے ہزاروں میل دور غیروں کے درمیان پناہ گزین تھی۔

”مجھے ہر چیز کی آزادی اور سہولت میسر ہے مگر ایک بند چار دیواری میں ایک بوڑھی عورت میری دیکھ بھال اور خدمت پر مامور ہے جو میری ہر بات سمجھنے کے باوجود ایک لفظ بھی نہیں بولتی اور عملاً گونگی بنی ہوئی ہے میں جس عورت کی قید میں ہوں وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں چھپی رہتی ہے۔ ایک بار پہلے سامنے آئی تھی یا اب میرے قریب موجود ہے۔ بظاہر مہربان لگتی ہے۔ اپنوں سے دوری کے علاوہ مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ اب شاید مجھے کوئی لمبا سفر درپیش ہے۔ میں منزل سے لاعلم ہوں اور شاید اپنے انجام سے بھی۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ یہ پیغام کس کے حوالے کیا جائے گا۔ باپ کے لیے میں صبر کے مشورے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ماں اور بھائی کی طرف سے مجھے فکر لاحق ہے

لیکن خوشی ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کو گرد وپیش کا گہرا شعور نہیں ہے ورنہ روپوش ہونے والی بہنوں کے بھائی صدمے سے مرجایا کرتے ہیں اور مائیں اس دن کو کوستی ہیں جب ان کی کوکھ میں زندگی کی پہلی کونپل پھوٹی تھی۔“

خالی کیسٹ چلتا رہا، آواز معدوم ہوگئی۔ غزالہ کے چند فقروں میں اس کی زندگی کی کہانی اپنے پورے کرب کے ساتھ واضح تھی۔ میں نے منی پلیئر بند کیا اور کیسٹ نکال کر اس میں سے مقناطیسی فیتا نوچنے لگا۔ اس دوران میں ویرا چیلنج کرنے والے انداز میں مسہری پر دراز ایک رسالے کی ورق گردانی کرتی رہی تھی۔

ٹیپ کے ٹکڑے کر کے میں باتھ روم میں گیا اور ان کو دیا سلائی دکھا کر ادھ جلے ٹکڑے کموڈ میں ڈال کر پانی کے تیز بہاؤ میں ضائع کر دیے۔ غزالہ کے آخری فقروں نے میرا ذہن ماؤف کر کے رکھ دیا تھا اور بس ایک گونج سی باقی رہ گئی تھی۔

”کیا وہیں سونے کا ارادہ ہے تمھارا؟“ مجھے دوبارہ صوفے پر دراز ہوتے دیکھ کر ویرا خاموش نہ رہ سکی۔

”شاید اب میں نہ سو سکوں!“ میں نے بھاری آواز میں کہا۔ ”غزالہ کے الفاظ نے میرے دل میں آگ سی لگا دی ہے۔“

”شاعری کی جائے تو ہر بات کو افسانہ بنایا جا سکتا ہے، بات صرف اتنی ہے کہ وہ اس وقت اپنے گھر میں نہیں ہے اور دو چار دن میں تمھاری مہربان تحویل میں ہوگی، چاہو تو اس وقت تک بھی مجھے غزالہ کا قائم مقام تصور کر سکتے ہو۔“

میں قہر بار نظروں سے اُسے گھور کر رہ گیا۔ ”وہ تم سے بہت مختلف ہے ویرا۔ کبھی اس کے کردار پر غور کروگی تو خود کو عورت کہتے ہوئے شرم آئے گی۔ قائم مقامی تو بہت دور کی بات ہے۔“

”تو میں سو جاؤں؟“ اس نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

میں کچھ نہ بولا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔ ”یہ کیسٹ تمھارے نزدیک اتنا غیر اہم تھا کہ تم اسے اپنے کمرے میں چھوڑ جانے پر آمادہ تھیں؟“

”تو اس میں رکھا ہی کیا ہے ہا!“ وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ ”ناموں کے بغیر یہ کہانی سن کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی افسانہ نگار خاتون نے اپنی کہانی کا کوئی ٹکڑا ریکارڈ کیا ہو۔ میرا ہوٹل کا حساب صاف تھا، بس کہیں سے ایک فون کر کے اطلاع دینا پڑتی کہ میں کمرہ چھوڑ چکی ہوں اور میرا چھوڑا ہوا ذاتی سامان روم سروس کے عملے میں تقسیم کر دیا جاتے۔ ہوٹلوں میں اچھے برے، ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اور ہوٹل والے اپنا بزنس برقرار رکھنے کے لیے ایسے ہر اسکینڈل سے دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں پولیس کی شمولیت کا ڈر ہو، کسی کو کانوں کان بھی میری روانگی کا علم نہ ہوتا۔“

”تم نے غزالہ کو باہر بھیج کر سب کچھ برباد کر دیا ہے۔ مجھے فوراً اس کی طرف نہ جانا ہوتا تو پاکستان میں تنظیم کی جڑیں کاٹنے کا یہ بہترین موقع تھا، چن چن کر سارے بڑے صاف کیے جا سکتے تھے۔“

”دراصل تم خود فریبی کا شکار ہو گئے۔“ وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ ”کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمھاری جدّوجہد کس کے خلاف ہے؟ تنظیم کے خلاف یا ہیروئن کے؟“

”دونوں کے۔“ میں نے اس کا سوال سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”ایک کے بغیر دوسرے کا خاتمہ ناممکن ہے۔“

”تم جو کچھ کر رہے ہو وہ سراسر تنظیم کے خلاف تمھارے عناد کا ردِعمل ہے۔ تم اہم کارندوں کو مار مار کر بوڑھے ہو جاؤ گے لیکن تنظیم کا کچھ نہ بگڑے گا، نیا خون تیزی سے اوپر آتا رہے گا۔ سارا کام اسی زور و شور سے چلتا رہے گا کیونکہ تمھارے یہاں ہیروئن کی پیداوار اور مقامی کھپت کے ساتھ ہی زبردست برآمدی مانگ بھی موجود ہے۔ بالفرض تنظیم کا شیرازہ بکھر بھی گیا تو اس کی آڑ میں کام کرنے والے دوسرے بے شمار افراد طاقت پکڑ لیں گے، چھوٹے چھوٹے گروپ ابھر آئیں گے اور تنظیم کے غیر فعال ہونے سے پیدا ہونے والا کالے بازار کا سارا دھندا ان میں بٹ جائے گا اور ان کی پیشہ ورانہ رقابتوں سے تمھارے شہروں میں پُراسرار خونریزیوں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو جاتے گا جو تنظیم کے واضح مفادات اور بالادستی کی وجہ سے اب تک موقوف ہے۔“

”یوں ہی سہی، وہ برساتی مینڈک خود ہی آپس میں لڑ لڑ کر فنا ہو جائیں گے۔“

”معاشیات کے اصولوں کو تم ٹھکرا نہیں سکتے۔“ اس نے بلا تامل میری بات رد کرتے ہوئے کہا۔ ”پیداوار اور اسی کے ساتھ مانگ بھی موجود ہو تو درمیانی رابطے کبھی فنا نہیں ہوتے، پھلتے پھولتے رہتے ہیں۔ یہی ہوگا کہ ان میں سے جو طاقت ور ہوں گے وہ دوسروں کو پیس کر رکھ دیں گے اور خود منڈی پر چھا جائیں گے۔ یہ تنظیم ختم ہوگی تو حالات ایک مقامی تنظیم کے لیے خود بخود سازگار ہوتے جائیں گے۔“

”یعنی تمھاری نگاہ میں میری ساری کوششیں بے سود ہیں؟“

”ابھی تک مؤثر ہیں اس لیے کہ تم تنہا کام کر رہے ہو، نفری بڑھاتے ہی خود بھی مار لیے جاؤ گے اور مؤثر بھی اس حد تک ہیں کہ وقتی رخنہ اندازیاں ہوتی ہیں ورنہ یہاں ہماری کامیابیاں قابلِ رشک ہیں۔“

”تم مجھے یہ یقین دلانا چاہ رہی ہو کہ یہاں، ہیروئن کی بیخ کنی ناممکن ہے۔“

”موجودہ حالات میں تو یہی نظر آتا ہے۔ تنظیم کو تم نے شدید نقصانات پہنچائے ہیں لیکن قانون آج تک ہمارے کسی اہم مہرے پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔ تم خود جانتے ہو کہ انسدادی مہم میں وہی لاوارث اور آوارہ لوگ پکڑے جاتے ہیں جو کسی فوری ضرورت کے تحت دس بیس گرام سستے دام خرید کر مہنگے دام فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عملاً تو تمھارا قانون تنظیم کے وجود ہی سے لاعلم ہے۔ ہمارے تیسرے درجے کے کارکن بھی قانون کی گرفت سے آزاد رہتے ہیں۔“

اس وقت وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، غیر جذباتی اور منطقی انداز میں ٹھیک ہی تھا۔ قانون کی بھرپور پشت پناہی کے بغیر جرائم کے سدِّباب کا تصور نامکمل تھا۔ قوانین میں مؤثر تبدیلیاں لاتے اور لاقانونیت کے جزیروں کے خاتمے کے بغیر ہیروئن کی لعنت پر قابو پانا ناممکن تھا۔ انفرادی سطح پر اس کا لین دین کرنے والے دو ہاتھ قلم کیے جاتے تو چار نئے پیدا ہو سکتے تھے۔ راجہ سکندر سے وان ہوف تک میں نے بہتیرے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور ہر گندے خون کی بھینٹ، دیتے ہوئے یہ امید نظر آتی تھی کہ بس اب تنظیم کی پُرشکوہ عمارت ڈھے جائے گی لیکن ہر بار مرنے والوں کی اوٹ سے کوئی نیا گرجتا بنکارتا نام ابھر رہا تھا اور میری جانگسل کوششیں طول پکڑ جاتی تھیں۔ معلومات میں بتدریج اضافہ ہوتے ہوتے اب مجھے بھی یہ سلسلہ لامتناہی نظر آ رہا تھا۔ دس بیس کرائے کے مہروں کے جانی اتلاف پر تنظیم کے منصوبہ ساز اپنے کروڑوں ڈالر کے خطیر مالی مفادات سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔

اب لے دے کر میری ساری امیدیں لائیڈز کاٹیج کی تباہی کے واقعے سے وابستہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہاں بھاری جانی نقصان کے ساتھ اسلحے کے ذخائر بھی تباہ ہوئے تھے اور دیکھنا یہ تھا کہ اس تباہی کی تفتیش کرنے والے افسران ان ہولناک شواہد کی روشنی میں کیا نتائج اخذ کرتے ہیں۔

کئی ایکڑ پر محیط رقبے پر کھڑی ہوئی عمارات اور ان میں بسے ہوئے انسانوں کی بیک وقت تباہی کے بعد یہ سمجھانے کی کوشش ہی نہیں رہ جاتی تھی کہ وہ سب ایک سازش کے تحت تباہ ہوا تھا۔ آگ، خون اور ملبے کے انبار میں ملنے والے بموں کے ٹکڑے، بارود کی تیز بُو اور جلے ہوئے ہتھیاروں کے آہنی ڈھانچے پوری کہانی کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی تھے۔

”تم یہاں اپنے جنون میں حد سے آگے بڑھ چکے ہو۔“ ویرا کہہ رہی تھی۔ ”تم نے تنظیم کی ایسی بھیانک مخاصمت مول لی ہے کہ دس سال بھی روپوش رہ کر منظرِ عام پر آؤ گے تو مار دیے جاؤ گے۔ تمھارا رنگ روپ اور خدوخال یورپ میں تمھاری مدد کریں گے۔ میرا تو مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم واپسی کا خیال ذہن سے نکال دو اور غزالہ کے ساتھ وہیں کہیں آباد ہو جاؤ، تم دونوں کو تمھاری من پسند شہریت میری طرف سے تمھاری یکجائی کا انعام ہوگی۔“

”اس کا پورا گھرانا یہاں آباد ہے...“ میں نے کہنا چاہا لیکن ویرا نے میری بات کاٹ دی۔

”سب کو لے جاؤ، سارے اخراجات میں برداشت کروں گی۔“ اس وقت وہ میری کچھ زیادہ ہی ہمدرد ہو رہی تھی۔ ”وہاں بہترین ماہرانہ سہولتیں میسّر ہیں۔ اس کی ماں کا علاج بھی ہو سکے گا، بھائی بھی تیزی کے ساتھ صحت یاب ہو سکتا ہے۔ یہ یقین رکھو کہ تم جیسا ذہین اور محنتی آدمی مغرب میں بہت جلد اپنا مقام بنا سکتا ہے۔ یہاں تم کبھی پنپ نہ سکو گے، چوروں کی طرح چھپ کر رہنا ہوگا اور جب بھی ذرا سا ابھرے، ذبح کر دیے جاؤ گے۔“

اس کی تقریر خیال انگیز تھی۔ میں واقعی اپنی بساط سے زیادہ دشمنیاں مول لے بیٹھا تھا لیکن جان کے خوف یا بہتر مالی مستقبل کے لالچ میں اپنے ملک اور اپنی مٹی کو چھوڑ بھاگنا میرے لیے بزدلی سے کم نہیں تھا۔ ہاں، یہ ضرور ہو سکتا تھا کہ میں غزالہ اور اس کے اہلِ خانہ کو ملک سے باہر کہیں آسودہ ٹھکانا مہیا کر کے زیادہ آزادانہ انداز میں اپنی مہم جاری رکھ سکتا تھا۔ پاکستان میں رہتے ہوئے میری کوشش یہ تھی کہ میں ان کی قابلِ نفرت سرگرمیوں کو روک سکوں لیکن ملک سے باہر جا کر میں انتقاماً ان کے ان گرگوں کی حوصلہ افزائی بھی کر سکتا تھا جو اُن کے اپنے وطن میں سفید موت کا پرچار کر رہے تھے۔

”اگر تم مغرب میں رہ کر منشیات فروشی کو بُرا نہیں سمجھتے تو مجھے خوشی ہوگی۔ اگر تنظیم سے ٹکر لیے بغیر تم شروع ہی میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے تو تنظیم کے بڑے تم کو بخوشی باہر بھیج دیتے۔ وہ ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن کو مطلوبہ ماحول اور حالات فراہم کر دیے جائیں تو وہ والہانہ جذبے سے کام کر سکیں۔ ان کے لیے پاکستان، جرمنی، انگلینڈ، فرانس اور اٹلی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کا مقصد ایک کے ہزار بنانا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک مذہبی اور جغرافیائی سرحدیں بے وقعت ہیں۔“

میرے خیالات سے واقف ہو کر ویرا نے گرمجوشی کے ساتھ کہا۔ کیونکہ اس کے نزدیک میرے نظریات میں وہ تبدیلی بہت حوصلہ افزا تھی۔

”میرے لیے تم خوشی کے اظہار کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہو؟“

”تم یورپ کے جس یونٹ میں چاہو، تمہارا تقرر کر سکتی ہوں، امریکا اور مشرقِ بعید میں بھی ہم آپریٹ کرتے ہیں۔ وہاں بھی تمہارے لیے کوشش کی جا سکتی ہے۔“ اس گفتگو پر وہ واقعی خوش نظر آنے لگی تھی۔

”تو کیا میری بغاوت کی خبریں ان مقامات تک نہیں پہنچی ہوں گی؟“

”تم سے نمٹ لیا جاتا تو کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چلتا، تمہارے مسلسل آزاد رہنے اور پھر زندہ رہتے ہوئے روپوش ہو جانے کی صورت میں ہی تمہارے کوائف سے ہر یونٹ کو آگاہ کیا جاتا اس طرح تم تنظیم کے اشتہاری مجرم ہو جاتے لیکن اب تم اس خطرے سے محفوظ ہو کیونکہ تمہیں لائیڈز کارٹج کے ساتھ مردہ تصور کر لیا جائے گا۔“

”نام اور شخصیت تو مجھے بہرحال بدلنا ہو گی۔“

”یہ تمہارے ہی حق میں بہتر ہو گا۔ میری دانست میں تمہارے پائے کے آدمی کے لیے اٹلی سب سے بہتر ہو گا۔ وہاں آگے بڑھنے کے بہت مواقع ملتے ہیں بشرطیکہ آدمی ذرا ہوشیار ہو۔“

”اور وہاں رہتے ہوئے بھی لائیڈ یا ڈان مرسیانو کی تلاش میں تمہارا ہاتھ بھی بٹا سکوں گا؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”ڈان مرسیانو۔“ وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ ”اس گھناؤنے آدمی کو تو میں جب چاہوں، گردن سے دبوچ سکتی ہوں۔ تصویر دیکھ لینے کے باوجود میں ابھی تک یقین نہیں کر سکی ہوں کہ وہی میرا باپ ہو گا۔“

”ولدیت کا خانہ تو تمہارے یہاں ہر شعبے سے مٹا دیا گیا ہے۔ ہر باز پرس خاندانی نام یا سرنیم پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بے اعتدالی نہ ہوتی تو تمہارے ہوش سنبھالنے سے پہلے تمہاری ولدیت کا قضیہ طے ہو جاتا۔“

”میرے سامنے تو کہہ بیٹھے ہو کسی اور انگریز کے سامنے زبان نہ کھول بیٹھنا، ساری روایتی وضعداری چھوڑ چھاڑ کر مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تم بھی اپنے ہی قبیلے سے معلوم ہوتے ہو۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے غرّا کر پوچھا۔

”تمہاری زبان سے غزالہ اور اس کے گھر والوں کے علاوہ میں نے تمہارے اپنے گھر والوں کا ذکر نہیں سنا۔ کہیں تمہاری پیدائش...“ وہ وہی کہہ رہی تھی جس کا مجھے شبہ تھا لیکن میں نے غصیلے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

”بس بس، حد سے نہ بڑھنا۔“ میں طیش کے عالم میں بولا۔ ”ایسے قبیلے تمہاری طرف دندناتے پھرتے ہیں یہاں لاکھوں میں ایک بھی تمہیں مشکل سے ملے گا۔ مجھے تو تمہاری تنظیم نے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ میں اپنے گھر والوں سے تعلق برقرار رکھ سکوں۔“

وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میرے دل میں کسک سی اٹھی تھی۔

میرے باپ بہت شفیق و مہربان تھے لیکن مجبوروں اور مظلوموں سے رشوت ستانی کی بری عادت گھن کی طرح ان کی ساری خوبیوں کے اثرات کو چاٹ گئی۔ ان کے سائے سے بچپن میں محروم ہوا پھر خانہ بدوشی کے عالم میں سگی ماں نے داغِ مفارقت دیا۔ سوتیلی ماں زندہ جلا دی گئی۔ ایک سوتیلا بھائی ملا گیا، دوسرا لاپتا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ بھرا پُرا گھر یوں اجڑا تھا کہ اب میں تنہا رہ گیا تھا اور ویرا جیسی آبرو باختہ عورت کو بھی میری بنیاد پر وار کرنے کا موقع مل گیا تھا جو شروع ہی سے ٹیڑھی تھی کیونکہ میرا خمیر رشوت کی بے اندازہ آمدنی سے اٹھا تھا۔

اور بدی کے بیج بو کر نیکی کی فصل کبھی نہیں کاٹی جاتی۔

★

ہم دونوں نے اپنے اپنے ٹکٹ ایک دوسرے سے انجان بن کر ائیرپورٹ سیلز کاؤنٹر سے خریدے تھے پھر میں پبلک کال آفس کی طرف ہو لیا۔ ویرا کا مشورہ تھا کہ لاہور میں میری شناسائی کا حلقہ نہ ہونے کے برابر تھا جبکہ کراچی میں لاتعداد لوگ مجھے جانتے تھے لہٰذا مجھے حتی الامکان احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا۔ اسی احتیاط کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کے گھر فون کیا تاکہ سلطان شاہ، کرنل کی گاڑی سمیت مجھے لینے کے لیے ائیرپورٹ پر موجود رہے اور میں کم از کم لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر گھر پہنچ سکوں۔

اس زمانے میں ائیرپورٹ میں داخلے کے مقام پر جملہ اسباب کی اسکریننگ کرنے والی ایکسرے مشینیں نصب نہیں ہوئی تھیں، صرف روانگی کے مقام پر دستی سامان کی اسکریننگ ہوا کرتی تھی لہٰذا ویرا نے نہایت اطمینان سے رننگٹن ایکسپلوڈر اور اس کا میگزین اپنے سفری تھیلے میں ڈال دیا تھا جسے کاؤنٹر پر ائیرلائن کے عملے کے حوالے کر کے وہ اطمینان کے ساتھ طیارے پر سوار ہو سکتی تھی۔

سفر کا آغاز ہونے تک مجھے ویرا کہیں نظر نہ آئی۔ شاید دیو پیکر طیارے میں ہماری نشستیں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں۔ درمیان میں فلائٹ کچن وغیرہ کے حائل ہونے کی وجہ سے سوار ہونے والے مسافروں کو پریشان کیے بغیر یک نگاہ پورے کیبن کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ بہرحال ہم پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ ویرا اپنے علیحدہ ٹھکانے پر قیام کرے گی۔ اس نے اپنا اور ...نے غزالہ کے گھر کا فون نمبر اسے دے دیا تھا تاکہ کراچی ...نچ کر ہم ایک دوسرے سے رابطہ رکھ سکیں۔

میرے پاس ایک مختصر سے بیگ کے علاوہ کوئی سامان ...یں تھا۔ لہٰذا میں پرواز کا اختتام ہوتے ہی پہلی بس میں سوار ...ا اور ٹرمینل کی بلڈنگ سے نکلتا چلا گیا جہاں نکاسی کے راستے ...سلطان شاہ بھیڑ میں نمایاں تھا۔

اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی مجھے ایک جھٹکا ...لگا کیونکہ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ جب ...یں نے لاہور ائیرپورٹ سے فون کیا اس وقت بھی سلطان شاہ ...کی آواز تشویش زدہ سی تھی اور شاید وہ کچھ کہنا بھی چاہتا تھا لیکن ...ری واپسی کی اطلاع پاتے ہی اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ...ید اس نے سوچا ہو کہ ڈیڑھ گھنٹے بعد خود ہی مجھ سے بالمشافہ ...فتگو کر لے گا۔

”کیا بات ہے؟ کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔“ میں نے ...س سے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے سوال کیا۔

”گھر چلو گے تو میرے کچھ کہے بغیر بہت کچھ سمجھ جاؤ گے۔“ ...وہ اداس لہجے میں یہ کہتے ہوئے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔

”بتا دو گے تو ذہنی طور پر تیار رہوں گا۔“ میں نے اس کے برابر میں آتے ہوئے نرمی سے کہا۔ ”کیا کرنل سے جھڑپ ہو گئی ہے؟“

”بہت دکھی ہے وہ بے چارہ۔“ سلطان شاہ کا لہجہ میرے لیے حیرتناک تھا۔ ”چڑچڑا اور بد دماغ بھی ہو گیا ہے، میرے جوتے بھی لگ گئے گا تو سر جھکا کر کھا لوں گا، پچھلے دو دن سے وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سویا ہے، نہ کچھ کھا پی رہا ہے۔“

”کیا بیمار ہو گیا ہے وہ؟“ اس کی خاموشی سے اکتا کر میں نے سوال کیا۔

”دو دن سے شمع کی حالت بہت خراب ہے، کئی بار سانس اکھڑ چکا ہے۔“ اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ”مجھ سے اس نحیف و ناتواں عورت کی حالت دیکھی نہیں جاتی، بس کرنل اسے دیکھ دیکھ کر پاگل ہوا جا رہا ہے، اس کا بس نہیں چلتا کہ اپنی صحت ...نی بیوی کو بخش دے، میرا تو اندازہ ہے کہ کرنل اس کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکے گا۔“

”کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟“

”تین ڈاکٹر آ چکے ہیں۔ میں اکبر کو بھی لایا تھا۔ سب ہی مایوس لوٹے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ اندر سے چھلنی ہو چکی ہے۔ اب اسے علاج سے زیادہ دعاؤں کی ضرورت ہے۔“

وہ واقعی بڑی بری خبر تھی لیکن غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ برسہا برس سے جس انداز میں کوکین کھا رہی تھی، اس کا انجام وہی ہونا تھا جو اب نگاہوں کے سامنے تھا لیکن کرنل بہرحال اس کا شوہر تھا۔ اسے اپنی بیوی سے مثالی محبت تھی۔ اس کی دیوانگی قابلِ فہم تھی لیکن مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ اس جذباتی فضا میں رہ کر سلطان شاہ بھی اپنی چوکڑی بھول گیا تھا۔

”کرنل کو میری واپسی کے بارے میں بتا کر آئے تھے؟“ گاڑی روانہ ہو جانے کے بعد میں نے سوال کیا۔

”ہاں۔ ذرا سا جھوٹ بھی بولا تھا کہ تم نے شمع کی طبیعت بگڑنے کی خبر سنتے ہی فوری واپسی کا ارادہ کر لیا ہے۔“ اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔ ”یہ اسی وقت بتا دیا تھا جب لاہور سے تمہارا فون آیا تھا۔ کرنل نے ہزاروں دعائیں دی تھیں تمہیں۔ وہ بہت خوش ہے کہ اب تم شمع کی بہتر دیکھ بھال کا بندوبست کر سکو گے۔“

جس مرض کو وہ دونوں میاں بیوی مل کر برسوں سے پال رہے تھے، جس مرض کی جڑیں غزالہ کی عمر سے زیادہ پرانی تھیں اس کا علاج میرے کیا، اب شاید کسی کے بھی بس میں نہیں رہا تھا۔

گھر میں پُرہول سنّاٹے کا راج تھا۔ سلطان شاہ نے خود ہی پھاٹک کھول کر کار اندر پارک کی اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔

”یہ خیال رکھنا کہ میں لاپتا ہوں۔“ میں نے اندر کی جذباتی فضا میں قدم رکھنے سے پہلے سلطان شاہ کو آگاہ کیا۔ ”بس ویرا سے بات کروں گا اور وہ بھی اس وقت جب وہ فالکن فور کے نام سے فون کر کے بلیک ہاک سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کرے گی۔“

اس کے ہونٹوں پر پھیکی اور بے جان سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ”جاسوسی فلموں کی سی باتیں کر رہے ہو، میں خیال رکھوں گا۔ آج کل ہر کال میں ہی ریسیو کرتا ہوں۔“

ہم اندر داخل ہوئے تو کہیں کسی ذی روح کا پتا نہیں تھا۔ فرنیچر اور قالین سے فرش تک سب کچھ گرد آلود ہو رہا تھا۔ میں ڈرائنگ روم سے راہداری میں نکلا تو میرے کانوں میں دبی دبی کربناک سسکیوں کی آواز آئی۔ ”شمع... شمع... دیکھو... میری جان... میری طرف... دد... دیکھو... خود کو... بس... سنبھالو۔“ وہ کسی بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ آواز بھاری ہو رہی تھی جیسے گھنٹوں سے یوں ہی روتا رہا ہو۔

میرے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ شمع کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تیز روشنی میں اس کمرے کی ہر شے سے ویرانی ٹپک رہی تھی۔ میں پہلی بار شمع کی خوابگاہ میں داخل ہوا تھا اور

اندر قدم رکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کمرے کی بے جان چیزوں نے بھی موت کے بے رحم قدموں کی چاپ سن لی ہو۔

لاہور میں پچھلی رات میں نے ہولناک کشت و خون میں گزاری تھی۔ متعدد انسانوں کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا تھا لیکن شمع کی خوابگاہ میں مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ غصے، جنون، انتقام اور اشتعال کے عالم میں ان گنت انسانوں کو قلیل سی مدت میں موت کے گھاٹ اتار دینا بہت آسان تھا لیکن بستر پر طبعی عمر کو پہنچ کر مرتے ہوئے ایک انسان کی بدلتی ہوئی کیفیات کا مشاہدہ کرنا دل گردے کا کام تھا جو ہر ایک کے بس سے باہر تھا لیکن لوگ پھر بھی اپنے پیاروں کو اپنی گود میں لے کر ملک الموت کے حوالے کرتے ہیں۔

شمع کی دودھیا رنگت اس وقت ہلدی کی طرح زرد پڑی ہوئی تھی۔ تیکھے خدوخال موت کے پسینوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں مگر پپوٹوں کے نیچے پتلیاں گردش کر رہی تھیں، سانس رک رک کر آ رہا تھا۔ ہر بار جب وہ شدید کوشش کے ساتھ سانس اندر لیتی تو اس کا جسم کمان بن جاتا تھا۔ پشت بستر سے کئی انچ اوپر اٹھ جاتی اور جب وہ سانس خارج کرتی تو اس کا بدن بے جان ہو کر کسی لاش کی طرح پھر بستر پر گر جاتا۔

کرنل اذیت اور بے بسی کے عالم میں شمع کو دیکھ دیکھ کر روئے جا رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار کبھی اس کے استخوانی ہاتھوں کو چوم رہا تھا اور کبھی اس کی پیشانی اور رخساروں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

میرے قدموں کی آہٹ پاتے ہی وہ کسی وحشی درندے کی طرح بھڑکا تھا اور مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس کی گریاں آنکھوں میں امیدوں کے چراغ سے جل اٹھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ بین کرتے ہوئے رو رہا تھا اور میں اسے بھینچ بھینچ کر دلاسا دے رہا تھا مگر میری نگاہیں شمع پر مرکوز تھیں۔ سلطان شاہ اس کے سرہانے پہنچ گیا تھا۔ شمع نے اس کربناک انداز میں کئی گہرے سانس لیے پھر اس کا بدن ساکت ہو گیا لیکن اس کے سینے پر پڑی ہوئی چادر کے زیروبم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سانس کی لڑی ابھی قائم تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ ان دلدوز حالات میں کرنل نے مجھ سے غزالہ کی گمشدگی کے بارے میں کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔ اس کی ساری توجہ اور شکوے کا مرکز و محور شمع کی ذات تھی جسے کسی بالاخانے پر کسی موذی نائکہ یا دلال نے اپنے قابو میں کیے رکھنے کے لیے کوکین کا عادی بنایا تھا۔ پھر کرنل کی مہربان اور فراخ دل ذات نے شمع کو پائل و رباب اور بالاخانے کی قید سے نجات دلا کر چادر اور چار دیواری کا تحفظ تو فراہم کر دیا مگر اسے کوکین کی ہولناک غلامی سے نجات نہ دلا سکا اور اب وہی ایڈکشن شمع کی جان کا عذاب بنا ہوا تھا۔

کرنل سسکتا ہوا مجھ سے الگ ہوا تو اس کی نگاہیں شمع کے پُرسکون وجود پر پڑیں۔ وہ اپنی بیوی کا مسیحا تھا۔ شب و روز اسے دیکھتا رہتا تھا۔ لہٰذا اسے کوئی مغالطہ نہ ہوا۔ پُرجوش اور ہیجان آمیز مگر سرگوشیانہ لہجے میں مجھ سے بولا۔ ”دیکھا۔ دیکھا تم نے؟ یہ پچھلے ایک گھنٹے سے یہی عذاب سہہ رہی تھی لیکن تمہارے آتے ہی اسے سکون مل گیا۔ تم کو بہت چاہتی ہے تنویر بیٹے! اب یہ کافی دیر پُرسکون رہے گی۔“

میں نے دل گرفتہ ہو کر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

”اس نے کل سے آنکھیں نہیں کھولی ہیں۔“ کرنل گلوگیر آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”تم ہی اسے پکارو، شاید تمہاری آواز سن کر آنکھیں کھول دے، اس نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔“

”خوراک نہ ملنے کی وجہ سے بھی یہ حالت ہو سکتی ہے۔“ میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

”ڈاکٹروں نے کوئی دوا نہیں دی بیٹے! دکھ تو یہی ہے کہ دکھوں کا درماں کرنے والے بھی دل چھوڑ گئے۔“

”دوا نہیں، میں کوکین کی خوراک کی بات کر رہا ہوں۔“

”وہ میں دے رہا ہوں۔“ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جلدی سے بولا۔ ”مجھے مقدار اور وقت سب معلوم ہے۔ وہ نہ دیتا تو یہ اب تک نجانے کس حال کو پہنچتی۔“

میں پھریری لے کر رہ گیا۔ آثار بتا رہے تھے کہ شمع کا آخری وقت آ گیا تھا لیکن یہ کیسا المیہ تھا کہ مرتے دم اس کے سرہانے نیک باتوں اور کلام اللہ کے ورد کے بجائے کوکین کی خوراکوں کا ذکر ہو رہا تھا جو اسے ابھی تک دی جا رہی تھیں۔

”دیکھو شمع! آنکھیں کھولو، تنویر آیا ہے... کب سے تمہارے انتظار میں کھڑا ہے۔“ کرنل شمع کے رخساروں پر ہولے ہولے تھپتھپڑ لگاتے ہوئے بے تابانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مجھ سے ملاقات کے بعد اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تھی اور اب وہ بڑی حد تک اپنی حالت سنبھال چکا تھا۔ ورنہ مجھے تو ڈر تھا کہیں وہ خود ہی ہاتھوں میں نہ آ جائے۔

کرنل، شمع کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتا رہا اور میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھے دلی افسوس کے ساتھ ان دونوں کا جائزہ لیتا رہا۔

پھر اچانک شمع کے ہونٹوں سے ایک نقاہت آمیز آواز نکلی، کرنل کی کوششوں میں جوش پیدا ہو گیا پھر آہستہ آہستہ شمع نے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔ نقاہت زدہ استخوانی چہرے پر بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اس وقت بہت غیر فطری اور ڈراؤنی لگ رہی تھیں۔ کرنل خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا اور بار بار شمع کو میری موجودگی سے آگاہ کیے جا رہا تھا۔

چند ثانیوں تک شمع اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے خلا میں کچھ تکتی رہی پھر اس نے اپنی گردن گھمائی، اس کی آنکھیں مجھ سے چار ہوئیں، پتلے پتلے یاقوتی ہونٹوں پر ہلکی سی کمزور مسکراہٹ نمودار ہوئی اور بس ایک لحظہ کے لیے ویران اور ڈراؤنی آنکھوں نے اس مسکراہٹ کا ساتھ دیا پھر اس کی ناک کا بانسا ٹیڑھا ہو گیا، گردن ایک جھٹکے سے میری طرف ڈھلک گئی۔

کھلی ہوئی آنکھوں میں اور گلابی ہونٹوں پر آخری لمحوں کی مسکراہٹ امر ہو گئی تھی۔

سلطان شاہ نے زیرِلب کچھ پڑھتے ہوئے شمع کی آنکھوں پر داہنی ہتھیلی رکھ کر پپوٹے بند کر دیے۔ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سوتی ہوئی شمع کوئی سہانا خواب دیکھ کر مسکرا رہی ہو۔

میرا خیال تھا کہ کرنل دہاڑتا ہوا شمع کی لاش سے لپٹ جائے گا لیکن وہ جہاں تھا، وہیں بیٹھا رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا یا پھر اس پر صدمے کی شدت سے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

کرنل کو پیش قدمی نہ کرتے دیکھ کر سلطان شاہ نے شمع کے جسم پر پڑی ہوئی چادر سر سے پاؤں تک پھیلا دی۔

میں نے بڑھ کر کرنل کو سہارا دیا مگر وہ پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میری مدد لیے بغیر سیدھا کھڑا ہوا پھر کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ وہ خاموش تھا لیکن اس کے عجیب انداز پر میں سٹپٹا گیا۔

میں نے کھنکار کر تسلی کے روایتی الفاظ ادا کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ وہ تیزی سے پلٹا اور خوابگاہ کے ایک گوشے میں رکھی ہوئی چوبی الماری کی طرف مڑ گیا۔ الماری کا پٹ کھول کر چند ثانیوں تک مصروف رہنے کے بعد وہ پلٹا تو میں بھونچکا رہ گیا۔ کرنل کے ہاتھ میں میرا دیا ہوا بے آواز پستول دبا ہوا تھا اور اس کا مہیب دہانہ میرے سینے کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

”تم جاؤ۔“ کرنل آہستہ آہستہ میری طرف بڑھتے ہوئے کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔ ”تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ، اپنی موجودگی کی ہر نشانی مٹا کر اتنی دور چلے جاؤ کہ تمہارا سایہ بھی نظر نہ آ سکے۔“

”مم... مگر کرنل صاحب! ہم نے کیا کیا ہے؟ ہوش میں آئیے، میں تنویر ہوں، آپ کا ہونے والا داماد۔ اس وقت صدمے سے آپ کے اعصاب پر گہرا اثر پڑا ہے۔ پستول پر سیفٹی کیچ نہیں ہے، انگلی ٹریگر پر سے ہٹا لیں ورنہ یہ چل بھی سکتا ہے، ارادے کے بغیر ذرا سا دباؤ بڑھتے ہی چل سکتا ہے۔“

”میں ہوش میں ہوں اور سیفٹی کیچ میں نے خود ہٹایا ہے۔“ کرنل مجھ سے چند قدم دور رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیوانی چمک عود کر آئی تھی اور لہجے میں بلا کا اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ ”میں ریٹائرڈ فوجی ہوں، میں نے تین جنگوں میں ہزاروں انسانوں کو مرتے دیکھا ہے۔ شمع کی موت میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ وہ برسوں سے ہر روز مر مر کر جیتی تھی۔ وہ مر گئی اور مجھے قرار آ گیا۔ جب تک وہ سسک رہی تھی میں بھی تڑپ رہا تھا۔ اب میں بالکل نارمل ہوں۔“

”آپ نارمل نہیں ہیں کرنل صاحب!“ میں نے دردمندانہ لہجے میں کہا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ سلطان شاہ بے خبری میں کرنل کو دبوچ لینے کی فکر میں تھا لیکن کرنل پوری طرح چوکنا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو ہماری مدد کی ضرورت ہے ابھی تجہیز و تکفین کا بندوبست بھی کرنا ہے۔“

”چلے جاؤ لڑکے!“ وہ ہاتھ جھٹک کر غرّایا۔ ”بس یہی کافی ہے کہ میں تمہیں زندہ لوٹ جانے کا موقع دے رہا ہوں ورنہ تم میرے سب سے بڑے مجرم ہو، جاؤ چلے جاؤ، نکلو باہر۔“

”مم... مگر میرا جرم؟“ میں ہکلایا۔

اس بار کرنل نے فائر کر دیا۔ گولی میرے قدموں سے چند انچ کے فاصلے پر قالین میں سوراخ کرتی فرش میں پیوست ہو گئی۔ میں غیر ارادی طور پر اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔

”بحث نہ کرو اور چلے جاؤ ورنہ دونوں کو چھلنی کر دوں گا۔“ وہ غضبناک تیوروں کے ساتھ بولا۔

میں سمجھ گیا کہ صدمے سے کرنل کا دماغ الٹ گیا تھا اور اب اس پر خون سوار ہو چلا تھا۔ میں سر جھکا کر صدمے اور غصے کے عالم میں شمع کی خوابگاہ سے نکلا چلا گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا اور پستول بدست کرنل ہمارے پیچھے۔

ہمارے چوکھٹ عبور کرتے ہی چوبی پٹ پُرشور آواز کے ساتھ بند ہوا پھر اندر سے بولٹ چڑھانے کی آواز کے ساتھ ہی کرنل کی بدلی ہوئی محبت آمیز آواز سنائی دی۔ ”چند منٹ ٹھہرنا تنویر بیٹے! میں نے جو کچھ کہا اس کے لیے مجھے معاف کر دینا۔ وہ بکواس نہ کرتا تو تم کسی قیمت پر مجھے اس کمرے میں تنہا نہ چھوڑتے۔“

میں جاتے جاتے پلٹ پڑا۔ نجانے کرنل جیسے سادہ لوح آدمی کو کیا ہو گیا تھا کہ مجھے مسلسل ذہنی جھٹکے دیے جا رہا تھا۔ شمع کی

موت کے بعد اس کا رویّہ اچانک ہی ناقابلِ فہم اور پُراسرار ہوگیا تھا۔

"کبھی مجرم، کبھی بیٹا! آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" میں نے غصیلی آواز میں احتجاج کیا مگر دوسری طرف سنّاٹا چھایا رہا۔ چند ثانیوں تک انتظار کے بعد میں نے دروازہ پیٹ ڈالا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ نجانے کرنل اندر کیا کر رہا تھا۔ ایسے روح فرسا تجسّس سے تو میں کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ کئی منٹ گزر گئے لیکن اندر کھٹکا تک نہ سنائی دیا۔

میں نے سلطان شاہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود پنجوں کے بل دوڑتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ چکر کاٹ کر میں شمع کی خوابگاہ کی لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے قریب پہنچا تو آہنی گرل اور شفاف شیشوں کے پیچھے ایک عجیب ہی منظر نظر آیا۔ کرنل ایک آرام کرسی پر بیٹھا کاغذ پر جلدی جلدی کچھ لکھ رہا تھا، چہرے پر مایوسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے جنھیں وہ بار بار تولیے سے صاف کرتا جا رہا تھا۔

بے آواز پستول اس کے قدموں میں قالین پر پڑا ہوا تھا۔ اسی کے قریب ایک چھوٹا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ کرنل گرد و پیش سے بے خبر اپنے کام میں منہمک تھا۔ میں نے بے چینی کے ساتھ دوسری دو کھڑکیوں کا جائزہ بھی لے ڈالا لیکن ہر طرف سے مایوس ہی ہونا پڑا۔ تینوں کھڑکیوں پر مضبوط فولادی گرل لگی ہوئی تھی اور کرنل کو ہوشیار کیے بغیر کھڑکی کی راہ سے اندر داخل ہونا ناممکن تھا۔

میں نے واپس اندر پہنچ کر سلطان شاہ کو شمع کی خوابگاہ کے دروازے سے ذرا دور بلا کر صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔

"میرا خیال ہے کہ کرنل واقعی پاگل ہوگیا ہے۔" خاصے غور و خوض کے بعد سلطان شاہ نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "جب تک پستول اس کے قبضے میں ہے ہمیں اس سے ہوشیار ہی رہنا ہوگا ورنہ وہ ہمیں زخمی بھی کر سکتا ہے۔"

آخر اسے اندر ایسا کیا کام درپیش تھا جس کے لیے اسے ہمیں باہر نکالنے کی ضرورت پیش آئی؟ کوئی بھی دستاویز یا خط وغیرہ تو وہ ہماری موجودگی میں بھی لکھ سکتا تھا۔

"پاگلوں کی کسی حرکت کا کوئی جواز نہیں ہوتا، میری بات لکھ لو کہ شمع کی موت نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔" اس نے میری ضرورت سے زیادہ تشویش کو رد کرتے ہوئے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

مگر میری خلش دور نہ ہو سکی۔ اگر کرنل پاگل ہوگیا ہوتا تو اس کی حرکتوں میں کوئی ربط نہ ہوتا جب کہ شمع کی موت کے بعد اس کی ساری حرکات باہم مربوط تھیں۔

پہلے وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا نجانے کیا سوچتا رہا پھر ہم دونوں کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر الماری میں سے بھرا ہوا پستول نکال لایا۔ پستول کی زد پر پہلے اس نے براہِ راست ہمیں چلے جانے کا مشورہ دیا، نہ ماننے پر اس نے ہمیں اپنا مجرم قرار دے کر بد تلخی کر کے بھگانا چاہا لیکن ہم اسے صدمے کی رعایت دیتے ہوئے برا مانے بغیر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ اپنے حربوں کو رائیگاں جاتے دیکھ کر اس نے ایک بے ضرر فائر کر کے ہمیں کمرے سے نکلنے پر مجبور کر دیا پھر خود کمرے میں محبوس ہوتے ہی اس نے اپنی بدکلامی پر معذرت خواہ ہوتے ہوئے مجھ سے رکنے کی التجا کی اور اب اندر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔

اچانک میری نظروں میں کرنل کا آنسوؤں میں بھیگا ہوا اداس چہرہ گھوم گیا، میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور اسی لمحے شمع کی خواب گاہ کا دروازہ کھل گیا۔ کرنل بے آواز پستول تھامے چوکھٹ کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔

"آجاؤ۔" وہ اُلٹے قدموں اندر لوٹتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسوؤں کی لڑیاں رواں تھیں اور وہ یک بیک اپنی عمر سے زیادہ بوڑھا نظر آنے لگا تھا۔

سلطان شاہ آگے تھا اور پورے خلوص کے ساتھ اب کرنل کو پاگل سمجھ رہا تھا۔ اس کے یوں اچانک نمودار ہوتے ہی اس نے دیوار سے لگ کر مدافعانہ پوزیشن اختیار کر لی تھی۔ کسی خوف یا ارادے کے بغیر محض سلطان شاہ کی تقلید میں میرے قدم بھی نہ اٹھ سکے۔

"آجاؤ۔ اطمینان رکھو کہ میرا دماغ خراب نہیں ہوا ہے!" کرنل شاید سلطان شاہ کا دماغ بھی پڑھ رہا تھا۔ "اگر تم نے مجھ سے الجھنے کی کوشش نہیں کی تو تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچاؤں گا۔"

میں نے پہل کی اور سلطان شاہ میرے پیچھے ہولیا۔ ہمارے اندر پہنچنے تک کرنل اسی آرام کرسی کے پیچھے رک چکا تھا جس پر بیٹھا وہ کچھ لکھ رہا تھا، بریف کیس بدستور قالین پر پڑا ہوا تھا۔

"غزالہ کہاں ہے؟" کرنل نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ ایک حریف عورت کی قید میں ہے اور بالکل محفوظ ہے....." میں نے مدافعانہ لہجے میں کہنا شروع کیا لیکن کرنل نے آستین کے گوشے سے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

"بس اتنا کافی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ آج سے وہ میری نہیں تمھاری ذمّے داری ہے....."

"لیکن آپ اس سے مل کر شرمسار نہیں ہوں گے، میں اس کی پارسائی کی قسم کھا سکتا ہوں۔" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کرنل کے اس بے رحمانہ فیصلے پر احتجاج کیا۔

"وہیں رکے رہو سلطان شاہ!" کرنل کی آواز گونجی اور سلطان شاہ جو میری اور کرنل کی محویت سے فائدہ اُٹھا کر آہستہ آہستہ آگے سرک رہا تھا وہیں سُن ہو کر رہ گیا۔ سلطان شاہ کو ہمیشہ زکر سمجھ کر اس کی تحقیر کرنے والے کرنل کی آواز میں آج سلطان شاہ کے لیے ہتک کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ بالکل ہی بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"غزالہ کی ذمّے داری سے سبکدوش ہونے کے بعد کامران کی باری آتی ہے۔ اب وہ بہت بہتر ہے۔ وہاں رو بہ صحت ہے مگر بھاری اخراجات وصول کیے بغیر وہ علاج جاری نہیں رکھیں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمھارا سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ گھر بار اور فیکٹری کی تباہی کے بعد تم پر یہ بوجھ ڈالنا زیادتی ہے مگر اب تک یہ خرچ تم ہی پورا کرتے رہے ہو، آئندہ بھی یہ بار تمھیں اٹھانا ہوگا۔ میرا جو کچھ ہے اس بریف کیس میں ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے بریف کیس کو ہولے سے ٹھوکر ماری۔ "چند سو روپے اور غزالہ کی شادی کے لیے شمع کے رکھے ہوئے چند زیورات — یہ تمھارا ہے۔ رہا یہ مکان تو اس کا وارث کامران ہوگا۔ جب تک وہ صحت یاب نہ ہو یہ کسی سرکاری ٹرسٹ کی تحویل میں رہے گا کیونکہ مجھے علم ہے کہ تمھارے چاروں طرف تمھارے لہو کے پیاسے بکھرے ہوئے ہیں اور تم اس مکان کی خاطر فی الحال سامنے نہ آسکو گے نہ غزالہ سامنے آسکتی ہے۔ شمع گزر گئی۔ آج کے بعد تمھاری اور غزالہ کی زندگی میں میرا بھی کوئی دخل نہ ہوگا....."

"مگر کیوں؟ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

اس کے ہونٹوں پر مضمحل اور شکست خوردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "شمع کسی شریف گھرانے کی لڑکی تھی مگر اغوا کر کے بالاخانے پہنچا دی گئی۔ شاید غزالہ نے تمھیں نہ بتایا ہو۔ وہیں شمع کو قابو میں رکھنے کے لیے کوکین کا عادی بنایا گیا پھر اس سے ملاقات کے بعد میں نے ایک بہت بڑا جوا کھیلا — شمع سے شادی کر لی۔ دوستوں اور عزیزوں نے مجھے ٹھکرا دیا لیکن شمع کی پاکبازی نے مجھے کبھی تنہائی کا احساس نہ ہونے دیا۔ آج" اچانک اس کی آواز بھرّا گئی۔ "آج میں یہ بازی ہار گیا۔ میں نے ہر بے رخی اور بے اعتنائی خندہ پیشانی سے برداشت کی مگر شمع نے آنکھیں پھیر کر میری کمر توڑ دی ہے۔ یہ بریف کیس اُٹھاؤ اور یہاں سے جتنی دور نکل سکتے ہو نکل جاؤ!"

"مگر کیوں؟" میں نے احتجاج کیا۔ "یہ مایوسی کی باتیں ہیں، ان حالات میں ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔"

"مجھے اب کوئی تنہائی کے ہولناک بھنور سے نہیں نکال سکتا۔ میں اس میں گردن تک غرق ہو چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ پولیس تمھاری طرف متوجہ ہو۔" اس نے بائیں ہاتھ سے کرسی پر پڑا ہوا کاغذ اٹھایا اور اسے فضا میں لہراتے ہوئے بولا۔ "بس مجھے یہ آخری تحریر لکھنے کے لیے وقت چاہیے تھا جو میں نے حاصل کر لیا۔ اس میں مکان کے بارے میں وصیت بھی ہے اور دوسروں کی بریّت کے ساتھ میری ذمّے داری کا اعتراف بھی....."

کرنل کی بات سمجھتے ہی میرے دل پر گھونسا سا لگا اور میں تقریباً چیخ اٹھا۔ "نہیں کرنل، یہ بزدلی ہے، یہ نہیں ہو سکتا!"

سلطان شاہ تقریباً بلکتا ہوا آگے کی طرف جھپٹا لیکن کرنل نے پستول کی نالی اپنی داہنی کنپٹی پر رکھ لی اور وہ سہم کر جہاں تھا وہیں رک کر رو پڑا۔ "نہیں کرنل — یہ نہ کرنا، خدا کے لیے یہ نہ کرنا۔"

کرنل کے لبوں پر غم ناک مسکراہٹ اُبھری پھر ہلکی سی آواز کے ساتھ اس کی کنپٹی میں گھسنے والی گولی دوسری طرف سے بھیجا اور کنپٹی پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔

شہ زور بدن قالین پر لمحے بھر کے لیے تڑپا اور ساکت ہوگیا۔

کوکین کے ایڈکشن نے ایک بھرے گھر کو مہیب عفریت کی طرح نگل لیا تھا جبکہ وہ ہیروئن سے کہیں کم خطرناک اور ہلاکت خیز تھی۔

میری نگاہوں کے سامنے صرف ایک گھرانا برباد ہوا تھا، ان کی تباہی کو میں نے دوبدو دیکھا تھا لیکن میرے ذہن میں ویرا لائیڈ کی کہی ہوئی باتیں گونج رہی تھیں جو نداتے مرگ سے ہرگز کم نہیں تھیں۔ منشیات کی لہر بڑھتے بڑھتے سیلابی اور پھر طوفانی رخ اختیار کر رہی تھی۔ ہیروئن کی فروخت اور تقسیم کے پردہ نشین ذمّے داروں نے اپنے نچلے اور درمیانی درجے کے کارکنوں کے لیے اپنے گھناؤنے کاروبار کی ترویج اور بقا کو انا کا مسئلہ بنا دیا تھا۔ وہ اس کاروبار کو اپنا حق اور اس کا تحفّظ اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہ طوفان پہاڑوں سے نکل کر شہروں اور میدانوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ یہ مہیب طوفان اپنے ریلے میں پوری نئی نسل کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا اور اگر کسی نے اس بڑھتے ہوئے طوفان کے آگے بند باندھنے کی جسارت کی تو وہ ناقابلِ تصوّر قہر و غضب کو دعوت دے گا۔ اس طوفان کو اپنا حق اور اس کی پرورش

کو اپنا فرض تصور کرنے والے، دہانوں سے جھاگ اڑاتے بھوکے درندوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور ان آبادیوں پر آتش و بارود کی برسات کے سائے میں ٹوٹ پڑیں گے جو ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنیں گی۔ وہ بھری پُری آبادیوں میں موت کا ننگا ناچ ناچیں گے اور جو بیروزن کے چنگل میں پھنس کر ہلاکت کے دام میں آنے سے بچ جائیں گے انھیں بے ہجوم در ہجوم گولیوں کی باڑھ پر بھون دیا جائے گا، مکانوں میں جلا کر راکھ کر دیا جائے گا اور انھیں دوسرے غیر جانبدار شہریوں کے لیے عبرت بنا دیا جائے گا تاکہ آئندہ کبھی کوئی ان کے مفادات پر بری نگاہ نہ ڈال سکے۔

میرا سر چکرانے لگا اور میں اس سے آگے نہ سوچ سکا۔ آنے والے برے وقت کے بھیانک تصور ہی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

اور اس کمرے میں دو زندہ انسانوں کے درمیان دو بے گور و کفن لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن کے مقدر کا کچھ پتا نہیں تھا کیونکہ دونوں زندہ انسانوں کو فوری طور پر لاشوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر چلے جانے کی سخت وصیت کی جا چکی تھی۔

## سب کچھ ختم ہو چکا تھا

دھیمے دھیمے پھیلتی اور ڈرامائی موڑ لیتی ہوئی، غزالہ کے گھرانے کی کہانی یک بیک اپنے غیر متوقع انجام سے دوچار ہو چکی تھی اور اب وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

شمع کی زندگی کی ٹمٹاتی ہوئی روشنی کو نشے کی عادت کے بھیانک سائے نگل چکے تھے اور کرنل میں شاید اب زندگی کے کٹھن راستوں پر تنہا چلنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنی کھوپڑی میں گولی مار کر موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں اپنی پیاری، شمع کی ملول روح کے تعاقب میں چلے جانے کا اندوہناک فیصلہ کر لیا تھا۔

کامران اس سانحے سے بے خبر بلکہ شاید بڑی حد تک اپنی ذات سے بھی بے خبر اسپتال میں زیرِ علاج تھا اور غزالہ سمندر پار، ہزاروں میل دور اس لمحے کی منتظر تھی جب اسے قید سے اپنے گھر واپس لوٹنے کی اجازت ملتی۔ لیکن اب اس گھر میں اس کا استقبال کرنے والا کوئی باقی نہیں تھا۔ گھر کے در و دیوار و بام پر بس موت ہی موت کے سائے لرزاں تھے۔

میں نے بڑھ کر احتیاط سے اس کاغذ کا جائزہ لیا جسے کرنل نے خودکشی سے پہلے فضا میں لہرایا تھا پھر وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ کاغذ میں وہی کچھ لکھا ہوا تھا جس کا تذکرہ کرنل نے کیا تھا۔ اس نے اپنی موت کی تمام تر ذمے داری اپنے سر لے لی تھی اور مکان کے بارے میں وصیت کی تھی جس کی رو سے کامران واحد وارث تھا اور جب تک وہ صحت یاب نہ ہوتا، مکان کسی ٹرسٹ کی تحویل میں رہتا اور اس سے ہونے والی آمدنی سے کامران کے علاج کے اخراجات ادا کیے جاتے۔

میں نے وہ کاغذ تپائی پر ایک پیکٹ کے نیچے اس طرح دبا دیا کہ وہ لازمی طور پر کسی بھی آنے والے کی نظروں میں آ سکے اور وہ بریف کیس اٹھا کر کمرے سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا جس میں کرنل کے آخری بیان کے مطابق چند سو روپے اور غزالہ کے لیے رکھے ہوئے شمع کے کچھ زیورات محفوظ تھے۔

جو کچھ ہوا وہ بہت بُرا اور دل گداز تھا مگر جو ہونے والا تھا وہ شاید بدترین ہوتا۔

دیارِ غیر میں غزالہ کا سامنا کر کے اُسے وہ بری خبر سنانا کوئی معمولی کام نہیں تھا اور میرا خیال تھا کہ میں اس کا اہل نہیں تھا۔ رہ رہ کر یہی ایک احساس ذہن پر کچوکے لگا رہا تھا کہ غزالہ کے باپ کی موت میں میرا بھی دخل تھا۔ غزالہ کو ویرا نے محض اس لیے اغوا کر کے ملک سے باہر منتقل کیا تھا کہ مجھے اپنے اشاروں پر چلنے پر مجبور کر سکے۔ اگر غزالہ سے میرا کوئی تعلق نہ ہوتا تو نہ وہ اغوا ہوئی ہوتی اور نہ شمع کی موت پر کرنل یکایک تنہائی اور مایوسی کا شکار ہوتا۔ بیٹی کا دلاسا اس کے لیے بہت مضبوط سہارا ہوتا اور شاید وہ بیٹی ہی کے لیے زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیتا۔

منہ اندھیرے کراچی پہنچنے والی نائٹ کوچ سے سفر کا بس یہی ایک فائدہ ہوا تھا کہ میں شمع کے مرنے سے پہلے وہاں پہنچ گیا تھا اور اب دوسرا فائدہ یہ نظر آ رہا تھا کہ سڑکوں پر ٹریفک کی گہما گہمی شروع ہونے سے پہلے میں وہاں سے کسی دوسرے ٹھکانے پر منتقل ہو سکتا تھا لیکن نیا ٹھکانا کون سا ہو سکتا تھا؟

صورتِ حال تیزی سے بدلی تھی اور ویرا سے میرا رابطہ برقرار رہنا ضروری تھا جب کہ اسے میں نے غزالہ کے گھر کا فون نمبر دیا ہوا تھا لہٰذا وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"بلیک ہاک اسپیکنگ" سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے ایک بوجھل نسوانی آواز سن کر میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "میں فالکن فور سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بہت بے صبرے ہو۔" آواز فوراً ہی بدل گئی، شاید ریسیور اُٹھا کر ویرا خود ہی بدلی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ "اب کیا مصیبت آ گئی؟"

"مصیبت ہی آ گئی ہے۔" میں نے اس کے لہجے کی شوخی کا اثر لیے بغیر سنجیدگی سے کہا "اس گھر میں اب کوئی نہیں رہا۔ غزالہ کی ماں میرے سامنے مر گئی اور اس کے باپ نے خودکشی کر لی۔ شہر میں اب میری نگاہوں میں کوئی ٹھکانا باقی نہیں رہا۔"

اس کے استفسار پر میں نے مختصر الفاظ میں پوری کہانی دہرا دی۔

"تو اب تم لاشوں کو یوں ہی چھوڑ کر نکل بھاگنے کے چکر میں ہو؟"

"یہاں بیٹھے بھی تو نہیں رہ سکتے۔" میں نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔ "پھر کرنل کی خواہش بھی یہی تھی۔"

"خودکشی بے آواز پستول سے کی گئی ہے۔ اگر فائر کنپٹی پر کیا تھا تو شاید بے چارہ چیخ بھی نہ سکا ہوگا۔ باہر کسی کو معلوم نہیں ہوا ہوگا کہ اندر کیا بیتی ہے۔ ذرا سکون سے کام لو، اپنوں کی لاشیں یوں بے گور و کفن چھوڑ کر نہیں بھاگا کرتے۔"

میں سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ معقول بات کہہ رہی تھی۔ اس علاقے میں مکانات بڑے اور ایک دوسرے سے اس قدر الگ تھلگ واقع تھے کہ لاشیں گل سڑ کر فنا بھی ہو جائیں تو کسی کو وقوعے کا علم نہیں ہوتا۔ لے دے کر دودھ یا اخبار لانے والے ہی کو کوئی شبہ ہو سکتا تھا اور وہ بھی اس وقت جب روش پر کئی پرانے اخباروں کے ڈھیر پڑے نظر آ جاتے یا دودھ لانے والا تجسس پر تل جاتا۔

"کسی رفاہی ادارے کو متوجہ کیے بغیر وہاں سے نہ جانا۔ آج کل باہر کے اخبارات میں بھی تمھارے کسی ایدھی ٹرسٹ کا بڑا چرچا ہوتا رہتا ہے۔ وہی لوگ سب دیکھ بھال کر لیں گے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"معاملہ اُلجھ جائے گا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "پولیس تیرا نام آتے ہی اس واقعے کو قتل قرار دے ڈالے گی جسے ہوشیاری کے ساتھ خودکشی میں بدلنے کی کوشش کی گئی ہو۔"

"دینے دو، جانے والے جان سے گئے، اب پولیس جو چاہے کرتی پھرے، لڑکا ذہنی مریض ہے اس کا کیا بگڑے گا؟" ریسیور میں اس کی آواز اُبھری اور مجھے خوشی ہوئی کہ وہ سنگدل اور سفاک قاتلہ بھی اپنے دل میں کچھ نرم گوشے رکھتی تھی "یا پھر ایسا کرو کہ کرنل بن کر ہی فون کر دو اور وہاں سے نکل جاؤ، خودکشی کا ارادہ ظاہر کر کے تدفین کی درخواست بہ آسانی کر سکتے ہو۔ تازہ واقعہ ہے چند منٹ کے اس فرق پر کوئی ماہر ترین سرجن بھی روشنی نہ ڈال سکے گا۔"

"تمھاری بات معقول ہے لیکن نیا ٹھکانا؟"

"ہم!" مختصر سی آواز کے بعد لائن پر طویل سکوت چھا گیا۔

"تمھاری طرف ہی نہ آ جاؤں؟" میں نے سوال کیا۔

"ایسا بھول کر بھی نہ کرنا۔" وہ فوراً ہی بول پڑی "میرے نزدیک تمھارا سایہ بھی نظر نہ آنا چاہیے اس طرح تم ناقابلِ تصور دشواریاں مول لے بیٹھو گے۔ میری بہتیری مصروفیات ہیں اور تنظیم کے کئی خیر خواہ میرے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"اوہ! تو یہاں جہانگیر کے علاوہ بھی کچھ اہم لوگ ہیں جو تم کو جانتے ہیں؟"

اس کی ہلکی سی ہنسی سنائی دی "جہانگیر بے چارہ تو کسی گنتی ہی میں نہیں ہے، دوسرے بھی میری اصل حیثیت سے واقف نہیں ہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ میں کچھ محدود معاملات میں پوری خودمختاری کے ساتھ تنظیم کی نمائندگی کرتی ہوں۔"

"وہ کون لوگ ہیں؟ ان کے وجود سے تو میں بھی لاعلم رہا ہوں۔" لمحاتی طور پر میں اس کی باتوں کی روانی میں بہہ گیا۔

"وہ جرائم کی دنیا سے باہر کے نیک نام لوگ ہیں۔ مقامیوں کے معاملے میں تمھارے حکام مجھ سے آسانی سے رام ہو جاتے ہیں۔ یہ سارا کام محض اتفاقات کے سہارے نہیں چل رہا، بڑے بارسوخ لوگ ہمارے پشت پناہ ہیں جنھیں ان کی چشم پوشی کی باقاعدہ قیمت ادا کی جاتی ہے۔ تمھارا ایک پرانا افسر تو بس سال چھ مہینے میں دو چار دن میری ہم نشینی کو ہی بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہے اور کوئی رشوت لیے بغیر ہمیں کروڑوں کا فائدہ پہنچا چکا ہے.... اوہ، یہ میں کیا کہانی لے بیٹھی، تم ٹھکانے کی بات کر رہے تھے۔"

میں بھی چونک کر رہ گیا۔ شاید ان بوجھل اور اعصاب شکن حالات میں میں لاشعوری طور پر ذہنی فرار کا متلاشی تھا جس کا موقع خود ویرا نے اپنی گفتگو میں فراہم کیا اور میں موضوع سے بھٹک گیا۔

"پھر میرے ذہن میں جہانگیر کے گھر کے علاوہ کوئی جگہ محفوظ نہیں ہو سکتی، ہر جگہ کسی نہ کسی شناسا کے ملنے کا دھڑکا لگا رہے گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" اس نے جہانگیر کا نام بھی مسترد کر دیا "وہ لاکھ تمھارا دوست سہی لیکن تنظیم کا آدمی ہے، اپنی سرخروئی کے لیے دھوکے سے تمھاری گردن کٹوا دے گا۔" پھر چونکتے ہوئے بولی "تم کسی بیمار غیر ملکی کے ساتھ گزارا کر سکو گے؟"

"اس وقت تو میں کسی خارش زدہ کتے کا ساتھ بھی گوارا کر لوں گا۔"

"پھر تم ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی چلے جاؤ۔ میں بھی اسے فون کیے دیتی ہوں۔ تم اس سے میرے حوالے سے ملو گے تو وہ تمھیں ہر آسائش فراہم کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"وہ تمھیں کس نام سے جانتا ہے؟"

"ویرا لائیڈ کے اصل نام سے، وہ میری زندگی میں پہلا اور شاید آخری مرد ہے جس کا رویہ میرے ساتھ ہر وقت مربیانہ رہا ہے ورنہ آٹھ سے اسّی سال کی عمر تک کا ہر مرد پہلی ہی ملاقات میں مجھ پر عاشق ہونے پر تل جاتا ہے۔"

"یہ خوش فہمی ہے تمھاری، سراپا دعوت بننے کے بعد جنسِ مخالف سے سرد مہری کی امید پتھر دل سے آگ بجھانے کی کوشش ہی کی جا سکتی ہے۔ ویسے یہ بھی بتا ڈالو کہ اس سے مجھے کس حیثیت

میں ملنا ہے۔" بھٹکتے بھٹکتے میں نے ایک مرتبہ پھر گفتگو کو صحیح رُخ پر ڈال دیا۔

"بس میرے دوست ہو، اس سے آگے وہ کچھ نہ پوچھے گا۔ بہت نرم خو اور ملنسار آدمی ہے۔" پھر اس نے پتا بتا ڈالا۔

"میرے ساتھ ایک دوست بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"اسے کہاں گلے میں لٹکائے پھرو گے؟" اس کی چڑچڑی آواز سنائی دی "خطرہ تمہارے لیے ہے۔ وہ جہاں چاہے رہ سکتا ہے۔ کراچی میں ہوٹلوں کی کمی تو نہیں ہے۔"

میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا جو کمرے کے ایک دور افتادہ گوشے میں دیوار کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ اس کا بدن یوں ہل رہا تھا جیسے وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر ہی اندر رو رہا ہو۔

"اس کا میرے ساتھ رہنا ضروری ہے۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

"بھرے جاؤ اسے بھی!" شاید وہ جل کر بولی تھی۔

"اور سنو! میرے کاغذات کی فکر نہ کرنا۔" میں نے اس کے گھٹیا انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "سفری دستاویزات کا بندوبست میں خود کر لوں گا۔ تم چاہو تو ایک دو روز میں روانگی کا پروگرام طے کر سکتی ہو۔"

"وہاں پہنچو، میں دوپہر تک بات کر دوں گی۔"

میں نے سلسلہ منقطع کر کے ٹیلیفون ڈائرکٹری سے ایک رفاہی ادارے کے فون نمبر تلاش کر کے رابطہ قائم کیا تو سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے ایک معتبر اور مربیانہ آواز سنائی دی۔ جب میں نے گھر کا پتا بتانے کے بعد خود کو کرنل زوار ظاہر کرتے ہوئے خودکشی کا ارادہ ظاہر کیا تو دوسری طرف سے فوراً ہی وعظ، تلقین اور ہمدردی کا دریا موج میں آ گیا۔ وہ بے چارہ حالات کی ستم ظریفی سے لاعلم پورے خلوص کے ساتھ مجھے حرام موت کے بھیانک مذہبی پہلو سے آگاہ کر رہا تھا لیکن جو کچھ ہو چکا تھا اسے واپس لوٹانا نہ اس کے بس میں تھا اور نہ میرے اختیار میں۔

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے اسے جلد از جلد پہنچنے کی ہدایت کر کے فون بند کر دیا۔ اب زیادہ دیر تک وہاں رکنا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا با دلِ ناخواستہ میں سلطان شاہ کی طرف بڑھا مگر اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی چونک پڑا۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گھٹ گھٹ کر روتا رہا ہو۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ خود میرا دل بھاری ہونے لگا تھا۔ میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے ساتھ لیے باہر آ گیا۔

"بڑا دردناک انجام ہوا ہے کرنل کا!" کار روانہ ہونے کے بعد اس نے دل گرفتہ آواز میں کہا۔

"ہر روز اس سے بڑے بڑے سانحے رونما ہوتے ہیں، آناً فاناً میں پچاسوں انسان موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے ہیں لیکن ان واقعات پر ہم کبھی نہیں روتے کیونکہ ہم نے بچشم خود وہ سب نہیں دیکھا ہوتا۔ ہم ہمدردی کے دو بول بول کر رہ جاتے ہیں۔ دکھ محسوس کرنے کے لیے مشاہدہ ضروری ہوتا ہے ورنہ کرنل تو تمھیں معاشرے میں ہر روز بہتیرے نظر آئیں گے۔"

"کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم ان دونوں کو یوں چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہیں۔"

"انسان نام ہی مجبوریوں کا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "جانوروں کو کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔"

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ویرا کے ایک ہمدرد کے پاس۔" میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"وہ عورت قابلِ اعتماد نہیں ہے۔" وہ چونک کر بولا۔

"جب تک غزالہ اس کے قبضے میں ہے اس پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔"

"میں نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن بھابی کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا۔

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، وہ نہ صرف کراچی سے بلکہ پاکستان سے باہر لے جائی جا چکی ہے اور اب تمھیں ہم دونوں کے پاسپورٹ تیار کروانے ہیں۔"

"باہر جاؤ گے؟" اس کی سوگوار آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔

"میں، ویرا اور تم!" میں نے کہا "ہم تینوں کو جانا ہوگا۔ ویرا بڑی سیمابی طبیعت کی مالک ہے۔ پل بھر میں نگاہیں بدل لیتی ہے اس کے توڑ کے لیے تمھیں دور رہ کر ہم پر نگاہ رکھنا ہوگی۔"

"تنظیم کی راہ سے ہٹانے کے لیے یہ چال چلی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور میں بھی تمھیں کامیابی نہیں ہو سکی۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "تم سچ کہہ رہے ہو۔ لائیڈز کالج کی عمارت کو تباہ کر کے بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں سمجھتا تھا کہ اس عمارت کی حیثیت تنظیم کے صدر دفتر کی سی ہے اور اس کی تباہی تنظیم کو عملی طور پر ختم کر ڈالے گی مگر ایسا نہیں ہے۔ ان کے اعلیٰ دماغ ابھی تک شکوک و شبہات سے بھی بالا ہیں۔"

لائیڈز کالج کی تباہی کی خبر سن کر وہ اپنی نشست پر حیرت سے اچھل پڑا "وہ تو ایکڑوں پر پھیلی ہوئی جاگیر ہے۔ تم نے اس کا کون سا حصہ تباہ کیا؟"



"پوری عمارت دھماکوں سے زمین بوس ہو گئی۔ ہم نے کارروائی ایک جگہ کی تھی لیکن وہاں چپے چپے پر نصب ڈائنامائیٹس کو حرکت میں لانے والا انتظام بھی زد میں آ گیا۔ اب وہاں آگ، دھواں اور ملبہ ہی رہ گیا ہوگا۔"

"مگر اخبارات میں تو کچھ بھی نہیں آیا اس بارے میں!" میری زبان سے لائیڈز کالج کی بربادی کی خبر سن کر وہ خاصا خوش و خرم نظر آنے لگا تھا۔

"یہ آج رات ہی کا واقعہ ہے۔" میں نے باہر پھیلتے ہوئے دھندلے سے سپیدۂ سحری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ آج صبح کے اخبارات میں تفصیلی خبر نہ آ سکے لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ لاہور میں اس واقعے پر آج اخباری ضمیمے شائع ہوں گے اور ہاتھوں ہاتھ بک جائیں گے۔"

"تمہارے ساتھ اور کون تھا وہاں؟" اس نے حیرت اور اشتیاق کے عالم میں سوال کیا۔

"میں اور ویرا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "وہ اس تباہی میں برابر کی شریک تھی بلکہ لائیڈز کالج کو اسی نے اپنے ہاتھوں سے تباہ کیا تھا لیکن وہ اس قدر کھل کر ساتھ دینے کے باوجود مجھے اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکی۔ فی الحال وہ ہماری ہمدرد ہے لیکن کبھی بھی عین موقع پر دغا دے سکتی ہے۔"

"کاش میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا دبا سکوں۔" اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "اتنی حرافہ عورت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"تمہارے ہاتھ اس کی گردن پر کانپ جائیں گے، بہت پُرفریب عورت ہے۔ بُرا وقت آنے پر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا سکتی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

اس کے بعد کار میں خاموشی چھا گئی۔ راستے میں ایک اسٹال سے ہم نے اخبار خریدے لیکن ان میں کہیں لائیڈز کالج کے بارے میں کوئی خبر موجود نہیں تھی۔ اس بارے میں تفصیلی معلومات اور تبصروں کے حصول کے لیے اب اگلے دن تک انتظار کرنا ضروری تھا لیکن میں اپنا وہ وقت بیٹھ کر برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کرنل اور شمع کی موت کے بعد پاکستان میں رُکے رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا تھا۔ نہ میرا کوئی عزیز زندہ تھا، نہ ہی غزالہ کے کنبے میں زیرِ علاج کامران کے علاوہ کوئی رہا تھا۔ کامران اسپتال میں تھا جہاں اس کی بہترین دیکھ بھال کی جا رہی تھی پھر کرنل کی وصیت کی بنا پر اس کی لاش دریافت ہوتے ہی کامران کی ذات پولیس اور دوسرے تفتیشی اداروں کے حکام کی توجہ کا مرکز بن جاتی لہٰذا اس کا رخ کرنا اپنے لیے دشواریاں کھڑی کرنے کے مترادف ہوتا۔ ان حالات کی بنا پر اب یہی لازمی نظر آ رہا تھا کہ فوری طور پر تیاری مکمل کر کے انگلینڈ کا رخ کیا جائے جہاں غزالہ اجنبیوں کے درمیان شاید کڑی نگرانی میں اپنے دن گزار رہی تھی۔

مجھے خیال آیا کہ ویرا نے مجھے غزالہ کے ساتھ یورپ یا انگلینڈ میں کہیں مستقل قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا جسے میں نے محض اس بنا پر ٹھکرا دیا کہ غزالہ کا پورا گھرانا پاکستان میں مقیم تھا۔ شاید قدرت کو میرا وہ عذر پسند نہیں آیا تھا۔ اس کے ماں باپ یوں آناً فاناً میں چٹ پٹ ہوئے تھے کہ غزالہ عملاً تنہا رہ گئی تھی۔

"اس گاڑی کا کیا کرو گے؟" سلطان شاہ کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"کیا کروں گا؟" میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دُہرایا۔ "میں مطلب نہیں سمجھا تمہارا۔"

"کرنل نے مکان کے بارے میں وصیت لکھ دی مگر اس کار کا کیا ہوگا؟"

"تمہارے استعمال میں رہے گی....."

"مگر یہ کرنل کی ملکیت ہے، پکڑے گئے تو کیا ہوگا؟" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

"اوہ سمجھا!" میں نے سر جھٹک کر کہا۔ "اوّل تو اس شہر میں کرنل کا کوئی دوست نہیں ہے۔ رسمی شناساؤں کے لیے ایک دوسرے کی گاڑیوں کے نمبر یاد رکھنے غیر ضروری ہوتے ہیں۔ شہر میں اسی ماڈل اور رنگ کی پچاسیوں کاریں ہوں گی۔ تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کار کی چوری کے قضیے میں کرنل کو غزالہ سے مختار نامہ لینا پڑتا تھا کیونکہ گاڑی کا رجسٹریشن غزالہ کے نام پر ہے اسی وجہ سے کرنل نے وصیت میں کار کا ذکر نہیں کیا۔ اسے اندازہ رہا ہوگا کہ ہمیں بھی سواری کی ضرورت رہے گی۔"

"پاسپورٹ کے لیے تمہاری تصاویر کا کیا ہوگا؟" وہ شاید اس وقت ضروری نکات کے بارے میں ہی سوچے جا رہا تھا۔

"اس وقت تو دکانیں بند ہوں گی، دن میں تصویر بنوا لوں گا۔"

"نہیں!" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "ویرانہ سہی، دوسرے تو تمہاری تلاش میں ہوں گے۔"

"تلاش کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "واقعہ رونما ہونے سے کچھ دیر پہلے ہی میں وہاں سے نکلا تھا ورنہ مستقل طور پر وہیں مقیم تھا۔ تنظیم تو شاید مجھے بھی مردہ تصور کر لے گی۔ خدشہ یہ ہے کہ کسی شناسا نے دیکھ کر میرے

زندہ بچ نکلنے کا بھانڈا پھوڑ دیا تو ناقابلِ تصور دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

پھر میں اسے لائیڈز کاٹج کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کرنے لگا۔ وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں منہ پھاڑے میری کہانی سن رہا جیسے میں اسے جِنوں اور پریوں کے دیس کے قصے سنا رہا ہوں۔

"تم واقعی حیرتناک صلاحیتوں کے مالک ہو۔" میرے خاموش ہونے پر وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "بدترین حالات میں بھی اپنے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتے ہو۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں، تم خود کو بے بس محسوس کرنے کے عادی نہیں ہو۔ تمہارا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔"

"اس بار میرے دماغ سے کہیں زیادہ ویرا کی آزاد روی کام آئی ہے۔ کامیابی کی کلید یہ تھی کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی پھر مجھ سے مل بیٹھی۔ اگر وہ کام نہ آتی تو لائیڈز کاٹج میں چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بات وہی ہے۔" وہ ضدی لہجے میں بولا۔ "اس جیسی مکار عورت کو شیشے میں اتارنا تمہارا ہی کام تھا۔"

"چلو مان لیا کہ میں بہت تیس مار خان ہوں۔"

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے واقعات کی اصلیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم نے ان سب کے درمیان رہتے ہوئے کمال ہوشیاری سے ایک طرف ڈی سوزا کو یقین دلایا کہ تم اس کے آدمی ہو اور دوسری طرف انعام اور درانی کے پیٹ میں اترنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں محاذ آرائی کی صورتِ حال پیدا کرنا دل گردے کا کام تھا۔ تمہاری ناکامی کی صورت میں برقی بھٹی تمہارا مقدر بھی بن سکتی تھی۔ انھیں گڑ لائن کی طرف متوجہ کر کے تم وہاں سے نکلنے میں تو کامیاب ہو گئے مگر ویرا کو سنبھالنا اب بہت دشوار ہو گا۔ اس نے نہ صرف بھابی کو قید کیا ہوا ہے بلکہ تمھیں بھی روپوش ہو جانے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"میری تصاویر کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے سوال کیا۔

"رول سمیت ایک کیمرا خریدنا ہو گا۔ گھر پر ہی تصاویر اتار کر کہیں سے پرنٹ بنوا لوں گا۔"

---

پھاٹک بند تھا اور وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں نے اس عالیشان مکان کے پھاٹک پر گاڑی روک کر چند سیکنڈ تک انتظار کیا پھر ہارن بجانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فضا میں ایک بھاری مردانہ آواز گونج اٹھی۔

"کون ہے؟" سوال انگریزی میں کیا گیا تھا، آواز پھاٹک کی جانب سے آئی تھی لیکن وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

"تم کون ہو؟ سامنے آ کر بات کرو۔" میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے سر باہر نکال کر اضطراری لہجے میں کہا۔

"میں سامنے نہیں آ سکتا۔" خشک لہجے میں جواب دیا گیا۔ "ڈرو نہیں، میں کوئی بھوت نہیں، ایک زندہ مگر علیل آدمی ہوں۔ اپنے قدموں پر چل کر تمہاری پیشوائی کے لیے نہیں آ سکتا۔ میری آواز کنکریٹ کے ستون میں لگے ہوئے اسپیکر کے ذریعے تم تک پہنچ رہی ہے۔ تم جو کچھ کہو گے وہ مائیکروفون کے ذریعے مجھ تک پہنچ جائے گا۔"

اس کی زبان سے علالت کا ذکر سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ بولنے والا ہی میرا مطلوبہ شخص تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "کیا تمہارا ہی نام مارٹن ہے؟"

"میں جو بھی ہوں اس وقت اس گھر کا مالک ہوں اور تم کہیں سے چل کر میرے دروازے پر آئے ہو۔ تمھیں یہ سوال زیب نہیں دیتا، اخلاقاً بھی پہلے تمھیں اپنا تعارف کرانا چاہیے تھا۔"

بولنے والے کا لہجہ نرم اور شائستہ تھا لیکن اس کی آواز میں کوئی ایسی بات موجود تھی جس کی بنا پر اسے خوامخواہ الٹا جواب دینے کو طبیعت چاہ رہی تھی۔ "اخلاق کے اتنے ہی رسیا ہو تو اپنی چھتی کو سنبھال کر رکھا ہوتا۔" میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے ان الفاظ پر وہ اکھڑ جائے گا لیکن خلافِ توقع اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"تم کس کی بات کر رہے ہو اجنبی مہمان؟"

"اسی کی، جس سے دوستی نہ ہوئی ہوتی تو شاید تمہارے دروازے پر میری یوں توہین نہ ہوتی۔"

"پہیلیاں نہ بجھواؤ، کھل کر بتاؤ تمھیں کس نے بھیجا ہے؟"

"سندر چہرہ، گوری رنگت اور نشیلے نینوں سے کون سا نام یاد آتا ہے تمھیں؟"

"بہت ضدی ہو۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ آواز ابھری۔ "سب کچھ بتا دو گے مگر نام نہیں بتاؤ گے... نہ اپنا اور نہ بھیجنے والے کا۔ خیر، یوں ہی سہی، بیمار اور تنہا آدمی ہوں۔ میرا بھی کچھ وقت گزر جائے گا۔ ہاں، تو کچھ اور نشانیاں بتاؤ، صحت اور جوانی کے دنوں میں تو ہر عورت پر تمہاری نشانیاں صادق آتی نظر آتی تھیں۔"

مجھے یک بیک غصہ آ گیا۔ وہ خود کو بہت مکار اور باتونی سمجھ رہا تھا۔ "تم اس خیال میں بھی نہ رہنا کہ میں کسی مسخرے کی طرح باہر کھڑا یوں ہی تمہارا دل بہلاتا رہوں گا۔ زبردستی دروازہ کھول کر یا پھاٹک توڑ کر ایک بیمار آدمی کے گھر میں گھسنا میرے لیے کوئی دشوار کام نہ ہو گا۔ سیدھی طرح راستہ نہ دیا تو نتائج کے ذمے دار خود ہو گے۔"

"اور نتیجہ میرے لیے روح فرسا ہو گا میرے بچے۔" وہ آواز تمسخر آمیز ہو گئی۔ "برقی جھٹکے سے جھلسنے والی لاشیں اکثر ناقابلِ شناخت ہو جاتی ہیں۔ زبردستی کا انجام یہی ہو گا۔"

میرا خون کھول اٹھا۔ وہ مجھے صریحاً دھمکی دے رہا تھا لیکن اسی لمحے میری بہکی ہوئی ذہنی رو راہِ راست پر آ گئی۔ میری زندگی خطرے میں تھی۔ دشمن کسی بھی وقت میری راہ پر لگ سکتے تھے اور مجھے ایک محفوظ ٹھکانے کی تلاش تھی جو فی الوقت اس عالیشان مکان کے علاوہ کہیں نہیں ہو سکتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم بھی شعبدے سے باز ہو۔ میں چاہوں تو برقی تاروں پر کوئی دھاتی چیز اچھال کر انھیں آپس میں شارٹ کر کے تمہارے گھر میں برقی رو کی فراہمی کا سلسلہ منقطع کر سکتا ہوں مگر میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ تمہاری چہیتی ویرا لائیڈ ان دنوں مجھے خاصی عزیز ہے۔"

"گڈ۔" اس کی اطمینان آمیز آواز ابھری۔ "اب ہوئی نہ بات، سمجھ تو میں پہلے ہی گیا تھا مگر اس کا نام تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا۔ گاڑی اندر لے آؤ۔"

اس کا فقرہ ختم ہونے سے پہلے ہی آہنی دروازہ کسی خودکار میکنیزم کے تحت اندر کی طرف کھلتا چلا گیا اور میں نے انجن گیئر میں ڈال کر کار آگے بڑھا دی۔

کار پختہ، خمدار روِش پر اندر داخل ہوئی تو صبح کے اجالے میں برآمدے میں ایک شخص معذوروں والی کرسی پر براجمان نظر آیا۔ شاید وہ خاصی دیر سے وہیں موجود تھا۔ میں کار سے اتر کر اس کی طرف بڑھا تو میں نے دیکھا کہ وہ بہت ہی اعلیٰ ساخت کی جدید ترین خودکار کرسی تھی جو شاید بٹن دبانے سے بیٹری سے چلنے والی موٹر کے ذریعے حرکت میں لائی اور پھر حسبِ خواہش روکی جا سکتی تھی۔ کرسی کے داہنے بازو کے ساتھ ہی ایک آہنی پلیٹ پر لاسلکی انٹرکام جیسا ایک آلہ نصب تھا۔ غالباً پھاٹک والا انٹرکام بھی اسی آلے سے منسلک تھا۔

"خوش آمدید میرے مہمانو!" ہمارے کار سے اترتے ہی اس نے خوش دلی کے ساتھ ہانک لگائی۔ میں نے غیر ارادی طور پر گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو وہاں کوئی آدمی موجود نہ ہونے کے باوجود پھاٹک خود بخود بند ہو چکا تھا۔

میں برآمدے سے ذرا دور رک کر غور سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

پہلی بات تو یہ تھی کہ اپنے خدوخال سے وہ مقامی ہی لگ رہا تھا۔ چہرے کی رنگت بھی کھلتی ہوئی گندمی سی تھی جبکہ غیر ملکی لب و لہجے میں انگریزی بول کر وہ اب تک ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ دوسری بات یہ کہ اپنے چاروں ہاتھ پیروں اور صحت مند جسم کے ساتھ وہ کسی بھی طرح بیمار یا معذور نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کے باوجود معذوروں والی کرسی پر براجمان تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ کسی ایسے عارضے میں مبتلا تھا جس میں چلنے پھرنے کی ہلکی سی مشقت بھی اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" اس نے دلچسپی کے ساتھ میری تجسّس آمیز نظروں کا سامنا کرتے ہوئے اردو میں سوال کیا۔

اور سلطان شاہ حیرت سے اچھل پڑا۔

"ارے! یہ تو اردو بول رہا ہے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا جیسے وہ کسی گونگے کے اچانک بول پڑنے کا اعلان کر رہا ہو۔

"اردو بھی بول لیتا ہوں۔" اس نے براہِ راست سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس ملک میں اجنبیوں کو مرعوب کرنے کے لیے انگریزی میں ابتدا کرنا پڑتی ہے ورنہ نئے ملاقاتی برتری کے احساس سے سرشار ہو کر مجھ معذور سے ملنے آتے ہیں۔ حالانکہ میں پوری طرح صحت مند اور چاق و چوبند ہوں۔"

"تھوڑی دیر قبل خود تم نے انٹرکام پر کہا تھا کہ تم بیمار ہو اور اپنے قدموں پر چل کر ہماری پیشوائی کے لیے نہیں آ سکتے۔" میں نے اسے تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کے پُراسرار رویّے سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔

"تمہارے سوال کے جواب میں یہ نہ کہتا تو پھاٹک پر آنا پڑتا۔" وہ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ اس کا وہ انداز نہ جانے کیوں، مجھے چڑانے والا بلکہ جارحانہ محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر اس ڈھونگ کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے اس کی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا برآمدہ روِش کی سطح سے خاصا بلند ہے اور اس طرف سیڑھیوں کے کنارے برآمدے کو روِش سے ملانے والا پختہ ڈھلوان فرش بھی نظر آ رہا ہے جو خاص طور پر تمہاری کرسی کے لیے بنایا گیا ہو گا۔ اس کا کیا جواز ہے؟"

"میری ذہنی اپروچ۔" وہ فراخدلانہ قہقہے کے ساتھ بولا۔ "اب اندر بھی آؤ گے یا یہیں کھڑے جرح کیے جاؤ گے؟ تھوڑی دیر قبل ویرا نے مجھے فون پر تمہاری آمد کی اطلاع دی تھی۔ نام کیا

ہے تمھارا؟"

"عجیب بات ہے کہ ویرا نے میرا نام نہیں بتایا تمھیں۔ ویسے یہ سلطان ہے، میرا دوست اور ساتھی۔" میں نے سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لڑکیوں سے ان کے آشناؤں کے نام نہیں پوچھے جاتے۔" وہ اپنی کرسی دروازے کی طرف بڑھاتے ہوئے داہنی آنکھ دبا کر بولا۔ "اس سے میرا رشتہ بہت عجیب ہے، میں اس کے بارے میں بہت کم جانتا ہوں۔ کچھ ناگفتہ باتیں معلوم ہیں مگر ان سے چشم پوشی اختیار کیے رہتا ہوں۔ وہ مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہے۔"

"تمھاری بیٹی کہاں پائی جاتی ہے؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"بدقسمتی سے لاولد ہوں۔" وہ ہم دونوں کے پیچھے اپنی کرسی شاندار کمرے میں لے جاتے ہوئے اداس لہجے میں بولا۔

"اور بیوی؟" اس بار میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"شادی ہی نہیں کی۔" وہ مسمسی آواز میں بولا۔

میری کھوپڑی سلگ اٹھی۔ وہ خبیث مسلسل ہمیں گھسنے پر تلا ہوا تھا۔ جب شادی ہی نہیں کی تھی تو لاولد یا عیال دار ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن اس نے یوں اپنے لاولد ہونے کا ذکر کیا تھا جیسے اس بارے میں خود بھی مغموم ہو۔

"بیٹھو بیٹھو۔ تم آدمی دلچسپ ہو، ذرا کچھ دیر گپ شپ رہے گی۔" وہ داخلی دروازہ بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہاں۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "اپنی ذات سے اتنے مایوس ہو تو کسی بچے والی سے شادی کر لی ہوتی، کم از کم لاولد رہنے کا قلق تو نہ رہتا تم کو۔"

"دوسروں کے بچے پالنے سے نفرت ہے مجھے۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "پھر میں نے اپنی ذات . . ."

میں نے درمیان ہی سے اس کا فقرہ اچک لیا۔ "ہوشیاری سے کام لیتے تو بہتر بندوبست بھی کر سکتے تھے، شادی کے دو چار ماہ بعد باپ بن جاتے اور ولدیت کے خالی خانے میں اپنا نام ٹھونک دیتے۔ نہ کسی کو اعتراض ہوتا نہ دوسروں کے بچے پالنے کا طعنہ سننا پڑتا۔"

"بس۔" وہ اپنی کرسی کے بائیں ہتھے پر زور سے ہاتھ مار کر غرایا۔ "تم میری چھت کے نیچے میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔"

میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ آخر کار میں بھی اس کا خون سلگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"پھر چلو کھلے آسمان کے نیچے چلتے ہیں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں تو اسی لیے باہر کھڑا ہوا تھا کہ اپنی چھت کے نیچے تو کوئی چمار بھی اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا، تم زبردستی اندر لے آئے۔"

"تمھیں تمیز نہیں ہے کہ میزبان کے ساتھ کس طرح پیش آیا جاتا ہے۔" اس کا پارہ چڑھ گیا تھا اور ساری بذلہ سنجی چشم زدن میں کافور ہو گئی تھی۔

"ویرا نے بتایا تھا کہ تم اسے کسی باپ کی طرح چاہتے ہو، میں بھی خود کو تمھارا داماد سمجھتے ہوئے یہاں آیا تھا مگر تم پھیل کر بیٹھے اور اب آنکھیں دکھا رہے ہو۔" میں نے لحظہ بھر میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے سوچے سمجھے انداز میں کہنا شروع کیا۔ "مجھے یہاں پناہ ملے یا نہ ملے لیکن تم میری زبان پر پابندی عائد نہیں کر سکتے، میں کوئی اور ٹھکانا تلاش کر لوں گا جہاں محاذ آرائی کا خدشہ نہ ہو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے وہاں سے روانگی کے انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی، سلطان شاہ نے بھی میری تقلید کی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ غصیلے لہجے میں چیخا۔ "یہاں سے جانے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

"کون سی؟" میں نے اس کے خالی ہاتھوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے طیش کے عالم میں کوئی بٹن دبا کر اپنی کرسی کا زاویہ قدرے تبدیل کیا اور اگلے ہی لمحے کرسی کے داہنے دستے میں نرم گدی کے نیچے سے جھانکتے ہوئے پائپ کی نال سے ایک بے آواز شعلہ لپکا اور گولی ایک سپاٹ دیوار میں پیوست ہو گئی۔

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بظاہر مذاق ہی مذاق میں بات حد سے تجاوز کر گئی تھی لیکن میرے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق مارٹن اپنے خول سے باہر آنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ کرسی کے ہتھے سے بے آواز فائر میرے لیے معنی خیز تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ مارٹن وہ نہیں تھا جو نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں کچھ کہے بغیر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ میرا ذہن مسلسل اسی فائر میں الجھا ہوا تھا۔ معذوروں والی اس آہنی کرسی کی ساخت میں دانستہ طور پر موٹے گیج کا پائپ استعمال کیا گیا تھا تاکہ ہر ہتھے کے نیچے پوشیدہ مخصوص ساخت کے بے آواز پستول کی بیرل بآسانی چھپائی جا سکے۔ بادی النظر میں تو امکان ہی نہیں تھا، غور سے دیکھنے پر بھی شبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ لوہے کے سیدھے اور مڑے ہوئے پائپوں کے اس ڈھانچے میں ہتھیار بھی پوشیدہ ہوں گے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کم از کم بائیں ہتھے میں بھی اسی قسم کا ہتھیار پوشیدہ تھا۔

"ڈر گئے نا۔" مارٹن اچانک مشینی انداز میں زور زور سے ہنستے کا؟ کیسی شاندار ترکیب سے تم کو مرعوب کیا ہے۔ میں لوگوں کو متحیر اور خوفزدہ کر کے عجیب سی خوشی محسوس کرتا ہوں۔" اس نے کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑ دیا۔

بے اختیار میرے ذہن میں وان ہوف سے حاصل کیا ہوا وہ ایکسپلوڈر رینگ آیا جو اس وقت ویرا کی تحویل میں تھا۔

"شعبدے مجھے بھی پسند ہیں۔" مارٹن کی ہنسی رک جانے پر میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور مجھے اعتراف ہے کہ تم ایک اچھے شعبدے باز ہو لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟"

"کیا مطلب؟" وہ میرے براہِ راست سوال پر چونک پڑا۔ شاید اسے مجھ سے ایسی بے خوفی کی امید نہیں رہی تھی۔

"مطلب صاف ظاہر ہے، ویرا بہتیرے ملازمین کی کفالت کرتی ہے۔ تم نے اس کی کچھ ناگفتہ مصروفیات کا بھی ذکر کیا تھا جن سے تم چشم پوشی اختیار کیے رہتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اسی سلسلے میں اس کے کچھ مخالفین بھی رہے ہوں، تو تمھارا تعلق ان دونوں میں سے کس فریق سے ہے؟"

اس کے چوڑے چکلے چہرے پر سنجیدگی بکھر گئی۔ "زیادہ قیاس آرائیوں سے کام نہ لو، ایسی کوئی صورت میرے علم میں نہیں ہے، ویرا کی ناگفتہ مصروفیات سے میرا اشارہ اس کی رنگین مزاجی سے تھا۔" وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تمھیں کسی جائے پناہ کی تلاش ہے۔ آدمی کا دامن صاف ہو تو شہر میں سیکڑوں ہوٹل موجود ہیں مگر تم نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ تم قانون یا اپنے کچھ دشمنوں سے چھپتے پھر رہے ہو۔ دونوں میں سے جو بھی صورت ہو، اس سے تمھاری مشکوک حرکات کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تم میرے بارے میں اپنے ماحول کے مطابق احمقانہ باتیں سوچ رہے ہو۔"

"یہ تمھاری غلط فہمی ہے، شہر میں میرے بہتیرے ٹھکانے ہیں مگر میں لاابالی آدمی ہوں۔ ویرا کی خواہش تھی کہ میں کسی ایسی جگہ قیام کروں جہاں اس کی دسترس میں رہوں۔ وہ کھلے بندوں ہر جگہ نہیں پہنچ سکتی۔" مذاق میں شروع ہونے والی نوک جھونک بہت جلد خطرناک رخ اختیار کر گئی تھی لہٰذا میں نے محتاط رویہ اختیار کر لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں یہاں سے جا رہا تھا تو کسی فٹ پاتھ پر ہرگز قیام نہ کرتا۔ اس کو بھی بھول جاؤ تو میری کار بھی خود ایک چلتا پھرتا ٹھکانا ہے، جہاں چاہو کھڑی کر لو۔ اس کی نشستیں دو آدمیوں کے سونے کے لیے کافی ہیں۔ . . میرا خیال ہے کہ اس حد تک بات بڑھ جانے کے بعد میرا یہاں ٹھہرنا مناسب نہ ہوگا۔ تم نے بلاوجہ اپنی ایک گولی ضائع کی، بہتر یہی ہے کہ اب بھی مجھے واپس جانے دو۔"

"جو کچھ ہوا، ٹھیک ہی ہوا ہے۔" وہ فیصلہ کن اور پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "نہ مجھے کسی بات کا ملال ہے نہ تمھیں افسوس ہونا چاہیے۔ میرے گھر آئے ہوئے مہمان واپس نہیں جاتے، تم یہیں ٹھہرو گے۔"

"مجھے افسوس کسی بات کا نہیں ہے مگر میں الجھ گیا ہوں۔" میں نے ٹٹولنے والی نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے بتاؤ، میں تمھاری الجھن دور کروں گا۔" وہ کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

"الجھن کا محور ہی تمھاری ذات ہے۔ پھاٹک سے اس کرسی تک برقی اور الیکٹرانک شعبدے نظر آ رہے ہیں۔ گھر میں نہ جانے اور کیا کچھ بکھرا ہوا ہو پھر کرسی میں پوشیدہ بارود برسانے والی نالیں بھی کم عجیب نہیں ہیں۔ ویرا نے تمھیں بیمار قرار دیا تھا۔ تم صحت مند مگر معذور نظر آتے ہو لیکن صحت مند کہلانے پر مُصر ہو . . ."

"یہ دیکھو۔" وہ اچانک کرسی کے پائیدان پر تن کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "کون کہتا ہے کہ میں معذور ہوں؟"

"اگر تم نہ معذور ہو نہ بیمار، تو میرا خیال ہے کہ میں غلط جگہ پر آگیا ہوں۔" میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ "فضول بحث مت کرو، میں ویرا کو اچھی طرح جانتا ہوں، اس نے فون پر مجھ سے بات کی ہے اور تم دونوں کی آمد کے بارے میں بتایا ہے۔ یہ سب ہونے کے بعد تمھیں یہ شبہ کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا کہ تم غلط جگہ پر آگئے ہو۔ بس میری افتادِ طبع نے تم کو کچھ حیران ضرور کر دیا ہے۔"

"اس چار دیواری میں مجھے اپنی آزادیاں بھی سلب ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔" وہ میرے قیام پر جتنا اصرار کر رہا تھا، میں اسی قدر مزاحمت کیے جا رہا تھا۔ میں اس حکمتِ عملی کے ذریعے اپنے شبہات کی توثیق یا تردید کرنا چاہ رہا تھا جو بادی النظر میں بہت وزنی اور ناقابلِ تردید محسوس ہو رہے تھے۔

"وہم ہے تمھارا۔ تم یہاں ایک معزز مہمان کی طرح پوری آزادی کے ساتھ رہ سکو گے۔"

"اور اگر میں باہر جانا چاہوں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

ایک لحظے کے لیے اس کے چہرے پر تفکر کے آثار نظر آئے پھر وہ بولا۔ "باہر بھی جا سکو گے۔"

"مگر تمھارے علم میں لائے بغیر نہیں۔" میں نے اسی لہجے

میں کہا "کیونکہ پھاٹک کھولنے اور بند کرنے کا ریموٹ کنٹرول تم اپنے ساتھ کرسی پر لیے پھرتے ہو اور آہنی پھاٹک میں کرنٹ دوڑتا رہتا ہے۔"

"پہلی بات درست ہے کہ کنٹرول میرے ساتھ رہتا ہے کیونکہ میں اس وسیع و عریض مکان میں تنہا رہتا ہوں، اپنے سارے کام بھی خود سرانجام دیتا ہوں البتہ پھاٹک میں کرنٹ والی بات سراسر مبالغے پر مبنی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو، میں تو تمہاری کہی ہوئی بات دہرا رہا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"وہ مذاق تھا... تم خود غور کرو کہ ایسا ہوتا تو اب تک نہ جانے کتنے راہگیر اور آوارہ جانور بے خبری میں پھاٹک سے برقی جھٹکے کھا کر مر گئے ہوتے۔"

گفتگو سے اس کے تیور ظاہر ہو گئے تھے۔ ہم وہاں اپنی مرضی سے پہنچے تھے لیکن اب وہ ہمیں اپنے پاس رُکے رکھنے پر اڑا ہوا تھا اور یہ بات میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔

بہرحال میں نے فوری طور پر بات بڑھانے کے بجائے وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دوپہر میں ویرا کا فون آنے کے بعد ہی میں کوئی نئی حکمتِ عملی وضع کر سکتا تھا۔

مارٹن وھیل چیئر پر ہمیں کمرے دکھانے اندر لے گیا۔ میرے ذہن میں بار بار یہ بات چبھ رہی تھی کہ جب وہ صحت مندی کا دعویدار تھا تو وھیل چیئر کو کیوں جان سے لگائے پھر رہا تھا۔ اس کے علاوہ پورے گھر کا فرش بالکل مسطح تھا اور فرشی قالینوں کے رووئیں پر جا بجا وھیل چیئر کے ٹائروں کے نشانات نظر آ رہے تھے جو اس کے بیان کی نفی کر رہے تھے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دن رات اسی کرسی پر سوار رہتا ہو مگر میں نے وہ متنازعہ سوال دوبارہ نہیں چھیڑا۔

اندر تمام رہائشی سہولتوں سے آراستہ پانچ خوابگاہیں خالی تھیں۔ اس کے اصرار پر ہم نے ایک دوسرے سے متصل اور باتھ روم کے ذریعے اندر ایک دوسرے سے ملے ہوئے دو الگ الگ کمرے منتخب کر لیے۔ کمروں کے بعد ہمیں باورچی خانے کی طرف لے جاتے ہوئے اس نے واضح کر دیا کہ وہ ملازم رکھنے کا عادی نہیں تھا لہٰذا ہمیں اپنے تمام کام خود ہی سرانجام دینے تھے جس میں اس سے کسی بھی وقت مدد لی جا سکتی تھی۔

اس کے فریج میں پھل اور سبزیوں سے دودھ دہی تک خورونوش کا سارا سامان بھرا ہوا تھا۔ ڈیپ فریزر میں یخ بستہ گوشت کی وافر مقدار موجود تھی مگر کچن میں جو چیز قابلِ توجہ تھی، وہ کچن کاؤنٹر اور چولھوں کی بلندی تھی جو عام باورچی خانوں سے خاصی کم تھی اور وہاں کھڑے ہو کر کام کرنا دشوار نظر آتا تھا البتہ وھیل چیئر پر بیٹھے ہوئے شخص کے لیے وہ بلندی بہت موزوں تھی۔ میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ ان واضح علامات کے باوجود مارٹن صحت مندی کے دعوے پر کیوں بضد تھا؟

سلطان اس بارے میں مجھ سے گفتگو کرنے کے لیے بے چین تھا جب کہ میں اسے ٹالے رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ مارٹن نے جو طرزِ زندگی اپنایا ہوا تھا اس میں یہ گنجائش بھی ضرور رکھی ہو گی کہ وہ اپنی کرسی سے اترے بغیر اس گھر میں بولا جانے والا ہر لفظ سن سکے۔

اس کے جاتے ہی ہم دونوں اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے۔ میں تکان سے بے حال ہو رہا تھا لہٰذا سیدھا بستر پر جا گرا مگر چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ باتھ روم کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے بادلِ ناخواستہ بستر چھوڑ کر مشترکہ باتھ روم کے دروازے سے بیرونی بولٹ سرکایا تو سلطان شاہ میرے کمرے میں آ گیا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میری تو عقل کام نہیں کر رہی!" اس نے میرے کمرے میں گھستے ہی بوکھلائی ہوئی دھیمی آواز میں کہا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئے ہوں۔"

"ذہن پر زور نہ دو۔" میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا "ہمارے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہمیں ویرا نے یہاں بھیجا ہے۔"

"مگر یہ آدمی میری سمجھ میں نہیں آیا، اس کی حرکتیں مجھے پاگل کر دیں گی۔"

"میں اس کا ٹائپ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں، بے ضرر سا خبطی آدمی ہے، ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"یہ کون سا خبط ہوا کہ صحت مند ہوتے ہوئے بھی معذور بنا پھرتا ہے؟"

"وہ شاید دوسروں کو متحیر کر دینے کے خبط میں مبتلا ہے۔ خبطی لوگ تو اکثر و بیشتر اس سے بھی گئی گزری حرکتیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"تمہارا تجربہ ہو گا، میرے لیے تو نئی بات ہے۔"

"میں اسی لیے اس کو اشتعال دلا رہا تھا کہ اس کی اصلیت کا اندازہ لگا سکوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس فکر میں دُبلا ہونے کے بجائے فی الحال لمبی تان کر سونا چاہیے۔"

"بہتر ہے، تو پھر آرام کرو۔" وہ پژمردہ لہجے میں یہ کہتا ہوا باتھ روم کی طرف مڑ گیا مگر اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں کسی وجہ سے کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

پچھلے دو دن کی تھکا دینے والی، جانگسل بھاگ دوڑ کے بعد آرام دہ بستر میسر ہوا تو میں ذرا سی دیر میں ہی ایسا گدھے گھوڑے بیچ کر سویا کہ پھر جھنجوڑ کر جگائے جانے پر ہی بیدار ہوا۔ آنکھیں کھولنے سے پہلے حواس بیدار ہوئے تھے اور میں نے اپنے جسم پر کسی کے مضبوط ہاتھوں کا لمس محسوس کیا تھا، آنکھیں کھولیں تو مارٹن اپنی وھیل چیئر پر براجمان میرے بستر کے قریب موجود تھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔

"اٹھو ویرا کا فون ہے۔" مجھے بیدار ہوتے دیکھ کر اس نے کہا "انسٹرومنٹ ڈرائنگ روم میں ہے، وہ لائن پر ہے۔"

میں نے بستر سے اتر کر ڈرائنگ روم کی طرف تقریباً دوڑ ہی لگا دی۔

"کیا سو گئے تھے؟" میری آواز سنتے ہی ویرا کی طنزیہ آواز سنائی دی۔ شاید وہ کافی دیر سے لائن ہولڈ کیے ہوئے تھی۔

"اب بھی نہ سوتا تو لعنت تھی مجھ پر۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا "لیکن تم تو دوپہر میں فون کرنے والی تھیں اور اب شام کے پانچ بج رہے ہیں۔"

"سارا پروگرام گڑبڑ ہو گیا ہے۔" کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ انسٹرومنٹ پر ویرا کی آواز اچانک دھیمی ہو گئی۔ شاید مارٹن نے گفتگو سننے کے لیے کسی دوسرے کمرے میں ریسیور اٹھا لیا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ چند دن کے لیے مجھے یہاں رکنا ہو گا۔ باہر سے کوئی بڑا آ رہا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"یہ تاخیر میرے لیے اذیت ناک ہو گی۔" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا "یہ آنا جانا تو ہوتا ہی رہے گا۔ ہمارے پروگرام میں تبدیلی نہ ہونا چاہیے۔"

"مگر اب تو یہ ہو ہی گئی ہے۔ اس کا پس منظر اتنا سنگین ہے کہ میں ملنے والے پیغام کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اس دوران میں تم اپنی تیاریاں مکمل کر لو۔"

"میری تیاری میں کوئی وقت نہیں لگے گا۔" میں نے تلخ آمیز لہجے میں کہا "تم مجھے دن بتاؤ۔"

"بتا دوں گی۔ یہ سناؤ کہ مارٹن کے پاس کوئی تکلیف تو نہیں ہے تم کو؟"

"ہوتے ہوتے رہ گئی، اب سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا اس سے بھی الجھ پڑے تھے؟"

"وہ مجھے مرعوب کرنے کے چکر میں تھا۔ اگر وہ اپنے شعبدوں سمیت کسی سرکس میں ملازمت کرتا تو تماشائیوں سے بے پناہ داد و تحسین وصول کرتا لیکن بدقسمتی سے وہ صاحبِ حیثیت ہے اور اپنے مہمانوں پر شعبدے آزماتا ہے۔ ابتدا میں ذرا نوک جھونک ہوئی تھی۔ اب خیریت ہے لیکن تم نے تاخیر کی خبر سنا کر سارا موڈ غارت کر دیا ہے۔"

"مجبوری ہے۔"

"میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں، اپنے مالی مسائل پر بھی بات کرنا ہے۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

"اس کی فکر نہ کرو۔ ایک سے ایک لاکھ تک جو رقم چاہو مل جائے گی۔"

"مگر ملاقات پھر بھی ضروری ہے۔" میں نے اصرار کیا۔ مجھے گفتگو میں یہ احتیاط رکھنا تھی کہ مارٹن، جو گفتگو سن رہا تھا، کسی نکتے کی بنا پر میرے ذہن میں موجود خدشوں سے آگاہ نہ ہو سکے۔

"میں کسی وقت اسی طرف چلی آؤں گی۔"

"مارٹن کو وہم ہو گیا ہے کہ میں اپنے دشمنوں یا قانون سے چھپتا پھر رہا ہوں، تم بھی ملنے اِدھر آ گئیں تو اس کے شبہات کو تقویت ملے گی۔ باہر کوئی پروگرام کیوں نہیں رکھ لیتیں؟" میں نے نپے تلے الفاظ میں کہا۔

ویرا بہت ہوشیار عورت تھی۔ فوراً ہی بھانپ گئی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اس نکتے پر ذرا بھی بحث کیے بغیر فوراً ہی باہر ملاقات پر آمادہ ہو گئی۔ "پیر آٹھ بجے اولڈ کلفٹن کی پارکنگ لاٹ میں ملو، میں پہنچ جاؤں گی۔"

مزید چند رسمی باتیں کر کے اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں واپس اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا تو راہداری میں مارٹن سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ "کیا باتیں کر آئے ویرا سے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے خوش دلی کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ میرا اور اس کا ذاتی معاملہ ہے۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "میں تمہارا مہمان ضرور ہوں لیکن تمہیں اپنی نجی مصروفیات میں اس حد تک دخیل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اوہ برا مان گئے۔" وہ بھونڈے انداز میں ہنستے ہوئے بولا "میرا تو خیال تھا کہ ویرا سے پیار محبت کی باتوں کے بعد

تمہارا موڈ خوشگوار ہو گیا ہو گا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے لڑ کر آئے ہو۔"

"ہم دونوں باہر جا رہے ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "ویرا سے باہر ملاقات کا پروگرام ہے، واپسی دیر سے ہو گی۔"

"کن دونوں کی بات کر رہے ہو؟ تم تو جا ہی نہیں سکتے۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"کیا مطلب؟" میں تیزی کے ساتھ اس کی طرف پلٹ پڑا۔ "کیا پھر کوئی مذاق سوجھا ہے؟"

"مذاق نہیں، اس بار حقیقت ہے۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا۔ "تم نہیں جا سکو گے۔"

"ہو سکے تو روک کر دکھا دینا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے جو تمہیں روکوں گا گاڑی تمہارا دوست لے گیا ہے، اب تم پیدل تو جانے سے رہے۔" یہ کہہ کر وہ دیوانہ وار ہنسنے لگا اور میں خفت آمیز انداز میں اسے گھور کر رہ گیا۔

سلطان شاہ کی واپسی تک انتظار ضروری تھا۔ لہٰذا میں نے وقت گزاری کے لیے مارٹن کو اپنے کمرے میں چلنے کی دعوت دی جو اس نے خوشگوار حیرت کے ساتھ قبول کر لی۔ اسے کمرے میں چھوڑ کر میں غسل خانے میں جا گھسا اور چند منٹ بعد تازہ دم ہو کر باہر آیا تو مارٹن میز پر وھسکی کی بوتل، آئس پاٹ اور دو گلاس سجائے میرا منتظر تھا۔ میں اس کی مکاری پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ شاید وہ مجھے نشے میں مدہوش کر کے میری زبان کھلوانے کے فراق میں تھا۔

"میری یہاں آمد کے بعد تم نے پہلی بار کوئی ڈھنگ کا کام کیا ہے۔" میں نے میز پر سجی ہوئی اشیا پر پسندیدگی کی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اس وقت ایک دو گلاس بڑا لطف دیں گے۔"

"یعنی بڑے سے ابتدا کرو گے؟" اس نے بوتل کھولتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"نہ نہ۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "میں شوقیہ پیتا ہوں، عادی نہیں ہوں۔ زیادہ پی لوں تو سب کچھ الٹ جاتا ہے۔"

وہ معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے دونوں گلاسوں میں انڈیلنے لگا اور میں اس کے مقابل جم گیا۔ محتاط رہنے کی اداکاری کرتے ہوئے اس نے میرے پہلے ہی گلاس میں مقدار زیادہ رکھی وہ اپنی دانست میں میرے لیے جال تیار کر رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنس رہا تھا کہ وہ مجھ پر بلاوجہ اپنا وقت اور پیسہ برباد کر رہا تھا۔

بوتل خالی ہوتی رہی، سیال معدے میں اتر کر کھوپڑی پر سوار ہوتا رہا پھر جلد ہی مارٹن کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگے اور وہ اپنی وھیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے دائیں بائیں جھولنے لگا مگر میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ خود بھی بلا نوش تھا اور محض مجھے دکھانے کے لیے نشے میں ہونے کی اداکاری کر رہا تھا تاکہ اسے چوپٹ دیکھ کر میں کھل کر پینے لگوں اور جب ذہنی اعتبار سے ناکارہ ہو کر رہ جاؤں تو وہ مجھ پر سوچے سمجھے انداز میں جرح شروع کر دے۔

اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ وہ اداکاری کر رہا تھا تو میں کیوں پیچھے رہوں۔ اگلے گلاس کا آغاز کرتے ہی میں نے اردو شاعری پر مشقِ ستم شروع کر دی اور اسی حوالے سے اتنی تیزی کے ساتھ اس سے بے تکلف ہونے کی کوششیں شروع کر دیں کہ وہ بوکھلا کر اپنی وھیل چیئر کو مجھ سے دور ہٹا لے گیا۔

"ہا ہا! تم مجھ سے ڈر رہے ہو انکل مارٹن!" میں نے قہقہہ لگا کر فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

"انکل کہا تو میں جان سے مار دوں گا۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے غصیلی آواز میں غرایا۔ "ابھی میں اتنا عمر رسیدہ نہیں ہوا ہوں کہ تم جیسے پوری عمر کے نوجوان مجھے انکل سمجھنے لگیں۔"

"عمر نہیں، میں تو تمہاری معذوری کی وجہ سے ہمدردی میں تمہیں انکل سمجھتا ہوں۔" میں نے بہکی ہوئی آواز میں کہا۔

"شٹ اپ! نو انکل بزنس۔" وہ اس بار آسودہ لہجے میں غرایا تھا جیسے اسے اطمینان ہو گیا ہو کہ میں اب واقعی نشے کی جھونک میں بہک چلا تھا۔ "تم مجھے مارٹن... صرف مارٹن کہو گے۔"

"مجھے تم لنگڑے معلوم ہوتے ہو صرف مارٹن!" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

اس کے چہرے پر لحظہ بھر کے لیے حیرت کے آثار نظر آئے پھر وہ بولا۔ "تم بکواس کرتے ہو تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"تم کرسی سے ایک جھٹکے سے اٹھے تھے اور پھر چلے بغیر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے، میں شرط لگاتا ہوں کہ تم لنگڑے ہو ورنہ مجھے ابھی چل کر دکھاؤ۔" میں نے فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے پُرسرور لہجے میں کہا۔

"فرض کرو کہ میں لنگڑا ہوں تو اس سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "لنگڑا ہونے یا نہ ہونے سے تمہاری صحت کا ہی تعلق ہے، بس یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ وھیل چیئر تمہارا شوق نہیں مجبوری ہے۔"



"اور ویرا تمہاری مجبوری۔" اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"فی الحال تو ہے۔" میں نے افسردہ لہجے میں اعتراف کیا۔ "بے مہر بھی ہے اور بے وفا بھی مگر پھر بھی اسے اپنا کہنے کو دل چاہتا ہے ہو سکتا ہے کچھ دن ساتھ گزارنے کے بعد اس کی خرابیاں بھی نظر آنے لگیں۔"

"تم اس کے لیے کیا کام کرتے ہو؟"

میں ہذیانی انداز میں ہنسا۔ "عاشق عشق کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔" پھر اس کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "ویسے وہ مجھے بھی پُراسرار نظر آتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ کئی دن سے لاپتا تھی، آج ملی تو مجھے تمہارے یہاں قیام کرنے کا مشورہ دے بیٹھی۔ اس کا خیال ہے کہ اس کا کوئی دشمن خود اس کی اور اس کے دوستوں کی تاک میں ہے۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟" وہ روا روی میں اپنے تجسس کو لفظوں میں ڈھال بیٹھا۔

"رانا۔ رانا عابد علی۔" میں نے جھوم کر کہا۔ "لیکن سچ پوچھو تو بھونرے کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ وہ نت نئے رسیلے پھولوں کی تلاش میں بیکراں فضاؤں میں آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے پھر کوئی نرم و نازک سا پھول اسے اپنی پھیلی ہوئی پتیوں میں پناہ دیتا ہے اور وہ اس پھول کا روپ اجاڑ کر پھر آگے پرواز کر جاتا ہے... تچ... چاہو تو مجھے رانا بھونرا بھی کہہ سکتے ہو!"

"کرتے کیا ہو؟"

"آوارہ گردی... اور آوارہ گردی۔ اس کے سوا کچھ سیکھا ہی نہیں ہے۔"

"اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں؟" وہ ڈھٹائی کے ساتھ میرے پیٹ میں اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ وہ میری اور ویرا کی گفتگو سن چکا تھا للٰذا میں نے فی البدیہہ ایک کہانی تراش لی۔ "اپنی محبوباؤں سے جیب خرچ وصول کرتا ہوں۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "آج میری مفلسی کا اشارہ پاتے ہی ویرا نے ایک لاکھ روپے کی پیشکش کی ہے۔ اگر تم لنگڑے نہ ہوتے تو تم بھی خاصا کما سکتے تھے۔"

"یعنی تمہیں ویرا سے کوئی ہمدردی نہیں ہے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"جب تک اس سے دل نہیں بھر جاتا میری پوری ہمدردیاں اسی کے ساتھ ہیں۔" میں کسی بہکے ہوئے شرابی کی طرح رو میں آ کر اس کے سوالات کے جوابات بے تکان انداز میں دیے جا رہا تھا۔

"اگر کوئی ویرا کے عوض دو لاکھ کی پیشکش کرے؟"

"اتنا تو وہ بھی دے سکتی ہے، اسی سے سودے بازی کر لوں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اور چار لاکھ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تم مجھے اس کے خلاف اکسا رہے ہو انکل مارٹن!" میں نے ادھ کھلی مخمور نگاہوں سے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔ "مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بے تکلفانہ انداز میں ہنسا۔ "بس یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ تمہاری نگاہوں میں ویرا کی کتنی قیمت ہے۔"

"چار لاکھ سے یقیناً کم ہے۔" میں سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں اونچی آواز میں بڑبڑایا کہ وہ بھی سن لے پھر اس سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کیا اس شہر میں کوئی ایسا بھی سرپھرا ہے جو اس کے چار لاکھ دے سکے؟" میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ کام کی بات شروع ہو جانے کے بعد اس نے انکل کے خطاب پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

"ہے نہیں مگر تم چاہو تو پیدا کیا جا سکتا ہے۔" وہ مکاری پر اتر آیا۔

"چار لاکھ!" میں پھر بڑبڑایا جیسے وہ رقم میرے منتشر ہوتے ہوئے اعصاب پر سوار ہو گئی ہو۔ "قسمت کی دیوی دروازے پر دستک دے رہی ہے، میں نے اسے لوٹا دیا تو ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیشہ کے لیے روٹھ جائے!"

"کیا حساب لگا رہے ہو؟ مجھ سے کھل کر بات کرو۔" اس نے کسیلے لہجے میں کہا۔

میں نے یوں الجھے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھا جیسے میرے دل و دماغ میں زبردست کشمکش جاری ہو پھر اس اداکاری کا بھرپور تاثر دینے کے لیے میں نے بوتل سے گلاس میں اس طرح وھسکی انڈیلی کہ خاصی بہہ کر قالین پر آ رہی مگر مارٹن نے میری مدد کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ دلچسپی کے ساتھ میرا جائزہ لے رہا تھا۔

آئس پاٹ سے یخ بستہ پانی گلاس میں لبریز کر کے میں نے بے تابانہ انداز میں ایک لمبا گھونٹ لیا پھر لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ مارٹن میری طرف نگراں تھا مگر میں اس کے اعصاب کو تھکا کر یہ معلوم کرنے کا تہیہ کر چکا تھا کہ اسے ویرا کے خلاف ورغلانے والا کون تھا؟

ویرا ابھی تک اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر رہی تھی، اسے وہ واحد شخص قرار دے رہی تھی جس نے ویرا کی جنسی کشش سے کبھی کوئی منفی اثر نہیں لیا تھا مگر وہ شخص اب ویرا کی بیخ کنی پر تلا ہوا

تھا اور اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ اس وقت میں ویرا کے جاں نثار ساتھیوں میں سے تھا تو شاید وہ میری زندگی بھی اجیرن کر سکتا تھا۔

"میں تمھارے بولنے کا منتظر ہوں۔" مارٹن نے خاموشی کے طویل وقفے پر مضطرب ہو کر مجھے ٹوکا۔

"کک... کیا بولوں؟" میں نے کسی احمق کی طرح منہ پھاڑ کر سوال کیا۔

"ہم چار لاکھ کی بات کر رہے تھے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"یہ رقم کون دے گا؟"

"میں دوں گا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آج رات اولڈ کلفٹن جانے کے بجائے اسے یہاں بلا لو۔ آگے میں خود سنبھال لوں گا۔ اس کے یہاں آتے ہی تمھاری رقم پکی ہو جائے گی۔"

"تم؟" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم میں وہ پُر زے ہی نہیں ہیں کہ تم کسی عورت کے لیے چار روپے بھی خرچ کر سکو۔ یہ بتاؤ کہ تمھارے پیچھے کون ہے۔ تم مجھے چار دو گے تو اس سے یقیناً آٹھ دس لاکھ ضرور وصول کر و گے۔"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں غرّایا۔ "یہ سودا میرے اور تمھارے درمیان ہے۔ اس سے آگے میں جانوں اور میرا کام جانے۔ تمھیں اس سے کوئی مطلب نہ ہونا چاہیے۔"

"ویرا تو تمھاری منظورِ نظر ہے۔ چار لاکھ بھی کیوں خرچ کر رہے ہو؟ اسے ایک فون کر دو، خود ہی دوڑی ہوئی چلی آئے گی۔ اس میں میری دلالی کی کیا ضرورت ہے۔ تم تو بیک وقت اس کے دشمن بھی ہو اور مسیحا بھی۔ مسیحا بن کر اسے بلاؤ اور پھر دشمن بن کر پوری قوت سے ٹوٹ پڑو، کانوں کان کسی کو پتا بھی نہ چل سکے گا۔"

"میرے بلانے پر وہ بھڑک جائے گی کیونکہ آج تک ایسا نہیں ہوا۔ سو وہ جب آئی، اپنی مرضی سے ہی آئی ہے۔ وہ بہت باخبر رہتی ہے، اندر کے حالات اس سے پوشیدہ نہ ہوں گے۔"

"کون سے اندر کے حالات؟ تم تو مجھے حیرت سے مارے ڈال رہے ہو انکل! کہیں تم دونوں ہی بدمعاشوں کی کسی ٹولی میں تو شامل نہیں ہو، جو اب گروہوں میں بٹ گئی ہو؟" میں نے بہکے بہکے لہجے میں کہا مگر میں کن انکھیوں سے مارٹن کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے آخری الفاظ پر وہ بہت زیادہ مضطرب ہو گیا تھا۔ شاید اسے اپنے آخری غیر محتاط فقروں پر افسوس بھی ہوا ہو مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

اندر کے حالات کے حوالے سے یہ اشارہ مل رہا تھا کہ مارٹن بھی تنظیم ہی کی صفوں کا آدمی تھا اور شاید براہِ راست کسی مقامی بڑے کو جوابدہ رہا ہو گا جب ہی ویرا اس کے اصل رول سے بے خبر تھی۔

پھر یہ بھی ممکن تھا کہ مارٹن دیدہ و دانستہ ویرا سے جا ٹکرایا ہو اور اپنی بے غرضی کے مظاہرے سے اس کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گیا لیکن درحقیقت وہ کسی اور کے لیے ویرا کے خلاف سرگرم عمل تھا اور اب حالات اس موڑ پر آ گئے تھے کہ ویرا کے اس دشمن نے دور دور سے چھیڑ چھاڑ کے بجائے مارٹن کو کھلی پیش قدمی کا سگنل دے دیا۔ اب یہ میری بدقسمتی تھی کہ اس نازک صورتِ حال میں میں سلطان شاہ سمیت پناہ لینے کے لیے مارٹن کے پاس جا پہنچا اور اس نے مجھے چارا بنا کر ویرا پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

رہی چار لاکھ کی بات تو اس میں کوئی جان نہیں تھی۔ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ ویرا نے مارٹن پر اپنے تمام تر اعتماد کے باوجود اسے میری اصلیت سے آگاہ نہیں کیا تھا ورنہ وہ میرے لہو کا بھی پیاسا ہو جاتا اور شاید اس کی وھیل چیئر میں پوشیدہ گن سے نکلی ہوئی بے آواز گولی دیوار کے بجائے میرے دل ہی میں اتری ہوتی۔ لیکن مارٹن کی اس لاعلمی کے باوجود صورتِ حال میرے حق میں نہیں تھی۔ اگر وہ سب تنظیم کے اندر جنم لینے والی پیشہ ورانہ رقابتوں کا شاخسانہ تھا تو یہ بات طے تھی کہ مارٹن اپنی دانست میں مجھے ویرا کے لیے چارا بنا کر مقصد حاصل ہوتے ہی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

راز داری تنظیم کے بنیادی اصولوں میں اوّلین اہمیت کی حامل تھی وہ لوگ غیر ضروری طور پر کسی بھی اہم واقعے کے غیر متعلق گواہوں کو زندہ چھوڑنے کے عادی نہیں تھے۔

"بدمعاشوں سے مجھ بے چارے کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" مارٹن خفت آمیز ہنسی کے ساتھ اپنی پوزیشن کی وضاحت کر رہا تھا۔ "میرا تو یہ مطلب تھا کہ ویرا میرے گھر کے اندر کے حالات سے بھی باخبر ہو سکتی ہے۔"

"اوہ! تو کھل کر بات کیا کر و نا انکل!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "گفتگو میں قبض کی شکایت پیدا ہو جائے تو بہت سے مفہوم ہی بدل کر رہ جاتا ہے۔ اندر کے حالات کی وضاحت نہ کی جائے تو کسی وقت خیالات کی رو دائیوں کی طرف بھی مبذول ہونے کا امکان رہتا ہے۔"

"پھر بلا رہے ہو اسے؟" مارٹن نے میرے بہک جانے پر شاید اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمھیں کل ہی بتایا تھا کہ وہ کسی دشمن کے وہم میں مبتلا ہے اور اکثر سیدھی چلتے چلتے پُراسرار نظر آنے لگتی ہے۔" میں نے چند لمحوں قبل کہی ہوئی بات کو دانستہ کل کا قصہ قرار دیتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان کہا۔ "اب میں نے اچانک پروگرام تبدیل کیا تو وہ بھڑک جائے گی۔ نہ تم سے چار لاکھ ملیں گے نہ وہ ایک لاکھ دے گی۔"



"اب بس کرو، تم بہت پی چکے ہو۔" اس نے تادیبی لہجے میں کہا۔ "ہچکیوں کے ساتھ اُلٹیاں شروع ہو گئیں تو سارے قالین کا ستیاناس ہو جائے گا، میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔"

"پینے دو میری جان انکل!" میں نے گلاس انگلیوں میں نچاتے ہوئے کہا۔ "قالین خراب ہوا تو کل چار لاکھ میں سے نیا قالین ڈلوا دوں گا۔ باہر بندش ہے، اندر رلتی ہے تو تم واعظ بنتے جا رہے ہو۔"

"بس کرو۔" وہ میرے قریب آ کر میری پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے بولا۔ "مفت کی ملی ہے تو تم اپنی اوقات سے زیادہ پی گئے ہو، لاؤ گلاس مجھے دے دو ورنہ تمھاری حالت بگڑ گئی تو میں تماشا دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میرے ہاتھ سے گلاس لیا اور اپنے حلق میں انڈیل کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

اس روز میں نے واقعی کافی زیادہ پی لی تھی۔ حواس ضرور بحال تھے لیکن میرا سر بھاری ہونے لگا تھا اور بے اختیار سو جانے کو دل چاہ رہا تھا۔ مارٹن کو اپنے مدہوش ہو جانے کا یقین دلانے کے لیے وہ بے اعتدالی ناگزیر تھی۔

سلطان شاہ گاڑی لے کر نکلا ہوا تھا اور ویرا سے ملاقات کے لیے اولڈ کلفٹن جانے میں خاصا وقت باقی تھا للٰذا میں نے مارٹن کو زیادہ کھل کھیلنے کا موقع دینے کے بتدریج بہکنا شروع کر دیا لیکن یہ دھیان رکھا کہ ساری اول فول گفتگو میں چار لاکھ کا تذکرہ بار بار ہوتا رہے تاکہ مارٹن اچھی طرح یقین کر لے کہ ویرا کو اس کے قبضے میں پہنچا کر چار لاکھ روپے کی خطیر رقم کمانے کا خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑ چکا تھا۔

مارٹن دور اپنی وھیل چیئر پر بیٹھا میری بے ربط حرکات و سکنات کو بغور دیکھتا رہا پھر میں لڑکھڑاتا ہوا صوفے سے اُٹھا اور بستر کے بجائے دیوار کی طرف بڑھتے ہوئے دو تین قدم چلنے کے بعد ہی قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ گرتے ہوئے میں نے اپنا چہرہ مارٹن کی طرف رکھا تھا۔ ہولے ہولے کراہتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں مگر پپوٹوں کے درمیان اتنی جھری برقرار رکھی تھی کہ اسے دیکھتا رہوں۔

میری ابتر حالت دیکھ کر مارٹن کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے جسم کو بالکل ساکت و صامت کر لیا۔ وھیل چیئر تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی میری طرف آئی اور تھم گئی۔ مارٹن اس وقت میرے دائرۂ بصارت سے باہر تھا۔ چند ثانیوں بعد میں نے اپنے داہنے شانے پر مارٹن کے پیر کا دباؤ محسوس کیا اور اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

میں بائیں پہلو کے بل قالین پر پڑا ہوا تھا۔ مارٹن کے پیر کا دباؤ بڑھتے ہی میرا بدن قالین پر چت ہو گیا اور گردن قدرتی طور پر اس طرح گھوم گئی کہ اب پپوٹوں کی جھری سے میں بس سفید چھت ہی دیکھ سکتا تھا۔

مارٹن کی وھیل چیئر میں لگی ہوئی برقی موٹر کی ہلکی سی گھوں گھوں کی آواز میرے قریب سے اُبھر کر دور ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہو گئی جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرے سے جا چکا تھا مگر میں پھر بھی احتیاطاً اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اس آرام دہ حالت میں مجھے نیند بھگانے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ اگر اس وقت میری آنکھ لگ جاتی تو ویرا سے اہم ترین ملاقات کا وقت نکل سکتا تھا جس کا ازالہ ہونا ناممکن تھا۔

میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر سلطان شاہ مقررہ وقت تک واپس نہ لوٹا تو ٹیکسی پکڑ کر ویرا سے ملاقات کے لیے جاؤں گا پھر یہی سب سوچتے ہوئے ذہن پر غنودگی کا اس قدر شدید حملہ ہوا کہ بدن کو ہلانے جلانے کی بھی سکت نہیں رہی اور میں اپنی بسیار نوشی کو کوستا ہوا اندھیروں کی دلدل میں غرق ہوتا چلا گیا۔

سلطان شاہ نے مجھے بڑی بے رحمی کے ساتھ جھنجوڑ کر بیدار کیا تھا۔ اس وقت میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، پپوٹے منوں وزنی ہو رہے تھے مگر مجھے آنکھیں کھولنا ہی پڑ گئیں۔ سلطان شاہ اس وقت غصے میں بپھرا ہوا تھا۔

"برداشت نہیں ہے تو پیتے کیوں ہو؟" مجھے بیدار ہوتے دیکھ کر وہ اچانک ہی پھٹ پڑا تھا۔

"بڑا شاندار ناچتا ہے یہ اپنا رانا۔" کمرے میں مارٹن کی چہکتی ہوئی آواز گونجی۔ "کلاسیکل اسٹائل کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے برہمی کے عالم میں سر گھمایا تو وہ قریب ہی اپنی وھیل چیئر پر براجمان تھا، میں فوراً ہی بوکھلا کر اٹھ گیا کیونکہ اس وقت میں فرشی قالین کے بجائے وھیل چیئر کی اونچائی پر، نرم اور گداز بستر میں پڑا ہوا تھا۔

"مجھے بستر پر کس نے لٹایا؟" میں نے باری باری ان دونوں کو گھورتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"میں آیا تو تم اسی حالت میں بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔" سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"مگر میں قالین پر تھا۔ وہیں لیٹے لیٹے میری آنکھ لگ گئی تھی۔"

"سب کچھ یاد رہ جائے تو نشے کو نشہ نہ کہا جائے۔" مارٹن بولا۔ "تھوڑی دیر کے لیے تم ضرور قالین پر بے حس و حرکت پڑے رہے تھے پھر اُٹھ کر ناچنا شروع کر دیا تھا۔ وہ تو غنیمت ہے کہ یہاں نوکر چاکر نہیں ہیں ورنہ اچھا خاصا تماشا بن جاتا۔ تم ناچتے ناچتے تھک کر مسہری پر جا گرے تھے اور اسی حالت

میں سو گئے تھے۔"

میں الجھن میں پڑ گیا۔ میں نے اپنے ذہن کو بہتیرا ٹٹولا مگر قالین پر سو جانے کے بعد کچھ یاد نہ آیا۔ اپنی ذہنی حالت کے بارے میں مجھے پورا اعتماد تھا کہ آخر تک بہکا نہیں تھا پھر میں قالین سے مسہری پر کیسے پہنچا، سلطان شاہ انکاری تھا اور مارٹن میرے کسی طاغوتی رقص کی کہانی سُنا رہا تھا۔ یقیناً میرے خلاف کوئی سازش ہوئی تھی لیکن میں یہ تعین نہ کر سکا کہ وہ حرکت کس نے کی ہوگی۔ مارٹن ایک معذور آدمی تھا جو خود اپنی نقل و حرکت کے لیے وہیل چیئر کا محتاج تھا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس نے میرے وزنی وجود کو فرش سے اٹھا کر مسہری پر ڈالا ہوگا تاکہ بعد میں ناچ کی کہانی تراش کر میرا مضحکہ اڑا سکے۔

"غنیمت ہے کہ یہیں ناچ لیے ہو ورنہ وہاں لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے، میری مانو تو اب تھوڑی دیر ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے نہائے بغیر باہر نہ نکلنا کہیں پھر کوئی بھولا ہوا راگ یاد آ جائے اور شارع عام پر ٹھمکنا شروع کر دو۔" مارٹن مضحکہ اڑانے والے انداز میں مشورہ دیتا ہوا کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

وہ مشورہ نہ بھی دیتا تو اس وقت میرا غسل کرنا ضروری تھا۔ میں سلطان شاہ سے نگاہیں چار کیے بغیر باتھ روم میں گھس گیا اور لباس اتار کر پوری دھار سے ٹھنڈے پانی کا شاور کھول دیا۔ نہاتے ہوئے بھی میں مسلسل اسی واقعے کے بارے میں سوچتا رہا لیکن مسہری پر منتقلی کے بارے میں میری یادداشت نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

"اب بتاؤ کہ یہ کیا حرکت تھی؟" سلطان شاہ میرے باہر نکلتے ہی پھٹ پڑا۔ وہ شاید دروازے کے قریب ہی کھڑا میرے برآمد ہونے کا منتظر تھا اور اس کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"بس چُوک ہوگئی۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر خفت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مارٹن نے شرارت کرتے ہوئے شراب میں کچھ ملا دیا تھا ورنہ میری حالت کبھی اتنی غیر نہیں ہوئی۔ زیادہ چڑھتی ہے تو بس سوجاتا ہوں۔"

"مارٹن بتا رہا تھا کہ تم دونوں ڈی لکس پی رہے تھے جو ذرا تاخیر سے اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا ہے اگر وہ سچ ہے تو تمھیں اپنی حرکتوں پر شرمندہ ہو کر شراب نوشی سے تائب ہو جانا چاہیے۔"

"یوں سُنی سُنائی پر مشورہ نہ دو کبھی پی کر دیکھو، اس کے بعد جو مشورہ دو گے مان لوں گا۔" میں نے کہا۔ "مان لیا کہ غلطی ہوگئی مگر اس کے باوجود نیچے جھاڑ کر پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"

اس تبصرے پر سلطان شاہ چپ ہوگیا اور گھر سے روانہ ہونے تک اس نے اس موضوع پر اپنی زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکالا البتہ وہ بازار سے ایک کیمرا لے آیا تھا۔ اسی کمرے میں ایک پردے کے پس منظر میں اس نے میری دو تین تصاویر لیں پھر اسی کمرے میں اس نے مختلف اشیاء اور تصاویر کی کچھ تصاویر لیں، اس دوران میں میں تیار ہوتا رہا اور آخر کار ٹھیک ساڑھے سات بجے ہم دونوں وہاں سے روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

مارٹن اس وقت برآمدے میں اپنی وہیل چیئر پر بیٹھا کافی پی رہا تھا، اس سے رسمی گفتگو کرتے ہوئے ہم آگے بڑھے اور کرنل کی کار میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"اب بتاؤ کہ اس عمارت میں کیا کھیل ہو رہا ہے؟" مکان سے تھوڑی دور نکلتے ہی اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔

"بہت خطرناک کھیل ہو رہا ہے جس میں ہم دونوں ناگہانی آ پھنسے ہیں۔" میں نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔ "بس اتنی التجا ہے کہ جہاں اتنا صبر کیا ہے تھوڑی دیر اور صبر کرو تاکہ میں کہانی دُہرانے کی زحمت سے بچ جاؤں۔ ویرا سے بات ہوگی تو سب کچھ خود بخود واضح ہوتا چلا جائے گا۔ بعض باتوں کے بارے میں میں خود اندھیرے میں ہوں۔ ان پر ویرا ہی کچھ روشنی ڈال سکے گی۔"

"اور وہ شراب پی کر ناچنے والا قصہ کیا تھا؟"

"ہُش!" میں نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "کیا تم اس معاملے میں مجھے اتنا ہی گیا گزرا سمجھتے ہو؟"

"مجھے تو مارٹن نے بتایا تھا، پھر خود تم نے بھی تصدیق کر دی کہ تمھیں علم نہیں کہ قالین سے مسہری پر کیسے پہنچے تھے اور جو کچھ ہوا اسی دوران میں ہوا تھا۔"

"مسہری پر پہنچنے والا قصہ واقعی قابلِ غور ہے لیکن اس کا شراب نوشی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے مارٹن کو تاثر دیا تھا کہ میں پی کر بہک چلا ہوں، اسی کے نتیجے میں اس نے کچھ دو ٹوک باتیں بھی کر ڈالیں ورنہ ہمیں معاملات کے سر پیر کا ہی اندازہ نہ ہو پاتا۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو آئے؟"

وہ بھی اپنی روداد سُنانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا لہٰذا نہایت آسانی کے ساتھ موضوع تبدیل ہو گیا۔ وہ گھر سے تو کیمرا خریدنے کی نیت کر کے ہی نکلا تھا مگر پھر گاڑی شہر کے ایک دور افتادہ مقام پر پارک کر کے غزالہ کے گھر کی طرف بھی ہو آیا جہاں پولیس کی بھاری نفری قابض تھی اور سرکاری گواہوں کی موجودگی میں گھر میں موجود ساز و سامان کی فہرست مرتب کی جا رہی تھی۔ سماجی ادارے کے اہلکار کرنل نعمان زیدی مرحوم کی مفرد فون کال ملتے ہی فوری طور پر وہاں پہنچے تھے جہاں ویران مکان میں دو تازہ لاشیں ان کی منتظر تھیں لہٰذا لاشوں یا کسی دوسری چیز کو چھیڑے بغیر فوراً پولیس کو اطلاع دے دی گئی۔

پھر غالباً کرنل کی چھوڑی ہوئی تحریر کی بنا پر کامران کی شناندہی ہوئی۔ کرنل کی وصیت میں کامران کے دماغی عارضے کا واضح تذکرہ موجود تھا لیکن پولیس والے اپنے بندھے ضابطوں سے سرِمو بھی انحراف نہ کر سکے۔ علاج گاہ میں عملے نے لاشوں کی شناخت کے لیے کامران کو لے جانے کے نظریے کی شدت سے مخالفت کی کیونکہ اس سنگین حادثے کو دیکھ کر وہ کسی بدترین ذہنی صدمے سے دوچار ہو سکتا تھا مگر قانون کے محافظوں کے سامنے وہ بے بس ہو گئے۔

قانون کی نگاہوں میں ایک آدمی کی زندگی یا صحت سے زیادہ اہمیت دو لاشوں کی شناخت کی تھی اس لیے اسپتال کا عملہ مجبوراً کامران کو ایمبولینس میں ساتھ لے کر اس کے گھر پہنچا مگر خلافِ توقع کامران نے نہایت خاموشی کے ساتھ کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر ان لاشوں کا مشاہدہ کیا اور قانون کی کوئی مدد کیے بغیر واپس علاج گاہ لوٹا دیا گیا۔

سلطان شاہ کی آخری اطلاعات کے مطابق دونوں لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری مردہ خانے میں پڑی ہوئی تھیں اور پولیس کو جائے واردات سے کوئی ایسا سراغ نہیں مل سکا تھا جو دُہرے قتل کے محرکات پر روشنی ڈالتا۔ اس بارے میں سماجی ادارے کے رکن کا بیان بہت اہم ثابت ہوا تھا جو بذاتِ خود کرنل سے فون پر گفتگو کرنے کا دعوے دار تھا۔

"مجھے یہ خوشی ہوئی کہ دونوں لاشیں اس بند مکان میں سڑنے سے بچ گئیں۔" اس کی پوری کتھا سُننے کے بعد میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اس حادثے کے غم میں تم دوسرے اہم معاملات کو بالکل ہی بھلا بیٹھے ہو۔" وہ بولا۔

"کون سے معاملات؟" میں سرسری لہجے میں سوال کر بیٹھا۔

"لائیڈز کاٹیج!" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

میں ہنس پڑا۔ "اوہ! وہ تو اب ایک بھولا ہوا خواب سا محسوس ہوتا ہے، یقین نہیں آتا کہ میں صرف ویرا کے ساتھ مل کر اتنا بڑا کام سرانجام دے چکا ہوں۔ کیا اس کے بارے میں بھی شہر میں کچھ خبریں گردش کر رہی ہیں؟"

"شام کے ایک اردو اخبار نے شہ سرخی کے ساتھ پوری تفصیل شائع کی ہے۔" وہ ہیجان آمیز لہجے میں بولا۔ "میں تمھارے لیے اخبار بھی لایا تھا لیکن وہاں مارٹن ایک نئی کہانی لے بیٹھا، اس کے بعد بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔"

"وہاں سب کچھ کھنڈر ہو گیا، عمارت کا کوئی حصہ صحیح سلامت نہیں رہا اور کمال کی بات یہ ہے کہ تباہی کے ساتھ ہی پورے کھنڈرات میں خود بخود زبردست آگ بھڑک اٹھی جس پر آخری خبریں آنے تک قابو نہیں پایا جا سکا تھا۔ ابھی تک ملبے سے جھلسی ہوئی اور مسخ شدہ کُل پانچ لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ آگ کی وجہ سے ابھی تک باقاعدہ امدادی کام کا آغاز بھی نہیں ہو سکا ہے۔ ساتھ ہی وقفے وقفے سے ملبے کے مختلف حصوں میں دھماکے بھی سُنے جا رہے ہیں۔"

"یہ سب تو وہی ہے جس کی توقع تھی۔ یہ بتاؤ کہ اس حادثے اور لائیڈز کاٹیج کے بارے میں قیاس آرائیاں کیا ہیں؟" میں نے گاڑی اولڈ کلفٹن کے انتہائی بائیں سرے پر نیم تاریکی میں پارک کرتے ہوئے سوال کیا۔

"عام خیال یہی ہے کہ وہاں ناجائز اسلحے کے بڑے ذخائر پوشیدہ تھے جو کسی حادثے کے نتیجے میں تباہ ہو گئے۔ اس حوالے سے لائیڈز کاٹیج کی پُراسرار شہرت اور اس کے مالک کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے دو صفحوں کا تہ کیا ہوا اخبار نکال کر میری گود میں ڈال دیا۔

میں نے وہ اخبار یوں ہی جیب میں اڑس لیا۔ اس وقت میں کیبن لائٹ جلا کر بلاوجہ اپنی ذات کو کسی غیر متعلقہ آدمی کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا۔ میرے حق میں یہی بہتر تھا کہ حتی الامکان خود کو دوسروں کی نگاہوں سے بچاتا رہوں۔

"جمی لائیڈ کے بارے میں اخبار کیا کہتا ہے؟"

"بس رائی کا پہاڑ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ شام کے بیشتر اخبارات کا گزارا تو صبح کے اخبارات کی دی ہوئی اطلاعات پر ہوتا ہے صحیح خبریں تو کل صبح تک ہی مل سکیں گی۔"

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو آٹھ بجنے والے تھے۔ میرے ایما پر سلطان شاہ کار سے اتر گیا تاکہ ویرا اپنی گاڑی کہیں دور پارک کرے تو اسے اپنی رہنمائی میں مجھ تک لے آئے۔

یہ تجویز کارگر رہی۔ شاید ویرا پہلے سے وہاں موجود تھی کیونکہ سلطان چند ہی ثانیوں بعد اس کے ہمراہ آتا ہوا نظر آیا۔ اس وقت ویرا نے سرمئی رنگ کا قمیص شلوار کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور اس لباس میں بہت دلکش نظر آ رہی تھی۔

اس نے آتے ہی بے تکلفانہ انداز میں عقبی نشست سنبھال لی، میں بھی ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر اس کے پہلو میں پہنچ گیا اور سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"میرا خیال ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے ہو؟" اس نے مجھے ٹٹولنے والے انداز میں سوال کیا۔

"بُرے لوگوں میں رہ کر اچھی خبریں لانا بڑا مشکل کام ہے۔ تمھارا مارٹن بہت کمینہ اور دوغلا ثابت ہوا ہے۔" میں نے براہِ راست مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں تم سے اندازے کی غلطی ہوئی ہو۔" اس نے دھیمی مگر خیال انگیز آواز میں کہا۔ "اتنی جلدی یہ نتیجہ تم نے کیسے اخذ کر لیا۔"

"تم نے اسے میرا نام تو نہیں بتایا تھا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں، اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ اب بلاتوقف پوری کہانی سُنا ڈالو تاکہ میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔ میں بڑی مشکل سے ملاقات کا وقت نکال سکی ہوں۔ میں نے تمھاری گفتگو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ تمھیں وہاں کوئی اہم مسئلہ پیش آ گیا ہے۔"

"کہانی میں سُنا دوں گا مگر پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اسے بیمار قرار دیا تھا مگر وہ تو ہر اعتبار سے صحت مند نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود ہر وقت ایک خودکار وھیل چیئر پر لدا رہتا ہے۔"

"صحت مند نظر ضرور آتا ہے مگر چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ اس کی دونوں ٹانگیں فالج زدہ ہیں۔"

"مگر وہ بضد تھا کہ وہ صحت مند ہے۔ اپنے دعوے کی تائید میں اس نے اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر بھی دکھایا تھا پہلے تو وہ اسی ایک بات پر مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔"

"وہ بہت زیادہ اَنا پرست ہے۔ اپنی ہر بات کو سچ منوانے پر اڑ جاتا ہے۔ اگر تمھارے شبہات کی بنیاد یہی ہے تو اپنا ذہن صاف کر لو اور سکون سے وہاں واپس چلے جاؤ۔"

"وہ تمھاری بولی لگا چکا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری بولی؟" وہ حیرت سے اچھل پڑی۔ "یہ کیا بے ہودگی شروع کر دی تم نے؟"

"میں نے نہیں، یہ بے ہودگی اسی نے شروع کی ہے۔ تمھیں اس کے گھر لے جا کر میں اسی وقت مبلغ چار لاکھ روپے کما سکتا ہوں۔ وہ درحقیقت وہ نہیں ہے جو اوپر سے نظر آتا ہے۔"

ویرا کے لیے میرا وہ انکشاف ناقابلِ یقین ثابت ہوا۔ پھر اس کے ایما پر میں نے اپنے پہنچنے سے واپسی تک کی کہانی چھیڑ دی اور وہ محویت کے عالم میں کوئی لقمہ دیے بغیر سُنتی رہی۔

"تم نے واقعی بہت عقل مندی سے کام لیا۔" وہ میرے خاموش ہوتے ہی بولی۔ "اگر تم ایسی اداکاری نہ کرتے تو وہ تم سے ہرگز نہ کھلتا۔ میرا خیال ہے کہ تم نے میری آستین کا ایک بہت موذی سانپ دریافت کیا ہے۔"

"مگر اسے تم سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے جب کہ تم اس پر اندھا اعتماد کرتی رہی ہو۔"

"مارٹن کے معاملے میں مجھ سے شاید میری زندگی کی سب سے بڑی چوک ہوئی ہے۔ تمھاری سنائی ہوئی کہانی کی روشنی میں اندازہ ہوتا ہے کہ اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تھا اور میں نے بخوشی اسے قبول کر لیا۔"

مارٹن سے ویرا کی ملاقات بھی عجیب انداز میں ہوئی تھی۔

سال بھر پہلے وہ ایک اہم کام کے سلسلے میں پاکستان آئی ہوئی تھی اور کراچی میں مقیم تھی تو ٹینس کھیلتے ہوئے اس کے پاؤں میں موچ آ گئی۔ وہ کئی دن تک آرام کرتی رہی لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اسی دوران میں وان ہوف کو کسی سلسلے میں ویرا کی ضرورت پیش آ گئی۔ اس وقت تک وہ دونوں ایک دوسرے سے براہِ راست ہم کلام بھی نہ ہوئے تھے۔ وان ہوف کی فون کال کے جواب میں ویرا نے اسے اپنی موچ کے بارے میں بتایا تو وان ہوف نے اسے ایک مشہور مقامی سرجن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ ویرا سرجن کے کلینک پہنچی تو وہاں مارٹن سے ملاقات ہوئی جو اس روز پہلی بار وہاں مشورے کے لیے آیا تھا۔ دونوں میں گفتگو ہوئی تو ویرا نے اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی محسوس کی کیونکہ وہ دنیا میں بالکل تنہا تھا اور ٹیکسی میں کلینک تک آیا تھا۔ ویرا نے اسے اس کے گھر چھوڑنے کی پیشکش کی جو فوراً ہی قبول کر لی گئی اور یوں دوستی کا آغاز ہوا جو بڑھتے بڑھتے اس حد تک مستحکم ہو گئی کہ ویرا اسے اپنے اعتماد کا آدمی سمجھنے لگی لیکن اب اس کا خیال بدل چکا تھا۔ اس کی دانست میں مارٹن ابتدا سے ہی وان ہوف کا آدمی تھا جو مارٹن کو کسی خاص موقع پر ویرا کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا پھر جب لاہور میں لائیڈز کالج کی تباہی کے بعد وان ہوف نے ویرا پر آخری وار کرنا چاہا تو شاید اس نے کراچی میں مارٹن کو بھی ہوشیار کر دیا تاکہ ویرا لاہور سے بوکھلا کر کراچی کا رُخ کرے تو اس مفلوج مہرے کے ہاتھوں ماری جائے لیکن یہ مارٹن کی بدنصیبی تھی کہ اس کا آقا وان ہوف اپنے منصوبے کا آغاز کرتے ہی کسی چوہے کی طرح مارا گیا اور مارٹن اس کی موت سے بے خبر کراچی میں ویرا کا انتظار کرتا رہا اور جب ویرا نے مجھے اس کے گھر بھیجا تو اسے گویا مُنہ مانگی مراد مل گئی اور اس نے میرے ذریعے ویرا پر جال ڈالنے کا فیصلہ کر لیا مگر یہاں اسے ملتی ہوئی کامیابی سے قبل ہی اس کے عزائم بے نقاب ہو گئے۔

"اسے تو میں جب چاہوں، چٹکیوں میں مسل سکتا ہوں۔" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "اس سے قبل کہ وہ اپنے کسی اور گُرگے سے رابطہ قائم کرے، اس کا پتہ صاف کر دینا چاہیے۔"

"مجھے تم سے پورا اتفاق ہے لیکن یہ سب تم ذاتی طور پر کر سکتے ہو۔ میں تمھیں اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔" وہ بولی۔ "پہلے ہمیں یہ پتا لگانا ہو گا کہ وہ تنظیم کا آدمی ہے یا براہِ راست وان ہوف کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس ایک نکتے کی روشنی میں میں اپنے بارے میں بعض اہم اور دُور رس فیصلے کر سکوں گی۔"

"وہ یقیناً تنظیم کا آدمی ہے۔ اس کے گھر برقی اور الیکٹرانک شعبدوں کی کثرت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ تنظیم اس کی پشت پناہ ہے۔ کام کرنے کے لیے وہ موزوں بھی ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ مفلوج ٹانگوں والا ایک باحیثیت شخص کسی جرم میں ملوث ہو سکتا ہے۔ اس کا اقبالی بیان تو میں گن پوائنٹ پر ریکارڈ کر سکتا ہوں۔"

"اسے ٹھکانے لگا کر ہم بدستور اس مکان میں مقیم بھی رہ سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے پہلی بار دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ اس کو زیر کیے بغیر اب ہمارا وہاں لوٹنا خودکشی کے برابر ہو گا۔"

"تو پھر چلو، اس قصّے کو میری موجودگی میں ہی نمٹنا چاہیے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"جب تک تم سامنے نہیں آؤ گی وہ ہمارے ساتھ دوستانہ رویّہ برقرار رکھے گا لیکن تمھیں دیکھ لینے کے بعد وہ ہمیں مار کر تم پر ہاتھ ڈالنا چاہے گا۔ اپنی وھیل چیئر پر وہ کسی بھی وقت درندہ بن سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"سب کچھ مشورے سے ہو گا۔ ابھی راستے میں پروگرام طے کر لیں گے لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری موجودگی ہر حال میں ضروری ہو گی۔ مجھ پر سٹّے کٹّے لوگ آج تک ہاتھ نہیں ڈال سکے تو وہ ٹانگوں سے معذور شخص کیا کر سکے گا۔"

"اور تمھاری گاڑی؟" سلطان نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہیں رہنے دو، واپسی پر لے لوں گی۔"

گاڑی چل پڑی تو وہ خود ہی بولی تھی۔ "مارٹن کا قصہ نمٹا کر تم دونوں وہاں سکون سے رہ سکو گے کیونکہ لائیڈز کالج کی تباہی کی خبر نے ہر طرف ہلچل مچا دی ہے۔ اس سلسلے میں باہر سے کوئی بڑا کسی بھی وقت نازل ہو سکتا ہے تاکہ مقامی تنظیم کی خامیوں کی نشاندہی کر کے ان کو رُو بہ اصلاح کرنے کے اقدامات کیے جا سکیں۔"

"تو کیا لائیڈز کالج کی تباہی کی خبر ہر طرف پھیل چکی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تنظیم کے ہیروئن کے کاروبار میں پیداواری ملک کی حیثیت سے پاکستان بہت اہم ہے اور یہاں لائیڈز کالج ہمارا ایسا محفوظ اور اہم اڈا تھا جس پر تنظیم ناز کیا کرتی تھی۔ اس کی تباہی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہے۔ ٹیلکس پر بٹن دباتے ہی یہ اطلاع کل رات آناً فاناً میں ہیڈ کوارٹرز میں پہنچ گئی ہو گی اور پھر فوراً ہی جواب بھی آ گیا۔"

"ٹیلکس پر اطلاع کس نے دی ہو گی، وان ہوف تو مر چکا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ مر گیا لیکن چار بڑے تو زندہ ہیں۔ کام کی تقسیم ایسی ہے کہ ہر ایک جانتا ہے کہ کب، کس کو کیا کرنا ہے۔ ان ہی میں سے کسی نے وان ہوف سے رابطہ قائم نہ ہونے کے بعد اطلاع دی ہو گی۔"

"یہ کن چار بڑوں کا ذکر ہے؟" سلطان شاہ نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اے ٹو سے سی فور، ڈی ون تک سب بہت نچلی سطح کے ڈھکوسلے تھے۔ تنظیم کا اصل کاروبار پانچ بڑے چلا رہے تھے۔ جن میں سے ایک لاہور میں ہمارے ہاتھوں مارا گیا، اب چار باقی رہ گئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ان چاروں کو تم دونوں میں سے کون جانتا ہے؟" سلطان شاہ نے پھر پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں۔" میں نے اعتراف کیا۔ "بس وہ پانچوں ہی ایک دوسرے سے واقف تھے۔ پانچواں تو اپنی بدقسمتی سے ہماری گرفت میں آ گیا ورنہ وہ چاروں تو ایک سایہ بنے ہوئے ہیں۔"

"میرے دماغ میں ایک بڑی سادی اور احمقانہ سی بات آ رہی ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کہہ ڈالو، اسی طرح سوچنے کی راہیں کھلتی ہیں۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

"مارٹن کے ٹھاٹ باٹ دیکھتے ہوئے کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ خود ان چاروں میں سے ایک ہو اور وان ہوف کے ساتھ مل کر شروع سے مس ویرا کے خلاف کام کرتا رہا ہو؟"

سلطان شاہ کی بات سُن کر میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا۔ اس نے ایک بہت بھیانک امکان کی نشاندہی کی تھی۔ اگر مارٹن ان چاروں میں سے ایک تھا تو لائیڈز کالج کی تباہی سے باخبر تھا اور شاید اسی بنا پر اچانک ویرا پر ہاتھ ڈالنے پر تُل گیا تھا لیکن یہ حیرت کی بات تھی کہ بڑوں میں شمار ہوتے ہوئے بھی وہ مجھے نہ پہچان سکا تھا۔

یہ امکان تو تھا کہ ویرا کے ذریعے میرے لائیڈز کالج پہنچنے کی خبر اس کے علم میں نہ ہو اور اسے وان ہوف نے لائیڈز کالج کا براہِ راست نگراں ہونے کے ناتے اپنی ذات تک محدود رکھا ہو لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ تنظیم کے ایک سابقہ باغی کی حیثیت سے میرا صورت آشنا نہ ہو جب کہ میری تصاویر ہر اہم فرد اور شعبے کو فراہم کی گئی تھیں۔

اس کا مطلب تھا کہ اب ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اس سے

قبل کہ مارٹن میرے زندہ ہونے کی خبر دوسروں تک پہنچاتا اس کو جہنم واصل کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

بظاہر صورت حال کچھ یوں نظر آ رہی تھی کہ مارٹن اگر تنظیم کے بڑوں میں سے ایک تھا تو یقینی طور پر مجھے پہچان چکا تھا اور ویرا کے ذریعے میرے وہاں پہنچتے ہی صورتِ حال کی سنگینی کو بھانپ گیا تھا۔ اس مرحلے پر اس نے اپنی اصلیت کو چھپائے رکھا اور مجھے چارا بنانے کے لیے میرے ساتھ ایک خبطی شخص کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ میں نے تنہائی میسر آنے پر بھی اپنے شکوک و شبہات کے برعکس سلطان شاہ سے وہی کچھ کہا جو مارٹن مجھے باور کرانا چاہ رہا تھا۔ اس کے بعد ویرا سے فون پر گفتگو کے دوران بھی میں محتاط رہا جو یقینی طور پر مارٹن نے سُنی تھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ مجھے بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس نے محفلِ نا و نوش سجا کر اپنا مدعا بھی بیان کر دیا۔ میرے رویے کی بنا پر اسے آخر تک یقین تھا کہ بازی اس کے ہاتھ میں ہے لہٰذا مجھے امید تھی کہ اس نے کامیابی کا سہرا اپنے سر لینے کے لیے میرے اور ویرا کے بارے میں کسی کو ہمراز نہ بنایا ہو گا مگر احتیاط پھر بھی ضروری تھی۔ سلطان شاہ نے اپنے ایک شبہے کا اظہار کر کے اچانک ہی ساری گتھیاں سلجھا دی تھیں۔

"تنظیم محتاج گھر نہیں ہے۔" ویرا کہہ رہی تھی۔ "دونوں ٹانگوں سے معذور شخص کو اتنا بڑا منصب نہیں سونپا جا سکتا۔ وہ ذہنی طور پر لاکھ مستعد اور چاق و چوبند ہو لیکن جسمانی معذوری جگہ جگہ آڑے آ سکتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ وان ہوف کا زرخرید آدمی ہی ہو سکتا ہے لیکن ہمیں دوسرے مبہم امکانات کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔"

"تو اب تمھاری خواہش کیا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"بس حقائق جاننا چاہتی ہوں۔ اس سے آگے مجھے کوئی غرض نہیں۔"

"مارٹن کو مروانا چاہتی ہو یا نہیں؟" میں نے اعصابی تناؤ کے عالم میں پوچھا۔

"اسے مرنا تو پڑے گا۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "لیکن بہتر یہ ہو گا کہ ہم اسے زندہ زیر کریں تاکہ ہمیں اپنے بعض سوالات کے جواب مل سکیں۔"

"وہ ہر وقت مسلح رہتا ہے۔ ذرا سے اشارے پر سو دہانوں سے بارود کی برسات شروع کر سکتا ہے۔ میرا تو اندازہ ہے کہ اسے کرسی سے الگ کیے بغیر زیر کرنا ناممکن ہو گا۔"

"اس کی طرف سے کسی مزاحمت کی صورت میں تم ہر وقت اسے گولی مارنے کے لیے آزاد ہو گے۔" ویرا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

پھر ہم تینوں ہی خاموشی کے ساتھ اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے۔

مکان پر وہی سکوت طاری تھا جیسے وہاں کسی ذی روح کا وجود ہی نہ ہو۔

سلطان شاہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ میں اس کے برابر والی نشست پر موجود تھا اور ویرا عقبی نشست کے پائیدان میں چھپی ہوئی تھی۔ ویرا کو چھپا کر وہاں لانے میں بنیادی طور پر مارٹن کی معذوری نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ ہمیں معلوم تھا کہ وہ کسی بھی وقت اپنی وھیل چیئر سے نہیں اُترتا لہٰذا اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ ہماری پیشوائی کے لیے کار تک آتا اور عقبی پائیدان کا جائزہ لیتا۔

پھاٹک پر کار رُکنے کے چند ہی ثانیوں بعد انٹر کام کے پوشیدہ اسپیکر پر مارٹن کی آواز سنائی دی تھی۔ معمول کے رسمی فقروں کا تبادلہ ہوا اور پھاٹک کھل گیا جو کار کے اندر داخل ہوتے ہی دوبارہ بند ہو گیا۔ سلطان شاہ نے کار برآمدے کی طرف گھمائی تو ہمیں ہیڈ لیمپس کی روشنی میں کوئی نظر نہ آیا۔ برآمدے کی تمام روشنیاں بھی گُل تھیں۔

ہم دونوں کار کے دروازے مقفّل کر کے اترے تو میں نے سرگوشیانہ آواز میں ویرا سے کہا۔ "ہوشیار رہنا، وہ باہر نہیں ہے، کہیں اسے کوئی بھنک نہ مل گئی ہو۔"

"تم بے فکر رہو۔" ویرا نے دبی دبی آواز میں نشستوں کے درمیان سے کہا۔ "میرے پاس ایکسپلوڈر موجود ہے۔ حالات خراب ہوئے تو میں اس سے کام لینے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔"

"مارٹن کہاں ہے؟" میں نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے اونچی آواز میں سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"موجی آدمی ہے۔ اندر کہیں آرام کر رہا ہو گا۔" سلطان نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

پھر جوں ہی ہم برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرنے لگے، مارٹن اپنی وھیل چیئر سمیت اندر سے نمودار ہوا اور ہمیں دیکھ کر دروازے کے قریب ہی رُک گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر قدرے گھبراہٹ موجود تھی۔ دوسری چونکانے والی بات یہ تھی کہ اس کے پیروں میں موسم سے بچاؤ کے لیے پہنے جانے والے کلاتھ شوز کے بجائے سیاہ چرمی جوتے موجود تھے لیکن میں نے اس نکتے کی نشاندہی سے گریز کرتے ہوئے اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔

"مل آئے اپنی لیلیٰ سے؟" اس نے ہم سے پہلے اندر داخل ہوتے ہوئے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"کام پیدا ہو جانے کے باعث ملاقات مختصر اور تشنہ سی رہی۔" میں نے نشست گاہ میں صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔ "بہرحال میں نے اپنا کام دکھا دیا ہے۔ ویرا سے تمھاری بیماری کا ذکر کیا تھا۔

ہے یہ سُن کر افسوس ہوا کہ تم کئی دن سے بستر پر پڑے ہوئے ہو۔ م نے اس سے ذکر بھی نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت تمھاری عیادت کے لیے آ جائے!"

"خوب!" وہ تحسین آمیز انداز میں مسکرایا۔ "اچھی چال چلی ہے تم نے!"

"کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ اس دوران میں تم اپنا بیشتر وقت بستر پر گزارو؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے سرسری لہجے میں دریافت کیا۔

"قطعی نہیں۔ وہ ذرا آ تو جائے، میں خود اس کا استقبال کروں گا۔ آدمی کسی بھی وقت بیماری سے صحت یاب ہو سکتا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ وہ آئے گی تو میں خود بات سنبھال لوں گا۔"

"پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے آگے جھکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"چار لاکھ کا مطالبہ کر رہے ہو؟" اس نے چُبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ کوئی ایسا ناجائز بھی نہ ہو گا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ جو بات طے کی جائے اسے پورا کرنا ہر فریق کی اخلاقی ذمّے داری ہوتی ہے اور اس کی یاد دہانی کوئی بری بات نہیں ہے۔"

"اخلاق اور قانون کی بات میرے پاس نہیں چلتی۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "ویرا سے میری بیماری کے بارے میں جھوٹ بول کر تم نے کون سے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے!"

"چور دوسروں کا مال چوری کرتے ہیں، آپس میں ساہوکار ہوتے ہیں، شاید تم اس اصول سے نابلد ہو!"

"پھر وہی اصول!" وہ چڑ کر بولا۔ "بھول جاؤ ان سب پرانی باتوں کو۔ اس دور میں اصولوں پر چل کر زندہ رہنا بھی دشوار ہو جاتا ہے مگر تم دیکھ رہے ہو کہ میں ڈنکے کی چوٹ پر جی رہا ہوں۔"

"خوب!" میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یہ تمھارا فلسفہ تو ہو سکتا ہے مگر میں بے اصولی کے لیے بھی کچھ اصولوں پر عمل کرتا ہوں، میں نے ویرا کو راہ پر ڈال دیا ہے۔ بہت جلد وہ تمھارے جال میں پھنس جائے گی۔ میں معاہدے کی رقم کا حقدار ہو چکا ہوں۔"

"وہ پھنسے گی تو تم حقدار بنو گے۔ ابھی تمھارا کوئی بھی مطالبہ بے جواز ہو گا۔ دیکھا جائے تو تم نے ابھی آدھا بلکہ ایک چوتھائی ...ہے۔"

"چلو چوتھائی کے ساتھ چوتھائی رقم بھی دے دو۔ جب وہ قابو میں آئے تو باقی تین لاکھ دے دینا۔"

"میں قسطوں کا قائل نہیں ہوں۔ پوری رقم یک مُشت ہی دوں گا۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"مجھے تمھاری نیت خراب معلوم ہوتی ہے۔ ابھی تم خود اپنی بے اصولی کا اعتراف کر چکے ہو۔ کیا پتا کہ ویرا کو زیر کر لینے کے بعد تم اپنے وعدے کو ہی بھلا بیٹھو!"

"اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے۔" وہ مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تمھیں میرے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے ویرا کی آمد کا انتظار کرنا ہو گا۔ اب تم کچھ بھی نہیں کر سکتے!"

"اس خیال میں بھی نہ رہنا، میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ میرا ویرا سے صرف یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ تمھاری علالت کے بارے میں میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔" میں نے دیدہ دلیری کے ساتھ ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اگر اس لنگڑے نے اس مرحلے پر اُلجھنے کی کوشش کی تو تمام تر جسمانی توانائی کے باوجود اس کی معذوری اس کی شکست کا سبب بن جائے گی۔ اس کی جیت کا واحد راز وھیل چیئر کے دونوں ہتھوں میں پوشیدہ خودکار اور بے آواز گنوں میں پوشیدہ تھا مگر میں دیکھ چکا تھا کہ ان سے کیا ہوا فائر زمین سے ڈھائی فٹ کی بلندی پر فرش کے متوازی جاتا تھا اور غالباً وہ دونوں نالیں اسی زاویے پر نصب تھیں جسے تبدیل کرنا ممکن نہیں تھا۔ اول تو اس بلندی پر گولی چلا کر کسی کو ہلاک کرنا ویسے ہی ناممکن تھا۔ زیادہ سے زیادہ گھٹنوں سے کولھوں کے درمیان کہیں حریف کو زخمی کیا جا سکتا تھا مگر میں اس کا بھی توڑ سوچ چکا تھا۔ کوئی مخدوش صورتِ حال پیدا ہوتے ہی اگر میں سلطان شاہ سمیت مسہری پر چڑھ جاتا تو مارٹن کی چلائی ہوئی گولیاں بمشکل ہی میرا کچھ بگاڑ سکتی تھیں۔

"یہ تم اسی وقت کر سکو گے جب تمھیں ویرا سے رابطہ قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی۔" اس کے لبوں سے مکّارانہ مسکراہٹ غائب ہو گئی اور تیوروں میں سختی پیدا ہو گئی۔

"اجازت؟" میں نے انجان بنتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو مارٹن؟ میرا خیال ہے کہ ہم تمھارے قیدی نہیں بلکہ مہمان ہیں اور ہمیں نقل و حرکت کی پوری آزادی میسر ہے۔"

"میں نے ابھی تک تمھارے اس درجے کو برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم یہاں سے باہر گئے اور ویرا سے مل بھی آئے ہو مگر اب تمھارے باغیانہ خیالات سے واقف ہونے کے بعد میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

اسے اپنی طرف سے غافل پا کر سلطان شاہ نکاسی کے دروازے کی طرف جھپٹا۔ مارٹن کو اتنا وقت مل گیا تھا کہ وہ چاہتا تو سلطان شاہ کو روک سکتا تھا لیکن وہ خاموشی سے تماشا دیکھتا رہا۔ اس کے لبوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی جیسے وہ

کسی ناسمجھ بچّے کی شرارت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔
سلطان شاہ نے دروازے کے قریب پہنچ کر وحشیانہ انداز میں دروازے پر زور آزمائی کی لیکن وزنی چوبی پٹ ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ ناکامی کا احساس ہوتے ہی سلطان شاہ پھرتی سے مارٹن کی طرف پلٹا تھا۔
"بس!" وہ مضحکہ اُڑانے والے لہجے میں بولا۔ "یہ چھوٹا سا مکان میری سلطنت ہے، یہاں میری مرضی کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ دروازہ میرے ایک اشارے پر مقفل ہو چکا ہے۔ اب تم اس سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر بھی جاؤ تو باہر نہ نکل سکو گے۔ ویرا کی یہاں آمد تک تم میری قید میں رہو گے!"
میرا خیال تھا کہ مارٹن، سلطان شاہ سے گفتگو کرتے ہوئے میری طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ میں نے اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے پر تولے ہی تھے کہ وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں نے مشینی انداز میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ حرکت کی، اس کی وھیل چیئر نے رُک رُک کر دو تین جھٹکوں سے رُخ بدلا اور پھر کرسی کے بائیں ہتھے میں پوشیدہ نال کا رُخ بھی بلند ہو گیا۔ ان نالوں کے بارے میں میرا اندازہ غلط ہو گیا اور اب میرا سینہ براہِ راست ایک مہیب نال کی زد میں تھا جو مارٹن کے ذرا سے اشارے پر آگ اُگلنا شروع کر سکتی تھی۔
"ہلے تو چھلنی کر دوں گا۔" مارٹن سفّاکانہ لہجے میں غرّایا۔ "یہ چار دو کا ایکسٹرا اسپیشل ماڈل ہے۔ شناخت کے قابل بھی نہ رہ جاؤ گے۔" پھر وہ سلطان شاہ سے مخاطب ہوا۔ "اے! تم بھی شرافت سے اس کے برابر میں کھڑے ہو جاؤ!"
صورتِ حال یک بیک میرے اندازے سے کہیں زیادہ سنگین ہو گئی تھی۔
ہم دونوں اندر اس معذور وحشی کے رحم و کرم پر تھے اور ویرا باہر موجود ہونے کے باوجود ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی کیونکہ مارٹن نے مضبوط چوبی دروازے کو ریموٹ سگنل کے ذریعے برقی طور پر مقفل کر دیا تھا۔
اس روح فرسا صورتِ حال پر چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن سُن ہو کر رہ گیا۔
مارٹن کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی چھا گئی تھی اور وہ مجھے کینہ توز نظروں سے گھورے جا رہا تھا پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر نرماہٹ پھیلتی چلی گئی۔ "ویرا کب تک یہاں آجائے گی؟"
"تم شوق سے فائر کر سکتے ہو، میں اب تمھارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔
وہ مسکرانے لگا۔ "تم بالکل احمق ہو۔ اس صورتِ حال کے ذمّے دار تم خود ہو۔ تم دو صحت مند آدمیوں کے مقابلے میں ایک معذور شخص بالکل تنہا ہوں۔ خود کو چند لمحوں کے لیے میری جگہ رکھ کر سوچو، تم دونوں کے جارحانہ تیوروں کو دیکھ کر میرے پاس کیا چارہ رہ گیا تھا؛ میں نے جو کچھ کیا وہ تم نے میرے لیے ناگزیر بنا دیا تھا مگر میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ صورتِ حال عارضی ہے۔ میں بہت عرصے سے ویرا کی تاک میں تھا۔ اب موقع ہاتھ آیا ہے تو اسے ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے قید ہوتے ہی تمھیں معاوضے کی رقم کے ساتھ آزادی مل جائے گی۔ میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے کب تک آنے کی اُمید ہے؟"
وہ پدرالحرام سوچ رہا تھا کہ اپنی لچھے دار باتوں سے مجھے بے وقوف بنا لے گا مگر میں اس کے خشمناک تیوروں میں نرماہٹ پیدا ہونے کا سبب جان چکا تھا۔ ہمارے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے پہلے وہ یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ کیا ہمارے رابطے کے بغیر بھی ویرا صیادت کے جال میں پھنس کر اس کی قیدی بنے گی یا نہیں؟
میں اپنی حکمتِ عملی طے کر چکا تھا لیکن اس کو رُوبہ کار لانے سے قبل میں مارٹن کے سارے پتّے کھلوا لینا چاہتا تھا لہٰذا میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔ "دیکھا جائے تو تم مکاری کے ساتھ کامیابی حاصل کر چکے ہو۔ تمھیں ہم سے جو کام لینا تھا وہ تم نے لے لیا۔ اب ہم تمھارے لیے بالکل بے مصرف ہیں لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہمیں آسانی کے ساتھ اپنی راہ سے نہ ہٹا سکو گے۔ اس کوشش میں شاید تم کو اپنی بالادستی کے باوجود دانتوں پسینہ آجائے گا۔"
اس کے چہرے پر ایک بار پھر سختی عود کر آئی، نگاہوں میں نفرت کا سمندر رانگڑائیاں لینے لگا پھر چند ثانیوں کے بعد اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ سسپنس اب ختم ہونا چاہیے!"
"کس سسپنس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اپنی کمزور پوزیشن کی پروا کیے بغیر مضبوط لہجے میں سوال کیا۔
"تم ڈینی ہو!" اس کے الفاظ میرے ذہن پر کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح گرے تھے، اس کا مطلب تھا کہ مارٹن نے کھل کر سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا تھا جس کا لازمی مفہوم ہماری موت تھا۔ اس نے شاید آخری دو ٹوک گفتگو کے بعد ہم دونوں کو ٹھکانے لگانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔
"بالکل ہوں۔" میں نے چند ثانیوں بعد سنبھالا لے کر بے خوفی کے ساتھ کہا۔
"اور تم تنظیم کو مطلوب ہو؟" وہ مسلسل میری آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔
"ہو سکتا ہے کہ تمھاری معلومات درست ہوں۔" میں نے ناط لہجے میں جواب دیا۔ میں نے اس امر پر دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی معلومات ناقص اور پرانی تھیں۔ شاید وہ ویرا کی مداخلت پر میری معافی اور پھر لائیڈز کالج میں تقرری کے واقعات سے لاعلم تھا ورنہ فوری طور پر لائیڈز کالج کی تباہی اور میری زندہ سلامت موجودگی پر بھی جواب طلب کر سکتا تھا۔
مجھے ایک لمحے کے لیے جوش آیا کہ میں بھی اس کی اصلیت کے بارے میں اپنے تنبہات کا اظہار کر دوں لیکن اس طرح حالات خراب ہو سکتے تھے اور مجھے اپنی حکمتِ عملی پر عمل کرنے کے خیال کو خیرباد کہنا پڑتا لہٰذا میں نے اس موضوع پر وقتی طور پر خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا اور اسی کے بولنے کا منتظر رہا۔
"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تنظیم کے ایک باغی سے ویرا کا ناقرینی تعلق کیوں برقرار ہے۔ اس کی پوزیشن بہت مخدوش ہو گئی ہے چونکہ کل وہ لاہور میں تھی اور کل ہی لاہور میں تنظیم ......
ایک اہم ٹھکانا عبرت ناک تباہی سے دوچار ہوا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس ٹھکانے کی تباہی اور ایک اعلیٰ ترین اہلکار کی موت کے بعد ہی میں نے ویرا کو پکڑ والنے کا فیصلہ کیا تھا مگر خوش قسمتی سے اس نے خود ہی تم دونوں کو میرے پاس ہانک کر اپنی گردن میرے ہاتھ میں دے دی۔ اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ویرا کے مشکوک روابط اور افعال کا سبب کیا تھا اور وہ ہمارے ٹھکانے کی تباہی میں کہاں تک ملوث ہے!"
اس نے نہ لائیڈز کالج کا نام لیا تھا نہ وان ہوف کا مگر میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ کس رُخ پر بول رہا تھا۔ میں نے بظاہر حیرانگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اور میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمھارے دل میں اچانک ہی تنظیم کے لیے درد کیوں پیدا ہو گیا۔ اپنی معذوری کی بنا پر تم تو کسی کانجی ہاؤس کے منشی بھی بمشکل ہی مقرر کیے جا سکتے ہو۔"
"ڈینی!" وہ قہر بار آواز میں دہاڑا، اس کی آنکھیں غصّے سے اُبل پڑیں۔ "ہوش میں رہ کر بات کرو۔ اس وقت میں تنظیم کا سربراہِ اعلیٰ ہوں اور اسی حیثیت میں تم سے جواب طلب کر رہا ہوں۔"
"اوّل تو تمھارے اس دعوے کو میں تسلیم نہیں کرتا، دوم یہ کہ اس لیے ویرا ابھی میری حاکم ہے کہ اس نے میری بغاوت اور اس کے اسباب کی چھان بین کے بعد مجھے معاف کر دیا ہے۔ اگر تم سربراہ ہو تو یہ سب تمھارے علم میں ہونا چاہیے۔ اس طرح تمھارے تمام سوالات کی کنجی ویرا ہی کے پاس ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں میں کچھ بھی نہ بتا سکوں گا۔"
"اور وہ کل تک آئے گی؟" اس نے اپنے غصّے پر قابو پاتے ہوئے تائید طلب مگر تیز لہجے میں کہا۔
"مجھے افسوس ہے کہ اس معاملے میں تمھیں چوٹ ہوئی ہے!" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا اور اس کے چہرے پر بیک وقت سیکڑوں شکنیں نمودار ہو گئیں۔
میں اپنی حکمتِ عملی شروع کر چکا تھا۔
"کیسی چوٹ؟" اس نے غصّے اور جھلاہٹ کے عالم میں سوال کیا۔
"تم جانتے ہو کہ میرا نام ڈینی ہے، مجھ میں کچھ دم خم ہی تھا جو میں عارضی طور پر تنظیم سے ٹکرا کر بھی زندہ رہا۔ مجھے فریب دینا آسان نہیں ہوتا۔ مجھے یہاں آتے ہی تمھاری نیّت پر شبہ ہوا تھا پھر جب تم نے ویرا کے لیے چار لاکھ کی پیشکش کی تو میں سمجھ گیا تھا کہ تم رقم دینے والوں میں سے نہیں ہو۔ اپنا کام نکال کر ہمیں خاموشی کے ساتھ مروا دو گے۔ میں آج اولڈ کلفٹن پر ویرا سے ملا ضرور تھا مگر صرف اپنے مطالبے کے لیے۔ مجھے رقم کی ضرورت ہے۔ تمھارے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن واپس آ کر تمھیں اس بارے میں ایک فرضی کہانی سُنا ڈالی۔ اس طرح میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ تمھارا ردِّعمل کیا ہوتا ہے۔ یوں تمھاری نیت کا اندازہ ہونے کے بعد ہی میں کوئی قدم اٹھاتا اور مجھے خوشی ہے کہ تمھارے بارے میں میرے اندیشے درست ثابت ہوئے ہیں۔"
مارٹن کے حلق سے کسی زخمی درندے کی سی غضب ناک غراہٹ آزاد ہوئی اور وہ جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تو تم شروع سے ہی میرے ساتھ چال چل رہے تھے!"
"میں کسی پر بھی اندھا اعتماد نہیں کرتا، شاید اسی لیے آج تک زندہ ہوں!"
"اب ویرا کے معاملے میں تم پر ذرا بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اسے مجھ کو خود ہی گھیرنا ہو گا۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "اور اپنا انجام تو شاید تم نے خود محسوس کر لیا ہو گا۔"
"میں موت سے بارہا آنکھیں چار کر چکا ہوں اور اب بھی خائف نہیں ہوں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ مجھ پر اپنی اصلیت ظاہر کر دینے کے بعد تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ یہ اعصاب کی جنگ ہو گی۔ تمھیں یا ہم دونوں کو مرنا ہو گا۔ لیکن یہ بتاتا چلوں کہ ویرا ایک چھلاوا ہے، وہ تمھاری گرفت میں نہیں آئے گی۔"
"وہ چھوکری ابھی بہت نادان ہے۔ مجھ سے نہ جیت سکے گی!"
"شاید اس کی جیت کا آغاز ہو بھی چکا ہے۔ اس کی چھٹی حس ہمیشہ جاگتی رہتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہمیں یہاں سے نکلنے کی اجازت دے کر تم نے کیا قدم اُٹھایا تھا لیکن ویرا کو شبہ تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چاہو تو تصدیق کرا سکتے ہو کہ ویرا کی سیاہ

مرسڈیز ابھی تک اولڈ کلفٹن پر کھڑی ہے وہ ہمارے ساتھ واپس آگئی تھی۔“

میرے اس انکشاف پر وہ بُری طرح چونکا تھا۔” اسے کہاں اتارا تھا تم نے؟“

میں مسکرا دیا۔” اس نے ہمیں اپنے ٹھکانے کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ واپسی پر سُپر مارکیٹ والے چوراہے پر اتر گئی تھی۔“

غصّے سے اس کا چہرہ بگڑ گیا‘ اس کی آنکھوں سے بے بسی جھانکنے لگی تھی۔ میں نے پے در پے پینترے بدل کر اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ شروع سے ہی وہ پے در پے غلطیوں کا ارتکاب کرتا چلا آرہا تھا اور ہم دونوں پر اپنی حیثیت ظاہر کر کے اس نے ہم سے مزید کوئی کام لینے کی راہ مسدود کر لی تھی۔

” اس کے ساتھ جو ہوگا وہ دیکھ لیا جائے گا‘ تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ!“

” چاہو تو میں اسے فون کر سکتا ہوں۔“ میں نے اسے باتوں میں الجھائے رکھنے کے لیے شوشہ چھوڑا۔ مجھے فکر لاحق ہونے لگی تھی کہ خاصا وقت گزر چکا تھا مگر ویرا کا کہیں کوئی پتا نہیں تھا۔ شاید مارٹن کے مکان میں داخلے کے لیے اسے کوئی راستہ نہیں مل سکا تھا ورنہ اتنی دیر میں بازی ہمارے ہاتھ میں آچکی ہوتی۔

” تم جان چکے ہو کہ میں اس کے بعد بھی تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا پھر یہ پیشکش کیوں کر رہے ہو؟“ اس نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

” کم ازکم آخری بار اس کی آواز ہی سن لوں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں اسے ٹوٹ کر چاہنے لگا ہوں۔“ میں نے کسی مایوس عاشق کی طرح روایتی لہجے میں کہا۔

” وہ مجھ سے زیادہ دیر نہیں چھپ سکے گی۔ تخریب کاریوں کے سدِباب کے لیے کسی بھی لمحے باہر سے کوئی بڑا ایماں پہنچنے والا ہے۔ اس کی سربراہی میں ذمّے داروں کا ایک اجلاس ہوگا جس میں ویرا کو بھی شرکت کرنا ہوگی۔ ایک بار وہ نگاہوں میں آگئی تو میرے آدمی قبر تک اس کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں گے۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں لیکن اسے شبہ تک نہیں ہے کہ میرا تنظیم سے کوئی تعلق ہوگا۔ مجھے بس اپنا ایک مہربان دوست سمجھتی ہے اور یہی بے خبری اس کی موت کا پیغام بنے گی۔“

” اجلاس میں تم بے نقاب ہو جاؤ گے!“ میں نے بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

” اجلاس کے سارے شرکا سرتاپا نقابوں میں ہوں گے ہر شخص ایک کوڈ کے تحت اجلاس میں شرکت کرے گا جو مقامی سربراہ کی حیثیت سے میں ہی ۔۔۔ ایک کو جاری کروں گا۔“ اس کا داہنا ہاتھ ہلا اسی کے ساتھ داہنے ہتھے والی نال نے ۔۔۔

بھی جنبش کی۔ میری نگاہیں اسی مہیب دہانے پر مرکوز تھیں بچنے کا صرف ایک ہی امکان تھا کہ اسلحہ مارٹن کے ہاتھ میں ننگا ہوتا کے سامنے نہیں تھا بلکہ وہ کرسی پر بیٹھا اپنے پہلو سے فائر کرنے والا تھا اور اس صورت میں نشانے کے خطا ہونے کا قوی امکان تھا۔

ہتھیار ہاتھ میں نہیں تھا جو آخری لمحے پر بھی اس کا رخ بدلنے کا امکان ہوتا۔ میں بغور نال کا رخ دیکھ رہا تھا۔ مارٹن میرے سینے کو نشانہ بنانے کی سست رفتار کوششوں سے مجھے خوفزدہ کرنا چاہ رہا تھا اور میں نیچے گر کر خود کو بچانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس وقت مجھے سلطان شاہ کا کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔ ذرا بھی توجہ اس کی طرف مبذول کرتا تو شاید بچانے کا موقع بھی نصیب نہ ہوتا۔ نال کے ساتھ کرسی کو بھی حرکت دیتے دیتے مارٹن نے اچانک فائر کر دیا۔ بے آواز گولی کے لپکنے سے پہلے ہی بارود کی چمک دیکھ کر میں بے ساختہ قالین پر گر گیا۔ سلطان شاہ نے بھی یہی کیا تھا۔ پھر میں مارٹن کی طرف ۔۔۔ پلٹا ہی تھا کہ فضا میں مارٹن کی غراہٹیں گونجنے لگیں۔ سلطان شاہ نے قالین پر گرے گرتے حیرتناک سرعت کے ساتھ لڑھکتے ہوئے مارٹن کی وھیل چیئر کا پائیدان تھام کر کرسی کو مارٹن سمیت پیچھے الٹ دیا تھا۔ کرسی کے الٹتے ہوئے مارٹن سے اضطراری طور پر ایک فائر اور ہوا اور اس بار بدقسمتی سے بلب گولی کی زد میں آگیا۔ بلب پھٹنے کی آواز کے ساتھ ہی وہ بند کمرہ گھور اندھیرے میں ڈوب گیا۔

اسی کے ساتھ دھما چوکڑی پھر ایک دھماکے کی آواز بلند ہوئی۔ شاید سلطان شاہ فاصلے میں کمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اندازے کی بنا پر لنگڑے مارٹن پر ٹوٹ پڑا تھا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ اس مکان کے پورے نظام کو کنٹرول کرنے والے پینل سمیت وھیل چیئر مارٹن کے قبضے سے نکل چکی تھی اور اب وہ لنگڑا پوری طرح سلطان کے رحم و کرم پر تھا۔

ان دونوں کی مار دھاڑ اور وحشیانہ غراہٹوں کے درمیان میں اندھیرے میں اندازے سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا تاکہ کوئی دوسرا بلب روشن کر کے اس جانگسل ڈرامے کا خاتمہ کر سکوں لیکن میرے روشنی کرنے سے پہلے ہی اچانک سلطان کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔” وہ نکل گیا۔ بھاگو اس کے پیچھے!“

میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ شاید سلطان شاہ کا دماغ چل گیا تھا۔

بھلا دونوں ٹانگوں سے معذور شخص کیسے فرار ہو سکتا تھا! میں نے جھپٹ کر بورڈ پر لگے ہوئے کئی سوئچ بیک وقت آن کر دیے اور کمرہ روشن ہو گیا۔

سلطان شاہ اپنے خون آلود چہرے سمیت کراہتے میں موجود تھا۔ وھیل چیئر ایک طرف الٹی ہوئی پڑی تھی لیکن معذور مارٹن کا کہیں پتا نہیں تھا۔ البتہ اندر کھلنے والا دروازہ کھلا ہوا تھا جس کے دوسری طرف اندھیرے کا راج تھا۔

مارٹن کے تعاقب میں اندر گھسنا اس وقت موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ ہم اس مکان کی ساخت سے یکسر لاعلم تھے اور وہ ہماری بے خبری میں کہیں سے بھی مہلک وار کر سکتا تھا۔

مجھے شدت سے ویرا کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ وہ کسی حد تک اس مکان سے واقف تھی اور وہی مارٹن کے فرار کی راہ میں مزاحم ہو سکتی تھی۔ میں وھیل چیئر کے ہتھے پر نصب لاسلکی کنٹرول پینل سے الجھ گیا‘ سلطان شاہ میرا مدعا بھانپ کر اپنے زخموں کی پروا کیے بغیر داخلی دروازے پر زور آزمائی کرنے لگا اور اچانک ہی وہ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ شاید میرا ہاتھ پینل کے کسی صحیح بٹن پر پڑ گیا تھا۔

ہم دونوں ہی سرعت کے ساتھ کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکلے تھے مگر وہاں تاروں بھرے آسمان کے نیچے سناٹے کا راج تھا۔ ہماری کار موجود تھی لیکن ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ آس پاس موجود ہوتی تو دروازہ کھلتے ہی باہر سے نظر آنے والی روشنی اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتی لیکن میرے پکارنے پر بھی کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔

” وہ شاید عقبی سمت میں ہے۔“ میں نے ہیجان آمیز لہجے میں سلطان شاہ سے کہا۔” تم یہیں ٹھہرو‘ اس طرف نگاہ رکھنا۔ یہ خیال رہے کہ وہ نہتّا نہیں ہوگا‘ میں اسے اندر دیکھتا ہوں۔“

اس وقت میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کیفیت یہ تھی کہ مارٹن کی بھرپور اداکاری کے امکان پر دھیان دیے بغیر بس یہی سوچے جا رہا تھا کہ لنگڑے نے اچانک ہی کیسے دوڑ لگا دی؟ میں اندر ۔۔۔ ہوئے مکان میں کھلنے والے دروازے کے قریب ٹھہرا اندر گھسنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ اچانک قالین پر دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دی اور میرے سنبھلتے سنبھلتے مارٹن کسی گینڈے کی طرح مجھے گراتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ میں اٹھ ہی رہا تھا کہ ویرا پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی مجھ سے ٹکرائی پھر سنبھلتے ہوئے مجھے روندتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

” جلدی آؤ! اب وہ بالکل خالی ہاتھ ہے۔“ اس نے میرے قریب سے گزرتے ہوئے ہانک لگائی تھی اور میں پھرتی کے ساتھ قالین سے اٹھ کر نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ پڑا۔

اسی لمحے مارٹن کی دبی دبی چیخ کے ساتھ ایک پُرشور دھماکا سنائی دیا۔ میں باہر پہنچا تو وہ منہ کے بل برآمدے کے فرش پر گرا ہوا تھا اور دونوں ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شاید سلطان شاہ نے ٹانگ اڑا کر اسے منہ کے بل فرش چاٹنے پر مجبور کیا تھا۔

ویرا نے بڑھ کر اس کی کھوپڑی پر بے دردی کے ساتھ پوری قوت سے ۔۔۔ ٹھوکر رسید کی اور مارٹن فرش سے اٹھتے اٹھتے ایک بار پھر کراہتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا پھر ہم تینوں ہی وحشی درندوں کی طرح اس پر پل پڑے۔

چند ہی منٹ کی بے رحمانہ پٹائی نے مارٹن کا سارا دم خم ختم کر دیا اور وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے رحم کی فریادیں کرنے لگا۔ میں ویرا کے ساتھ الگ ہو گیا اور سلطان شاہ اسے سر کے بالوں سے جکڑ کر گھسیٹتا ہوا داخلی دروازے کی طرف لے چلا کیونکہ شدید مرمت کے بعد مارٹن اب واقعی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔

” وقت برباد کرنے کے بجائے اسے جہنم واصل کر دینا ہی بہتر ہوگا۔“ میں نے اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے ویرا سے کہا۔

” مجھے اس ملعون سے کچھ دوٹوک باتیں کرنا ہیں۔“ وہ بولی۔

” بے کار ہے۔ تمھارے ہر سوال کا جواب میرے پاس موجود ہے۔“ میں نے کہا۔

” وان ہوف کے بعد چار رہ گئے تھے۔ اب اس کے بعد تین کون کون ہیں؟“

میں لاجواب ہو کر رہ گیا۔” اس موضوع پر شاید وہ زبان نہیں کھولے گا۔“

” یہ میرے لیے اہم ہے کیونکہ یہ سب مجھ سے واقف معلوم ہوتے ہیں لیکن میں ان سے لاعلم ہوں۔ اب تو دل چاہتا ہے کہ ان تینوں کو بھی چن چن کر اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دوں۔“

میں خاموش ہی رہا۔

اندر پہنچے تو وہ کسی لہولہان بھیڑیے کی طرح قالین پر پڑا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ اس کا لباس تار تار ہو گیا تھا اور چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔

” تمھیں میرے ہاتھوں مرنا ہے مارٹن!“ ویرا نے اندر پہنچ کر سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔” میرے سوالات کے جواب دو گے تو آسانی سے مر سکو گے۔ زبان بند رکھی تو سسکا سسکا کر ماروں گی۔“

” میں کچھ نہیں جانتا۔“ وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔” تم مجھے گولی مار دو۔“

” تم نے معذور ہونے کا ڈھونگ کیوں رچایا ہوا تھا؟“ ویرا کی آواز گونجی۔

” اپنی ذات کو شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے۔“ وہ ہانپتے ہوئے بولا۔” کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک معزز اور معذور

آدمی جرائم میں ملوث ہو سکتا ہے۔"

" اس سے فائدہ ؟"

" اپنا تحفظ۔" وہ بولا۔" اس وقت بھی گیراج میں آدھا ٹن ہیروئن کے تھیلے موجود ہیں۔ جب سے گڑبڑ ہوئی ہے' مال یہیں آتا ہے۔ میرے درجے کے آدمی کو پہلی بار براہِ راست ایسے کاموں میں ملوث ہونا پڑا ہے۔ میں یہاں تنہا رہتا ہوں' کبھی کوئی گڑبڑ ہوئی تو کہہ سکتا ہوں کہ میری معذوری اور تنہائی سے واقف ہو کر نامعلوم لوگ میری لاعلمی میں میرے مکان کو اپنے مجرمانہ مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ وھیل چیئر پر ہونے کی وجہ سے میرے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ اتنے بڑے مکان کے چپّے چپّے کی خبرگیری کر سکوں۔"

" لیکن طبی معائنہ تمہارے جھوٹ کی پول کھول سکتا ہے۔"

" اس کی نوبت ہی نہ آتی۔" وہ کراہتے ہوئے پہلو بدل کر بولا۔ " ایک نامور مقامی فزیشین اور ایک غیر ملکی سرجن کے سرٹیفکیٹ موجود ہیں کہ میری دونوں ٹانگیں اس بُری طرح مفلوج ہوئی ہیں کہ لاعلاج ہیں۔ ان تصدیق ناموں کی موجودگی میں کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں چل پھر سکتا ہوں' میں نے عملاً خود کو مفلوج بنا رکھا تھا۔"

" دوسرے تین کون کون ہیں ؟" ویرا نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

" نہیں ویرا۔ یہ سوال نہ پوچھو۔" وہ کراہا۔" میں عذاب جھیل رہا ہوں لیکن مرتے مرتے ان کے لیے جہنم کے دہانے نہیں کھولوں گا۔ مجھے دیر سے اندازہ ہوا کہ تم بھی باغی ہو گئی ہو ورنہ بہت پہلے' نہایت آسانی سے تمہارا بندوبست کر لیا ہوتا۔"

ویرا کی ٹانگ چلی اور بند کمرہ مارٹن کی چیخوں سے لرز اٹھا۔ ویرا کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی تھی۔

" صرف تین نام مارٹن اور گولی مار دوں گی ورنہ ابھی کان کٹوا دوں گی۔" ویرا سرد اور پُرسکون لہجے میں بولی۔

" نہیں۔" وہ پوری قوت سے چیخ پڑا۔" تم یہ نہیں کر سکو گی۔"

" کچن سے چھری لاؤ۔" ویرا نے سلطان شاہ سے کہا پھر مارٹن سے مخاطب ہو گئی۔" ہم ہیروئن فروش ہیں مارٹن۔ ہم نہ دوسروں پر رحم کھاتے ہیں نہ خود دوسروں سے رحم کے مستحق ہیں۔ خود سوچو کہ میں تمہارے ہاتھ لگ گئی ہوتی تو تم نے میرے ساتھ کیا کچھ نہ کیا ہوتا۔ یہ تو وقت وقت کی اور شاید مقدر کی بات ہے کہ کون کس کا شکار کھیلتا ہے۔ تمہارے معاملے میں میں نے زبردست چوٹ کھائی ہے مگر اب میں ان تینوں کو اسی طرح جاننا چاہتی ہوں جیسے وہ مجھے جانتے ہیں۔"

" میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ چیخ پڑا۔" یسوع مسیح کی قسم میں تمہارے کان ہرگز نہ کاٹنا۔ یہ ظلم نہ کرو مجھ پر۔"

سلطان شاہ کچن سے تیز دھار چھری لے آیا جو ویرا نے اس کے ہاتھ سے لے لی۔ پھر وہ جھکی اور اس نے نہایت صفائی کے ساتھ مارٹن کا داہنا کان جڑ سے اڑا دیا۔ وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے سانڈ کی طرح ڈکرایا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ ایک بین الاقوامی منشیات فروش کی بیٹی خود اپنے ایک ساتھی کو مناسب سزا دے رہی تھی۔ تنظیم ختم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو مگر میرا مشن کامیاب ہو رہا تھا۔

" آدھے منٹ بعد دوسرے کان یا ناک کی باری آ جائے گی مارٹن۔" ویرا سپاٹ آواز میں بولی۔ اس نے مارٹن کا کٹا ہوا کان ایک طرف پھینک دیا تھا جو عبرت انگیز انداز میں تڑپ رہا تھا۔

مارٹن کے اعصاب جواب دے گئے اور بھاری مغلظات کے ساتھ وہ تینوں نام بتاتا چلا گیا۔

ویرا نے مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر چھری پھینک کر اپنے بلاؤز میں سے ایکسپلوڈر نکالا اور اس کی گولی مارٹن کے دل میں اتار دی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ویرا کی اجلاس کی مصروفیات کے دوران ان تین ناموں کی صورت میں مجھے بھی کام مل گیا تھا۔ ان میں بس ایک ہی نام غیر معروف تھا ورنہ دو ملک کے معززین میں شمار کیے جاتے تھے۔ اگر وہ اجلاس کے دوران ہی یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے تو تنظیم کی بنیادیں ہل سکتی تھیں۔

مارٹن کے تڑپتے ہوئے بدن میں ایکسپلوڈر کی گولی دل کے مقام پر پیوست ہوئی اور اس کے حلق سے اضطراری طور پر ایک چیخ آزاد ہو گئی پھر لحظہ بھر میں ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ اس کے بدن کے چیتھڑے اُڑ گئے۔ اس کے بدن میں اتری ہوئی ایکسپلوڈر کی گولی نے اس کے جسم کے اندر پھٹ کر کسی بم کی سی تباہی پھیلائی تھی' اور اب مارٹن کا کہیں وجود نہیں تھا' اس کا وجود لوتھڑوں اور چیتھڑوں کی صورت میں پورے کمرے میں یوں بکھر کر رہ گیا تھا کہ اس کی کوئی شناخت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

" خس کم جہاں پاک۔" میں نے پھریری لے کر کمرے میں چھایا ہوا بوجھل سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

" ابھی خس باقی ہے۔" ویرا نے ایکسپلوڈر کی نال کو چومتے ہوئے نشیلے لہجے میں کہا۔" تم مارٹن کے بتائے ہوئے تین ناموں کو بھول رہے ہو' انھیں بھی یکے بعد دیگرے مارٹن کے پیچھے جانا ہے۔"

" وہ بھی چلے ہی جائیں گے۔" میں نے ویرا کے ہاتھ سے وہ ہتھیار لیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔" لیکن یہ ننھا سا ہتھیار خوب ہے' اس کی زد میں آنے والا تو شاید بچ ہی نہیں سکتا۔"

" ایکسپلوڈر میں نے پہلی بار استعمال کیا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔" اس کے بارے میں سُن بہت کچھ رکھا تھا۔ اس میں سارا کمال میگزین کا ہے۔ ٹرائیگر سے فائر ہونے کے بعد گولی کا جو دھاتی حصہ نشانے میں پیوست ہوتا ہے' اس میں بھی ایک حساس بارودی حصہ ہے' جو جسمانی درجۂ حرارت میسر آتے ہی پھٹ جاتا ہے۔"

" یعنی میگزین کے بغیر ایکسپلوڈر بے کار ہے ؟"

" نہیں۔" ویرا نے کہا۔" مخصوص میگزین میسر نہ ہو تو اعشاریہ تین آٹھ کے عام میگزین کے ذریعے پستول کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ اس بور کے ہتھیاروں میں یہ شاید سب سے مختصر اور ہلکا ہے۔"

چند ثانیوں کے لیے کمرے کی فضا میں سکوت چھا گیا۔

" اب کیا پروگرام ہے ؟" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگانے کے ساتھ ویرا کو بھی سگریٹ پیش کرتے ہوئے پُرخیال لہجے میں سوال کیا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

" اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے ؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔

" رونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اُسی موڈ میں بولی۔" تمہیں رُوپوش رہنے کے لیے ایک ٹھکانے کی تلاش تھی' اب وہ میسر آ گیا ہے۔ روانگی تک یہاں عیش کر سکتے ہو۔"

" زیادہ سے زیادہ دو دن میں روانگی کے کاغذات تیار ہو جائیں گے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔" پروگرام بناتے ہوئے اس مدت کو ذہن میں رکھنا۔"

" دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا یہاں قیام مخدوش بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے ویرا کو آگاہ کیا۔" مارٹن نے خود اعتراف کیا تھا کہ گیراج میں منشیات موجود ہیں اور تنظیم کے اراکین یہاں آتے رہتے ہیں۔"

" تم یہ بھول رہے ہو کہ ایسے معاملات میں مارٹن کبھی ان لوگوں کے سامنے نہیں آتا ہو گا' وہ اپنی وھیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے محض بٹن دبا کر ان کو آمد و رفت کی سہولتیں فراہم کرتا ہو گا' ایسا نہ ہوتا تو اپنے ماتحتوں کے سامنے کبھی کا بے نقاب ہو گیا ہوتا۔ یوں تم آسانی کے ساتھ اس کی جگہ لے سکتے ہو۔"

" میں جانتا ہوں کہ یہاں رہنے کے لیے مجھے کیا کیا کرنا ہو گا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔" مال لانے' لے جانے والوں کے علاوہ باقی ماندہ تین بڑوں میں سے بھی کوئی مارٹن سے رجوع کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں میری ہر احتیاط کے باوجود صورتِ حال زیادہ دیر تک مخفی نہ رہ سکے گی' ہماری تمام تر کوشش اب یہی ہونا چاہیے کہ مقامی معاملات میں ضرورت سے زیادہ ملوث ہونے کے بجائے جلد از جلد نکل بھاگنے کی فکر کریں۔"

" میں سمجھ رہی ہوں کہ تم کو اب غزالہ تک پہنچنے کی عجلت ہے۔" وہ سگریٹ کا دھواں میرے مُنہ پر چھوڑتے ہوئے ہنس کر بولی۔" میں خود بھی یہاں زیادہ وقت برباد نہیں کرنا چاہتی لیکن خوش قسمتی سے ہاتھ آنے ہوئے کسی شاندار موقع کو تمہاری جلد بازی کی بنا پر ضائع بھی نہیں کروں گی۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دُشوار نہیں تھا کہ وہ بیرونِ ملک سے تنظیم کے کسی بڑے کی آمد اور اُس کی سربراہی میں ہونے والے اعلیٰ سطحی اجلاس کو اپنے لیے سُنہرا موقع تصوّر کر رہی تھی' اس کے لیے یہ انکشاف بہت سنگین ثابت ہُوا تھا کہ وہ بہت زیادہ بااختیار اور صرف جی لائیڈ کو جواب دہ ہونے کے باوجود ان پانچ مقامی بڑوں سے لاعلم تھی' جو پاکستان میں ہیروئن کی پیداوار' مقامی کھپت اور برآمد کا کاروبار پوری راز داری کے ساتھ چلا رہے تھے۔

کمال کی بات یہ تھی کہ ویرا اُن پانچوں سے بے خبر تھی مگر وہ سب نہ صرف اُسے جانتے تھے بلکہ مارٹن تو اسے دھوکے میں رکھ کر اس کا مربی بنا ہُوا تھا۔ یہ محض وان ہوف کی خود غرضی اور ہوسِ اقتدار تھی' جس نے ہمیں ان پانچوں کی راہ پر ڈال دیا اور وان ہوف' ویرا کو گھیرنے کے چکر میں خود جہنم واصل ہو گیا۔ لاہور میں لائیڈز کا رَیج کی تباہی کے بعد وان ہوف کی موت دوسری بڑی کامیابی تھی لیکن وہ اس اعتبار سے ادھوری رہی کہ وان ہوف نے موت کی دہلیز پر ہوتے ہوئے بھی اپنے چار ساتھیوں کے بارے میں ذرا بھی زبان نہیں کھولی لیکن وہ کمی مارٹن نے پوری کر دی تھی۔

جب تک میں خود تنظیم کا وفادار تھا' ہیروئن کی تجارت کو سفاک اور پیشہ ور مجرموں کا کام سمجھتا رہا تھا' جس کی انجام دہی میں راز داری کو بنیادی اہمیت حاصل تھی لیکن تنظیم کے مہیب حصار سے نکلنے کے بعد اس بھیانک کھیل میں ایسے ایسے معزز اور معصوم چہرے ملوث نظر آ رہے تھے' جنھیں معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

مارٹن اس بھرپور مگر مختصر سی ٹکڑی کا ایک شاہکار کردار تھا۔ ہر طرح سے صحت مند اور باصلاحیت ہوتے ہوئے بھی اُس نے اپنی ذات کو معصوم اور ہر قسم کے شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے معذوری کا ایسا بہروپ اختیار کیا ہُوا تھا کہ اکثر اوقات شاید اسے خود بھی یاد نہ رہتا ہو کہ وہ پوری طرح صحت مند تھا۔

جب سے میں نے تنظیم کی بیخ کنی کا بیڑا اُٹھایا تھا' رہ رہ کر تنظیم کی نت نئی صورتیں بن اور بگڑ رہی تھیں' کئی بار سب کچھ فنا ہوتے ہوتے اچانک انکشاف ہُوا کہ جو کچھ ہو رہا تھا' وہ سطحی نقصان تھا' تنظیم کے اختیار اور اقتدار کا سرچشمہ پوری طرح محفوظ تھا۔

مگر اب تنظیم کے خدوخال کچھ واضح ہو چلے تھے۔ یہ مقامی مجرموں کی کوئی بگڑی ہوئی ٹولی نہیں تھی بلکہ اس شرمناک دھندے میں مُلک

قوم، نسل اور رنگت کے کسی امتیاز کے بغیر پیسے کی ہوس میں مُبتلا وہ لوگ ملوّث تھے، جو عزّت اور آبرو کی آڑ میں کامیابی کے ساتھ موت کی سوداگری کر رہے تھے۔

شاید جمی لائیڈ ان سب کا سربراہ تھا۔ خود اس کے کردار کا یہ حال تھا کہ اگر ویرا سچی تھی تو جمی لائیڈ دیدہ و دانستہ اپنی بیٹی ویرا کو محض اس خیال سے نیلام کر رہا تھا تاکہ تنظیم کی اعلا صفوں میں پہنچنے تک وہ یہ بھول جائے کہ وہ عورت ہے، جس کا نسوانی وقار بھی کوئی حیثیت رکھتا ہے۔ چند روز پہلے تک ویرا کو صرف اپنے باپ کا نام معلوم تھا اور وہ اس کی صُورت سے ناآشنا تھی اور اسی ایک خلش نے اُسے میرے ساتھ تعاون کی راہ دکھائی تھی۔

پھر لائیڈز کالج کے ایک بند کمرے میں جب اس نے جمی لائیڈ کی تصویر دیکھی تو نفرت اور غصّے سے اس کی حالت غیر ہو گئی کیونکہ وہ شخص کسی اور نام سے ایک مدت تک اس کا دلال بنا رہا تھا۔

پاکستان میں جمی لائیڈ بس ایک نام تھا۔ لائیڈز کالج کو ہر حلقے میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ عمارت بیرونِ کی عالمی تجارت کا سرچشمہ رہی ہو گی اور اس کام کو چلانے والوں میں جرمن نژاد وان ہوف اور مقامی عیسائی مارٹن کے ساتھ کم از کم دو مقامی معززین بھی شامل تھے جب کہ پانچویں کا نام میرے لیے غیر معروف تھا مگر یہ قیاس کرنا مشکل نہیں تھا کہ اس کا تعلق بھی اونچے طبقے سے ہی رہا ہو گا۔

"باہر سے کسی کے آنے کا امکان ہو سکتا ہے؟" میں نے ویرا سے سوال کیا۔

"کوئی بھی ہو سکتا ہے۔" اُس نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا۔ "لیکن اتنا یقین ہے کہ جمی لائیڈ خود ہرگز نہ آئے گا۔ وہ حتیٰ الامکان دُور رہ کر اپنے افسانوی کردار کو برقرار رکھنا پسند کرتا ہے۔"

"تو اب اُن تینوں کی باری آئے گی؟" میں نے پوچھا۔

"ظاہر ہے، یہی تو ایک موقع ملا ہے، ورنہ آنے جانے والے سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ ہر ایک کو اس طرح الگ الگ گھیرنا ہو گا کہ دوسرے کو بھنک تک نہ مل سکے، ورنہ بازی اُلٹ بھی سکتی ہے۔"

"کیوں نہ یہ کام میں اپنے ذمّے لے لوں؟"

"تمہارا الگ رہنا ہی بہتر ہے۔ اوّل تو تمہارا روپوش رہنا ضروری ہے۔ کسی کو شُبہ بھی ہو گیا کہ تم لائیڈز کالج سے زندہ بچ نکلے ہو تو سارے وسائل تمہاری بازیابی پر مرکوز کر دیے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے لیے ملک سے باہر نکلنا ہی ناممکن ہو کر رہ جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان تینوں کا صفایا ہونے تک تم کو مارٹن کی جگہ لینا ہے۔ باہر سے رابطہ قائم کرنے والوں کو فون پر مارٹن کی آواز آتی رہنی چاہیے تاکہ صورتِ حال جُوں کی تُوں برقرار رہے۔ اس کے غائب ہوتے ہی ان تینوں میں سے کوئی ساری ذمّے داریاں سنبھال لے گا، جب کہ میں اُنھیں نئے سرے سے منظم ہونے کا موقع دیے بغیر دار کرنا چاہتی ہوں۔"

"یعنی اب مجھے مارٹن کی وھیل چیئر پر سوار ہونا پڑے گا؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ بہت مناسب رہے گا۔ دن میں ایک آدھ بار وھیل چیئر پر برآمدے وغیرہ کا چکر لگا لو گے تو باہر سے دیکھنے والوں کو اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ مارٹن کی جگہ کسی اور نے لے لی ہے۔ تمہاری جسامت اُس سے خاصی ملتی جُلتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ہم کئی دُشواریوں سے بچ سکیں۔"

وہ کچھ دیر تک نئے لائحہ عمل کی جزئیات پر تبادلۂ خیال کرنے کے بعد کار کے عقبی پائیدان میں چُھپ کر سُلطان شاہ کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ اس کی دانست میں اس کا وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے دیکھا جانا نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ اُس کے دماغ میں یہ نکتہ سمایا ہُوا تھا کہ اس گھر کے گیراج میں رکھے ہوئے مال کی خفیہ نگرانی کے باعث بالواسطہ طور پر شاید مارٹن کی قیام گاہ چوبیس گھنٹے پہرے میں رہتی ہے، اس طرح وہاں آنے جانے والوں کا چُھپے ہوئے پہرے داروں سے بچ نکلنا ناممکن تھا۔

میرے لیے ویرا کی وہ منطق قابلِ قبول نہیں تھی لیکن میں نے اس سے اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد سب سے پہلے میں نے مارٹن کی اُلٹی ہوئی وھیل چیئر کو سیدھا کیا اور اس کی کنٹرول ڈیسک پر لگے ہوئے مختلف سوئچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا لیکن اس سے پہلے میں نے پوری احتیاط کے ساتھ کرسی کے دونوں دستوں میں پوشیدہ مہیب ہتھیاروں میں سے میگزین خالی کر دیے تھے کہ کہیں کسی غلط بٹن پر ہاتھ پڑنے کے ساتھ ہی کوئی گولی مجھے لہو لہان نہ کر دے۔

اس کمرے میں مارٹن کی لاش کے چیتھڑے بکھرے ہوئے تھے جنھیں سمیٹ کر یکجا کرنا میرے لیے بہت دُشوار تھا پھر وہاں خاصا خون بھی بکھرا ہُوا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک دو روز میں ہی ان سب اشیا دسے تعفّن بکھرنے لگے گا لیکن اس سے زیادہ میرا وہاں ٹھہرنے کا ارادہ بھی نہیں تھا لہٰذا میں نے وھیل چیئر باہر نکال کر اس کمرے کو ہر طرف سے اس طرح بند کر دیا کہ وہاں پیدا ہونے والی بدبو مکان کے دوسرے حصّوں میں نہ پھیل سکے۔ ویسے بھی مارٹن اپنی خوابگاہ میں موت سے ہم کنار نہیں ہُوا تھا بلکہ اس کمرے میں مارا گیا تھا، جو خوابگاہ کے طور پر میرے عارضی تصرّف میں دیا گیا تھا۔

اُس کمرے کو مقفّل کر کے میں مارٹن کی وھیل چیئر پر سوار ہو کر اُس کی اپنی خوابگاہ میں داخل ہُوا تو حیرت سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُس کمرے کی تمام دیواروں پر انسانی ہیولوں کی ایسی وسیع و عریض رنگین تصاویر موجود تھیں جنھیں دیکھ کر آنکھیں بے اختیار ...ن مِل جاتی تھیں۔ خاص بات یہ تھی کہ ان تمام غلیظ تصاویر میں ہندو ...الا کے رُومانی تصوّرات زیادہ واضح تھے اور یہ اندازہ لگانا ...دار نہیں تھا کہ اس کمرے کا باسی کسی بدترین ذہنی کج روی کا شکار تھا۔

میرے لیے وہ انکشاف خاصا تحیّر خیز تھا۔ مارٹن جیسا ...ابر اور سرد مزاج آدمی جو پوری طرح صحت مند ہوتے ہوئے ...ا برسہا برس سے دونوں ٹانگوں سے معذوری کا سوانگ ...چائے بیٹھا تھا، اس قدر بے حجاب کیسے ہو سکتا تھا جب کہ ...ن کا کمال یہ رہا تھا کہ ویرا سے گہری دوستی کے باوجود وہ اقرار ...نے پر مجبور تھی کہ مارٹن نے جنسِ مخالف سے تعلق کی بنا پر ...بھی اُس کی طرف پیش قدمی کی کوشش نہیں کی تھی۔

مگر وہ مارٹن کی اپنی ذات کا ایک ناگفتہ گوشہ تھا، جو ...ن کی موت کے بعد کبھی بے نقاب نہیں کیا جا سکتا تھا لہٰذا میں ...نے سر جھٹک کر وھیل چیئر چھوڑ دی۔

وہ کمرہ ایئرکنڈیشنڈ ہونے کے ساتھ ہی شاید ساؤنڈ پروف ...ی تھا کیونکہ دیواروں کی موٹائی غیر معمولی تھی اور کمرے کی کسی ...یوار میں کوئی کھڑکی موجود نہیں تھی، اس کے علاوہ کمرے میں ...وی سی آر اور رنگین ٹی وی سے خودکار ویڈیو کیمرے تک ...زندگی کی ہر آسائش موجود تھی۔

میں نے احتیاط کے ساتھ پورے کمرے کی تلاشی لے ڈالی لیکن بڑے نوٹوں کی گڈیوں پر مشتمل خطیر رقم اور کئی اقسام کے خودکار اسلحے کے سوا وہاں سے کوئی ایسی چیز برآمد نہ کر سکا جو تنظیم ...سے مارٹن کے تعلق پر روشنی ڈالتی۔ تنظیم کا مفاد اُسے یقینی طور پر ...اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رہا تھا۔

کمرے کی بھرپور تلاشی کے بعد میں ٹیلی فون ڈائریکٹری سنبھال ...کر اُن تینوں کے فون نمبر تلاش کرنے لگا، جن کے نام مارٹن نے آخری ...سانسوں پر بتائے تھے۔

میں اُن میں سے ایک ہی شخص کے نمبر تلاش کر پایا تھا... کہ ...وھیل چیئر کے کسی حصّے میں پوشیدہ اسپیکر پر کسی کار کے انجن کی دھیمی دھیمی ...غراہٹ سُنائی دی اور میں چونک پڑا۔

"کون ہے؟" میں نے کرسی کے دستے پر نصب کنٹرول پینل کا ...ایک مخصوص بٹن دبا کر بھرّائی ہوئی آواز میں سوال کیا تاکہ آنے والا ...اگر مارٹن کا کوئی شناسا ہو تو فوری طور پر آواز کی واضح تبدیلی نہ بھانپ سکے۔

"سُلطان شاہ۔" لحظہ بھر کے سکوت کے بعد اس لاسلکی آلے ...پر مانوس آواز اُبھری اور میں نے بلاتامل پینل کا ایک دوسرا بٹن دبا دیا ...جو عمارت کا پھاٹک کھول سکتا تھا۔

...اسپیکر پر کار کے انجن کی غراہٹ قدرے تیز ہوئی پھر بتدریج معدوم ہوتی چلی گئی۔ شاید سُلطان شاہ نے کار پھاٹک سے گزار کر احاطے میں داخل کر لی تھی۔ میں نے پھاٹک بند کرنے والا بٹن دبا دیا۔ چند ثانیوں بعد پینل کے ایک گوشے میں سبز بتی جل اُٹھی، جو اس بات کا اشارہ تھی کہ پھاٹک دوبارہ بند ہو چکا تھا۔

میں اُسی کمرے میں سُلطان شاہ کی آمد کا منتظر رہا۔ وہ مارٹن کے مقتل میں ناکام تلاش کے بعد مجھے آوازیں دیتا آخرکار وہیں آ پہنچا اور کمرے کے در و دیوار پر نگاہ پڑتے ہی بھونچکا رہ گیا۔

"ان خرافات پر اپنا وقت برباد نہ کرو۔" میں نے اُس کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ ویرا کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟"

اُس نے چونک کر میری طرف دیکھا پھر خفّت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اسے واپس کلفٹن ہی چھوڑا ہے، وہاں سے وہ اپنی گاڑی میں گئی ہو گی۔" پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔ "میری تو عقل ہی حیران ہے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہُوا تھا۔"

"کیا سمجھ میں نہیں آتا؟" میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

"وہ اس قدر بھرپور طریقے پر معذوری کی اداکاری کرتا رہا تھا کہ اُس کے فرار پر میں کئی سیکنڈ تک بس یہی سوچتا رہ گیا کہ لنگڑا اچانک کیسے بھاگ سکتا ہے؟ اس کے بعد ہی ہوش آیا تھا کہ وہ سب اس فراڈ کی اداکاری تھی، ورنہ وہ پوری طرح صحت مند تھا۔"

"اب شاید یہ نکتہ بھی ذہن میں آ گیا ہو گا کہ میں نے کتنی شراب پی تھی اور فرشی قالین سے مسہری پر کیسے پہنچ گیا تھا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اب تو سب کچھ سمجھ میں آتا جا رہا ہے، اس وقت کی بات اور تھی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ معذور مارٹن نے تمھیں قالین سے اٹھا کر مسہری پر ڈالا ہو گا۔"

"مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ضرورت سے ذرا زیادہ ہی پی لی تھی لیکن اتنا بھی مدہوش نہیں ہُوا تھا کہ لہک لہک کر ناچنا شروع کر دیتا اور پھر مسہری پر اس طرح ڈھیر ہوتا کہ کچھ بھی یاد نہ رہتا۔ اس مردود نے میری مختصر سی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر مجھے اُوپر ڈال دیا تھا تاکہ بعد میں میری مدہوشی کے حوالے سے من مانے اعترافات میری ذات سے وابستہ کر سکے۔"

"لیکن تم پیتے ہی کیوں ہو؟" وہ بگڑ کر بولا۔ "شاید تمھیں میری بات بُری لگے لیکن میرے گاؤں کی مسجد کا مولوی اسے خنزیر کا پیشاب کہتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ تم بغیر پیے بھی ٹھیک ٹھاک رہتے ہو پھر اس حرام نوشی کی کیا ضرورت ہے؟"

اُس کی بات سُن کر پہلے مجھے غصّہ آیا لیکن اس کا آخری سوال سُن کر میں ہنس پڑا۔ "بعض اوقات انسان مجبور بھی ہو جاتا ہے، وہ مجھے

اُتو بنانا چاہ رہا تھا اور مَیں احمق بن کر اُسے چکمہ دینا چاہ رہا تھا، اسی کوشش میں ذرا سی بے اعتدالی ہوگئی اور اُسے میرا مضحکہ اُڑانے کا خود ساختہ موقع مل گیا۔ صحبت کا بھی تو کچھ اثر ہوتا ہی ہے نا!"

"مجھے معلوم ہے کہ بحث میں تم سے جیتنا مشکل ہے۔" وہ بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔ "صحبت کا اثر بس تم پر ہی ہوتا ہے۔ مَیں بھی تو دن رات تمہارے ساتھ رہتا ہوں، کبھی بوند بھی چکھی ہو تو حلفیہ بتا دو... تمہاری تجویز کی ہوئی ہر سزا خوشی کے ساتھ برداشت کروں گا، میرے ساتھ یہ بہانے تمہیں زیب نہیں دیتے۔"

"ہائیں، یہ کیا بک رہے ہو تم؟" مَیں نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم نے میرے والدِ بزرگوار کی مسند سنبھال لی ہو؟"

"ناراض ہوتے ہو تو آئندہ کچھ بھی نہ کہوں گا۔" وہ یک بیک اُداس ہوگیا۔ "میری بلا سے تم شراب میں نہاؤ یا غرق ہو جاؤ۔ مَیں نہ تمہارا بزرگ ہوں اور نہ بھائی... رہا دوست تو اُسے ہر وقت اس کی اوقات یاد دلائی جاسکتی ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" مَیں نے بڑھ کر زبردستی اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیے۔

"شاید دماغ ہی خراب ہوگیا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "جب تمہیں جھنجوڑ کر بیدار کیا گیا تو تم اس وقت بھی ذرا جھونک میں تھے اور تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تم قالین سے مسہری پر کیسے پہنچے اور وہ خنزیر، لنگڑا بڑی بے رحمی کے ساتھ تمہاری بے عزتی کر رہا تھا۔ اُس کی زبان سے تمہارے ناچنے کی کتھا سُن کر میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس ملعون کا مُنہ نوچ لوں یا تمہارا سر توڑ دوں۔"

"مجھے معاف کر دو۔" مَیں نے اُسے زبردستی اپنے سینے سے لگا کر کہا۔ "اب کبھی اتنی نہیں لوں گا کہ ذہن دُھندلکوں میں ہچکولے لینے لگے، بے اعتدالی کروں تو جو سزا چور کی وہ میری..."

"مگر پیو گے ضرور، چھوڑو گے نہیں؟" میرے خوشامدانہ رویّے سے اُس کے لہجے میں نرمی پیدا ہوگئی مگر انداز اب بھی ملامت آمیز ہی تھا۔

وہ سدا کا پارسا، ایک راست گو اور شریف انسان تھا، جس نے پیسے کی جستجو میں بُرے راستے کو اپنانا چاہا لیکن اپنے مزاج کی بِنا پر اس ماحول میں نہ کھپ سکا اور پھر مجھ سے آٹکرایا۔ ابتدا میں اُسے نہ میری اصلیت کا علم تھا نہ میرے مشن کا پتا لیکن پھر بھی میرے ساتھ وہ نباہ کرتا رہا اور جب مَیں نے تنظیم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو وہ میرا پہلا اور واحد ساتھی تھا، جو میرا مقصد اور مدّعا جانے بغیر کسی مشینی پُتلے کی طرح میرے احکام کی تعمیل کرتا رہا۔

مذہب اور معاشرے کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے اُس نیک نفس انسان کے لیے شراب نوشی کا جواز تلاش کرنا واقعی بہت مشکل کام تھا، وہ ذاتِ کبریا کے اُن بے دام غلاموں میں سے تھا جن کے ہیگ میں جوانی ڈھلنے سے پہلے ہی رُشد و ہدایت اور پارسائی کے شاہکار جمع نظر آتے ہیں۔

"اب ویرا کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد مَیں نے موضوعِ گفتگو بدلنے کی نیّت سے اس سے دریافت کیا۔

"عجیب عورت ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا مگر مَیں نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"عورت ہے لڑکی نہیں کہو گے اُسے؟"

"خدا کی پناہ! وہ گہرا سانس لے کر بڑبڑایا۔ "کس قدر سرد مہری کے ساتھ انسانی خون بہاتی ہے اور اس پر بھی تم اسے لڑکی کہنے پر اصرار کرتے ہو؟ وہ حسین ضرور ہے مگر اتنی ہی زہریلی بھی ہے۔"

"اتنا کافی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ مخلص ہے۔"

"یہ تمہاری خود فریبی ہے۔" وہ بے لاگ لہجے میں بولا۔ "اس کا اپنا بھی کچھ مطلب ہے جو وہ تمہارا ساتھ دے رہی ہے، جس دن اُسے تم سے کوئی اُمید نہ رہی شاید خود تم پر ہتھیار اُٹھالے گی۔ تم خود کئی بار اس کی سیمابی طبیعت کا ذکر کر چکے ہو۔ تمہیں اس سے دغا کا خوف نہ ہوتا تو تم میرے بغیر بھی اس کے ساتھ ولایت جاسکتے تھے۔"

مَیں ایک گہرا سانس لے کر صوفے پر گر گیا۔ "بس یہی سب سے بڑی اُلجھن ہے۔ ویرا مجھے چاہتی ہے اور میرے دل و دماغ پر غزالہ سوار ہے۔ جب تک ہم تینوں یکجا نہیں ہوتے، ویرا کی رقیبانہ فطرت دبی رہے گی لیکن جس دن اُسے اندازہ ہُوا کہ غزالہ درحقیقت اُس کی رقیب ہے، وہ موذی بن جائے گی اور مَیں اسی گھڑی سے ڈرتا ہوں۔"

"آج تم نے پہلی بار اس کے بارے میں کھُل کر بات کی ہے۔" وہ میرے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تم اس سے اسی قدر خطرہ محسوس کرتے ہو تو ہمارے لیے اس وقت بہترین موقع ہے۔ اُس کے ذہن پر تنظیم کے تین بڑے سوار ہیں، ہم اُسے آسانی کے ساتھ زیر کرسکتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ بہترین ٹھکانا بھی موجود ہے۔"

"تم ابھی تک اس کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکے ہو۔" مَیں نے ہلکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ ضد پر اڑ گئی تو جان لے دے گی مگر زبان نہیں کھولے گی، اُسے تو بس محبت ہی سے زیر کیا جاسکتا ہے، ورنہ ہمیں سُراغ تک نہ مل سکے گا کہ غزالہ انگلستان کے کس شہر میں کن لوگوں کی قید میں ہے۔"

"خدا کرے کہ وہ تمہاری توقعات پر پوری اُتر سکے، ورنہ مجھے تو اس پر ذرا بھی بھروسا نہیں ہے۔ جب سے اس پر یہ انکشاف ہُوا ہے کہ اس کا غیر قانونی اور پُراسرار باپ جمی لائیڈ ڈان مریانو کے رُوپ میں اس کی سوداگری کرتا رہا ہے، وہ ہر قیمت پر جلد از جلد اُس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا چاہتی ہے۔ وہ تمہیں غزالہ تک لے جانے کی اُمید دلا کر پہلے ڈان مریانو کا ہی رُخ کرے گی۔"

"ہم دونوں نے ہوشیاری سے کام نہ لیا تو شاید ایسا بھی ہوسکتا ہے مگر..." بولتے بولتے مَیں یک بیک خاموش ہوگیا کیونکہ وہیل چیئر کے اسپیکر پر اچانک ہی ایک کار کے انجن کی آواز سُنائی دینے لگی تھی۔

میرے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

"یہ کون آگیا اس وقت؟" سُلطان شاہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"کون ہے؟" مَیں نے وہیل چیئر کے کنٹرول ڈیسک پر نصب پھاٹک کے مواصلاتی رابطے سے منسلک بٹن دبا کر اپنی بدلی ہوئی بھاری آواز میں سوال کیا۔

"سلمیٰ، سر!" جواب سُن کر مَیں چونک پڑا۔

آواز نہ صرف نسوانی تھی بلکہ میرے لیے شناسا بھی تھی۔ مَیں اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

مَیں سلمیٰ نام کی صرف ایک ہی عورت سے واقف تھا، جو میرے عزیز اور پُرانے دوست جہانگیر کی بیوی تھی لیکن اپنے دل میں میرے لیے نرم گوشے رکھتی تھی۔

لیکن سلمیٰ ایک خالص خانہ دار عورت تھی۔ اُس کا شوہر ہیروئن کی غیر قانونی تجارت کو فروغ دینے والی بھیانک تنظیم میں ایک اہم رُتبے کا مالک تھا لیکن سلمیٰ اپنے شوہر جہانگیر کی سرگرمیوں کی جانب سے شبہات کا شکار ہونے کے باوجود اس کی حقیقی مصروفیات سے لاعلم تھی۔ ان حالات میں اگر وہ مارٹن کی قیام گاہ کے پھاٹک پر موجود تھی تو میرے لیے یہ ایک حیرت ناک حقیقت تھی! آخر وہ کون سے حالات تھے جن کی بِنا پر سلمیٰ ان مشکوک سرگرمیوں میں ملوّث ہونے پر مجبور ہو گئی تھی۔

سلمیٰ کو پھاٹک پر روک کر مَیں اُس کی آمد کے مدّعا اور خود اُس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جان سکتا تھا لیکن اس نے سہمے ہوئے انداز میں جس طرح اپنا نام بتایا تھا اُس کی بِنا پر میرے لیے یہ سمجھنا دُشوار نہیں تھا کہ سلمیٰ باقاعدگی کے ساتھ وہاں آنے والوں میں شامل تھی اور مارٹن کے ساتھ اُس کے مراسم حاکم و محکوم کے رہے تھے۔

مَیں نے بٹن دبا کر عمارت کا پھاٹک کھولنے کا بندوبست کیا اور پھر اسپیکر پر کار کے انجن کی آواز معدوم ہوتے ہی پھاٹک دوبارہ بند کرکے وہیل چیئر پر سوار ہوگیا۔

"کیا ارادے ہیں؟" میرے عاجلانہ رویّے پر سُلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"مسز جہانگیر آئی ہے۔" مَیں نے کُرسی پر بیٹھ کر اپنے شانوں پر ایک بھاری شال ڈالتے ہوئے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کب سے ان دھندوں میں ملوّث ہوگئی ہے؟"

"مسز جہانگیر!" وہ معنی خیز انداز میں ہنسا۔ "وہ تو شاید تمہیں پسند بھی کرتی رہی ہے!"

"ازدواجی زندگی میں خلوص اور اعتماد نہ ملے تو عورتیں عموماً باغی ہو جاتی ہیں۔" مَیں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "شوہر کی بداعتمادی کی وجہ سے اپنے گھرانے اور ماحول سے کٹی ہوئی نوبیاہتا عورتیں عام طور پر کسی ایسے شخص کی ذات میں پناہ تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، جو اُن کی آسان دسترس میں ہو اور سلمیٰ کے معاملے میں بدقسمتی سے میں جہانگیر سے قریب ہونے کی بِنا پر سلمیٰ کی توجہ کا نشانہ بن گیا۔"

"تو کیا اب اُس سے ملنے کا ارادہ ہے؟" سُلطان شاہ نے سوال کیا۔

"باہر کی تمام روشنیاں گُل کر دو۔" مَیں نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ "مَیں وہیل چیئر پر بیٹھ کر مارٹن کے رُوپ میں اُس سے کچھ دو ٹوک باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ وہیل چیئر سے آگے ہو لیا اور مَیں نے بٹن دبا کر کُرسی آگے چلا دی۔

اگر سلمیٰ وہاں تنظیم سے متعلقہ کسی کام کے سلسلے میں آئی تھی تو اس کا رُخ عمارت کے بجائے گیراج کی طرف ہونا چاہیے تھا لہٰذا مَیں مکان سے تاریک برآمدے میں نکلا۔ سُلطان شاہ اندر ہی رُک گیا تھا۔

مَیں کھُلے آسمان کے نیچے برآمدے میں پہنچا تو گیراج کے مقابل تاریکی میں ایک سیاہ کار کھڑی ہوئی نظر آئی۔ مَیں نے وہیل چیئر برآمدے کے چبوترے کے سِرے پر روک دی۔ چند منٹ کے رُوح فرسا انتظار کے بعد گیراج کی طرف سے تاریکی میں ایک نسوانی ہیولا محتاط انداز میں سیاہ کار کی طرف بڑھتا ہُوا نظر آیا جس کے داہنے ہاتھ میں ایک پیکٹ موجود تھا۔

مَیں نے شانوں پر پڑی ہوئی شال اس طرح اپنے سر پر ڈال لی کہ آنے والی تاروں کی چھاؤں میں میرے چہرے کے خدوخال نہ پہچان سکے پھر جوں ہی وہ مناسب فاصلے پر پہنچی، مَیں نے بدلی ہوئی بھاری آواز میں اُسے نام لے کر پکارا اور وہ اس پُراسرار ماحول میں اپنا نام سُن کر بوکھلا کر رہ گئی۔

"سلمیٰ! اِدھر چلی آؤ، مَیں برآمدے میں تمہارا منتظر ہُوں۔" اسے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر مَیں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا اور پھر شاید اُس نے تاریکی میں میرا ہیولا دیکھ لیا اور شکست خوردہ انداز میں برآمدے کے چبوترے کی طرف چل دی۔

"تت... تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟" وہ برآمدے سے

تھوڑی دُور ٹھہر کر خوفزدہ اور روہانسی آواز میں بولی۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟" میں نے ایک خطرہ مول لیتے ہوئے سوال کیا۔ مارٹن مجھے بتا چکا تھا کہ اس کا مکان تنظیم کے تصرف میں رہتا تھا مگر وہ خود کبھی سامنے نہیں آتا تھا، اس لیے مجھے اُمید تھی کہ میرا سوال سلمیٰ کے لیے کسی شبہے کا باعث نہیں بنے گا اور میں اس کی مشتبہ سرگرمیوں کے اسباب دریافت کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

"مجھے تم سے نفرت ہے۔" وہ پھنسی پھنسی ہذیانی آواز میں بولی "تم وحشی درندے ہو، مجھے تم سے نفرت ہے، میرا سب کچھ چھین کر بھی تم کو سکون نہیں ملا ہے۔ کان کھول کر سُن لو کہ میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آتی ہوں، حکم ملتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی تعمیل کرنا پڑتی ہے۔"

اس کا جواب سُن کر میں لحظہ بھر کے لیے سُن ہو کر رہ گیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، اس کی روشنی میں یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا تھا کہ سلمیٰ سے نہ صرف تنظیم کے لیے کوئی غیر قانونی کام لیا جا رہا تھا بلکہ مارٹن بھی... حسبِ توفیق اس کی مجبوری کا فائدہ اُٹھا کر اسے پامال کر رہا تھا۔

میرے نزدیک وہ اس گھناؤنے کام کا بدترین پہلو تھا۔ جہانگیر اپنی مرضی سے معقول آمدنی کے لالچ میں تنظیم سے وابستہ ہوا تھا اور رفتہ رفتہ ان مکروہ کاموں میں اس حد تک ملوّث ہوتا چلا گیا کہ اس کے لیے ان مصروفیات سے کنارہ کش ہونا ناممکن ہو کر رہ گیا لیکن اس کی بیوی اپنے ذاتی اور خانگی مسائل سے قطع نظر ایک خانہ دار عورت تھی، جو اپنی مرضی سے ہرگز کسی مشتبہ کام میں ملوّث ہونا پسند نہ کرتی لیکن حالات بتا رہے تھے کہ وہ بھی تنظیم کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی اور بے آبروئی کے ساتھ منشیات کے فروغ میں بھی کوئی نہ کوئی کردار ادا کر رہی تھی۔

یہ سمجھنا ناممکن تھا کہ جہانگیر خود اس قدر بے ضمیر ہو گیا ہو کہ اس نے اپنی بیوی کو بھی اپنے گھناؤنے کاموں میں ملوّث کر لیا ہو۔ وہ تو ان لوگوں میں سے تھا، جو اپنی بیویوں کے سامنے بھی ہر لمحے اپنی اَنا کا پرچم بلند رکھتے ہیں۔ میری طبیعت میں تجسّس پیدا ہو گیا کہ میں سلمیٰ کی کہانی کے بارے میں واقفیت حاصل کروں۔

"یہ میرا گھر ہے۔ یہاں چپے چپے پر میری مرضی چلتی ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "تم آتی ہو تو تمہارا نام سُن کر محض اس توقع پر دروازہ کھولتا ہوں کہ تم میرے چند لمحوں کو آسودگی بخشو گی، اس سے آگے تم یہاں کیوں آتی ہو اور کیا کرتی ہو۔ اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں لیکن مجھ سے نفرت کا اظہار کرنے کے بعد تم یہاں داخلے کے حق سے محروم ہو گئی ہو۔ یہ پیکٹ کیسا ہے تمہارے ہاتھ میں اور اسے تم نے کہاں سے چُرایا ہے؟"

"اگر تم ہی اس مکان کے مالک ہو تو تمہیں یہ ضرور معلوم ہو گا کہ تمہارے گیراج میں کیسے پیکٹ جمع ہیں؟ وہ کون لاتا ہے اور پھر وہ



کہاں پہنچائے جاتے ہیں؟" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"میرے صبر کا امتحان نہ لو عورت۔" میں نے قہر بار لہجے میں کہا۔ "جو پوچھ رہا ہوں، اس کا جواب دو۔"

"پیکٹ تو میں پہلے بھی لے جاتی رہی ہوں لیکن تم نے کبھی مجھ سے اس بارے میں سوال نہیں کیا۔" سلمیٰ کی آواز زہریلی ہو گئی۔ مجھ سے گفتگو کے آغاز کے بعد وہ اپنے ابتدائی خوف اور گھبراہٹ پر غالب آ چکی تھی۔ "لہٰذا اب ان فضولیات میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو... تم اپنے چہرے کی سیاہی میں اضافہ ہی کرنا چاہتے ہو تو شاید میں پوری قوّت صرف کر کے بھی تمہیں نہ روک سکوں گی۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس کا مقصد بالکل صاف اور واضح تھا۔ وہ اپنی دانست میں کسی اور کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ہر قیمت پر مارٹن کے گیراج سے ہیروئن کے پیکٹ لے جا کر کہیں پہنچانے پر مجبور تھی لیکن وہ جب بھی اپنی اس مہم پر آتی تھی، مارٹن کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو جاتی تھی اور اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ شاید پچھلی کہانی ایک بار پھر دُہرائی جائے گی مگر میں اس کی غلط فہمی دُور کیے بغیر اس سے صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ کن حالات کے تحت اس کام میں ملوّث ہوئی تھی؟

"یہ سیاہ کار کس کی ہے؟" میں نے سوچے سمجھے انداز میں اپنے سوالات کی ابتدا کی۔

"فضول باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔" وہ بگڑ کر تیز لہجے میں بولی "کار کس کی ہے؟ میں کون ہوں؟ کہاں سے آئی ہوں؟ یہ سب سوالات تمہارے لیے بے کار ہیں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے اگر میں مقررہ وقت پر واپس نہ لوٹی تو میرے لیے بہت سی دُشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"میں وقت برباد نہیں کر رہا۔ آج تم کو یہیں سے واپس لوٹنے کی اجازت مل جائے گی لیکن شرط یہی ہے کہ میرے سوالات کے جواب بے چون و چرا دیتی چلی جاؤ۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ یہ کار کس کی ہے؟" اس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے کہا۔

"پھر تمہاری تحویل میں کیسے آئی؟" میں اپنی بدلی ہوئی آواز برقرار رکھنے کے لیے پوری طرح کوشاں تھا۔

"یہ گاڑی اگنیشن میں چابی سمیت مجھے ایک مقررہ مقام پر کھڑی ہوئی ملی تھی۔ میں اپنی گاڑی پارک کر کے اس میں یہاں آئی ہوں اور واپسی پر پیکٹ سمیت یہ گاڑی اسی جگہ چھوڑ کر اپنی کار میں گھر روانہ ہو جاؤں گی۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔"

"تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تمہارے چھوڑنے کے بعد گاڑی کون لے جاتا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ جاننے کی نہ ضرورت سمجھتی ہوں، نہ مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ ان لوگوں کی مخاصمت مول لے سکوں۔ مجھے ہر بار سختی کے ساتھ ہدایت کی جاتی ہے کہ واپسی پر ایک سیکنڈ بھی رُکے بغیر فوراً اپنے گھر واپس لوٹ جاؤں۔"

"یہ کام تم کس کے لیے کرتی ہو؟"

"شاید میرا امتحان لینا چاہ رہے ہو؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "تمہارا ہی کوئی ذلیل اور گھٹیا ساتھی ہو گا، ورنہ مجھے یہاں سے پیکٹ حاصل کرنے کا حکم کیوں ملتا؟"

"اس سے تمہاری دوستی کتنی پُرانی ہے؟"

"دوستی!" وہ حقارت سے بولی "آواز دل سے کہاں دوستی ہوتی ہے۔ کاش ایک بار اس کی صُورت دیکھی ہوتی۔"

"یعنی سارے احکام فون پر ملتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"جانتے ہو تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس کے لہجے میں بے پناہ تلخی اُمڈ آئی تھی۔ "اپنا گھر برقرار رکھنے کے لیے مجھے اس کے حکام کے سامنے سر جھکانا پڑا، ورنہ میں تو ایسی زندگی کو قابلِ نفرت سمجھتی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ شادی شدہ ہو؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اسی حد تک کہ ہم رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔" اس کا لہجہ یکبیک نرم پڑ گیا۔ "مگر ہمارے درمیان ذہنی ہم آہنگی موجود نہیں ہے۔ میرے شوہر کو اپنی پُراسرار مصروفیات سے ہی اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ میرے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کر سکے، جس مواد کی بنا پر مجھے بلیک میل کیا جا رہا ہے، وہ بہت معمولی نوعیت کا ہے۔ شادی سے پہلے کسی کو لکھے ہوئے دو چار عامیانہ خطوط کسی بڑے فیصلے کی کسوٹی نہیں بن سکتے لیکن میں جانتی ہوں کہ اس کے دل میں چور ہے، وہ ان خطوط کو غیر ضروری اہمیت دے کر میری زندگی برباد کر دے گا۔ تت... تم نے بھی مجھے قریب سے دیکھا ہے۔" یکایک اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ "تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میری فطرت میں تلوّن نہیں ہے، میں اپنا گھر بسائے رکھنا چاہتی ہوں۔ وہ خود جو چاہے کرتا پھرے لیکن اُسے بھنک بھی مل گئی کہ میں کسی اور کے اشاروں پر ناچ رہی ہوں تو وہ مجھے زندہ درگور کر دے گا۔ تم ہی اپنے دوست کو سمجھاؤ کہ خدا کے واسطے میرا پیچھا چھوڑ دے۔ اُسے شہر میں بہتیری دوسری لڑکیاں مل جائیں گی، جو خوشی سے اس کے لیے کام کریں۔"

سلمیٰ کی اس بات سے پورا قصہ واضح ہو گیا۔ جہانگیر تنظیم کے دوسرے یا شاید تیسرے درجے کے ذمّے داروں کی صف میں شامل تھا لیکن اس کی بیوی تنظیم کے مقاصد کے لیے استعمال کی جا رہی تھی۔ اسے بلیک میل کرنے والا چاہتا تو معاوضے پر سلمیٰ سے بہتر اور مؤثر لڑکیوں کی خدمات حاصل کر سکتا تھا لیکن سلمیٰ کو بلیک میل کیے جانے سے تنظیم کا یہ گھناؤنا روپ بھی سامنے آ گیا تھا کہ وہ لوگ اپنے اہم کارکنوں کی نجی زندگی پر بھی نگاہ رکھتے تھے اور کوئی خامی ہاتھ آتے ہی اپنے اصل شکار کے گرد جال کی ڈوریاں مضبوط کرنا شروع کر دیتے تھے۔ سلمیٰ محض اس لیے بلیک میل کی جا رہی تھی کہ وہ جہانگیر کی بیوی تھی، اگر وہ کوئی عام عورت ہوتی تو شاید اس کے ماضی کو ہرگز قابلِ توجہ نہ سمجھا جاتا۔

"تم واقعی دُکھی معلوم ہوتی ہو۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح اُسے سمجھا بُجھا کر تمہاری گلو خلاصی کی کوئی راہ نکال سکوں۔"

"یہ کام کر دو تو میں تمہاری بے دام باندی بن جاؤں گی۔" سلمیٰ کی آواز بھرا گئی "مجھے بدزبانی کے لیے معاف کر دینا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارے سینے میں ایک ہمدرد دل موجود ہے، میں تمہارے ظاہر سے دھوکا کھا گئی تھی۔"

"تم یہ کام کب سے کر رہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

اس بار وہ بُری طرح چونکی تھی پھر قدرے حیرانگی کے ساتھ بولی "عجیب بات ہے کہ یہ سوال تم مجھ سے کر رہے ہو، حالانکہ میں دو ماہ پہلے پہلی بار یہاں آئی تھی تو تم نے اپنی وہیل چیئر پر خود ہی نیچے آ کر مجھے میرا کام سمجھایا تھا اور یہ بھی دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کبھی ہدایت سے زیادہ پیکٹ لے جانے یا اسے کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو وہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہو گا۔"

"وہ سب مجھے یاد ہے۔" میں نے جلدی سے بات سنبھالتے ہوئے کہا "میرا خیال تھا کہ شاید میرے پاس آمد و رفت سے پہلے وہ تم سے کوئی اور کام بھی لیتا رہا ہو۔"

"اس کا مطلب ہُوا کہ وہ تمہارا دوست نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے مغموم لہجے میں کہا "میں خود اسے اپنی نیک نامی کی باقاعدہ قیمت ادا کرتا ہوں، ورنہ کون شریف آدمی اپنے گھر کو ایسی مشتبہ کارروائیوں کا مرکز بننے دے گا؟ میں تو خود ایک معذور آدمی ہوں تمہیں بھیجنے سے پہلے اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میرا دل بہلانے کا ایک بندوبست کر رہا ہے، جس کا اضافی معاوضہ دینا ہو گا۔ میں دُنیا سے کٹ کر اس چار دیواری میں تنہائی کا عذاب جھیلتا رہتا ہوں، اس لیے تم آئیں تو اپنی حد سے تجاوز کر بیٹھا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم بھی اس کے ہاتھوں ستائی ہوئی کوئی معزز خاتون ہو تو میں ہرگز تمہیں پریشان نہ کرتا۔"

"جب تم بھی میرے ہی جیسے ہو تو بھلا میرے لیے کیا کر سکو گے؟" اُس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"وہ حریص ہے، میں اُسے پیش کش کر دوں گا کہ وہ تمھیں بھول جائے تو میں اس کے بدلے اسے ایک معقول رقم دیتا رہوں گا۔"

"اوہ... تم واقعی کتنے نیک انسان ہو۔" وہ ممنونیت سے لبریز لہجے میں بولی "یہ میری بدنصیبی تھی کہ میں آج تک تم کو ایک بدکردار پاپی سمجھتی رہی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ میری طرف بڑھی تھی کہ میں نے اُسے وہیں روک دیا۔ "میرے قریب نہ آنا، میں نہیں چاہتا کہ اب کسی حرکت پہ میرا ضمیر مجھے ملامت کرے، تم واپس جا سکتی ہو۔"

"میں تمھاری شکر گزار ہوں کہ تم نے میری کہانی سن کر خود کو بالکل ہی بدل ڈالا ہے۔ بُرا نہ مانو تو واپسی سے پہلے یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ میرے لے جانے والے پیکٹوں میں کیا ہوتا ہے؟"

"یہ پیکٹ میرے گھر کی چار دیواری میں رکھے جاتے ہیں مگر مجھے کچھ علم نہیں کہ ان میں کیا ہوتا ہے۔ بس ایک اندازہ ہے کہ اس میں وہی سفوفِ مرگ ہوتا ہوگا جس کی وبا آج ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔"

"اوہ! ہیروئن۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "مجھے بھی یہی ڈر تھا کہ میں بے خبری میں کوئی بھیانک کھیل کھیل رہی ہوں۔ سنو! میرا شوہر بھی ایسا گیا گزرا نہیں ہے۔ اپنی گلو خلاصی کے لیے میں اس کے علم میں لائے بغیر تھوڑی بہت رقم اپنے تصرف میں لا سکتی ہوں۔ اپنی آزادی کا بار میں تمھاری جیب پر نہیں ڈالنا چاہتی۔"

"دیکھ لیا جائے گا۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

"اب میں چلوں گی، میں نہیں چاہتی کہ واپسی میں تاخیر پر اس کی طرف سے کسی بازپرس کا نشانہ بنوں۔"

مجھ سے اشارہ پاتے ہی اُس نے اپنی کار میں سوار ہو کر انجن اسٹارٹ کیا اور میں نے بٹن دبا کر اُس کے لیے آہنی پھاٹک کھول دیا۔

ان دنوں بھی پاکستان دولتِ مشترکہ کا رکن نہیں تھا لیکن پاکستانی شہری محض پاسپورٹ پر برطانیہ کا سفر کر سکتے تھے۔ سُلطان شاہ نے اگلے دن پاسپورٹوں کے حصول کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں اور میں تنظیم کے باقی ماندہ تین میں سے دو بڑوں کے فون نمبر تلاش کر لینے کے بعد سوچ رہا تھا کہ ان سے چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کیسے کی جائے؟

اس مرحلے پر جہانگیر کی بیوی کی کہانی نے میرے ذہن میں تنظیم کے خلاف آگ سی بھر دی تھی۔ اس میں نیچے سے اُوپر تک سب ہی سانپ اور سنپولیے تھے، جن کے لیے صرف اپنے ہی مفادات ہر چیز پر فوقیت رکھتے تھے۔

اگر جہانگیر کو صفِ اوّل کا آدمی نہ بھی شمار کیا جائے تو وہ تنظیم کے ان جاں نثار کارندوں میں سے تھا جنھوں نے اپنے خون پسینے سے اس کالے دھندے کی آبیاری کی تھی۔ وہ اس وقت سے تنظیم کے لیے کام کر رہا تھا، جب ہیروئن کا نام طبی تحقیقی اداروں سے باہر کوئی نہیں جانتا تھا اور تنظیم چرس کی ترسیل و تقسیم کے کاروبار پر قابض تھی پھر مقامی بازار میں چرس کا بحران پیدا کرنے کے بعد شہر میں نشے کے عادیوں کو ہیروئن کی جو مفت تھیلیاں نمونے کے طور پر فراہم کی گئیں، ان کی تقسیم میں جہانگیر بھی پیش پیش تھا۔ اس نے تنظیم سے متعلق فرائض کو اتنی سنجیدگی کے ساتھ اپنایا ہوا تھا کہ اس کے کئی بار کے زبانی وعدوں کے باوجود تنظیم کے خلاف معاملات میں، میں اسے اپنا مخبر، دوست اور ہمدرد سمجھنے پر آمادہ نہیں تھا۔ مجھے ہر لمحے یہ شبہ رہتا تھا کہ جہانگیر اپنے فرائض کی بجا آوری میں کسی بھی لمحے میری گردن کٹوا دے گا۔ یہ دوسری بات تھی کہ بعد میں وہ اپنے اس احمقانہ فعل پر عمر بھر کے لیے پچھتاوے کا شکار ہو کر رہ جاتا۔

انتہا یہ تھی کہ اپنی وقت بے وقت کی مصروفیات کے باعث وہ اپنی ازدواجی زندگی میں بھی تلخیوں کا زہر گھول چکا تھا، جس کا ازالہ رفتہ رفتہ اُس کے بس سے باہر ہو گیا تھا لیکن اپنے تمام تر خلوص اور وفاداریوں کے باوجود تنظیم میں اس کی وقعت ایک بے بساط مہرے سے زیادہ نہیں تھی۔ اُسے قابو میں رکھنے کے لیے اُس سے بڑھ کر اس کی بیوی کو لگامیں ڈال دی گئی تھیں اور وہ بے چاری اپنی چار دیواری سے نکل کر مارٹن جیسے مکروہ شخص کا دل بہلانے اور ہیروئن کی نقل و حمل میں مدد دینے پر مجبور کر دی گئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ سلمیٰ خود بھی غیر محتاط تھی۔ شادی سے پیشتر کسی کے ساتھ ملاقاتوں، خط و کتابت سے قطع نظر، جہانگیر سے رشتہ استوار ہونے کے بعد بھی وہ میری توجہ کا مرکز بننے کی کوشش کرتی رہی تھی لیکن میری نگاہ میں سلمیٰ کی کوئی ذاتی کمزوری اسے ان گناہ گاروں کی صف میں کھڑا نہیں کر دیتی تھی جنھیں من مانے انداز میں سزا دی جا سکتی تھی۔

سلمیٰ کو اس رات میں نے آبرومندانہ انداز میں اس دلیر سے لوٹا دیا تھا اور معذوری کی اداکاری کرنے والا مارٹن چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اگر مارٹن کا گھر اپنی اصل شکل و صورت میں برقرار رہتا تو یہ اندیشہ تھا کہ کوئی دوسرا بھیڑیا مارٹن کی جگہ سنبھال لیتا اور پھر گلشن کا کاروبار پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ جاری ہو جاتا۔ ان امکانات کی بیخ کنی کے لیے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی روانگی کے وقت میں اس عمارت کو بھی نذرِ آتش کر دوں گا تاکہ وہ ٹھکانا ہی باقی نہ رہے، جہاں غلیظ دھمکیوں کی آڑ میں آبرومندوں کو اُجاڑ کر گھر روانہ کیا جاتا تھا۔

"کیا اب ساری رات اسی کرسی پر گزار دو گے؟" سُلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"تین نام اور دو فون نمبر!" میں نے ڈھیل چیئر سے اُترتے ہوئے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟"

"تمھیں تو شاید دیرا چیک کرے گی، اس وقت وہ بھی کسی خارش زدہ کتیا کی طرح غضب ناک ہو رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ ان تینوں کو اسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔"

اس کے تبصرے پر میں بے اختیار مُسکرا دیا۔ "اس وحشی کتیا پر تین انسانوں کا بوجھ ڈالنا مناسب نہ ہوگا، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔"

"میری مانو تو پہلے دیرا کو فون کر لو۔ باہمی مشورے کے بغیر کوئی قدم اُٹھایا تو شرمساری بھی ہو سکتی ہے۔" اُس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

اُس کی بات معقول تھی۔ میں ایک وقت میں متعدد معاملات پر سوچتا رہتا تھا جب کہ وہ ایک وقت میں بس ایک ہی معاملے پر غور و فکر کرنے کا عادی تھا لہٰذا اس کے فیصلے عموماً میرے لیے رہنما ثابت ہوتے تھے۔

میں نے فون پر ویرا کے نمبر ڈائل کیے تو پہلی ہی گھنٹی پر اُس کی لٹائی ہوئی آواز سُنائی دی۔

"تھکی ہوئی ہو... کن مراحل سے گزر کر بیٹھی ہو؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"مجھ سے شرافت سے بات کیا کرو۔" وہ میری آواز پہچان کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولی "ہر وقت کی کڑوی کسیلی نوک جھونک تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔"

"میں اس تکلیف دہی پر معذرت خواہ ہوں ویرا خانم!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میرا تو خیال تھا کہ میں تمھارے موڈ کو خوشگوار بنانے میں مدد دے رہا ہوں۔"

"مارٹن کو ختم کر کے ہم سے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب ہوا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس کے بعد اب ہر طرف مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجوزہ میٹنگ کے بارے میں مارٹن کو اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لینے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب باہر سے آنے والا کس سے رجوع کرے گا اور میٹنگ کا انعقاد کیسے ہوگا؟"

"تم ان لوگوں کے طریقۂ کار سے مجھ سے زیادہ واقف ہو۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "تم ان کے حلقے سے باہر ہو۔ وہ کسی خفیہ اجلاس کے بارے میں بھلا تمھیں کیوں بتانے لگے؟ ہاں آخری لمحات پر ضرورت محسوس ہوئی تو ان تینوں میں سے جو سینئر ہوگا، وہ تمھیں اچانک طلب کرے گا۔ ابھی تک تو وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ مارٹن زندہ ہے اور سارے معاملات اسی کی نگرانی میں طے کیے جائیں گے۔"

"لیکن مجھے اجلاس کے بارے میں کیسے معلوم ہوگا؟" اس کی آواز اُلجھن آمیز تھی۔

"ابھی تمھارے فرشتوں کو بھی کچھ معلوم نہ ہو سکے گا۔ بس آخری لمحات پر کہیں طلب کر لی جاؤ گی مگر تم کو ابھی سے اس اجلاس کی فکر کیوں لاحق ہو گئی ہے؟" میں نے قدرے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا چاہ رہی ہوں۔" اُس کی جھلائی ہوئی آواز سُنائی دی۔

"تمھیں تو اب تنظیم کے مفادات سے زیادہ اس کی بیخ کنی سے دلچسپی ہونا چاہیے۔" میں نے اُسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ "مارٹن نے تین آدمیوں کے نام دیے ہیں، اب باری باری ان کو مٹا دینا چاہیے۔"

"تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔" ایک گہرے سانس کے بعد اُس کی آواز سُنائی دی۔ "در اصل میں ان سب کا ایک ساتھ صفایا کرنے کے چکر میں ہوں۔ ابھی ان پر ہاتھ ڈالا تو باہر سے آنے والا ہوشیار ہو جائے گا۔ میں اس کا قصہ بھی مٹانا چاہ رہی ہوں اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجھے اجلاس میں شرکت کا موقع ملے۔"

"اس کے لیے تمھیں تحمل کے ساتھ انتظار کرنا ہوگا۔"

"اور اگر اس دوران میں ان تینوں کو مارٹن کی ہلاکت کی اطلاع مل گئی؟"

"اسے میں سنبھال لوں گا۔ یہ نہ بھولو کہ اس محاذ پر میں خود موجود ہوں بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ فی الحال تم ان تینوں سے دُور ہی رہو، اُن سے میں نمٹ لوں گا۔"

"بس یہ خیال رہے کہ ان پر اوچھا ہاتھ پڑا تو سارا کھیل درہم برہم ہو جائے گا۔"

"تم بے فکر رہو لیکن مجھے اتنا ضرور بتا دو کہ اب روانگی کے لیے تم کتنا وقت لو گی؟"

"بس تم اپنے کاغذات تیار کرا لو۔" اُس کی آواز سُنائی دی۔ "میرا پاسپورٹ موجود ہے، جب چاہوں، ٹکٹ خرید کر سفر پر روانہ ہو سکتی ہوں۔"

"میرا پاسپورٹ کل تیار ہو جائے گا۔" میں نے سُلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس پھر اجلاس کے بعد روانگی کا پروگرام طے سمجھو۔ اس دوران میں یہاں سے یورپ کے جتنے ممالک کے ویزے لے سکتے ہو، لے

لوکیونکہ برطانیہ کے علاوہ دوسرے ممالک میں تمھارے پاسپورٹ کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور برطانیہ سے بھی دوسرے یورپی ممالک کا ویزا نہیں ملتا۔"

"دوسرے ممالک سے مجھے کیا لینا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہمارا معاہدہ دوطرفہ ہے۔" اس کا لہجہ قدرے خشک ہوگیا تھا۔" غزالہ کی واپسی کے بعد ڈان مرسیانو کی تلاش کی مہم میں بھی تمھاری ضرورت پڑسکتی ہے۔"

"اسے میں بھول ہی رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جمی لائیڈ، ڈان مرسیانو کے رُوپ میں تمھارا دیکھا بھالا کردار ہے۔ اُسے تم روم میں براہ راست پکڑ سکتی ہو۔"

"ہونا اسی طرح ہے لیکن تمھیں تیار رہنا ہوگا۔ وہاں کی ضروریات کو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن یہاں اب تم ان تینوں سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کروگی۔ تم فی الحال آرام کرو، انھیں میں خود دیکھ لوں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ مارٹن کا شناختی کوڈ راسپوتین تھا۔"

"یہ تمھیں کیسے معلوم ہوگیا؟" میں نے خوشگوار حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے وقت برباد نہیں کیا ہے۔ مجھے ترتیب وار ان پانچوں کے شناختی کوڈ معلوم ہیں لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ مارٹن راسپوتین ہوگا۔ ترجیحی فہرست میں اس کا دوسرا نمبر تھا۔"

"تنویر، ارشد اور داؤد کے شناختی کوڈ کیا ہیں؟"

"ترتیب وار معلوم نہیں۔ پتا نہیں مارٹن کے بعد ان میں سے کون کمان سنبھالے گا۔ ویسے اگلے تین کوڈ گلیشیئر، لارڈ ڈاینفل اور سانتا کلاز ہیں۔ یہ معلوم کرنا تمھارا کام ہے کہ ان میں سے کون کیا ہے۔"

"یہ تم نے کام کی بات بتائی ہے۔ اب میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔"رہی سہی کسر اجلاس کے موقع پر پوری ہو جائے گی۔"

"لیکن میں ایک بار پھر تم کو وارننگ دے رہی ہوں۔ اس وقت تمھاری رُوپوشی میری اور تمھاری سلامتی کے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ کسی کو تمھاری بھنک بھی مل گئی تو خونی بھیڑیے ہر طرف تمھاری تلاش میں پھیل جائیں گے۔"

"تھینک یو بے بی!" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔"یہ نکتہ مجھے ہر وقت یاد رہتا ہے۔"

سلسلہ منقطع کرکے میں نے اپنے لیے نئی سگریٹ سلگائی اور ایک گوشے میں پڑی ہوئی کرسی پر آبیٹھا۔ سلطان شاہ میری اور دیرا کی گفتگو کی تفصیلات جاننے کے لیے بے چین ہو رہا تھا لہٰذا میں اسے پوری گفتگو کا خلاصہ سنانے لگا لیکن میرا ذہن مسلسل اسی ایک نکتے میں اُلجھا ہوا تھا کہ میں ان تینوں کو ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر یکے بعد دیگرے کیسے زیر کرسکوں گا؟

کافی سوچ بچار اور سلطان شاہ کے ساتھ بحث و تمحیص کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان تینوں کو بے خبری میں گھیرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ مارٹن کی موت کا راز برقرار رکھتے ہوئے اس سے متعلق ہر معاملے کو ایسی خوش اسلوبی سے نمٹایا جائے کہ کسی کو بھی مارٹن کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہوسکے۔ اس کوشش کی کامیابی کی کلید ویرا نے مارٹن اور اس کے ساتھیوں کے شناختی کوڈ فراہم کرکے میرے حوالے کردی تھی۔

اس نئی حکمت عملی کی روشنی میں ان تینوں کو میرا فون کرنا خطرناک ہوسکتا تھا۔ بظاہر تو یہ خاصا سہل معلوم ہوتا تھا کہ میں نمبر ڈائل کرکے سلسلہ مل جانے پر راسپوتین کا کوڈ دُہراؤں جسے سُن کر دوسری طرف والے کو لامحالہ اپنا کوڈ بتانا پڑتا لیکن اس صورت میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ میں اُن تینوں میں سے کسی کی آواز نہیں پہچانتا تھا۔

اُن میں تنویر نہ صرف ملک کا ایک معروف تاجر اور صنعتکار ہی تھا بلکہ واضح سیاسی اثر و رسوخ کا مالک بھی تھا۔ ارشد ایک اہم محکمے میں اعلیٰ سرکاری افسر رہ چکا تھا اور ریٹائرمنٹ کے بعد بظاہر کامیاب سیاسی زندگی گزار رہا تھا۔ داؤد کا نام میرے لیے نیا تھا لیکن یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ باقی دونوں کی طرح وہ بھی معاشرے میں نمایاں مقام رکھتا ہوگا لہٰذا یہ بات یقینی تھی کہ ان کے گھروں میں ان کے خدمت گاروں سے لے کر ذاتی محافظوں تک خاصی نفری موجود رہی ہوگی اور اگر میں اُن کے گھر کے کسی دوسرے فرد کے سامنے اپنا کوڈ دُہرا بیٹھتا تو حالات کو سنبھالنا ناممکن ہو کر رہ جاتا، اس لیے بہتر یہی تھا کہ خاموش رہ کر اُن ہی کی طرف سے کسی رابطے کا انتظار کیا جائے یا انھیں کسی اور تدبیر سے گھیرا جائے۔

سُلطان شاہ انتظار کے بجائے پیش قدمی پر تُلا ہوا تھا۔ اس بارے میں اس کی سب سے مضبوط دلیل یہ تھی کہ برطانیہ روانگی سے قبل ہمارے پاس وقت بہت کم تھا جسے انتظار میں ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ دلیر ہونے کے ساتھ ہی بہت زیادہ جوشیلا بھی تھا، اس لیے میری رائے میں وہ اس مہم کے لیے موزوں نہیں تھا، جہاں دلیری سے زیادہ مکاری کارگر ہوسکتی تھی۔ دوسری طرف میرے باہر نکلنے میں بہت سے نادیدہ خطرات مضمر تھے لہٰذا ہم اسی موضوع پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے مارٹن کی خوابگاہ پر اپنا تصرف جمانے کی تیاریاں کرنے لگے۔



اگلی صبح... کراچی کے اخبارات میں لائیڈز کالج کی تباہی کی خبریں تصاویر سمیت شائع ہوئی تھیں۔ لائیڈز کالج کے مکینوں کو جمی لائیڈ کے مفروضہ سماجی رتبے کی بنا پر سرکاری سطح پر بہت سی مراعات ملی ہوئی تھیں لہٰذا وہاں تباہکاری پھیلتے ہی لاہور کی پوری سرکاری مشینری حرکت میں آگئی تھی پھر وہاں مہلک ہتھیاروں اور بارودی ذخائر کی موجودگی کی علامات سامنے آتے ہی تمام سرکاری حلقے دم بخود رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ عین اُن کی ناک کے نیچے ایک مراعات یافتہ طبقہ اس قدر گھناؤنے اور باغیانہ کام میں ملوث ہوگا۔

معاملے کی سنگینی کے پیشِ نظر یہ امکانات بھی فوری طور پر کھنگال ڈالے گئے کہ کہیں ملکی نظم و نسق یا دفاع سے متعلقہ محکموں نے لائیڈز کالج والوں کو اسلحے کی فراہمی کا کوئی خفیہ ٹھیکا نہ سونپ دیا ہو۔ ہر طرف سے منفی جوابات ملنے کے بعد لائیڈز کالج کا تمام سُلگتا ہوا ملبہ ماہرین کی تحویل میں دے کر اس کے گرد فوج کا کڑا پہرہ لگا دیا گیا لیکن پورے لاہور میں کسی کو علم نہیں تھا کہ لائیڈز کالج کے معاملات پر کس سے جواب طلب کیا جائے گا۔

اطلاعات کے مطابق جمی لائیڈ جو اس عمارت کا واحد قانونی مالک اور دُہری شہریت کا مالک تھا، گزشتہ کئی برسوں سے بیرون ملک مقیم تھا، اس کا پتا یا ٹھکانا کسی کے علم میں نہیں تھا اور نہ ہی لائیڈز کالج کے ملبے سے کوئی زندہ شخص برآمد ہوا تھا، جو اس ہولناک قیامت پر کوئی روشنی ڈال سکتا۔

ماہرین کے مطابق لائیڈز کالج میں ہونے والے دھماکے اس قدر مہیب اور تباہ کُن تھے کہ نہ صرف تمام عمارات کی بنیادیں ریزہ ریزہ ہوگئی تھیں بلکہ وہاں سے ملنے والی بیشتر لاشیں اس بُری طرح مسخ ہوئی تھیں کہ ان کی شناخت ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔ اس طرح لائیڈز کالج کی تباہی حکام کے لیے ایک پُراسرار پہیلی بن کر رہ گئی تھی، جس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

اطلاعات کے مطابق جمی لائیڈ ایک مجرد شہری تھا، جس کے کسی وارث کا کسی ریکارڈ میں کوئی اندراج نہیں تھا۔ ایک اخباری نمائندے نے امکان ظاہر کیا تھا کہ واقعات کی تہ تک پہنچنے کے لیے کئی ایکڑ پر مشتمل اس وسیع رقبے کی جمی لائیڈ کے نام منتقلی کی سرکاری دستاویزات کی تلاش ناگزیر نظر آتی تھی تاکہ اس کی مدد سے متعلقہ فریقوں اور جمی لائیڈ کے گواہوں کی نشاندہی کے بعد تفتیش کا دائرہ وسیع کیا جاسکے۔

خوشی کی بات یہ تھی کہ لائیڈز کالج کے ملبے سے متعدد ممنوعہ اشیاء اور ناجائز اسلحے کے انبار کے ساتھ ہی ہیروئن کی بڑی مقدار کی موجودگی کے آثار بھی ملے تھے۔ ہیروئن پلاسٹک کی تھیلیوں میں ڈال کر واٹر کولروں کی دُہری دیواروں کے درمیان چھپائی گئی تھی۔ دھماکوں کے بعد ہونے والی بھیانک آتش زنی میں سارے واضح شواہد برباد ہوگئے تھے لیکن جو کچھ ہاتھ آسکا تھا اُس کی بنیاد پر حقائق کے بارے میں بہتیرے اندازے لگائے جاسکتے تھے جو رونگٹے کھڑے کردینے کے لیے کافی تھے۔

ایک کثیر الاشاعت روزنامے نے لائیڈز کالج کے ملبے سے برآمد ہونے والے شواہد کی روشنی میں اسلحے کی ناجائز درآمد اور ہیروئن کی بھاری غیر قانونی برآمد کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کردیا تھا کہ اب شاید کبھی جمی لائیڈ یا اُس کے کسی وارث کا کہیں کوئی سُراغ نہ مل سکے کیونکہ اس حوالے سے جو بھی سامنے آیا اُسے لائیڈز کالج کے انسانیت سوز سانحے میں لقمۂ اجل بننے والوں کے ورثا کے عتاب کے ساتھ شرمناک غیر قانونی دھندوں کا حساب بھی دینا ہوگا۔

لائیڈز کالج جیسی محترم اور معتبر عمارت کی بربادی سے افشا ہونے والے سربستہ رازوں کی بنیاد پر اخباری کالموں میں ملک میں تیزی کے ساتھ طاقت پکڑتی ہوئی ڈرگ مافیا کے وجود کی نشاندہی شروع ہوگئی تھی کیونکہ دس کلو ہیروئن کی بین الاقوامی قیمتوں پر برآمد دس ٹن سے زائد اسلحے کی درآمد کے وسائل فراہم کرسکتی تھی۔

سُلطان شاہ شہر کے چند اخبارات میرے حوالے کرکے خود سفری دستاویزات کے حصول کی مہم پر نکل گیا تھا اور میں ان اخبارات کی ایک ایک سطر میں اپنے لیے لذت کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس کر رہا تھا۔ خبریں تو جو تھیں سو تھیں لیکن اخباری تجزیے اور سیاسی اور سماجی زعما کے بیانات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ لائیڈز کالج نے متعدد انسانی جانوں کی بھینٹ لے کر ملک کے ہر ذی شعور شخص کی آنکھیں کھول دی تھیں کہ اگر ہیروئن کی بڑھتی ہوئی تیاری اور عالمی تجارت کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ ہولناک طوفان پورے ملک اور معاشرے کی بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

معاً میرے ذہن میں ویرا کے الفاظ گونجنے لگے۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اُن کی تنظیم اور اُس کے معاونوں نے سادہ لوح قبائلیوں میں طلب اور رسد کے معاشی اصول کی وکالت کرتے ہوئے مقامی خام مال اور بیرونی فنی امداد کے سہارے ہیروئن کی تیاری اور اس پر بھاری منافع کے نظریے کو اس طرح فروغ دیا تھا کہ اب وہ لوگ ہیروئن کی تیاری اور تجارت کو اپنی معاشی بقا کی بنیاد قرار دینے لگے تھے اور ہر اس ہاتھ کو توڑ دینے کے درپے ہوگئے تھے، جو اُن کی دیسی فیکٹریوں کا دشمن تھا۔

ان ظالموں نے وقتی اور مقامی مفادات کو ملکی مفادات

سے لڑادیا تھا۔ خنجر بکف ہُوکی اقلیت کو قدرے خوشحال لیکن نہتی اقلیت کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا اور منافرت کی اس آگ میں اپنے مفادات کو کُندن بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

ویرا کے کہنے کے مطابق ہیروئن کی تیاری ناقابلِ گزر پہاڑوں کی آغوش میں ان تجربہ گاہوں میں ہو رہی تھی، جہاں ایک طرف پتھر اور گارے کے بنے ہوئے کچے مکانوں میں رہنے والیاں اپنے نرم و نازک پیروں کو لہو لہان کر کے میلوں دُور سے وہ لکڑی سروں پر لاد کر لاتی ہیں، جو اُن کے چُولہوں کو روشن کرتی ہے اور دوسری طرف لیبارٹریوں میں لگے ہوئے ریڈار اسکرین اور طیارہ شکن توپیں زمین اور فضا سے ہونے والے کسی امکانی، انسدادی حملے کے خلاف شب و روز چوکنا رہتی ہیں۔

مَیں سطر سطر پڑھتا رہا اور لفظ لفظ سوچتا رہا پھر اچانک ہی فون کی تیز گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ مَیں اخبارات ایک طرف اچھال کر فون کی طرف لپکا اور تیسری گھنٹی سے قبل ہی ریسیور اُٹھا لیا۔

"سانتا کلاز!" ہیلو کے جواب میں ریسیور پر دوسری طرف سے مختصر اور قدرے تحکم آمیز آواز اُبھری اور پھر ریسیور پر سناٹا چھا گیا۔ وہ آواز سُنتے ہی میرے اعصاب میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ آخر کار وہ لمحہ آ ہی گیا تھا جس کا مجھے پچھلی رات سے انتظار تھا اور اب میری صلاحیتوں کا امتحان تھا کہ مَیں سانتا کلاز کو کس حد تک مطمئن کر سکتا ہوں۔

"راسپوتین!" مَیں نے مارٹن کی آواز کی نقل اُتارتے ہوئے اس سے زیادہ تحکمانہ انداز میں کہا۔ "کہو، آج صُبح ہی صُبح کیسے فون کرنے کی ضرورت پیش آ گئی؟"

لحظہ بھر کے لیے لائن پر ایسا اعصاب شکن سکوت چھا گیا جیسے دوسری طرف والے کو سانپ سونگھ گیا ہو پھر اچانک ہی اُس کی خوش دلانہ آواز اُبھری "تم نے اخبارات تو دیکھ ہی لیے ہوں گے۔ اس حادثے نے میرے اعصاب ہلا کر رکھ دیے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی تباہی کیسے نازل ہوئی۔"

"جو ہو گیا اُسے لوٹانا ہمارے بس سے باہر ہے۔" مَیں نے اپنی بدلی ہوئی آواز برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "سوچنا یہ ہے کہ آئندہ ایسے ناگہانی واقعات کا سدِباب کیسے ہو؟"

"یہ آج تمھاری آواز کو کیا ہُوا؟" اس کی چونکی ہوئی آواز سُنائی دی اور میری ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ شاید مَیں روانی میں کوئی غلطی کر گیا تھا۔ کوئی ایسی بات میری زبان سے نکل گئی تھی، جو مارٹن کے مزاج سے میل نہ کھاتی تھی مگر اس نے میری غلطی پکڑنے کے بجائے آواز کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنایا تھا۔ پہلی بار میری آواز سُن کر اس نے ثانیے بھر کا تردد آمیز سکوت اختیار کیا تھا اور دوسری بار خوبصورتی کے ساتھ اپنے شبے کا اظہار کر بیٹھا تھا۔

"کل سے ذرا طبیعت خراب ہے۔" مَیں نے وقت کا کوئی تعین کیے بغیر محتاط انداز میں کہا۔ "لاہور سے ملنے والی اطلاعات نے پریشان کیا ہُوا ہے، وہاں ایک سِرے سے سب ہی صاف ہو گئے۔ سر جوڑ کر بیٹھے بغیر اس واقعے کے اسباب کا کھوج لگانا دُشوار ہی نظر آ رہا ہے۔"

"کاٹج تو پھر سے کھڑا کیا جا سکتا ہے لیکن وان ہوف کی موت ایک معما بن گئی ہے۔" اُس کی آواز اُلجھن آمیز تھی۔ "جو ہاتھ اُسے موت کی نیند سُلا سکتا ہے، وہ جلد یا بدیر ہماری گردنوں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"تمھارے لہجے سے بغاوت اور بُزدلی کی بُو آ رہی ہے۔" مَیں نے تنظیم کے مروّجہ معیار کے مطابق فوری طور پر ترش لہجے میں کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ کچھ اور ہاتھ بھی اس سے زیادہ رسائی رکھتے ہیں۔"

"اوہ! یہ مطلب نہیں تھا میرا۔" وہ جلدی سے بولا تھا۔ "کیا معلوم کہ اس کا قاتل کون تھا پھر اُسے تشدد کے بعد مارا گیا ہے۔ کیا یہ امکان نہیں کہ اس نے مرنے سے پہلے قاتل کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہو۔"

"فکر نہ کرو۔" مَیں نے بےپروایانہ لہجے میں کہا۔ "ایسا ہُوا بھی ہے تو قاتل تم سے پہلے میرے پاس آئے گا۔"

"میں اپنی یا تمھاری بات نہیں کر رہا۔" اس کا لہجہ فوری طور پر مدافعانہ ہو گیا تھا۔ "یہ ہم سب کے لیے ایک مشترکہ خطرہ ہے۔ اگر اس کا سدِباب نہ کیا گیا تو ہماری گردنیں کٹنے کے بعد تنظیم بھی خاصے لمبے عرصے کے لیے قیادت کے بحران میں مبتلا ہو جائے گی۔"

"یہ امکانات ہر ایک کے سامنے ہیں لیکن کارروائی کے آغاز کے لیے کوئی سِرا سامنے نہیں ہے۔ تمھارے ذہن میں کوئی تجویز ہو تو میں کھلے دل سے اس پر بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"تمھاری یہ پیش کش میرے لیے حیران کن ہے۔" اس کی آواز میں ہلکا سا طنز کا عنصر پیدا ہو گیا۔ "ورنہ تم اپنے اختیار میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتے۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ اپنی جگہ تم بھی بےبسی محسوس کر رہے ہو۔"

"اس سے بڑی بےبسی اور کیا ہو گی کہ کاٹج تباہ ہو گیا اور ہم ابھی تک ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔" مَیں نے مضبوط لہجے میں کہا مگر میں دل ہی دل میں اپنی فراخ دلی پر لعنت بھیج رہا تھا جو مارٹن کے مزاج سے میل نہ کھاتی تھی۔ "اس وقت ہم ایک بدترین مشکل سے دوچار ہیں۔ جیپ دلدل میں پھنسی ہو تو افسر اس میں سوار رہ کر محض جوانوں کی کوشش پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ ایسی حماقت سب ہی کو لے ڈوبتی ہے۔ بچنے کے لیے سب ہی کو بساط بھر کوششیں کرنا پڑتی ہیں اور اس وقت مَیں خود کو ایسی ہی کیفیت سے دوچار محسوس کر رہا ہوں۔"



"نہ جانے باہر سے کون آ رہا ہے اور کیا فیصلے ساتھ لا رہا ہے۔ اب تو اسی سے کچھ اُمیدیں وابستہ ہیں۔" اس کی آواز سے مایوسی ٹپکنے لگی تھی۔ "مجھے رہ رہ کر ہول اُٹھ رہے ہیں کہ کاٹج کی تباہی کے بعد کی خاموشی میں کہیں کوئی طوفان انگڑائیاں نہ لے رہا ہو۔۔۔ براؤن شوگر کے فروغ کے ساتھ ساتھ ہر سطح پر اس کی مخالفت بھی زور پکڑتی جا رہی ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی سرپھرے افسر کو کچھ بھنک مل گئی ہو اور اس نے کاٹج کے پُرشکوہ پروٹوکول کے سامنے خود کو بےبس محسوس کرتے ہوئے سب کچھ تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو کہ اس طرح سارے ہی راز خود بخود کھل تحقیقات کی زد میں آ جائیں گے۔"

"ذہن کو اتنا نہ تھکاؤ۔" میں نے سرد اور گمبھیر لہجے میں کہا۔ "کوئی افسر ذاتی مفاد کے علاوہ کسی اور معاملے میں قانونی حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ ایسے دوچار بھی افسر پیدا ہو جائیں تو اس معاشرے میں زندگی بالکل بےکیف اور یک رنگی ہو کر رہ جائے گی۔ تخریب کاری کے علاوہ اس حادثے میں کسی بھیانک غلطی کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم نے ہر پہلو پر نگاہ رکھی ہو گی مگر تازہ ترین معلومات سے مجھے بھی باخبر رکھنا۔ اس حادثے نے سارا سکون غارت کر کے رکھ دیا ہے۔"

"خواب آور دوا کا ایک مناسب ڈوز بہت مؤثر ثابت ہو گا۔ گولیاں کھا کر آٹھ دس گھنٹوں کی گہری نیند سے لو گے تو خود کو تر و تازہ اور دلیر محسوس کرو گے۔"

"گولیاں!" ریسیور پر اس کی خوف زدہ سی ہنسی اُبھری۔ "خدا ہم سب کو گولیوں سے محفوظ رکھے۔ کم از کم تم تو ایسے مشورے نہ دو۔ گولی سے ذہن میں بارود کا تصور جاگ اُٹھتا ہے۔"

"تم کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "بہتر ہو گا کہ اپنی توانائی گفتگو میں ضائع نہ کرو۔"

"اوہ! میں بھول گیا تھا کہ تم مجھ سے برتر ہو۔ مجھے معاف کر دینا۔" اس کی آواز استہزائیہ ہو گئی۔

"مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔ شاید تم بہت زیادہ ڈر گئے ہو۔ بہر حال میں اس گفتگو کو محض اس اُمید پر بھول جانے کی کوشش کروں گا کہ آئندہ تم محتاط رہو گے۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ تم نے اَپریٹس کے بجائے فون استعمال کیا ہے جبکہ شہر کے بیشتر فون نمبر ایک دوسرے سے کراس کنکٹ ہو جاتے ہیں۔"

مجھے اس سے بات کرتے ہوئے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ تنظیم کے پانچ مقامی بڑوں کے پاس حساس ترین ٹرانسمیٹر موجود تھے جن پر ہونے والی گفتگو کو پکڑنا ناممکنات میں سے تھا اور اسی ساخت کا ٹرانسمیٹر وان ہوف کی اس بجیرو میں نصب تھا جو اس نے لاہور میں ویرا کو دی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ مارٹن کے خاتمے کے بعد میں نے اس کے گھر میں ٹرانسمیٹر کی تلاش پر توجہ کیوں نہ دی؟

"مجھے خوشی ہے کہ تمھیں اَپریٹس یاد آ گیا۔ میں دو گھنٹوں سے اس پر تمھارے لیے سگنل نشر کر رہا تھا۔ جواب نہ ملنے کے بعد ہی فون نمبر پر رجوع کیا ہے۔" اس کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اتر رہی تھی۔ "اس غلطی میں تم بھی میرے ساتھ برابر کے شریک ہو کیونکہ میرا کوڈ شناخت کرتے ہی تمھیں مجھ کو اَپریٹس پر رابطہ قائم کرنے کی ہدایت دینا چاہیے تھی۔ تم بڑے ہو، تمھاری ذمے داریاں بھی مجھ سے بڑی ہیں۔"

"ہم دونوں اُلجھے ہوئے ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے کہ ہماری گفتگو تلخی اختیار کرے، ہمیں یہ سلسلہ منقطع کر دینا چاہیے۔"

"میں اپنے بڑوں کا احترام کرتا ہوں، تمھارا یہ حکم ہے تو یہی سہی۔ خدا حافظ۔" اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے بوجھل ذہن کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

باقی ماندہ تین بڑوں میں سے ایک سے بات ہو گئی تھی لیکن مجھے اس کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا تھا پھر اس کا اندازِ گفتگو بھی بہت عجیب تھا جس نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ گفتگو کے طول پکڑنے کے باعث مجھ سے غالباً کئی غلطیاں ہوئی تھیں اور اگر وہ ذرا بھی دماغ رکھتا تھا تو اس کا مشتبہ ہو جانا لازمی تھا۔

اگر وہ میری طرف سے بھڑک گیا تھا تو مارٹن کی قیام گاہ میرے لیے مخدوش ہو چکی تھی۔ وہ اپنے شبہات کی تصدیق یا تردید کے لیے کسی بھی لمحے وہاں نازل ہو سکتا تھا۔

میرا ذہن تیزی کے ساتھ اس مخدوش صورتِ حال کا تجزیہ کرتا رہا۔ آخر کار میں نے وقت ضائع کیے بغیر ویرا سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان نازک لمحات میں فوری طور پر اسی سے کوئی قابلِ قدر مشورہ مل سکتا تھا۔

چھٹا ہندسہ ڈائل کرتے ہی ریسیور پر لائن مصروف ہونے کی مخصوص ٹون سُنائی دی اور میں نے اضطراری طور پر کریڈل دبا کر دوبارہ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

ہر بار ویرا کے نمبر سے انگیج ٹون ہی ملتی رہی اور میرے وجود پر چھایا ہوا اضطراب لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگا۔ میں مشینی انداز میں بار بار اس کا نمبر ڈائل کرتا رہا۔ ذہن میں یہ اندیشہ بھی جنم لے چکا تھا کہ شہر میں پھیلی ہوئی عام وباکی زد میں آ کر کہیں ویرا کا فون خراب ہی نہ ہو گیا ہو لیکن اس ناامیدی کے باوجود میری انگلیاں ڈائل سے اُلجھی رہیں اور آخر کار دسویں بار دوسری طرف سے گھنٹی کی فرحت بخش آواز آ ہی گئی۔

ریسیور فوراً اٹھالیا گیا تھا اور ویرا کی بدلی ہوئی آواز میں ہیلو سُنائی دیا تھا۔

"بلیک ہاک بول رہا ہوں ... فالکن ...!" میں نے طے شدہ کوڈ کے تحت کہا مگر ویرا نے اپنی اصلی آواز میں فوراً ہی میری بات کاٹ دی۔

"میں ابھی تم ہی کو ٹرائی کر رہی تھی، تم کس سے بات کر رہے تھے؟" ویرا کی پُرجوش آواز میں کوئی ایسی غیر معمولی بات تھی جس کی وجہ سے میرا دورانِ خون تیز ہو گیا۔

"تمھارا ہی نمبر ملا رہا تھا، شاید دسویں کوشش میں تم سے رابطہ قائم ہوا ہے۔"

"اوہ! اس سے پہلے میرے پاس ایک اہم کال تھی۔ اس سے بات کرنے کے بعد ہی مجھے تم سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ تم سے کہیں کوئی فاش غلطی ہوئی ہے اور اب تم اس عمارت میں بالکل غیر محفوظ ہو۔ نامعلوم لوگ کسی بھی لمحے تمھارے گرد گھیرا ڈال سکتے ہیں۔"

"اسی سلسلے میں تم کو فون کیا ہے۔" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "سانتا کلاز کے حوالے سے ان تینوں میں سے کسی نے مجھے فون کیا تھا۔ اس سے کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، کبھی اس کا لہجہ خوشامدانہ ہو جاتا تھا اور کبھی استہزائیہ۔ میرا خیال ہے کہ دورانِ گفتگو مجھ سے کچھ ایسی غلطیاں ہوئی ہیں جنھیں اس نے بھانپ لیا تھا۔"

"تفصیل بتاؤ۔" ویرا کی آواز فکرمندانہ ہو گئی۔

میں نے اپنی اور سانتا کلاز کی گفتگو بلاکم و کاست دُہرا دی۔

"اور اسی نے مجھ کو فون کیا تھا۔" میرے خاموش ہونے پر ویرا نے کہا۔ "ساری خرابی یہی چلی آ رہی تھی کہ میں ان سے لاعلم تھی مگر وہ ہر وقت میری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتے ہیں۔ سانتا کلاز خود معزز آدمی ہے اس لیے کسی ڈھول دھپے میں براہِ راست ملوث نہیں ہونا چاہتا۔ اس نے مجھ پر مارٹن کی اصلیت ظاہر کیے بغیر شبہ ظاہر کیا ہے کہ کوئی شخص مارٹن کو زیر کر کے اس کے مکان پر قابض ہو گیا ہے جب کہ مارٹن اور اس کا مکان تنظیم کے لیے بہت اہم ہے۔ مجھے یہ کام سونپا گیا ہے کہ بذاتِ خود وہاں کی صورتِ حال کا جائزہ لوں اور اگر مارٹن مصیبت میں ہے تو اس کی مدد کر کے رہائی دلاؤں۔ کام سے فارغ ہو کر مجھے سانتا کلاز کو رپورٹ دینا ہو گی۔"

"پھر تو کام آسان ہو گیا۔" میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر بعد اسے رپورٹ دے دینا کہ مارٹن اپنے گھر میں دھیل چیئر پر دندناتا پھر رہا ہے۔"

"تم ان کے طریقۂ کار سے واقف نہیں ہو اس لیے مجھے یہ تجویز دے رہے ہو۔" اس کی آواز میں بدستور تشویش نمایاں تھی۔ "وہ براہِ راست مار دھاڑ میں ملوث نہیں ہو گا لیکن ہم سب کی لاعلمی میں نگرانی ضرور کرے گا۔ اس سے اتنا سفید جھوٹ بول کر میں اپنی پوزیشن بھی تباہ کر لوں گی۔"

"پھر مارٹن کے چیتھڑے جوڑ کر اپنی پوزیشن بنانے کی کوشش ہی کر ڈالو۔" میں نے چُبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سب سے پہلے تم وہ ٹھکانا چھوڑ دو، پھر میں دیکھوں گی کہ کیا کرنا چاہیے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں کہاں جاؤں گا۔ پھر میرا ساتھی سفری دستاویزات کی تیاری کے لیے باہر گیا ہے۔ وہ بے خبری میں واپس یہاں پہنچے گا اور بے موت مار لیا جائے گا۔"

"باہر نکل کر تم شاید اسے چوہے دان سے دور روک سکو گے لیکن اندر پھنسے رہ کر تو تم اس کے مارے جانے کا پکا بندوبست کرا دو گے۔ وہ اندر قدم رکھتے ہی دھر لیا جائے گا۔"

"ذرا یہ تو بتاؤ کہ ان تینوں میں سے سانتا کلاز کون ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"وہ تینوں ہی کروڑپتی ہیں اور ملک کے ہر بڑے شہر میں ان کی اقامتی جاگیریں ہیں لیکن میں نے اپنے وسائل سے پتا چلایا ہے کہ ان میں دو کئی دن سے لاہور میں ہیں اور شاید اگلے ہفتے کے وسط سے پہلے کراچی واپس نہیں آئیں گے۔ فی الحال صرف داؤد ہی یہاں رہ رہا ہے اور قوی امکان ہے کہ وہی سانتا کلاز ہے۔"

"تو کیوں نہ میں پہل کر کے اسی پر دھاوا بول دوں؟"

"وہ بھرے پُرے گھر میں ملازمین اور چوکیداروں کی فوج کے ساتھ رہتا ہے۔ میں سارے امکانات دیکھ چکی ہوں۔ اس کے گھر میں رکھوالی کے خطرناک کتّے بھی پلے ہوئے ہیں۔ ان سے مقابلے کی نوبت آ گئی تو شناخت بھی نہ کیے جا سکو گے۔"

"پھر تو تمھارا ہی مشورہ مناسب ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اس سے پہلے کہ وہ میری مستعدی کی آزمائش کے لیے وقت ضائع کیے بغیر وہاں پہنچیں، تم اس مکان سے نکل پڑو۔ مارٹن کے مکان سے ذرا دور، داہنے موڑ پر بازار میں فارمیسی کی ایک دکان پر کسی دیسی ٹانک کے اشتہار پر ہرکولیس کی بڑی سی تصویر آویزاں ہے، بس اسی کے آس پاس رہنا۔"

"کیوں نہ مارٹن کے مکان کو بھی آگ لگا دی جائے۔"

"اس سے کیا حاصل ہو گا؟" ویرا کے لہجے سے ناگواری ٹپک رہی تھی۔

"ان میں تو بس تشویش ہی پھیلے گی مگر آگ کے شعلے سلطان شاہ کے لیے سگنل کا کام کریں گے، اگر وہ کسی اور سمت سے ادھر پہنچا تو عمارت سے دور ہی رہے گا۔ حالات معمول پر رہے تو وہ چوہے دان میں پھنس سکتا ہے۔" میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے تھوڑی دیر اور یہاں ٹھہرنے کی مہلت دے دو تو اس آتش زنی سے ایک بڑا فائدہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے جو ان تینوں کو چین نہ لینے دے گا۔"

"کس فائدے کی بات کر رہے ہو؟"

"میں مارٹن کے ٹرانسمیٹر کو بھولا ہوا تھا۔ اس پر قابض ہو کر مارٹن کے چیتھڑے خاکستر کر دیے جائیں تو ان میں سے کسی کو فوری طور پر مارٹن کی موت کا علم نہ ہو سکے گا اور میں ٹرانسمیٹر پر رابطے کے ذریعے مارٹن بن کر روپوشی کا سوانگ رچا لوں گا۔ اس طرح ان میں سے کوئی قیادت نہ سنبھال سکے گا۔"

"فی الحال گھر سے نکلو، یہ سب بعد میں بھی سوچا جا سکتا ہے۔" اس نے جھلّائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "سلطان شاہ سفری کاغذات بنوانے گیا ہے، ابھی دن کے بارہ بجے ہیں، وہ اندھیرا ہونے سے پہلے واپس نہیں لوٹے گا۔ ہائی فری کوئنسی ٹرانسمیشن کے آلات یقیناً وزنی آہنی صندوق پر مشتمل ہوں گے، اس کو اٹھائے پھرنا ناممکنات میں سے ہو گا۔"

اسی کے ساتھ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

میں بڑی عجلت میں ایک مشین گن اور خودکار پستول ایک تھیلے میں لے کر وہاں سے نکلا تھا۔ ویرا کی ہدایات کچھ اس طرح کھوپڑی میں پیوست ہوئی تھیں کہ باہر جانے کے لیے میں نے پھاٹک کے بجائے عقبی دیوار پھاندنے کا فیصلہ کیا تھا۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ مکان کے عقب میں واقع وہ پتلی سی گندی گلی عملاً ویران ہی پڑی ہوئی تھی اور علاقے کے بیشتر مکینوں نے اپنی قیام گاہوں کے حسن کا بھرم برقرار رکھنے کی نیت سے احاطے کی دیواروں میں گندی گلی کی سمت میں کوئی دروازہ رکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ ان بے چاروں کی یہ مجبوری اس وقت میرے لیے منہ مانگا انعام بن گئی تھی اور میں کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر گندی گلی میں اتر کر دوڑتا ہوا اس کے قریبی سرے کی طرف نکل گیا تھا۔

فون پر ویرا خاصی بوکھلائی ہوئی تھی اور اس نے مجھے مارٹن کے مکان سے فوری طور پر نکل بھاگنے کا مشورہ دیا تھا جسے قبول کرتے ہوئے اضطراری طور پر میں نے فوراً ہی دوڑ لگا دی تھی لیکن باہر آزاد فضا کے عمومی ماحول میں سانس لیتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ داؤد یا سانتا کلاز مجھ جیسا ایک انسان ہی تھا جو چٹکی بجاتے ہی وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آزادی اور خطرے سے نکل جانے کے اس صحت مند احساس کے ساتھ میں تیز گامی ترک کر کے اپنی رفتار کو فوری طور پر اعتدال پر لے آیا اور اب میرا رُخ اسی سمت میں تھا جہاں ایک اشتہاری تصویر کے آس پاس ویرا پہنچنے والی تھی۔

سلطان شاہ کے بارے میں ویرا کی رائے معقولیت پر مبنی تھی اور میں نے اسے من و عن قبول کر لیا تھا۔ وہ پاسپورٹ بنوانے کے ساتھ ہی کئی ممالک کے ویزے بھی حاصل کرنے گیا تھا جو کوئی سہل کام نہیں تھا۔ اپنے ہم رنگ اور ہم زبان اہل کاروں کو نذرانے پیش کرنے کے باوجود ان کاموں میں وقت لگنا لازمی تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اپنے مشن سے اندھیرا پھیلنے تک واپس نہیں لوٹ سکے گا جب کہ اس وقت تک بلکہ اس سے بہت پہلے میرے اور داؤد کے درمیان چھڑی ہوئی سرد جنگ کے گرم ہو کر دوبارہ ٹھنڈے ہو جانے کا قوی امکان تھا۔

میں مارٹن کے مکان سے نکل کر ویرا کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتا ہوا مقررہ سمت میں بازار کی طرف مڑا تو ادھر گھومتے ہی وہ اشتہار نظر آیا جس کا حوالہ ویرا نے دیا تھا۔

ویرا نے طاقت کے یونانی دیوتا ہرکولیس کی قدِ آدم تصویر والے کسی مقوی صحت ٹانک کے اشتہار کا حوالہ دیا تھا لیکن وہاں صورتِ حال ہی بہت مختلف تھی البتہ گاڑی میں ادھر سے گزرتے ہوئے بادی النظر میں وہ دھوکا ہو سکتا تھا جو شاید ویرا کو ہوا تھا۔

ہرکولیس کی تصویر ریگمال بنانے والے کسی ادارے سے متعلق تھی جنھوں نے اپنی مصنوعات کی سخت جانی کے لیے ہرکولیس کی روایتی قوت کو اظہار کا ذریعہ بنایا تھا۔ اس اشتہار کا تعلق ہارڈویئر کی ایک دکان سے تھا جو فارمیسی شاپ سے ملحق تھی۔ طاقت کی دوا کا نسبتاً مختصر سا بورڈ کسی خاندانی فقیر کے جدی نسخے کے حوالے سے اس قدر باریک حروف میں بالتفصیل لکھا گیا تھا کہ اسے اوّل تا آخر پڑھنے کی صورت میں جسمانی توانائی کے ساتھ ہی بینائی بھی زائل ہونے کا خدشہ پیدا ہو سکتا تھا مگر میرے لیے مجبوری تھی کہ ویرا نے ان ہی دو علامات کو یکجا کر کے اپنی آمد کے مقام کا تعین کیا تھا۔ میں نے ٹہلنے کے انداز میں بڑے بورڈ کے مختصر اور چھوٹے بورڈ کے طویل مندرجات کا سرسری مطالعہ کیا تو پہلی رائے یہی قائم کر سکا کہ تصویر کے دھوکے میں دیسی ٹانک کی قدرے زیادہ مقدار معجونِ شباب آور کے طور پر ضرور بک جاتی ہو گی۔ مقویات سے کرخت ریگمال کو فائدہ پہنچنے کے آثار کم ہی نظر آتے تھے۔

میرے لیے مستقل طور پر وہیں رکے رہنا خود کو غیر ضروری طور پر دوسروں کی توجہ کا مرکز بنانے کے مترادف تھا للذا میں

ٹہلتا ہوا ایک بک اسٹال کی طرف ہولیا جو وہاں سے ذرا دور واقع تھا۔

میں اگر اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں تھا تو جاہل مطلق بھی نہیں تھا لیکن تعلیمی مشاغل سے فراغت کے بعد سالہا سال سے ایسے دھندے میں ملوث چلا آرہا تھا کہ مطالعے کی مہلت ہی نہیں مل سکی تھی، زندگی کا ہر سوز اور گداز بس مشاہدے تک ہی مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

بک اسٹال پر پہنچا تو یہ دیکھ کر مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ کراچی کے خوشحالوں کی اس بستی میں اچھی کتابیں بھی اسٹینڈ پر آویزاں تھیں، ان کے صاف ستھرے گرد پوشوں سے دو ہی امکان ظاہر ہورہے تھے۔ اوّل یہ کہ وہ کتابیں تیزی سے بکتی تھیں اور سرورق پر گرد جمنے سے پہلے نئی جلد باہر آجاتی تھی یا پھر ان کتابوں کو سرے سے کوئی چھوتا ہی نہیں تھا۔ میں اس مجموعہ کے مشاہدے اور کتابوں کی خریداری میں ایسا محو ہوا کہ مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔

پھر میں اپنے داہنے شانے پر کسی کے نرم ہاتھ کا دوستانہ دباؤ محسوس کر کے چونکا تو ویرا میرے عقب میں موجود تھی اور سامنے میری منتخب کتابوں کا کئی سیر وزنی ڈھیر جمع تھا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی ویرا کے ہونٹوں پر ریشمیں سی مسکراہٹ تیر گئی لیکن میں اس کی آنکھوں میں چھپی ہوئی الجھن واضح طور پر پڑھ سکتا تھا۔

"یہ کتابیں پسند کی ہیں تم نے؟" اس نے میرے قریب جمع ڈھیر کی طرف اشارا کرتے ہوئے سوال کیا۔

میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا پھر میں نے جلدی جلدی حساب بنوا کر کتابوں کی قیمت کی ادائیگی کی اور وہ وزنی پیکٹ اُٹھائے دکان سے باہر آگیا۔ مشین گن اور پستول کا تھیلا ویرا نے لے لیا تھا۔

"یہ ردی اب کہاں لیے پھرو گے؟" بک اسٹال سے ذرا دور نکل آنے کے بعد تخلیہ میسر آتے ہی ویرا نے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔ "خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے اور تم یہ پلندا بھی ساتھ لے آئے۔"

"وقت گزاری کے لیے کچھ تو کرنا ہی تھا۔ یہ کتابیں تمھاری گاڑی میں پڑی رہیں گی۔ بانٹ دینا کسی کو۔"

"بعض اوقات تم بہت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ایک آدھ کتاب لے کر بھی وقت گزارا جاسکتا تھا لیکن پھر مصیبت کیسے مول لی جاتی۔"

"بلاوجہ کڑکڑا رہی ہو۔" مجھے یک بیک اس پر غصہ آگیا۔



"فکر نہ کرو، یہ تمھارے سر پر نہیں لادوں گا، پورا بنڈل اسی طرح کسی ویران گلی میں چھوڑ دوں گا۔"

"ہر کتاب پر بک ڈپو کی مہر ہوگی اور تم نے اتنی لمبی چوڑی خریداری کی ہے کہ دکان دار کو تمھارا چہرہ یاد رہے گا۔ کتابوں کے حوالے سے پولیس یا تمھارے دشمنوں نے تحقیقات شروع کر دی تو تمھارے زندہ بچ نکلنے کا راز بہ آسانی فاش ہوسکتا ہے۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اپنی جگہ سو فیصد درست اور اٹل تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس معاملے پر میں نے اس انداز میں سوچا ہی نہیں تھا۔ ان کتابوں کو اپنے ساتھ لے جانا واقعی خطرناک ہوسکتا تھا۔ اس سے بہتر تھا کہ کتابیں کسی بہانے سے دکان ہی میں چھوڑ دی جاتیں۔ کتب فروش اس منافع پر حیران تو ضرور ہوتا لیکن دوسروں کو خریدار کے حلیے سے آگاہ نہ کرتا پھرتا مگر اتنی بحث کے بعد ویرا کے سامنے ہتھیار ڈالنا مجھے گوارا نہیں تھا۔

"کتابوں کو مصیبت سمجھ رہی ہو تو میں ابھی ان سے پیچھا چھڑائے لیتا ہوں۔" میں چڑچڑے لہجے میں یہ کہتے ہوئے پلٹ پڑا۔ پھر وہ مجھے روکتی ہی رہ گئی لیکن میں اس کی پروا کیے بغیر سیدھا دکان میں جا پہنچا۔

کتب فروش بڑی خوشی کے ساتھ کچھ دیر کے لیے کتابیں رکھنے کے لیے تیار ہوگیا۔ میں نے اس سے ایک رقعہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ کسی وقت ملازم کے ہاتھ وہی رقعہ بھیج کر کتابیں منگوا لوں گا۔

"اگر تم نے چڑ کر بھی یہ حرکت کی ہے تو بہت مناسب ہے، اس وقت اس سے بہتر حل دشوار تھا۔" وہ مجھے خالی ہاتھ واپس آتے ہوئے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

برہمی کی اداکاری کو طول دینا بے سود تھا لہٰذا میں بھی ہنس کر رہ گیا۔ اس کی گاڑی وہیں موجود تھی جسے وہ خود ڈرائیو کرتے ہوئے آئی تھی۔ میں نے اس کے برابر والی نشست سنبھالی اور کار آگے روانہ ہوگئی۔

"دس منٹ بعد ہی تماشا شروع ہونے والا ہے۔" اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"کیسا تماشا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"مارٹن کے مکان پر تین مسلح آدمی دھاوا بولیں گے۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "دیکھنا ہے کہ اندر گھس کر وہ کیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ ایکسپلوڈر جیسے ہتھیار کے وجود سے لاعلم ہیں۔"

"تمھارے آدمی ہیں؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "داؤد معزز آدمی ہے، وہ کہاں اس دھول دھپے میں پڑتا۔ غنڈہ گردیاں تو اب بیرے ہی لیے رہ گئی ہیں۔"

اس نے گاڑی مارٹن کے مکان سے دور لے جا کر ایک گلی کی اوٹ میں روکی تو میں چونک پڑا۔ "پروگرام کیا ہے تمھارا؟ یہاں تو ہم آسانی سے دیکھ لیے جائیں گے؟"

"یہاں سے مارٹن کا پھاٹک نظر آرہا ہے، داؤد اگر آیا تو مخالف سمت ہی سے آئے گا۔ اگر اس نے عقب سے اندر جانے کا فیصلہ کیا تو بھی اس گلی تک آنے سے پہلے ہی موڑ پر گھوم جائے گا۔ وان ہوف کی موت کے بعد مارٹن کو خطرہ درپیش ہونے کا معاملہ اس کے نزدیک بہت سنگین ہے، میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ نتائج سے براہِ راست باخبر ہونے کے لیے لازمی طور پر یہاں دوڑا آئے گا۔"

"تم اسے پہچانتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مشہور آدمی ہے لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ سانتا کلاز وہی ہے۔"

"تمھارے آدمی مکان میں کدھر سے گھسیں گے؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ان کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوگا۔ جو راہ محفوظ سمجھیں گے وہی اختیار کریں گے۔"

"پھر مجھے چلنا چاہیے۔ میں اندر رہ کر ہی کچھ کرسکوں گا۔ داؤد اگر آیا تو اندر ضرور پہنچے گا۔ ویسے بھی دن کے اجالے میں برابر تمھارے ساتھ دیکھا جانا مناسب نہیں۔ اتفاقاً تم نگاہوں میں آجاؤ تو جواز پیش کرسکتی ہو کہ دور سے اپنے آدمیوں کی کارروائی کی نگرانی کررہی تھیں۔"

"اور اگر اندر ان تینوں نے تمھیں گھیر ہی لیا؟"

"اوّل تو میں ایسی جگہ ٹھکانا بناؤں گا کہ دیکھا جانا محال ہو۔ بالفرض وہ حاوی ہو بھی گئے تو براہِ راست داؤد کی تحویل میں نہیں دیں گے تمھارے پاس لائیں گے۔" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

"لیکن تم ان سے بلاوجہ چھیڑ چھاڑ نہیں کرو گے۔" اس نے تاکیدی لہجے میں کہا۔

"ان سے مجھے سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، میرا اصل نشانہ تو داؤد ہوگا۔ اسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ آئے دن اخبارات میں اس کی تصاویر شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن داؤد کو پکڑنے کی فکر میں اگر تمھارا ایک آدھ آدمی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تو میں ذمے دار نہیں ہوں گا۔"

"ان سے الجھنے سے گریز ہی کرنا، وہ تینوں اوّل درجے کے خونریز ہیں، آوازوں پر نشانہ لگا لیتے ہیں اور جانا ہی ہے تو اب دیر نہ کرو، وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔"

میں نے تھیلے میں سے بھرا ہوا پستول مع فاضل میگزین ساتھ لیا اور گاڑی سے اتر گیا۔ لاابالی انداز میں سگریٹ نوشی کرتے ہوئے میں کسی دشواری سے دوچار ہوئے بغیر اس نیم ویران رہائشی علاقے کی سڑک طے کر کے ایک بغلی راستے پر مڑا اور چند ہی منٹ بعد تنگ اور متعفن گلی میں داخل ہوگیا۔ میں تھوڑی ہی دیر پہلے اس راستے سے باہر فرار ہوا تھا لہٰذا مجھے مارٹن کے احاطے کی دیوار کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور میں گلی میں پھیلی ہوئی مکمل ویرانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پل بھر میں احاطے کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوگیا۔

کچی ریتیلی زمین پر قدرے بلندی سے کودنے پر ایک مدہم سی دھمک پیدا ہوئی تھی جسے دبائے رکھنے کے لیے میں محض اضطراری یا احمقانہ انداز میں چند ثانیوں کے لیے زمین پر اکڑوں بیٹھا رہا مگر اسی لمحے مکان کے اندر سے ایک خفیف سی آواز سنائی دی جیسے کوئی کسی چیز سے ٹکرایا ہو۔

لحظہ بھر کے لیے میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ یہ تصوّر ہی بڑا ہولناک تھا کہ اس ویران مکان میں مجھ سے پہلے کوئی موجود تھا۔

ویرا کے بھیجے ہوئے تین پیشہ ور مسلح غنڈے یا معزز و محترم داؤد؟

میرے ذہن میں وہ سوال گونجا پھر میں نے بوکھلا کر ایک قریبی دیوار کی طرف دوڑ لگا دی تاکہ اندر سے کسی کے نمودار ہونے سے پہلے کھڑکی سے نیچے دیوار کی اوٹ میں پناہ لے سکوں۔ میں نے اپنا بھرا ہوا خودکار پستول نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا اور ذہنی طور پر کسی بھی لمحے گولی چلانے کے لیے تیار تھا۔

میں چوکنے انداز میں اس دیوار کی اوٹ میں وہیں بیٹھا اپنے اطراف میں نظریں دوڑاتا رہا۔ اس وقت میری کیفیت غول سے بچھڑے ہوئے ایسے کسی خونخوار بھیڑیے جیسی ہو رہی تھی جسے اپنے اوپر درندوں کے حملے کا خطرہ ہو اور وہ سفاک خود اختیاری کے تحت کلہریوں تک کو جبڑے میں دبانے پر تلا ہوا ہو۔

میرے کان مکان کے اندر سے اُبھرنے والی کسی موہوم ترین آہٹ کے منتظر تھے لیکن لمحے سرکتے رہے اور پھر کچھ نہ سنائی دیا۔ اس اعصاب شکن انتظار سے تھک کر میں اپنا مورچہ تبدیل کرنے کے امکانات پر غور کر ہی رہا تھا کہ احاطے کی عقبی دیوار کے پیچھے گندی گلی میں سے ایک کھوپڑی دیوار سے اوپر طلوع ہوتی نظر آئی اور میں نے ذرا بھی تاخیر کیے بغیر ایک اوٹ کی طرف چھلانگ لگا دی۔

اس وقت مارٹن کے خالی مکان میں میرے علاوہ مزید

دو فریق دلچسپی لے سکتے تھے۔ ان میں سے ایک غالباً مکان کے اندر موجود تھا اور دوسرا گندی گلی سے اندر کا جائزہ لینے کے بعد دیوار پھاندنے کے فراق میں تھا۔ ایک فریق سہ نفری تھا اور دوسرا ایک نفری۔ ان کی آپس میں کوئی عداوت نہیں تھی مگر میں ان کا مشترکہ نشانہ بن سکتا تھا۔

اگر گلی سے اندر آنے کی کوشش کرنے والے تین تھے تو اس مختصر سی اوٹ میں اس ٹولی کی نگاہوں سے بچے رہنا میرے لیے ناممکن تھا۔ وہ مجھے للکار بیٹھتے تو میں اپنی تمام تر مستعدی کے باوجود بیک وقت ان تینوں کو زیر نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے خواص ویرانے مجھے بتا دیے تھے۔ وہ ان پیشہ ور لوگوں میں سے تھے جو مارنے کے ساتھ مرنا بھی جانتے تھے اور اپنے ایک آدھ ساتھی کو گنوا کر بھی مجھے زیر کر لیتے تو اسے اپنی سچی فتح ہی تصور کرتے۔

میں نے اس اوٹ میں چھپے رہ کر کسی نامساعد صورت حال کا اندازہ کرنے کے بجائے فوری طور پر عمارت اور احاطے کی دیوار کے درمیان واقع ویران گلیارے میں دوڑ لگا دی جو درمیان میں مالی کا کمرہ حائل ہو جانے کی وجہ سے دیوار سے اندر آنے والے فریق کی نگاہوں سے فوری طور پر محفوظ تھا۔

اس گلیارے میں دوڑتے دوڑتے اچانک ایک ایسا مقام آیا جہاں عمارت کی دیوار سیدھی چلنے کے بجائے کم از کم پندرہ بیس فٹ کی لمبائی میں خاصی اندر واقع اس درمیانی عدم تسلسل کے بعد دیوار دوبارہ احاطے کی دیوار کے متوازی پرانے فاصلے پر آ گئی تھی۔

میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً اس خلا میں ہو لیا۔

"رکو۔" اچانک مجھے اپنے عقب میں دور سے کسی کی للکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ورنہ میں گولی مار دوں گا۔ میں نے اچھی طرح تمھیں دیکھ لیا ہے۔"

میں وہیں آڑ میں دبکا اپنے چڑھے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا اس اثنا میں گلیارے میں رک رک کر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز گونجنے لگی تھی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔

اُس وقت میرا ذہن کسی کمپیوٹر کی سی تیزی کے ساتھ کام کرنے میں مصروف تھا نووارد نے اتنی دور سے مجھے للکار کر میرے لیے بھیانک خطرات کھڑے کر دیے تھے نہ صرف وہ خود میرے تعاقب میں تھا بلکہ اس نے اندر والے دوسرے فریق کو بھی میری موجودگی سے مطلع کر دیا تھا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک تھم تھم کر قریب آتی جا رہی تھی اور میں اس ابتدائی مرحلے پر اپنی کمین گاہ سے نکل کر سپاٹ گلیارے میں دو بدو کھلی فائرنگ کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا کیوں کہ اس طرح ہر ایک کی توجہ بس اسی ایک محاذ پر مرکوز ہو جاتی اور میرے بچ نکلنے کے امکانات عملاً مفقود ہو کر رہ جاتے۔

پھر میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک فیصلہ کیا اور سب سے قریب موجود ایک بڑی کھڑکی کا شیشہ پستول کے آہنی دستے کی ضرب سے پاش پاش کر دیا۔ ٹوٹتے ہوئے شیشے کے ٹکڑے پُرشور آواز میں عمارت کے اندرونی پختہ فرش پر گرے تھے۔ اسی کے ساتھ میں ایک پائپ کے سہارے اس یک منزلہ عمارت کی چھت پر چڑھتا چلا گیا۔

اس وقت میں دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہا تھا کہ ٹوٹے ہوئے شیشے کے اس پار کوئی ایسا کھلا راستہ ہو کہ وہ سب مجھے عمارت کے اندر ہی ڈھونڈتے رہ جائیں۔ شیشے کے ٹکڑے اتنی تیز آواز کے ساتھ اندر گرے تھے کہ اب ہر ایک کا اس طرف متوجہ ہونا ناگزیر ہو گیا تھا۔

چھت پر پہنچتے ہی پنجوں کے بل آگے بڑھ کر میں نے چند فٹ اونچی دیوار کی اوٹ سے محتاط انداز میں نیچے جھانکا تو گلیارے میں دوڑتے ہوئے قوی الجثہ شخص کی کھوپڑی براہِ راست میرے نشانے پر تھی اور وہ مجھ سے بے خبر تھا لیکن میں کوئی کارروائی کیے بغیر اس کا جائزہ لے کر دوبارہ وہیں دبک گیا۔

بھاگتے ہوئے شخص کے قدموں کی آواز اس اوٹ میں پہنچی جہاں گھس کر میں اس کی زد سے بچا تھا پھر وہاں سناٹا چھا گیا۔ شاید وہ کھڑکی کا ٹوٹا ہوا شیشہ دیکھ کر کچھ سوچے سمجھے بغیر اندر گھس گیا تھا۔

وقتی طور پر خطرہ ٹل گیا تھا مگر یہ بات یقینی تھی کہ مجھے دیکھ لینے والا اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتا جب تک مجھے تلاش نہ کر لیتا۔ اس کی کوششیں موقوف ہونے کا بس ایک ہی امکان تھا کہ اس کی مڈبھیڑ پہلے سے اندر موجود اس شخص سے ہو جاتی جس کی کوئی آہٹ سن کر میں چونکا تھا۔

میں دل ہی دل میں اس سچویشن کا تصور کر کے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ویرا کے بھیجے ہوئے تینوں آدمی اگر داؤد کے پیچھے لگ جاتے تو میں اوپر بیٹھا چین کی بانسری بجاتا رہتا اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی صورت حال نے اس قدر غیر متوقع انداز میں قلابازی کھائی تھی کہ میرا اندر داخل ہونے کا مقصد فوت ہو کر رہ گیا تھا۔ کسی محفوظ مقام سے اندر کی صورت حال کا جائزہ لینے کے بجائے مجھے چھت پر محصور ہو کر بیٹھنا پڑ گیا تھا اور اس صورت حال سے فوری گلو خلاصی کی کوئی اُمید نظر نہیں آ رہی تھی۔

کچھ دیر تک اپنے اوسان بحال کرنے کے بعد میں نے آہستہ آہستہ اس طرف سرکنا شروع کر دیا جدھر برآمدہ واقع تھا۔ خوش نصیبی کی بات یہ تھی کہ وہ عمارت اندر سے اچھی طرح میری دیکھی بھالی تھی اور میرا اندازہ تھا ویرا کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں سے کم از کم ایک ضرور برآمدے پر قابض رہنے کی کوشش کرے گا تاکہ اندر کوئی موجود ہو تو ادھر سے فرار نہ ہو سکے۔

ابتداء میں ادھر سکوت ہی چھایا رہا مگر میں اٹھ کر نیچے جھانکنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اگر کوئی اوپر کی طرف متوجہ ہوتا تو میری ایسی کوشش خودکشی کے مترادف ہو سکتی تھی۔

کافی دیر کے صبر آزما اور اعصاب شکن انتظار کے بعد نیچے سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"پتا نہیں چھلاوے کی طرح کہاں غائب ہو گیا؟" ایک آواز سنائی دی۔

"ساری ہی عمارت چھان ڈالی ہے۔ تجھے وہم ہوا ہو گا۔ چڑیا کا بچہ بھی ہوتا تو ہماری نگاہوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔" دوسری آواز میں ہلکی سی ناگواری نمایاں تھی جیسے اسے ساری بے ثمر بھاگ دوڑ گراں گزری ہو۔

"وہم" میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے اُسے بھاگتے دیکھ کر اُس کا پیچھا کیا تھا،" پہلا بھنّا کر بولا تھا۔ "بس ذرا سی آڑ ملتے ہی وہ شیشہ توڑ کر اندر ایسا غائب ہوا کہ ہاتھ ہی نہ آ سکا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اندر کوئی تہ خانہ رہا ہو۔" یہ کوئی تیسری فکرمندانہ آواز تھی۔

"اس امکان کو بھی دیکھ لیا۔ بظاہر تو اندر کوئی تہ خانہ نہیں ہے۔" دوسرے کی آواز سنائی دی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے ان تینوں ہی کی کھوپڑیوں پر برف جم کر رہ گئی تھی کسی کو بھی چھت کا خیال نہیں سوجھا تھا۔

"پھر ہم کب تک یہاں جھک مارتے رہیں گے ؟" پہلا اپنے ساتھیوں کے حوصلہ شکن رویّے سے بیزار معلوم ہو رہا تھا۔ "اب وہ نکل ہی گیا ہے تو ہم کب تک یہاں بیٹھے اس کی جان کو روتے رہیں گے ؟"

"میری دانست میں تو واپس لوٹنا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم رپورٹ کیا دیں گے ؟" تیسرے نے سوال کیا تھا۔

"ہمیں یہی تو دیکھنا تھا نا کہ یہاں کون موجود ہے — بس بتا دیں گے کہ ایک لاش کے ناقابل شناخت چیتھڑوں کے علاوہ کوئی اور بھی تھا جو دھوکا دے کر صاف نکل گیا۔" یہ تجویز پہلے کی تھی۔

"اور ہم تین ہوتے ہوئے بھی ہاتھ ملتے رہ گئے ؟"

اس نکتے پر ان میں بحث چھڑ گئی۔ ایک کا خیال تھا کہ واپس جا کر شکار کے فرار کی کہانی سُنانا اپنی نااہلی کے اعتراف کے مترادف ہو گا۔ جب کہ باقی دو بضد تھے کہ جو کچھ ہوا وہ جان بوجھ کر نہیں کیا گیا کبھی کبھار ناکامی بھی ہو ہی جاتی ہے جس کی پاداش میں سُولی نہیں چڑھایا جا سکتا۔

اس مباحثے میں قدرے گرمی بھی پیدا ہوئی جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ تینوں ہی خاصے تند خُو تھے اور بات بڑھ جانے پر آپس میں بھی لڑ سکتے تھے لیکن وہ نوبت آنے بغیر انھوں نے روانگی سے پہلے ایک بار پھر اندر کی بھرپور تلاشی کا فیصلہ کیا اور اس بار ان تینوں کی آوازیں اندر جا کر معدوم ہو گئیں۔

ذہنی طور پر انھوں نے عمارت میں کسی حریف کی موجودگی کو اس حد تک خارج از امکان سمجھ لیا تھا کہ ان میں سے کسی نے بھی نگرانی کے لیے باہر رکنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

تقریباً دس منٹ تک عمارت کے مختلف حصّوں سے بھانت بھانت کی آوازیں آتی رہیں۔ شاید اس بار وہ بے رحمی کے ساتھ گھر کا چپّہ چپّہ چھان مارنے کا تہیّہ کر چکے تھے اور میں اوپر بیٹھا ان کی جھلاہٹ سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔

آخر کار وہ ایک بار پھر بے نیل و مرام واپس لوٹے اس بار ان کی گفتگو میں مغلظات نمایاں تھیں۔ جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ وہ واپس لوٹنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو میں نے اپنی جگہ تبدیل کر کے عقبی سمت میں ایک کمین گاہ تلاش کی اور انھیں اپنی آنکھوں کے سامنے یکے بعد دیگرے عقبی گلی میں کودتے دیکھتا رہا۔

پھر میں مزید اتنی دیر تک چھت پر دبکا رہا کہ وہ تینوں مارٹن کے مکان سے اتنی دُور نکل گئے ہوں کہ مجھے چھت سے اُترتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔ سامنے اور بغلی سمتوں سے نیچے اُترنے کی صورت میں کسی پڑوسی یا راہگیر کی نظروں میں آنے کا امکان تھا لہٰذا میں نے اپنے پرانے ہی راستے کو ترجیح دی اور پستول جیب میں ڈال کر نیچے اُترنے لگا۔

"ہینڈز اَپ۔" قدم زمین پر لگنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ گرج دار آواز سُن کر میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں پھرتی کے ساتھ پیچھے گھوما تو ایک تنومند نقاب پوش مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر موجود تھا اور اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ہتھیار کا دہانہ میری طرف اٹھا ہوا تھا۔

وہ ہتھیار بظاہر عجیب سا نظر آتا تھا مگر میرے لیے

نیا نہیں تھا۔ وہ ویرا نے وان ہوف سے حاصل کیا تھا اور پھر پہلی بار مارٹن پر استعمال کر کے اس کے بدن کو بے شمار چیتھڑوں میں تبدیل کر دیا تھا۔

غیر ارادی طور پر میرے دونوں ہاتھ اپنے سر سے بلند ہوتے چلے گئے۔

"وہ اُلو کے پٹھے تھے کہ خالی عمارت کے در و دیوار سے سر ٹکرا کر واپس لوٹ گئے مگر میں نے پہلے ہی تمھیں اوپر جاتے دیکھ لیا تھا۔ مجھے پوری اُمید تھی کہ تم میدان خالی پا کر پچھلی سمت ہی سے اُترنے کی کوشش کرو گے۔ اب ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔" اس نے زہریلی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو؟" میں نے اپنی تشویش پر قابو پاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"سوال کرنے کا حق اُسے ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں ہتھیار ہو۔" وہ تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔

"تو لاؤ یہ ایکسپلوڈر مجھے دے دو، میں صرف تین سوال کروں گا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

اُس کے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا تھا لہٰذا میں اُس کے تاثرات تو نہ دیکھ سکا لیکن جب وہ بولا تو مجھے یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ میری زبان سے اپنے ہتھیار کا ذکر سُن کر حیران رہ گیا تھا۔

"ایکسپلوڈر سے واقفیت کا اظہار کر کے تم مارٹن کے قتل کا اعتراف کر رہے ہو۔"

"میں اُس کے قتل کا گواہ ضرور تھا۔ قاتل کوئی اور تھا۔" میں نے بغور اُس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"مگر مارٹن کی موت کے بعد اس عمارت پر تم ہی قابض تھے؟"

"مجبوری تھی ــــ لاش کو اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔" میں نے بدستور پُرسکون رہتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہو اور کس کے لیے کام کر رہے ہو؟" اُس کے اس سوال نے میرے ذہن سے سارے شکوک صاف کر دیے۔ اپنے ہاتھ میں ایکسپلوڈر دے کر اُس نے مجھے اپنے مرتبے کا احساس دلانا چاہا تھا لیکن مجھے اس کا کسرتی بدن دیکھ کر ہی گھپلے کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ داؤد نہیں تھا۔ اگر وہ داؤد یا سانتا کلاز ہوتا تو اُسے مجھ سے میرا نام دریافت کرنے کی ضرورت ہرگز پیش نہ آتی۔ تنظیم کا بڑا ہونے کی حیثیت میں اس کو فوراً مجھے پہچان لینا چاہیے تھا۔

اِس کا مطلب تھا کہ سانتا کلاز نے بھی اپنے طور پر آدمی رکھے ہوئے تھے اور اس کے بارے میں ویرا کا قیاس غلط تھا۔



جو شخص مجھے ایکسپلوڈر کی زد پر لیے کھڑا تھا، وہ یقینی طور پر داؤد کا کوئی بہت ہی خاص کارندہ تھا ورنہ داؤد اپنا مخصوص ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہرگز نہ دیتا۔

"ایکسپلوڈر جیب میں رکھ لو۔" اُس کے مرتبے کا اندازہ لگاتے ہی میں نے پینترا بدل کر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تم کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔ تمھیں جن لوگوں کے لیے بھیجا گیا تھا انھیں جاتے دیکھتے رہے اور مجھے باندھنے کی فکر میں ہو۔"

"بکواس مت کرو۔" اُس نے اپنے لہجے میں تحکم پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنا کام اچھی طرح جانتا ہوں جو پوچھ رہا ہوں اُس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

"میری بات نہیں مانتے تو اندر چلو، میں ابھی داؤد صاحب سے بات صاف کرائے دیتا ہوں۔" میں نے پورے اعتماد اور سنجیدگی کے ساتھ کہا اور وہ میری زبان سے داؤد کا نام سُنتے ہی چونک پڑا۔

"کک . . . کون داؤد؟ میں کسی داؤد صاحب کو نہیں جانتا۔ مجھے تم جھانسا نہیں دے سکو گے۔" اس نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا لیکن اس کے لہجے میں کھوکھلا پن تھا۔

"لو وہ خود ہی آ گئے۔" میں نے ایک بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ سر کو قدرے خم دے کر نگاہوں سے اس کے پیچھے اشارہ کیا۔ میرے اعتماد سے دھوکا کھا کر وہ غیر ارادی طور پر پیچھے گھوما تھا اور میں نے پوری قوت کے ساتھ اس کی کمر پر لات جڑ دی۔ وہ کسی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا منہ کے بل نیچے گرا تھا۔

میں نے بڑھ کر جوتے کی ایڑی سے اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر اتنی شدید ضرب لگائی کہ ایکسپلوڈر اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا جس پر میں نے بلا تاخیر قبضہ کر لیا اسی کے ساتھ اس کی پیشانی پر بھی ایک ٹھوکر رسید کر دی تھی۔

بے خبری میں کیے جانے والے وار کی وجہ سے وہ مار کھا گیا لیکن پھرتی کے ساتھ زمین سے اُٹھ کر وہ میری طرف پلٹا تو اس کی کیفیت کسی درندے کی سی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے میری طرف بڑھ رہا تھا۔

"میں تجھے فنا کر دوں گا۔" وہ قہر اور نفرت سے لبریز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "داؤد ایک ایسا نام ہے جسے دُہرا کر تُو نے اپنی موت کو للکارا ہے ورنہ شاید تو میرا قیدی ہی رہتا . . ."

"رکو، رک جاؤ، ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے ایکسپلوڈر اس کی طرف تان کر کہا مگر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اندھا اور بہرا ہو گیا ہو۔ وہ بڑبڑاتا ہوا کسی دیو پیکر درندے کی طرح مجھے پیس ڈالنے کی نیت سے آگے بڑھتا ہی رہا اور میں نے مجبوراً اُس کے پیٹ پر فائر کر دیا۔

اگر میں اُچھل کر فوراً ہی دُور نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس کے خون اور لوتھڑوں میں سنا گیا ہوتا۔ گولی بدن میں پیوست ہوتے ہی اس کا جسم کسی بم کی طرح اچانک پھٹ گیا تھا۔

سلطان شاہ کی واپسی سورج غروب ہونے کے بعد کافی دیر سے ہوئی تھی اور میں اُسے دُور سے پہچان کر مارٹن کے مکان سے تھوڑی دور روکنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

کار رکتے ہی میں دروازہ کھول کر تیزی سے اندر نشست پر گرا تھا۔

"خیریت تو ہے، باہر کیا کر رہے تھے؟" اُس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

میں اسے اختصار کے ساتھ اُن واقعات سے آگاہ کرنے لگا جو اُس کے چلے جانے کے بعد میرے ساتھ پیش آئے تھے اور مجھے مارٹن کے مکان کو خیرباد کہنا پڑا تھا۔

"اوہ، خاصا ہنگامہ ہوا ہے۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولا۔ "لیکن اُسے مار ڈالنے کے بعد اندر روپوش رہنے میں کیا خطرہ تھا۔ بظاہر مکان ویران رہتا مگر تم اندر ہی چھپے رہتے؟"

"داؤد کو اب تک اپنے آدمی کے واپس نہ لوٹنے سے تشویش لاحق ہو گئی ہو گی۔" میں نے کہا۔ "ویرا نے اُسے اپنے آدمیوں کی رپورٹ سے آگاہ کر دیا ہو گا جس میں کسی نقاب پوش کی موجودگی کا ذکر نہیں تھا جب وہ ایک آدمی کو بھیج سکتا ہے تو اُس کی تلاش میں دوسرا ابھی روانہ کر سکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اب تک اس کا کوئی آدمی مارٹن کے مکان میں داخل ہو کر دوسری لاش دریافت کر چکا ہو گا جب کہ مارٹن کے چیتھڑوں کی خبر اُسے ویرا نے دے دی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ داؤد صاف بچ گیا؟"

"فی الحال تو یہی سمجھ لو، یہ بتاؤ کہ تمھارے کام کا کیا رہا؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"پاسپورٹ بن گئے لیکن ویزا کا کام دقت طلب ہے۔ میں نے دونوں پاسپورٹ ایک ٹریول ایجنٹ کو دے دیے ہیں۔ ہمیں ٹکٹ اسی سے لینے ہوں گے اور وہ واجبی معاوضے پر کل تک زیادہ سے زیادہ ویزے لگوا دے گا۔"

"گڈ۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "اٹلی کا ویزا بہت اہم ہے، وہ ضرور لگنا چاہیے۔"

"مجھے یاد تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کل شام تک سارا کام ہو جائے گا۔ آج رات مجھے کرائے کی رقم ٹریول ایجنٹ کے گھر پر پہنچانی ہو گی۔ نشستیں کب کی کرا لوں؟"

"اب تو اس شہر نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، یہاں چھپتے پھرنے سے بہتر ہو گا کہ ہم کل رات ہی یہاں سے لندن کے لیے روانہ ہو جائیں۔" میں نے کہا۔

"تو کیا ویرا ساتھ نہیں جائے گی؟" اُس نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ بعد میں آئے تو اچھا ہے۔ میں نے اُسے تمھاری روانگی کے بارے میں نہیں بتایا ہے۔ ہم دونوں سکون سے ایک ساتھ سفر کر سکیں گے، وہ تنظیم کی میٹنگ اور داؤد کے معاملات نمٹا کر آ جائے گی۔"

"لیکن اس سے رابطہ کہاں اور کیسے ہو گا؟"

"وہ سب ہو جائے گا، تم فکر نہ کرو۔" میں نے کہا۔ "میں اُس کا لندن کا فون نمبر اور پتا لے لوں گا۔ اسی کے ساتھ براہِ راست غزالہ سے ملاقات کا طریقہ بھی معلوم کر لوں گا۔"

وہ سر ہلا کر رہ گیا لیکن اُس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس بارے میں کسی اُلجھن کا شکار تھا لیکن میں نے اس وقت اُسے مزید کُریدنا مناسب نہ سمجھا۔

صدر کے ایک پبلک کال آفس کے قریب میں نے کار رکوالی اور وہاں سے ویرا کا نمبر ملا کر اسے اشارے میں اپنے ساتھی کی بخیر و عافیت واپسی کی اطلاع دیتے ہوئے واضح کر دیا کہ میں کال آفس سے بول رہا تھا۔

"میں تمھارے فون کی بے چینی سے منتظر تھی۔" جواب میں اُس کی آواز آئی۔ "اب کیا پروگرام ہے تمھارا؟"

"شب بسری کی فکر کی جائے گی۔" میں نے کن انکھیوں سے قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"فی الحال تم سیدھے ہل پارک پہنچو۔" اس کی آواز اُبھری۔ "میرے پاس ایک بہت اہم اطلاع ہے، میں آٹھ بجے تک وہاں پہنچ کر تم سے ملوں گی۔"

"کیسی اطلاع؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تھوڑی دیر پہلے لندن سے ایک خبر ملی ہے بس آ کر بات کروں گی۔"

میں پوچھتا ہی رہ گیا لیکن وہ عجلت میں معلوم ہوتی تھی۔ اُس نے گڈ بائی کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے دل میں لندن کے حوالے سے تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ نہ جانے وہ کیا اہم اطلاع تھی۔ اگر اس کا تعلق غزالہ سے

سکا تو . . .

اس سے آگے میں کچھ نہ سوچ سکا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ کچھ پریشان نظر آرہے ہو؟" سلطان شاہ نے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"کچھ نہیں، بس ہل پارک چلو۔" میں نے کہا۔

کار خاموشی سے ہل پارک کی طرف چل پڑی اور میں خیالات کی رَو میں ڈوب گیا۔

**موسم** خوشگوار تھا اور ہلکی ہلکی ہوائیں چل رہی تھیں مگر ہل پارک زیادہ آباد نہیں تھا۔ خاص طور پر پارکنگ لاٹ تو تقریباً خالی ہی پڑی ہوئی تھی۔ اس سے پرے گھاس کے قطعات پر کہیں کہیں شہر کے بے فکروں کی ٹولیوں سے اُبھرنے والے شور و غل اور قہقہوں سے فضا کچھ آباد لگ رہی تھی۔ پارکنگ فیس ادا کر کے سلطان گاڑی کو ایسے حصّے کی طرف لیتا چلا گیا جہاں سے ویرا کی گاڑی بہ آسانی نگاہوں میں آسکتی تھی۔

"اب بتاؤ کہ یہاں کیوں آئے ہو؟" اگنیشن آف کر کے سلطان شاہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"ویرا نے بلایا ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "تھوڑی دیر میں وہ خود بھی یہاں پہنچنے والی ہے۔"

"کیا کوئی بہت خاص بات ہے؟" اس نے ٹٹولنے والی نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تو وہی بتا سکے گی۔ اسے لندن سے کوئی خاص پیغام ملا ہے اسی سلسلے میں بات کرنے کے لیے وہ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والی ہے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"لندن سے؟" وہ چونک پڑا۔ "بھابی کو بھی تو لندن ہی بھیجا ہے نا اس نے؟"

"مجھے بھی یہی فکر لاحق ہو گئی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "فون پر اس نے کوئی تفصیل نہیں بتائی۔ بظاہر تو لندن سے بس غزالہ ہی کا تعلق ہے۔ خدا کرے کہ وہ خیریت سے ہو۔ سر پھری لڑکی ہے۔ خود کو خطرے میں محسوس کر کے کوئی بھی بڑے سے بڑا قدم اُٹھا سکتی ہے۔"

"اب میں سمجھا کہ تم اتنی دیر سے خاموش کیوں ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید تم خاموشی کے ساتھ روانگی کی منصوبہ بندی کر رہے ہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"اس پوری مہم میں شاید اب تک غزالہ ہی کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ماں کو کینسر کا شکار ہوئی، بھائی پاگل ہوا، باپ نے خودکشی کر لی اور وہ قیدی ہے۔ اب اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں ویرا کو چوٹی سے پکڑ کر اس وقت تک کراچی کی گلیوں میں گھسیٹتا پھروں گا جب تک وہ سسک سسک کر جان نہ دے دے۔"

"اس طرح ان زیادتیوں کا ازالہ تو نہ ہو سکے گا۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"بس۔" اس کی زبان سے زیادتیوں کا ذکر سنتے ہی مجھے پہلی بار طیش آگیا۔ "کسی اور موضوع پر بات کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے آنے سے پہلے ہی میں اپنا ذہنی توازن کھو کر کوئی انتہائی قدم اُٹھا ڈالوں۔"

وہ اندھیرے میں بس مجھے گھور کر رہ گیا۔ اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میری طرف اُٹھیں پھر مجھے اپنی طرف نگراں پا کر اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف گھما لیا۔

مجھے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ میں اشتعال کی حالت میں اس کے ساتھ زیادتی کر بیٹھا تھا جو شاید اس کی طبیعت پر بھی گراں گزری تھی۔

"میرا مقصد تمھاری دل آزاری نہیں تھا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کہا۔ "آج کل میرے لیے غزالہ کی پریشانی بہت زیادہ تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ یہاں رہتے ہوئے میں بالکل بے بس ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کرتا ہوں کہ اپنے ذہن کو کسی اور طرف مصروف رکھوں . . ."

"مجھے اندازہ ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر دھیمی اور سنجیدہ آواز میں بولا۔ "غلطی میری ہی تھی اور تمھیں مجھ کو ٹوکنے کا پورا پورا حق تھا۔ تم اس سے بھی کڑا لہجہ اختیار کرتے تو میں برا نہ مانتا۔"

اس کا لہجہ اس وقت اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میری بات اسے بری لگی تھی لیکن میں نے اس وقت بات بڑھانا مناسب نہ سمجھا۔ اس بارے میں پھر کسی وقت بات کر کے اسے منایا جا سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر گاڑی سے نیچے اتر گیا۔

کچھ عرصے پہلے تک صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ میں اپنے سارے وسائل اور صلاحیتوں کے ساتھ ہر اس شخص کے لہو کا پیاسا ہو رہا تھا جو تنظیم کے مفادات کا ذرا بھی پاسدار تھا۔ ان دنوں ویرا اپنے کلیدی کردار میں میرے خلاف سرگرم عمل تھی اور اگر میرے بارے میں اس کی ذاتی پسند آڑے نہ آئی ہوتی تو وہ شاید میرا خاتمہ بھی کر سکتی تھی لیکن پچھلے چند روز میں حالات نے ہمیں ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا کہ بظاہر میری اور اس کی منزل ایک ہی نظر آرہی تھی۔ اس سازگار ماحول سے پہلے ہی وہ مجھے لگام دینے کی نیت سے بدقسمتی سے غزالہ کو اغوا کر کے بیرونِ ملک بھجوا چکی تھی۔

اب میں جلد از جلد ملک سے باہر جا کر غزالہ سے ملنا چاہتا تھا مگر ویرا تنظیم کی بیخ کنی پر تلی ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ مل کر لائیڈز کلب کی تباہی پر بادلِ ناخواستہ آمادہ ہوئی تھی مگر وہاں زیرِ زمین راستوں سے ایک خفیہ کمرے میں پہنچ کر جب اس نے جمی لائیڈ کی تصویر دیکھی تو وہ سراپا انتقام بن گئی کیونکہ منشیات کی بین الاقوامی تجارت کرنے والے گروہ کا سرغنہ جمی لائیڈ اس کا باپ تھا جسے وہ صورت سے نہیں پہچانتی تھی لیکن وہ ویرا کو جانتے بوجھتے ہوئے ڈان مرسیانو کے روپ میں ان راستوں پر ہانکتا رہا جہاں آبرو اور اخلاق کے ہر تصور سے عاری ہو کر انسان محض پیسہ کمانے کی مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ ڈان مرسیانو کے حوالے سے ماضی کی یادیں ویرا کے لیے بہت تلخ تھیں۔

لائیڈز کلب راکھ کا ڈھیر ہوا پھر وان ہوف مارا گیا۔ اس کے بعد پانچ بڑوں میں سے دوسرے کی باری آئی اور مارٹن بھی جہنم واصل ہو گیا لیکن وہ مرتے مرتے ویرا کو باقی تینوں بڑوں کے نام بتا گیا تھا۔ قرائن بتا رہے تھے کہ ویرا پاکستان چھوڑنے سے قبل ان تینوں کا بھی صفایا کرنا چاہتی تھی۔ اس بارے میں وہ داؤد کی راہ پر لگ چکی تھی لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب محض ویرا کے انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے میں مزید وقت برباد نہیں کروں گا۔

میں انھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک ایک کار میرے قریب آکر رُکی اور میں چونک کر اچھل پڑا۔ میرے ذہن میں فوری طور پر خطرے نے ہی سر اُبھارا تھا لیکن پلٹتے ہی مجھے آنے والی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ویرا براجمان نظر آئی اور میں گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ شاید اس نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور ہی سے مجھے یا میری کار کو پہچان لیا تھا اور سیدھی اسی طرف بڑھتی چلی آئی تھی۔

"اسی طرف آجاؤ۔" ویرا نے انجن بند کرتے ہوئے کہا اور میں خاموشی سے دروازہ کھول کر اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔

"کیسی خبر لائی ہو؟" میں نے بیٹھتے ہی خشک لہجے میں براہِ راست کام کی بات چھیڑ دی۔ اس وقت میرے لیے خود پر قابو پائے رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔

"پروگرام تبدیل ہو گیا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "کلب کی تباہی کے بعد وان ہوف اور مارٹن کے قتل نے انھیں بوکھلا کر رکھ دیا ہے۔ یہاں کے خطرناک اور غیر یقینی حالات کے پیشِ نظر باہر سے آنے والے نے اپنا پروگرام فی الحال منسوخ کر دیا ہے اور داؤد کو لندن طلب کر لیا ہے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"اب اہم فیصلے لندن ہی میں کیے جائیں گے۔" وہ بلا توقف بولے جا رہی تھی۔ "مارٹن کے بعد اب داؤد مقامی سربراہ ہے اور وہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے جانا چاہتا ہے۔"

آخری اطلاع میرے لیے حوصلہ افزا تھی لیکن میں نے ویرا پر اپنی خوشی کا اظہار کیے بغیر سوال کیا۔ "لیکن تم کو تو میرے ساتھ جانا تھا۔ ایسا تو نہیں کہ اب تم نے ارادہ بدل دیا ہو؟"

"ساتھ جانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس کے کندھے پر سوار ہو کر جاؤں گی۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "چاہو گے تو میں تمھارے ساتھ چلی جاؤں گی لیکن بہتر یہی ہو گا کہ میں داؤد کے ساتھ سفر کروں۔ کھل کر سامنے نہ آنے میں یہ بڑی خرابی ہوتی ہے کہ . . . چاہتے ہوئے بھی وفاداری کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ لندن پہنچتے ہی ہم ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ تمھیں غزالہ تک پہنچانے میں زیادہ وقت صرف نہیں ہو گا۔"

"لیکن میں لندن میں تمھیں کہاں تلاش کرتا پھروں گا؟"

"لندن میں میرا قیام امپیریل ہوٹل میں ہو گا۔ رسل اسکوائر کے ٹیوب اسٹیشن سے چند قدم کے فاصلے پر۔ تم وہاں پہنچ سکو گے، چاہو تو مجھے فون کر لینا۔"

"اور تم وہاں پہنچو گی کب تک؟" میں نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ کل ہی روانہ ہونا پڑے۔" اس نے کہا۔ "پروگرام کا انحصار داؤد پر ہو گا۔"

"بالفرض تم سے رابطہ نہ ہو سکے تو غزالہ تک رسائی کی کیا صورت ہو گی؟"

"وہ لندن میں نہیں، برمنگھم کے قریب کاؤنٹری نامی قصبے میں ہے، براہِ راست رسائی کی کوشش میں معاملہ خراب بھی ہو سکتا ہے۔ نئے شہر میں غلط لوگوں سے ٹکرا گئے تو دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔ داؤد کل نہیں تو پرسوں ہر قیمت پر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ موجودہ حالات سے وہ خود بھی خوفزدہ ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ نکل بھاگنے کے اس موقع سے پہلی فرصت میں فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے گا۔"

”وہ سب درست ہے مگر تم تفریحاً تو لندن نہیں جا رہی ہو کہ دن رات ہوٹل کے کمرے میں بیٹھی میری فون کال کا انتظار کرتی رہو گی۔ وہاں پہنچتے ہی تمھیں کسی اگلی منزل کے لیے سفر جاری رکھنے کا حکم مل سکتا ہے یا تم لندن ہی میں اجلاس میں مصروف ہو سکتی ہو۔ ایسی صورت میں میں وہاں کیا کروں گا؟“ میں نے سوال کیا۔

”تم مفروضہ موضوعات پر زچ کر دیتے ہو۔“ وہ بے بسی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولی۔ ”میرے بارے میں تازہ ترین معلومات تمھیں شیفرڈز بش کے علاقے میں ایسکیوز آرمز نامی پب کے بارٹینڈر سے مل سکیں گی۔ انڈے جیسی شفاف کھوپڑی والا ادھیڑ عمر اور دراز قامت انگریز ہے نام جیکب میکفرسن ہے مگر عام طور پر لوٹی کہلاتا ہے۔“

”وہ براہِ راست تو مجھے ایک لفظ بھی نہ بتائے گا۔“

”میں پہنچ گئی تو خود ہی اسے تمھارے بارے میں باخبر کر دوں گی۔ مجھ سے پہلے تم پہنچ جاؤ تو میگی ہاروے کے بوائے فرینڈ کے طور پر اپنا تعارف کرانا۔ تم اس کا رویہ دوستانہ پاؤ گے۔“

”یہ میگی ہاروے کیا بلا ہے؟“ میں اس بار اس سے الگ ہونے سے پہلے پوری معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

”کچھ نہیں، بس یہ آپس کا ایک شناختی کوڈ ہے۔ وہ سمجھ لے گا کہ تمھیں میں نے اس سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایت کی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی تمھاری ہی لائن کا آدمی ہے؟“

”اب اتنی تفصیل میں نہ جاؤ۔“ وہ چڑ کر بولی۔ ”ذرا ذرا سی بات پر یوں ہی جرح کرتے رہے تو یہ موضوع ساری رات بھی ختم نہ ہو سکے گا۔ تمھارے لیے اتنا کافی ہے کہ لندن میں تمھارے لیے ایک رابطہ موجود رہے گا۔“

”مجھے تمھارے ذاتی معاملات سے کوئی غرض نہیں۔“ میں نے اس کا موڈ خراب ہوتے دیکھ کر نرم اور مکّارانہ لہجے میں کہا۔ ”میں صرف اتنا جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ اگر تمھارے مشاغل سے باخبر ہے تو شاید ان لوگوں کو بھی جانتا ہو جو کاؤنٹری میں غزالہ کی میزبانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔“

”مفاہمت کے بعد ایسی قیاس آرائیاں بے سود ہیں۔“ وہ بولی۔ ”انگلینڈ میں غزالہ تک پہنچنے کی کوئی محفوظ اور سہل ترکیب ہوتی تو میں خود ہی تم کو آگاہ کر دیتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری طرف سے تمھارے ذہن میں اب بھی شبہات کارفرما ہیں۔“

”تم غلط سمجھ رہی ہو۔ تمھارے نزدیک غزالہ کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا میرے لیے اس لیے ہو سکتا ہے کہ کوئی سامنے کی بات تمھاری نگاہوں میں آنے سے رہ گئی ہو۔ بس اسی خیال سے پوچھ لیا تھا۔“

”پھر تم کب روانہ ہو رہے ہو؟“ اس نے موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا۔

”روانگی تو بعد کی بات ہے، پہلے اٹلی اور دوسرے ممالک کا ویزا لگوانا ہوگا۔ اس کے بعد ٹکٹ خریدنے کی نوبت آئے گی۔ آج کل تو میں ویسے بھی قلاش ہو رہا ہوں۔“

”فکر نہ کرو۔“ وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ ”پچھلی نشست کے پائیدان میں ایک پیکٹ پڑا ہوا ہے، اس میں پچاس ہزار کے بڑے نوٹ اور ایک سادہ کریڈٹ کارڈ موجود ہے۔ تم بی بی گلمور کی حیثیت سے وہ کارڈ کہیں بھی استعمال کر سکو گے۔“

”چوری کا کارڈ ہے؟“ میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

”کروڑوں کے کھیل میں ایسی چوریاں نہیں کی جاتیں۔ تنظیم کے اکاؤنٹ پر وہ کارڈ باقاعدہ جاری ہوا ہے۔ نام فرضی تھا اب اتفاق سے تمھارے کام آ جائے گا۔“ وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ ”اس پر تم ایک وقت میں ایک جگہ سے پانچ ہزار ڈالرز تک کی خریداری کر سکو گے۔“

”لیکن کہیں ضرورت پیش آ ہی گئی تو میں بی۔ سی۔ گلمور کی حیثیت سے خود کو شناخت کیسے کرا سکوں گا، میری ساری سفری دستاویزات تو اصل نام پر تیار ہوئی ہیں۔“

”دُہری شخصیت۔“ وہ ہلکا سا قہقہہ مار کر بولی۔ ”کارڈ استعمال کرتے ہوئے بھول جانا کہ تم ڈینی ہو۔ کارڈ جاری کراتے ہوئے یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اسے تنظیم کا کوئی اہم کارندہ ہی استعمال کرے گا لہٰذا کارڈ کے ساتھ دو دستاویزات بھی موجود ہیں جو تم کو بی۔ سی گلمور قرار دیں گی بس تمھیں ایک فارم پر اپنی تصویر چسپاں کرنا ہوگی ویسے اتنا بتاتی چلوں کہ اس درجے کا کریڈٹ کارڈ ہما شما کے پاس نہیں ہوتا اس لیے عام طور پر شناخت کا مطالبہ توہین سمجھا جاتا ہے۔ بے اعتمادی سے کام لیا جائے تو اصل کارڈ استعمال کرنا بھی محال ہو جاتا ہے۔“

میں پچھلی نشست کے پائیدان سے رقم کا پیکٹ اٹھانے کے لیے پیچھے مڑا ہی تھا کہ اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ ویرا کی سمت میں عقبی دروازے کے قریب ایک قوی الجثہ شخص نجانے کب سے کھڑا ہماری گفتگو سُن رہا تھا۔ ویرا گفتگو میں اتنی منہمک رہی تھی کہ عقب نما آئینے میں بھی اسے اجنبی کا عکس نظر نہیں آ سکا تھا میرے ردِعمل میں کوئی ایسی نمایاں بات تھی کہ ویرا بھی چونک پڑی۔ ”کیا بات ہے؟“

لیکن اس سے پہلے کہ میں ویرا کے سوال کا جواب دیتا، اجنبی پھرتی کے ساتھ اپنی سمت کا دروازہ کھول کر عقبی نشست پر سوار ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کا داہنا ہاتھ جیب سے باہر آ گیا جس میں پستول دبا ہوا تھا۔

”تم کون ہو؟ یہ کیا بدتمیزی ہے؟“ ویرا پلٹ کر برہمی کے ساتھ غرّائی تھی مگر اجنبی کے ہاتھ میں موجود پستول کی جھلک دیکھتے ہی اس کی آواز دم توڑ گئی۔

”زندگی عزیز ہے تو دونوں خاموشی کے ساتھ اپنی نشستوں پر بیٹھے رہو اور جو ہدایت ملے اس پر بے چون و چرا عمل کرتے رہو ورنہ میں کراٹے کے ایک ہی وار میں اپنے حریف کی گردن توڑ دینے میں مہارت رکھتا ہوں۔ ضرورت پیش آئی تو فائر کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔“

”تم کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟“ معاملے کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہی ویرا کے لہجے میں تبدیلی آ گئی تھی مگر فکر مندوہ اب بھی نظر نہیں آتی تھی۔

”یہاں سے گاڑی نکالو، پھر سب معلوم ہو جائے گا۔“ وہ سرد لہجے میں بولا۔

ویرا کی سمت میں پارکنگ لاٹ کی طرف جگہ نہ صرف خالی بلکہ نسبتاً تاریک تھی، اسی وجہ سے اجنبی کو خاموشی کے ساتھ ادھر سے پیش قدمی کا موقع مل گیا تھا۔ میری کار اسی سمت میں پارک کی ہوئی تھی جدھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ سلطان شاہ بدستور اسٹیئرنگ وھیل پر براجمان تھا اور شاید تازہ صورتِ حال سے باخبر بھی کیونکہ دونوں گاڑیوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ نہیں تھا اور ہوا کے دوش پر ہماری آوازیں اس کے کانوں تک پہنچتی رہی ہوں گی مگر اجنبی کوئی گفتگو کیے بغیر اچانک نازل ہوا تھا پھر کار کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی ویرا کی کار میں ایک فرد کا اضافہ اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھا یہ بات یقینی تھی کہ سلطان شاہ نے اجنبی کو کار میں داخل ہونے سے پہلے نہیں دیکھا ہوگا ورنہ اسے پستول کے بل پر ہم پر یوں مسلط ہونے کی مہلت ہی نہ مل پاتی اور وہ باہر ہی دھر لیا جاتا۔

دوسرا قابلِ غور نکتہ یہ تھا کہ اجنبی کی ساری توجہ ہم دونوں پر ہی مرکوز تھی اور اس نے ویرا کو وہاں سے کار نکالنے کا حکم دینے تک اپنی گفتگو میں ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ سلطان شاہ ہمارے ساتھی کے طور پر اس کی نگاہوں میں آ چکا تھا۔ اگر وہ ابتدا سے میرا تعاقب کر رہا ہوتا تو نہ صرف میری ذات بلکہ گاڑی بھی اس کی نگاہوں میں آ چکی ہوتی اور وہ ہم پر ہاتھ ڈالتے ہوئے سلطان شاہ کو ہرگز نظر انداز نہ کرتا۔

آثار سے یہی پتا چل رہا تھا کہ وہ ویرا کا تعاقب کرتے ہوئے ہل پارک تک پہنچا تھا پھر اس کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کار کے قریب تاریکی میں چھپ کر میری اور اس کی گفتگو سُنتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں پچھلے پائیدان سے رقم کا پیکٹ اٹھانے کے لیے گردن نہ گھماتا تو شاید وہ مزید کچھ دیر مداخلت کیے بغیر ہماری گفتگو سُنتا رہتا۔

اس پورے قصّے میں سلطان شاہ کے بچے رہنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ویرا کی آمد سے قبل وہ میرے غصیلے لہجے پر قدرے ناراض ہو گیا تھا اور میں اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے اسے کار میں بیٹھا چھوڑ کر کھلی ہوا میں نکل آیا تھا۔ اس طرح جب ویرا وہاں پہنچی تو میں براہِ راست اس کی گاڑی میں جا بیٹھا۔ سلطان شاہ یا دوسری گاڑی کی طرف رجوع کرنے کی نوبت ہی نہیں آ سکی۔

حالات کے پیشِ نظر مجھے قوی شبہ تھا کہ وہ کوئی چلتا پھرتا چور اُچکا نہیں تھا کراچی میں مشین گن اور کلاشنکوف کے بل پر ڈاکے تو پڑنے لگے تھے لیکن نوبت یہاں تک نہیں پہنچی تھی کہ معمولی اُچکے اور رہزن وزنی پستولوں سے لوگوں کو ہراساں کرتے پھریں۔ البتہ بھتہ زوری، ہیروئن اور دیگر منشیات کے لین دین میں روا تھی۔ ہیروئن کا کام کرنے والے دوسروں کو نشے کا عادی بناتے بناتے خود اس قدر سنگ دل بلکہ بے حس ہو چکے تھے کہ اپنے مفاد کو خطرے میں دیکھتے ہی شہر کی بھری پُری بستیوں میں جیتے جاگتے انسانوں کو یوں خاک و خون میں نہلاتے تھے جیسے وہ انسان نہیں،

مٹی کے بے جان پُتلے ہوں۔

ویرا کی نیّت جو کچھ بھی رہی ہو لیکن بظاہر وہ ہیروئن فروشوں کی بین الاقوامی بساط پر ایک اہم رتبے پر فائز تھی اور پاکستان میں اس کے ملک گیر مفادات کی نگراں بھی بنی ہوئی تھی۔ وان ہوفت اس سے ٹکرا کر فنا ہو چکا تھا' مارٹن معذور نہ ہوتے ہوئے بھی بڑی بُری موت کا شکار ہوا تھا اور اب داؤد مقامی سربراہ تھا۔

شاید اسے ویرا پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ اس نے مارٹن کی موت کی تصدیق کے لیے ویرا کو استعمال کیا تھا۔ ویرا کے تین خونخوار تنخواہ دار مارٹن کی لاش کے چیتھڑے دریافت کر کے لوٹ گئے مگران کی نگرانی کے لیے آیا ہوا' داؤد کا آدمی میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا وہی موت اس کا بھی مقدر بنی تھی جو مارٹن کے حصے میں آئی تھی۔ ویرا نے اپنے آدمیوں کی بھاگ دوڑ کے نتیجے سے تو داؤد کو آگاہ کر دیا ہوگا لیکن اس کی کہانی میں داؤد کے آدمی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

مارٹن کی موت کی تصدیق داؤد نے ویرا سے کرائی اور ویرا کی کہانی کی تصدیق کے لیے وہ اپنے آدمی کی واپسی کا منتظر رہا ہوگا جو جہنّم واصل ہو چکا تھا۔

اس کی واپسی نہ ہونے پر داؤد کا تشویش میں مبتلا ہونا لازمی تھا اس نے یقینی طور پر صورتِ حال جاننے کے لیے پھر کسی کو مارٹن کے ویران مکان میں بھیجا ہوگا اور اس بار لوٹنے والے نے اسے دو لاشوں کے چیتھڑوں کی کہانی سُنائی ہوگی۔

ایکسپلوڈر کے استعمال سے لاش کے ٹکڑے ضرور اُڑ جاتے تھے لیکن ان لوتھڑوں سے اعضا کی شناخت دشوار نہیں تھی کہ وہ کتنے مقتولین کے جسموں سے جدا ہوئے ہوں گے پھر مارٹن خواب گاہ میں ویرا کے فائر کا نشانہ بنا تھا اور دوسرا مارٹن کے مکان کے عقبی حصے میں میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

دونوں مختلف اوقات میں مارے گئے تھے مگران کا حشر یکساں ہوا تھا' دونوں کے ایکسپلوڈر جائے واردات سے غائب تھے۔ واقعات کی وہ یکسانیت داؤد کے ذہن میں ویرا کی طرف سے شبہات کو جنم دینے کے لیے کافی تھی لہٰذا اس نے اپنا ایک آدمی' بلکہ امکانی طور پر وہی آدمی جس نے مارٹن کے مکان میں دوسری لاش کی موجودگی کی اطلاع دی ہوگی' ویرا کی نگرانی پر مامور کر دیا اور دوسری طرف فون پر اس کو یہ پیغام بھی دے دیا کہ اسے کسی بھی لمحے داؤد کے ساتھ لندن روانہ ہونا ہے۔

میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا ویرا' اجنبی کی ہدایت پر کار کا انجن اسٹارٹ کر کے ہل پارک کی طویل ڈھلوان سڑک عبور کر کے داہنی طرف شہیدِ ملّت روڈ پر نکلنے کے بجائے

اندرونی راستوں پر کار ڈرائیو کر رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس طرح ویرا کو بے یقینی کی کیفیت سے دوچار کر کے داؤد نے زبردست نفسیاتی حربہ آزمایا تھا۔ اگر شہر میں ویرا کی کچھ خفیہ مصروفیات تھیں تو لامحالہ اس کی کوشش یہی ہونا چاہیے تھی کہ لندن روانگی سے قبل اپنی ذمّے داریاں کسی اور کو سونپ دے یا اپنے پھیلے ہوئے کام نمٹانے کی فوری کوششیں شروع کر دے۔

اس مرحلے پر عیار ویرا' داؤد کے دام میں آ گئی اور مجھ سے ملاقات کے لیے نکل کھڑی ہوئی اور اس کا پیچھا کرنے والے نے ہم دونوں کی گفتگو سے ہمارے باہمی تعاون اور ویرا کے باغیانہ رجحانات کا اندازہ لگاتے ہی موقع پا کر ہمیں بے بس کر لیا تھا۔

پوزیشن اتنی نازک تھی کہ وہ مسلح تھا اور عقبی نشست پر براجمان تھا۔ مجھے گردن گھمانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ویرا تو شاید رہ رہ کر عقب نما آئینے کی طرف نظریں اُٹھا کر اسی کو دیکھ رہی تھی مگر مجھے اس مردود کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا نہ ہی یہ معلوم تھا کہ سلطان شاہ ہمارے تعاقب میں آ رہا تھا یا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

اجنبی' سلطان شاہ کے وجود سے لاکھ بے خبر سہی لیکن میں نے اس کے کریہہ چہرے کی جو ایک جھلک دیکھی تھی' اس سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ پیشہ ور مجرم تھا۔ اس اعتبار سے اس کی پیشہ ورانہ جبلّت کا تقاضا تھا کہ ہم دونوں کو اغوا کرتے ہوئے وہ تعاقب کے موہوم سے امکان کو بھی اپنی نظروں میں رکھے۔

مگر وہ مسلسل خاموش تھا۔ راستوں کے بارے میں ویرا کو مختصر ہدایات دینے کے علاوہ کچھ نہیں بول رہا تھا جس کا مطلب یہی تھا کہ یا تو سلطان شاہ نے تعاقب نہیں کیا تھا یا پھر اجنبی اپنی پوری کارروائی کے بارے میں اس قدر پُراعتماد تھا کہ کار روانہ ہو جانے کے بعد اس نے ہم دونوں پر سے توجہ ہٹا کر پیچھے دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی تھی۔

پیچھے دیکھنے کی صورت میں اسے یہ خطرہ بھی رہا ہوگا کہ کہیں ویرا عقب نما آئینے میں اس کی لمحہ بھر کی عدم توجہی بھانپ کر کوئی ایسا کاری وار نہ کر گزرے کہ جیتی ہوئی بازی اس کے ہاتھ سے جاتی رہے۔

چند منٹ کی اس قلیل سی مدّت ہی میں میرے اعصاب بُری طرح چٹخنے لگے اور میں نے اس کی برہمی کی پروا کیے بغیر کار میں چھایا ہوا سکوت توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

"گاڑی ہل پارک سے کافی دور نکل آئی ہے' یار! اب تو کچھ بتا دو۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"منزل پر پہنچ کر سب سامنے آ جائے گا۔ فی الحال بکو اس



بند رکھو۔" اس نے کٹکھنے کُتّے کی طرح غرّاتی ہوئی آواز میں کہا اور لمحہ بھر کے لیے پستول کی سرد آہنی نال میری گردن سے آلگی جو چبھو کر فوراً ہی ہٹا لی گئی۔

"اگر... اگر تمھیں یہ لڑکی پسند ہے تو اسے جہاں جی چاہے لے جاؤ' مجھے یہیں اتار دو۔" میں نے جھجکنے کی اداکاری کرتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "بس گوری چمڑی کے چکّر میں مارا گیا۔ مجھے پتا ہوتا کہ تم جیسے لوگ بھی اس کے پیچھے ہیں تو ہرگز اس سے دوستی نہ کرتا۔"

"بزدل"، خلافِ توقع ویرا نفرت انگیز لہجے میں بول پڑی۔ "پستول دیکھتے ہی سارا عشق ہوا ہو گیا؟ شرم بھی نہیں آتی کہ خود سے مجھے اس کے حوالے کرنے پر تل گئے ہو۔"

"تمھیں تو وہ لے ہی جا رہا ہے' میں بے چارہ بلا وجہ کیوں مارا جاؤں؟" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

"اے لڑائی بند کرو۔" وہ ڈپٹ کر غرّایا۔ "یہ ناٹک نہیں ہے دو منٹ پہلے لندن میں ملنے کے پروگرام بن رہے تھے' اب بلّیوں کی طرح لڑ رہے ہو... یہ اداکاری نہیں چلے گی۔"

"اداکاری نہیں' یہ حقیقت ہے بھائی!" میں کراہا۔ "یہ مجھے پٹّی پڑھا رہی تھی کہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر خاموشی کے ساتھ اس کے ہمراہ لندن فرار ہو جاؤں' بس پھر وہاں ہمارے عیش ہی عیش ہوں گے۔"

"اے مسٹر!" اس بار ویرا غصیلے لہجے میں اجنبی سے مخاطب ہوئی تھی۔ "میں اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کر سکتی۔ میں گاڑی روک رہی ہوں' تم اسے گولی مار کر یہیں پھینک دو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے واقعی بریکوں پر ہلکا سا دباؤ ڈال دیا۔ وہ اس وقت غضب کی اداکاری کر رہی تھی.........

اجنبی سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ایسا کوئی منصوبہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا لیکن ویرا نے موقع سے زبردست فائدہ اُٹھایا تھا۔

"بریک چھوڑو۔" وہ اضطراری طور پر غرّایا۔ "ورنہ گولی مار دوں گا۔" اس بار اس نے قدرے آگے جھک کر پستول کی نال ویرا کی پسلیوں میں پیوست کر دی تھی۔

وہ صورت برقرار تھی۔ میں نے سُرعت کے ساتھ سوچا کہ مارٹن کے مکان میں میرے ہاتھوں مرنے والے نقاب پوش کی طرح اجنبی بھی مجھے ڈینی کی حیثیت سے نہیں پہچانتا تھا ورنہ اب تک اس کا اظہار کر چکا ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ داؤد کا آدمی تھا تو ہیروئن کے وسیع کاروبار سے ضرور واقف رہا ہوگا۔

ان دو نکات کے روشن ہوتے ہی اپنی کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے میری زبان ایک بار پھر چل پڑی۔ "اسے مار ہی دو تو بہتر ہے۔ یہ خوبصورت لڑکی نہیں' ایک فتنہ ہے۔ اپنے سحر میں الجھا کر مجھے تقریباً آمادہ کر لیا تھا کہ میں دو چار کلو ہیروئن ساتھ لے کر لندن جاؤں گا اور یہ مجھے کروڑ پتی بنا دے گی۔ موت کو سامنے دیکھ کر مجھے ہوش آیا ہے کہ میں اس سفید کُتیا کے چکّر میں کیا کرنے والا تھا۔"

ویرا نے اپنی پسلیوں میں اڑے ہوئے پستول کی نال کے دباؤ کی پروا کیے بغیر بایاں ہاتھ گھما دیا جو خاصی شدّت کے ساتھ میرے سینے پر پڑا اور میں بے اختیار کراہتا ہوا آگے جھک گیا۔

اسی لمحے ویرا نے نہایت عامیانہ انداز میں بازاری گالیاں بکتے ہوئے سختی سے بریک لگایا۔ اجنبی اپنی تمام تر سخت گیری کے باوجود اس صورتِ حال سے بوکھلایا ہوا تھا۔ بریک لگنے کے جھٹکے سے پستول کی نال ویرا کی پسلیوں سے نکل گئی اور اجنبی' ویرا کی سیٹ کی پشت گاہ کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔

میرے لیے وہ مہلت غنیمت تھی' میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی کلائی تھام کر اس قدر شدید جھٹکا دیا کہ پستول اس کی گرفت سے نکل کر گیئر لیور سے ٹکراتا ہوا اگلے پائیدان میں آ گرا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اسی لمحے میرے کانوں سے سلطان شاہ کی متوحش آواز ٹکرائی۔ میں نے پستول اُٹھاتے ہوئے گردن گھما کر دیکھا تو وہ اپنی کار ویرا کی گاڑی کے برابر میں لے آیا تھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا تم پیچھے آؤ۔" ویرا نے تقریباً چیخ کر کہا۔ اس وقت تک وہ اپنی تھمتی ہوئی کار کی رفتار دوبارہ بڑھا چکی تھی لیکن اسی لمحے اجنبی کسی وحشی گینڈے کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ مجھے اتنی مہلت ہی نہ مل سکی کہ میں پستول کو پوری طرح اپنے قبضے میں لے سکتا' وہ میرے ہاتھ سے نکل کر ایک بار پھر پائیدان میں آ گرا۔

اجنبی کسی جونک کی طرح مجھ پر چھا جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنا پورا وزن مجھ پر ڈالا ہوا تھا اور میں اگلی نشست میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ ذہن پر یہ خوف بھی مسلّط تھا کہ وہ بدمعاش غیر مسلح ضرور ہو چکا تھا لیکن کراٹے میں اپنی مہارت کا اعلان بھی کر چکا تھا اگر اسے ایک ہی بھرپور ہاتھ دکھانے کا موقع مل جاتا تو ویرا اس کے رحم و کرم پر تنہا رہ جاتی۔ اس خطرناک صورتِ حال میں بس یہی ایک احساس تقویت کا باعث تھا کہ سلطان شاہ بھی ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس کی گاڑی میں وہ ایکسپلوڈر میگزین سمیت موجود تھا جو میں نے مارٹن کے مکان میں نقاب پوش کو ہلاک کر کے حاصل کیا تھا۔

قریب تھا کہ شہ زور اجنبی مجھ پر پوری طرح حاوی ہو جاتا اور میں اس کے توانا بازوؤں اور پشت گاہ کے درمیان جکڑ کر رہ جاتا کہ ویرا نے کام دکھا یا۔ اس نے اجنبی کے جسم کے سی بہت ہی نازک اور حساس حصے پر بائیں ہاتھ سے ایسی کھلی ضرب لگائی

تھی کہ ایک کرب ناک چیخ کے ساتھ اس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔

اس کی خون آشام گرفت ڈھیلی پڑتے ہی میں سیٹ میں پنجوں کے بل پوری قوت سے اوپر اچھلا اور میری ٹکر اندازے کے عین مطابق اس کے چہرے پر پڑی' وہ ایک غراہٹ کے ساتھ عقبی نشست پر گر گیا اور میں پھرتی کے ساتھ پائیدان سے پستول اٹھا کر پیچھے ہی کود گیا تاکہ اس برتری کو ختم کرسکوں جو اسے پچھلی نشست پر ہونے کی وجہ سے حاصل تھی۔

ویرا کی لگائی ہوئی شدید ضرب اور پھر میری ٹکر نے اسے دُہرا کرکے رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے جسم کو گٹھری بنائے ماہئ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور اپنی دردناک چیخوں پر قابو پانے کی سرتوڑ کوششیں کررہا تھا لیکن وحشیانہ غراہٹیں پھر بھی ابھر رہی تھیں۔ میں نے اس کے پہلو میں عقبی نشست سنبھالتے ہی اس کے جبڑے پر پے درپے کئی زوردار مکے رسید کیے اور وہ کسی جنگلی بھینسے کی طرح اپنی ساری تکلیف کو بھول کر مجھ سے لپٹ پڑا۔

وہ علاقہ آباد ضرور تھا مگر سڑکیں ویران تھیں کچھ فاصلے پر ایسی روشنیاں نظر آرہی تھیں کہ ہم اگر اسی طرح لڑتے بھڑتے ادھر سے گزرتے تو شاید مداخلت کا سامنا کرنا پڑتا اور شاید اسی بنا پر ویرا نے یک بیک کار بائیں طرف کنارے سے لگا کر روک دی اجنبی مجھ سے الجھا ہوا تھا۔ وہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے اگر مجھ سے برتر نہیں تو کم تر بھی نہیں تھا اور چند شدید ترین ضربات کھانے کے باوجود اس کے جارحانہ غیظ و غضب میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس وقت مجھ پر بھی کوئی عجیب سی دُھن سوار تھی کہ بھرا ہوا پستول ہاتھ میں ہونے کے باوجود محض طاقت کے بل پر اسے زیر کرنے کی کوشش کررہا تھا مگر ویرا کے کار روکتے ہی مجھے کسی کا کچھ عجیب سا احساس ہوا اور اسی لمحے عقب میں کسی کار کے ٹائر دل کے چرچرانے کی آواز کے لحظہ بھر بعد سلطان شاہ دوڑتا ہوا ہماری گاڑی کے قریب آپہنچا۔ اس مرحلے پر کسی کی مداخلت میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔

میں نے پستول پر اپنی گرفت تبدیل کیے بغیر اس کی وزنی نال سے اجنبی کی کنپٹی پر ضرب لگانا چاہی لیکن وہ اپنے بدن کا زاویہ بدل کر وہ چوٹ بڑی آسانی کے ساتھ اپنے بازو پر سہہ گیا اور اسی کے ساتھ ٹرائیگر سے انگلی ہٹنے کی بنا پر پستول میری گرفت سے نکل گیا جسے دوبارہ حاصل کرنا محال تھا۔

"ٹھہرو' میں اسے سنبھالتا ہوں۔" سلطان شاہ کی آواز قریب سے ابھری۔

"تم دور رہو۔" میں کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "یہ میرا شکار ہے۔ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔"

شاید اس وقت میری انا ہی کچھ جوش میں آگئی تھی کہ میں نے اس کا گریبان تھام کر اس کے چہرے پر پوری قوت سے ایک ٹکر رسید کی تو وہ غراتا ہوا بالکل بے جان ہو کر میرے ہاتھوں میں آگیا۔

وہ بے ہوش ہوچکا تھا مگر میں اس وقت اس قدر مغلوب الغضب ہورہا تھا کہ فوری طور پر خود پر قابو نہ پاسکا اور اس کے چہرے پر ایک اور بھرپور ٹکر رسید کردی۔ میرے ہاتھوں پر رُکے ہوئے اس کے ساکت بدن کا توازن اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ میرا نشانہ قدرے خطا ہوگیا۔ ٹکر غلط زاویے سے پڑنے کی بنا پر میری پیشانی پر بھی شدید چوٹ آئی اور لحظہ بھر کے لیے میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ میں نے بے اختیار اپنے شکار کو چھوڑ دیا اور اگلی نشست کی پشت گاہ کا سہارا لے کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔

چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن بالکل تاریک اور گردوپیش سے بے خبر ہوکر رہ گیا۔ اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ نے یقینی طور پر میری خبر لی ہوگی اور بے ہوش اجنبی کو اس طرح پچھلے پائیدان میں چھپایا ہوگا کہ باہر سے کسی کو کار میں کسی قیدی کی موجودگی کا شبہ نہ ہوسکے مگر مجھے اس میں سے کسی بات کا ادراک نہیں۔ میرے ذہن سے رفتہ رفتہ دُھند چھٹنا شروع ہوئی تو کار یکساں رفتار سے کسی ہموار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ ویرا اسٹیئرنگ وھیل پر موجود تھی اور میرے قدموں میں قیدی بے ہوش پڑا گہرے گہرے بے ترتیب سانس لے رہا تھا۔

میرے اندازے کی غلطی کی وجہ سے میری کھوپڑی پر شدید چوٹ آئی تھی ہوش آجانے کے باوجود بھی میرا سر بری طرح دھمک رہا تھا۔

"آج ستارے ہی اچھے تھے جو بچ گئے ورنہ یہ ہمیں ہانک کر اپنے آقا کے پاس لے جاتا۔" میں نے گہرا سانس لے کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور ویرا چونک پڑی۔

"تو تم ہوش میں آہی گئے۔" وہ بولی۔ "ہوا کیا تھا تم کو؟"

"اسے ٹکر مارتے ہوئے سر میں چوٹ آگئی تھی لیکن یہ تو بتاؤ کہ اسے تم کہاں سے اپنے پیچھے لگا لائی تھیں؟" میں نے ذرا ترش لہجے میں سوال کیا۔

"میں!" اس نے حیرت سے کہا پھر چٹخ کر بولی۔ "میں کیوں لگا لاتی اسے؟ پہلے سے ہی وہیں کہیں مرا ہوا ہوگا۔"

میں دھیمے سے ہنس پڑا۔ "بس انگلیاں چٹخا کر کوسنا اور شروع کردو تو خالص ہماری طرف کی شبراتن کی ماں معلوم ہونے لگوگی یہ کوئی چلتا پھرتا اُچکا نہیں تھا جو اچانک نازل ہوگیا۔"

"اس کی باتوں سے تو معلوم ہی نہیں ہوسکا کہ یہ کون ہے اور کیا چاہ رہا تھا۔ ابتدا میں تو تمھیں بھی سانپ سونگھ گیا تھا۔"

"سانپ نہیں' میں تمھاری زلفوں کی بھینی بھینی مسحورکن خوشبو میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگر اس وقت ذہن پر زور نہ دیتا تو یہ اب تک ہمیں کسی بدبودار گڑھے میں دفن کرچکا ہوتا۔"

"تم نے کیا زور دیا تھا' تم نے تو اسے میرے پیچھے لگانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔۔۔"

"بس وہی ایک رُخ سوجھا تھا' جمود توڑنے کا' ہل پارک میں جوان جوڑے عموماً ایسے ہی چکروں میں آتے ہیں یا پھر زیادہ بچوں والے خوشحال گھرانوں کی بھیڑ رہتی ہے بیوی بچوں سے سیکڑوں میل دور روزی کمانے کے لیے آئے ہوئے مایوس اور حسرت زدہ مجرد بے چارے بس تاک جھانک کر ہی خوش ہولیتے ہیں۔"

"اور اگر وہ تمھیں اتار کر واقعی مجھے لے جاتا؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ تو میں نے اسے الجھانے کی کوشش کی تھی' تمھاری برمحل اداکاری نے اس میں چار چاند لگادیے۔ میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ داؤد ہر قیمت پر ہم دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہے گا۔"

"داؤد کا ذکر کہاں آگیا یہاں؟" وہ میرے انکشاف پر بھونچکا رہ گئی تھی۔

"ہوش میں آئے گا تو خود اسی سے پوچھ لینا۔ میں نے ہیروئن کی اسمگلنگ کا شوشہ بلاوجہ نہیں چھوڑا تھا۔ میں ابتدا ہی سے بھانپ گیا تھا کہ یہ داؤد کا آدمی ہے۔"

"اور میں ابھی تک یہی سوچ رہی ہوں کہ یہ کون ہے اور ہم سے اسے کیا پرخاش ہے؟" وہ اُلجھن آمیز لہجے میں بولی اور میں نے قدرے توقف کے بعد اسے ان تمام نکات سے آگاہ کردیا جن پر غور کرنے کے بعد میں نے اس کی اصلیت کے بارے میں نتائج اخذ کیے تھے اور وہ حیرت کے ساتھ میری منطقی گفتگو سنتی رہی۔

"اس کا مطلب ہوا کہ لندن روانگی کا پیغام غلط تھا' جو کچھ ہونا ہے یہیں ہوگا۔" میرے خاموش ہونے پر وہ بولی۔

"ضروری نہیں۔ میں نے تو ہر پہلو پر منفی انداز سے غور کیا تھا لہٰذا اسی لیے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اچانک لندن روانگی کی اطلاع دے کر اس نے تم کو بوکھلانے کی کوشش کی تھی لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ واقعی تمھیں اپنے ساتھ لندن لے جانے پر آمادہ ہو اور اس نے حقیقی پروگرام کی اطلاع دے کر ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی ہو۔ اچانک اور غیر یقینی پروگرام سامنے ہو تو اہم اور فوری نوعیت کے کاموں کو جلد از جلد سمیٹنا انسان کی فطرت ہے۔ یہ بات طے ہے کہ مارٹن کے مکان میں اپنا ایک آدمی گنوا دینے کے بعد وہ تمھاری طرف سے شبہات میں مبتلا ہوگیا ہے اور تمھیں اپنے ساتھ لندن لے جانے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتا ہے کہ تنظیم کی وفاداریوں سے ہٹ کر تم نے کوئی اور چکر تو نہیں چلایا ہوا ہے۔"

"یہ سب تو بعد میں سوچا جاسکتا ہے' پہلے یہ بتاؤ کہ اس قیدی کا کیا کیا جائے؟"

"اسے تو مارنا ہی پڑے گا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "بازپرس کے بعد اسے آزاد کیا تو اس کا باس ہوشیار ہوجائے گا۔ دوستی اور دشمنی کا سارا بھرم بھی کھل جائے گا۔ وہ تم پر شبہ کرتا ہے تو کرتا رہے مگر اسے یقین میں نہیں بدلنا چاہیے۔"

"بازپرس کے لیے کوئی ٹھکانا بھی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔" وہ بڑبڑائی۔

"پروا نہ کرو' اس وقت ہم شاہراہِ فیصل پر آگئے ہیں' بس سیدھی ہی چلتی رہو۔" میں نے اپنے ذہن میں منصوبہ ترتیب دیتے ہوئے مُڑ کر دیکھا تو سلطان شاہ بہت کم فاصلے سے ہمارے پیچھے چلا آرہا تھا۔

"تمھارا یہ ساتھی بڑا وفادار معلوم ہوتا ہے۔ ہر وقت سائے کی طرح ساتھ لگا رہتا ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا بولی تو اس کے لہجے میں حسد کی ہلکی سی بُو تھی۔

"تنظیم سے مخالفت مول لینے کے بعد ہر ایک سے کٹ کر رہ گیا ہوں' تمھارے بعد بس اسی پر اعتماد کرسکتا ہوں ہر وقت میرے پسینے پر اپنا لہو بہانے کے لیے تیار رہتا ہے۔" میں نے اس کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"سائے کی طرح پیچھے لگا ہوا ہے۔" وہ عجیب سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "مشکل سے چند گز کے فاصلے پر گاڑی ڈرائیو کررہا ہے' ذرا بھی بریک لگاؤں تو سیدھا آٹکرائے گا۔"

"لیکن اس صاف اور سیدھی سڑک پر اچانک بریک لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" میں نے کہا۔ "اسی بھروسے پر وہ اتنے قریب ہے پھر وہ تمھیں ایک سیدھی سادی لڑکی سمجھتا ہے جسے میں نے اپنے دام میں پھانسا ہوا ہے' اسے تمھاری اصلیت کا پتا چل جائے تو وہ ہر لمحے تم سے چوکنا رہے گا۔"

"کہاں سے خریدا تھا؟" ویرا نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تمھاری طرف بکتے ہوں گے' یہاں تو بے مول مل جاتے ہیں۔" میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔

"کیا اسے بھی اپنے ساتھ لندن لے جاؤ گے؟" اس بار ویرا کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔

"فی الحال تو ارادہ نہیں ہے۔ وہاں اس کا کام ہی کیا ہوگا؟"

"لے جاؤ تو سیر ہی کرلے گا۔" اس نے اکسانے والے انداز میں کہا۔

"کیا کوئی خاص بات سوچ رہی ہو اس کے بارے میں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"حالات سے مار کھایا ہوا معلوم ہوتا ہے جب ہی اس قدر جی جان سے تمھارا ساتھ دے رہا ہے۔ پیٹ بھرا ہوتا تو ہر لمحے تمھارے بجائے اپنی سلامتی کی فکر میں کھویا رہتا۔"

"کھل کر بات کرو، کیا سوچ رہی ہو اس کے بارے میں؟" میں نے اُلجھ کر کہا۔

"ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم بھڑک نہ جاؤ۔"

"کوئی بے ہودہ بات ہے تو بہتر ہوگا کہ اسے زبان پر نہ لاؤ۔ وہ میرا زرخرید نہیں ہے۔ اسے میں اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔"

"اتنی بھی برائی نہیں ہے۔ دو چار کلو ہیروئن بھی ساتھ لے جائے تو اس کی دنیا سنور جائے گی۔" آخر کار اس کے دل کی بات اس کی زبان پر آ ہی گئی۔ "ترکیب میں بتادوں گی مال چھپانے کی۔"

"پھر اسے ترکیب بتانے کے بجائے خود ہی مال لے جانا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کہیں پکڑا گیا تو زندگی برباد ہو جائے گی اس کی۔"

"تو تم کیا سمجھ رہے ہو۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولی۔ "میں تو لے ہی جاؤں گی اور وہ میرا ذاتی بزنس ہوگا اس آمدنی سے تنظیم کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ جب بھی پاکستان آتی ہوں، دو چار کلو ہیروئن لے ہی جاتی ہوں اور آج تک کبھی کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکا کہ میرے پاس غیر قانونی منشیات ہوں گی۔"

"تم کھلاڑی ہو اور وہ اناڑی۔ پھر عورت ہونے کی وجہ سے بھی تم کو رعایت ملتی ہوگی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تم سفید فام ہو۔ سنا ہے کہ ہیتھرو پر تو معزز ایشیائیوں تک کی توہین آمیز تلاشی لی جاتی ہے۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "معزز ایشیائی۔ تمھارے یہاں تو شاید خبریں دبا دی جاتی ہیں، باہر جا کر دیکھو کہ وہاں کے جیل خانوں میں تمھارے کتنے صنعت کار اور سفارت کار سڑ رہے ہیں۔"

"تم بکواس کر رہی ہو۔ اِکا دُکا کالی بھیڑیں ہر جگہ ہوتی ہیں۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میری بات تم اپنے اوپر نہ لو۔" وہ میری بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔ "بات معزز ایشیائیوں کی ہو رہی تھی، صرف پاکستانیوں کی نہیں، ان میں ہندوستانی، نیپالی اور برمی سب ہی آجاتے ہیں۔"

"بہرحال میں اسے یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔ گھر برباد ہوگیا، فیکٹری تباہ کر دی گئی لیکن اس ملک میں ابھی بھی میرے پاس اتنے اثاثے ہیں کہ میں اس کی کفالت کر سکتا ہوں۔ اگر روپوشی ضروری نہ ہوتی تو شاید میں تم سے سفر کے اخراجات بھی نہ مانگتا۔ تم ہمیں منشیات کے اسمگلروں کی قوم تصور مت کیا کرو۔"

وہ ہنس پڑی۔ "پتا نہیں بعض باتوں پر تم اتنی جلد جذباتی کیوں ہو جاتے ہو حالانکہ میں کھری بات کہتی ہوں۔ میں تمھارے ہم قوموں میں سے جتنوں کو جانتی ہوں ان میں سے بیشتر اسمگلر ہیں مگر تمھارے معاشرے میں عزت اور شان کے مالک ہیں۔ ایمانداری سے سوچو کہ کچھ عرصے پہلے تک تم خود کیا تھے؟"

وہ سوال بہت تلخ تھا کیونکہ اپنے گریبان میں جھانکنا سب سے مشکل کام ہوتا ہے لہٰذا میرے پاس خاموش رہ جانے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔

میں کھڑکی کے شیشے سے باہر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ اس وقت تک کار ڈرگ روڈ اور ملیر کی آبادیوں کو پیچھے چھوڑ چکی تھی اور اس وقت وسیع و عریض ندی پر بنے ہوئے پُل پر سے گزر رہی تھی۔

شاید ویرا نے بھی میرے وجود پر طاری ہونے والی ندامت کو محسوس کر لیا تھا اُس لیے خود ہی موضوع بدلنے کی نیّت سے بولی۔ "ہمیں چلتے چلتے کافی دیر ہوگئی ہے، آخر اور کتنا سفر باقی ہے؟"

"چلتی رہو۔ اب ہم قریب پہنچ گئے ہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اس بار داؤد تلملا اُٹھے گا۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ خیال انگیز لہجے میں بولی۔

"لازمی بات ہے۔ اس نے ایک آدمی مارٹن کی طرف بھیجا، وہ مارا گیا اور دوسرا تمھارا تعاقب کرتے کرتے لاپتا ہو جائے گا ایسی شکست سہہ جانے کے لیے بھی بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کاش ان لوگوں کو یہاں رہتے ہوئے بے نقاب کرنے کا موقع ملتا۔" میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تاکہ لوگوں کے خوبصورت نقابوں کے نیچے چھپے ہوئے گھناؤنے چہروں سے تو واقفیت ہوتی۔"

"یہاں ناممکن ہے۔" اس نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "تم انھیں ہلاک کر سکتے ہو بے نقاب نہیں۔ یہ تنظیم کا بنیادی اصول ہے کہ ہر ملک میں مقامی بڑوں کا درجہ اُنھیں دیا جاتا ہے جن کی معاشرے میں گہری جڑیں ہوں اور جن کے کردار بظاہر بالکل بے داغ بلکہ قابلِ رشک ہوں۔ تم نے مارٹن کو دیکھ ہی لیا کہ وہ نہ صرف معزز بلکہ اس حد تک قابلِ رحم بنا ہوا تھا کہ اگر کبھی اس پر ہاتھ ڈال بھی دیا جاتا تو اس مظلوم کے حق میں دردمند شہریوں کے مظاہرے شروع ہو جاتے، یہی حال داؤد کا ہے۔ اس کی گرفتاری کو ہر حال میں سیاسی چپقلش کا نتیجہ قرار دیا جائے گا۔ اپنی حسرت پوری کرنے کے لیے تمھیں ان کو ان کے بھٹوں سے باہر ہانکنا پڑے گا۔"

اسی لمحے میرے قدموں میں پڑے ہوئے بے ہوش قیدی نے ہولے ہولے کراہنا اور اپنے بدن کو جنبش دینا شروع کر دیا۔ میں نے بوکھلا کر اس کا چہرہ قدموں میں دبا لیا تاکہ وہ اچانک اُٹھنے کی کوششیں شروع نہ کر دے کیونکہ اس وقت ہم لانڈھی سے گزر کر بورسٹل جیل کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

دوبارہ ویرانہ شروع ہوتے ہی میں نے جلدی جلدی اس کی جامہ تلاشی لی لیکن اس سے چھینے ہوئے پستول کے علاوہ کوئی ہتھیار برآمد نہ کر سکا اس دوران میں وہ خاصی حد تک ہوش میں آچکا تھا۔ میں نے اس کا گریبان تھام کر پائیدان سے گھسیٹتے ہوئے اپنے برابر میں نشست پر بٹھا لیا۔

چند لمحوں تک اِدھر اُدھر جھومتے رہنے کے بعد اس کے بدن میں دوبارہ سختی پیدا ہوئی۔ شاید وہ پوری طرح ہوش میں آچکا تھا لیکن زبان کھولنے سے پہلے صورتِ حال کا ادراک کرنا چاہ رہا تھا۔

"ذرا بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو بے دریغ جہنم واصل کردوں گا۔" میں نے دھمکی آمیز انداز میں اس کے پستول کی نال اس کی گردن سے لگاتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟" اس نے بھرّائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"وہیں جہاں تم ہمیں لے جاتے۔ اب شرافت سے یہ بتادو کہ تمھیں کس نے ہمارے پیچھے لگایا تھا؟"

"کسی نے نہیں، میں تم کو کسی ویرانے میں لے جا کر لوٹنا چاہتا تھا۔"

"تو ویرانہ آچکا ہے انتظار کس کا ہے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا پھر پل بھر کے سکوت کے بعد سرد لہجے میں بولا۔ "اگر تم ہٹ دھرمی پر تلے رہے تو گولی مار کر یہیں سڑک پر پھینک دوں گا۔ یہ نیشنل ہائی وے ہے۔ رات بھر تمھارے اوپر سے ٹرک اور گاڑیاں گزرتی رہیں گی اور صبح تک تمھارا قیمہ شناخت کے قابل بھی نہیں رہے گا۔"

"جو حقیقت تھی وہ میں نے بتادی ہے۔"

اسی اثنا میں بائیں طرف تاروں بھرے آسمان کے سائے میں چوکھنڈی کے تاریخی کھنڈرات کے آثار نظر آنے لگے اور میں نے ویرا کو اسی طرف گاڑی گھما لینے کی ہدایت کی۔

راستہ ویرا کے لیے نیا اور کچّا تھا اس لیے شدید ہچکولے لگ رہے تھے مگر میں پوری طرح چوکنا تھا کہ کہیں اجنبی قیدی عدم توازن کا فائدہ اُٹھا کر مجھ پر حملہ نہ کر بیٹھے مگر وہ اپنی جگہ بیٹھا بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اپنے عبرت ناک انجام کی تفصیل سننے کے بعد اُس کا حوصلہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند ہوگیا تھا۔

ناہموار راستے کے باعث گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی پھیلتی سُکڑتی روشنی میں ویرا کو کچھ انسانی ہیولے افراتفری کے عالم میں مختلف سمتوں میں فرار ہوتے نظر آئے تو اس نے نہایت ہیجانی انداز میں میری توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہی لیکن میرے لیے ویران قبروں کے درمیان جُوا کھیلنے والوں سے زیادہ اہم قیدی کی ذات تھی۔

کھنڈرات کے قریب پہنچ کر ویرا نے کار روک دی اور میں نے اچانک دروازہ کھول کر قیدی کو بے رحمی کے ساتھ نیچے دھکیل دیا۔ وہ حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکالتا ہوا سلطان شاہ والی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نیچے گرا تو میں فوراً ہی اس کے سر پر مسلط ہوگیا۔

مجھے اس پر حاوی دیکھ کر سلطان شاہ نے ہیڈ لیمپس آف کر دیے۔ ویرا اپنی کار کی روشنیاں پہلے ہی گُل کر چکی تھی۔ ہمارے

چاروں طرف اچانک ہی اندھیرا پھیل گیا۔

تیز روشنی یکایک معدوم ہونے کی وجہ سے چند لمحوں کے لیے میری نگاہوں میں اندھیرا چھا گیا مگر اس دوران میں میں اس سمت پوری طرح متوجہ رہا جدھر اجنبی قیدی کھڑا تھا۔ یقینی طور پر وہ بھی بصارت کی ایسی کیفیت سے دوچار ہوا ہوگا لیکن اس وقت اس کی جان پر بنی ہوئی تھی لہٰذا وہ نتائج کی پروا کیے بغیر وحشیانہ قوت کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اعصابی طور پر میں کسی بھی تصادم کے لیے تیار تھا لیکن کار میں ہاتھا پائی ہونے کے باوجود مجھے کھلی فضا میں اس کی بے پناہ قوت کا احساس نہ ہو سکا تھا لہٰذا میں نے ایک آدھ قدم پیچھے ہٹ کر اسے روک تو لیا لیکن اس کوشش میں پستول میرے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔

”الگ ہٹو ورنہ مار دوں گا۔“ اندھیرے میں سلطان شاہ کی درندگی سے لبریز آواز گونجی پھر اسی کے ساتھ اس نے یہ عقل مندی دکھائی کہ دوبارہ اپنی کار کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔

میری آنکھیں ایک بار پھر چندھیا گئیں اور میں تیز غصیلی آواز میں چیخا۔ ”روشنی گل کر دو ورنہ ہائی وے سے کوئی پولیس پارٹی بھی ادھر آ نکلے گی۔“

ایک بار پھر اندھیرا ہو گیا۔ تاریکی اور روشنی کی اس تکرار میں میرا توانا حریف مجھے زیر کرنے کی اندھا دھند کوششوں میں مصروف رہا مگر میں نپے تلے انداز میں مسلسل اس کے چہرے اور خصوصاً جبڑوں کو ادھیڑنے کی کوشش کرتا رہا۔

”ہینڈز اَپ!“ اچانک سلطان شاہ کی بوکھلائی ہوئی آواز گونجی۔ ”میں ہر ایک کو پہچان رہا ہوں الگ نہ ہوئے تو گولی مار دوں گا۔“

پل بھر کے لیے میرے حریف کے ہاتھ پاؤں سُست پڑے تھے اور میں نے اس کے گھونسوں کی باڑھ پر رکھ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ خاک چاٹنے پر مجبور ہو گیا۔

”جہاں ہو وہیں رہنا، آگے نہ بڑھنا۔“ میں نے سلطان شاہ کو ہانک لگائی مگر اسی اثنا میں ویرا، جو اَب تک بالکل خاموش تھی، آگے بڑھ کر زخمی حریف کے سر پر پہنچ گئی۔

آتے ہی اس نے اپنی داہنی لات گھمائی تھی جو زخمی کے چہرے پر پڑی اور وہ ایک کریہہ چیخ مار کر تڑپتا ہوا کئی فٹ دور چلا گیا۔ ویرا اس کے تعاقب میں تھی۔

”میرا نام ویرا ہے... ویرا لائیڈ!“ اس نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ”تیس سیکنڈ میں سچ اُگلنا شروع نہ کیا تو ٹھوکر وں ہی ٹھوکروں میں بھیجا زمین پر بہا دوں گی۔“

”م.... مجھے معاف کر دو مادام!“ وہ یکایک گھگھیانے لگا۔

”مجھے اصلیت کا پتا نہیں تھا۔ راجا نے تمہارا پتا بتا کر بس اتنا ہی کہا تھا کہ وہاں رہنے والی سفید فام لڑکی کی نگرانی کروں اور اگر وہ کسی سے ملاقات کرے تو ملاقاتی سمیت اسے اُٹھا کر اڈے پر پہنچا دوں۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مادام کے خلاف ایسی جسارت کرے گا۔“

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، مبہم ہونے کے باوجود ناقابلِ فہم نہیں تھا۔ شاید وہ ویرا کے نام، وجود اور مرتبے سے تو واقف تھا لیکن صورت آشنا نہیں تھا مگر اب اس کا نام سنتے ہی اس کا پتّا پانی ہو گیا تھا۔

”راجا!“ ویرا نے بھیانک آواز میں دُہرایا۔ ”یہ مونچھوں والا وہی سینڈو ہے جو دن میں داؤد کی گاڑی چلاتا ہے؟“

”جب مادام جانتی ہیں تو میری زبان کیوں کھلوانا چاہتی ہیں۔“ وہ مٹی میں پڑے پڑے خوفزدہ آواز میں بولا۔ ”داؤد سیٹھ کو پتا بھی چل گیا کہ میں نے تمہارے سامنے اس کا نام لیا تھا تو مجھے پیس کر رکھ دے گا۔ راجا سیٹھ کا منہ چڑھا ہے سارے کام وہی لیتا ہے۔ اصل بات کسی کو نہیں بتائی گئی مگر ہم تینوں جانتے ہیں کہ ہمارا اصل مالک راجا نہیں، سیٹھ ہے۔“

”تم تینوں کون کون ہو؟“ ویرا نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

”الماس دادا آج صبح سے لاپتا ہے، تیسرے کا نام تراب ہے اور میں ہوں۔ ہم سب راجا کے حکم کے غلام ہیں مگر سیٹھ کبھی کبھی الماس دادا کو بھی منہ لگا لیتا ہے۔“ ویرا کا نام سنتے ہی وہ اپنی تمام چوٹوں کو بھول کر سچ بولنے کی خودکار مشین بن گیا تھا جو بٹن دباتے ہی چل پڑتی ہو۔

”اس کے لیے کیا کام کرتے ہو؟“ ویرا کا لہجہ اور سرد ہو گیا تھا۔

”ج.... جو وہ کہتا ہے مادام! وہی ہمارا مائی باپ ہے۔“ وہ تقریباً رو دینے والی آواز میں بولا۔

”قتل کر سکتے ہو؟“ ویرا نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

”ک... کسے مادام؟“ اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

”راجا یا پھر داؤد کو۔ اس طرح کہ کسی کو کانوں کان تمہارے بارے میں پتا نہ چلے۔“

”اصل تو یہی کام ہے اپنا۔“ اس کے لہجے میں زندگی کی تھوڑی سی رمق سمٹ آئی۔ شاید وہ بدنصیب اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا کہ ویرا اسے اعتماد میں لے کر واقعی اس سے کسی کو قتل کرانا چاہتی ہے۔ ”تم حکم کرو، اسے خود پتا نہیں چلے گا کہ اسے کس نے مارا۔ راجا سے تو سب خار کھاتے ہیں مگر مجبوری ہے کہ ظاہر میں ہم اسی کے ملازم ہیں اور اسی سے تنخواہ لیتے ہیں مگر سیٹھ۔“ وہ لحظہ بھر کے لیے رکا پھر بولنے لگا۔ ”اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل کام ہے وہ چالاک آدمی ہے ہر وقت جیکٹ پہنے رہتا ہے اس پر تو گولی بھی اثر نہیں کرے گی پھر دن رات باڈی گارڈ بھی ساتھ لگے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو حکم دو، مجھے اپنا غلام پاؤ گی۔“

”قتل کے اعتراف کے بعد موت تمہاری سزا ہے۔“ ویرا نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کے حلق سے کوئی احتجاج آمیز الفاظ نکلنے ہی پائے تھے کہ ویرا نے پھرتی کے ساتھ اپنا ایکسپلوڈر نکالا اور اس کے بدن میں گولی اتار دی۔

کھلی فضا میں ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ اس کے بدن کے چیتھڑے اُڑ گئے۔

واپسی کا سفر بہت بوجھل سا تھا۔ چوکھنڈی کے قبرستان سے روانہ ہونے سے قبل میں نے ویرا کی کار کے عقبی نشست کے پائیدان سے رقم کا پیکٹ نکال کر سلطان شاہ کے حوالے کر دیا تھا پھر ہم اسی ترتیب سے واپس ہوئے تھے جس ترتیب سے وہاں پہنچے تھے۔

پاکستان میں ڈرگ مافیا پانچ ستونوں پر قائم تھی جن میں سے دو گرائے جا چکے تھے، تیسرا ڈانواڈول تھا کیونکہ داؤد کی سربراہی چار نفوس کے سہارے چل رہی تھی۔ راجا اور تراب باقی رہ گئے تھے اور دو مارے جا چکے تھے۔ کافی دیر بعد جب سکوت ٹوٹا اور گفتگو کا آغاز ہوا تو ویرا نے اس اڈے پر جانے کے عزم کا اظہار کیا جہاں ہم دونوں کو اغوا کر کے لے جایا جانا تھا مگر میں نے اس خیال کو سختی کے ساتھ مسترد کر دیا۔

داؤد اتنا احمق نہیں تھا کہ اس اڈے پر بیٹھ کر ویرا کے لائے جانے کا انتظار کرتا۔ وہاں پہنچنے کے بعد امکان یہی تھا کہ ہم بہت نچلے درجے کے کارکنوں سے تصادم میں اُلجھ کر اپنا وقت اور توانائی برباد کرنے کے ساتھ ہی داؤد کو بھی کھلے خطرے سے آگاہ کر دیتے جب کہ اپنے دو آدمیوں کے خاموشی سے غائب ہونے کے سبب داؤد سخت ذہنی اذیت اور پریشانی سے دوچار ہو سکتا تھا لیکن پھر بھی اپنے اصل دشمن کو شناخت کرنا اس کے لیے دشوار ہوتا۔

اس کا پروگرام یقیناً یہی رہا ہوگا کہ اگر مقتول ہمیں اغوا کر کے مقررہ اڈے پر لے جانے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ راجا کو مطلع کرتا اور پھر داؤد فاتحانہ شان سے وہاں آ پہنچتا۔ ویرا کے ساتھ مجھے موجود پا کر داؤد کے لیے پوری صورتِ حال کو سمجھنا ذرا بھی دشوار نہ ہوتا اور ہم دونوں ہی بدترین مصائب کا شکار ہو جاتے۔

مگر میرے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ داؤد کے حواری ویرا کے وجود سے باخبر تھے جب کہ میں اپنی دانست میں تنظیم میں خاصے اہم رتبے کا مالک رہا تھا مگر مجھے کبھی ویرا کے وجود کی بھنک بھی نہ مل سکی تھی۔

میرے استفسار پر ویرا نے بتایا کہ اسے ٹو، بی ون، بی فور اور سی ون وغیرہ تنظیم کے نچلے درجے کے کارندے تھے جنھیں بظاہر اتنے اختیارات اور مشاہرے دیے جاتے تھے کہ وہ خود کو کلیدی عہدے دار تصور کرتے ہوئے تنظیم کے مفادات کے لیے جان کی بازی بھی لگانے سے گریز نہیں کرتے تھے جب کہ درحقیقت ان کی حیثیت مچھلی کے شکار کے لیے لگائے جانے والے چارے سے زیادہ نہیں تھی، جب بھی ضرورت پیش آئی تنظیم کے حقیقی حکمرانوں نے بے رحمی کے ساتھ ان کی گردنیں کٹوا دیں۔

تنظیم میں اقتدار کا سرچشمہ پانچ بڑوں کا گروپ تھا جن کی طے شدہ ذمے داریاں تھیں لیکن تنظیمی امور کی خاطر ان کی بھی درجہ بندی کی گئی تھی جس میں وان ہوف سب سے اوپر تھا۔ داؤد کے چار جاں نثار تو اَب سامنے آئے تھے مگر ویرا کا خیال تھا کہ ان سب ہی نے اپنا اپنا مختصر سا ذاتی گروہ بنایا ہوا تھا جس کے ذریعے وہ اپنے احکامات نافذ کرانے کی قوت رکھتے تھے۔ تنظیم کے ان پانچ بڑوں کو ویرا کے بارے میں بخوبی علم تھا اور شاید وہ اس سے خائف بھی رہتے تھے لہٰذا یہ کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی کہ داؤد یا کسی دوسرے نے اپنے حواریوں کو ویرا کے وجود سے باخبر رکھا ہو۔

میرے اصرار پر ویرا نے راجا کے اڈے کا رُخ کرنے کا ارادہ تو ترک کر دیا لیکن اپنے جبلّی تقاضوں کے تحت مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر اڑ گئی۔ سچی بات یہ تھی کہ مارٹن کا گھر مخدوش ہونے کے بعد میرے لیے شہر میں کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں رہا تھا۔ مجھے خود کو ہر قیمت پر تنظیم کے لوگوں کی نگاہوں سے بچانا تھا تاکہ وہ میرے وجود سے لاعلم اسی خیال میں مگن رہیں کہ میں لائیڈز کلب کی تباہی کے ساتھ ہی موت کے منہ میں چلا گیا تھا مگر روپوشی کی خاطر ویرا کے ساتھ قیام میرے لیے قید سے ہرگز کم نہ ہوتا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ مل کر کچھ اور ہی منصوبہ بندی کر رہا

تھا اور ویرا کو اپنے اس پروگرام سے لاعلم رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے ویرا کے سر سے وہ بھوت اتارنا ضروری تھا۔

جب میں نے اسے یاد دلایا کہ لاہور سے واپسی پر اس نے خود مجھے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا تو اب کیوں ساتھ لے جانے پر مُصر ہو رہی تھی تو اس نے بتایا کہ اس وقت حالات غیر یقینی تھے، اب شبہات کی دھند چھٹ چکی تھی اور وہ اپنے حریفوں سے آگاہ ہو چکی تھی۔ رہی سہی کسر نگرانی کرنے والے کی موت نے پوری کر دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ قلیل سی مدت میں اپنے دو وفادار آدمیوں کی پُراسرار گمشدگی کے بعد داؤد رہے سہے دو آدمیوں کو داؤ پر لگانے کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

ہم ویرانوں کو بہت پیچھے چھوڑ کر ڈرگ روڈ اسٹیشن سے آگے شہر کے آباد علاقے میں داخل ہو چکے تھے اور وہ بحث جاری تھی۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے پیاس کا بہانہ کرتے ہوئے ویرا کو لبِ سڑک واقع ایک اسنیک بار پر گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان شاہ نے ہماری تقلید کی تھی کیونکہ وہ پروگرام سے لاعلم تھا۔

سلطان شاہ کی طرف ذہن مبذول ہوتے ہی مجھے ایک معقول بہانہ سوجھ گیا۔ میں نے ویرا سے کہا کہ جب بُرے وقت میں سلطان شاہ میرے ساتھ لگا رہا تو اب ذرا سی تبدیلی کے لیے اسے تنہا چھوڑنا مناسب نہ ہوگا پھر میں لندن روانگی سے پہلے اس کا کوئی اور بندوبست بھی کرنا چاہتا ہوں جو ویرا کے ساتھ رہتے ہوئے ممکن نہیں ہے۔

ویرا نے لاکھ متبادل تجاویز پیش کیں لیکن سلطان شاہ کی ذات اس موقع پر میرے لیے بہت مضبوط بہانہ ثابت ہوئی اور میں بالآخر ویرا کو قائل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

"پھر تم کہاں قیام کرو گے؟" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"فون پر آگاہ کر دوں گا، ابھی تو خود بے خبر ہوں۔" میں نے کولڈ ڈرنک کی بوتل سے آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"بس یہ خیال رہے کہ میں ایک دو روز میں لندن روانہ ہو ہی جاؤں گی۔"

"اور اگر داؤد کا پیغام فراڈ ثابت ہوا؟" میں نے ازراہِ تمسخر سوال کیا۔

"ایسی صورت میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ ویسے مجھے یہ اُمید نہیں کہ اوپر والوں کے احکام کے بارے میں داؤد مجھ سے جھوٹ بولے گا بس خوش قسمتی سے اسے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔"

"میری بھی یہی کوشش ہے کہ جلد از جلد نکل جاؤں، جیسے ہی ویزا کا مسئلہ حل ہوا، روانہ ہو جاؤں گا۔"

"غزالہ سے مل کر مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے؟" اس نے ہنستے ہوئے سوال کیا لیکن اس کے لہجے میں کسک موجود تھی۔

"محبت اور دوستی۔ دو الگ راستے ہوتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کو نہیں کاٹتے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تم کو دوست بنایا ہے اور یہ دوستی نباہتا رہوں گا۔"

"یاد رکھنا کہ کیا کہہ گئے ہو۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "ایسا نہ ہو کہ تمھیں اپنا وعدہ یاد دلانے کے لیے دوبارہ غزالہ کو اغوا کرانا پڑ جائے۔"

"وہ نوبت تو بعد میں آئے گی، پہلے اس سے ملاقات تو ہونے دو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

منزلیں الگ ہو گئی تھیں لہٰذا میں وہیں ویرا کو الوداع کہہ کر سلطان شاہ کی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ ویرا نے بہت تیزی کے ساتھ گاڑی وہاں سے نکالی تھی، شاید میرا رویہ اس کے لیے مایوسی اور دل آزاری کا سبب بنا تھا۔ سلطان شاہ طویل تنہائی سے اکتایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی کی رفتار سست رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ویرا کی کار ٹریفک کے ہجوم میں لہریے بناتی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں نے سلطان شاہ کے پوچھنے سے پہلے ہی اسے ہل پارک سے چوکھنڈی کے قبرستان تک پہنچنے کی کہانی اختصار کے ساتھ سُنانا شروع کر دی۔

"اور اب مسئلہ ہے قیام کا۔" میں نے وہ روداد ختم کرنے کے بعد آخر میں کہا۔

"میں خود اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ لانڈھی ریلوے کراسنگ کے سامنے سے گزرتے ہوئے مجھے خیال آیا تھا کہ قائد آباد میں بھی میرے کئی شناسا رہتے ہیں، تم تنگ مکان میں ایک دو راتیں گزار سکو تو کوئی نہ کوئی پناہ دے ہی دے گا۔ ان سادہ دل لوگوں میں ہم زیادہ اونچی نہ ہانک سکیں گے۔"

"بہترین تجویز ہے۔" میں نے بلا تامّل اس سے اتفاقِ رائے کرتے ہوئے کہا۔ "ہم شہر میں ہوتے ہوئے بھی شہر کے باہر ہوں گے۔ سواری ہونے کی وجہ سے کوئی دقت بھی نہ ہوگی۔"

"بس تو پھر یہ یاد رکھنا کہ یہ گاڑی میری ملکیت ہے جسے میں ٹیکسی کے طور پر چلاتا ہوں اور تم میرے دوست ہو۔"

"یاد کیا رکھوں، حقیقت بھی یہی ہے۔" میں نے کہا۔ "گاڑی کے تم مالک ہو۔ اسے لاوارث چھوڑنے سے بہتر ہوگا کہ لندن جاتے ہوئے اپنے اس محسن ہی کو دے دینا جو ہمیں پناہ دے گا۔"

"پناہ دینے والے کی تو لاٹری نکل آئے گی۔" وہ قہقہہ مارتے ہوئے بولا۔ "وہ یہی سمجھے گا کہ کار چوری کی ہے ورنہ اس دور میں اتنے قیمتی تحفے کون کسی کو دیتا ہے۔"

اگلے ٹریفک سگنل سے سلطان شاہ نے یوٹرن لے کر کار کو واپس گھما لیا۔ اب ہمارا رُخ دوبارہ لانڈھی کی طرف ہو چکا تھا۔

"اب رقم بھی ہاتھ آ گئی ہے، ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ کل ہر نیت پر یہاں سے نکل جائیں۔ یہاں رُکے رہے تو دوبارہ دشواریوں سے دوچار ہو جائیں گے۔" میں نے رقم کا لفافہ کھول کر کریڈٹ کارڈ اور اس سے متعلقہ جعلی شناختی کاغذات نکالتے ہوئے کہا۔ "ویرا بہت ضدی طبیعت کی مالک ہے، ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کی موجودگی سے شہ پا کر وہ داؤد سے اُلجھ ہی پڑے۔"

"یہ عورت کچھ عجیب ہی خمیر سے بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔"

"معلوم ہونا کیا معنی، وہ تو ہے ہی۔ خود سوچو کہ اتنی عمر گزار لینے کے باوجود وہ زمانے کے سرد و گرم تھپیڑے کھاتی اپنے باپ کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ دراصل ولدیت سے اسی محرومی کی بنا پر وہ شدت سے احساسِ کمتری کا شکار ہو گئی ہے، اسی لیے اپنا وجود منوانے کے لیے خلوت سے جلوت تک، ہر مقام پر انتہا پسندی سے کام لیتی ہے اور اسی قدر حساس بھی ہے ورنہ اتنی آسانی کے ساتھ ہمارے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہو گئی ہوتی۔"

"میں تو پیدائشی مجرد ہوں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "عورتوں کی فطرت کو تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ ہمارے قبیلے میں مرد عورت کو نہیں سمجھتا بلکہ عورت مرد کے مزاج کو سمجھنے پر مجبور ہوتی ہے۔"

"روایت کے طور پر شاید یہ درست ہو لیکن اصولاً یہ رویہ غلط ہے۔ عورت اگر محبوبہ یا بیوی ہوتی ہے تو ماں اور بہن بھی ہوتی ہے۔ ان رشتوں کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"تم یہی تو نہیں سمجھ سکتے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "ماں صرف ماں ہوتی ہے اور بہن صرف بہن۔ بہن کو عورت سمجھنا گالی ہوتی ہے۔ عورت تو بس بیوی ہی ہوتی ہے جسے اپنی مرضی پر چلایا جا سکتا ہے۔"

فاصلہ طویل تھا اور موضوع دلچسپ لہٰذا میں بھی پسپائی اختیار کرنے کے بجائے اس کے ساتھ بحث میں اُلجھا رہا اور اسی اثنا میں گاڑی شاہراہ سے داہنی طرف مُڑ کر اس خونی ریلوے کراسنگ سے گزر گئی جو ہر برس متعدد انسانی جانوں کی بھینٹ لینے کے باوجود بدستور شہر کی مصروف ترین، عام گزرگاہوں میں شمار ہوتا تھا۔

کراسنگ سے آگے اسے آبادی کی طرف مڑتے دیکھ کر مجھے اچانک ایک اہم نکتہ یاد آ گیا۔ "کسی بال بچے دار دوست کے یہاں نہ پہنچ جانا، میں گھٹ کر رہ جاؤں گا۔"

"یہاں سب غریب اور مزدور طبقہ رہتا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہنے لگا۔ "جو پرانے ہیں انھوں نے بال بچے بلا لیے ہیں، نئی نسل کے بیشتر مزدور ٹولیوں کی صورت میں اجتماعی زندگی گزارتے ہیں۔ ٹھکانا ان ہی کے پاس مل سکے گا۔ بال بچے داروں کو تو خود سر چھپائے رکھنے میں دشواری ہوتی ہے بلکہ کبھی کبھار تو ماں باپ اکتا کر بچوں کو خود باہر ہانک دیتے ہیں۔ وہ بے چارے ہمیں کہاں جگہ دے سکیں گے، ان کا تو رُخ کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔"

اسی سڑک پر ایک جگہ گنجائش دیکھ کر سلطان شاہ نے کار کچے میں اتار کر پارک کر دی۔ "تم بیٹھو، میں ذرا سی دیر میں واپس آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

بنیادی طور پر وہ جھونپڑیوں اور نیم پختہ مکانات پر مشتمل رہائشی علاقہ تھا لیکن اسی کے درمیان جا بجا چائے خانے اور روزمرّہ ضروریات کی اشیاء کی دوسری دکانیں بھی تھیں۔ قرب و جوار میں بڑی چھوٹی فیکٹریاں واقع ہونے کی وجہ سے اس سڑک سے ہر لمحے نت نئے ماڈلوں کی چمکتی دمکتی گاڑیاں گزرتی رہتی ہوں گی مگر وہاں رہنے والوں کے لیے یہ بات عجیب سی تھی کہ ان کی بستی میں رہنے والے کسی شخص کا ملاقاتی رکشا، یا ٹیکسی کے بجائے ایک معقول سی پرائیویٹ کار کا مالک ہو۔ بچے دور کھڑے گاڑی کی طرف دیکھ کر سرگوشیاں کرتے رہے لیکن کسی نے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔

چند منٹ بعد سلطان شاہ آیا تو خوش تھا۔ "چلو۔ گل بادشاہ موجود ہے۔"

میں کار کا دروازہ مقفل کر کے اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس بار ہم مین روڈ سے ہٹ کر ایک گلی نما بازار میں داخل ہوئے تھے اور سو قدم چل کر سلطان شاہ ایک مختصر سے چائے خانے کے سامنے رُک گیا جہاں ایک چبوترے پر بنی ہوئی انگیٹھیوں پر گندی پتیلیوں اور چائے دانیوں میں پانی جوش کھا رہا تھا اور فضا چائے کی تیز بو سے لبریز تھی۔

چبوترے پر بیٹھا ہوا شخص پنجوں کے بل آگے جھک کر بڑے تپاک کے ساتھ مجھ سے ملا تھا مگر نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے چہرے پر پل بھر کے لیے عجیب سی کیفیت آ کر گزر گئی جسے میں کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

میری مزاج پُرسی کے ساتھ وہ چند ثانیوں تک سلطان شاہ کے ساتھ پشتو میں رسمی گفتگو کرتا رہا پھر اس کے ایما پر سلطان شاہ مجھے لے کر اندر بڑھ گیا اور ہم دیوار کے ساتھ بنی ہوئی سیمنٹ کی پختہ بینچوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے جہاں پہلے ہی تین چار گاہک اپنے سامنے پڑی ہوئی چوبی میز پر چائے کی پیالیاں سجائے کسی پُرجوش بحث میں مصروف تھے۔

چائے ساز کارخانے اور مالکانہ بیٹھک پر مشتمل چبوترے سمیت اس ہوٹل کا رقبہ بمشکل پندرہ فٹ کے مربع پر مشتمل ہوگا

مگر اندر جگہ کی کمی کو باہر چوبی بینچیں ڈال کر پورا کر لیا گیا تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ باہر کے مقابلے میں اندر چھت کی بلندی خاصی کم تھی جس کا عقدہ ذرا سی کوشش کے بعد حل ہو گیا۔ ہوٹل کی اندرونی چھت آہنی شہتیروں پر رُکی ہوئی تھی اور اس میں چبوترے کے قریب ایک جگہ اتنا خلا نظر آ رہا تھا کہ اس میں سے آدمی گزر کر اوپر جا سکتا تھا۔

ہمارے داخل ہونے پر وہاں پہلے سے موجود گاہکوں کی توجہ چند ثانیوں کے لیے ہماری طرف مبذول ہوئی تھی لیکن پھر وہ ہماری طرف سے بے پروا نظر آنے لگے تھے۔ اسی اثنا میں گل بادشاہ جو ہوٹل کا مالک ہونے کے ساتھ وہاں کا واحد ہنر مند کاریگر بھی تھا' اپنی گدی پر ایک بار والے کو بٹھا کر دوبارہ مزاج پرسی کرتا ہوا ہمارے پاس آ بیٹھا۔ اس بار اس نے میزبانی کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے کھڑی اردو کا سہارا لیا تھا جو میں بہ آسانی سمجھ سکتا تھا۔

دوسرا بار والا فوراً ہی میز پر تام چینی کی ایک سبز کیتلی میں چائے اور تین پیالیاں رکھ گیا اور گل بادشاہ نے چائے پیالیوں میں انڈیلتے ہوئے سلطان شاہ سے طویل غیر حاضری کا شکوہ شروع کر دیا' اس دوران میں میں نے محسوس کیا کہ گل بادشاہ بار بار میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

سلطان شاہ نے اسے بتایا کہ ہم دونوں حیدر آباد سے آئے تھے۔ ارادہ یہ تھا کہ کسی ہوٹل میں شب بسری کے بعد میں اگلے دن شہر کی سیر کرتا اور سلطان شاہ اپنے کام سے فارغ ہو کر شام میں مجھے لیتا ہوا واپس لوٹ جاتا۔

"ہوٹل گیا تو لعنت ہے گل بادشاہ خان پر۔" میزبان' ہوٹل کا نام سنتے ہی حسبِ توقع بھڑک گیا۔ "برادر نعیم کو اگر ہمارا ڈیرا پسند نہیں تو تم اسے ہوٹل چھوڑ کر ادھر آ جاؤ' رات میں ہم باتیں کریں گے۔"

تعارف کے دوران ان کے درمیان میرا نام نعیم ہی قرار پایا تھا۔

"پسند کی بات نہیں گل بادشاہ!" میں نے انجان بنتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "ابھی تو میں نے تمہارا ڈیرا دیکھا بھی نہیں مگر....."

"اگر مگر کچھ نہیں۔" گل بادشاہ نے میری بات کاٹ دی۔ "ہمارا ڈیرا یہ ہے... ادھر... اوپر۔" اس نے ہاتھ کے پُرزور اشاروں کے ساتھ کہا۔ "سلطان خانا ہمارا بھائی ہے۔ تم اس کے ساتھ آیا تو تم بھی ہمارا بھائی ہے' اوپر سیٹھ لوگ والا نخرا ٹخرا نہیں ہے' سیدھا زمین پر گدّے کا بستر ہے۔"

"بس یہی مجبوری ہے۔" سلطان شاہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "میرے ساتھ دس آدمی بھی ہوں تو گل بادشاہ اپنی چھت کی مضبوطی کی پروا کیے بغیر ایک کو بھی کہیں اور شب باش نہ ہونے دے گا ورنہ ناراض ہو جائے گا۔ اسی لیے جب میں جلدی میں آتا ہوں تو اس سے ملے بغیر لوٹ جاتا ہوں۔"

"اوئے برادر! دل مضبوط ہونا چاہیے۔" وہ خاصی قوت کے ساتھ اپنے بائیں پہلو پر ہاتھ مار کر بولا۔ "چھت گرے گا تو گل بادشاہ تم سے پہلے نیچے دبے گا۔ ابھی قصہ خلاص' چائے پی کر تم اوپر چڑھ جاؤ' تھوڑی دیر میں میں بھی تمہارے پاس آتا ہوں۔"

ہمارا مسئلہ خلافِ توقع بہت آسانی کے ساتھ حل ہو گیا تھا۔ سلطان شاہ نے اسے گاڑی کے بارے میں بتایا تو اس نے صرف رنگ معلوم کر کے اسے مطمئن کر دیا کہ وہ اوپر آنے سے پہلے کسی کی ذمے داری لگا دے گا کہ وہ گاڑی کے قریب ہی سوئے' اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

چائے نوشی کے دوران میری متجسس نگاہیں وہاں کوئی سیڑھی تلاش کرتی رہیں جس کے ذریعے دوچھتی پر پہنچا جا سکے مگر وہاں ایسی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

پہلا اجلاس برخواست ہوتے ہی وہ تجسس بھی دور ہو گیا۔ چبوترے پر چڑھ کر پہلے انگلیوں پھر ہتھیلی کے زور پر اپنا وجود اوپر اُٹھاتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ وہ خالص مردانہ ڈیرا تھا۔ صنفِ نازک کو کہیں اس مشقت سے گزرنا پڑتا تو پنجے سے کلائی' شانے اور کمر تک کوئی جگہ موچ سے نہ بچتی' رہی سہی کسر کششِ ثقل پوری کر دیتی جو قویٰ کمزور پڑتے ہی پورے وجود کو چبوترے کے راستے سنگلاخ فرش پر دے مارتی۔

دوچھتی ہر لحاظ سے صاف ستھری اور آرام دہ تھی' ایک دیوار میں قدِ آدم آئینے کے بعد جتنی جگہ میسر تھی' سب ملکی اور غیر ملکی اداکاراؤں کے رنگین پوسٹروں سے سجا دی گئی تھی۔ ریڈیو اور ٹی وی کے علاوہ مختصر سا وی سی پی بھی موجود تھا۔ داخلے کے راستے کے اوپر اسی قسم کا ایک اور خلا نظر آیا مگر وہ ایک نفیس اور سُبک آہنی سیڑھی کے ذریعے قابلِ رسائی تھا۔ سلطان سے پتا چلا کہ اس سے اوپر چھت پر غسل و حاجت روائی کی سہولیات میسر تھیں۔

وہاں بیٹھنے کے بعد جب میں نے سلطان شاہ کو گل بادشاہ کے پہلی بار ملنے پر چونکنے اور پھر بار بار میری طرف دیکھنے کے بارے میں آگاہ کیا تو وہ فکر مند نظر آنے لگا۔

"یہ بات تمہیں پہلے ہی بتانا چاہیے تھی تاکہ ہم یہاں نہ ٹھہرتے۔" اس نے دھیمی' تشویش زدہ آواز میں کہا۔

"کیوں؟ کیا یہ تمہارے بھروسے کا آدمی نہیں ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔ "خطرے کی طرف تو میرا ذہن گیا ہی نہیں تھا پھر مجھے تم سے علیحدگی میں بات کرنے کا موقع ہی کہاں ملا۔ نیچے تو ہماری سرگوشی تک اس کے کانوں میں پڑ سکتی تھی۔"

"وفادار اور دوستوں کے لیے کٹ مرنے والا آدمی ہے لیکن تم نے جو کچھ بتایا اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ تمہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر اس نے تمہیں ڈینی کی حیثیت سے پہچان لیا تو وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہو جائے گا کہ میں نے اس پر بھروسا نہیں کیا اور تمہیں اس سے نعیم کے فرضی نام سے متعارف کرایا۔"

"پھر تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسے اپنی بے عزتی تصور کرتے ہوئے ہمیں کوئی نقصان ہی پہنچا دے۔" سلطان کی تشویش میری سمجھ میں آ گئی تھی گل بادشاہ جیسے لوگ محبت اور نفرت کے معاملے میں انتہا پسند اور مغلوب الغضب ہوتے ہیں۔ اَنا کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے تو برسوں کی رفاقت لمحوں میں خونخوار دشمنی میں بدل جاتی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی ہمارے پاس وقت ہے۔" اس نے پُرتفکر انداز میں کہا۔ "وہ تمہیں پہچاننے کی کوشش ضرور کر رہا ہے لیکن پہچان نہیں سکا ہے ورنہ اس کا رویّہ فوراً ہی سرد مہرانہ ہو جاتا۔ وہ نوبت آنے سے پہلے ہی ہمیں یہاں سے نکل بھاگنا چاہیے۔"

"اگر تم مناسب سمجھو تو یہاں سے بھاگنے کے بجائے اسے اعتماد میں بھی لے سکتے ہو۔ بڑی خوبصورتی سے بات بنائی جا سکتی ہے کہ نیچے گاہکوں کی موجودگی میں تم نے میرا اصل نام بتانا مناسب نہ سمجھا۔ گل بادشاہ کا نہ نام میرے ذہن میں ہے نہ شکل۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ اس نے مجھے کس حوالے سے پہچانا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں اسے یہیں بلاتا ہوں۔" یہ کہہ کر سلطان شاہ دوچھتی سے نکاسی والے خلا کے قریب پہنچا اور گل خانا کو آواز دی۔ جواب میں نیچے سے کسی نے پشتو میں جواب دیا اور سلطان شاہ بھی اسی زبان میں کچھ کہہ کر واپس لوٹ آیا۔

پتا چلا کہ گل بادشاہ ہوٹل سے کہیں گیا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے اس کے جانشین کو پیغام دے دیا تھا کہ وہ جیسے ہی واپس آئے' اسے اوپر بھیج دیا جائے کیونکہ ایک فوری کام درپیش تھا۔

"وہ اس وقت کہاں گیا ہو گا ہوٹل چھوڑ کر؟" میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ گاڑی کی دیکھ بھال کے لیے کسی کو ہدایت دینے گیا ہو۔" سلطان شاہ نے سرسری لہجے میں کہا۔ "ہمیں اس کی طرف سے اتنا بدظن نہ ہونا چاہیے۔"

میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگالی اور صورتِ حال پر غور کرنے لگا۔ گل بادشاہ' سلطان شاہ کا دوست تھا اس لیے میں نے اس کے مشورے پر خاموشی تو اختیار کر لی تھی لیکن میرے ذہن پر فکر سوار ہو گئی تھی۔ نجانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دوچھتی ہمارے لیے چوہے دان بننے والی ہو۔

جب بے چینی حد سے تجاوز کرنے لگی تو میں سگریٹ پیتے ہوئے کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ سلطان شاہ اس وقت میری دلی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا لیکن اس نے زبان کھولنے کے بجائے خاموشی اختیار کیے رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

پھر خدا خدا کر کے نیچے سے گل بادشاہ کی آواز سنائی دی اور اس کی انگلیاں اوپر رہنمائی کرنے والے خلا سے گزر کر چوبی فرش کے کناروں پر جم گئیں۔ پلک جھپکتے میں وہ اوپر آ چکا تھا۔ اس سے پہلے ہی میں اپنا اضطراری انداز دبا کر نیچے بیٹھ چکا تھا۔

"کہو سلطان خانا! کیا بات ہے؟" اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بے تکلفانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ تم سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی کے ساتھ کہا اور وہ بغور میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہمارے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"تم کہاں گئے ہوئے تھے برادر؟" میں نے نرم لہجے میں جاننا چاہا۔

"ہمارے کو غرق کر دیا' تم اپنا کام بولو۔ ہم پریشان ہے کہ سلطان کو ہمارا کیا ضرورت پڑ گیا۔" اس کے لہجے سے واقعی تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔

"نیچے تمہارے گاہک بیٹھے ہوئے تھے اس لیے میں کھل کر بات نہ کر سکا۔" سلطان شاہ نے تُلے تُلے الفاظ میں احتیاط سے اپنی بات شروع کی۔ "میرے دوست کو کچھ لوگوں سے اپنی جان کا خطرہ ہے اس لیے اس نے نعیم کا فرضی نام اختیار کیا ہوا ہے مگر اس کا اصل نام ڈینی ہے۔"

گل بادشاہ کا ردِعمل قابلِ دید تھا۔ پہلے اس کے چہرے پر خوشی کی پُرجوش چمک نمودار ہوئی جو لمحہ بھر میں حیرت میں ڈھل گئی۔ پھر وہ متاسفانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

"تم نے یہ راز بتانے میں بہت دیر کر دی خانا۔" وہ دردمندانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تو دیکھتے ہی شبہ ہوا تھا کہ صورت جانی پہچانی ہے لیکن تم نے فوراً ہی غلط نام بتا کر مخمصے میں ڈال دیا اور میں یہ کہہ ہی نہیں سکا کہ تمہارا دوست میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔ اب تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا' اپنے ہاتھ پیر میں نے خود کاٹ لیے ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ کھل کر بات کرو گل بادشاہ۔" سلطان شاہ اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے' دبی دبی ہذیانی آواز میں بولا۔

"میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔ میں نے اس کے دشمنوں کو مخبری کر دی ہے۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

سلطان شاہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ میرا دل اچھل کر

حلق میں آگیا۔ آخر کار میرے بدترین خدشات نے حقیقت کا روپ دھار ہی لیا تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا گل خانا؟" سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہا۔

"سچی بات۔" وہ اپنی شہادت کی انگلی اپنے سینے پر رکھ کر بولا۔ "میں سمجھا کہ یہ دوست تم کو بھی اُلو بناتا ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھ کو جان بوجھ کر غلط نام بتا دو گے۔"

"مجبوری تھی گل خان!" سلطان شاہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "ہوٹل میں تمہارے گاہک بیٹھے تھے، میں نے سوچا تھا کہ اوپر آؤ گے تو پوری بات بتا دوں گا۔"

"تمہاری وجہ سے مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آسکا تھا، مجھے بس شبہ تھا اور میں نے ان لوگوں کو بھی اپنے شبہے سے آگاہ کیا ہے۔ تصدیق کیے بغیر وہ اس پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے، پکی بات کہتا تو وہ اب تک یہاں آگھسے ہوتے۔"

صورت حال یک بیک بے حد سنگین ہوگئی تھی۔ میرا نام اور میری صورت شہر میں اتنی بھی غیر معروف نہیں تھی جتنی میں سمجھتا رہا تھا۔ پناہ حاصل کرنے کے لیے لانڈھی جیسا دور افتادہ علاقہ بھی اب اپنا مدفن بنتا نظر آرہا تھا۔

"اگر مخبری سے بڑھ کر تمہاری مجھ سے کوئی عداوت نہیں ہے تو ہم دونوں کو خاموشی سے نکل جانے دو۔ ہم شہر میں کہیں بھی اپنا انتظام کرلیں گے۔"

"تم باہر قدم بھی نہیں نکال سکتے۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔ "باہر مسلح آدمی تمہاری گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں تمہیں پہچانتے ہی وہ بے دردی کے ساتھ تمہیں گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیں گے، انھیں یہ بھی پروا نہ ہوگی کہ تمہارے ساتھ دو چار بے گناہ راہگیر بھی مارے جائیں گے۔ اب تک تمہاری گاڑی بھی ان کے کڑے پہرے میں آچکی ہوگی۔ جب تک تم اندر ہو میری امان میں ہو تم دس دن بھی باہر نہیں نکلو گے تو وہ تمہارا انتظار کرتے رہیں گے۔"

میں بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا وہ جو کچھ بتا رہا تھا، وہ بہت سنگین تھا۔ ہوٹل میں قدم رکھتے ہی میری چھٹی حس نے خطرے کا جو الارم دیا تھا، وہ سلطان شاہ کی تمام تر خوش خیالی کے باوجود درست ثابت ہوا تھا۔ باہر ہر طرف موت ڈیرے ڈالے ہوئے تھی اور ہم دونوں اس چوہے دان میں بند تھے۔

وہ تو غنیمت تھا کہ اس وقت ہم دونوں مسلح تھے۔ سلطان شاہ کے پاس ایکسپلوڈر فاضل میگزین سمیت موجود تھا میرے پاس آخری شکار سے چھینا ہوا پستول موجود تھا جس سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ بس غیر ارادی طور پر ہی ہم نے اسلحہ گاڑی میں چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا ورنہ اس وقت نہتے ہی ہوتے۔

ہماری تمام سفری دستاویزات ٹریول ایجنٹ کے پاس تھیں اور کریڈٹ کارڈ سمیت ساری رقم میری تحویل میں تھی یعنی فرار کی کوئی راہ مل جاتی تو ہم کار چھوڑ کر بہ آسانی کوئی بھی راہ اختیار کرسکتے تھے۔

"تم نے ہمیں امتحان میں ڈال دیا ہے گل بادشاہ۔" سلطان شاہ کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری پیدا ہوگئی تھی۔ "دشمنوں سے اتنا ہی پیار تھا تو ان کو خبر پہنچانے سے پہلے مجھ سے تو اعتماد میں بات کرلی ہوتی۔"

"اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے، جو چاہو کہتے رہو حالات بدل نہیں سکتے۔" اس نے مضبوط اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "ازالے کی ایک ہی صورت ہے کہ مجھے اسلحہ کے زور پر یرغمال بناؤ اور میری آڑ میں نکل جاؤ۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری زندگی کی پروا کیے بغیر فائر کھول دیں۔" وہ فکرمندانہ لہجے میں بولا۔

"میں اس موت کو اپنی سزا سمجھ کر قبول کرنے کو تیار ہوں۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"اتنی عجلت مناسب نہیں۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا۔ "ہم یہاں رات تو گزارنے کے لیے ہی آئے ہیں۔ صبح تک مسلح آدمیوں کو کوئی تشویش نہیں ہوگی۔ ہاں دن چڑھے بھی ہم اندر مقید رہے تو وہ چوکنا ہوجائیں گے اس لیے ہمیں رات بھر میں سوچ کر کوئی نہ کوئی راہ نکالنا ہوگی۔"

"اگر ابھی بھی تم مجھے ڈینی کا اصل نام نہ بتاتے تو بخدا میں تمہیں ایک لفظ نہ بتاتا اور تم باہر نکلتے ہی بے خبری میں مارے جاتے۔ تم سچ بولے تو مجھے بھی مجبوراً زبان کھولنا پڑی ورنہ جیسے تم میرے دوست ہو اسی طرح تمہارا دشمن مجھے عزیز ہے۔"

اس کے آخری فقرے نے مجھے چونکا دیا۔ اس وقت بس تنظیم ہی میرے لہو کی پیاسی ہوسکتی تھی لیکن ان کی صفوں میں بظاہر ایسا کوئی شخص نہیں تھا جو گل بادشاہ کا اس حد تک ہم مزاج ہوتا کہ ان دونوں کی رفاقت مثالی سمجھی جاتی۔

"تم نے میرے بارے میں خبر کس کو پہنچائی تھی؟" میں نے آہستگی کے ساتھ سوال کیا۔

پہلی بار اس کے لبوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ نظر آئی۔ "بڑی عجیب بات ہے برادر کہ تم اپنے دشمنوں کو اتنی جلدی فراموش کر بیٹھے ہو جب کہ تمہارا نام تمہارے دشمن کے بھی خواہوں کے دلوں پر بھی نقش ہے۔"

"جب دشمن کئی ہوں تو ایسا ہی ہوتا ہے گل خانا۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"راجو۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی مگر مجھے ٹٹولنے پر بھی اپنے حافظے میں وہ نام کہیں نہ مل سکا۔ سلطان شاہ استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"شاید تم اسے بھول گئے لیکن وہ آج تک اپنے جوان بھائی کے خون کا داغ سینے سے لگائے تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا اور میرے ذہن میں یک بیک کئی برس پرانا وہ واقعہ تازہ ہوگیا تھا جس میں راجو ایک کردار تھا۔

وہ اس وقت کی بات تھی جب لوگ ہیروئن کے نام سے قطعی ناواقف تھے اور میں اپنے تین ساتھیوں سمیت شہر میں چرس کی تقسیم اور فروخت کے کاروبار میں تنظیم کی اجارہ داری کا عملی نگراں تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ہم سب سکندر علی کی خوف آور آواز کے اسیر تھے اور چرس کی فراہمی یکلخت موقوف کرکے شہر میں ہیروئن پھیلانے کا پروگرام آخری مراحل میں تھا۔

اسی زمانے میں عیسٰی خان نامی ایک ٹرانسپورٹر نے راجو کے تعاون سے لانڈھی میں واقع اس کے ہوٹل کی آڑ میں اس چرس کی فروخت شروع کرادی جو وہ فاضل آمدنی کے لالچ میں اپنے ڈرائیوروں کے ذریعے تھوڑی مقدار میں ملک کے بالائی علاقوں سے منگواتا تھا۔ اس کی وہ حرکت تنظیم کی اجارہ داری میں مداخلت تصور کی گئی اور تنظیم کے مسلح کارندوں نے ایک رات ہوٹل میں قیامت مچادی، ہوٹل برباد ہوگیا اور اس تصادم میں راجو کا بھائی مارا گیا۔

"مگر راجو کے بھائی کے قتل سے میرا تو کوئی تعلق نہیں تھا۔" میں نے ماضی کی یادیں کریدتے ہوئے تحیّر آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر وہ میرے خون کا پیاسا ہے تو مقابلے سے پہلے میں اس سے ملنا چاہوں گا۔"

"ان دنوں میں بھی اس کے لیے کام کرتا تھا۔" گل بادشاہ کہہ رہا تھا۔ "اس کے بھائی کے بعد تم لوگوں نے عیسٰی خان کو بھی مروا دیا۔ اس کی موت کے بعد نجانے کتنے گھروں میں مہینوں چولھے روشن نہ ہوسکے تھے۔"

اس بار سلطان شاہ کی چونکنے کی باری تھی۔ عیسٰی خان کے ورکشاپ میں ہیلپر کی نوکری سے اس نے کراچی میں اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا کیونکہ وہ مقرب خان کا دوست تھا اور مقرب، عیسٰی خان کا دستِ راست ہوا کرتا تھا۔ میرے ذہن میں پرانی تلخ یادیں سر ابھارنے لگیں۔ مقرب خان کو عیسٰی خان کے ایک حریف کی تلاش تھی، وہ اس کا پتا معلوم کرنے کے لیے سلطان اور اپنے بھائی عقرب کے ساتھ طارق علی کے مکان میں گھسا اور وہاں اچانک گولیاں چلنے لگیں۔ سلطان شاہ اور عقرب کو واپس لوٹا دیا گیا اور پھر طارق علی کو تنظیم کے کسی کارندے نے ہلاک کردیا۔ میرے شبہات عیسٰی خان کی طرف گئے، اسی دوران میں مقرب اور عقرب خان بھی مار ڈالے گئے۔ عیسٰی خان نے خوفزدہ ہوکر سلطان شاہ کا حساب بے باق کیا اور اسے پہلی فرصت میں شہر سے بھاگ جانے کا خرچہ دے کر غائب ہوگیا مگر میں اس کی راہ پر تھا۔ سلطان شاہ کو اپنے دوست طارق کا قاتل سمجھ رہا تھا لہٰذا میں نے اسے اپنی گاڑی میں بٹھالیا۔ پھر اس کی دوٹوک باتیں مجھے اتنی پسند آئیں کہ میں نے اسے اپنے ساتھ ملا لیا اور اسی کے بعد تنظیم کے خلاف میری مہم زور پکڑتی چلی گئی۔

اس دوران میں تنظیم کے مقامی معاملات سے خاصا دور ہوگیا تھا لہٰذا مجھے اندر کے بہتیرے واقعات کا علم نہیں تھا مگر اب گل بادشاہ بتا رہا تھا کہ عیسٰی خان بھی مروا دیا گیا تھا۔

اس تصدیق کے بعد سلطان شاہ کو بھی بڑا قلق ہوا کہ اس کا محسن اور مربی بھی خونریزی کا نشانہ بنا تھا۔ عیسٰی خان اور راجو کے تعلق کا مختصر سا خاکہ سننے کے بعد سلطان شاہ کو پوری صورتِ حال کا احساس ہوگیا مگر گل بادشاہ پر اس کہانی کا کوئی اثر نہیں ہوا، وہ جذبات سے عاری انداز میں سب کچھ سنتا رہا۔

"راجو اب وہ آدمی نہیں رہا جو برسوں پہلے تھا۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولا۔ "اُس وقت وہ اسلحہ جیب میں لیے ان گلیوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اب وہ ایک سخت گیر اور خونخوار آدمی ہے جس تک پہنچنا ناممکن ہے، آج کل آدھے شہر میں اسی کے اڈے چل رہے ہیں۔ اس نے تمہارے آدمیوں کو پکڑ کر موت کی سیج پر ان ہی سے اگلوایا ہے کہ ان دنوں شہر میں جو کچھ ہوتا تھا، تمہارے حکم سے ہوتا تھا اور تم خود کو نشیات کی دنیا کا بے تاج بادشاہ سمجھتے تھے۔"

"میں ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اسی کے بعد موجودہ صورتِ حال کے بارے میں کوئی فیصلہ کروں گا۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اگر وہ تصادم پر اڑا رہے گا تو ہم بھی اس کے دو چار آدمی گرا کر ہی زیر ہوں گے۔"

یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ اب میرے مقابل تنظیم نہیں بلکہ راجو اور اس کا گروہ ہے میں ذہنی طور پر خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا اور دل ہی دل میں گل بادشاہ کا ممنون بھی تھا کہ اس نے بروقت ہمیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کردیا تھا۔

"میں اب کچھ بھی نہ کرسکوں گا برادر!" گل بادشاہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "وہ پاگل آدمی ہے، میں نے تمہاری طرف سے

اسے کوئی پیغام بھیجا تو وہ تمھیں بھول کر میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا کہ میں نے اس کے آدمیوں کو بے خبری میں شکار کو دبوچنے کے موقع سے محروم کر دیا۔ اب تو بس یہی ایک راستہ ہے کہ اس سے اُلجھے بغیر چپ چاپ نکل جانے کی کوئی ترکیب سوچو۔"

"باہر اس کے کتنے آدمی ہوں گے؟" سلطان نے سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں۔ دو بھی ہو سکتے ہیں اور دس بھی۔" اس نے جواب دیا۔ "میں اس کے ساتھ کام کرتا تھا اس لیے اچھی طرح جانتا ہوں کہ ڈینی کا نام معلوم ہو جانے کے بعد اس کی بس یہی آرزو تھی کہ اس کی ایسی ہی چھلنی کی ہوئی لہولہان لاش دیکھے جیسے اس کے بھائی کی موت ہوئی تھی۔"

کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا پر بوجھل سکوت چھا گیا۔ تینوں اپنی اپنی جگہ سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ فضا میں بس ہوٹل اور گلی سے آنے والی ملی جلی آوازوں کا شور ہی گونج رہا تھا۔

"میرے پاس ایک کلاشنکوف پانچ سو راؤنڈز سمیت موجود ہے، چاہو تو وہ بھی لے جا سکتے ہو۔" گل بادشاہ نے پیشکش کی۔ اپنی جلد بازی سے ہمارے لیے مسئلہ کھڑا کر دینے پر وہ خاصا پشیمان نظر آ رہا تھا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی ہتھیار ہے تمھارے پاس؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بس اللہ کا نام ہے۔ آج کل کلاشنکوف سے کم کوئی ہتھیار رکھنا ہی بے سود ہے۔" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"پھر ہمیں کلاشنکوف کی ضرورت نہیں، ہتھیار مرد کا زیور ہوتا ہے، ہم خود غرضی میں تمھیں اس سے محروم نہیں کریں گے۔" سلطان نے فراخ دلانہ انداز میں کہا۔

"یہ سب پہاڑوں کی روایتیں ہیں، یہاں تو اسے چھپا کر رکھنا پڑتا ہے۔"

کافی دیر کے غور کے بعد اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور میں فوراً ہی چھت پر جانے والے زینے کی طرف ہو لیا۔ اُن دونوں نے مجھ سے کچھ پوچھنے کی زحمت نہیں کی۔ شاید وہ یہی سمجھے ہوں گے کہ میں کسی ضرورت کے تحت اوپر جا رہا تھا مگر میں اس وقت ایک اور ہی امکان کا جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔

پختہ چھت پورے ہوٹل کے طول و عرض پر محیط تھی، وہ چڑھتے چاند کی ابتدائی راتیں تھیں۔ لہٰذا یہ امکان نہیں تھا کہ دھندلائے ہوئے آسمان کے پس منظر میں نیچے سے میرا ہیولا دیکھا جا سکے مگر میں پھر بھی بہت زیادہ محتاط تھا۔ سامنے کی سمت کا تو جائزہ لینا ہی بے سود تھا کیونکہ ادھر بارونق گلی میں بازار واقع تھا۔

ہوٹل کی مختصر سی عمارت کے دائیں بائیں ٹین کی نیچی چھتوں والے چھوٹے چھوٹے مکان تھے لیکن عقبی سمت میں دیکھتے ہی میرے دل میں اُمید کی کرن پیدا ہو گئی۔

وہ آبادی بہت گنجان اور بے ترتیب تھی لیکن پھر بھی قابضین نے اپنی اپنی ملکیت کی حد بندی کرتے ہوئے اپنی سہولتوں کا خیال رکھا تھا۔ پشت پر مکان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہونے کے بجائے ایک دوسرے سے کم و بیش دس فٹ دور تھے اور اس تنگ سی گلی میں کسی مکان سے نکاسی کا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ "تنگ اور گھور تاریک گلی میں سے اُٹھنے والے متعفن بھبکوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ گلی کوڑا کرکٹ پھینکنے کے کام آتی ہو گی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ عین ہوٹل کی پشت پر ایک دوسرے سے ملحق کئی مکانات کی بلندی ہوٹل جتنی یا اس سے زیادہ ہی تھی جس کے سبب ہوٹل کی عقبی دیوار کا دور سے دیکھا جانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس سمت میں گندی گلی ہونے کے باعث کسی دیوار میں کوئی کشادہ کھڑکی نہیں تھی البتہ ایک دو روشن دان نظر آ رہے تھے۔

میں فوراً ہی دوچھتی میں واپس لوٹ آیا۔ میری دریافت پر گل بادشاہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا کیونکہ آخر کار اس کی سرخروئی کی ایک صورت نکل ہی آئی تھی۔

کچھ دیر تک اپنی تجویز کی جزئیات پر دبی آواز میں تبادلۂ خیال کرنے کے بعد گل بادشاہ نیچے چلا گیا تاکہ معمول کے مطابق اپنا ہوٹل کا کام سنبھال سکے۔ جاتے جاتے اس نے ہم سے کھانے کے بارے میں بہت اصرار کیا مگر اس کٹھن صورتِ حال سے دوچار ہونے کے بعد ہماری بھوک سرے سے اُڑ گئی تھی پھر یہ شبہ بھی میرے لاشعور میں کلبلا رہا تھا کہ راجو کے آدمی بہت بالادست تھے، اگر گل بادشاہ ہمارے لیے ہوٹل سے کھانا منگواتا تو وہ اس میں کوئی خواب آور دوا ملا سکتے تھے تاکہ مقابلے کا خطرہ مول لیے بغیر بے ہوشی کی حالت میں ہماری شناخت کرتے اور پھر ہم میں سے جو مطلوب ہوتا اُسے خاموشی سے اُٹھا لے جاتے۔

گیارہ بجے تک ہوٹل زور و شور سے چلتا رہا جس کا اندازہ نیچے سے آنے والی آوازوں سے ہو رہا تھا۔ اس دوران میں سلطان شاہ نے گل بادشاہ کی ہدایت کے مطابق اس کے سامان میں سے نائیلون کی ایک مضبوط رسّی تلاش کر لی تھی جس کے سہارے چھت سے پچھلی گلی میں اترا جا سکتا تھا۔

سلطان شاہ خود بھی اوپر جا کر پورا جائزہ لے آیا تھا اور اس کا بھی یہی خیال تھا کہ راجو کے آدمیوں نے گندی گلی کو نظر انداز کیا ہوا تھا کیونکہ انھیں شبہ تک نہ رہا ہو گا کہ ہماری حکمتِ عملی سے متاثر ہو کر گل بادشاہ ہمیں خطرے سے ہوشیار کر دے گا اور ہم عام راستے کے بجائے عقبی سمت سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔

صبح کی ڈیوٹی والے سو چکے تھے پھر رات والے بھی چلے گئے، اس کے بعد آخری رونق شاید شام کی ڈیوٹی سے لوٹنے والوں کی تھی۔ سوا گیارہ بجے تک نیچے سناٹا چھانے لگا اور آوارہ کتوں کا شور فضا پر حاوی ہوتا محسوس ہونے لگا۔

سناٹا پھیلنے کے بعد نیچے برتنوں کے ساتھ ہوٹل کا فرش بھی دھویا جانے لگا ان سب کاموں سے فارغ ہو کر گل بادشاہ بارہ بجے کے قریب اوپر آیا تو اس کے بشرے سے تکان کا اظہار ہو رہا تھا۔

"ارے تم سوئے نہیں اب تک؟" اس نے حیرت سے پرکتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ہمیں محتاط ہونے کا اشارہ کیا تھا۔

"تمھارے انتظار میں جاگ رہے تھے، گپ شپ لگا کر سو جائیں گے۔" سلطان شاہ بولا۔

"میں ذرا سی دیر میں تازہ دم ہو کر آتا ہوں۔" گل بادشاہ نے اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور میں جوتے پہنے بغیر پنجوں کے بل اس کے پیچھے ہو لیا۔

اس کے محتاط رویّے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر لیں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی جو اس کے بس سے باہر تھی۔

"سب کچھ گڑبڑ ہو گیا۔" وہ چھت پر پہنچتے ہی دبی دبی متوحش آواز میں بولا۔ "وہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ ان کا ایک مسلح ساتھی نیچے کھڑری بینچ پر لیٹا اوپر کی سن گن لے رہا ہے۔ وہاں ہم بات کرنا تو درکنار، ہل جل بھی نہ سکیں گے۔"

"اس کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

"ہوٹل بند ہونے تک آتے جاتے رہے تھے۔ اب قرب و جوار میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ رات کے سناٹے میں وہ کھلے عام تو نگرانی نہیں کر سکتے۔ یہاں رہنے والے ان کو پکڑ لیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہم دو بجے اپنے منصوبے پر عمل شروع کریں گے۔ اس وقت تقریباً ساری ہی آبادی گہری نیند سو چکی ہو گی۔ سب کچھ طے ہے، اب ہمیں بولے بغیر خاموشی سے عمل کرنا ہو گا۔"

"اور اگر اسے ذرا بھی آہٹ مل گئی تو وہ اندر سے کنڈی کھول کر اپنے ساتھیوں کو جمع کر لے گا۔ دوچھتی کا فرش تختوں کا ہے جو بھی کبھی بوجھ پڑنے سے چرچرا بھی جاتے ہیں۔" وہ پہلی بار خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔ "ایک مرتبہ پھر سوچ لو کہ کہیں آخری وقت پر لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔"

"تم ہمت کرو تو سب کچھ آسان ہو سکتا ہے۔" میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ اب مجھے تمھاری سلامتی سب سے زیادہ عزیز ہے۔"

"ہمارے سو جانے کا بہانہ کر کے اسے اوپر بلا لینا، ہم اس کا کام تمام کر دیں گے۔" میں نے جھجکتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"قتل کا الزام میرے سر آئے گا۔" خلافِ توقع اس نے بہادری کے بجائے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"راجو اصول پرست ہے، وہ پولیس سے رجوع نہیں کرے گا۔"

"میں جانتا ہوں مگر وہ اپنا حساب خود لینا جانتا ہے۔"

"تمھیں بے دست و پا کرنے کے بعد ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ تمھارے دفاع کے لیے یہی کافی ہو گا کہ صبح دروازہ توڑ کر ہوٹل کھولا جائے گا اور تم اوپر بندھے ہوئے ملو گے۔"

"اللہ مالک ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "تم اپنی جان بچانے کی فکر کرو، بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور پھر ہم دونوں نیچے لوٹ آئے۔

اس وقت ہم تینوں ہی شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھے اور آپس میں کئی باتیں طے کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن نیچے والے کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ اسے یہ باور کرانا بھی ضروری تھا کہ ہمیں صورتِ حال میں کسی غیر معمولی تبدیلی کا کوئی احساس نہیں ہوا ہے لہٰذا کچھ دیر تک آپس میں غیر ضروری گفتگو کرتے رہنے کے بعد ہم نے یوں خاموشی اختیار کر لی جیسے سو جانے کا ارادہ رکھتے ہوں لیکن حقیقت یہ تھی کہ ہماری آنکھوں میں نیند کا کوسوں دور بھی پتا نہیں تھا۔ انتظار اور غیر یقینی مستقبل کے تردد نے ہمارے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

بظاہر خاموشی اختیار کر لینے کے بعد میں نے سلطان کے کان میں سرگوشیاں کرتے ہوئے اسے اپنے اور گل بادشاہ کے درمیان ہونے والے خوفناک فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا جس کے نتائج پر ہماری سلامتی کا دار و مدار تھا۔

ٹھیک دو بجے گل بادشاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی کامیابی کے لیے دعا کی اور وہ پنجوں کے بل چلتا ہوا فرش کے خلا کی طرف بڑھ گیا۔ نیچے اترنے سے قبل اس نے فرش پر گھٹنے ٹیک کر خلا سے نیچے سر جھکا کر خفیف سی شُشکاری بلند کی اور پھر کوئی آواز پیدا کیے بغیر آہستگی سے نیچے چلا گیا۔

ہم دونوں تاریکی میں سانس روکے نیچے سے آنے والی

کسی آواز کے منتظر تھے لیکن وہاں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔

ہوٹل بند ہونے کے بعد نیچے کی روشنیاں تو گل کر ہی دی جاتی تھیں لیکن خاموشی اختیار کرنے کے ساتھ ہی ہم نے دوچھتی میں بھی اندھیرا کر دیا تھا۔ ایک نادیدہ مسلح دشمن کے مقابلے میں تاریکی ہی ہمارے حق میں بہتر تھی۔ روشنی سے بننے والے سائے بھی ہماری کسی لغزش کی بنا پر اس کو آخری لمحات پر چوکنا کر سکتے تھے۔

نیچے بدستور موت کا سا اتنا ہی سکوت چھایا ہوا تھا جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔ میں نے سلطان شاہ کو اشارہ کر کے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی ڈوری کی مضبوطی کا اندازہ لگاتا ہوا احتیاط سے چوبی فرش کے خلا کے قریب اس طرح اکڑوں ہو کر بیٹھ گیا کہ نیچے والا مجھے نہ دیکھ سکے۔

پل بھر کے بعد سلطان شاہ بھی میرے قریب آ گیا۔ ہم پوری طرح تیار تھے اور اس چار دیواری میں کسی بھی لمحے خونریز کھیل شروع ہو سکتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا پھر میرے حساس کانوں میں نیچے سے گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں آئیں پھر چند ثانیوں بعد ہم سے چند فٹ کے فاصلے پر خلا میں سے اُبھر کر دو انسانی ہاتھوں کی مضبوط انگلیاں فرش پر جم گئیں۔

وہ گل بادشاہ تھا یا ہمارا حریف؟

یہ سوال ذہن میں ابھرتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں۔ پروگرام طے کرتے ہوئے وہ معمولی سا نکتہ فراموش کر دیا گیا تھا۔ نہ گل بادشاہ کو مارا جا سکتا تھا اور نہ اپنے دشمن کو پوری طرح اوپر چڑھ آنے کی مہلت دی جا سکتی تھی۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر بدترین صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

میں نے اندھیرے میں اپنی نگاہیں فرش کے خلا پر مرکوز کی ہوئی تھیں پھر جوں ہی ایک انسانی دھڑ کہنیوں کے بل اس خلا میں ابھرا تو میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سی سرایت کر گئی کیونکہ میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ گل بادشاہ تھا۔

اس کے اوپر آنے کے بعد بس ایک لحظے کے لیے ہماری آنکھیں چار ہوئیں اور اس نے ہاتھ ہلا کر نیچے کسی کو اوپر آنے کا اشارہ دیا۔ پھر دو ہاتھ خلا میں ابھرے انگلیوں کا زاویہ دیکھ کر میں نے اپنی پوزیشن قدرے تبدیل کی، دونوں ہاتھوں میں ڈوری کو پھیلا کر مضبوطی کے ساتھ تھاما اور جوں ہی دوسرا انسانی وجود اس خلا میں سے طلوع ہوا میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس کے گلے میں ڈوری ڈال کر اسے پوری قوت سے پیچھے گھسیٹ لیا۔



شاید اس نے چیخنا چاہا تھا لیکن میری بے رحمانہ گرفت بہت سخت تھی، اس کے حلق سے ایک معمولی سی خرخراہٹ کے بعد کوئی آواز نہ نکل سکی اور اس نے اپنے نرخرے کو موت کے بھیانک چنگل سے بچانے کے لیے دونوں ہاتھ فرش سے ہٹا لیے۔ ہاتھ ہٹتے ہی اس کے جسم کا سارا زور اچانک ڈوری پر آ گیا۔ مجھے ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ یک بیک اس کا بدن ڈوری کے سہارے خلا میں تقریباً معلق ہو گیا تھا اور اس کے ہاتھ ڈوری ہٹانے کی وحشیانہ کوششوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

قریب تھا کہ میں اپنا توازن کھو کر اپنے شکار سمیت فرش کے خلا میں سے ہوتے ہوئے نیچے جا گرتا کہ وہ دونوں ہی موقع کی نزاکت بھانپ کر اس پر ٹوٹ پڑے۔

میں اس کا سر اپنے گھٹنوں میں دبوچ کر پوری قوت سے ڈوری کے سرے کھینچنے لگا۔ سلطان شاہ نے اس کے سینے پر سوار ہو کر اسے وہیں روک لیا تھا۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ اس کی کمر فرش کے کنارے سے لگی ہوئی تھی اور نچلا دھڑ خلا سے نیچے معلق بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

میں نے رسّی کے پھندے پر زور لگا کر اسے آہستہ آہستہ اوپر کھینچنا شروع کر دیا۔ اس وقت ہم تینوں کے درمیان بلا کی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ سلطان شاہ میرے مطالبے کے بغیر اسے اوپر لانے میں میری مدد کر رہا تھا اور جوں ہی سخت جان حریف کا بدن اوپر آیا، گل بادشاہ نے پوری قوت سے اس کی ٹانگیں جکڑ لیں تاکہ چوبی فرش پر اس کے تڑپنے سے آوازیں پیدا نہ ہو سکیں۔

وہ بری طرح ہمارے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا لیکن اس کا بدن بار بار بری طرح مچل رہا تھا۔ ڈوری کے سرے میری ہتھیلیوں میں پیوست ہونے لگے تھے اور وہ چند ثانیے مجھے صدیوں پر محیط معلوم ہونے لگے تھے۔ نجانے وہ صورتِ حال کتنی دیر قائم رہی پھر آخر کار اس کے بدن نے ایک ایسی شدید جھرجھری لی کہ لمحے بھر کے لیے مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ ہم تینوں کو ہی الٹ کر کھڑا نہ ہو جائے لیکن وہ شاید اس کی زندگی کا آخری لمحہ تھا۔

اس سے گزرتے ہی اس کا بدن ڈھیلا پڑنے لگا مگر میں نے سو فیصد تک اس کے نرخرے پر ڈوری کی گرفت ڈھیلی نہیں کی جب تک گل بادشاہ نے اس کی ٹانگیں چھوڑتے ہوئے اس کی موت کی تصدیق نہیں کر دی۔

اس کے شانے سے روسی ساخت کی لوڈ کی ہوئی کلاشنکوف کا تسمہ الجھا ہوا تھا۔ جیبوں میں فاضل راؤنڈز کے ساتھ ایک بھرا ہوا فاضل میگزین بھی موجود تھا جو اس اسلحہ کے تیز تر اور مؤثر استعمال میں بہت مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

لاش کا چہرہ بری طرح بگڑ کر رہ گیا تھا۔ اندھیرے میں سیاہ چہرے پر باہر ابلی ہوئی آنکھوں کی سفیدی بہت بھیانک لگ رہی تھی۔ زبان دہانے سے باہر لٹکی ہوئی تھی اور تاریکی کے باعث اس کے اصل خدوخال کا اندازہ لگانا دشوار ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ واقعی بدترین موت کا شکار ہوا تھا لیکن ہم میں سے کسی کے دل میں اس کے لیے رحم یا ہمدردی کے جذبات نہیں تھے۔ سلطان شاہ نے کلاشنکوف فاضل راؤنڈ اور میگزین سمیت اپنی تحویل میں لے لی اور ہم دوسرے مرحلے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کو ٹھکانے لگانے کے بعد بھی ہم نے دوچھتی میں روشنی کرنے کی ہمت نہیں کی تھی کہ مبادا وہ روشنی کسی روزن سے باہر دیکھ لی جائے اور مرنے والے کے ساتھی اتنی رات گئے کسی تبدیلی کے امکان کے پیشِ نظر ہوشیار ہو جائیں۔

گل بادشاہ واقعی دل کا بادشاہ تھا اس نے ایک غلط فہمی بلکہ اپنی عجلت کے سبب ہمارے لیے دشواری پیدا کی اور پھر اس کا سدِباب کرنے کے لیے اپنی چھت کے نیچے ایک ایسے خطرناک آدمی کا قتل کرنے کی اجازت دے دی جس کا کفارہ اسے بہت مہنگا پڑ سکتا تھا۔ ہم نے اس پر یہ واضح کر دیا تھا کہ اگر ہماری کار مل سکے تو بلاشرکتِ غیرے اس کی ملکیت ہو گی۔

"میں تیار ہوں، تم اپنا کام شروع کر سکتے ہو۔" اندھیرے میں گل بادشاہ کی آواز ابھری اور وہ وہیں فرش پر بیٹھ گیا اور ہم دونوں نے ندامت کے زبانی اظہار کے ساتھ عملی طور پر اس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھنے شروع کر دیے تاکہ صبح ہمارے فرار اور لاش کی موجودگی کا انکشاف ہونے کے بعد وہ اپنی بے گناہی کے حق میں یہ عذر پیش کر سکے کہ اسے بے دست و پا کر کے ہم نے اس کی نگاہوں کے سامنے راجو کے آدمی کو ہلاک کیا اور پھر فرار ہو گئے۔

ہماری اس کارروائی کے جواز میں اسے مقتول پر بے احتیاطی کا الزام عائد کرنا تھا جس کی بنا پر نہ صرف ہم ہوٹل میں اس کی موجودگی سے واقف ہوئے بلکہ ہم نے گل بادشاہ کو بھی تشدد کا نشانہ بنا ڈالا اور اس سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہو گئے۔

مضبوطی کے ساتھ اس کے ہاتھ پیر باندھنے کے بعد ہم نے اسے الوداع کہا۔ جواب میں اس نے بھی دُعائیہ کلمات ادا کیے اور پھر ہم نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر ایک رومال سے اس کا دہانہ جکڑ دیا۔ اب وہ نہ ہل جل سکتا تھا اور نہ بولنے کے قابل رہا تھا۔ یہ اسی کا حوصلہ تھا کہ محض دوستی کی خاطر اس نے صبح کسی کے وہاں پہنچنے تک اس قدر قابلِ رحم حالت میں رہنا منظور کر لیا تھا۔

سلطان شاہ نے چلتے چلتے گل بادشاہ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور ہم نائیلون کی رسّی لے کر چھت پر جانے والے زینے کی طرف ہو لیے جہاں دھندلائی ہوئی تاریک فضا ہمیں اپنی آغوش میں لینے کی منتظر تھی۔

اس وقت میرے لیے خطرات زیادہ سنگین تھے اس لیے سلطان شاہ نے کلاشنکوف بھرے ہوئے فاضل میگزین سمیت میرے حوالے کر دی اور خود رسّی کا سرا چھت سے اوپر ابھرے ہوئے ایک پائپ کے سہارے باندھنے لگا۔

"اس بستی میں بھاری اکثریت پٹھانوں کی ہے۔" اس نے رسّی کو بل دے کر گرہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر اتفاق سے کسی پٹھان سے سامنا ہو جائے تو تم گونگے بن جانا۔ میں خود بات سنبھال لوں گا۔"

"اب یہ بھی بتا دو کہ گندی گلی میں اترنے کے بعد کدھر کا رُخ کرنا مناسب ہو گا؟ یہ علاقہ تمھارا دیکھا بھالا معلوم ہوتا ہے۔"

"بستی میں گھومنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا، بس گل بادشاہ کے پاس آتا رہا ہوں۔ ویسے اندر گنجان آبادی میں جانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ بہتر یہی ہو گا کہ مین روڈ کا رُخ پکڑا جائے۔"

"کلاشنکوف لے کر تو ہم سڑک پر نہ جا سکیں گے گشتی پولیس سے بھی سامنا ہو سکتا ہے۔"

"کلاشنکوف تو کسی تصادم سے نمٹنے کے خیال سے لی ہے۔ میدان صاف ملا تو سڑک پر نکلنے سے پہلے گندی گلی ہی میں اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔"

وہ رسّی باندھ چکا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اسے کھینچ کر اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا پھر اس کے بل کھول کر اس کا آزاد سرا دیوار پر سے گزار کر گلی میں پھینک دیا اور تیزی سے پیچھے ہٹ آیا۔

اگر پچھلے حصے میں کوئی ہوتا تو اسے رسّی گرتے ہی چونکنا چاہیے تھا لیکن کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی فضا پر سناٹا چھایا رہا تو ہم نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

بظاہر رسّی پھینکنے کا کوئی ردِعمل نہیں ہوا تھا مگر میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شاید نیچے کوئی موجود ہی ہو اور رسّی گرنے کے بعد دیوار سے چپکا اس کمند کے ذریعے کسی کے نیچے اترنے کا منتظر ہو مگر اب ہم میں سے کسی ایک کو خطرہ مول لینا ہی تھا۔ میں آگے بڑھا تو سلطان شاہ نے سختی سے مجھے روک دیا۔

"تمھاری زندگی اہم ہے۔ اگر کوئی خطرہ موجود ہی ہے تو اس کا سامنا پہلے مجھے کرنا چاہیے۔" اس کے لہجے سے بے خوفی عیاں تھی جیسے اس کی نگاہوں میں موت کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

"میں تمھیں قربانی کا بکرا نہیں بنا سکتا، یہ منصوبہ میرا ہے

لٰہذا پہل مجھے کرنا چاہیے۔" میں نے اس کے ایثار سے متاثر ہو کر گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"قربانی کا بکرا تو بے چارہ دو چھتی میں بندھا ہوا پڑا ہے۔" اس نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "میرے آگے پیچھے تو کوئی رونے والا نہیں ہے۔ تمھیں لندن پہنچنے تک زندہ رہنا ہے۔ تمھیں کچھ ہو گیا تو بھابی بیچاری اس بے رحم دنیا میں اکیلی رہ جائے گی۔ سب گھر والوں کے بعد تمھاری ذات ہی تو اس کے لیے واحد سہارا ہے۔ اپنے لیے نہیں تو کم از کم بھابی کے لیے میری بات مان لو۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ادھر کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

میں نے اس سے بحث کی لیکن جیت نہ سکا اور آخر کار وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر دیوار پر چڑھا اور اگلے ہی لمحے نیچے غائب ہو گیا۔ میں دیوار کی اوٹ میں تنی ہوئی رسی کو تھامے دم بخود بیٹھا رہا۔

چند ثانیوں بعد رسی کا ارتعاش ختم ہو گیا۔ شاید سلطان شاہ خیریت کے ساتھ گلی میں اتر چکا تھا۔ لمحے سرکتے رہے۔ گندی گلی پر بدستور بیکراں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

پھر یکے بعد دیگرے رسی پر تین جھٹکے محسوس ہوئے۔ وہ سلطان شاہ کی طرف سے میرے لیے میدان صاف ہونے کا سگنل تھا۔ میں بھی دیوار پر چڑھا اور پھر رسی تھام کر فضا میں معلق ہو گیا۔ توازن درست کرکے میں نے رسی پر اپنی انگلیوں کی گرفت قدرے ہلکی کی اور رسی کے سہارے تیزی سے نیچے پھسلنے لگا۔ اسی کے ساتھ رسی کی رگڑ سے میری ہتھیلیوں اور انگلیوں کی پوروں میں آگ سی بھر گئی لیکن آزادی کی وہ حقیر سی قیمت ناگزیر تھی۔

میں نے دانت پر دانت جما کر آنکھیں بھینچ لیں۔ وہ کیفیت لمحہ بھر میں گزر گئی۔ میرے پیر زمین سے لگ چکے تھے اور سلطان شاہ نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس وقت وہ متعفن گلی مجھے ایک نعمتِ غیر مترقبہ محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے رسی چھوڑی تو دونوں ہاتھوں میں خون کی نمی اور چپچپاہٹ کا احساس ہوا۔ شاید دونوں ہاتھ بری طرح زخمی ہو گئے تھے لیکن اس لمحے مجھے تکلیف کا کوئی احساس نہیں تھا۔ میں نے دیوار سے ہاتھ رگڑ کر تاریکی میں اندازے سے صاف کیے اور پھر ہم دونوں مین روڈ کی سمت ہو لیے۔

تاریکی میں اس گندی گلی میں راستہ طے کرنا خاصا کٹھن کام تھا۔ کیونکہ وہاں جا بجا نرم اور سخت کوڑے کے ڈھیر جمع تھے اسی کے ساتھ زمین میں بھی جا بجا گڑھے کھدے ہوئے تھے اور اندازے کی ذرا سی غلطی سر سے پیر تک گندگی کی چادر میں لپیٹ سکتی تھی۔ اس سست رفتار پیش قدمی میں بعض ایسے کٹھن مقام بھی آئے جہاں مجھے سانس روک لینا پڑا ورنہ امکان یہ تھا کہ ایسی فضا میں چند گہرے سانس دوسرے جہانوں کی سیر کرا سکتے تھے۔

آخر کار گلی کے پیچ و خم سے گزرتے ہوئے ہم ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں گلی سے نکاسی کا راستہ قدرے روشن نظر آ رہا تھا۔ وہ روشنی شاید سڑک پر لگے ہوئے کمزور اسٹریٹ لیمپس کے انعکاس کا نتیجہ تھی۔ اردگرد کے مکانات پر موت کی سی خاموشی طاری تھی مگر میں پھر بھی زبان کھولنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے شانے سے کلاشنکوف اتار کر سلطان شاہ کو دکھائی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

میں نے میگزین نکال کر کلاشنکوف آہستگی سے نیچے رکھ دی پھر دونوں بھرے ہوئے میگزین بھی وہیں ڈال دیے۔ اس اثنا میں سلطان شاہ فاضل راؤنڈز کا بار ہلکا کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

گلی سے نکلنے کا مرحلہ بھی بہت اہم تھا کیوں کہ وہ عام گزرگاہ نہیں تھی۔ اگر وہاں رہنے والے کسی بھی شخص کی نگاہ ہم پر پڑ جاتی تو وہ ہماری جانوں کے لیے عذاب بن سکتا تھا اس لیے ہم دونوں فوری طور پر آمنے سامنے کی دیواروں کے ساتھ لگ کر آگے بڑھنے لگے۔ اس ترکیب کا مقصد صرف اتنا تھا کہ گلی کے دہانے پر بیک وقت دونوں طرف نگاہ رکھی جا سکے۔ اس طرح ہم گلی کے نکڑ تک پہنچ گئے میرے سامنے سناٹے کا راج تھا۔ سلطان شاہ نے راستہ صاف دیکھ کر اشارہ کیا اور ہم دونوں پھرتی سے باہر نکل کر شانہ بہ شانہ یوں آگے بڑھنے لگے جیسے دور سے یوں ہی چلتے آ رہے ہوں۔

ہر طرف سکوت اور سناٹے کا راج تھا۔ فضا میں کافی فاصلے پر ملوں میں چلتی ہوئی مشینوں کا دھیما دھیما شور گونج رہا تھا یا پھر قرب و جوار میں پھرتے ہوئے آوارہ کتوں کی آوازیں۔

ہم نے آگے اپنی کار کی طرف جانے کے بجائے واپسی کی راہ اختیار کی تھی، اس طرح ہوٹل والی گلی کے سامنے سے گزرنے سے بھی بچ گئے تھے جہاں راجو کے مسلح آدمی میرے ظہور کے منتظر تھے۔ اعصاب شکن اور خونریز معاملے سے آزاد فضا میں آتے ہی ذہن کے بند دریچے بھی کھلنے لگے تھے اور اس علاقے میں پھیلی ہوئی ویرانی کا سبب ذہن میں آنے لگا تھا۔

گل بادشاہ نے بتایا تھا کہ پرانی شکست کے بعد راجو بہت زور پکڑ چکا تھا لانڈھی اور اس سے ملحقہ مضافاتی علاقوں میں وہ ہوا بنا ہوا تھا۔ وہ مقام ایسا تھا کہ قانون کے نفاذ کے



ذمے داروں کی پشت پناہی کے بغیر برقرار نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف راجو کے آدمی بھی بُرے لوگوں میں پہچانے جاتے ہوں گے۔ لٰہذا انھیں اسلحے سے لیس گل بادشاہ کے ہوٹل کے گرد منڈلاتے دیکھ کر ہر ایک نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ رات اس علاقے پر بھاری گزرنے والی ہے لٰہذا ہر شخص اپنے گھر میں دبکا ہوا تھا کیونکہ واردات کے بعد قانون کے محافظ حرکت میں آتے تو گواہوں کی تلاش شروع ہوتی اور راجو جیسے شخص کے خلاف گواہی دے کر کوئی اپنے بھرے پُرے گھر کو برباد نہیں کرا سکتا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے تو سلطان شاہ بے اختیار مسکرا دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے ہاتھ بھی زخمی ہیں۔"

"آگ بھر گئی تھی ہاتھوں میں، صبح تمھیں دستانے لانے ہوں گے میرے لیے، تمھارا کیا حال ہے؟"

"نہ تم سے بہتر نہ بدتر۔" وہ بولا۔ "لیکن اتنا بتا دوں کہ اب ایک دم تکان نے آ لیا ہے تم نے کوئی بندوبست نہ کیا تو یہیں کہیں سڑک کے کنارے پڑ کر سو جاؤں گا بعد میں جو ہوگی دیکھی جائے گی۔"

میرے دل میں بھی اس وقت نرم بستر اور پُرسکون ماحول کی آرزو پیدا ہو چکی تھی لیکن بستر اور ایک محفوظ چھت کی جستجو میں ہم نے گل بادشاہ کے پاس جو بدترین وقت گزارا تھا اس کے بعد اب کسی نئی مہم جوئی کی ہمت نہیں رہی تھی سنسنی اور اعصابی ہیجان نے کم از کم وقتی طور پر اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"پھر اب کہاں کا ارادہ ہے؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے پھر ٹوکا۔

"آج کی رات تو شاید کسی چھت کا سایہ مقدر میں نہیں ہے۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "کوئی ٹیکسی مل جائے تو صدر چلتے ہیں۔ اُجالا پھیلنے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے۔ وقت جہانگیر پارک میں گزار لیں گے۔"

"اگر آنکھ لگ گئی تو دشواریوں میں پڑ جائیں گے، رقم اور اسلحے سے محرومی کے ساتھ ہی ہمارے زخمی ہاتھ ہمارے لیے بدترین خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"کسی ویرانے کا رُخ کیا تو پولیس کا سامنا ہو سکتا ہے۔" اُس نے مجھے بھی فکر مند کر دیا تھا۔

"کیوں نہ ویرا کے پاس چلیں۔" اس نے کہا۔ "تم نے بتایا تھا کہ وہ تمھیں ساتھ لے جانے پر مصر تھی۔"

"اس کی تو عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔ دوسرے آدمی کی واپسی نہ ہونے پر داؤد نے اسے اپنی لسٹ پر لے لیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اب کوئی دوسرا اس کی نگرانی کر رہا ہو۔ یہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے والا قصہ بھی بن سکتا ہے پھر میرے پاس اس کا صرف فون نمبر ہے۔ اسے رِنگ کر کے اس کا پتا معلوم کرنا ہوگا۔ زخمی ہاتھوں کے ساتھ اس وقت میں کہاں سے اسے فون کر سکوں گا؟"

اُسی وقت عقب سے ایک خالی ٹیکسی آ کر ہمارے قریب سے گزری اور میں نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

"مگر یہ تو سوچ لو کہ جانا کہاں ہے؟" سلطان شاہ منمنایا۔

"بعد میں سوچیں گے پہلے اس علاقے سے نکلو۔"

جتنی دیر میں ٹیکسی ریورس گیئر میں ہمارے قریب پہنچی، میں فیصلہ کر چکا تھا۔ "ایمپریس مارکیٹ۔" میں نے ڈرائیور سے کہا اور اس کا جواب اثبات میں ملتے ہی دروازہ کھول کر پھرتی سے عقبی نشست پر بیٹھ گیا تاکہ وہ میرے ہاتھوں پر خون کے سوکھے ہوئے دھبے نہ دیکھ سکے۔ سلطان شاہ دوسری طرف سے میرے پہلو میں آ گیا۔

راستے بھر میرا ذہن اگلے پروگرام میں اُلجھا رہا۔ زخمی ہاتھوں سے قطع نظر یہ بات بھی میرے زیرِ غور تھی کہ راجو کو میری موجودگی کی اطلاع مل چکی تھی اور ہمارے فرار نے اس مشکوک اطلاع کی توثیق کر دی تھی۔ وہ مخالف کیمپ کا آدمی تھا لیکن زیرِ زمین دنیا کے بہتیرے ایسے لوگوں سے اس کے مراسم ہو سکتے تھے جو کسی نہ کسی طرح تنظیم کے ہمدرد یا کارکن تھے۔ ان کے ذریعے میری شہر میں موجودگی کی خبر تنظیم کے اعلیٰ حلقوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل سکتی تھی۔ جس کے بعد بہت بڑے پیمانے پر میری تلاش کی مہم شروع ہو سکتی تھی۔

وہ بُرا وقت آنے سے پہلے مجھے شہر بلکہ ملک سے نکل جانا چاہیے تھا لیکن اس کے لیے بھی سلطان شاہ کو اپنی کارروائیاں پوری کرنے کے لیے کم از کم آنے والا دن درکار تھا جسے عافیت اور سلامتی سے گزارنے کے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا تلاش کرنا ناگزیر تھا۔

ذہن پر کافی زور دینے کے بعد آخر کار میرے ذہن میں مارٹن کے نام نے سر اُبھارا۔

اس کے ویران مکان میں دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں مگر دونوں ہی چیتھڑوں کی شکل میں تھیں جن کی تدفین سے داؤد یا کسی اور کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ داؤد کی کوشش تو یہی ہوتی کہ مارٹن کے مکان میں اپنے کسی آدمی کو مامور کر دے تاکہ بہ وقت

لانے اور لے جانے والوں کے لیے وہ ٹھکانا بدستور استعمال ہوتا رہے۔

لیکن اس کارروائی سے پیشتر اسے چند روز لامحالہ انتظار کرنا تھا تاکہ مارٹن کے نامعلوم قاتل یا قاتلوں کے صحیح عزائم کا اندازہ لگا سکے۔ دوسری طرف وہ ویرا کے معاملے میں اُلجھا ہوا تھا اور دوسرے آدمی کی گم شدگی نے پچھلی رات تک اس کی اُلجھنوں میں خاصا اضافہ کر دیا ہوگا۔ اس بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ کم از کم اگلے چوبیس گھنٹوں کے لیے مارٹن کا مکان ہمارے لیے شہر میں بہترین ٹھکانا ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ مکان اچھی طرح ہمارا دیکھا بھالا تھا۔ وہاں فون کی سہولت بھی موجود تھی اور اسلحہ کے سہارے ہم وہاں بہتر طور پر اپنی حفاظت اور کسی موہوم خطرے کے خلاف مدافعت کر سکتے تھے شرط بس اتنی سی تھی کہ ہمیں پھاٹک کے بجائے وہاں آمدورفت کے لیے عقبی دیوار کا سہارا لینا پڑتا۔

آخری خیال ذہن میں آتے ہی میں خود بخود مسکرا کر رہ گیا۔ مقدر ہمیں ایک ایسی راہ پر لے آیا تھا جہاں گندی گلیاں ہی ہماری سلامتی کی ضامن بن کر رہ گئی تھیں لیکن مارٹن کے مکان کی عقبی گلی جو پہلے بہت بدبو دار محسوس ہوئی تھی گل بادشاہ کے ہوٹل کا پچھواڑا دیکھنے کے بعد یقیناً بہت صاف ستھری محسوس ہوتی۔

ایمپریس مارکیٹ کے علاقے میں پہنچنے کے بعد میں نے کنٹرک ہال کے سامنے والے تاریک حصّے میں ٹیکسی رکوالی۔ اس سے پہلے ہی میں اپنے پرس سے پچاس روپے کا نوٹ نکال چکا تھا۔ ٹیکسی رُکتے ہی میں وہ نوٹ ڈرائیور کی گود میں ڈال کر نیچے اُتر گیا۔ زخمی ہاتھوں نے اُس وقت مجھے خوف میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

"چوالیس روپے بنے ہیں صاحب!" ڈرائیور میرے اُترتے اُترتے کیبن لائٹ جلا کر بولا۔

"باقی تم رکھ لو۔" مجھ سے پہلے سلطان شاہ بول پڑا اور ڈرائیور کا ہاتھ جیب کی طرف جاتے جاتے رُک گیا۔

ہم دونوں سُست قدموں سے آگے کی طرف چل دیے کیونکہ پیچھے گڈھیالی بلڈنگ کے قرب و جوار کے علاقے میں اس وقت بھی کافی رونق تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ٹیکسی ڈرائیور اچھی ٹپ ملنے کی خوشی میں زیادہ دیر وہاں رُکنے کے بجائے گاڑی گھما کر واپس چلا گیا کیونکہ اتنی رات ڈھلے اسے وہاں دُن دے کی خلاف ورزی پر ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد ہمیں ایک دوسری ٹیکسی مل گئی اور اس میں ہم مارٹن کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان میرے اس خیال سے بہت خوش ہوا تھا کیونکہ اتنی کڑی مشقت کے بعد وہ بجا طور پر خود کو بستر کا حق دار سمجھ رہا تھا۔

دوسری ٹیکسی میں نے مارٹن کے مکان سے دور ہی چھوڑ دی اور ڈرائیور ٹپ سمیت رقم لے کر فوراً ہی وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا کیونکہ مکان کے بجائے راستے میں اُترنے کی وجہ سے وہ ہمیں غالباً چور یا ڈاکو سمجھا تھا جو کسی واردات کی نیّت سے شہر کے اس خوش حال علاقے میں آئے ہوں۔

یہاں میدان دُور دُور تک صاف تھا۔ ہم پیچھے سے دیوار پھاند کر بنایت اطمینان سے مارٹن کے مکان میں داخل ہو گئے۔ احاطے سے عمارت میں گھستے ہوئے ہم نے پوری احتیاط سے کام لیا تھا لیکن یکے بعد دیگرے سارے کمروں کی تلاشی کے بعد وہاں چڑیا کا بچّہ بھی دریافت نہ کر سکے۔

پوری طرح مطمئن ہو کر ہم نے نہ صرف داخلی دروازہ اندر سے بولٹ کیا بلکہ مارٹن کی کرسی کے دستے میں لگا ہوا مخصوص بٹن دبا کر اسے برقی طور پر بھی مقفّل کر دیا۔

سلطان شاہ ہر خطرناک مرحلے سے لڑائی بھڑائی کے بغیر گزرا تھا اس لیے اس کا حلیہ ٹھیک ٹھاک تھا لیکن ویرا کی کار میں داؤد کے آدمی سے ہونے والی ہاتھا پائی کے نتیجے میں میرے لباس پر بننے والی شکنیں پھولے ہوئے ماتھے کے ساتھ مل کر مجھے تیسرے درجے کا کوئی لفنگا ظاہر کر رہی تھیں۔ داؤد کے آدمی کے چہرے پر ٹکّر رسید کرتے ہوئے نشانہ قدرے بہک جانے کی وجہ سے میری پیشانی پر نمودار ہونے والا جزیرہ اچانک تکلیف دینے لگا تھا۔

ہم دونوں نے ایک دوسرے کے اُدھڑے ہوئے ہاتھوں کا جائزہ لیا پھر باتھ روم میں اچھی طرح ہاتھ دھو کر کسی مرہم کی تلاش شروع کر دی۔ میرا خیال تھا کہ زخموں کی اسی وقت دیکھ بھال کر لی جاتی تو اگلے دن تک ہمیں ان کو چوروں کی طرح چھپانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

"میں تو سو رہا ہوں۔" سلطان شاہ بے طرح بستر پر گرتے ہوئے بولا۔ "مرہم مل جائے تو میرے ہاتھوں پر بھی لگا دینا۔"

میں اس سے کوئی تعرض کیے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

صبح نو بجے کے بعد میری آنکھ کھلی تو سلطان شاہ چائے تیار کیے میرے بیدار ہونے کا منتظر تھا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر سلیقے سے بال جمائے باہر جانے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے جلد بیدار ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اور میرے کیچڑ اور غلاظت میں لتھڑے ہوئے جُوتے صاف کر کے چمکا لیے تھے۔

رات کو لگائے ہوئے مرہم سے میرے ہاتھوں کو کافی افاقہ ہوا تھا۔ سلطان شاہ بھی خوش تھا کہ شاید لندن روانگی تک زخم بالکل ہی صاف ہو جائیں۔

مجھے گھر پر ہی رُکنا تھا لہٰذا میں تحلّی کر کے اس کے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہو گیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ نے ایکسپلوڈر میرے حوالے کر دیا۔ وہ غیر ضروری طور پر شہر میں اسلحہ لے کر نہیں گھومنا چاہتا تھا۔

میں نے اسے ٹکٹوں اور سامان کی خریداری کے لیے ویرا کے دیے ہوئے پیکٹ میں سے پانچ نوٹ نکال کر ساری رقم سونپ دی کیونکہ ٹکٹوں کے ساتھ ہی زرِ مبادلہ کی خریداری بھی ضروری تھی ورنہ قلاش ہونے کی صورت میں لندن ائرپورٹ پر دشواری پیش آنے کا قوی امکان تھا۔

کچھ دیر گفتگو کے بعد سلطان شاہ اپنی مہم پر نکل گیا اور میں باتھ روم میں جا گھسا۔ پچھلی رات کی جانگسل بھاگ دوڑ کے بعد مارٹن کے گھر کی ایک ایک چیز نعمت معلوم ہو رہی تھی۔

غسل سے فراغت کے بعد میں نے مارٹن ہی کا ایک لباس منتخب کر کے زیب تن کیا اور پھر باورچی خانے میں جا گھسا کیونکہ امکانی خطرات کے پیشِ نظر رات کا کھانا بھی گول کرنا پڑ گیا تھا۔

آملیٹ اور ڈبل روٹی پر مشتمل ناشتا کرتے ہوئے میرا ذہن ویرا کے معاملے میں اُلجھا ہوا تھا۔ اگر اُسے میں اپنی روانگی کے صحیح پروگرام سے باخبر کر دیتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ مقررہ وقت پر ائرپورٹ پر آموجود ہوتی اور اس طرح میرے ساتھ سلطان شاہ کی روانگی کا راز فاش ہو جاتا جب کہ نہ صرف ویرا نے مجھے اپنی روانگی سے باخبر کرنے کی ہدایت کی تھی بلکہ عزالہ تک رسائی ہونے تک مجھے ویرا کو ہر حال میں ہاتھ میں رکھنا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے اس سے فون پر رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

"میں کسی بھی وقت لندن کے لیے روانہ ہو سکتا ہوں۔" رسمی شناختی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اُسے براہِ راست کام کی بات سے آگاہ کیا تو وہ چونک پڑی۔

"کیوں؟ ایسی بھی کیا عجلت ہے؟" اس کی آواز تحیّر آمیز تھی۔

"بس خیریت ہی ہو گئی ورنہ رات پچھلے گناہوں کی پاداش میں بے رحمی کے ساتھ ذبح کر دیا گیا ہوتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"چرس کے زمانے کے ایک حریف کے آدمی نے مجھے پہچان لیا تھا۔ یوں سمجھو کہ چوہے دان میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ مقدر یاور تھا کہ زندہ سلامت بچ نکلا اور اپنے بدلے دشمن کا ایک آدمی بھی مار آیا۔" میں نے اس کے استفسار کے جواب میں بتایا۔

"مگر وہ کون دشمن تھا؟ ہوا کیا تھا؟ مجھے تفصیل سے بتاؤ۔" اس کا لہجہ تجسّس آمیز تھا۔

"اس دُور کا ایک چھچھورا چرس فروش ہے مگر آج کل اس کا طوطی بول رہا ہے۔ اسے غلط فہمی ہے کہ کئی سال قبل اس کے بھائی کی ہلاکت میرے ایما پر ہوئی تھی۔ تم سے الگ ہو کر سلطان شاہ کو ایک ضروری کام یاد آ گیا اور ہم اس کے دوست سے ملنے لانڈھی چلے گئے۔ سلطان نے میرا تعارف فرضی نام سے کرایا مگر اس کا دوست کسی زمانے میں راجو کا آدمی رہا تھا وہ پہلی ہی نگاہ میں مجھے پہچان گیا لیکن ہمیں اس کا احساس کرائے بغیر مہمان نوازی کی آڑ میں ہمیں زبردستی وہاں روکنے پر تل گیا۔ سلطان کے مراسم کی وجہ سے مجھے آمادہ ہونا پڑا اور اس خبیث نے میرے بارے میں اپنے شبہے سے راجو کو آگاہ کر دیا۔ ہم نے جان پر کھیل کر اس غدّار کو بے دست و پا کیا۔ میں تو اسے مار ہی دیتا مگر سلطان شاہ کی وجہ سے رعایت کرنا پڑی۔ اسی ہڑبونگ میں راجو کا آدمی نگاہ میں آ گیا جو ہماری گھات میں اسی گھر میں چھپا ہوا تھا۔ اس کو ہم نے ٹھکانے لگا دیا اور پچھلے راستے سے رات گئے فرار ہو گئے۔" لانڈھی جانے کے مقصد اور گل بادشاہ کی ملی بھگت کے علاوہ میں نے اس کو پوری کہانی بلاکم و کاست سُنا دی جو وہ شاید انہماک سے سن رہی تھی۔

"اب تم نکل ہی جاؤ تو بہتر ہوگا۔" میرے خاموش ہونے پر اس کی تھکی ہوئی آواز اُبھری۔ "رات اُدھم مچا کر تم نے بھیانک غلطی کی ہے۔ تنظیم کے ارکان کسی بھی لمحے پورے شہر میں تمہاری تلاش کی مہم شروع کر سکتے ہیں۔"

"میرا اندازہ بھی یہی ہے لیکن راجو سے یہ خبر تنظیم تک پہنچنے میں وقت لگے گا۔" میں نے کہا۔

ریسیور پر اس کی استہزائیہ سی ہنسی سنائی دی۔ "ضروری نہیں کہ تمہارے اندازے ہمیشہ درست ہی ثابت ہوتے رہیں۔ راجو تنظیم کا خاص آدمی بن چکا ہے۔ مضافاتی علاقے اسی کے ذمّے ہیں۔"

یہ اطلاع میرے لیے کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں

تھی۔" نہیں۔" بے اختیار میرے منہ سے نکلا" یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔" اس کی گمبھیر آواز سنائی دی "تنظیم میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا لو کہ اسے مجھ تک رسائی حاصل ہے۔ آج کل جہانگیر اس کے نیچے ہے۔ وہ بھی حیثیت میں تمہارے خون کا پیاسا تھا لیکن تم میری بات لکھ کر رکھ لو کہ تنظیم کے ریکارڈ پر تم آج بھی باغی ہو۔ اپنی ناکامی کا داغ مٹانے کے لیے اب وہ تنظیم کا سہارا لے گا۔ وہ یہ خبر میرے ہی پاس لائے گا کہ تم شہر میں دیکھے گئے ہو اور مجھے یہ خبر داؤد کو پہنچانا ہو گی۔"

"لیکن کیوں؟ تم داؤد کو کیوں مطلع کرو گی؟" مجھ پر ایک بار پھر اضطراب طاری ہونے لگا۔

"اس لیے کہ عام کارکن آج بھی یہی سمجھتے ہیں کہ تم تنظیم کو مطلوب ہو۔ یہ راز صرف مقامی بڑوں کے علم میں تھا کہ میں نے تمہاری غلطیاں معاف کر کے تمہیں لائیڈز کا سٹیج بھجوا دیا تھا۔ اب اگر لائیڈز کا سٹیج کی تباہی کے بعد وہاں سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی آدمی کہیں زندہ دیکھا جاتا ہے تو بڑوں کو اس کا علم ہونا چاہیے۔"

"تم یہ خبر اپنی سطح پر دبا سکتی ہو۔"

"ناممکن۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ "آخری ہدایات کی روشنی میں راجو اب تنظیم کے آدمیوں کو تمہاری تلاش پر مامور کر دے گا اور یہ خبر داؤد سے چھپی نہ رہ سکے گی۔ وہ ٹرانسمیٹر پر راجو سے براہِ راست تفصیلات طلب کر سکتا ہے۔ جب اُسے پتا چلے گا کہ میں نے راجو سے ملی ہوئی اتنی اہم اطلاع اپنی ذات تک محدود رکھی تھی تو تم خود سوچ سکتے ہو کہ موجودہ نازک حالات میں میری کیا پوزیشن ہو گی؟"

"اور اگر کاغذ تیار نہ ہو سکے؟" اس کے انکشافات نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"جعلی کاغذات پر یا کاغذات کے بغیر ملک سے باہر کہیں بھی چلے جاؤ، وہاں سے لندن پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہو۔ تم خود بتا چکے ہو کہ ہوٹل بند رہے گا تو دس گیارہ بجے تک دروازہ توڑا جا سکتا ہے اور پھر راجو سب کچھ سمجھ جائے گا۔ یہ سمجھ لو کہ دوپہر سے پہلے ہی وہ میرے پاس دوڑا آئے گا۔"

"میں کوشش کروں گا۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"راجو اب بہت خوف ناک ہو گیا ہے۔ تم سلطان کے دوست کو زک دے کر نکل تو آئے لیکن راجو اس کے بدن سے چمڑی گرا دے گا۔ وہ اپنی راہ میں آنے والوں کے ساتھ بہت سفاکی کے ساتھ پیش آتا ہے۔"

میں نے جس مقصد سے فون کیا تھا، نئی اطلاعات کی روشنی میں وہ بہت ثانوی ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ ویرا نے سلطان شاہ کی روانگی کے بارے میں کچھ پوچھا، نہ مجھے بتانے کی ضرورت پیش آئی۔

"پھر اب تم سے لندن ہی میں ملاقات ہو گی۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ابھی تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

"کہیں بھی نہیں، رات کا باقی حصّہ ایک پبلک پارک میں آوارہ گردوں کی بھیڑ میں اونگھ کر گزارا تھا اور اب ایک پبلک بوتھ سے تم کو فون کر رہا ہوں۔"

"کرائسٹ تمہاری حفاظت کرے۔" اُس کی آواز میں تشویش اُمڈ آئی "ان حالات میں میں [illegible] رہے لیے صرف دُعا ہی کر سکتی ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ جب تک تم نہیں آتے، غزالہ پوری عزت کے ساتھ میری مہمان رہے گی۔"

"اگر میں اس تک نہ پہنچ سکا تو وہ عمر بھر کے لیے تمہاری ذمّے داری ہو گی۔" جوں جوں گفتگو آگے بڑھ رہی تھی، مجھے اپنے دل پر بوجھ سا اُترتا محسوس ہو رہا تھا اور آواز گھٹتی جا رہی تھی۔

میری آواز سے میری کیفیت کا اندازہ لگا کر ویرا نے ایک بار پھر نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے ریسیور شاید کریڈل پر ڈال دیا۔ میں چند ثانیوں تک اس کے دوبارہ ریسیور اٹھانے کا منتظر رہا مگر لائن پر سناٹا محسوس کر کے آخرکار میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ویرا سے گفتگو کے بعد میرا دل بہت زیادہ اُداس اور پریشان ہو گیا تھا۔ ذہن میں عجیب سے ڈراؤنے اور مہیب خاکے تشکیل پا رہے تھے، جیسے مقدّر مجھے چاروں طرف سے بے دست و پا کر کے مقتل کی جانب دھکیل رہا ہو۔ میرے لیے اس وقت تنہائی کا ایک ایک لمحہ عذاب بنا ہوا تھا اور رُواں رُواں سلطان شاہ کی کامیابی کے لیے دُعا گو تھا۔

پھر شاید میری دعائیں قبول ہو ہی گئیں۔ سوا تین بجے بیرونی دروازے پر مخصوص انداز میں چار دستکیں سنائی دیں اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ ایک پھولا ہوا لفافہ لیے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان شاہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا لیکن جب اُس نے میرا پژمردہ چہرہ دیکھا تو وہ بھی اپنی خوشی بھول کر پریشان ہو گیا۔ "کیا ہوا؟ بہت اُداس نظر آ رہے ہو؟" اُس نے اندر گھستے ہی پوچھا۔

"تم سناؤ، میری کہانی ذرا لمبی ہے۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔



"سب کام ہو گیا۔ لُفت ہنسا کی پرواز رات گیارہ بجے روانہ ہو گی۔ رات فرینکفرٹ میں قیام کے بعد صبح سویرے وہاں سے لندن کی پرواز ملے گی۔" اس نے کہا۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔" میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ "لیکن تم نے خریداری نہیں کی؟"

"سامان اور سوٹ کیس کے ساتھ پچھلی دیوار پھاند کر اندر آنا مشکل تھا اس لیے میں نے ارادہ بدل دیا۔ تم یہاں سے وقت پر نکل کر سیدھے ائرپورٹ چلے جانا۔ میں پانچ بجے نکلوں گا اور بازار سے خریداری مکمل کرتا ہوا ائرپورٹ پر تم سے آ ملوں گا۔"

"میں وقت ضائع نہیں کر سکتا، سب کچھ ہو گیا ہے تو میں ابھی ائرپورٹ جا رہا ہوں تاخیر کی تو شاید وہاں تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آ سکے۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔"

"کیوں؟ یہ سب تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ فکرمندانہ لہجے میں بولا۔

"رات جو کچھ ہوا وہ ایک بڑے کھیل کی ابتدا تھی، راجو تنظیم کے لیے کام کر رہا ہے اور ہوٹل کے اندر کی صورتِ حال سامنے آتے ہی پورے شہر میں میری تلاش کی مہم شروع ہو جائے گی۔"

"ناقابلِ یقین!" اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور اس کا منہ حیرت سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔

میں اسے ویرا سے [illegible] بتانے لگا۔

**گل بادشاہ**، سلطان شاہ کا گہرا دوست تھا اور اسی بنا پر سلطان شاہ مجھے ساتھ لے کر سکون کی ایک رات بسر کرنے کے لیے اُس کے ہوٹل پہنچا تھا اور وہاں اس نے مجھے ایک فرضی نام سے گل بادشاہ سے متعارف کرایا تھا لیکن وہ کسی زمانے میں راجو نامی منشیات فروش کا قریبی ساتھی رہا تھا لہٰذا وہ مجھے پہچان گیا اور اس نے ہمیں دھوکے میں رکھ کر وہ خبر کسی طرح راجو تک پہنچا دی۔ راجو کے مسلح آدمیوں کا محاصرہ توڑ کر ہم دونوں بخیر و عافیت اس پنجرے سے نکل تو بھاگے تھے لیکن ویرا نے میری ساری توقعات پر پانی پھیر دیا تھا۔

میں تنظیم سے چھپتا پھر رہا تھا اور راجو میری طرف سے اپنے دل میں بغض رکھنے کے ساتھ ہی تنظیم کا ایک اہم کارندہ تھا۔ یہ بات لازمی تھی کہ ذاتی طور پر مجھ سے [illegible] ہو جاتا اور پھر نہ صرف ویرا کو میری یعنی ڈینی کی موجودگی [illegible] دیتا بلکہ اپنے تجربہ کار اور بے رحم ساتھیوں کو میری تلاش میں ہر طرف پھیلا دیتا۔

ہر بار کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو ہی جاتی ہے۔" میری کہانی سُن کر سلطان شاہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"مقدرات اٹل ہوتے ہیں سلطان شاہ!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ہم مافوق الفطرت قوتوں کے مالک تو نہیں ہیں کہ اپنی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو پہلے سے دور کر سکیں۔"

"پھر تمہارا غیر مسلّح ہونا خطرناک ہو سکتا ہے۔" وہ بولا "کم از کم پورے میگزین والا ایک ایکسپلوڈر ضرور ساتھ رکھنا۔ باقی اسلحہ یہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔"

"ائرپورٹ کی حدود میں اسلحہ لے کر داخل ہونا قانوناً جرم ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہو سکتا ہے کہ راستے میں تمہارا کسی سے تصادم ہو جائے اسے ضائع تو تم کہیں بھی کر سکتے ہو۔" وہ بولا "لاؤنج میں داخل ہونے سے پہلے ایکسپلوڈر باہر کسی بھی باتھ روم یا کوڑے دان میں ڈال سکتے ہو۔"

"تمہاری تجویز معقول ہے۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "لیکن تمہیں خود بھی اسی ترکیب پر عمل کرنا ہو گا تاکہ کسی ناگہانی صورتِ حال میں اپنا دفاع کر سکو۔ طیارے میں سوار ہونے تک ہمیں ہر لمحے چوکنّا رہنا ہو گا۔"

"لعنت ہو گل بادشاہ پر۔" وہ تلخ لہجے میں بڑبڑایا "کسی دوست کے ہاتھوں ایسا چرکا میں نے زندگی میں پہلی بار کھایا ہے۔ اس نے نجانے ہم سے کب کی دشمنی نکالی ہے۔"

"سب کچھ غلط فہمی کی بِنا پر ہوا۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "زیادہ سے زیادہ تم اسے نادان دوست کہہ سکتے ہو۔ اگر اسے مجھ پر شبہ ہو ہی گیا تھا تو اسے راجو کے پاس جانے کے بجائے علیحدگی میں تم سے بات کرنا چاہیے تھی۔ اس بے چارے کی نیک نیتی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہماری دشواریوں سے آگاہ ہوتے ہی اس نے نتائج سے بے پروا ہو کر خود کو ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور ہم اُسے چارا بنا کر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اگر وہ ہم سے تعاون نہ کرتا تو ہم کسی بھی قیمت پر وہاں سے زندہ سلامت باہر نہیں نکل سکتے تھے۔"

"جو ہو گیا سو ہو گیا، اب آگے کی فکر کرو۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "جو کچھ تم نے مجھے بتایا وہ بہت خوف ناک ہے تمہیں واقعی شدید خطرہ درپیش ہے، پورے شہر میں تلاش کی مہم کا آغاز ہونے سے قبل تمہیں ائرپورٹ کے کسی گوشے میں روپوش ہو جانا چاہیے مقررہ وقت پر ہم لاؤنج میں مل جائیں گے، راجو یا اس کے آدمی سوچ بھی نہ سکیں گے کہ تم اتنی جلدی ملک سے نکل بھاگو گے۔ ان سے تو بس راستے ہی میں ٹکراؤ کا خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"اب تک تو وہ لوگ شہر کے چپّے چپّے پر پھیل چکے ہوں گے

دس گیارہ بجے تک راجہ کے آدمیوں نے صبر کیا ہوگا۔ پھر ہوٹل کھلنے کے کوئی آثار نہ دیکھ کر دروازہ توڑ دیا ہوگا۔ اب تک نہ صرف اس کے آدمی پھیل چکے ہوں گے بلکہ اس سے ویرا تک ہوتی ہوئی وہ خبر داؤد کو بھی مل چکی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ معاملے کی سنگینی کے پیشِ نظر اس نے اپنے طور پر کچھ کھوجی اور قاتل میری تلاش پر مامور کر دیے ہوں۔"

میرے خدشات سن کر وہ گہری فکر میں ڈوب گیا۔

"حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو گئے ہوں' ہم زیادہ دیر تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے یہاں بیٹھے نہیں رہ سکتے۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "مارٹن کا گھر بھی ان کی نظروں میں ہے' ہمیں محتاط رہتے ہوئے فوری طور پر یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

"میرے پاس تو سارا ہی وقت فالتو ہے۔" اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "ایسا کیوں نہ کروں کہ میں پیچھے رہ کر تمھاری حفاظت کرتا رہوں [illegible] کسی ٹکراؤ کی صورت میں تمھاری مدد بھی کرسکوں گا۔"

اس وقت ہم دونوں ہی پیدل تھے۔ غزالہ کے مرحوم باپ کی جو کار ہمارے تصرف میں تھی' وہ نہایت مجبوری اور بے بسی کے عالم میں گل بادشاہ کے ہوٹل سے فرار ہوتے ہوئے چھوڑنا پڑ گئی تھی لہٰذا طے یہی پایا کہ میں مکان سے نکلنے کے بیس منٹ بعد ایک مخصوص مقام سے ٹیکسی میں ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو جاؤں تاکہ سلطان شاہ کو میرا تعاقب کرنے کے لیے مناسب مہلت مل سکے۔

سلطان شاہ کے ساتھ پروگرام طے کرکے میں نے ایکسپلوڈر جیب میں ڈالا اور نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ اس عمارت میں پناہ لیتے ہوئے ہم نے نہ صرف داخلی دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا بلکہ مارٹن کی عجیب و غریب وھیل چیئر کے دستے میں لگا ہوا مخصوص بٹن دبا کر دروازے کا الیکٹرونک قفل بھی لگا دیا تھا۔ سلطان شاہ نے دروازے کا بولٹ کھولا اور میں نے قریب ہی پڑی ہوئی کرسی کا دوسرا بٹن دبا کر الیکٹرونک قفل کھولا اور اطمینان سے آگے بڑھا لیکن اسی لمحے سلطان شاہ میری طرف پلٹ پڑا۔ اس کی تکان آلود نگاہوں میں تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"شش!" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور محتاط انداز میں کوئی کھٹکا پیدا کیے بغیر دوبارہ دروازے کا بولٹ چڑھا دیا۔

میں تجسس آمیز انداز میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے طرزِ عمل سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید اس نے باہر کوئی آہٹ سن لی تھی۔ اسی وجہ سے اس راستے کو استعمال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"تم نے کرسی کے کنٹرول بورڈ کا صحیح بٹن دبایا ہے؟" اس نے دبی دبی سرگوشیانہ آواز میں مجھ سے سوال کیا۔ اس کے بشرے پر چھائی ہوئی تشویش لحظہ بہ لحظہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"ہاں!" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ کہا۔ "یہ شبہ کیوں ہوا تم کو؟"

"ذرا ایک بار پھر دیکھ لو۔" اس نے بائیں ہتھیلی سے اپنی پیشانی کو رگڑتے ہوئے کہا۔

"تم بھی آؤ۔" میں نے فراخ دلی کے ساتھ کہا۔ "میرا خیال ہے کہ بٹن دبانے میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔"

"پھر ہم پھنس گئے ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "میں دروازہ کھولنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے باہر سے بولٹ کر دیا گیا ہے۔"

"لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ باہر سے دروازہ کون بولٹ کرے گا؟"

"وہ جو بھی ہے' ہمارا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

میں نے کرسی کے دستے میں نصب کنٹرول بورڈ پر دروازہ کو مقفل کرنے والا بٹن دبایا اور بورڈ پر دروازے کو مقفل ظاہر کرنے والی مدھم سی سبز روشنی جل اٹھی۔ سلطان شاہ غور سے میری حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے دوبارہ قفل کھولنے والا بٹن دبایا اور سبز روشنی یک بیک غائب ہوگئی۔

"میں نے پہلے بھی ٹھیک بٹن دبایا تھا۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر ضرور کوئی باہر موجود ہے۔" اس کے لہجے میں مایوسی امڈ آئی تھی۔

"ضروری نہیں' ہوسکتا ہے کہ قفل کا الیکٹرونک سرکٹ صحیح طریقے سے کام نہ کر رہا ہو۔" میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم بھی دروازے پر طبع آزمائی کرلو' پھر میری بات سمجھ سکو گے۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "قفل دروازے کو وسط میں پکڑتا ہے اور بولٹ اوپر پھنستا ہے۔ اس رکاوٹ کو محسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مارٹن کا شیطانی نظام بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے' باہر سے کسی نے ہمیں چوہے دان میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"بات سمجھ میں نہیں آتی۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر باہر کوئی موجود ہی ہے تو دروازہ بولٹ کرنے کے بجائے اس کے لیے یہ زیادہ آسان ہوتا کہ جھاڑیوں میں گھات لگائے ہمارے باہر نکلنے کا انتظار کرتا اور جوں ہی ہم بے خبری میں باہر نکلتے' ہمیں دھمکا کر زیر کرنے کی کوشش کرتا ورنہ ہلاک یا زخمی کرنا تو اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا۔"

"تمھاری اسی منطق بازی سے میں گھبراتا ہوں۔" وہ چڑ کر بولا۔ "اس سے تو بہتر ہے کہ زبان کھولنے کے بجائے تمھاری رائے کا انتظار کیا جائے۔"

"تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہی تو مشکل ہے کہ میں دلیلوں سے تمھاری بات کو غلط ثابت نہیں کرسکتا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ باہر خطرہ منڈلا رہا ہے اور کچھ پتا نہیں کہ باہر قدم نکالتے ہی کس سمت سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو جائے۔"

"ٹھہرو۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر آہستگی کے ساتھ کہا۔ "ادھر الیکٹرونک تالا ہے مگر عقبی دروازے کا نظام سیدھا سادہ ہے۔ اسے دیکھ لیتے ہیں' اگر وہ بھی باہر سے بند ہوا تو تمھارے شبے کی تصدیق ہو جائے گی ورنہ ہم اسی سمت سے باہر نکلیں گے۔"

وہ کچھ کہے بغیر میرے ساتھ ہولیا اور پھر چند ثانیوں بعد اس کے شبے کی تصدیق بھی ہوگئی۔

عقبی دروازہ بھی باہر سے بولٹ تھا جس کا مطلب تھا کہ باہر کوئی موجود تھا اور اس نے ہمارے باہر نکلنے کا انتظار کرکے مقابلے سے گریز کرتے ہوئے ہمیں عمارت میں قید کرنے کو ترجیح دی تھی۔

"اب بتاؤ کہ اس نے ہمیں کھلی فضا میں گھیر کر مارنے کے بجائے اندر کیوں بند کیا ہے؟" دروازہ کھولنے میں میری ناکامی پر سلطان شاہ نے سوال کیا۔ اتنی بحث کے بعد اس مرحلے پر وہ فخر ہونے میں قطعی حق بجانب تھا۔

"سیدھی سی بات ہے کہ ہمیں بند کرنے والا معذور ہے۔" میں نے اضطراری طور پر کہا اور اس بلا تامل جواب پر سلطان شاہ کی کھوپڑی ناچ گئی جس کا اظہار اس کی آنکھوں سے ہوگیا تھا۔

"گولی چلانے کے لیے صرف ایک صحت مند ہاتھ درکار ہوتا ہے۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "ہوسکتا ہے کہ تمھارے اندازے کے مطابق وہ معذور ہو لیکن اتنا بھی نہیں کہ چند فائر نہ کرسکے۔ یہ نہ بھولو کہ دونوں دروازوں کو باہر سے بولٹ کرکے اس نے ہمیں یہ جتا دیا ہے کہ وہ نہ صرف اتنا لمبا چکر کاٹ سکتا ہے بلکہ ایک یا دونوں ہاتھوں سے کام بھی لے سکتا ہے۔ اسے اپنے سے کم تر سمجھ کر ہم بھاری خسارے میں رہیں گے۔"

اس کے لہجے پر میں بے اختیار ہنس پڑا مگر اندر لوٹتے ہوئے فوراً ہی سنجیدگی اختیار کرلی۔ "یہ نہ سمجھو کہ وہ میرا رشتے دار ہے اور میں اس سے ملا ہوا ہوں۔ ضروری نہیں کہ معذوری جسم یا ہاتھ پیروں کی ہو' یہ اسلحے کی بھی ہوسکتی ہے۔ اسے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اندر ہم دو آدمی ہیں اور وہ نہ صرف اکیلا ہے بلکہ غیر مسلح بھی لہٰذا اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے دونوں دروازے بند کر دیے اور اب تک وہ کسی نہ کسی کو ہمارے گھیرے جانے کی خبر دے چکا ہوگا یا دینے والا ہوگا تاکہ اسے کمک مل سکے اور وہ للکار سکے۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار ابھر آئے۔ "لیکن مارٹن کے اس مکان میں کسی غیر مسلح آدمی کا کیا کام؟ یہ مکان داؤد کی نگاہوں میں ہے اور اس کے آدمی بہت گھاگ ہیں' وہ تو شاید سوتے ہوئے بھی اسلحہ اپنے جسموں سے جدا نہیں کرتے ہوں گے اور اگر تمھاری تلاش میں راجہ کا کوئی آدمی ادھر آنکلا ہے تو وہ بھی غیر مسلح نہیں ہوسکتا۔ پھر آخر وہ کون ہے جو ہمیں یوں گھیرنا چاہ رہا ہے؟"

"ہم اس بحث میں الجھ کر اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت چونکتے ہوئے کہا۔ "ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ جب تک وہ اکیلا اور نہتا ہے' ہم اس سے لڑ بھڑ کر نکل سکتے ہیں۔ اس کے مددگار آپہنچے تو کھیل بگڑ جائے گا۔"

"ہوسکتا ہے کہ اب تک اسے مدد مل گئی ہو۔" سلطان شاہ نجانے کیوں اس موقع پر باہر نکلنے میں غیر معمولی پس و پیش سے کام لے رہا تھا ورنہ بدترین مواقع پر بھی اس نے کبھی ... اپنی جان کی بازی لگانے سے گریز نہیں کیا تھا۔ کئی بار تو اس نے صریحاً خودکشی کی کوشش کی تھی۔

"اپنی برتری اور کامیابی کا یقین ہوتا تو وہ بولٹ گرا چکا ہوتا۔ بند دروازے اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی تک باہر کی صورتِ حال جوں کی توں برقرار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چند لمحوں کی تاخیر ہمارے نکلنے کے امکانات ہی مسدود کر دے۔ کھڑکیوں پر آہنی گرل کی موجودگی میں ہمیں شاید کوئی دروازہ ہی توڑنا پڑے گا۔"

بات اس کی کھوپڑی میں سما گئی اور وہ جلدی سے بولا۔ "تم پچھلی سمت کی کھڑکیوں کو بھول رہے ہو' ادھر صرف شیشے لگے ہوئے ہیں' ان میں سے ایک تم نے باہر سے توڑا بھی تھا' جب داؤد کے آدمی تمھیں گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے اور تم شیشہ توڑ کر اندر گھسنے کے بجائے کسی پائپ کے سہارے چھت پر چڑھ

گئے تھے۔"

وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ میں اوپر پہنچ گیا تھا اور میرے لہو کے پیاسے ٹوٹے ہوئے شیشے سے غلط راہ پر پڑ گئے تھے وہ مجھے اندر عمارت کی بھول بھلیوں میں تلاش کرتے رہے اور واپس لوٹ گئے مگر ان کی نگرانی کرنے والے نے مجھے ڈھونڈ نکالا اور آخر کار ایک کمرے میں میرے ایکسپلوڈر کا نشانہ بن گیا۔

اس بار وہی ٹوٹا ہوا شیشہ ہمیں فرار کا ایک بہترین راستہ فراہم کرسکتا تھا۔

ہم دونوں نے ایک بار پھر اپنا اسلحہ چیک کیا اور واپس عقبی سمت میں ہو لیے۔ شیشے سے محروم کھڑکی کے قریب چھپ کر ہم کئی منٹ تک باہر کی سُن گُن لیتے رہے لیکن ادھر مکمل سناٹے کا راج تھا آخر کار میں نے ایکسپلوڈر ہاتھ میں سنبھالا اور سر باہر نکال کر قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن وہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آیا سورج کی تیز روشنی میں جھاڑیوں کی اوٹ کے سوا چپّا چپّا صاف نظر آرہا تھا۔

میں نے سر اندر کرکے اوٹ میں چھپے ہوئے سلطان شاہ کو سرگوشیانہ آواز میں وہیں چھپے رہ کر صورتِ حال پر نگاہ رکھنے کو کہا تو وہ میرے بجائے خود باہر نکلنے پر مصر ہوگیا۔

"آج تم کچھ بے اعتمادی کا شکار ہوگئے ہو اس لیے اندر ہی رکو" میں نے کہا۔ "اگر باہر مجھے کوئی خطرہ درپیش ہوا تو تم اس کا سدِّباب کرسکو گے۔"

اس وقت زیادہ بحث کرنے کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا وہ مجبوراً خاموش ہوگیا اور میں احتیاط کے ساتھ کھڑکی سے باہر نکل گیا۔

پھر جوں ہی میں باہر نکل کر سیدھا کھڑا ہوا اچانک فضا 'ہینڈز اپ' کی کرخت مردانہ آواز سے گونج اٹھی۔

میں نے بے ساختہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے پھر اندازے سے آواز کی سمت کا تعین کرتے ہوئے آہستگی کے ساتھ اسی سمت میں گھوم گیا لیکن وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔

"تم میری رائفل کی زد میں ہو۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد مالتی کی جھاڑیوں کی اوٹ سے پھر وہی کرخت آواز گونجی۔ "میری ہدایات سے ذرا بھی انحراف کیا تو بے دریغ فائر کردوں گا۔"

"ہدایات کیا ہیں؟" میں نے پُرسکون لہجے میں سوال کیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ سلطان شاہ کی پیشگی تادیب کے باوجود وہ صورتِ حال مجھے بہت غیر متوقع اور خطرناک محسوس ہورہی تھی۔

"اسی طرح ہاتھ سر سے بلند کیے جھاڑیوں کی طرف آجاؤ۔"

"ضرور آجاؤں گا۔" میں نے اپنی تشویش کو لہجے میں نہ جھلکنے دیا۔ "لیکن تمہارے حکم کی تعمیل سے پہلے میں تمہاری صورت ضرور دیکھنا چاہوں گا۔"

"یہ مت بھولو کہ تم اس وقت میرے نشانے پر ہو۔" اس کی غراہٹ سنائی دی۔

میرے ذہن میں وہ تجزیہ تازہ تھا جو سلطان شاہ کے ساتھ مل کر کیا گیا تھا جس میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ باہر والے کے پاس اسلحہ نہیں تھا اور اس نے وقت حاصل کرنے کے لیے دروازے باہر سے بولٹ کیے تھے۔

میں نے اچانک اپنے ہاتھ گرا دیے مگر میری نگاہیں پوری طرح جھاڑیوں پر مرکوز تھیں۔ "ہوسکے تو گولی بھی چلا دو، اس کے نتیجے سے تمہیں مایوسی ہوگی۔"

"ہاتھ اٹھاؤ ورنہ واقعی فائر کردوں گا۔" اس کی دھمکی آمیز آواز میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ غالباً میرا طرزِ عمل اس کی توقع کے خلاف رہا تھا۔

"یہ شوق ضرور پورا کرو۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا اور جھاڑیوں پر نگاہ رکھتے ہوئے عقبی دیوار کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت تک میں نے ایکسپلوڈر نہیں نکالا تھا کیونکہ میں پوری طرح اس کی حوصلہ افزائی کرکے اسے باہر نکلنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔

پھر اچانک ہی اس نے غیر متوقع بلکہ عجیب و غریب ردِعمل کا مظاہرہ کیا۔ مالتی کی جھاڑیوں کی اوٹ سے اس کا جسم ابھرا اسی کے ساتھ اس کا داہنا ہاتھ گردش میں آیا اور وہ فوراً ہی جھاڑیوں کے پیچھے دبک گیا۔ اس کا پھینکا ہوا پتھر فضا میں اڑتا ہوا سیدھا میری طرف آرہا تھا۔

گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کے باوجود اس کا نشانہ قابلِ رشک تھا لیکن میں خود کو اس پتھر کی مہلک زد سے بچانے میں کامیاب ہوگیا اور پتھر پُرشور آواز سے زمین پر گرنے کے بعد اپنے زور میں دور تک لڑھکتا چلا گیا۔

اس کی دھمکی مجھ پر کارگر نہیں ہوئی تھی اسی کے ساتھ اس کے مسلح ہونے کا بھرم بھی کھل گیا تھا لہٰذا میں بہ آسانی اسے زیر کرسکتا تھا۔ وہ شخص شاید جسمانی طور پر مجھ سے برتر ہی تھا لیکن عقل سے عاری نہیں تھا میرے فائر نہ کرنے اور کسی اسلحہ کی نمائش نہ کرنے کے باوجود اسے اندازہ تھا کہ میں ضرورت کے وقت اسلحہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کروں گا اور وہ اپنی جسمانی برتری کے باوجود مارا جائے گا۔ ان خدشوں کے پیشِ نظر اس نے اپنی کمین گاہ سے کھلی فضا میں نکلنے کی حماقت نہیں کی تھی اور جب میں نے پتھر کی زد سے خود کو بچاتے ہوئے مالتی کی جھاڑیوں کی طرف دوڑ لگائی تو وہ بھی پھرتی کے ساتھ ایک طرف بھاگ نکلا میں جتنی دیر میں جھاڑیوں تک پہنچتا وہ موڑ گھوم کر میری نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا۔

میرے ذہن میں یہ خطرہ موجود تھا کہ موڑ گھوم کر اس نے



آگے بڑھتے رہنے کے بجائے دیوار سے چپک کر ایسی پوزیشن نہ لے لی ہو کہ میرے نمودار ہوتے ہی مجھ پر ٹوٹ پڑے لہٰذا میں نے عمارت کی دیواروں سے حتی الامکان دور رہتے ہوئے وہ موڑ کاٹا تو وہ واقعی دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے ایک بار پھر دوڑ لگا دی لیکن اس بار اس کا رُخ دوبارہ مالتی کی جھاڑیوں اور عمارت کے عقبی حصے کی جانب تھا۔

"رُک جاؤ، ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں نے اس کے تعاقب میں پلٹتے ہوئے اسے للکارا۔ اسی کے ساتھ میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا ایک ایکسپلوڈر بھی نکال لیا تھا۔

لیکن میری آواز کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی بلکہ بگٹٹ آگے کی طرف دوڑتا رہا۔

اس موقع پر اگر وہ میری رینج میں ہوتا تو میں ضرور اس پر فائر کردیتا لیکن وہ مجھ سے بہت آگے تھا اور مجھے خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ کہیں وہ میرے پہنچنے سے قبل ہی دیوار پھاند کر فرار نہ ہوجائے مگر اس وقت میں سلطان شاہ کو بھولا ہوا تھا جو اکثر اہم مواقع پر مختصر مگر کلیدی رول ادا کرتا آیا تھا۔

وہ ٹوٹے ہوئے شیشے سے شاید پوری صورتِ حال کا مشاہدہ کرتا رہا تھا۔ اپنے حریف کی طرف سے رائفل کی دھمکی کے بعد پتھر مارنے سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ حریف غیر مسلح تھا لہٰذا وہ اطمینان سے باہر نکل آیا تھا۔

میں بھاگنے والے کے تعاقب میں تھا اور سلطان شاہ آگے اس کی راہ میں حائل تھا۔ اس شخص نے بھاگتے بھاگتے اچانک ہی اپنا رُخ تبدیل کیا اور احاطے کی دیوار کی طرف بھاگنا چاہا لیکن اس وقت تک وہ سلطان شاہ کی زد میں آچکا تھا۔ اس نے ہاتھ سیدھا کرکے فائر کردیا۔

بارودی دھماکے کے ساتھ چلی ہوئی ایکسپلوڈر کی گولی، بھاگتے ہوئے دشمن کے جسم میں پیوست ہونے کے بجائے اس کے داہنے شانے میں اتر گئی۔

گولی کا زخم کھاتے ہی اس کے حلق سے گھٹی گھٹی غراہٹ بلند ہوئی تھی مگر پل بھر بعد ہی ایکسپلوڈر کی گولی اس کے جسم کا [illegible] پاکر پھٹی تو اس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ بلند ہوئی تھی اور وہ منہ کے بل زمین پر جا گرا تھا۔ ایکسپلوڈر کے ہولناک وار سے دھماکا ہوتے ہی اس کا داہنا بازو شانے سے اکھڑ کر دور جا گرا تھا اور وہ زمین پر گرا ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

"تم اسے سنبھالو، میں اندر سے کاغذات نکال لاؤں۔" سلطان شاہ نے دور ہی سے کہا اور واپس عمارت کی طرف ہو لیا۔ فائر کے دھماکے کے بعد اس نے صورتِ حال کی نزاکت کو پوری طرح بھانپ لیا تھا اور جانتا تھا کہ اب ہم زیادہ دیر تک وہاں نہ رک سکیں گے، اس لیے سفری دستاویزات کو فوری طور پر اپنی تحویل میں لینا ناگزیر ہوگیا تھا۔

"کون ہو تم؟" میں نے اپنے تڑپتے ہوئے شکار کے سر پر پہنچ کر خونخوار لہجے میں سوال کیا، جواب میں اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ پڑا۔

قریب سے اس کے داہنے شانے کے خاک اور خون میں لتھڑے ہوئے زخم کا جائزہ لیتے ہی میرے بدن میں پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ اس وقت پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ ایکسپلوڈر کا ادھورا وار بھرپور وار سے کہیں زیادہ خوف ناک تھا۔ دھماکے کے باعث اس کے شانے کی ہڈی کے ساتھ ہی پسلیاں بھی بری طرح مجروح ہوئی تھیں اور اپنی اذیت کے اعتبار سے وہ شخص حقیقی طور پر فوری موت کا مستحق ہوچکا تھا۔

مگر میں نے اس کی کھوپڑی پر ایک بھرپور ٹھوکر رسید کردی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس کے منہ سے جاری گالیوں کا طوفان فوری طور پر تھم گیا۔

"جواب دو گے تو فوری طبّی امداد کے ساتھ کوئی زود اثر مسکّن دوا بھی مل جائے گی ورنہ اسی طرح [illegible] پیر اڑا کر تمہارے دھڑ کو یہیں تڑپتا اور سسکتا ہوا چھوڑ جائیں گے۔" میں نے سرد اور سفّاکانہ لہجے میں کہا۔ "کون ہو اور یہاں کیوں آئے تھے؟"

اس کی آنکھوں میں نفرت آمیز خوف کے آثار امڈ آئے۔ "میں راجو کے لیے کام کرتا ہوں۔" اس نے کراہوں کے درمیان اٹک اٹک کر کہنا شروع کیا۔ "میں یہاں مال لینے آیا تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ عمارت آج کل ویران پڑی ہے اور پھاٹک کے بجائے مجھے کسی دوسرے طریقے سے اندر پہنچنا ہوگا۔ اندر گھس کر میں نے روا روی میں عمارت کا چکر لگایا تو اندر سے دو آدمیوں کی آوازیں سُنیں اور میں ہوشیار ہوگیا۔ میرا ذہن فوراً راجو کے ان دشمنوں کی طرف گیا جو پچھلی رات لانڈھی میں گل بادشاہ کے ہوٹل میں اس کا ایک آدمی مار کر نکل بھاگے تھے۔ راجو ان کی تلاش میں پاگل ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نکاسی کے دونوں راستے باہر سے بند کردیے اور اسے خبر کردی۔ اب وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتا ہے۔ میری اطلاع پر وہ بہت خوش ہوا تھا۔"

"اسے کس طرح اطلاع دی تھی؟"

"یہاں آج کل گیراج میں ہیروئن رکھی جاتی ہے۔" زخم سے بہت زیادہ خون بہنے کی وجہ سے اس کی اٹکتی ہوئی آواز میں لمحہ بہ لمحہ نقاہت بڑھتی جا رہی تھی۔ "وہیں ایک ٹرانسمیٹر بھی ہے جس پر حسب ضرورت راجو سے بات کی جا سکتی ہے۔ ہر آنے والے کو اس ٹرانسمیٹر پر راجو کو اسٹاک اور ڈیلیوری کی تفصیل بھی بتانا پڑتی ہے، میں نے اسی پر اطلاع دی تھی۔"

"لیکن تم غیر مسلح کیوں تھے؟" میں نے آخر کار وہ اہم سوال بھی کر ہی ڈالا جو ابتدا ہی سے میرے ذہن میں بہت شدت کے ساتھ چبھتا رہا تھا۔

"شروع سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ اس عمارت میں آنے والوں کو غیر مسلح ہو کر آنا پڑتا ہے۔ میں یہ معلوم کرنا بھول گیا تھا کہ دروازے کے بجائے دوسرے راستے سے داخل ہونے کی صورت میں یہ پابندی برقرار رہے گی یا ختم ہو جائے گی اور شاید اس وقت میں اپنی اسی بھول کی قیمت ادا کر رہا ہوں۔" اس نے ایک تیز ہچکی لی اور رو دینے والی آواز میں بولا۔ "خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو، میرا حال بہت ابتر ہے۔ اس وقت کسی تیز خواب آور دوا کا انجکشن دے دو، بعد میں میں تمہارے ہر سوال کا جواب دے دوں گا۔"

میں کوئی جواب دیے بغیر اسے سرد اور بے رحمانہ نگاہوں سے گھورتا رہا۔

وہ انسان ضرور تھا مگر اس روپ میں درندوں سے بھی بدتر تھا۔ درندے ایک وقت میں ایک آدھ ہی کو نقصان پہنچاتے ہیں مگر وہ ہیروئن فروشوں کے اس منظم ٹولے کا ایک اہم ہرکارہ تھا جو محض مالی فائدوں کی خاطر پورے معاشرے کی بنیادوں میں زہر سرایت کر رہا تھا۔ میرے نزدیک ان خونی بھیڑیوں میں سے ایک بھی معافی دیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ جس طرح وہ لوگوں کو ہیروئن کی لت میں مبتلا کر کے دھیمے دھیمے قبروں کی طرف دھکیل رہے تھے، اسی طرح انھیں بھی سسکا سسکا کر مارا جانا چاہیے تھا اور وہ خود بھی موت کی اسی راہ پر گامزن تھا لیکن اسے سسکتا ہوا چھوڑنا میرے نزدیک قرینِ مصلحت نہیں تھا۔ اگر راجو اس کی زندگی میں ہی آجاتا تو وہ اسے بہت کچھ بتا سکتا تھا، جب کہ میں ہر لفظ کو ایک راز رکھنا چاہتا تھا۔ میرے لیے وہ موقع غنیمت تھا کہ راجو اپنے کارندوں کی ایک ٹولی کے ساتھ مارٹن کے مکان میں اپنے ایک آدمی کی پراسرار موت کے اسباب میں الجھا رہتا اور میں اطمینان سے ایئرپورٹ کی طرف نکل جاتا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ قصہ ختم کرو اس کا اور نکلو یہاں سے۔" سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"نہیں۔" اس کا تبصرہ سنتے ہی زخمی فنکار حلق پھاڑ کر ہذیانی انداز میں چیخا۔ اس کی آنکھیں موت کی دہشت سے پھٹنے لگی تھیں۔ "تم مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کر سکتے... تم مجھے نہیں مار سکتے۔"

"ہمیں کون روک سکے گا؟" میں نے زہرخند کے ساتھ کہا۔ "جب تم لوگ اپنی مٹی سے کیے ہوئے عہد توڑ سکتے ہو تو ہمیں وعدہ خلافی سے کون روکے گا؟"

فقرہ پورا کرتے ہی میں نے اس کے سینے میں ایکسپلوڈر کی گولی اتار دی اور اس کا پورا وجود کسی بم کی طرح پھٹ کر چاروں طرف دور تک بکھر گیا۔

اس عمارت میں وہ ایکسپلوڈر کا تیسرا شکار تھا۔

دن بھر کا تھکا ہارا سورج دھیمے دھیمے اپنے سفر کی آخری منزل کی طرف رواں تھا۔ کرنوں کی تیزی ماند پڑ چکی تھی لیکن شہر میں ہر طرف اُجالا ہی اُجالا تھا کیونکہ اس وقت شام کے صرف پانچ بجے تھے۔

میں رکشے میں تیزی کے ساتھ ایئرپورٹ کی طرف جا رہا تھا اور سلطان شاہ ٹیکسی میں میرے پیچھے آرہا تھا۔ اس دن میں نے پہلی بار ڈرائیور کے سامنے مختلف زاویوں سے لگے ہوئے متعدد آئینوں کی اذیت محسوس کی تھی کیونکہ میں فریق ثانی کی طرف سے کسی مداخلت کے خطرے کے پیشِ نظر گرد و پیش پر نگاہ رکھنا چاہتا تھا لیکن ڈرائیور اپنے آئینوں میں ہر زاویے سے غالباً میرے بدن کے ایک ایک حصے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اگر میں ذرا بھی بے چینی یا اضطراب کا مظاہرہ کرتا تو وہ میری طرف سے چونک سکتا تھا لہٰذا میں سب کچھ فراموش کر کے تن بہ تقدیر ہو کر نشست پر سیدھا بیٹھ گیا اور وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگا لی لیکن میں ان آئینوں کو اپنے ذہن سے نہ جھٹک سکا۔

"یہ چار پانچ شیشے کیوں لگا رکھے ہیں تم نے اپنے سامنے؟" نرسری کے قریب سے گزرتے ہوئے بالآخر وہ سوال میری زبان پر آ ہی گیا۔

**اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات چوتھے حصے میں ملاحظہ فرمائیں**